نوجوانوں کا تربیتی نصاب

خلفائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم

شخصیت۔ حالاتِ زندگی۔ عہدِ خلافت

تالیف: ڈاکٹر علی محمد محمد الصلابی

مترجم: شمیم احمد خلیل السلفی عبد المعین بن عبد الوہاب مدنی

سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

دوسرا باب......وفات نبوی اور سقیفہ بنوساعدہ

تیسرا باب......لشکر اسامہ اور مرتدین سے جہاد

چوتھا باب......دورِ صدیقی کی فتوحات خلافت عمر اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات

سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ

پہلا باب......سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ مکہ میں

دوسرا باب......سیّدنا عمر بن خطاب کی قرآنی اور نبوی تربیت

تیسرا باب......خلافت کے لیے نامزدگی، نظام حکومت کے اصول اور معاشرتی زندگی

چوتھا باب......وزارت خزانہ، وزارت عدل اور عہد فاروقی میں ان کی ترقی

پانچواں باب...... گورنران ریاست کے ساتھ فاروقی طرزِ عمل

ساتواں باب ......فتوحات شام، مصر اور لیبیا

آٹھواں باب ...... سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی زندگی کے آخری ایام

سیّدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

پہلا باب ...... سیّدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ مکہ و مدینہ میں

دوسرا باب...... ذوالنورین رضی اللہ عنہ کا استخلاف

تیسرا باب......سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مال وقضا کے ادارے

چوتھا باب......عہد عثمانی کی فتوحات

پانچواں باب......عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں صوبوں کا نظام

چھٹا باب......فتنہ قتل عثمان رضی اللہ عنہ کے اسباب

ساتواں باب......سیّدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا قتل

سیّدنا علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ

پہلا باب......سیّدنا علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ مکہ میں

دوسرا باب......سیّدنا علی رضی اللہ عنہ خلفائے راشدین کے عہد میں

تیسرا باب...... بیعت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اہم اوصاف حمیدہ اور معاشرتی زندگی

چوتھا باب......امیر المومنین سیّدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے عہد میں ادارۂ مالیات، محکمہ قضاء اور آپ کے بعض فقہی اجتہادات

پانچواں باب ...... معرکہ جمل وصفین اور تحکیم

چھٹا باب......خوارج کے بارے میں علی رضی اللہ عنہ کا موقف

عرضِ ناشر

خلفائے رسول ﷺ اوران کے ادوارِ خلافت کی خصوصیات اور مثالی کرداروں کا مطالعہ کرنے سے پہلے ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ یہ دَور دورِ نبوی ﷺ کی نیابت ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کی اب تک کی تاریخ میں دور نبوت کے بعد خلافت راشدہ کا دور ہر اعتبار سے سب سے ممتاز اور تابناک رہا ہے، کیونکہ اس کی باگ ڈور ان ہستیوں کے ہاتھ میں تھی جو نبی کریم ﷺ کے تربیت یافتہ تھے۔ جس طرح انہوں نے قرآن وسنت کے نقل کرنے میں غایت درجہ احتیاط واتقان سے کام لیا تھا اسی طرح انہوں نے جہاں بینی اور جہاں بانی میں بھی شمع نبوت سے روشنی حاصل کی تھی۔ چنانچہ انہوں نے فکری، سماجی، سیاسی، اداری، اقتصادی اور جنگی وفتوحاتی ہر میدان میں انسانیت و روحانیت اور امن وآشتی کے لیے ایسے عدیم النظیر نقوش چھوڑے جن سے آج کی ترقی یافتہ کہی جانے والی دنیا بھی درست راہ لینے پر مجبور ہے۔

خلفائے راشدین کے دور کی تاریخ درس وعبر سے بھری پڑی ہے۔ اگر اس تاریخ کو ضعیف وموضوع روایات، مستشرقین اوران کے دم چھلوں یعنی سیکولرازم کے پرستاروں اور روافض وغیرہ کے نظریات سے ہٹ کر ہم بحسن وخوبی پیش کرلیں گے تو اس سے روحوں کو غذا ملتی ہے، نفوس کی تہذیب ہوتی ہے، عقل کو مستحکم اور ہمتوں اورعزائم کو تیز کرتی ہے، دلوں کو منور کرتی ہے، ہمتیں بڑھتی ہیں، فکر میں پختگی پیدا ہوتی ہے، اس سے ہم منہاج نبوت پر نئی مسلم نسل کی تربیت میں استفادہ کرسکتے ہیں، جس سے ہمیں کامیابی مل جائے گی اوران پاکباز شخصیتوں کی زندگی اوران کے دور کی خوبیوں کو ہم اچھی طرح پہچان لیں گے۔ یہ کائنات کا بہترین دور تھا۔ ابوداود (۴/۲۰۱ حسن صحیح) کی روایت میں ہے:

''تم میری سنت کو اور میرے بعد ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑو۔''

اعدائے اسلام نے اسلامی تاریخ کو نشانہ بنا رکھا ہے وہ اس کوشش میں لگے ہیں کہ اسلام اور اس کی روشن تاریخ کے درمیان خلا پیدا کردیں تاکہ نسلوں کو اسلام اور اس کے عقیدۂ شریعت، اخلاق واقدار اور علمی میراث سے دور کردیں، اس کے لیے وہ اسلامی معاشرہ میں پوری کوشش سے زہر پھیلانے میں لگے ہوئے ہیں۔

مستشرقین اور ان سے قبل روافض نے بھرپور کوشش کی کہ ان باطل روایتوں کو عام کریں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی تنقیص کرتی ہوں، اور امت کی عظیم تاریخ کو مطعون قرار دیتی ہوں، اوران کی تاریخ کی ایسی تصویر پیش کرتی ہوں کہ جس میں قیادت وحکومت اور بالادستی کے لیے جنگ جاری ہو، اس لیے ہر کاذب اور حاقد

مستشرق اور جاہل سیکولر سے ہوشیار رہنا ضروری ہے اور اسی طرح ہر اس شخص سے بھی ہوشیار رہنا ضروری ہے، جو ان کے منہج پر قائم ہو اور ضروری ہے کہ ہم اپنی لازوال تاریخ کا پرزور دفاع کریں، اور کذاب اور منحرف لوگوں کے مناہج پر پرجوش حملے کریں، اور یہ مبارک حملے، روشن حقائق، قطعی دلائل اور ناقابل ابطال براہین سے پر، حق کے علمی ایٹم بم سے ہو۔ امت کے سپوتوں پر اہل سنت والجماعت کے منہج پر تاریخ اسلام کی ترتیب اور تدوین ضروری ہے۔ اس منہج پر تاریخ کی تدوین وترتیب پر مولفین ومحققین کے قلم اٹھ چکے ہیں۔ انہوں نے اس کام کو بے فائدہ شروع نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ کو اس دین اور امت کی حفاظت کرنی ہے اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی تاریخ کے لیے ایسے لوگوں کو تیار کیا ہے جو اس کے وقائع وحوادث تحقیق کریں، اخبار وروایات کی تصحیح کریں، اور روایات گھڑنے والے وضاع وکذاب راویوں کا پردہ فاش کریں۔ یہ عظیم جدوجہد اللہ کا فضل ہے اور پھر اہل سنت ائمہ فقہاء ومحدثین کی کاوشوں کا نتیجہ ہے جن کی کتابیں ایسے بہت سے اشارات اور صحیح روایات سے بھری ہیں جو گھڑنے والوں کی وضعی روایات کی قلعی کھولتی ہیں۔

محترم ڈاکٹر علی محمد محمد الصلابی حفظہ اللہ کی یہ کتاب بھی ایسی ہی ایک کڑی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اسلامی تاریخ پر ایسا صحیح اور کامل کام کر دیا ہے جو آج تک نہ ہو سکا تھا۔ جب میری نظر میں یہ تاریخی خزانہ آیا تو سوچا کہ اسے اُردو دان طبقہ کے افادہ کے لیے بھی چھاپنا چاہیے۔ اتنے بڑے کام کو پاکستان میں شایع کرنے اور اس کے حقوق **مکتبہ الفرقان** کے نام لکھوانے کے لیے ڈاکٹر صاحب سے چند علماء کے ذریعے بات چیت ہوئی۔ انہوں نے بڑی محبت وشفقت سے اپنی تمام کتب کے اُردو زبان کے لیے اشاعتی حقوق لکھ دیے اور دعائیہ کلمات سے بھی نوازا۔ اللہ اُن کے علم وعمل میں برکت عطا فرمائے۔

اس کتاب کے مصادر ومراجع میں تقریباً چار سو کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے، جو کتاب کی اہمیت وافادیت اور انفرادیت پر دلالت کرتے ہیں۔ مؤلف کی علمی، تحقیقی، تخریجی قابلیت اس کے اسلوب وپیرائیوں سے واضح ہے۔ مترجم نے ترجمہ میں روانی اور سلاست کو ملحوظ رکھا جس سے یہ اصل تصنیف ہی محسوس ہوتی ہے۔

یہ کتاب طلباء وطالبات کا نصابِ تربیت ہے۔ خلفائے اربعہ کی مفصل کتابوں کا خلاصہ ہے۔ کمال یہ ہے کہ خلاصہ بھی ایسے کیا گیا ہے کہ کوئی بھی موضوع نہیں چھوڑا گیا، گویا چار کتابوں کو اس کے جملہ عنوانات کے تحت اختصار سے سمو دیا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ طلباء وطالبات کے لیے یہ سنگ میل ثابت ہوگا۔

آپ کا بھائی

ابوساریہ عبدالجلیل

خلیفۂ رسول ﷺ
سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ
شخصیت اور کارنامے

پہلا باب:

سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مکہ میں

(۱)
نام ونسب، کنیت، القاب، اوصاف، خاندان اور دور جاہلیت کی زندگی

نام ونسب، کنیت، القاب:

آپ کا نام عبداللہ ہے، آپ کا نسب نامہ اس طرح ہے:

عبداللہ بن عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب [1] بن لؤی بن غالب القرشی التیمی۔ [2]

آپ کا سلسلہ نسب آٹھویں پشت میں مرہ بن کعب پر رسول اللہ ﷺ سے جا ملتا ہے۔

آپ کی کنیت ابوبکر ہے۔ لفظ بَکْر بکر سے ہے، جس کے معنی نوجوان اونٹ کے ہوتے ہیں۔ [3] عرب بچوں کا نام بکر رکھتے تھے، ایک عظیم قبیلے کے جدامجد کا نام بکر تھا۔ [4]

ابوبکرؓ کے متعدد القاب ہیں۔ یہ تمام القاب بلند مرتبت، علومنزلت اور خاندانی شرف پر دلالت کرتے ہیں۔

عتیق (آزاد):

عتیق کا لقب آپ کو رسول اللہ ﷺ نے عطا فرمایا تھا، آپ نے فرمایا:

((انت عتیق اللّٰہ من النار .)) [5]

''تم جہنم سے اللہ کے عتیق (آزاد کردہ) ہو۔''

اس کے بعد آپ کا نام عتیق پڑ گیا۔

اور ایک روایت میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر

---

[1] سیرة وحیاة الصدیق: مجدی فتحی السید، ۲۷ .

[2] الاصابة لابن حجر: ٤/ ١٤٤، ١٤٥ .

[3] اسی طرح اس کا معنی والدین کا پہلا بچہ، جوان گائے، کنواری، ہر چیز کا اوّل، انگور کا پیلا دانہ وغیرہ بھی ہوتا ہے۔ دیکھیے: ترتیب القاموس المحیط: ۱/ ۳۰٦ . (مترجم)

[4] ابوبکر الصدیق: علی الطنطاوی، ٤٦ .

[5] الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان: ۱۵/ ۲۸۰، إسناده صحیح۔

ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا:

((ابشر فانت عتيق الله من النار .)) ❶

''(ابوبکر) تم خوش ہو جاؤ جہنم سے تم اللہ کے عتیق (آزاد کردہ) ہو۔''

اسی روز سے آپ کا نام عتیق پڑ گیا۔ ❷

صدیق (سچائی کا پیکر):

یہ لقب آپ کو رسول اللہ ﷺ نے عطا فرمایا، چنانچہ انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھ ابوبکر وعمر اور عثمان رضی اللہ عنہم احد پہاڑ پر چڑھے تو وہ ہلنے لگا، تو اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا:

((اثبت احد فانما عليك نبي وصديق وشهيد ان .)) ❸

''اے احد! ٹھہر جا، اس وقت تیرے اوپر نبی، صدیق اور دو شہید ہیں۔''

رسول اللہ ﷺ کے سلسلہ میں کثرت تصدیق کی وجہ سے آپ کو صدیق کا لقب ملا۔ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کے اسراء ومعراج کا واقعہ پیش آیا اور صبح کے وقت آپ نے اس کو لوگوں سے بیان کیا تو کچھ لوگ جو ایمان لا چکے تھے مرتد ہو گئے، لوگ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور کہا: آپ کو اپنے ساتھی کی خبر ہے؟ ان کا تو یہ زعم ہے کہ وہ راتوں رات بیت المقدس گئے، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے دریافت کیا: کیا واقعی آپ ﷺ نے یہ بات کہی ہے؟ لوگوں نے کہا: ہاں، آپ نے فرمایا: اگر واقعی آپ ﷺ نے یہ بات کہی ہے تو سچ ہے۔ لوگوں نے کہا: کیا آپ اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ وہ راتوں رات بیت المقدس گئے اور صبح ہونے سے پہلے واپس آ گئے؟ فرمایا: ہاں ہم تو اس سے بڑی بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ صبح وشام آپ کا صدیق ہونے پر امت کا اجماع ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کی تصدیق میں آپ نے سبقت کی اور صدق وسچائی کو آپ نے لازم پکڑا اور کبھی اس سلسلے میں کوتاہی اور لغزش کا شکار نہیں ہوئے۔ آپ اس صفت سے ہمیشہ متصف رہے۔ آپ پر آسمان کی خبروں کا نزول ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے آپ کو صدیق سے ملقب کیا گیا۔ ❹

صاحب (ساتھی):

قرآن کریم میں اللہ رب العالمین نے یہ لقب آپ کو عطا فرمایا۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ إِلَّا تَنصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي

❶ رواه الترمذي في المناقب: ٣٦٧٩، وصححه الالباني رحمه الله في السلسلة: ١٥٧٤ .

❷ اصحاب الرسول ، محمود المصري ١/ ٥٩ .

❸ صحيح البخاري، كتاب فضائل اصحاب النبي ، باب فضل ابي بكر: ٥/ ١١ .

❹ اخرجه الحاكم ٣/ ٦٢، ٦٣ وصححه و أقره الذهبي .

الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا ۖ فَأَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ ۗ وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٤٠﴾ (التوبة: ٤٠)

''اگر تم ان نبی (ﷺ) کی مدد نہ کرو تو اللہ ہی نے ان کی مدد کی اس وقت جب کہ انھیں کافروں نے (دیس سے) نکال دیا تھا، دو میں سے دوسرا جبکہ وہ دونوں غار میں تھے، جب یہ اپنے ''ساتھی'' سے کہہ رہے تھے کہ غم نہ کر، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ پس جناب باری نے اپنی طرف سے تسکین اس پر نازل فرما کر ان لشکروں سے اس کی مدد کی جنھیں تم نے دیکھا ہی نہیں۔ اس نے کافروں کی بات پست کر دی اور بلند و عزیز اللہ کا کلمہ ہی ہے۔ اللہ غالب ہے، حکمت والا ہے۔''

علماء کا اس پر اجماع ہے کہ یہاں اس آیت کریمہ میں صاحب (ساتھی) سے مراد ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔ [1]

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے بیان کیا کہ جب نبی کریم ﷺ غار میں پناہ گزیں تھے تو میں نے آپ سے عرض کی: اگر ان کافروں میں سے کسی نے اپنے قدموں کی طرف دیکھ لیا تو وہ ہمیں دیکھ لے گا، تو اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((یا ابابکر ما ظنك باثنین اللّٰه ثالثهما .)) [2]

''اے ابوبکر ان دونوں کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے جن کا تیسرا اللہ ہے۔''

ولادت اور پیدائشی اوصاف:

علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ کی ولادت عام الفیل کے بعد ہوئی البتہ اس میں اختلاف ہے کہ عام الفیل سے کتنے دنوں بعد ہوئی، بعض لوگوں نے کہا: آپ کی ولادت عام الفیل کے دو سال چھ ماہ بعد ہوئی اور کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ دو سال چند ماہ بعد ہوئی، انھوں نے مہینوں کی تعیین نہیں کی ہے۔ [3] والدین کی گود میں آپ کی بہترین نشوونما ہوئی، آپ کے والدین اپنی قوم میں عز و شرف کے مالک تھے، اس لیے آپ کو عز و شرف وراثت میں ملی تھی۔ [4]

آپ کا رنگ گورا اور بدن دبلا پتلا تھا۔ اس سلسلہ میں قیس بن ابی حازم کا بیان ہے: ''میں نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس حاضری دی، آپ دبلے تھے، بدن پر گوشت کم تھا اور رنگ گورا چٹا تھا۔'' [5]

[1] تاریخ الدعوة فی عهد الخلفاء: یسری محمد هانی، ٣٩ .

[2] البخاری، فضائل الصحابة: ٣٦٥٣ .

[3] سیرة وحیاة الصدیق، مجدی فتحی السید: ١٢٩ ، تاریخ الخلفاء: ٥٦ .

[4] تاریخ الدعوة الاسلام فی عهد الخلفاء الراشدین: ٣٠ .

[5] الطَّبقات لابن سعد: ٣/ ١٨٨ ، إسناده صحیح .

سیرت نگاروں نے راویوں کی زبانی آپ کا حلیہ مبارک کچھ اس طرح بیان کیا ہے: آپ زردی مائل سفید تھے، قد و قامت اچھا معتدل تھا، دبلے پتلے ہلکے رخسار، پیٹھ خم دار، ازار کمر سے سرک جایا کرتی تھی، چہرہ پر گوشت کم تھا، آنکھیں دھنسی ہوئیں، ناک اونچی، پنڈلیاں پتلی، رانیں مضبوط، پیشانی ابھری ہوئی، انگلیوں کے جوڑ نمایاں تھے، آپ داڑھی اور سفید بالوں میں مہندی و کتم (ایک قسم کی گھاس) کا خضاب لگاتے تھے۔ [1]

خاندان

والد:

آپ کے والد کا نام عثمان بن عامر بن عمرو ہے، ان کی کنیت ابوقحافہ ہے۔ یہ فتح مکہ کے دن اسلام لائے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ انھیں لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ان کو کیوں زحمت دی، میں خود آ جاتا، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواباً عرض کیا: ان کا آپ کی خدمت میں حاضر ہونا ہی زیادہ اولیٰ ہے۔ ابوقحافہ نے اس موقع پر اسلام قبول کیا اور آپ ﷺ سے بیعت کی۔ [2]

والدہ:

ابوبکر رضی اللہ عنہ کی والدہ کا نام سلمیٰ بنت صخر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم ہے اور ان کی کنیت ام الخیر ہے۔ یہ اسلام کے ابتدائی دور میں اسلام لا چکی تھیں۔ اس کی تفصیل ہم اس واقعہ میں ذکر کریں گے جس میں ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے مکہ میں اسلام کے اظہار اور اعلان کا مطالبہ کیا تھا۔ [3]

بیویاں

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کل چار خواتین سے شادیاں کیں، جن سے تین لڑکے اور تین لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ ان خواتین کا تذکرہ ہم بالترتیب کر رہے ہیں:

۱۔ قتیلہ بنت عبدالعزیٰ بن اسعد بن جابر بن مالک:...... ان کے اسلام قبول کرنے میں مورخین کا اختلاف ہے۔ یہ عبداللہ بن ابی بکر اور اسماء بنت ابی بکر کی والدہ ہیں۔

۲۔ ام رومان بنت عامر بن عویمر رضی اللہ عنہا:...... یہ بنو کنانہ بن خزیمہ سے ہیں۔ ان کے پہلے شوہر حارث بن سنجرہ کا مکہ میں انتقال ہو گیا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے شادی کر لی۔ یہ شروع دور ہی میں اسلام سے مشرف ہوئیں، رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی اور مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ یہ عبدالرحمٰن اور ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی والدہ ہیں۔ ۶ ہجری میں مدینہ کے اندر ان کی وفات ہوئی۔ [4]

---

[1] البخاری: ۵۸۹۵، مسلم: ۲۳۴۱، ابوبکر الصدیق: مجدی السید: ۳۲.

[2] الإصابة: ۴/ ۳۷۵.
[3] تاریخ الدعوة فی عهد الخلفاء الراشدین: ۳۰.

[4] الاصابة: ۸/ ۳۹۱.

۳۔ اسماء بنت عمیس بن معبد بن حارث رضی اللہ عنہا:...... ان کی کنیت ام عبداللہ ہے۔ یہ مسلمانوں کے دار ارقم میں داخل ہونے سے قبل ہی اسلام سے مشرف ہوکر رسول اللہ ﷺ سے بیعت کر چکی تھیں۔ یہ پہلے پہل ہجرت کرنے والی خوش نصیب خواتین میں سے ہیں۔

۴۔ حبیبہ بنت خارجہ بن زید بن ابی زہیر رضی اللہ عنہا:...... انصار کے خزرج قبیلہ سے ان کا تعلق تھا، عوالی مدینہ میں مقام ''سنح'' میں ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ رہتے تھے، انھی کے بطن سے آپ کی صاحبزادی ام کلثوم آپ کی وفات کے بعد پیدا ہوئیں۔ ❶

اولاد

آپ کے تین بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں:

۱۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما:...... آپ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سب سے بڑے تھے۔ حدیبیہ کے دن مشرف بہ اسلام ہوئے اور پھر اسلام پر ڈٹ گئے، رسول اللہ ﷺ کی صحبت کے شرف سے سرفراز ہوئے۔ شجاعت و بہادری میں بہت مشہور تھے۔

۲۔ عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہما:...... ہجرت کے موقع پر ان کا اہم کردار تھا، دن بھر مکہ میں گذارتے اور مکہ والوں کی خبریں جمع کرتے اور پھر رات کے وقت چپکے سے غار میں پہنچ کر یہ خبریں رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سناتے اور جب صبح ہونے لگتی تو مکہ واپس آ جاتے۔ طائف کی جنگ میں آپ کو تیر لگا جس کا زخم ٹھیک نہ ہوا، آخرکار اسی سبب سے خلافت صدیقی (شوال ۱۱ ہجری) میں شہادت کی موت نصیب ہوئی۔ ❷

۳۔ محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہما:...... یہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر مدینہ کی میقات ''ذوالحلیفہ'' میں ان کی ولادت ہوئی۔ نوجوانان قریش میں سے تھے۔

۴۔ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما:...... یہ ''ذات النطاقین'' کے نام سے مشہور ہیں۔ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں ''ذات النطاقین'' کے لقب سے نوازا تھا۔

۵۔ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا:...... آپ صدیقہ بنت صدیق ہیں۔ آپ کی عمر جب چھ سال تھی آپ سے رسول اللہ ﷺ نے شادی کی اور نو سال کی عمر میں شوال کے مہینہ میں آپ کی رخصتی ہوئی۔ خواتین میں سب سے بڑی عالمہ فاضلہ تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے آپ کو ''ام عبداللہ'' کی کنیت عطا فرمائی، آپ سے رسول اللہ ﷺ کو مثالی محبت تھی۔ ❸

---

❶ الاصابة: ۸/ ۸۰.

❷ نسب قریش: ۲۷۵، الاصابة: ٤/ ۲٤.

❸ تاریخ الدعوة فی عهد الخلفاء الراشدین: ۳٤.

۶۔ام کلثوم بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا:...... یہ حبیبہ بنت خارجہ انصاریہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھیں۔ام کلثوم کی شادی طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ سے ہوئی جو جنگ جمل میں شہید ہوئے۔شہادت کے بعد ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے ام کلثوم کو اپنے ساتھ لے کر حج کیا۔❶

(۲)

قبول اسلام، دعوت اور پہلی ہجرت

قبول اسلام:

سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اسلام تلاش حق کے طویل ایمانی سفر کا نتیجہ تھا۔آپ کو شروع سے دین حق کی تلاش تھی، جو آپ کی فطرت سلیمہ، دور رس بصیرت اور عقل راجح سے بالکل موافقت رکھتا ہو۔آپ تجارتی مشغلہ کی وجہ سے زیادہ سفر کرتے تھے، جزیرۃ العرب کے اکثر شہروں، بستیوں اور صحراؤں سے آپ کا گزر ہوتا تھا، شمال سے جنوب اور مشرق سے مغرب تک کا چکر لگاتے تھے۔مختلف ادیان کے ماننے والوں، خاص کر نصاریٰ سے گہرا تعلق تھا اور ان لوگوں کی باتیں غور سے سنتے تھے، جو توحید کا پرچم اٹھائے دین حق کی تلاش میں لگے تھے۔❷ آپ اپنے متعلق بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: میں کعبہ کے صحن میں بیٹھا ہوا تھا، وہاں زید بن عمرو بن نفیل بھی تشریف فرما تھے، اتنے میں امیہ بن ابی الصلت کا گزر ہوا، اس نے کہا: اے خیر کے طالب کیسے صبح کی؟ زید نے کہا: خیر وعافیت کے ساتھ، اس نے کہا: کیا خیر کو پا لیا؟ زید نے جواب دیا: نہیں، اس پر اس نے کہا:

كـل ديـن يـوم الـقـيـامة الا
مـا مـضـى فى الـحـنيفية بُورُ ❸

''قیامت کے دن ابراہیمی (دین) کے علاوہ تمام ادیان ہلاکت کا سبب ہوں گے۔''

اور رہی یہ بات کہ یہ نبی منتظر تو ہم میں سے یا تم میں سے ہوگا۔

تو ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس سے قبل میں نے کسی نبی کی بعثت اور اس کے انتظار سے متعلق نہیں سنا تھا۔ یہ سن کر میں ورقہ بن نوفل کے پاس گیا جو آسمان میں اکثر غور وفکر کیا کرتے تھے اور اکثر آہستہ سینے سے آواز نکالنے والے تھے۔ میں ان سے ملا اور یہ واقعہ بیان کیا، تو انھوں نے کہا: ہاں بیٹے! ہم کتاب وعلم والے ہیں، ہوشیار ہو جاؤ یہ نبی جن کا انتظار ہو رہا ہے، وہ عرب کے بہترین نسب میں سے ہوگا اور میں علم انساب کا ماہر ہوں۔ تمھاری قوم قریش عربوں میں سب سے اعلیٰ نسب کی حامل ہے۔ میں نے عرض کیا: چچا! وہ نبی کیا کہیں گے؟ انھوں نے کہا: وہ وہی کہیں گے جس کے کہنے کا اللہ حکم دے گا، نہ وہ ظلم کریں گے نہ ان پر ظلم ہوگا اور نہ آپس میں

---

❶ نسب قريش: ۲۷۸، الاصابة: ۸/ ٤٦٦، تاريخ الدعوة فى عهد الخلفاء الراشدين: ۳۵.

❷ مواقف الصديق مع النبى بمكة، د: عاطف لماضة: ٦. ❸ تاريخ الخلفاء للسيوطى: ٥٢.

ایک دوسرے پر ظلم کی دعوت دیں گے۔ جب رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی میں فوراً ایمان لایا اور آپ کی تصدیق کی۔ ❶

ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے رسول اللہ ﷺ کو انتہائی خوشی ہوئی۔ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''جب رسول اللہ ﷺ اپنی گفتگو سے فارغ ہوئے تو فوراً ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کر لیا۔ جب ان کے پاس سے چلے تو مکہ کی دونوں پہاڑیوں کے درمیان ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے آپ ﷺ سے زیادہ کسی کو خوشی نہ تھی۔'' ❷

ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک گراں مایہ خزانہ تھے، جسے اللہ نے اپنے نبی ﷺ کے لیے محفوظ کر رکھا تھا۔ قریشیوں میں آپ سب سے زیادہ محبوب تھے۔ وہ پاکیزہ بلند اخلاق جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کیے تھے اس کی وجہ سے لوگ آپ کی طرف کھنچے چلے آتے تھے اور آپ کے گرویدہ ہو رہے تھے۔ بلند کردار اور اچھا اخلاق وہ عنصر ہے جو لوگوں کو اپنا گرویدہ بنانے کے لیے کافی ہے۔ آپ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((ارحم امتی بامتی ابوبکر)) ❸

''میری امت میں، میری امت پر سب سے زیادہ رحم کرنے والے ابوبکر ہیں۔''

دعوت:

ابوصدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا اور اسلام کی دعوت کا پرچم لے کر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے، آپ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سیکھا تھا کہ اسلام عمل، دعوت اور جہاد کا دین ہے، جب تک انسان اپنی جان، مال اور سب کچھ اللہ کے حوالے نہیں کر دیتا اس کا ایمان مکمل نہیں ہوتا۔ ❹

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٦٢﴾ لَا شَرِيكَ لَهُ ۖ وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ﴿١٦٣﴾﴾ (الانعام: ١٦٢ـ ١٦٣)

''آپ فرما دیجیے کہ بالیقین میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور مرنا یہ سب خالص اللہ ہی کا ہے، جو سارے جہان کا مالک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اسی کا حکم ہوا ہے اور میں سب ماننے والوں میں سے پہلا ہوں۔''

اسلامی دعوت کے لیے آپ بڑے متحرک تھے۔ آپ کی دعوت میں بڑی برکت تھی، جہاں جاتے اثر انداز ہوتے اور اسلام کا عظیم فائدہ ہوتا۔ آپ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا زندہ عملی نمونہ تھے:

---

❶ تاریخ الخلفاء للسیوطی: ٥٢.

❷ البدایة والنهایة: ٣/ ٢٦، ٢٨.

❸ صحیح الجامع الصغیر للالبانی رحمه الله ٢/ ٨.

❹ تاریخ الدعوة فی عهد الخلفاء الراشدین: ٨٧.

﴿ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝۱۲۵ ﴾

(النحل: ۱۲۵)

''اپنے رب کی راہ کی طرف لوگوں کو حکمت اور بہترین نصیحت کے ساتھ بلائیے اور ان سے بہترین طریقے سے گفتگو کیجیے، یقیناً آپ کا رب اپنی راہ سے بھکنے والوں کو بھی بخوبی جانتا ہے اور راہ یافتہ لوگوں سے بھی پورا واقف ہے۔''

دعوت الی اللہ کے سلسلہ میں آپ کی نقل وحرکت اس دین پر ایمان اور اللہ و رسول ﷺ کی اطاعت کے سلسلہ میں ایسے مومن کی واضح تصویر پیش کرتی تھی جسے اس وقت تک چین وسکون نہیں آتا جب تک لوگوں کے اندر اپنے ایمان وعقیدہ کو راسخ نہ کر دے۔ یہ کوئی وقتی تحریک وجذبہ نہ تھا جو جلد ہی مضمحل ہو جاتا، بلکہ اسلام کے لیے آپ کی جدوجہد اور نقل وحرکت تا دم وفات باقی رہی، کبھی نہ تھکے نہ کمزور پڑے، نہ اکتاہٹ محسوس کی اور نہ عاجز آکر بیٹھے۔[1]

ابوبکر رضی اللہ عنہ کی دعوت کا پہلا ثمرہ مقدس ترین ہستیوں کا مشرف بہ اسلام ہونا تھا، وہ ہستیاں یہ تھیں: زبیر بن العوام، عثمان بن عفان، طلحہ بن عبیداللہ، سعد بن ابی وقاص، عثمان بن مظعون، ابوعبیدہ بن الجراح، عبدالرحمٰن بن عوف، ابوسلمہ بن عبدالاسد، ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہم۔

اللہ کی راہ میں ستائے ہوئے لوگوں کی آزادی کے لیے مال خرچ کرنا:

مکہ کے جاہلی معاشرہ میں اسلامی دعوت کی اشاعت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کو مشرکین کی طرف سے اذیت رسانی میں اضافہ ہوتا گیا اور اذیت رسانی اپنی انتہا کو پہنچ گئی، خاص کر کمزور اور بے یار و مددگار مسلمانوں کے ساتھ۔ ان کو سخت تکلیف پہنچائی جاتی تھی تاکہ یہ لوگ اپنے عقیدہ و اسلام سے باز آجائیں اور دوسروں کے لیے عبرت بن جائیں تاکہ دوسرے لوگ اسلام لانے کی جرأت نہ کر سکیں۔ ان کمزوروں کو اذیت دی جاتی تھی اس سے کفار کے بغض وحسد کا اظہار ہوتا تھا۔

اس سلسلہ میں بلال رضی اللہ عنہ بری طرح ستائے گئے، آپ کی پشت پناہی کرنے والا کوئی نہ تھا اور نہ آپ کا خاندان وقبیلہ تھا جو آپ کی حمایت کرتا اور نہ آپ کی طرف سے تلوار اٹھانے والے تھے، جس کے ذریعہ سے آپ کا دفاع ہو سکے۔ اس طرح کے انسان کی مکہ کے جاہلی معاشرہ میں کوئی قدر و قیمت نہ تھی۔ خدمت واطاعت اور مویشیوں کی طرح بیچے اور خریدے جانے کے علاوہ زندگی میں کوئی حیثیت نہ تھی۔ ایسے لوگوں کو کسی رائے وفکر یا کسی دعوت وقضیہ کو لے کر اٹھنے کا کوئی حق نہ تھا، مکہ کے جاہلی معاشرہ میں یہ انتہائی سنگین جرم تھا، اس سے

[1] الوحی وتبلیغ الرسالة، د. یحیی الیحیی: ٦٢.

جاہلی معاشرہ کی بنیاد ہل جاتی تھی، یہ اس کو منہدم کرنے کے لیے کسی زلزلہ سے کم نہ تھا۔ لیکن یہ نئی دعوت جس کی طرف نوجوان آگے بڑھے جو اپنے آباء و اجداد اور بڑوں کے رسم و رواج اور اکڑفوں کو چیلنج کر رہے تھے، یہ دعوت اس گئے گذرے حبشی غلام کے دل میں گھر کر گئی اور اس کو زندگی میں نیا انسان بنا کر کھڑا کر دیا۔ ❶

اس دین پر ایمان لانے اور محمد ﷺ اور ایمان والی جماعت کے ساتھ شامل ہونے کے بعد ایمان ان کے دل کی گہرائیوں میں پیوست ہوگیا، اور جوش مارنا شروع کر دیا۔ جب اس کی اطلاع آپ کے مالک امیہ بن خلف کو ہوئی تو وہ کبھی آپ کو ڈراتا دھمکاتا اور کبھی لالچ دلاتا، لیکن جب اس نے دیکھا کہ اس سے بلال کے عزم و حوصلے میں اضافہ ہی ہو رہا ہے اور وہ کسی قیمت پر بھی کفر و جاہلیت اور ضلالت و گمراہی کی طرف لوٹنے کے لیے تیار نہیں، تو آپ پر سخت غضبناک ہوا اور آپ کو سخت عذاب میں مبتلا کرنے کا قصد کر لیا، وہ آپ کو چوبیس گھنٹہ بھوکا رکھ کر دوپہر کی چلچلاتی دھوپ میں لے گیا اور جلتی ہوئی ریت پر پیٹھ کے بل لٹا دیا، پھر اپنے غلاموں کو حکم دیا اس پر بھاری پتھر رکھو، انہوں نے آپ کے سینے پر بھاری پتھر رکھ دیا اور آپ کے دونوں ہاتھ جکڑ دیے گئے، پھر امیہ بن خلف نے کہا: تم جب تک محمد کا انکار نہیں کرتے اور لات وعزیٰ کی پوجا نہیں کرتے، تمہیں یہی سزا ملتی رہے گی۔ بلال رضی اللہ عنہ نے پورے صبر و استقامت کے ساتھ جواب دیا: احد، احد۔ امیہ بن خلف ایک مدت تک بلال رضی اللہ عنہ کو اس دردناک طریقے سے سزا دیتا رہا۔ ❷ رسول اللہ ﷺ کے وزیر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اس جگہ پہنچے، امیہ بن خلف سے گفتگو کی اور فرمایا: اس بے چارے کے بارے میں تم اللہ سے ڈرتے نہیں، کب تک تم اس کو اس طرح ستاتے رہو گے؟ اس نے کہا: تم نے ہی تو اس کو برباد کیا ہے، تم ہی اس کو بچاؤ۔ آپ نے کہا: ٹھیک ہے، میرے پاس اس سے قوی و طاقتور ایک کالا غلام ہے اور تمہارے دین پر ہے، میں تمہیں اس کے بدلے دے رہا ہوں۔ اس نے کہا: میں نے قبول کر لیا۔ آپ نے وہ غلام اس کے حوالے کیا اور بلال رضی اللہ عنہ کو لے کر آزاد کر دیا۔ ❸ ایک روایت کے مطابق آپ نے بلال کو سات یا چالیس اوقیہ سونا کے عوض خرید کر آزاد کر دیا۔ ❹ (تفصیل کے لیے دیکھیے سیرت سیّدنا ابوبکر صدیق، ص: ۷۲)

آپ کی پہلی ہجرت اور ابن الدغنہ کا مؤقف:

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے جب آنکھیں کھولیں تو اپنے والدین کو اسلام پر پایا، ہر روز صبح و شام رسول اللہ ﷺ ہمارے یہاں تشریف لاتے تھے۔ جب مسلمانوں کی ابتلاء و آزمائش کا دور آیا تو

❶ التربیة القیادیة: ۱/ ۱۳۶ .

❷ عتیق العتقاء (ابوبکر الصدیق) محمود البغدادی: ۳۹، ۴۰ .

❸ السیرة النبویة لابن هشام: ۱/ ۳۹۴ .

❹ التربیة القیادیة: ۱/ ۱۴۰ .

میرے والد حبشہ کی طرف ہجرت کے ارادے سے مقام ''برک الغماد'' تک پہنچے، وہاں ابن الدغنہ جو قبیلہ قارہ [1] کا سردار تھا، آپ سے ملا۔

اس نے کہا: ابوبکر! کہاں کا ارادہ ہے؟

آپ نے کہا: میری قوم نے مجھے یہاں سے نکلنے پر مجبور کر دیا ہے، میں چاہتا ہوں کہ روئے زمین میں سیر کروں اور آزادی سے اپنے رب کی عبادت کروں۔

ابن الدغنہ نے کہا: ابوبکر! آپ جیسا انسان نہ یہاں سے جا سکتا ہے اور نہ اس کو جانے دیا جائے گا۔ آپ تو محتاجوں کی مدد کرتے ہیں، رشتہ داروں کا خیال رکھتے ہیں، لوگوں کا بوجھ یعنی قرض وغیرہ اپنے سر لے لیتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں، مصائب میں لوگوں کی مدد اور تعاون کرتے ہیں، میں آپ کو پناہ دیتا ہوں، آپ چلیں اور اپنے شہر میں اپنے رب کی عبادت کریں۔

آپ لوٹ آئے اور ابن الدغنہ آپ کے ساتھ آیا اور شام کے وقت قریش کے سرداروں سے ملاقاتیں کیں اور ان سے کہا: ابوبکر جیسا نرالا انسان یہاں سے نہیں جا سکتا اور نہ انھیں نکالا جا سکتا ہے۔ کیا تم لوگ ایسے شخص کو یہاں سے نکالنا چاہتے ہو جو محتاجوں کی مدد کرتا ہے، رشتہ داروں کا خیال رکھتا ہے، دوسروں کا بوجھ اٹھاتا ہے، مصائب و آلام میں لوگوں کی مدد کرتا ہے؟

قریش کے سردار ابن الدغنہ کے پناہ دینے کو نہ جھٹلا سکے اور ابن الدغنہ سے کہا: آپ ابوبکر سے کہیں کہ وہ اپنے گھر کے اندر اپنے رب کی عبادت کریں، اس میں نماز ادا کریں اور جو چاہیں پڑھیں لیکن اپنی عبادت و قراءت کے ذریعہ سے ہمیں تکلیف نہ پہنچائیں اور سب کے سامنے اپنی دعوت کا اعلان کرتے نہ پھریں کیونکہ ہمیں اپنی عورتوں اور نوجوانوں کے گمراہ ہو جانے کا خطرہ ہے۔

ابن الدغنہ نے یہ بات ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پہنچا دی، آپ اپنے گھر کے اندر اللہ کی عبادت کرنے لگے۔ اپنی نماز و تلاوت گھر سے باہر ظاہر نہیں کرتے تھے۔ پھر آپ کا ارادہ ہوا اور اپنے گھر کے صحن میں ایک مسجد بنا لی اور اسی میں نماز و تلاوت کرنے لگے۔ آپ کی تلاوت پر کفار و مشرکین کی عورتیں اور نوجوان ٹوٹے پڑتے، ان کو یہ چیز پسند آتی، اس کو غور سے سنتے، اور آپ کی طرف متوجہ ہوتے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ انتہائی نرم دل تھے جب قرآن کی تلاوت کرتے تو اپنے آپ پر قابو نہ رکھ پاتے اور رونے لگتے۔ اس سے سرداران قریش خوف زدہ ہو گئے اور ان کو فکر لاحق ہوگئی۔ انھوں نے ابن الدغنہ کو بلا بھیجا، جب وہ آ گیا تو اس سے قریش نے کہا:

ہم نے ابوبکر کو تمھاری پناہ کی وجہ سے چھوڑ رکھا تھا اس شرط پر کہ وہ اپنے گھر میں عبادت کریں گے لیکن وہ

[1] ابن الدغنہ کا نام بعض نے حارث بن یزید، بعض نے مالک، اور بعض نے ربیعہ بن رفیع بتایا ہے، اور قارہ بنو ہون بن خزیمہ کا قبیلہ تھا۔

اس سے تجاوز کر کے اپنے گھر کے سامنے مسجد بنا کر علی الاعلان نماز قائم کرتے ہیں اور قرآن کی تلاوت کرتے ہیں ہمیں ڈر ہے کہ ہماری عورتیں اور نوجوان فتنہ میں مبتلا ہو جائیں گے، آپ ان کو اس سے روک دیجیے، اگر وہ اپنے گھر کے اندر رہ کر عبادت کریں تو ٹھیک ہے ورنہ آپ ان سے اپنی پناہ واپس لے لیجیے، ہم آپ کی بات کاٹنا نہیں چاہتے اور نہ ابوبکر کو علانیہ طور سے پڑھنے اور قرآن کی تلاوت کرنے دینا چاہتے ہیں۔

اس کے بعد ابن الدغنہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا: ہمارے اور آپ کے درمیان جو طے پایا تھا وہ آپ اچھی طرح جانتے ہیں، لہٰذا آپ یا تو اس بات پر قائم رہیں ورنہ ہماری پناہ واپس کر دیں، میں یہ نہیں چاہتا عرب یہ سنیں کہ میں نے ایک شخص کو پناہ دی لیکن اس کو توڑ دیا گیا۔

اس پر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تمھاری پناہ کو لوٹاتا ہوں، میں اللہ کی پناہ کے ساتھ خوش ہوں۔ [1]

جب آپ ابن الدغنہ کی پناہ سے دست بردار ہو گئے تو قریش کا ایک احمق شخص کعبہ جاتے ہوئے راستہ میں آپ کو ملا، اس نے آپ کی شان میں گستاخی کرتے ہوئے آپ کے سر پر مٹی ڈال دی، اتنے میں آپ کے پاس سے ولید بن مغیرہ یا عاص بن وائل کا گزر ہوا، تو آپ نے اس سے کہا:

ذرا اس بے وقوف کو دیکھو کیا کر رہا ہے؟

اس نے کہا: یہ تم نے خود اپنے ساتھ کیا ہے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہوئے گزر گئے: ''اے میرے رب تو کتنا بڑا بردبار ہے، اے میرے رب! تو کتنا بڑا بردبار ہے، اے میرے رب تو کتنا بڑا بردبار ہے۔'' [2]

(۳)

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہجرت مدینہ

جب قریش کی ایذا رسانی حد سے بڑھ گئی اور مسلمانوں کو ستانے میں انھوں نے کوئی کسر باقی نہ رکھی، مسلمانوں کے لیے دین پر عمل پیرا رہنا ممکن نہ رہا، تو اس کے نتیجہ میں دو بار ہجرت حبشہ پیش آئی اور مسلمان دین و ایمان کو محفوظ رکھنے کے لیے ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے۔ ہجرت حبشہ کے بعد پھر ہجرت مدینہ کا وقت آیا۔ دیگر صحابہ کی طرح ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی رسول اللہ ﷺ سے ہجرت کی اجازت چاہی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لا تعجل لعل الله يجعل لك صاحبا .)) [3] ''جلدی نہ کیجیے شاید اللہ تعالیٰ آپ کو میری صحبت میں ہجرت نصیب کرے۔'' آپ ﷺ کے اس ارشاد کے بعد آپ کی یہی تمنا رہی کہ رسول اللہ ﷺ کی رفاقت میں ہجرت کا موقع ملے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا واقعہ ہجرت بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ روزانہ صبح یا

---

[1] فتح الباري: ۷/ ۲۷٤ .
[2] البداية والنهاية : ۳/ ۹٥ .
[3] تاريخ الدعوة الى الاسلام: ۱۰۷ .

شام ہمارے گھر تشریف لاتے، لیکن جب ہجرت کا الٰہی حکم آیا تو آپ دوپہر میں ہمارے یہاں تشریف لائے۔ جب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ کو اس وقت آتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: اس وقت آپ کے آنے کا مطلب ہے کہ ضرور کوئی اہم بات واقع ہوئی ہے۔ آپ گھر میں تشریف لائے، ابوبکر رضی اللہ عنہ چارپائی سے ہٹ گئے اور آپ چارپائی پر جلوہ افروز ہوئے۔ اس وقت وہاں صرف میں اور میری ہمشیرہ اسماء تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''یہاں جو ہیں ان کو ذرا یہاں سے ہٹنے کو کہو۔''

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان جائیں، بات کیا ہے؟ یہاں تو صرف میری یہ دونوں بیٹیاں ہیں؟

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہجرت کا حکم آ گیا۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: مجھے آپ کی رفاقت چاہیے؟

آپ نے فرمایا: تم بھی ہمارے ہی ساتھ چلو گے۔

یہ مژدہ سن کر ابوبکر رضی اللہ عنہ رونے لگے، (سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:) آج سے پہلے مجھے یہ خبر نہ تھی کہ کوئی خوشی میں بھی روتا ہے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فوراً دو اونٹنیاں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر کرتے ہوئے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آج ہی کے لیے یہ دو اونٹنیاں میں نے پال رکھی تھیں۔ پھر بنو دیل بن بکر کے ایک فرد عبداللہ بن اریقط کو راستہ کی رہنمائی کے لیے اجرت پر رکھا جو مشرک تھا، اور یہ دونوں اونٹنیاں اس کے حوالے کر دیں تاکہ وقت مقررہ تک ان کی دیکھ بھال کرے۔[1]

صحیح بخاری میں ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو روایت ہجرت سے متعلق وارد ہے اس میں اہم تفاصیل آئی ہیں۔ اس روایت میں یوں آیا ہے:

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے: ہم دوپہر کی گرمی میں گھر کے اندر بیٹھے ہوئے تھے، اتنے میں ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کسی نے کہا: او دیکھو، رسول اللہ ﷺ سر مبارک ڈھانکے ہوئے تشریف لا رہے ہیں۔ یہ وقت آپ کی آمد کا نہ تھا۔

آپ نے پہنچ کر ابوبکر سے کہا: جو لوگ یہاں ہیں ان کو ذرا یہاں سے دور کریں۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یہ آپ ہی کے گھر والے ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے یہاں سے نکل جانے کی اجازت دے دی گئی ہے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: مجھے بھی آپ کی رفاقت چاہیے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: ضرور۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دو اونٹنیاں حاضر کیں۔

---

[1] السيرة النبوية لابن كثير: ۲/ ۲۳۳، ۲۳٤.

عرض کیا: ان میں سے ایک آپ کے لیے ہے، آپ لے لیجئے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: بشرط قیمت۔

ام المومنین رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ہم نے آپ دونوں کے لیے اچھے طریقے سے سامان سفر تیار کیا اور توشہ تیار کر کے ایک تھیلے میں رکھا، اسماء نے اپنی کمر بند پھاڑ کر تھیلے کو باندھ دیا، اسی وجہ سے ان کا نام ''ذات النطاقین'' پڑ گیا پھر رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ غار ثور میں پناہ گزیں ہوئے اور تین راتیں وہاں چھپے رہے۔ عبداللہ بن ابوبکر جو انتہائی ذہین اور فہم وفراست کے مالک نوجوان تھے، غار میں جا کر آپ لوگوں کے ساتھ رات گزارتے اور آخر شب میں وہاں سے مکہ آجاتے گویا کہ آپ نے مکہ ہی میں لوگوں کے ساتھ رات گزاری ہے۔ دن بھر مکہ میں آپ دونوں سے متعلق جو سازشیں ہوتیں ان کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیتے اور جب رات کی تاریکی چھا جاتی تو غار میں پہنچ کر تمام خبریں پہنچا دیتے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے غلام عامر بن فہیرہ کچھ رات گئے بکریاں لے کر وہاں سے گزرتے اور تازہ تازہ دودھ نکال کر آپ دونوں کو پیش کرتے اور صبح سے قبل آخری شب کی تاریکی میں وہاں سے کوچ کر جاتے، تینوں رات یہی کیفیت رہی۔ بنو عبد بن عدی کی شاخ بنو دیل کے ایک شخص کو جو راستے کا ماہر تھا، اجرت پر راستہ دکھانے کے لیے طے کیا، یہ شخص آل عاص بن وائل سہمی کا پکا حلیف تھا اور کفار قریش کے دین پر قائم تھا، جب اس کے سلسلہ میں اچھی طرح اطمینان ہو گیا تو اپنی دونوں اونٹنیاں اس کے حوالے کیں اور تین راتوں کے بعد غارِ ثور کے پاس صبح سویرے آنے کو کہا۔ عامر بن فہیرہ رحمہ اللہ بھی آپ لوگوں کے ساتھ ہو لیے، اس طرح یہ چار نفری قافلہ ہجرت پر روانہ ہوا اور وہ راستہ بتانے والا آپ لوگوں کو ساحلی راستہ سے لے کر روانہ ہوا۔ [1]

جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کے لیے روانہ ہوئے تو علی، ابوبکر اور آل ابوبکر رضی اللہ عنہم کے علاوہ کسی کو اس کی اطلاع نہ تھی اور جب نکلنے کا وقت موعود آیا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر کے پچھلے دروازے سے نکلے [2] تاکہ مکمل رازداری میں اس سفر کا آغاز ہو، کسی کو اطلاع نہ ہونے پائے کیونکہ قریش سے خطرہ تھا کہ وہ آپ کا پیچھا کر کے اس سفر مبارک سے آپ کو روک دیں گے۔ [3] اور مکہ سے نکلتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے دعا کی [4] مکہ کے بازار ''حزورہ'' میں کھڑے ہو کر فرمایا:

((واللہ انك لخير ارض الله ، واحب ارض الله ، الى الله ولو لا انى اخرجت منك ما خرجت .)) [5]

---

[1] البخاري: مناقب الانصار، باب هجرة النبى ﷺ، رقم: ٣٩٥ .

[2] الهجرة فى القرآن الكريم: ٣٣٤ .

[3] خاتم النبيين لابى زهره: ١/ ٦٥٩، السيرة النبوية لابن كثير: ٢/ ٢٣٤ .

[4] السيرة النبوية لابن كثير: ٢/ ٢٣٠ـ ٢٣٤ .

[5] الترمذى: المناقب، باب فضل مكة ٥/ ٧٢٢ . علامہ البانی رحمہ اللہ نے صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھیے: صحیح الترمذی: ٣٢٥، وصحيح ابن ماجه: ٣١٠٩ .

''اللہ کی قسم! اے مکہ اللہ کی سرزمین میں تو سب سے بہتر اور اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہے۔ اگر مجھے تجھ سے نکالا نہ جاتا تو میں نہ نکلتا۔''

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ چل پڑے۔

مشرکین مکہ نے آپ کا پیچھا کیا اور نقوش قدم کے سہارے جبل ثور تک پہنچ گئے، وہاں پہنچ کر نقوش خلط ملط ہو گئے، کچھ نہ سمجھ سکے، پہاڑ کے اوپر چڑھے، غار کے پاس سے گزرے، دیکھا غار کے منہ پر مکڑی کا جالا ہے، کہا: اگر اس کے اندر کوئی گیا ہوتا تو مکڑی کا جالا نہ رہتا۔ ❶

ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ ۚ وَمَا هِيَ ﴾ (المدثر: ۳۱)

''تیرے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔''

تمام اسباب کو اختیار کرنے کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اسباب پر بھروسا کر کے نہیں بیٹھے بلکہ اللہ رب العالمین پر مکمل بھروسہ رکھا اور نصرت و تائید کی پوری امید اللہ ہی سے وابستہ رکھی اور اللہ کی سکھائی ہوئی یہ دعا برابر پڑھتے رہے: ❷

﴿ وَقُل رَّبِّ أَدْخِلْنِي مُدْخَلَ صِدْقٍ وَأَخْرِجْنِي مُخْرَجَ صِدْقٍ وَاجْعَل لِّي مِن لَّدُنكَ سُلْطَانًا نَّصِيرًا ﴿٨٠﴾ ﴾ (الاسراء: ۸۰)

''اور یہ دعا کیا کریں کہ اے میرے پروردگار! مجھے جہاں لے جا اچھی طرح لے جا اور جہاں سے نکال اچھی طرح نکال، اور میرے لیے اپنے پاس سے غلبہ اور امداد مقرر فرما دے۔''

اس آیت کریمہ کے اندر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دعا سکھائی ہے تاکہ آپ خود یہ دعا کریں اور آپ کی امت یہ سیکھے کہ وہ کس طرح اللہ تعالیٰ سے دعا کرے اور کس طرح اس کی طرف متوجہ ہو۔

آغاز وانجام کی سچائی سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ پورا سفر آغاز واختتام، اوّل وآخر اور درمیان سب سچائی کے ساتھ انجام پذیر ہو، اس موقع پر سچائی کی اس حیثیت سے بڑی قیمت واہمیت ہے کہ مشرکین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ کلام سے پھیر کر اللہ پر افتراء پردازی پر ابھارنا چاہتے تھے، اس کے لیے وہ ہر ممکن کوشش کر رہے تھے اور اسی طرح سچائی کے آثار ونتائج بے بہا ہیں، مثلاً ثبات، اطمینان، نظافت، اخلاص۔ ﴿ وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ نَصِيرًا ﴾ ''اور میرے لیے اپنے پاس سے غلبہ و امداد مقرر فرما

❶ مسند احمد: ۱/ ۳۴۸، لیکن یہ روایت ضعیف ہے، تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، السلسلة الضعيفة للالبانی: ۳/ ۳۶۰۔ ۳۶۴ (۱۱۲۹) (مترجم)

❷ الهجرة النبوية المباركة: ۷۲ .

دے'' تاکہ میں اس کے ذریعہ سے حکومت وسلطنت اور مشرکین کی قوت پر غالب آ جاؤں۔ اور ﴿مِنْ لَّدُنْكَ﴾ (اپنے پاس سے) کا کلمہ اللہ سے قرب واتصال اور اس سے استمداد والتجا کی صحیح تصویر کشی کرتا ہے۔

صاحب دعوت وعزیمت کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ اللہ کے سوا کسی اور سے غلبہ وقوت طلب کرے، یا اس کے سوا کسی اور کے غلبہ وقوت سے خوف زدہ ہو۔ اور اس کے لیے ممکن نہیں کہ وہ کسی ایسے حاکم یا صاحب جاہ ومرتبت کا سہارا لے کر نصرت ومدد حاصل کرے جو اللہ کی طرف متوجہ نہ ہو۔ اسلامی دعوت کی تو یہ شان ہے کہ وہ امراء وسلاطین کے دلوں کو فتح کرتی ہے اور وہ لوگ اس کے خادم ولشکر بن کر کامیابی سے ہمکنار ہوتے ہیں۔ لیکن اگر دعوت امراء وسلاطین کی تابع بن جائے تو اس سے اس کو کوئی کامیابی نہیں مل سکتی۔ اسلامی دعوت تو اللہ تعالیٰ کا امر ہے، وہ امراء وسلاطین اور جاہ وحشمت والوں سے کہیں زیادہ ارفع واعلیٰ ہے۔ [1]

جس وقت مشرکین نے غار کو گھیر لیا اور پورا غار ان کی نگاہوں کے سامنے آ گیا، تو رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اطمینان دلایا اور اللہ کی معیت کا مژدہ سنایا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اگر ان میں سے کسی نے اپنے قدموں کی طرف نگاہ ڈالی تو ہمیں دیکھ لے گا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((ما ظنك يا ابابكر باثنين الله ثالثهما))

''اے ابوبکر ان دونوں کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے جن کا تیسرا خود اللہ تعالیٰ ہو۔'' [2]

اللہ رب العالمین نے اس واقعہ کی تصویر کشی اس آیت کریمہ میں کی ہے:

﴿إِلَّا تَنصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا ۖ فَأَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ ۗ وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٤٠﴾﴾ (التوبة: ٤٠)

''اگر تم اس (نبی ﷺ) کی مدد نہ کرو تو اللہ ہی نے ان کی مدد کی، اس وقت جب کہ انھیں کافروں نے (دیس) سے نکال دیا تھا، دو میں سے دوسرا، جب کہ وہ دونوں غار میں تھے جب یہ اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے کہ غم نہ کر، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ پس جناب باری نے اپنی طرف سے تسکین اس پر نازل فرما کر ان لشکروں سے اس کی مدد کی جنہیں تم نے دیکھا ہی نہیں، اس نے کافروں کی بات پست کر دی اور بلند وعزیز تو اللہ کا کلمہ ہی ہے اور اللہ غالب ہے کمال حکمت والا ہے۔''

---

[1] فی ظلال القرآن: ٤/ ٢٢٤٧.

[2] البخاري: فضائل الصحابة، باب مناقب المهاجرين ٣٦٥٣، مسلم: ٥٣٨١.

جب آپ کی تلاش میں مشرکین کی نقل وحرکت میں کمی آ گئی اور وہ آپ کو گرفتار کرنے کے سلسلہ میں مایوس ونا امید ہو گئے تو غار میں تین راتیں گذارنے کے بعد رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ غار سے باہر نکلے۔ اس سے قبل ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ سفر ہجرت کے لیے بنو دیل کے عبداللہ بن اریقط نامی شخص کو راستہ کی رہنمائی کے لیے پہلے طے کر لیا گیا تھا اگر چہ وہ مشرک تھا لیکن اس پر مکمل اطمینان ہو جانے کے بعد سواریاں اس کے حوالہ کر دی گئی تھیں اور اس سے یہ بات طے پائی تھی کہ وہ تین راتوں کے بعد ان سواریوں کو لے کر وہاں حاضر ہوگا۔ وعدہ کے مطابق وہ وقت مقررہ پر وہاں پہنچا اور آپ دونوں کو لے کر عام راستہ سے ہٹ کر غیر معروف ومعہود راستہ سے چلا، تا کہ پیچھا کرنے والے کفار ومشرکین کو سراغ نہ مل سکے۔ [1]

سفر ہجرت میں آپ کا گزر وادی قدید [2] میں ام معبد عاتکہ بنت خالد الخزاعیہ کے خیمہ کے پاس سے ہوا، ان کے بھائی حبیش بن خالد الخزاعی نے ان کا واقعہ بیان کیا ہے، سیرت نگاروں نے اپنی تصانیف میں اس کو جگہ دی ہے۔ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ اس قصہ سے متعلق فرماتے ہیں: ''یہ قصہ مشہور ہے اور مختلف طرق سے مروی ہے جس سے اس کو تقویت مل جاتی ہے۔'' [3]

قریش نے مکہ میں یہ عام اعلان کر رکھا تھا کہ جو بھی نبی کریم ﷺ کو زندہ یا مردہ لائے گا اس کو سو اونٹ انعام میں دیے جائیں گے۔ یہ خبر مکہ کے قرب وجوار میں آباد قبائل عرب میں بھی پھیل چکی تھی۔ سراقہ بن مالک بن جعشم کو یہ انعام حاصل کرنے کا شوق دامن گیر ہوا، اس نے یہ انعام حاصل کرنے کی پوری کوشش کی، لیکن اللہ رب العزت کی قدرت پر کون غالب آ سکتا ہے، اللہ کا کچھ ایسا کرنا ہوا کہ نکلے تو تھے گرفتار کرنے کے لیے لیکن آپ کی طرف سے دفاع کرنے والا بن کر لوٹے۔ [4]

جب مسلمانان مدینہ کو مکہ سے نبی کریم ﷺ کے کوچ کرنے کی خبر ملی تو بے حد خوش ہوئے اور آپ کے انتظار میں روزانہ صبح مدینہ سے باہر نکلتے اور دوپہر تک انتظار کرتے، جب گرمی کی شدت بڑھ جاتی تو واپس ہو جاتے، ایک دن جب انتظار کر کے اپنے گھروں کو واپس ہو گئے تو ایک یہودی اپنے مکان پر کسی کام سے چڑھا۔ اس کی نگاہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے رفقاء پر پڑی جو نہایت سفید اور صاف وشفاف لباس میں ملبوس تھے۔

یہودی اپنے اوپر قابو نہ رکھ سکا اور بلند آواز سے پکارا: عرب کے لوگو! یہ تمھارا نصیب آ پہنچا ہے جس کا تمھیں انتظار تھا۔ یہ آواز سن کر مسلمان اسلحہ لے کر استقبال میں نکل پڑے اور حرہ کے پیچھے رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی، آپ ﷺ ان کے ساتھ دائیں جانب مڑے اور قبا میں بنو عوف کے پاس نزول فرمایا۔ یہ دوشنبہ [5]

---

[1] المستفاد من قصص القرآن: زیدان، ۲/ ۱۰۱ .

[2] وادی قدید موجودہ سڑک سے تقریباً ۸ کلومیٹر پر واقع ہے، اسی وادی میں بنو خزاعہ آباد تھے۔

[3] البدایة والنهایة: ۳/ ۱۸۸ . [4] السیرة النبویة للصابی ۱/ ۵۴۳ .

[5] حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: دوشنبہ کا دن ہونا ہی صحیح ہے، جمعہ کہنا شاذ ہے۔ الفتح: ۴/ ۵۴۴ .

کا دن اور ربیع الاوّل کا مہینہ تھا۔ ❶ جب آپ ﷺ پر دھوپ پڑنے لگی تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر رسول اللہ ﷺ پر اپنی چادر سے سایہ کیا، تب آنے والوں نے رسول اللہ ﷺ کو پہچانا، ورنہ بہت سے لوگ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ہی رسول اللہ سمجھ رہے تھے۔ ❷

رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پہنچنے کا دن خوشی ومسرت کا دن تھا، ایسا دن مدینہ پر نہیں آیا تھا۔ لوگوں نے عید کی طرح اچھے اور خوبصورت کپڑے زیب تن کیے اور حقیقت میں یہ عید ہی کا دن تھا کیونکہ آج کے دن اسلام مکہ کے تنگ دامن سے نکل کر بابرکت سرزمین مدینہ کے وسیع میدان میں داخل ہوا اور پھر وہاں سے پوری روئے زمین میں پھیلا۔ اللہ تعالیٰ نے اہل مدینہ کو جس شرف ومنزلت سے نوازا اور جو فضیلت ان کو بخشی اس کا انھیں بخوبی احساس تھا۔ ان کا شہر رسول اللہ ﷺ اور مہاجرین صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے پناہ گاہ قرار پایا، اور پھر نصرت اسلام کا مرکز بنا۔ اسی طرح تمام خصائص وعناصر کے ساتھ اسلامی نظام کا مرکز قرار پایا، اسی لیے مدینہ والے آپ ﷺ کی آمد پر خوشی ومسرت کے ساتھ: ((الله اكبر جاء رسول الله ، الله اكبر جاء محمد)) کا نعرہ لگاتے ہوئے آپ کے استقبال میں نکل پڑے۔ ❸

اس عظیم استقبال کے بعد، جس کی مثال انسانی تاریخ میں نہیں دیکھی گئی، رسول اللہ ﷺ ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر قیام پذیر ہوئے، ❹ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خارجہ بن زید الخزرجی الانصاری رضی اللہ عنہ کے گھر قیام فرمایا۔

(۴)
سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میدان جہاد میں

مؤرخین اور سیرت نگاروں نے بیان کیا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بدر اور دیگر تمام معرکوں اور غزوات میں شریک رہے، کوئی غزوہ آپ سے چھوٹا نہیں۔ غزوۂ احد میں جب لوگ شکست خوردہ ہو گئے تو اس وقت بھی آپ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ڈٹے رہے اور تبوک کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے اپنا عظیم پرچم جو سیاہ رنگ کا تھا، انھی کے حوالے کیا۔ ❺

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''سیرت نگاروں کا اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ تمام غزوات میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہے، کبھی پیچھے نہ ہٹے۔'' ❻

---

❶ الهجرة فى القرآن الكريم: ٣٥١ ، البخارى: مناقب الانصار ، باب الهجرة ٣٩٠٦ .
❷ ايضًا: ٣٥٢ ، ايضًا: ٣٩٠٦ .
❸ الهجرة فى القرآن الكريم: ٣٥٢ ، البداية والنهاية: ٣/ ١٩٧ .
❹ الهجرة فى القرآن الكريم: ٣٥٤ .
❺ الطبقات الكبرى: ١/ ١٢٤ ، صفة الصفوة: ١/ ٢٤٢ . ❻ أسد الغابة: ٣/ ٣١٨ .

سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: میں نے سات غزوات میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شرکت کی، اس کے علاوہ دیگر جنگی مہموں میں جنہیں رسول اللہ ﷺ روانہ فرمایا کرتے تھے نو (۹) میں شرکت کی، کبھی ابوبکر رضی اللہ عنہ ہمارے امیر ہوتے اور کبھی اسامہ رضی اللہ عنہ۔ ❶

میدان بدر میں

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے غزوۂ بدر میں شرکت کی جو ۲ ہجری میں واقع ہوا۔ اس غزوہ میں آپ نے عظیم کردار ادا کیا جس میں سے اہم ترین یہ ہیں:

ا۔ جنگی مشورہ:

جب نبی کریم ﷺ کو یہ اطلاع ملی کہ قریش کا تجارتی قافلہ بچ کر نکل گیا ہے اور سرداران مکہ جنگ پر مصر ہیں تو آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس سلسلہ میں مشورہ لیا۔ ❷ سب سے پہلے ابوبکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور اچھی گفتگو کی پھر عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور اچھی گفتگو کی۔ ❸

۲۔ مرکز قیادت (سائبان) میں نبی کریم ﷺ کی حفاظت میں:

جنگ کے لیے اسلامی لشکروں کی صفوں کو ترتیب دینے کے بعد رسول اللہ ﷺ مرکز قیادت میں واپس آ گئے، جو ایک ٹیلے پر جھونپڑا ڈال کر تیار کیا گیا تھا، جہاں سے میدان جنگ سامنے نظر آتا تھا، اس کے اندر آپ کے ساتھ ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی تھے، اور انصاری نوجوانوں کی ایک جماعت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں اس مرکز پر پہرہ دے رہی تھی۔ ❸

علی رضی اللہ عنہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اس مؤقف کی وضاحت کی ہے، آپ نے لوگوں سے سوال کیا:

سب سے بڑا بہادر کون ہے؟

لوگوں نے جواب دیا: امیر المومنین! آپ ہیں۔

آپ نے فرمایا: میرا معاملہ تو یہ ہے کہ جو میرے مقابلہ میں آیا میں نے اس سے بدلہ لیا، لیکن سب سے بڑے بہادر ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔ ہم نے بدر کے موقع پر آپ ﷺ کے لیے ایک سائبان بنایا اور کہا: کون آپ کے ساتھ یہاں رہے گا تاکہ کوئی مشرک رسول اللہ ﷺ تک نہ پہنچ سکے۔ اللہ کی قسم ابوبکر رضی اللہ عنہ تلوار لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس کھڑے رہے، جو مشرک بھی ادھر کا رخ کرتا آپ اس کی طرف بڑھ کر مار بھگاتے، یقیناً ابوبکر رضی اللہ عنہ سب سے بڑے بہادر ہیں۔ ❹

---

❶ البخاري: ٣٩٥٢.　　❷ السيرة النبوية لابن هشام: ٢/ ٤٤٧.

❸ السيرة النبوية لابن هشام: ٢/ ٢٣٣.

❹ البداية والنهاية: ٣/ ٢٧١، ٢٧٢.

۳۔ فتح ونصرت کی بشارت اور رسول اللہ ﷺ کے پہلو بہ پہلو قتال:

جنگی اسباب اختیار کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ رب العالمین کی طرف متوجہ ہوئے اور فتح ونصرت کی دعا میں لگ گئے، آپ اپنی دعا میں یہ فرما رہے تھے:

((اللھم أنجزلی ما وعدتنی ، اللھم ان تھلك ھذہ العصابة من اھل الاسلام فلا تعبد فی الارض ابدا))

''الٰہی تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے پورا کر دکھا، اگر مسلمانوں کا یہ گروہ ہلاک ہو گیا تو زمین میں کبھی تیری عبادت نہ ہوگی۔''

آپ برابر دعا و استغاثہ میں لگے رہے، یہاں تک کہ چادر مبارک آپ کے شانہ مبارک سے گر گئی، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے چادر مبارک تھام لی اور شانہ مبارک پر دوبارہ ڈال دی اور عرض کرنے لگے: اے اللہ کے رسول! کافی ہو گیا، اللہ اپنا وعدہ ضرور پورا کرے گا۔ [1]

اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ﴾ (الانفال: ۹)

''(اس وقت کو یاد کرو) جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تمھاری سن لی۔''

۴۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور جنگی قیدی:

سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ جب مسلمانوں نے بدر میں کفار کو گرفتار کیا، رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے فرمایا:

ان قیدیوں کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے؟

تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے اللہ کے رسول! یہ سب چچیرے بھائی اور خاندان و کنبے ہی کے لوگ ہیں، میری رائے ہے کہ آپ انھیں فدیہ لے کر چھوڑ دیں، اس طرح کفار کے مقابلہ کے لیے ہمیں قوت حاصل ہوگی اور امید ہے کہ اللہ انھیں ہدایت دے دے اور یہ مسلمان ہو جائیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابن خطاب! تمھاری رائے کیا ہے؟

عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: واللہ میری وہ رائے نہیں جو ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ہے، میری رائے تو یہ ہے کہ انھیں آپ ہمارے حوالے کر دیں اور ہم ان کی گردنیں اڑا دیں۔ عقیل بن ابی طالب کو علی رضی اللہ عنہ کے حوالہ کریں وہ اس کی گردن ماریں اور فلاں کو (جو عمر رضی اللہ عنہ کا قریبی تھا) میرے حوالہ کریں اور میں اس کی گردن ماردوں۔ یہ سب کفر کے لیڈر اور قائدین ہیں۔

[1] مسلم: الجهاد، باب الامداد بالملائكة ببدر: ۳/ ۱۳۸٤ ، ۱۷٦۳ .

عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بات پسند فرمائی اور میری بات پسند نہیں فرمائی، چنانچہ قیدیوں سے فدیہ لینا طے کر لیا۔ اس کے بعد جب اگلا دن آیا میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، دیکھا آپ ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ بیٹھے رو رہے ہیں۔

میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے بتائیں آپ اور آپ کے ساتھی کیوں رو رہے ہیں، اگر مجھے بھی رونے کی وجہ ملی تو روؤں گا اور اگر نہ مل سکی تو آپ حضرات کے رونے کی وجہ سے روؤں گا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمھارے ساتھی نے جو فدیہ لینے کی رائے مجھے دی تھی، اسی کی وجہ سے رو رہا ہوں اور آپ نے ایک قریبی درخت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: اسی کی وجہ سے مجھ پر ان کا عذاب اس درخت سے بھی زیادہ قریب پیش کیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

﴿ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ لَوْ لَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَاۤ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ﴾ (الانفال : ٦٧ تا ٦٩)

”نبی کے ہاتھ میں قیدی نہیں چاہییں جب تک کہ ملک میں اچھی خونریزی کی جنگ نہ ہو جائے، تم تو دنیا کے مال چاہتے ہو اور اللہ کا ارادہ آخرت کا ہے اور اللہ زور آور باحکمت ہے۔ اگر پہلے ہی سے اللہ کی طرف سے بات لکھی ہوئی نہ ہوتی تو جو کچھ تم نے لیا ہے، اس بارے میں تمھیں کوئی بڑی سزا ہوتی، پس جو کچھ حلال اور پاکیزہ غنیمت تم نے حاصل کی ہے خوب کھاؤ پیو اور اللہ سے ڈرتے رہو یقیناً اللہ غفور و رحیم ہے۔“

اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مال غنیمت حلال کر دیا۔ [1]

میدان احد اور حمراء الاسد میں

جنگ احد میں مسلمانوں کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، صحابہ رسول اللہ ﷺ کے پاس سے بچھڑ گئے اور میدان جنگ کے مختلف گوشوں میں بکھر گئے اور یہ خبر مشہور ہو گئی کہ رسول اللہ ﷺ قتل کر دیے گئے ہیں۔ اس کا ردّ عمل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر مختلف پڑا۔ میدان وسیع تھا۔ ہر ایک اپنے میں مشغول تھا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ سب سے پہلے صفوں کو چیرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے۔ آپ ﷺ کے پاس ابوبکر، ابوعبیدہ بن الجراح، علی، طلحہ، زبیر، عمر بن خطاب، حارث بن صمہ، ابودجانہ، سعد بن ابی وقاص وغیرہم رضی اللہ عنہم جمع ہو گئے اور

[1] مسلم: الجهاد والسير : ۳/ ۱۳۸۵ ، ۱۷۶۳ .

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ احد کی گھاٹی میں چلے گئے تا کہ اپنی مادی اور معنوی قوت کو دوبارہ بحال کر سکیں۔ [1]

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جب احد کا تذکرہ کرتے تو فرماتے: ''یہ جنگ کل کی کل طلحہ (رضی اللہ عنہ) کے لیے تھی۔'' (یعنی نبی کریم ﷺ کے تحفظ کا اصل کارنامہ انھی نے انجام دیا تھا)

پھر بیان کرتے: احد کے دن میں پہلا شخص تھا جو نبی کریم ﷺ کے پاس پلٹ کر آیا، میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ سے دفاع کرتے ہوئے اللہ کی راہ میں قتال کر رہا ہے۔

میں نے کہا: تم طلحہ ہی ہو گے، مجھ سے تو یہ زریں موقع فوت ہو گیا۔ میرے اور مشرکین کے مابین ایک شخص تھا جس کو پہچان نہ سکا اور میں اس شخص کی بہ نسبت رسول اللہ ﷺ سے زیادہ قریب تھا، وہ اچھلتے ہوئے چل رہا تھا۔ دیکھتا ہوں تو وہ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ تھے، پھر ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے آپ کا رباعی دانت ٹوٹ گیا تھا۔ چہرۂ انور زخمی ہو چکا تھا۔ خود کی دو کڑیاں دونوں رخسار میں آنکھ کے نیچے دھنس گئی تھیں۔

رسول اللہ ﷺ نے ہم سے فرمایا: اپنے ساتھی یعنی طلحہ کی خبر لو۔ آپ ﷺ کے جسم سے خون بہ رہا تھا۔ ہم آپ کی بات کی طرف توجہ نہ دے سکے اور میں نے آپ کے چہرۂ انور سے خود کی کڑیاں نکالنا چاہیں تو ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں آپ کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں مجھے نکالنے دیجیے۔ میں نے اپنا ارادہ ترک کر دیا۔ ایک طرف یہ فکر دامن گیر تھی کہ اس سے رسول اللہ ﷺ کو اذیت پہنچے گی، لہٰذا انھوں نے اپنے منہ سے آہستہ آہستہ نکالنا شروع کیں، بالآخر ایک کڑی اپنے منہ سے کھینچ کر نکال دی، لیکن اس کوشش میں ان کا سامنے کا ایک نچلا دانت گر گیا۔ اب دوسری میں نے کھینچنی چاہی تو ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے پھر کہا: ابوبکر! اللہ کا واسطہ دیتا ہوں، مجھے کھینچنے دیجیے۔ اس کے بعد دوسری آہستہ آہستہ کھینچی لیکن ان کا سامنے کا دوسرا نچلا دانت گر گیا۔

یقیناً ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ حسین چہرہ والے تھے۔ آپ ﷺ کی مرہم پٹی سے فارغ ہو کر ہم طلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے جو ایک گڑھے میں گرے ہوئے تھے، دیکھا تو ان کے جسم پر ستر (۷۰) سے زائد نیزے، تیر اور تلوار کے زخم لگے تھے، آپ کی انگلی کٹ گئی تھی، ہم نے ان کی مرہم پٹی کی۔ [2]

اس غزوہ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مقام و مرتبہ ابوسفیان کے اس موقف سے بھی واضح ہوتا ہے جبکہ اس نے پکار پکار کر سوال کرنا شروع کیا:

کیا تم میں محمد ہیں؟ کیا تم میں محمد ہیں؟ کیا تم میں محمد ہیں؟

رسول اللہ ﷺ نے جواب دینے سے صحابہ کو منع کر دیا۔

پھر اس نے کہا: کیا تم میں ابن ابی قحافہ ہیں؟ کیا تم میں ابن ابی قحافہ ہیں؟ کیا تم میں ابن ابی قحافہ ہیں؟

---

[1] مواقف الصدیق مع النبی ﷺ فی المدینۃ، د: عاطف لماضہ: ۲۷.

[2] منحۃ المعبود: ۲/ ۱۹ نقلا عن تاریخ الدعوۃ الاسلامیۃ، ص: ۱۳۰.

پھر کہا: کیا تم میں ابن خطاب ہیں؟ کیا تم میں ابن خطاب ہیں؟ کیا تم میں ابن خطاب ہیں؟

جب جواب نہیں ملا، تو اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا: یہ سب کے سب قتل کیے جا چکے ہیں......!![1]

مشرکین کے لیڈر ابوسفیان کو اس حقیقت کا اعتراف ویقین تھا کہ اسلام کے ستون و اساس رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما ہیں۔[2]

اس دوران جنگ جاری رہی اور بالآخر کفار میدان چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ کو خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں کفار پھر واپس نہ آ جائیں۔ آپ نے صحابہ سے کہا: کون ان کے تعاقب میں نکلے گا؟ ستر صحابہ کرام تیار ہوئے، ان میں ابوبکر و زبیر رضی اللہ عنہما تھے۔[3]

صلح حدیبیہ میں

ذوالقعدہ ٦ ہجری میں رسول اللہ ﷺ چودہ سو صحابہ کے ساتھ خانہ کعبہ کی زیارت کے لیے نکلے، اپنے ساتھ ہدی کے جانور لیے اور عمرہ کا احرام باندھا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ جنگ کی خاطر نہیں بلکہ بیت اللہ کی زیارت کے لیے آئے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے بنوخزاعہ میں سے اپنا جاسوس حالات کا جائزہ لینے کے لیے روانہ فرمایا، اس نے آ کر خبر دی کہ مکہ والے آپ کو کعبہ سے روکنے کے لیے جمع ہو گئے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: لوگو ہمیں مشورہ دو، کیا کریں؟

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ خانہ کعبہ کی زیارت کے لیے نکلے ہیں کسی کو قتل کرنا یا جنگ کرنا مقصود نہیں ہے لہٰذا آپ زیارت کے لیے آگے بڑھیں جو ہمیں اس سے روکے گا ہم اس سے قتال کریں گے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمان جاری کر دیا: اللہ کا نام لے کر آگے بڑھو۔

قریش کے لوگ غضبناک ہو گئے اور قسم کھا لی کہ رسول اللہ ﷺ کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ پھر اہل مکہ اور رسول اللہ ﷺ کے مابین گفتگو اس سلسلہ میں شروع ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ عزم کر رکھا تھا کہ اہل مکہ صلہ رحمی سے متعلق جس چیز کا مطالبہ کریں گے اس کو قبول کروں گا۔[4]

بالآخر مصالحانہ گفتگو کا آغاز ہوا اور سہیل بن عمر کی قیادت میں مشرکین مکہ نے رسول اللہ ﷺ سے

---

[1] فتح الباری: ٦/ ١٨٨، ٧/ ٤٠٥.

[2] مواقف الصدیق مع النبی فی المدینۃ: د/ عاطف لماضہ ٢٨ . اس سے یہ حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں ہی اپنے تو اپنے اعدائے اسلام بھی مانتے تھے کہ نبی کریم ﷺ کے بعد اس امت میں پہلا مقام ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ہے اور پھر دوسرا عمر رضی اللہ عنہ کا۔ (مترجم)

[3] مسلم: ٢٤١٨.   [4] تاریخ الدعوۃ الی الاسلام: ص١٣٦.

مصالحت پر اتفاق کر لیا اور کافی ایمان افروز مناظر صحابہ نے دیکھے اور بالآخر طویل مکالمے کے بعد صلح حدیبیہ اپنے انجام کو پہنچی۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، سیرت ابوبکر، ص: ۱۱۶)

غزوۂ خیبر، سریہ نجد اور بنی فزارہ میں

۱۔ غزوہ خیبر میں:

رسول اللہ ﷺ نے خیبر کا محاصرہ کیا اور ان سے جنگ کی تیاری کی۔ سب سے پہلے قائد جن کو رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے بعض قلعوں کی طرف روانہ فرمایا وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے، آپ نے قتال کیا، لیکن وہ قلعہ فتح نہ ہوا۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا آپ نے بھی قتال کیا اور فتح حاصل نہ ہوئی۔ پھر آپ نے فرمایا: کل میں پرچم ایسے شخص کو دوں گا جو اللہ و رسول سے محبت رکھتا ہے، تو وہ شخص علی رضی اللہ عنہ تھے۔ [1]

بعض صحابہ نے مشورہ دیا کہ کھجور کے باغات کاٹ دیے جائیں تاکہ اس سے یہود کمزور پڑ جائیں، آپ ﷺ نے اس مشورہ کو پسند کر لیا، مسلمان جلدی جلدی درخت کاٹنے لگے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو درخت نہ کاٹنے کا مشورہ دیا کیونکہ اس میں مسلمانوں کے لیے بہرصورت نقصان ہے، چاہے خیبر زبردستی فتح ہو یا صلح سے۔ رسول اللہ ﷺ نے آپ کا مشورہ قبول فرمایا اور مسلمانوں کو کھجور کاٹنے سے منع فرما دیا، پھر مسلمان اس سے رک گئے۔ [2]

۲۔ سریہ نجد میں:

ابن سعد نے طبقات میں ایاس بن سلمہ سے روایت کی، انھوں نے اپنے والد سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نجد کی طرف روانہ کیا اور انھیں ہم پر امیر مقرر کیا، ہم نے ہوازن کے کچھ لوگوں پر شب خون مارا، میں نے اپنے ہاتھ سے سات گھر والوں کو قتل کیا اور ہمارا شعار "أَمِتْ أَمِتْ" تھا۔ [3]

۳۔ سریہ بنی فزارہ میں:

امام احمد ابن حنبل رحمہ اللہ نے ایاس بن سلمہ کے طریق سے روایت کی وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ہم ابوبکر بن ابی قحافہ رضی اللہ عنہما کے ساتھ نکلے اور رسول اللہ ﷺ نے انھیں ہمارا امیر مقرر فرمایا، ہم نے ان کی قیادت میں بنوفزارہ سے جہاد کیا، جب ہم چشمے کے پاس پہنچے، ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حکم سے ہم نے وہاں رات کو قیام کیا، جب ہم نماز فجر سے فارغ ہوئے تو آپ نے ہمیں حملہ کرنے کا حکم فرمایا اور ہم نے ان لوگوں سے قتال کیا، جو ہم سے قبل چشمے پر گزرے تھے۔ سلمہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: میں نے پہاڑ کی جانب کچھ لوگوں کو دیکھا جن میں خواتین اور بچے تھے، میں نے تیر چلایا جو پہاڑ اور ان کے درمیان گرا، میں ان سب کو قید کر کے ابوبکر کے پاس لایا اور چشمے پر

[1] فتوح البلدان: ۱/ ۲٦. [2] المغازی للواقدی: ۲/ ٦٤٤.

[3] الطبقات الکبری: ۱/ ۱۲٤، ابوداود: الجهاد، باب فی البیات: ۳/ ٤۳.

آپ سے ملا۔ ان میں ایک عورت تھی جو چمڑے کی پرانی پوستین پہنے ہوئی تھی، اس کے ساتھ ایک بچی تھی جو عرب میں سب سے زیادہ حسین تھی۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسے مجھے عطا کیا، میں نے اس کا کپڑا نہیں اٹھایا، یہاں تک کہ مدینہ پہنچ گیا اور رات گذاری، لیکن اس کا کپڑا نہیں اٹھا، بازار میں مجھے رسول اللہ ﷺ ملے اور فرمایا سلمہ اس خاتون کو مجھے دے دو، میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم یہ عورت مجھے پسند آ گئی ہے اور میں نے ابھی تک اس کا کپڑا نہیں اٹھایا ہے۔ اس پر آپ خاموش ہو گئے اور چلے گئے، پھر دوسرے دن بازار میں رسول اللہ ﷺ مجھ سے ملے اور فرمایا: اس خاتون کو مجھے دے دو، میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں نے ابھی تک اس کا کپڑا نہیں اٹھایا ہے اور یہ آپ کے لیے ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کو مکہ والوں کو دے کر ان مسلم قیدیوں کو رہا کرایا جو مکہ والوں کے ہاتھ میں تھے۔ [1]

عمرۃ القضا اور ذات السلاسل میں

۱۔ عمرۃ القضا میں:

ابوبکر رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سے تھے جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس عمرہ کی قضا کرنے گئے تھے، جس سے حدیبیہ کے موقع پر مشرکین مکہ نے روک دیا تھا۔ [2]

۲۔ سریہ ذات السلاسل [3] میں:

رافع بن عمرو الطائی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ذات السلاسل کی مہم پر لشکر روانہ کیا اور اس مہم میں ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما اور دیگر کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کو روانہ کیا۔

فتح مکہ، حنین و طائف میں

۱۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ مکہ میں داخل ہوتے وقت:

جب رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے موقع پر مکہ میں داخل ہوئے تو اس وقت آپ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ خواتین گھوڑوں کے چہروں پر نشان لگا رہی ہیں، تو آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہو کر مسکرائے اور فرمایا: حسان نے کیا کہا ہے؟ تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ اشعار پڑھے:

عَـدِ مـنَـا خَـيْـلَـنَـا اِنْ لَّـمْ تَـرَوْهَـا

تُثِـيْـرُ الـنَّـقـعَ مَـوعِـدُهَـا كَـدَاءُ

"ہمارے شہسواروں کو اگر غبار اڑاتے ہوئے مقام کداء کی جانب جاتے نہ دیکھے ہوں تو وہ برباد

---

[1] مسند احمد: ٤/ ٤٣٠، الطبقات: ٤/ ١٦٤ .
[2] تاریخ الدعوة الاسلامية: ١٤٢ .
[3] ذات السلاسل وادی القریٰ کے پیچھے ایک مقام ہے۔ اس کے اور مدینہ کے مابین دس دن کا فاصلہ ہے۔

ہو جائیں۔‘‘

يُبَـارِيـنَ الَاسِـنَّةَ مُـصـغيـاتٍ
عـلـى أَكْتـافِهـا الأَسَلُ الظِّمَـاءُ

’’نیزوں کے چلانے میں پوری توجہ سے مقابلہ کر رہے ہیں، ان کے کندھوں پر تیز تلواریں ہیں۔‘‘

تـظـلُّ جِيـادُنـا متـمـطِّـراتٍ
تـلـطـمهُـنَّ بـالـخُـمـر النِّسـاءُ ❶

’’ہمارے گھوڑے تیز رفتاری میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے میں لگے ہیں، خواتین اپنے دوپٹوں سے ان کے غبار کو جھاڑتی ہیں۔‘‘

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مکہ میں وہاں سے داخل ہو جہاں سے حسان نے کہا ہے۔ ❷

ابوبکر رضی اللہ عنہ پر اللہ کی نعمت پوری ہوئی اور اس زریں موقع پر آپ کے والد ابوقحافہ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ ❸

۲۔ حنین میں:

غزوۂ حنین میں مسلمانوں کو سخت ابتلاء کا سامنا کرنا پڑا، بایں طور کہ معرکہ کے آغاز ہی میں ہزیمت لاحق ہوئی، جس کی وجہ سے مسلمان تاب نہ لا سکے اور بھاگنے لگے۔ امام طبری نے اس کی منظرکشی کی ہے، فرماتے ہیں: لوگ تیزی سے بھاگنے لگے، کوئی کسی کو نہیں دیکھتا تھا، ❹ اور رسول اللہ ﷺ لوگوں کو پکار رہے تھے: لوگو! کہاں بھاگ رہے ہو؟ میرے پاس آؤ، میں اللہ کا رسول ہوں، میں محمد بن عبداللہ ہوں...... اے انصار! میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں...... پھر آپ نے اپنے چچا عباس رضی اللہ عنہ کو آواز دی، ان کی آواز بلند تھی اور ان سے کہا: عباس! پکارو: اے انصار کی جماعت! اے ببول کے نیچے بیعت کرنے والو! ❺ معرکے کے آغاز میں مسلمانوں کی یہ صورت حال تھی۔ نبی کریم ﷺ تنہا میدان میں رہ گئے تھے آپ کے ساتھ بہت تھوڑے لوگ تھے۔ جو لوگ نبی کریم ﷺ کے ساتھ میدان میں جمع رہے وہ کبار صحابہ تھے اور ان میں آگے آگے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تھے۔ پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی مکمل نصرت و تائید سے نوازا اور فتح سے ہمکنار ہوئے۔ ❻

۳۔ طائف کے میدان میں:

طائف کے محاصرہ میں صحابہ کرام کو زخم آئے اور شہادتیں پیش آئیں، رسول اللہ ﷺ محاصرہ ختم کر کے

---

❶ مستدرك الحاكم: ۳/ ۷۲، اور صحیح الاسناد قرار دیا، اور ذہبی نے موافقت کی ہے۔
❷ مستدرك الحاكم: ۳/ ۷۲، الطبري: ۳/ ٤۲.
❸ تاريخ الدعوة الاسلامية: ۱٤۷.
❹ تاريخ الطبري: ۳/ ۷٤.
❺ مسلم: الجهاد والسير، باب في غزوة حنين، رقم: ۱۷۷۵.
❻ مواقف الصديق مع النبي ﷺ في المدينة: ٤۳.

مدینہ واپس آ گئے۔ غزوۂ طائف میں شہید ہونے والوں میں عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ ان کو ایک تیر لگا جس کے نتیجے میں نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد مدینہ میں فوت ہو گئے۔ [1]

جب بنوثقیف کے لوگ مدینہ میں اعلان اسلام کے لیے حاضر ہوئے تو جیسے ہی ان کا قافلہ مدینہ سے قریب پہنچا تو ان کے قبول اسلام کی بشارت رسول اللہ ﷺ کو سنانے کے لیے ابوبکر اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما بے تاب ہو گئے۔ ہر ایک چاہتا تھا کہ ان کے آنے کی اطلاع سب سے پہلے وہ رسول اللہ ﷺ کو دے چنانچہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اس میں کامیاب ہوئے اور سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کو اس کی بشارت سنائی۔ [2]

جب ان لوگوں نے اسلام کا اعلان کر دیا اور رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے تحریری اسلامی ضمان عطا کیا اور ان پر امیر مقرر کرنا چاہا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر کیا جائے حالانکہ وہ ابھی ان میں کم عمر تھے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں نے اس نوجوان کو ان میں سب سے زیادہ اسلام کا علم حاصل کرنے اور قرآن سیکھنے کا شوقین پایا ہے۔ [3]

عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کی یہ حالت تھی کہ جب لوگ دوپہر کو سو جاتے تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ سے دین کے بارے میں سوال کرتے اور قرآن پڑھتے، یہاں تک کہ دین کی بصیرت اور علم حاصل کر لیا اور جب کبھی رسول اللہ ﷺ کو سوتا ہوا پاتے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچتے اور اپنی قوم پر اس کو ظاہر نہ کرتے۔ رسول اللہ ﷺ کو ان کی یہ ادا بہت بھائی اور آپ ان سے محبت کرنے لگے۔ [4]

جس وقت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس شخص کا پتہ چلا جس نے آپ کے لخت جگر عبداللہ کو تیر مارا تھا اس وقت آپ نے جو بات کہی وہ آپ کے ایمان کی عظمت پر واضح ثبوت ہے۔ امام قاسم بن محمد رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ طائف میں عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کو تیر لگا اور وہی زخم رسول اللہ ﷺ کی وفات کے چالیس روز بعد تازہ ہو گیا اور اسی میں وفات پا گئے۔ ثقیف کا وفد ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور وہ تیر آپ کے پاس محفوظ تھا۔ آپ نے اس تیر کو ان کے سامنے پیش کیا اور پوچھا: کیا تم میں سے کوئی اس تیر کو جانتا ہے؟ تو بنوعجلان میں سے سعید بن عبید نے کہا: میں نے ہی اس کو تیز کیا اور پر لگایا تھا اور میں نے ہی اس کو کھینچ کر مارا تھا؟ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: یہی وہ تیر ہے جس سے عبداللہ کا قتل ہوا ہے۔ اللہ کے لیے ہر طرح کی حمد وشکر ہے کہ اس نے تمھارے ہاتھ سے اس کو شہادت کا شرف بخشا اور تمھیں اس کے ہاتھ سے ذلیل نہ کیا۔ یقیناً اللہ کی رحمت تم دونوں کے لیے وسیع ہے۔ [5]

---

[1] السیرۃ النبویۃ لابن ہشام: ٤/ ١٩٣ .

[2] تاریخ الدعوۃ الاسلامیۃ: ١٥١ .

[3] تاریخ الدعوۃ الاسلامیۃ: ١٥١ .

[4] تاریخ الاسلام للذہبی: المغازی ٦٧٠ .

[5] خطب ابی بکر الصدیق: محمد احمد عاشور ١١٨ لیکن یہ روایت منقطع ہے۔

غزوۂ تبوک، امارت حج اور حجۃ الوداع میں

ا۔ غزوۂ تبوک میں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک میں تیس ہزار (۳۰۰۰۰) کا عظیم لشکر لے کر رومیوں سے قتال کرنے کے لیے شام کی طرف روانہ ہوئے اور جب آپ کی قیادت میں مسلمان ثنیۃ الوداع کے پاس جمع ہو گئے تو امراء وقائدین کو منتخب فرمایا اور ان کے لیے پرچم اور جھنڈے متعین کیے اور سب سے بڑا پرچم ابوبکر رضی اللہ عنہ کو عطا کیا۔ [1]

۲۔ غزوہ تبوک میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا عطیہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک کے موقع پر بقدر استطاعت عطیات دینے پر ابھارا کیونکہ سفر لمبا تھا، دشمن کی تعداد زیادہ تھی اور عطیات دینے والوں کے لیے اللہ کی جانب سے اجر عظیم دیے جانے کا وعدہ کیا۔ ہر ایک نے اپنی بساط کے مطابق عطیات پیش کیے۔ اس غزوہ میں عثمان رضی اللہ عنہ نے سب سے زیادہ عطیہ پیش کیا۔ [2] اور عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنا نصف مال عطیہ کر دیا اور ان کو یہ خیال پیدا ہوا کہ آج وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے سبقت لے جائیں گے۔

وہ خود بیان فرماتے ہیں: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں عطیات پیش کرنے کا حکم فرمایا، اس وقت میرے پاس مال تھا، میں نے سمجھا کہ آج میں ابوبکر رضی اللہ عنہ سے سبقت لے جاؤں گا۔ چنانچہ میں نے اپنا نصف مال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا: عمر! اپنے گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا ہے؟

میں نے عرض کیا: اسی کے مثل۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنا پورا مال لا کر آپ کی خدمت میں حاضر کر دیا۔

آپ نے ان سے پوچھا: اپنے بچوں کے لیے کیا چھوڑا ہے؟

فرمایا: ان کے لیے اللہ و رسول کو چھوڑ کر آیا ہوں۔

میں نے کہا: میں کبھی کسی چیز میں آپ سے سبقت نہیں لے جا سکتا۔ [3]

۳۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ۹ ہجری میں بحیثیت امیر حج:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں معاشرہ کی تربیت اور سلطنت کی تعمیر عقائدی، اقتصادی، اجتماعی، سیاسی، عسکری اور تعبدی ہر اعتبار سے جاری تھی اور گزشتہ سالوں میں فریضہ حج ادا نہ کیا جا سکا تھا۔ فتح کے بعد ۸ ہجری میں

---

[1] صفة الصفوة: ١/ ٢٤٣ .

[2] السيرة النبوية في ضوء المصادر الاصلية: ٦١٥ .

[3] ابو داود: الزکاۃ ۲/ ۳۱۲۔ ۳۱۳ (۱۶۷۸) علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے حسن کہا ہے۔

اگرچہ عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو حج کی ذمہ داری سونپی گئی تھی لیکن مسلمانوں اور مشرکین کے حج میں کوئی امتیاز قائم نہ کیا جا سکا تھا۔[1] چنانچہ جب ۹ ہجری میں حج کا زمانہ آیا تو رسول اللہ ﷺ نے حج کا ارادہ فرمایا لیکن آپ نے یہ کہہ کر ارادہ ترک کر دیا کہ ''ننگے مشرکین خانہ کعبہ کا طواف کریں گے، مجھے یہ پسند نہیں کہ میں اس حالت میں حج کروں۔'' لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے ۹ ہجری میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیر حج مقرر کر کے روانہ فرمایا۔ آپ رضی اللہ عنہ حجاج کو لے کر مکہ روانہ ہوئے۔ اتنے میں سورۂ براءت کا نزول ہوا۔ نبی کریم ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور حکم دیا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے جا ملو۔ علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی ''عضباء'' پر سوار ہو کر نکلے اور ذوالحلیفہ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ سے جا ملے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امارت میں یہ حج حجۃ الوداع[2] کا مقدمہ تھا اور اس حج میں یہ اعلان کیا گیا کہ بت پرستی کا دور ختم ہوا اور توحید کے نئے دور کا آغاز ہوا، اب لوگوں پر لازم ہے کہ اللہ کی شریعت کی پابندی کریں۔ قبائل عرب میں اس عام اعلان کے بعد ان قبائل کو یقین ہو گیا کہ اب یہ قطعی فیصلہ ہے اور اصنام پرستی کا خاتمہ ہو چکا، لہٰذا اپنے اسلام میں داخلے اور توحید کا اعلان کرتے ہوئے اپنے وفود کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجنے لگے۔[3]

۴۔ حجۃ الوداع:

اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حج کے لیے روانہ ہوئے، جب ہم وادی عرج میں پہنچے تو رسول اللہ ﷺ وہاں رکے، عائشہ رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کے پہلو میں بیٹھی تھیں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس ساز و سامان کے لیے ایک ہی سواری تھی، جو ان کے غلام کے ساتھ تھی، آپ اس کا انتظار کر رہے تھے، اتنے میں غلام آیا لیکن اونٹ اس کے ساتھ نہ تھا۔

دریافت کیا: اونٹ کدھر گیا؟

جواب دیا: رات میں غائب ہو گیا۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ایک ہی اونٹ تھا، اس کو بھی غائب کر دیا؟

پھر اس غلام کو مارنا شروع کر دیا۔ یہ منظر دیکھ کر رسول اللہ ﷺ مسکراتے ہوئے فرما رہے تھے: ''دیکھو اس مُحرم کو کیا کر رہا ہے؟''[4]

---

[1] دراسات فی عهد النبوة، عماد الدين خليل: ۲۲۲ .

[2] السيرة النبوية لابی شهبه: ۲/ ۵٤۰ .

[3] قراء ة سياسية للسيرة النبوية، قلعجی: ۲۸۳ .

[4] مسند احمد: ٦/ ۳٤٤ .

(۵)

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ مدنی معاشرہ میں اور ان کے بعض اوصاف وفضائل

مدنی معاشرہ میں سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی پوری زندگی درس وعبرت سے بھری ہوئی ہے۔ فہم اسلام اور اسے عملی جامہ پہنانے کے سلسلہ میں آپ نے ہمارے لیے زندہ نمونہ چھوڑا ہے۔ عظیم اوصاف کے ساتھ آپ کی شخصیت ممتاز قرار پائی ہے۔ بہت سی احادیث میں رسول اللہ ﷺ نے آپ کی تعریف کی ہے اور دیگر صحابہ پر آپ کی فضیلت اور بزرگی کو بیان کیا ہے۔

۱۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور نماز جمعہ کی آیت:

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ خطبہ جمعہ دے رہے تھے، اتنے میں مدینہ کے اندر تجارتی قافلہ آ گیا، سب لوگ خرید وفروخت کے لیے نکل پڑے، آپ کے ساتھ مسجد میں صرف بارہ افراد باقی رہ گئے، اس مناسبت سے اس آیت کریمہ کا نزول ہوا:

﴿ وَ اِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَ تَرَكُوْكَ قَآىِٕمًا ؕ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَ مِنَ التِّجَارَةِ ؕ وَ اللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝۱۱ ﴾ (الجمعة: ۱۱)

''اور جب کوئی سودا بکتا دیکھیں یا کوئی تماشا نظر آ جائے تو اس کی طرف دوڑ جاتے ہیں اور آپ کو کھڑا ہی چھوڑ دیتے ہیں، آپ کہہ دیجیے کہ اللہ کے پاس جو ہے وہ کھیل اور تجارت سے بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ بہترین روزی رساں ہے۔''

اور یہ بارہ افراد جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ باقی رہے ان میں ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما تھے۔ [1]

۲۔ نبی کریم ﷺ کا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کبر وغرور کی نفی فرمانا:

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ جَرَّ ثَوبه خُيلاء لم ينظر الله اليه يوم القيامة))

''جو شخص ازراہ تکبر اپنے کپڑے گھسیٹ کر چلتا ہے اس کی طرف قیامت کے دن اللہ نظر نہیں فرمائے گا۔''

یہ سن کر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرا ازار ایک طرف لٹک جاتا ہے لیکن میں اس کو سنبھالنے کی کوشش کرتا ہوں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((انك لست تصنع ذلك خُيلاء)) [1]

---

[1] الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان: ۱۵/ ۳۰۰۔ مسلم، رقم: ۸۶۳.

[2] البخاری: ۳٦٦۵.

”تم ایسا ازراہ تکبر نہیں کرتے ہو۔“

۳۔صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور حلال کی تلاش:

قیس بن ابی حازم سے روایت ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ایک غلام تھا، جب وہ اپنی آمدنی لے کر آتا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ اس کو اس وقت تک نہیں کھاتے تھے جب تک اس سلسلہ میں دریافت نہ کر لیتے۔ اگر وہ ایسی چیز ہوتی جو آپ کو پسندیدہ ہوتی تو کھا لیتے اور اگر ناپسند اشیاء میں سے ہوتی تو نہ کھاتے۔ ایک روز بھول گئے اور سوال کیے بغیر کھا لیا، پھر جب خیال آیا تو اس سے پوچھا، جب اس نے خبر دی کہ یہ ان کی ناپسندیدہ چیزوں سے تھی تو اپنا ہاتھ حلق میں ڈال کر جو کچھ کھایا تھا سب قے کر دیا، اندر کچھ نہ رہنے دیا۔[1]

۴۔امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اہتمام:

ابوبکر رضی اللہ عنہ عید کے دنوں میں ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے، دیکھا ان کے پاس انصار کی دو بچیاں نغمے گا رہی ہیں، فرمایا: کیا شیطان کی بانسری رسول اللہ ﷺ کے گھر میں؟ اور رسول اللہ ﷺ اپنا چہرہ مبارک ان دونوں سے پھیر کر دیوار کی طرف رخ کیے ہوئے لیٹے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((دعهما يا ابابكر فان لكل قوم عيدا وهذا عيدنا اهل الاسلام .))[2]

”اے ابوبکر ان دونوں کو چھوڑ دو، ہر قوم کی عید ہوتی ہے اور یہ ہم اہل اسلام کی عید ہے۔“

۵۔مہمانوں کی تکریم:

عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: اصحاب صفہ فقراء تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا: جس کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہو وہ اپنے ساتھ تیسرے کو لے جائے اور جس کے پاس چار آدمیوں کا کھانا ہو وہ پانچویں کو لے جائے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ تین آدمیوں کو لے آئے............ اور خود ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے پاس شام کا کھانا تناول کیا اور کچھ رات گزرنے کے بعد گھر تشریف لائے۔

بیوی نے عرض کیا: کس وجہ سے آپ نے مہمانوں سے تاخیر کی؟

فرمایا: کیا ابھی تک انھیں کھانا نہیں دیا؟

بیوی نے کہا: انھوں نے آپ کے آئے بغیر کھانے سے انکار کیا، پیشکش کی گئی لیکن وہ نہ مانے۔

میں (عبدالرحمٰن) ڈر کر چھپ گیا۔

والد صاحب نے مجھے آواز دیتے ہوئے کہا: اے جاہل! اور سخت وسست کہا اور مہمانوں سے کہا: آپ لوگ کھانا کھائیے، واللہ! میں نہیں کھاؤں گا۔

---

[1] الزهد للامام احمد: ۱۱۰ ، بحواله التاريخ الاسلامی للحميدی : ۱۹/ ۱۳ .

[2] مسلم: صلاة العيدين: ۸۹۲ .

مہمانوں نے بھی قسم کھالی کہ ہم اس وقت تک نہیں کھائیں گے جب تک ابوبکر نہیں کھاتے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ شیطان کی طرف سے ہے، پھر کھانا منگوایا اور تناول فرمایا۔

عبدالرحمٰن کہتے ہیں: اللہ کی قسم ہم جو لقمہ اٹھاتے تھے اس کے نیچے اس سے زیادہ ہو جاتا تھا۔ مہمانوں نے آسودہ ہو کر کھانا تناول فرمایا اور کھانا پہلے سے زیادہ ہو گیا، آپ نے دیکھا تو پہلے سے زیادہ تھا۔

بیوی سے کہا: اے بنو فراس کی بہن یہ کیا ماجرا ہے؟

اس نے کہا: میری آنکھ کی ٹھنڈک! یہ پہلے سے تین گنا زیادہ ہے۔

پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کھایا اور فرمایا: یہ قسم شیطان کی طرف سے تھی۔

پھر اسے اٹھا کر رسول اللہ ﷺ کے پاس لے گئے اور وہ صبح تک آپ کے پاس رہا۔ ہمارے اور مشرکین کے درمیان معاہدہ تھا جس کی مدت ختم ہو چکی تھی، رسول اللہ ﷺ نے بارہ افراد کو عریف بنایا اور ہر ایک کے ساتھ ایک جماعت تھی اور اللہ کو خوب معلوم ہے کہ ہر ایک کے ساتھ کتنے لوگ تھے۔ تمام لوگوں نے آسودہ ہو کر وہی کھانا کھایا۔ [1]

۶۔ مدینہ سے شام کا تجارتی سفر:

عہد نبوی میں ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مدینہ سے بصریٰ اور شام کا تجارتی سفر کیا۔ نبی کریم ﷺ اور آپ کی رفاقت کی محبت آپ کو تجارتی سفر سے نہ روک سکی اور نہ نبی کریم ﷺ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے شدید محبت کے باوجود آپ کو اس سے منع فرمایا۔ [2]

۷۔ خوف الٰہی:

خوف الٰہی بہترین خصلت ہے جو انسان کو معصیت سے روکتی ہے اور ظاہر و باطن میں مراقبہ الٰہی پر ابھارتی ہے، جس سے اس کے افعال پاک اور اعمال اچھے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو اپنے خوف کا حکم فرمایا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَ اَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَ اِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ۝۴۰ ﴾ (البقرة: ٤٠)

”اے بنی اسرائیل! میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام کی اور میرے عہد کو پورا کرو میں تمھارے عہد کو پورا کروں گا اور مجھ ہی سے ڈرو۔“

جو لوگ اللہ رب العالمین سے ڈرنے والے ہیں ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔

---

[1] البخاري: المناقب ٣٥٨١، مسلم: الاشربه: ٢٠٥٧ .

[2] فتح الباري: ٤/ ٣٥٧، بحواله الخلافة الراشدة والدولة الاموية من فتح الباري: ١٦٣ .

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّتَانِ﴾ (الرحمن: ٤٦)

''اور اس شخص کے لیے جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا، دو جنتیں ہیں۔''

اور انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری موجودگی میں ایسا خطبہ دیا جس کے مثل کبھی آپ سے نہیں سنا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لو تعلمون ما اعلم لضحكتم قليلا ولبكيتم كثيرا، فغطى اصحاب رسول الله ﷺ وجوههم ولهم حنين.))[1]

''اگر تمھیں وہ معلوم ہو جائے جو مجھے معلوم ہے تو تمھاری ہنسی کم ہو جائے گی اور رونا زیادہ ہو جائے گا۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے اپنے چہرے ڈھانپ لیے اور ان سے رونے کی آواز آنے لگی۔''

بعض اہم اوصاف اور چند فضائل

سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی شخصیت قائدانہ شخصیت تھی۔ آپ قائد ربانی کے اوصاف سے متصف تھے۔ ہم اجمال کے ساتھ ان اوصاف کو بیان کریں گے اور بعض امور کو تفصیل سے پیش کریں گے۔ آپ کے اہم ترین اوصاف یہ ہیں:

ا۔ آپ کے ایمان کی عظمت:

سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اللہ رب العالمین پر بڑا یقین اور ایمان تھا کہ صحابہ میں سے کوئی بھی آپ کے ہم پلہ نہ تھا۔ سنن میں ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کیا تم میں سے کسی نے خواب دیکھا ہے؟

ایک شخص نے عرض کیا: میں نے خواب میں دیکھا، ایک میزان آسمان سے اتری، پھر آپ اور ابوبکر کو وزن کیا گیا تو آپ ابوبکر کے مقابلہ میں بھاری ٹھہرے، پھر ابوبکر و عمر کو وزن کیا گیا تو ابوبکر وزنی ٹھہرے، پھر عمر و عثمان کو وزن کیا گیا تو عمر وزنی ٹھہرے، پھر میزان اٹھالی گئی۔

آپ کو یہ خواب اچھا نہ لگا۔ پھر آپ نے فرمایا:

((خلافة نبوة ثم يؤتى الله الملك من يشاء.))[2]

''یہ خلافت نبوت کی طرف اشارہ ہے، پھر اللہ تعالیٰ ملک و سلطنت جس کو چاہے گا دے گا۔''

[1] البخاری: التفسير، باب لا تسألوا عن اشياء: ٦/ ٦٨.

[2] ابوداود: ٤٦٣٤، الترمذی: ٢٢٨٨.

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((من انفق زوجين من شئ من الاشياء فی سبيل الله دعی من ابواب الجنة: يا عبدالله هذا خير ، فمن كان من اهل الصلاة دعی من باب الصلاة ، ومن كان من اهل الجهاد دعی من باب الجهاد ، ومن كان من اهل الصيام دعی من باب الريان ، ومن كان من اهل الصدقة دعی من باب الصدقة .))

''جس شخص نے اللہ کی راہ میں کسی چیز کے جوڑے خرچ کیے اس کو جنت کے دروازوں سے پکارا جائے گا، جو نمازیوں میں سے ہوگا اس کو باب الصلوٰۃ سے، جو مجاہدین میں سے ہوگا اس کو باب الجہاد سے، جو روزہ داروں میں سے ہوگا اس کو باب الریان سے، جو زکوٰۃ و صدقات ادا کرنے والوں میں سے ہوگا اس کو باب الصدقہ سے پکارا جائے گا۔''

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! جو ان سب دروازوں سے پکارا جائے گا اسے پھر کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی لیکن کیا کوئی ایسا ہوگا جسے تمام دروازوں سے پکارا جائے؟

آپ ﷺ نے فرمایا:

((نعم! وارجو ان تكون منهم يا ابابكر .))[1]

''ہاں، اے ابوبکر! مجھے امید ہے کہ تم انھی میں سے ہو گے۔''

۲۔ آپ کی دعا وشدتِ تضرع:

دعا بہت بڑا دروازہ ہے۔ جب یہ بندے کے لیے کھول دیا جاتا ہے تو خیر و برکت کے دہانے بندے کے لیے کھل جاتے ہیں، اسی لیے ابوبکر رضی اللہ عنہ تعلق باللہ اور کثرت دعا کے انتہائی حریص تھے۔ اسی طرح دعا، اعداء پر نصرت و فتح کے قوی ترین اور عظیم اسباب و عوامل میں سے ہے۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی رفاقت کو لازم پکڑا اور انتہائی قریب سے دیکھا کہ کس طرح آپ اللہ تعالیٰ سے استغاثہ کرتے ہیں اور اس سے نصرت و مدد طلب کرتے ہیں۔ آپ اس عبادت کو رسول اللہ ﷺ سے سیکھنے کے بڑے حریص تھے۔ آپ اس کا اہتمام کرتے تھے کہ دعا و تسبیح کے الفاظ و صیغے وہی استعمال کریں جن کا رسول اللہ ﷺ حکم فرماتے ہیں، اور وہ آپ کو پسند ہیں، کیونکہ دعا، تسبیح و ذکر اور درود وصلاۃ سے متعلق ماثور الفاظ اور صیغوں پر مسلمان دوسرے صیغوں اور الفاظ کو ترجیح نہیں دے سکتا، خواہ بظاہر یہ الفاظ و معانی میں کتنا ہی حسین کیوں نہ معلوم ہوں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ ہی خیر کے معلم اور صراط مستقیم کی طرف ہدایت دینے والے ہیں، آپ افضل و اکمل کو سب سے زیادہ جاننے والے ہیں۔[2]

---

[1] بخاري: ٢٦٦٦ . [2] ابوبكر الصديق: علی الطنطاوی ٢٠٧ .

صحیحین کی روایت ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے ایسی دعا سکھا دیجیے جسے میں نماز میں کیا کروں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، کہو:

((اللھم انی ظلمت نفسی ظلما کثیرا ولا یغفر الذنوب الا انت فاغفرلی مغفرۃ من عندك وارحمنی انك انت الغفور الرحیم .)) ❶

''الٰہی میں نے اپنے نفس پر ڈھیر سا ظلم ڈھایا ہے اور گناہوں کو تو ہی بخشنے والا ہے۔ پس تو مجھے اپنی طرف سے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما۔ یقیناً تو بخشنے والا مہربان ہے۔''

اسی طرح سنن میں سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے ایسی دعا سکھا دیجیے جو صبح وشام کیا کروں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، کہو:

((اللھم فاطر السموات والارض عالم الغیب والشھادۃ رب کل شیٍٔ وملیکہ، اشھد ان لا الہ الا انت، اعوذ بك من شر نفسی، ومن شر الشیطان وشرکہ، وان اقترف علی نفسی سوء ا او اجرہ الی مسلم .))

''الٰہی آسمان وزمین کے پیدا کرنے والے! غیب وحاضر کو جاننے والے! ہر چیز کے رب اور بادشاہ! میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور میں اپنے نفس کے شر سے اور شیطان کے شر وشرک سے اور اس بات سے تیری پناہ چاہتا ہوں کہ میں اپنے نفس پر گناہ کر کے ظلم ڈھاؤں یا کسی مسلمان پر ظلم کروں۔''

آپ ﷺ نے فرمایا: صبح وشام اور سوتے وقت یہ دعا پڑھ لیا کرو۔ ❷

❶ البخاری: ٨٤٣، مسلم: الذکر والدعاء: ٢٧٠٥.

❷ ابوداؤد: الادب ٥٠٦٧، الترمذی: الدعوات ٣٥٢٩.

دوسرا باب:

وفات نبوی اور سقیفہ بنو ساعدہ

(۱)

رسول اللہ ﷺ کی وفات

ا۔ مرض الموت کا آغاز:

رسول اللہ ﷺ ذوالحجہ ۱۰ ہجری میں حجۃ الوداع سے واپس ہوئے اور مدینہ میں ذوالحجہ کے بقیہ ایام اور محرم وصفر گذارے۔ لشکر کو تیار کیا اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو اس کا امیر مقرر فرمایا اور انھیں بلقاء وفلسطین کی طرف کوچ کرنے کا حکم فرمایا۔ لوگوں نے تیاری کی اور ان میں مہاجرین وانصار بھی تھے۔ اس وقت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کی عمر صرف اٹھارہ (۱۸) سال تھی۔ مہاجرین وانصار میں سے بعض لوگوں کو ان کی امارت پر اعتراض تھا، [1] کیونکہ وہ غلاموں میں سے کم سن تھے لیکن رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کے اعتراض کو قبول نہ فرمایا اور ارشاد فرمایا:

> ''اگر آج یہ لوگ اسامہ کی امارت پر اعتراض کرتے ہیں تو اس سے قبل اس کے باپ زید کی امارت پر بھی اعتراض کر چکے ہیں۔ اللہ کی قسم وہ امارت کا مستحق تھا اور وہ میرے نزدیک محبوب ترین لوگوں میں سے تھا اور زید کا فرزند اسامہ ان کے بعد میرے نزدیک محبوب ترین لوگوں میں سے ہے۔'' [2]

لوگ جہاد کی تیاری میں تھے اسی دوران رسول اللہ ﷺ کی بیماری کا آغاز ہوا۔ [3]

یہ واقعہ یوم دوشنبہ ۱۲ ربیع الاوّل ۱۱ ہجری بعد از زوال [4] پیش آیا، اس وقت آپ کی عمر تریسٹھ (۶۳) سال تھی۔ [5] آج کا دن مسلمانوں کے لیے انتہائی دلفگار، تاریک اور وحشت ناک تھا اور بشریت کے لیے بڑی آزمائش کی گھڑی تھی، جس طرح کہ آپ کی ولادت کا دن سب سے زیادہ سعادت افزا تھا۔ [6]

---

[1] دیکھیے: السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ: ۲/ ۵۵۲ .

[2] البخاری: فضائل اصحاب النبی: ٤٤٦٩ ، ٤/ ٢١٣ .

[3] ۲۹ صفر ۱۱ ہجری بروز دوشنبہ رسول اللہ ﷺ ایک جنازہ میں بقیع تشریف لے گئے، واپسی پر راستے ہی میں دردِ سر شروع ہو گیا اور حرارت اتنی تیز ہو گئی کہ سر پر بندھی ہوئی پٹی کے اوپر سے محسوس کی جانے لگی۔ یہ آپ کے مرض الموت کا آغاز تھا۔ (الرحیق المختوم: ٦٦٤) (مترجم)

[4] البدایۃ والنہایۃ: ٤/ ٢٣٣ .

[5] مسلم: الفضائل ٤/ ٨٢٥ ، البخاری: المغازی ٤٤٦٦ .

[6] السیرۃ النبویۃ للندوی: ٤٠٤ .

انس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں: جس روز رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تھے پورا مدینہ روشن ہو گیا تھا اور جس دن آپ کی وفات ہوئی پورا مدینہ تاریک ہو گیا۔ ❶ اس حادثہ دلفگار پر ام ایمن سے رہا نہ گیا وہ رونے لگیں۔ پوچھا گیا: نبی کریم ﷺ پر کیوں رو رہی ہو؟ فرمایا: میں پہلے سے جانتی تھی کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات ہو گی لیکن میں آج وحی الٰہی کے منقطع ہو جانے پر رو رہی ہوں۔ ❷

۲۔ حادثہ دلفگار کی ہولناکی اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کا موقف:

علامہ ابن رجب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب رسول اللہ ﷺ وفات فرما گئے تو مسلمانوں میں عجیب اضطراب پیدا ہوا۔ کچھ لوگ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھے، کچھ لوگ بیٹھ گئے تو کھڑے ہونے کی طاقت نہ رہی، کچھ لوگوں کی زبان گنگ ہو گئی، بات کرنے کی طاقت نہ رہی اور کچھ لوگوں نے تو کلیتاً آپ کی وفات کا ہی انکار کر دیا۔ ❸

جب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خبر سنی تو فوراً مقام سُنح کے مکان سے گھوڑے پر سوار ہو کر تشریف لائے، اتر کر مسجد میں گئے، کسی سے کوئی بات نہ کی، سیدھے حجرۂ عائشہ میں داخل ہوئے، رسول اللہ ﷺ کے پاس سیدھے پہنچے، آپ کے اوپر یمنی چادر ڈال دی گئی تھی، آپ کا چہرہ کھولا آپ سے چمٹ کر آپ کو بوسہ دیا اور رو پڑے، پھر فرمایا:

((بابی انت وامی واللہ لا یجمع اللہ علیک موتتین ، اما الموتة التی علیک فقد مُتَّھا .)) ❹

"میرے ماں باپ آپ پر قربان، اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتیں طاری نہیں کرے گا، جو موت طاری ہونی تھی وہ موت آپ پا چکے۔"

پھر آپ باہر تشریف لائے، عمر رضی اللہ عنہ غصے میں بھرے ہوئے بولتے جا رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: ((اجلس یا عمر)) "عمر بیٹھ جا۔"

پھر آپ نے اللہ کی حمد و ثنا بیان کرتے ہوئے لوگوں سے اس طرح خطاب فرمایا:

((اما بعد: فان من کان یعبد محمدا فان محمدا قد مات ، ومن کان یعبد اللہ فان اللہ حی لا یموت ، وقال اللہ تعالی:

﴿ إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُم مَّيِّتُونَ ﴾ (الزمر: ٣٠) وقال:

﴿ وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ أَفَإِن مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ ۚ وَمَن يَنقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَن يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا ۗ وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ﴾ (آل عمران: ١٤٤)

❶ الترمذی: ٣٦١٨، ٥/ ٥٤٩ . ❷ مسلم: ٤/ ١٩٠٧ .
❸ لطائف المعارف: ١١٤ . ❹ البخاری: المغازی ٤٤٥٢ .

''اما بعد! تم میں سے جو شخص محمد ﷺ کی پرستش کرتا تھا تو وہ جان لے کہ محمد ﷺ کی موت واقع ہو چکی ہے اور تم میں سے جو شخص اللہ کی عبادت کرتا تھا تو یقیناً اللہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے، کبھی نہیں مرے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''یقیناً خود آپ کو بھی موت آئے گی اور یہ سب بھی مرنے والے ہیں۔'' اور فرمایا: ''اور محمد (ﷺ) صرف رسول ہی ہیں، ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں، تو کیا اگر آپ وفات پا جائیں یا قتل کر دیے جائیں تو کیا تم لوگ اپنی ایڑیوں کے بل پلٹ جاؤ گے؟ اور جو شخص اپنی ایڑی کے بل پلٹ جائے تو (یاد رکھ) وہ اللہ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا اور عنقریب اللہ شکر کرنے والوں کو جزا دے گا۔''

یہ سن کر رونے لگے۔ [1]

عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: واللہ! میں نے جیسے ہی ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے سنا انتہائی متحیر اور دہشت زدہ ہو کر رہ گیا، حتیٰ کہ میرے پاؤں مجھے اٹھا ہی نہیں رہے تھے۔ میں زمین پر گر پڑا اور میں جان گیا کہ واقعی نبی کریم ﷺ کی موت واقع ہو چکی ہے۔ [2]

امام قرطبی فرماتے ہیں: یہ آیت کریمہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی شجاعت اور جرأت و دلیری کی بہت بڑی دلیل ہے کیونکہ شجاعت اور جرأت مصائب و آلام کے وقت دل کے ثابت قدم رہنے کا نام ہے اور نبی کریم ﷺ کی وفات سے بڑھ کر کون سی مصیبت ہو سکتی ہے؟ اس سے آپ کی شجاعت اور علم ظاہر ہوتا ہے۔ لوگ کہہ رہے تھے: رسول اللہ ﷺ کی موت واقع نہیں ہوئی۔ عمر رضی اللہ عنہ انھی قائلین میں سے تھے۔ عثمان رضی اللہ عنہ گونگے ہو گئے۔ علی رضی اللہ عنہ روپوش ہو گئے۔ حالات انتہائی مضطرب ہو گئے۔ لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر پہنچ کر حالات کو سنبھالا اور حقیقت سے پردہ اٹھایا۔ [3]

ان چند کلمات اور قرآن سے استدلال و استشہاد سے لوگ جو فرطِ غم کی وجہ سے حیران و ششدر تھے ہوش میں آئے، ان کی حیرانی و پریشانی ختم ہوئی اور فہم صحیح کی طرف رجوع ہوئے کہ اللہ ہی حي وقیوم ہے، اس کو موت نہیں آنے والی ہے، وہی تنہا عبادت کا مستحق ہے اور نبی کریم ﷺ کے بعد بھی اسلام باقی رہے گا۔ [4] جیسا کہ ایک روایت میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ قول منقول ہے: یقیناً اللہ کا دین قائم ہے، اللہ کا کلمہ مکمل ہے، اللہ تعالیٰ کی کتاب ہمارے درمیان ہے، وہ نور و شفا ہے، اسی کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو ہدایت بخشی، اس میں

---

[1] البخاري: فضائل الصحابة: ٣٦٦٨.

[2] البخاري: المغازي ٤٤٥٤.

[3] تفسير القرطبي: ٤/ ٢٢.

[4] استخلاف ابي بكر الصديق: جمال عبدالهادي ١٦٠.

اللہ کی حلال وحرام کردہ اشیاء کا ذکر ہے۔ اللہ کی قسم! ہمیں اس کی پروا نہیں کہ ہم پر کون حملہ آور ہو رہا ہے، کیونکہ ہماری تلواریں ابھی کھینچی ہوئی ہیں، ابھی ہم نے انھیں رکھا نہیں ہے۔ جو ہماری مخالفت پر کمر بستہ ہوگا اس سے ہم اسی طرح جہاد کریں گے جس طرح ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ جہاد کر رہے تھے۔ لہٰذا کوئی ہمارے خلاف جرأت نہ کرے ورنہ اس کا وبال اس کے سر ہوگا۔ ❶

۳۔ سقیفہ بنی ساعدہ:

جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو رسول اللہ ﷺ کی وفات کا علم ہو گیا تو انصار صحابہ سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے، یہ دوشنبہ ۱۲ ربیع الاوّل ۱۱ ہجری تھا، جس روز نبی کریم ﷺ کی وفات ہوئی۔ اس اجتماع میں مسئلہ خلافت پر گفتگو ہوئی۔ ❷

انصار، قبیلہ خزرج کے رہنما سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے گرد جمع ہو گئے، انصار کے اس اجتماع کی خبر مہاجرین کو پہنچی، وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس مسئلہ خلافت پر غور وخوض کرنے کے لیے جمع تھے کہ کون اس منصب کو سنبھالے۔ ❸

مہاجرین نے آپس میں کہا: آؤ اپنے انصار برادران کے پاس چلتے ہیں اس حق میں ان کا بھی حصہ ہے۔ ❹

عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم انصار کی طرف چل پڑے، جب ہم ان سے قریب پہنچے، ان میں سے دو صالح آدمیوں (عویم بن ساعدہ اور معن بن عدی) سے ملاقات ہوئی۔ ان دونوں نے انصار کے عزائم سے ان کو مطلع کیا، پھر سوال کیا:

"آپ لوگ کہاں جا رہے ہیں؟"

ہم نے کہا: ہم اپنے ان انصاری بھائیوں کے پاس جا رہے ہیں۔

ان دونوں نے کہا: ان کے پاس جانا ضروری نہیں۔ آپ لوگ خود معاملہ طے کر لیں۔

میں نے کہا: واللہ! ہم ضرور ان کے پاس جائیں گے۔

ہم چلے یہاں تک کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں ان کے پاس پہنچے۔ دیکھا ایک شخص کمبل میں لپٹا ہوا ہے۔

میں نے کہا: یہ کون ہیں؟

لوگوں نے جواب دیا: یہ سعد بن عبادہ ہیں۔

میں نے کہا: ان کو کیا ہو گیا ہے؟

لوگوں نے بتایا: ان کو بخار آ رہا ہے۔

---

❶ دلائل النبوة للبیهقی: ۷/ ۲۱۸.
❷ التاریخ الاسلامی: ۹/ ۲۱.
❸ عصر الخلافة الراشدة للعمری: ٤٠.
❹ عصر الخلافة الراشدة للعمری: ٤٠.

ہم وہاں تھوڑی دیر بیٹھے، اتنے میں ان کے خطیب نے اللہ کی حمد وثنا کے بعد اپنی بات شروع کرتے ہوئے کہا:

''اما بعد! ہم اللہ کے انصار اور اسلام کے لشکر ہیں، اے مہاجرین! تم ایک مختصر سی جماعت ہو، تم میں سے کچھ لوگ اٹھے اور وہ یہ چاہتے ہیں کہ ہمیں خلافت سے بے دخل کر دیں۔''

وہ شخص خاموش ہو گیا تو میں نے گفتگو کرنا چاہی۔ میں نے اپنی بات اچھے انداز میں تیار کر لی تھی، جسے میں ابوبکر کے سامنے پیش کرنا چاہتا تھا۔ ایک حد تک میں نے مسئلہ کا احاطہ کر لیا تھا۔ لیکن جب نے میں بولنا چاہا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''ٹھہرو۔'' میں نے آپ کو ناراض کرنا پسند نہ کیا۔ پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے گفتگو شروع کی تو وہ مجھ سے زیادہ بردبار اور باوقار تھے۔ واللہ! انھوں نے کوئی بات نہیں چھوڑی جو مجھے پسند تھی اور جو میں نے اپنے جی میں تیار کر رکھی تھی۔ انھوں نے فی البدیہ اس جیسی یا اس سے بہتر بات کہی۔ آپ نے اپنی بات ختم کی، پھر فرمایا:

''میں نے آپ لوگوں سے متعلق جو باتیں کہی ہیں اس کے آپ لوگ مستحق ہیں، لیکن خلافت و امارت قریش ہی کے لیے موزوں ومعروف ہے۔ حسب ونسب اور گھرانے کے اعتبار سے وہ عرب میں افضل ہیں۔ میں تمھارے لیے ان دونوں میں سے ایک کو پسند کرتا ہوں جس کو چاہو منتخب کر کے بیعت کر لو۔''

پھر میرا اور ابوعبیدہ بن الجراح کا ہاتھ پکڑا اور آپ ہمارے درمیان بیٹھے ہوئے تھے۔ مجھے صرف یہ بات ناپسند آئی، واللہ میری گردن ماردی جاتی یہ اس سے بہتر ومحبوب ہے کہ میں ایسے لوگوں کا امیر بنوں جس میں ابوبکر جیسے لوگ ہوں، اِلا یہ کہ موت کے وقت کوئی ایسی بات میرے جی میں آئے جو اس وقت نہیں پائی جارہی ہے۔

انصار میں سے ایک شخص نے کہا: میری بات کافی وشافی اور قابل اعتماد ہے، ایک امیر ہم میں سے اور ایک امیر تم میں سے۔

پھر شور وشغب زیادہ ہوا، آوازیں بلند ہوئیں، مجھے اختلاف رونما ہونے کا خوف دامن گیر ہو گیا۔

میں نے کہا: ''ابوبکر ہاتھ بڑھائیے۔''

میں نے آپ سے بیعت کی، پھر مہاجرین اور پھر انصار نے آپ سے بیعت کی۔ [1]

۴۔ قرآنی آیات جن میں خلافت صدیقی کی طرف اشارہ ہے:

قرآن پاک میں ایسی آیات ہیں جو اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد آپ کی خلافت کے سب سے زیادہ مستحق سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ارشاد ربانی ہے:

﴿ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ

[1] البخاري: الحدود ٦٨٣٠.

عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ (الفاتحۃ: ۶۔۷)

''ہمیں سیدھی اور سچی راہ دکھا، ان لوگوں کی راہ جن پر تو نے انعام کیا، ان کی نہیں جن پر غضب کیا گیا اور نہ گمراہوں کی۔''

ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امامت پر دلیل ہے کیونکہ ہم نے ذکر کیا ہے کہ یہاں ''صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ.'' سے قبل ''اِهْدِنَا'' مقدر ہے۔ یعنی اصل میں ''اِهْدِنَا صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ.'' ''ہمیں منعم علیہ بندوں کا راستہ دکھا'' ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت میں ان منعم علیہ بندوں کی تفصیل ذکر فرمائی ہے:

﴿فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ.... الآية﴾

''وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ نے انعام کیا جیسے انبیاء اور صدیقین............''

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ صدیقین کے رئیس وقائد ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں، تو آیت کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم فرمایا ہے کہ ہم اس ہدایت کو طلب کریں جن پر ابوبکر صدیق اور دیگر صدیقین قائم تھے۔ اگر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ گمراہ ہوتے تو ان کی اقتدا جائز نہ ہوتی۔ لہٰذا ہم نے جو بیان کیا ہے وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امامت پر دلیل ہے۔ [1]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ۭ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝﴾ (التوبۃ: ۴۰)

''اگر تم ان نبی (ﷺ) کی مدد نہ کرو تو اللہ ہی نے ان کی مدد کی اس وقت جب کہ انھیں کافروں نے (دیس سے) نکال دیا تھا، دو میں سے دوسرا جبکہ وہ دونوں غار میں تھے، جب یہ اپنے ''ساتھی'' سے کہہ رہے تھے کہ غم نہ کر، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ پس جناب باری نے اپنی طرف سے تسکین اس پر نازل فرما کر ان لشکروں سے اس کی مدد کی جنہیں تم نے دیکھا ہی نہیں۔ اس نے کافروں کی بات پست کر دی اور بلند وعزیز اللہ کا کلمہ ہی ہے اور اللہ غالب ہے کمال حکمت والا ہے۔''

مزید ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝﴾ (التوبۃ: ۱۰۰)

[1] تفسیر الرازی: ۱/ ۲۶۰.

''اور جو مہاجرین اور انصار سابق اور مقدم ہیں اور جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں، اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اس سے راضی ہوئے اور اللہ نے ان کے لیے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، جن میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ بڑی کامیابی ہے۔''

نوٹ:...... ان کے علاوہ بھی دیگر آیات ہیں جو خلافت صدیقی پر دلالت کرتی ہیں۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: [سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، ص: ۱۸۹، از ڈاکٹر محمد الصلابی]

۵۔ احادیث نبویہ جن میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی طرف اشارہ ہے:

ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر دلالت کرنے والی احادیث بے شمار، مشہور اور متواتر ہیں، جو صراحتاً یا اشارتاً آپ کی خلافت پر دلالت کرتی ہیں اور یہ احادیث اپنی شہرت اور تواتر کی وجہ سے ((معلوم من الدین بالضرورۃ)) یعنی ''دین کے معروف اہم ضروری احکام'' کا درجہ حاصل کر چکی ہیں، جن کے انکار کی اہل بدعت کے یہاں گنجائش نہیں۔ [1]

ان احادیث میں سے چند یہ ہیں:

❀ جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم فرمایا کہ پھر دوبارہ حاضر ہونا۔ اس عورت نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اگر میں آؤں اور آپ نہ ملیں یعنی فوت ہو چکے ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((ان لم تجدینی فاتی ابابکر)) ''اگر میں نہ ملوں تو ابوبکر کے پاس حاضر ہونا۔'' [2]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدوں کی تکمیل آپ کے بعد آنے والے خلیفہ کی ذمہ داری تھی اور اس حدیث میں شیعہ کا رد ہے جو یہ زعم رکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی و عباس رضی اللہ عنہما کو اپنے بعد خلیفہ بنائے جانے کی تنصیص فرمائی ہے۔ [3]

❀ حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے فرمایا:

((انی لا ادری ما قدر بقائی فیکم فاقتدوا بالذین من بعدی)) ''مجھے پتہ نہیں، میں کب تک تمھارے درمیان رہتا ہوں، لہٰذا تم میرے بعد ان دونوں کی اقتدا کرنا۔ اور یہ کہتے ہوئے آپ نے ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی طرف اشارہ فرمایا۔'' [4]

---

[1] عقیدۃ اھل السنۃ والجماعۃ فی الصحابۃ: ۲/ ۵۳۹.

[2] البخاری: ۳۶۵۹، مسلم: ٤/ ۱۸۵٦۔ ۱۸۵۷.

[3] فتح الباری: ۷/ ۲٤.

[4] سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ للالبانی رحمہ اللہ: ۳/ ۲۳۳۔۲۳٦.

((فاقتدوا بالذین من بعدی)) یعنی میرے بعد ان دونوں خلفاء کی اقتدا کرنا جو میرے قائم مقام ہوں گے اور وہ دونوں ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما ہیں۔ یہاں رسول اللہ ﷺ نے ان کے حسن سیرت اور صدق باطن کی بنا پر ان کی اقتدا کا حکم فرمایا اور اس حدیث میں امر خلافت کے سلسلہ میں واضح اشارہ ہے۔ ❶

ان کے علاوہ بھی دیگر احادیث ہیں جو دلالت کرتی ہیں۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: [سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، ص: ۱۹۴، از ڈاکٹر محمد الصلابی]

۶۔ خلافت صدیقی پر اجماع:

اہل السنة والجماعة کے سلف وخلف کا اس بات پر اجماع ہے کہ نبی کریم ﷺ کے بعد خلافت کے سب سے زیادہ حق دار ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ اہل علم کے بعض اقوال یہ ہیں:

- خطیب بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مہاجرین وانصار نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اجماع کیا اور وہ آپ کو رسول اللہ ﷺ کا خلیفہ کہہ کر پکارتے تھے، کہتے ((یا خلیفة رسول الله)) آپ کے بعد کسی کو یہ نام نہ دیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت تیس ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے، سب نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ رسول قرار دیا اور رسول اللہ ﷺ کے بعد آپ کو خلیفہ مان کر خوش رہے۔ ❷
- امام عبدالملک الجوینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امامت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع سے ثابت ہے۔ ان سب نے آپ کی اطاعت وفرمانبرداری پر اتفاق کیا اور روافض آپ کی بیعت سے متعلق علی رضی اللہ عنہ کے سلسلہ میں جس شدید مخالفت اور بدخلقی کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں یہ سب صریح جھوٹ ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سقیفہ بنی ساعدہ کے اجتماع میں موجود نہ تھے، کیونکہ آپ نے رسول اللہ ﷺ کے حزن وغم میں نڈھال ہوکر تنہائی اختیار کر لی تھی لیکن پھر سقیفہ بنی ساعدہ میں لوگوں نے جو قرارداد پاس کی اس کو اختیار کیا اور لوگوں کے مجمع عام میں ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بیعت کی۔ ❸

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: [سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، ص: ۱۹۹، از ڈاکٹر محمد الصلابی]

(۲)
عام بیعت اور داخلی امور کا انتظام وانصرام

ا:...... عام بیعت:

جب سقیفہ بنو ساعدہ کے اجتماع میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کا انتخاب منصب خلافت کے لیے ہو گیا اور بیعت خاص ہو گئی تو دوسرے دن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسجد نبوی میں عام بیعت کے لیے جمع ہوئے۔ ❹ اس وقت عمر رضی اللہ عنہ نے

❶ تحفة الاحوذی بشرح الترمذی: ۱۰/ ۱۴۷.
❷ تاریخ بغداد: ۱۰/ ۱۳۰، ۱۳۱.
❸ کتاب الارشاد: ۳۶۲.
❹ عصر الخلفاء الراشدین: د/ فتحیة النبراوی: ۳۰.

ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تائید میں اہم کردار ادا کیا۔

چنانچہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب سقیفہ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت ہوگئی تو دوسرے دن ابوبکر رضی اللہ عنہ منبر پر تشریف لائے، آپ سے پہلے عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور اللہ کی حمد وثنا بیان کی، پھر فرمایا:

''لوگو! میں نے کل ایک بات آپ لوگوں سے کہی تھی وہ کتاب اللہ میں مجھے نہیں ملی اور نہ رسول اللہ ﷺ نے اس کا عہد مجھ کو دیا تھا لیکن میرا خیال تھا کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے امور کی تدبیر کرتے رہیں گے اور ہم میں سب سے آخر میں رخصت ہوں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے تمھارے اندر اپنی کتاب باقی رکھی ہے جس سے رسول اللہ ﷺ کو ہدایت ملی، اگر تم اس کو مضبوطی سے تھامے رہو گے تو اللہ تمھیں بھی اس کی ہدایت دے گا جس کی ہدایت اللہ نے آپ ﷺ کو دی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے تمھیں ایسے شخص پر جمع کر دیا ہے جو تم میں سب سے افضل، رسول اللہ ﷺ کے ساتھی، ثانی اثنین اور یار غار ہیں۔ اٹھو اور ان سے بیعت کرو۔''

پھر لوگوں نے سقیفہ کی بیعت کے بعد عام بیعت کی۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اللہ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا:

''لوگو! میں تم پر والی مقرر کیا گیا ہوں لیکن تم میں سب سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر میں اچھا کام کروں تو میرے ساتھ تعاون کرو اور اگر کج روی اختیار کروں تو مجھے سیدھا کر دو۔ سچائی امانت ہے، جھوٹ خیانت ہے۔ تمھارا ضعیف فرد بھی میرے نزدیک قوی ہے جب تک میں دوسروں سے اس کا حق نہ دلا دوں، اور تمھارا قوی شخص بھی میرے نزدیک ضعیف ہے یہاں تک کہ میں اس سے دوسروں کا حق نہ حاصل کرلوں۔ ان شاء اللہ! یاد رکھو! جو قوم جہاد فی سبیل اللہ چھوڑ دیتی ہے اللہ اس کو ذلیل وخوار کر دیتا ہے اور جس قوم میں بدکاری پھیل جاتی ہے اللہ اس کو مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے اگر میں اللہ ورسول ﷺ کی اطاعت کروں تو میری اطاعت کرو اور اگر میں اللہ و رسول ﷺ کی نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت لازم نہیں، اللہ تم سب پر رحم فرمائے۔ نماز کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔''[1]

اس دن عمر رضی اللہ عنہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا: منبر پر تشریف لائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ برابر اصرار کرتے رہے یہاں تک کہ آپ منبر پر تشریف لائے اور لوگوں نے آپ سے بیعت کی۔[2]

یہ خطبہ اپنے اختصار وایجاز کے باوجود اہم ترین اسلامی خطبوں میں سے ہے۔ اس کے اندر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حاکم ورعایا کے مابین تعامل کے سلسلہ میں عدل ورحمت کے قواعد مقرر کیے۔ اس بات پر ترکیز کی کہ اولی الامر کی اطاعت اللہ ورسول کی اطاعت پر مترتب ہوتی ہے۔ جہاد فی سبیل اللہ کی طرف توجہ دلائی کیونکہ

[1] البدایة والنهایة: ٦/ ٣٠٥-٣٠٦.
[2] البخاری: الاحکام ٧٢١٩.

امت کے عزوشان کے لیے یہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ اور فواحش سے اجتناب پر زور دیا کیونکہ معاشرہ کو گراوٹ وفساد سے بچانے کے لیے یہ انتہائی ضروری ہے۔ ❶

ا۔ خلافت صدیقی میں مصادر تشریع:

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب تک میں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کروں تم بھی میری اطاعت کرو اور جب میں اللہ ورسول ﷺ کی نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت لازم نہیں۔ ❷

(الف) قرآن کریم:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّآ اَنۡزَلۡنَآ اِلَيۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَقِّ لِتَحۡكُمَ بَيۡنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰٮكَ اللّٰهُ‌ ؕ وَلَا تَكُنۡ لِّلۡخَآٮِٕنِيۡنَ خَصِيۡمًا ۝۱۰۵﴾ (النساء: ١٠٥)

''یقیناً ہم نے تمہاری طرف حق کے ساتھ اپنی کتاب نازل فرمائی ہے تاکہ تم لوگوں میں اس چیز کے مطابق فیصلہ کرو جس سے اللہ نے تم کو شناسا کیا ہے اور خیانت کرنے والوں کے حمایتی نہ بنو۔''

تشریع کا یہ پہلا مصدر ہے جو زندگی سے متعلق تمام احکام شرعیہ پر مشتمل ہے۔ اسی طرح زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق اساسی مبادی واحکام پر مشتمل ہے۔ نیز قرآن پاک نے مسلمانوں کے لیے حکومت وسلطنت کے اصول ومبادی بھی بیان کیے ہیں جن کی ان کو ضرورت پڑنے والی تھی۔

(ب) حدیث پاک:

حدیث پاک دوسرا مصدر ہے جس سے اسلامی دستور اپنے اصول حاصل کرتا ہے، اور حدیث کی روشنی میں ہی احکام قرآن کی تنفیذی اور تطبیقی تفصیلات کی معرفت ممکن ہے۔ ❸

خلافت صدیقی شریعت مطہرہ کے تابع تھی اور ہر تشریع وقانون پر شریعت اسلامیہ کو بالا دستی حاصل تھی اور خلافت صدیقی نے اسلامی حکومت کے شرعی حکومت ہونے کی واضح اور روشن تصویر پیش کی ہے، جو اپنے تمام اداروں اور شعبوں میں شرعی قوانین کی پابند ہوتی ہے اور اس حکومت میں حاکم شرعی قوانین کا پابند ہوتا ہے، ان قوانین سے انحراف یا آگے پیچھے ہٹنے کی ذرا بھی گنجائش اس کے لیے نہیں ہوتی۔ ❹

خلافت صدیقی اور صحابہ کے معاشرہ میں شریعت کو سب پر بالا دستی حاصل تھی، حاکم ومحکوم سب اس کے تابع تھے، اسی لیے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے امت سے جس اطاعت کا مطالبہ کیا اسے اللہ ورسول ﷺ کی اطاعت سے مقید کیا کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

---

❶ التاریخ الاسلامی: ۹/ ۲۸.
❷ البدایة والنهایة: ٦/ ٣٠٦.
❸ فقه التمكين فی القرآن الكريم للصّلابی: ٤٣٢.
❹ نظام الحکم فی الاسلام: ٢٢٧.

((لا طاعة فی المعصية انما الطاعة فی المعروف .)) ❶

''معصیت میں کسی کی اطاعت جائز نہیں، اطاعت تو بھلائی کے کاموں میں ہے۔''

۲۔ لوگوں کے درمیان عدل ومساوات کو قائم کرنا:

سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''تمھارا ضعیف فرد بھی میرے نزدیک قوی ہے جب تک کہ میں دوسروں سے اس کا حق نہ دلا دوں اور تمھارا قوی شخص بھی میرے نزدیک ضعیف ہے یہاں تک کہ میں اس سے دوسروں کا حق نہ حاصل کرلوں۔'' ان شاء اللہ ❷

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ كُونُوا۟ قَوَّٰمِينَ لِلَّهِ شُهَدَآءَ بِٱلْقِسْطِ ۖ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَـَٔانُ قَوْمٍ عَلَىٰٓ أَلَّا تَعْدِلُوا۟ ۚ ٱعْدِلُوا۟ هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۖ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ خَبِيرٌۢ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝٨ ﴾ (المائدۃ: ۸)

''اے ایمان والو! تم اللہ کی خاطر حق پر قائم ہو جاؤ، راستی اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ، کسی قوم کی عداوت تمھیں خلاف عدل پر آمادہ نہ کرے، عدل کیا کرو جو پرہیز گاری کے زیادہ قریب ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ یقین مانو کہ اللہ تعالیٰ تمھارے اعمال سے باخبر ہے۔''

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ عدل میں قدوہ تھے، دلوں کو ایسے اسیر کرتے کہ عقلیں دنگ رہ جاتیں۔ آپ کی نگاہ میں عدل، اسلام کی عملی دعوت تھی، اس کی وجہ سے لوگوں کے دل ایمان کے لیے کھلتے۔ لوگوں کے درمیان عطیات میں عدل کرتے۔ لوگوں سے مطالبہ کرتے کہ وہ اس عدل میں ان سے تعاون کریں۔ ایک دفعہ اپنے آپ کو بدلہ کے لیے پیش کیا جو عدل اور خوف الٰہی پر بین واضح ہے۔ ❸

چنانچہ عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک جمعہ کو اعلان کیا کہ کل ہم زکوٰۃ کے اونٹ تقسیم کریں گے، آپ لوگ آجائیں، لیکن بلا اجازت کوئی اندر داخل نہ ہو۔

ایک خاتون نے اپنے شوہر کو نکیل دی اور کہا: اس کو لے جاؤ، امید ہے اللہ ہمیں اونٹ عطا کر دے۔

یہ شخص پہنچا، دیکھا ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما اونٹوں کی باڑ میں داخل ہو رہے ہیں، یہ بھی پیچھے سے داخل ہو گیا۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مڑ کر دیکھا، فرمایا: ''تم کیسے آگئے؟''

پھر اس سے نکیل لے لی اور اس کو مارا پھر جب اونٹوں کی تقسیم سے فارغ ہوئے تو اس شخص کو بلایا اور اونٹ کی نکیل اس کے ہاتھ میں پکڑائی اور کہا: تم اپنا بدلہ لے لو۔''

---

❶ یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ البخاری: الآحاد: ۷۲۵۷، مسلم: الامارۃ: ۱۸۴۰۔ (مترجم)

❷ البدایۃ والنہایۃ: ۶/ ۳۰۵۔ ❸ تاریخ الدعوۃ الی الاسلام فی عہد الخلفاء، ص: ۴۱۰۔

عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: واللہ! وہ بدلہ نہیں لے سکتا، آپ اس کو سنت نہ بنائیں۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قیامت کے دن مجھے اللہ سے کون بچائے گا؟

عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ اس کو خوش کر دیجیے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام کو حکم فرمایا: اس کو ایک اونٹنی کجاوہ کے ساتھ، ایک چادر اور پانچ دینار دے دو۔ یہ سب اس کو دے کر خوش کیا۔ [1]

اصول مساوات جسے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے امت سے اپنے خطاب میں ثابت کیا تھا یہ اسلام کے عام اصول ومبادی میں سے ہے جو اسلامی معاشرہ کی تشکیل و بنا میں مدد ومعاون ہیں اور اس سلسلہ میں اسلام نے عصر حاضر کے دیگر قوانین وتشریعات سے سبقت کی ہے۔

۳۔ سچائی حاکم ومحکوم کے درمیان تعامل کی اساس و بنیاد ہے:

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''سچائی امانت ہے اور جھوٹ خیانت ہے۔'' [2] سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے امت کی قیادت کے لیے اپنے بنیادی اصول کا اعلان فرمایا کہ سچائی حاکم وامت کے درمیان تعامل کی اساس ہے، اس حکیمانہ سیاسی اصول کا امت کی قوت میں بڑا اہم اثر ہوتا ہے۔ اس سے حاکم وعوام کے مابین اعتماد مضبوط ہوتا ہے۔ یہ سیاسی خصلت اسلام کی دعوت صدق سے پیدا ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴾ (التوبة: ۱۱۹)

''اے ایمان والو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور صادقین کے ساتھ رہو۔''

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((ثلاثة لا يكلمهم الله يوم القيامة ولا يزكيهم ولا ينظر اليهم ولهم عذاب اليم: شيخ زان وملك كذاب وعائل متكبر.)) [3]

''تین طرح کے لوگوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بات نہ کرے گا، نہ ان کو پاک کرے گا اور نہ ان کی طرف نظر اٹھائے گا: بوڑھا زانی، جھوٹا بادشاہ، متکبر فقیر۔''

۴۔ جہاد پر قائم رہنے کا اعلان اور امت کو اس کے لیے تیار کرنا:

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''جو قوم جہاد فی سبیل اللہ چھوڑ دیتی ہے اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل وخوار کر دیتا ہے۔'' [4]

---

[1] تاريخ الدعوة الى الاسلام فى عهد الخلفاء: ٤١١ .

[2] البداية والنهاية: ٦/ ٣٠٥ . [3] مسلم: الايمان ١٧٢ .

[4] البداية والنهاية: ٦/ ٣٠٥ .

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جہاد کی تربیت اپنے قائد عظیم رسول اللہ ﷺ سے براہ راست حاصل کی تھی۔ توحید و شرک، ایمان و کفر، ہدایت و ضلالت، خیر و شر کے درمیان معرکہ آرائی کے میدان میں تربیت حاصل کی، اس سے قبل غزوات میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مؤقف کو ہم بیان کر چکے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((اذا تبایعتم بالعینة واخذتم أذناب البقر ورضیتم بالزَّرع وترکتم الجهاد سلط الله علیکم ذُلًّا لا ینزعه حتی ترجعوا الی دینکم .))[1]

''جب تم عینہ کے طریقہ پر بیع وشراء کرنے لگو، گائے کی دم تھام لو، کھیتی باڑی میں مست ہو جاؤ اور جہاد کو چھوڑ بیٹھو تو اللہ تعالیٰ تم پر ذلت کو مسلط کر دے گا اور اس وقت تک اسے دور نہ کرے گا جب تک اپنے دین کی طرف لوٹ نہ آؤ۔''

۵۔ فواحش کے خلاف اعلان جنگ:

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''جس قوم میں بدکاری پھیل جاتی ہے اللہ اس کو مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے۔''[2]

سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ یہاں امت کو رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد یاد دلا رہے ہیں:

((لم تظهر الفاحشة فی قوم قط حتی یُعلنوا بها الا فشا فیهم الطاعون والأوجاع التی لم تکن مضت فی اسلافهم الذین مضوا............ .))[3]

''جب بھی کسی قوم میں بدکاری عام ہو جائے تو اس قوم میں طاعون اور دوسری ایسی بیماریاں پھوٹ پڑتی ہیں جو ان کے گزرے ہوئے لوگوں میں نہیں پائی گئی تھیں۔''

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اقوام وممالک کے عروج وزوال میں سنن الٰہی کا استیعاب کر رکھا تھا، وہ جانتے تھے کہ ممالک واقوام فواحش ومنکرات اور عیاشی وفساد کی وجہ سے زوال پذیر ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ اِذَاۤ اَرَدْنَاۤ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْیَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِیْهَا فَفَسَقُوْا فِیْهَا فَحَقَّ عَلَیْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِیْرًا ۝۱۶ ﴾ (الاسراء: ۱٦)

''اور جب ہم کسی بستی کی ہلاکت کا ارادہ کر لیتے ہیں تو وہاں کے خوش حال لوگوں کو (کچھ) حکم دیتے ہیں اور وہ اس بستی میں کھلی نافرمانی کرنے لگتے ہیں تو ان پر (عذاب) کی بات ثابت ہو جاتی ہے،

---

[1] سنن ابوداود: ۳٤٦۲، امام البانی رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے، بیع عینہ جس سے اس حدیث میں روکا گیا ہے اس کی شکل یہ ہے کہ آپ کسی سے اپنا کوئی سامان ادھار بیچ دیں اور پھر اس سے وہ سامان نقداً کم قیمت میں خرید لیں چونکہ یہ سود کھانے کی حیلہ سازی ہے اس لیے اس سے روکا گیا ہے۔ (مترجم)

[2] البدایة والنهایة: ٦/ ۳۰۵.

[3] ابن ماجه: ٤۰۹۱، الصحیحة للالبانی: ۱۰٦.

پھر ہم اسے تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔''

ب:......داخلی امور کا انتظام وانصرام:

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی حکومت کے لیے جو سیاسی خاکہ تیار کیا تھا اس کو نافذ کرنا چاہا اور اس کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنا مساعد بنایا۔ چنانچہ امین امت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو وزیر مالیات مقرر کیا اور بیت المال کے اموران کے حوالہ کیے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے محکمہ قضا (وزارت عدل) سنبھالا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خود بھی قضاء کا منصب اپنے پاس رکھا اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے محکمہ کتابت (وزارت مواصلات وڈاک) سنبھالا [1] اور بسا اوقات آپ کے پاس موجود دیگر صحابہ جیسے علی بن ابی طالب یا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہم اس ذمہ داری کو نبھاتے۔

مسلمانوں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ رسول اللہ کا لقب دیا اور صحابہ نے اس بات کی ضرورت محسوس کی کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلافت کے لیے فارغ کر دیا جائے کیونکہ ابوبکر رضی اللہ عنہ تاجر تھے، روزانہ بازار جاتے، بیع وشراء کرتے تھے، جب خلافت ملی تب بھی یہ مشغلہ جاری رکھا، کندھے پر کپڑوں کا گٹھر رکھ کر بازار کی طرف جا رہے تھے، راستے میں عمر بن خطاب اور ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہما ملے، اس حالت میں دیکھ کر پوچھا:

''اے خلیفہ رسول اللہ کہاں کا ارادہ ہے؟''

فرمایا: بازار۔

دونوں نے کہا: جب آپ بازار جائیں گے تو مسلمانوں کے آپ جو حاکم بنانے گئے ہیں وہ ذمہ داری کیسے ادا ہوگی؟

آپ نے فرمایا: اگر میں بازار نہ جاؤں تو پھر اپنے بچوں کو کھلاؤں کہاں سے؟

دونوں نے کہا: آپ ہمارے ساتھ چلیں، ہم آپ کے لیے کچھ روزینہ مقرر کر دیتے ہیں۔

آپ ان دونوں کے ساتھ گئے، صحابہ نے آپ کے لیے یومیہ بکری کا ایک حصہ مقرر فرما دیا۔ [2]

ا۔ بکریوں کا دودھ نکالنا، اندھی بڑھیا اور ام ایمن کی زیارت:

خلافت ملنے سے قبل سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ محلے والوں کی بکریوں کا دودھ نکال دیا کرتے تھے، جب خلیفہ بنا دیے گئے تو محلے کی ایک خاتون نے کہا:

''اب تو ابوبکر ہماری بکریوں کا دودھ نہیں دوہیں گے؟''

آپ نے اس کی یہ بات سن لی، فرمایا:

''میں ضرور دودھ دوہیا کروں گا اور میں امید کرتا ہوں کہ میری یہ نئی ذمہ داری گذشتہ عادت واخلاق سے نہیں روکے گی۔''

---

[1] فی التاریخ الاسلامی ، د: شوقی ابو خلیل : ۲۱۸ .

[2] الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ : ۲۹۱ .

پھر آپ حسب سابق دودھ نکال دیا کرتے تھے۔ جب خواتین بکریاں لے کر آتیں تو آپ فرماتے:

''دور سے دودھ نکالوں یا قریب سے؟''

جب وہ کہتیں ''دور سے'' تو دودھ کا برتن تھن سے دور کر کے دودھ نکالتے، جس کی وجہ سے جھاگ زیادہ ہوتا، اور اگر وہ کہتیں ''قریب سے''، تو آپ برتن کو تھن سے قریب کر کے دودھ نکالتے، جس کی وجہ سے جھاگ نہیں بنتی۔ آپ ایسا ہی چھ ماہ تک کرتے رہے، یہاں تک کہ مقام سنح سے مدینہ منتقل ہو گئے۔ ❶

عہد صدیقی میں محکمہ قضاء

عہد صدیقی خلفائے راشدین کے دور کا آغاز ہے۔ اس حیثیت سے اس کی اہمیت نمایاں ہے، یہ دور عہد نبوی سے انتہائی قریب اور متصل ہے۔ خلفائے راشدین کا دور بالعموم اور شعبہ قضاء خاص طور پر، عصر رسول اللہ ﷺ کے قضاء کا امتداد ہے۔ اس دور میں مکمل طریقہ سے قضاء کے سلسلہ میں جو کچھ عہد نبوی میں ثابت ہوا، اس پر محافظت کی گئی اور من وعن اس کو نصاً ومعناً نافذ کیا گیا۔ قضاء کے سلسلہ میں خلفائے راشدین کے دور کی اہمیت دو اساسی امور میں نمایاں ہوتی ہے:

❀ قضاء سے متعلق عہد نبوی ﷺ کے نصوص پر محافظت، اس کا نفاذ، اس کے مطابق عمل اور اس کا مکمل التزام۔

❀ عدلیہ کے لیے جدید قوانین وضع کیے گئے تاکہ وسیع اسلامی سلطنت کی اساس مضبوط ہو اور نو آمدہ متنوع مسائل کا حل پیش کیا جا سکے۔ ❷

ابوبکر رضی اللہ عنہ خود فیصلے کرتے۔ آپ کے دور میں قضاء کو ولایت عامہ سے الگ نہیں کیا گیا، اور رسول اللہ ﷺ کے دور کی طرح قضاء کے لیے مستقل اور خاص ادارہ نہ تھا۔ کیونکہ لوگ دور نبوت سے قریب تھے، لوگ اسلام پر قائم تھے، ان کی زندگیاں شریعت کے مطابق گزر رہی تھیں، لڑائیاں جھگڑے شاذ و نادر ہوتے تھے۔ مدینہ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو قضا کی ذمہ داری سونپ رکھی تھی تاکہ بعض قضایا میں آپ سے مدد لیں۔ لیکن قضاء میں عمر رضی اللہ عنہ تنہا نہ تھے۔ ❸ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان تمام قاضیوں اور گورنروں کو باقی رکھا جن کو رسول اللہ ﷺ نے مقرر کر رکھا تھا۔ وہ آپ کے عہد میں بھی اپنی ذمہ داری ادا کرتے رہے۔ ❹

عہد صدیقی میں مصادر قضاء یہ تھے:

ا۔ قرآن

---

❶ ابن سعد فی الطبقات: ۳/ ۱۸۶، وله شواهد، فاسناده حسن لغيره.

❷ تاريخ القضاء فی الاسلام للزُّحيلی: ۸۳۔۸۴.   ❸ وقائع ندوة النُّظم الاسلامية: ابو ظبی ۱/ ۳۶۶.

❹ تاريخ القضاء فی الاسلام: ۱۳٤.

۲۔ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم: اس کے ضمن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے داخل تھے۔

۳۔ اجماع: اہل علم وفتویٰ کے مشورہ سے۔

۴۔ اجتہاد: اس کا سہارا اس وقت لیا جاتا تھا جب کتاب، سنت یا اجماع میں اس کا حکم نہ مل سکے۔ ❶

عہد صدیقی میں ہونے والے چند فیصلے

ا۔ والد کا نفقہ اولاد کے ذمہ:

قیس بن ابی حازم سے روایت ہے، میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھا، ایک شخص نے عرض کیا: اے خلیفہ رسول! یہ میرا پورا مال لینا چاہتے ہیں اور ان کو اس کی ضرورت ہے۔

تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم اس کے مال میں سے ضرورت بھر کا لے لو۔

اس شخص نے کہا: اے خلیفہ رسول! کا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا ہے: ''تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے۔''

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ جسے پسند کرے تم بھی پسند کرو۔

دوسروں نے منذر بن زیاد سے روایت کی ہے اور اس میں ہے کہ اس سے مقصود نفقہ ہے۔ ❷

۲۔ کوڑے لگانے کا حکم:

امام مالک نافع سے روایت کرتے ہیں کہ صفیہ بنت عبید نے ان کو خبر دی کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص حاضر کیا گیا جس نے ایک لونڈی کے ساتھ زنا کر کے اس کو حاملہ کر دیا، پھر خود زنا کا اعتراف کر لیا، وہ شادی شدہ نہ تھا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا اور اس کو حد کے سو کوڑے لگائے گئے، پھر فدک کی طرف اس کو جلا وطن کر دیا گیا۔ ❸

اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے لونڈی کو نہ کوڑے لگوائے اور نہ اس کو جلا وطن کیا کیونکہ اس سے جبراً زنا کیا گیا تھا۔ پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس لونڈی کی شادی اس شخص سے کر دی۔ ❹

اور جب ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے ایک خاتون کے ساتھ زنا کیا، پھر اس کے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہے تو آپ نے فرمایا: اس سے افضل کوئی توبہ نہیں کہ اس سے شادی کر لے اور دونوں زنا سے نکل کر نکاح میں آ جائیں۔ ❺

❶ وقائع ندوۃ النظم الاسلامیۃ: ۱/ ۳۹۰۔

❷ السنن الکبری: ۷/ ۴۸۱، بحوالہ تاریخ القضاء للزحیلی: ۱۳۶۔ البانی رحمہ اللہ نے اس کو بے حد ضعیف قرار دیا ہے، بعید نہیں کہ موضوع ہو۔ الارواء: ۳/ ۳۲۹۔

❸ الموطا: الحدود ۸۴۸۔ ❹ مصنّف عبدالرزاق: ۱۲۷۹۶۔

❺ مصنف عبدالرزاق: ۱۲۷۹۶، اس میں ایک راوی مجہول ہے۔

۳۔ حضانت (پرورش) کا حق ماں کا ہے جب تک دوسری شادی نہ کر لے:

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنی انصاری بیوی کو طلاق دے دی جو عاصم کی ماں ہیں۔ وادی مُحسِّر [1] میں دیکھا کہ وہ ان کے بچے کو لیے جا رہی ہے اور بچہ دودھ چھوڑ چکا تھا اور اپنے پاؤں پر چلنے لگا تھا۔ آپ نے بچے کا ہاتھ پکڑا اور اس سے چھیننے لگے، بچے کو تکلیف پہنچی اور بچہ رونے لگا۔

عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں تم سے زیادہ بچے کا مستحق ہوں۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس یہ معاملہ پیش ہوا تو آپ نے ماں کے حق میں فیصلہ کیا اور فرمایا: اس کی مہک، اس کی گود اور اس کا بستر بچے کے لیے تم سے بہتر ہے، یہاں تک کہ وہ جوان ہو جائے اور پھر جس کو چاہے اختیار کرے۔ [2]

اور ایک روایت میں ہے، فرمایا: یہ ماں بچے کے حق میں زیادہ شفیق و مہربان اور رحم کرنے والی ہے۔ وہ بچے کی زیادہ حقدار ہے جب تک شادی نہ کر لے۔ [3]

خلافت صدیقی سے متعلق سیّدنا علی و زبیر رضی اللہ عنہما کا مؤقف

علی بن ابی طالب اور زبیر بن العوام رضی اللہ عنہما سے متعلق متعدد روایات بیان کی گئی ہیں کہ انھوں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بیعت کرنے میں تاخیر کی لیکن یہ تمام کی تمام روایات صحیح نہیں ہیں، ان میں صرف عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ روایت صحیح ہے کہ علی اور زبیر رضی اللہ عنہما اور ان کے ساتھ جو لوگ فاطمہ کے گھر میں تھے بیعت کرنے میں پیچھے رہے۔ [4]

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور دیگر مہاجرین کے بیعت میں تاخیر کا بنیادی سبب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین میں مشغولیت رہی اور سالم بن عبید رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ چیز بالکل واضح ہے، چنانچہ فرماتے ہیں: ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اہل بیت کو، جن میں پیش پیش علی رضی اللہ عنہ تھے، فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد مبارک تمھارے پاس ہے، تم اس کے ذمہ دار ہو، پھر انھیں غسل دینے کا حکم فرمایا۔ [5]

علی بن ابی طالب اور زبیر بن عوام رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: جب ابوبکر رضی اللہ عنہ (بیعت عام کے لیے) منبر پر تشریف لائے تو دیکھا لوگوں میں زبیر رضی اللہ عنہ نظر نہیں آ رہے ہیں، ان کو بلوایا، وہ حاضر ہوئے، آپ نے ان سے کہا:

''اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حواری اور پھوپھی زاد بھائی! کیا مسلمانوں کی جمعیت کو توڑنے کا ارادہ ہے؟''

عرض کیا: خلیفہ رسول! ایسی کوئی بات نہیں۔

---

[1] وادی محسر مکہ اور عرفہ کے درمیان واقع ہے۔ معجم البلدان: ٥/ ٦٢ .
[2] مصنف عبدالرزاق: ٧/ ٥٤، ١٢٦٠١ .
[3] مصنف عبدالرزاق: ٧/ ٥٤، ١٢٦٠٠ .
[4] صحیح التوثیق فی سیرة وحیاة الصدیق: ٩٨ .
[5] صحیح التوثیق فی سیرة وحیاة الصدیق: ٩٨ .

پھر آگے بڑھے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بیعت کی۔

پھر آپ نے لوگوں پر نظر دوڑائی، دیکھا علی رضی اللہ عنہ نظر نہیں آ رہے ہیں، ان کو بھی بلوایا، وہ حاضر ہوئے، آپ نے ان سے فرمایا:

''کیا مسلمانوں کی جمعیت کو توڑنے کا ارادہ ہے؟''

عرض کیا: خلیفہ رسول! ایسی کوئی بات نہیں۔

پھر آگے بڑھے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بیعت کی۔ [1]

عمرو بن حریث نے سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے سوال کیا: کیا آپ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت موجود تھے؟

فرمایا: ہاں۔

عمرو: ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کب عمل میں آئی؟

سعید: جس دن رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی۔ بغیر جماعت و امام کے مسلمانوں کو دن کا کچھ حصہ گذارنا بھی ناپسند تھا۔

عمرو: کیا کسی نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی؟

سعید: نہیں، کسی نے مخالفت نہیں کی، صرف مرتد یا ارتداد سے قریب شخص نے مخالفت کی۔ انصار کو اللہ تعالیٰ نے بچا لیا انھوں نے آپ کی خلافت پر متفق ہو کر آپ سے بیعت کی۔

عمرو: کیا مہاجرین میں سے کوئی آپ کی بیعت سے پیچھے رہا؟

سعید: نہیں، بلکہ مہاجرین تو آپ کی بیعت کے لیے ٹوٹ پڑے؟ [2]

علی رضی اللہ عنہ تو کسی وقت بھی آپ سے جدا نہیں ہوئے اور کسی جماعت میں آپ سے کٹ کر نہیں رہے، مسلمانوں کے امور کی تدبیر اور مشورے میں برابر شریک رہتے۔ [3]

حافظ ابن کثیر اور بہت سے اہل علم کا خیال ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے چھ ماہ یعنی فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد بیعت کی دوبارہ تجدید فرمائی۔ اس دوسری بیعت سے متعلق صحیح روایات وارد ہیں۔ [4]

علی رضی اللہ عنہ خلافت صدیقی میں بھلائی و خیر خواہی کا محور و مرکز تھے۔ اسلام اور مسلمانوں کے مصالح کو ہر چیز پر ترجیح دیتے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے آپ سے مخلص ہونے، اسلام اور مسلمانوں کے لیے خیر خواہ، خلافت کی حفاظت و بقا اور مسلمانوں کی یکجہتی کے حریص ہونے پر آپ کا وہ مؤقف روشن دلیل ہے جو آپ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ

---

[1] البداية والنهاية: ٥/ ٢٤٩، امام ابن کثیر نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

[2] الخلفاء الراشدون: ٥٦.

[3] الخلفاء الراشدون: ٥٦.

[4] البداية والنهاية: ٥/ ٢٤٩.

اختیار کیا، جس وقت وہ بذات خود مرتدین کا قلع قمع کرنے کے لیے ذوالقصہ کی طرف روانہ ہوئے اور عسکری کارروائیوں کی قیادت کرنا چاہی کیونکہ آپ کی قیادت کی صورت میں اسلامی وجود کو خطرہ تھا۔ ❶

چنانچہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ جب ابوبکر رضی اللہ عنہ ذوالقصہ کی طرف روانہ ہونے کے لیے تیار ہوئے اور اپنی سواری پر سوار ہو گئے تو علی رضی اللہ عنہ نے فوراً لگام تھام لی اور عرض کیا:

> ''خلیفہ رسول! آپ کہاں جا رہے ہیں؟ میں آپ سے وہی بات کہتا ہوں جو رسول اللہ ﷺ نے احد کے دن کہی تھی: اپنی تلوار میان میں ڈال لیجیے اور اپنے متعلق ہمیں افسوسناک خبر میں نہ ڈالیے اور مدینہ لوٹ چلیے۔ اللہ کی قسم اگر آپ کے ساتھ کوئی افسوسناک حادثہ پیش آ گیا تو اسلام کا نظام کبھی قائم نہ ہوگا۔''

پھر آپ واپس ہو گئے۔ ❷

نعوذ باللہ! اگر علی رضی اللہ عنہ کا دل ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے صاف نہ ہوتا اور جبراً بیعت کی ہوتی تو یہ سنہری موقع تھا، آپ اس کو ضرور غنیمت جانتے ہوئے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جانے دیتے، ہوسکتا تھا کوئی حادثہ پیش آ جاتا، ان سے نجات مل جاتی اور میدان آپ کے لیے خالی ہو جاتا۔ اور حاشا للہ اگر اس سے بڑھ کر آپ ان کو ناپسند کرتے ہوتے اور چھٹکارا حاصل کرنا چاہتے تو کسی کو بھی ورغلا کر قتل کرا دیتے، جیسا کہ آج سیاسی لوگ اپنے حریفوں اور اعداء کے ساتھ کیا کرتے ہیں۔ ❸

ہم انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا، جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے ❹

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: فاطمہ اور عباس رضی اللہ عنہما ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور آپ سے رسول اللہ ﷺ کی میراث، فدک کی زمین اور خیبر کا حصہ طلب کرنے لگے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

> ((لا نورث ، ما ترکنا صدقة ، وانما یأکل آل محمد من هذا المال .)) ❺
>
> ''ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا، جو کچھ ہم چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوا کرتا ہے۔ یقیناً آل محمد (ﷺ) اس مال سے کھاتے رہیں گے۔''

اور ایک روایت میں ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ جو کام کیا کرتے تھے میں اس کو چھوڑ نہیں سکتا، اس کو ضرور کروں گا، اگر میں نے اس میں سے کسی چیز کو چھوڑ دیا تو گمراہ ہو جاؤں گا۔ ❻

---

❶ المرتضی للندوی: ۹۷
❷ البدایة والنهایة: ٦/ ٣١٤ـ ٣١٥ .
❸ المرتضی للندوی: ۹۷ .
❹ البخاری: ٦٧٢٥ .
❺ البخاری: ٦٧٢٦ .
❻ مسلم: ١٧٥٩ .

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد آپ کی ازواج مطہرات نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجنا چاہا تا کہ میراث کا مطالبہ کریں، تو ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کاے اللہ کے رسول ﷺ کا یہ ارشاد نہیں ہے کہ ((لا نورث ما ترکنا صدقة))[1] ''ہمارا کوئی وراث نہیں ہوتا جو کچھ ہم چھوڑتے ہیں صدقہ ہوتا ہے۔''

اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لا یقتسم ورثتی دینارًا ما ترکت بعد نفقة نسائی ومؤونة عاملی فهو صدقة .))[2]

''میری میراث کا ایک دینار بھی تقسیم نہ ہوگا، جو کچھ میں نے اپنی بیویوں کے نفقہ اور عامل کے خرچ کے سوا چھوڑا وہ صدقہ ہے۔''

رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کی پابندی کرتے ہوئے یہی کچھ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ کیا اور اسی لیے فرمایا: ''رسول اللہ ﷺ جو کام کیا کرتے تھے میں اس کو چھوڑ نہیں سکتا، اس کو ضرور کروں گا۔''[3]

اور فرمایا: واللہ میں کوئی کام جسے رسول اللہ ﷺ کو کرتے ہوئے دیکھا ہے، اس کو نہیں چھوڑوں گا، وہی کروں گا جو رسول اللہ ﷺ کرتے تھے۔[4]

حدیث سے استدلال کے بعد فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے کوئی حجت اور بحث نہیں کی، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ انھوں نے حق کو قبول کیا اور نبی کریم ﷺ کے فرمان کی پابندی کی۔

امام ابن قتیبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: فاطمہ رضی اللہ عنہا کا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے نبی کریم ﷺ کی میراث کا مطالبہ کرنا ناپسندیدہ عمل نہ تھا، اس لیے کہ ان کو اس سلسلہ میں نبی کریم ﷺ کے ارشاد کا علم نہ تھا لیکن جب ان کو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خبر دی تو وہ اپنے مطالبہ سے دستبردار ہو گئیں۔[5]

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حدیث سے استدلال کے بعد فاطمہ رضی اللہ عنہا کا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے حجت نہ کرنا اجماع کو تسلیم کرنے کی دلیل ہے۔ اور جب آپ کو حدیث پہنچ گئی اور اس کی وضاحت کر دی گئی تو آپ نے اپنی رائے کو ترک کر دیا اور اس کے بعد نہ تو آپ نے اور نہ آپ کی ذریت نے میراث کا مطالبہ کیا اور جب علی رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے تو ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے فعل سے سرمو انحراف نہ کیا۔[6]

حماد بن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عباس، فاطمہ، علی اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہم کا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مطالبات سے

---

[1] البخاری: ٦٧٣٠ ، مسلم: ١٧٥٨ .
[2] البخاری: ٦٧٢٩ .
[3] مسلم: ١٧٥٨ .
[4] البخاری: ٢٧٢٦ .
[5] تاویل مختلف الحدیث: ١٨٩ .
[6] شرح صحیح مسلم للنووی: ١٢/ ٣١٨ .

متعلق جو صحیح روایات آئی ہیں وہ میراث سے متعلق ہیں اور جب ابوبکر رضی اللہ عنہ اور اکابر صحابہ نے ان کو نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد کی خبر دی ((لا نورث ما ترکنا صدقة)) ''ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا، ہم جو کچھ چھوڑتے ہیں صدقہ ہوتا ہے۔'' تو ان سب نے اس کو قبول کیا اور جان لیا کہ یہی حق ہے۔ اگر رسول اللہ ﷺ نے یہ ارشاد نہ فرمایا ہوتا تو ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو بھی عائشہ وحفصہ رضی اللہ عنہما کی میراث کے ذریعہ سے وافر مقدار میں حصہ ملتا۔ لیکن انھوں نے رسول ﷺ کے فرمان کو ترجیح دی اور عائشہ و حفصہ رضی اللہ عنہما اور دیگر لوگوں کو میراث سے روک دیا۔ اگر رسول اللہ ﷺ کا کوئی وارث ہوتا تو ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے لیے یہ انتہائی فخر کی بات تھی کہ ان کی بیٹیاں رسول اللہ ﷺ کے وارثوں میں ہوتیں۔ ❶

فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ناراض ہونے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ سے قطع تعلق کر لینے کے سلسلہ میں جو روایات بیان کی جاتی ہیں وہ متعدد دلائل کی بنا پر بعید از قیاس اور بے بنیاد ہیں۔ ان دلائل میں سے چند یہ ہیں:

❁ امام بیہقی نے امام شعبی کے طریق سے روایت کی ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عیادت کے لیے حاضر ہوئے۔ علی رضی اللہ عنہ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا: یہ ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے ہیں، تمھارے پاس آنے کی اجازت چاہتے ہیں۔

فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: کیا آپ اجازت دینا پسند کرتے ہیں؟

فرمایا: ہاں۔

پھر فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اجازت دی، آپ کے پاس ابوبکر رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے آپ کو خوش کرنے لگے اور آپ خوش ہوگئیں۔ ❷

اس سے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فاطمہ رضی اللہ عنہا کے قطع تعلق کا اشکال زائل ہو جاتا ہے۔ اور یہ کیسے ہوسکتا ہے جبکہ آپ خود فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کے قرابت دار میرے نزدیک اپنے قرابت داروں کے ساتھ صلہ رحمی سے زیادہ محبوب ہیں۔ ❸

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جو کچھ کیا وہ رسول اللہ ﷺ کے حکم کی اتباع میں کیا۔ ❹

❁ ایک طرف فاطمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی جدائی کے غم میں نڈھال تھیں، جس کے سامنے تمام مصیبتیں ہیچ تھیں اور خود بھی بیمار پڑ کر صاحب فراش ہوگئیں اور دوسری طرف ابوبکر رضی اللہ عنہ امور خلافت اور مرتدین سے قتال میں اس قدر مشغول ہوئے کہ معمولی فرصت بھی نہ رہی اور پھر فاطمہ رضی اللہ عنہا کو معلوم تھا کہ وہ جلد وفات

---

❶ البدایة والنهایة: ۵/ ۲۵۲۔ ۲۵۳۔ ابن کثیر نے اس کی سند کو قوی اور جید قرار دیا ہے۔

❷ اباطیل یجب ان تمحی من التاریخ: ۱۰۹ . ❸ البخاری: ۴۰۳۶ .

❹ العقیدة فی اهل البیت بین الافراط والتفریط: د: سالم السُّحیمی ۲۹۱ .

پا کر اپنے والد سے ملنے والی ہیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو خبر دی تھی پس جس کی یہ صورت حال ہو وہ دنیاوی امور میں کہاں دلچسپی لے سکتا ہے۔ یہی وہ اسباب تھے جن کی وجہ سے فاطمہ رضی اللہ عنہا اور خلیفہ رسول ابوبکر رضی اللہ عنہ کے درمیان زیادہ اتصال نہ رہ سکا، جن کو قطع تعلق پر محمول کر لیا گیا۔ مہلب رحمہ اللہ نے کتنی اچھی بات کہی ہے، جسے علامہ عینی نے نقل کیا ہے: ابوبکر اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کے درمیان میراث کے مسئلہ میں ملاقات ہوئی اور اس کے بعد فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے گھر کو لازم پکڑا جسے راوی نے قطع تعلق سے تعبیر کر دیا۔ [1]

تاریخی حیثیت سے یہ بات ثابت شدہ ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے دور خلافت میں مدینہ کے مال فے، فدک کے اموال اور خیبر کے خمس میں سے اہل بیت کے حقوق برابر ادا کرتے رہے لیکن نبی کریم ﷺ کے ارشاد پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اس میں میراث کا حکم جاری نہیں کیا۔

محمد بن علی بن حسین الباقر اور زید بن علی بن حسین رحمہم اللہ سے روایت ہے کہ ان دونوں نے فرمایا: ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ہمارے آباء واجداد کے ساتھ کوئی ظلم وزیادتی نہیں کی۔ [2]

فاطمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ۳ رمضان المبارک ۱۱ ہجری شنبہ کی رات، رسول اللہ ﷺ کے انتقال سے چھ ماہ بعد ہوا اور رسول اللہ ﷺ آپ کو پہلے سے بتا چکے تھے کہ آپ کے اہل بیت میں سب سے پہلے آپ ہی ان سے ملیں گی اور اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا تھا:

((اما ترضين ان تكوني سيدة نساء اهل الجنة .)) [3]

''کیا تم اس سے خوش نہیں ہو کہ تم جنتی عورتوں کی سردار ہو گی۔''

علی بن حسین رحمہ اللہ کی روایت ہے: فاطمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال مغرب وعشاء کے درمیان ہوا۔ ابوبکر، عمر، عثمان، زبیر اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم حاضر ہوئے اور جب نماز جنازہ کے لیے آپ کو رکھا گیا تو علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''ابوبکر آگے آیئے۔''

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ابوالحسن آپ موجود ہیں؟

فرمایا: ہاں میں موجود ہوں لیکن آپ آگے بڑھیں، واللہ آپ ہی نمازِ جنازہ پڑھائیں گے۔

پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ پڑھائی اور رات ہی میں تدفین عمل میں آئی۔

اور ایک روایت میں ہے کہ: ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ پڑھائی اور چار تکبیریں کہیں۔ [4]

---

[1] اباطيل يجب ان تمحى من التاريخ: ۱۰۸ .

[2] المرتضى للندوی: ۹۰۔۹۱ ، نقلًا عن نهج البلاغة شرح ابن ابی الحديد .

[3] المرتضى للندوی: ۹٤ ، یہ روایت صحیح بخاری کی ہے۔ دیکھیے صحيح البخاری: المناقب ۳٦۲٤ . (مترجم)

[4] المرتضى للندوی: ۹٤ ، الطبقات الكبرى: ۷/ ۲۹ .

اور صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی، اور یہی روایت راجح ہے۔ ❶

ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اہل بیت کے ساتھ تعلق محبت و تعظیم سے پر تھا، جو آپ اور اہل بیت کے شایان شان تھا اور یہ محبت واعتماد ابوبکر و علی رضی اللہ عنہما کے درمیان طرفین سے پایا جاتا تھا۔ علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک بیٹے کا نام ابوبکر رکھا ❷ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد علی رضی اللہ عنہ نے آپ کے بیٹے محمد کو گود لیا اور پوری رعایت وتوجہ کے ساتھ ان کی کفالت کی اور اپنی خلافت میں ان کو والی بنایا جس کی وجہ سے آپ کے خلاف لوگوں کی زبانیں کھلیں اور آپ پر اعتراض کیا گیا۔ ❸

❶ مسلم: ۱۷۵۹ .

❷ المرتضی للندوی: ۹۸ .

❸ المرتضی للندوی: ۹۸ .

تیسرا باب:

لشکر اسامہ اور مرتدین سے جہاد

(۱)
لشکر اسامہ کو روانہ کرنا

عہد نبوی ﷺ میں جزیرۂ عرب کے پڑوس میں روم و فارس کی دو عظیم سلطنتیں پائی جاتی تھیں۔ رومی، جزیرۂ عرب کے شمال میں ایک بڑے حصہ پر قابض تھے اور ان علاقوں کے امراء رومی سلطنت کی طرف سے مقرر کیے جاتے تھے اور اس کے اوامر کے پابند ہوتے تھے۔

نبی کریم ﷺ نے ان علاقوں میں مبلغین اور فوجی دستوں کو روانہ فرمایا اور دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ کے ذریعہ سے شاہ روم ہرقل کو خط بھی بھیجا جس میں اس کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ ❶ لیکن اس نے سرکشی کی اور گناہ کا غرور اس پر سوار ہوا۔ گیارہ ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے بلقاء (اردن) و فلسطین میں رومیوں پر چڑھائی کرنے کے لیے لوگوں کو تیار کیا۔ ان میں کبار مہاجرین وانصار صحابہ شریک ہوئے اور ان پر اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو امیر مقرر فرمایا۔ ❷

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لشکر اسامہ رضی اللہ عنہ کی تیاری رسول اللہ ﷺ کی وفات سے دو روز قبل بروز ہفتہ مکمل ہوئی اور اس کا آغاز آپ ﷺ کی بیماری سے قبل ہو چکا تھا۔ آپ نے ماہ صفر کے اواخر میں جنگ کی تیاری کا حکم دیا، اسامہ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا: اپنے والد کی شہادت گاہ کی طرف روانہ ہو جاؤ، میں نے تم کو اس لشکر کا امیر مقرر کیا ہے۔ ❸ بعض لوگوں کو اسامہ رضی اللہ عنہ کی امارت پر اعتراض پیدا ہوا، تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرمایا: اگر آج تم اسامہ کی امارت پر اعتراض کرتے ہو تو اس سے قبل اس کے والد زید کی امارت پر بھی تمھارا اعتراض تھا، اللہ کی قسم وہ امارت کے قابل تھا اور وہ میرے نزدیک محبوب ترین لوگوں میں سے تھا اور اس کے بعد یہ اسامہ میرے نزدیک محبوب ترین لوگوں میں سے ہے۔ ❹

تیاری شروع ہونے کے دو دن بعد رسول اللہ ﷺ بیمار پڑ گئے اور آپ کی بیماری بڑھ گئی، جس کی وجہ سے یہ لشکر روانہ نہ ہوسکا اور مقام جرف ❺ میں ٹھہرا رہا اور نبی کریم ﷺ کی وفات کی خبر سن کر مدینہ واپس چلا آیا۔ ❻

---

❶ البخاري: الوحی: ۷.
❷ قصة بعث جیش اسامه: د/ فضل الٰهی ۸.
❸ فتح الباري: ۸/ ۱۵۲.
❹ البخاري: المغازی ۴۴۶۹.
❺ یہ مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر شام کی طرف واقع ہے۔
❻ السیرة النبوية الصحیحة: ۲/ ۵۵۲، السیرة النبوية فی ضوء المصادر الاصلية: ۶۸۵.

وفات نبوی ﷺ کے بعد حالات میں تبدیلی آ گئی۔ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے تو اکثر عرب ارتداد کا شکار ہو گئے، نفاق اُمڈ آیا، مجھ [1] پر ایسی مصیبت ٹوٹی کہ اگر پہاڑوں پر ٹوٹتی تو وہ ریزہ ریزہ ہو جاتے اور صحابہ کی یہ کیفیت ہوئی جیسے باغ میں بارش سے بھیگی ہوئی بکریاں بارش کی رات میں درندوں بھری زمین میں ہوں۔ [2]

پھر جب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے زمام خلافت سنبھالی تو رسول اللہ ﷺ کی وفات کے تیسرے دن ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں میں اعلان کرے کہ اب لشکر اسامہ کو اپنی مہم پر روانہ ہونا ہے۔ لہٰذا ہر شخص جس کا نام لشکر اسامہ میں ہے وہ مدینہ چھوڑ کر مقام جرف میں اپنی لشکر گاہ میں پہنچ جائے۔ [3]

پھر آپ نے لوگوں سے خطاب فرمایا:

''لوگو! یقین جانو میں تم جیسا ہوں، مجھے نہیں معلوم شاید تم لوگ مجھے ایسی باتوں کا مکلّف کرو گے جس کی رسول اللہ ﷺ کو طاقت تھی، اللہ نے آپ کو سارے عالم پر منتخب فرمایا تھا، اور آپ کو آفات سے محفوظ رکھا تھا۔ میرا کام اتباع ہے۔ میں بدعت ایجاد کرنے والا نہیں۔ اگر میں سیدھا چلوں تو میرا ساتھ دینا اور اگر کجی اختیار کروں تو مجھے سیدھا کر دینا۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی آپ نے کبھی کسی پر ظلم نہ کیا کہ وہ آپ سے مطالبہ کرے۔ لیکن میرے ساتھ شیطان ہے وہ جب سوار ہو جائے تو مجھ سے دور رہو۔ تم موت کے سائے میں صبح وشام کرتے ہو جس کا علم تم سے اوجھل ہے۔ اللہ کے بغیر تمھیں اس کی استطاعت نہیں۔ لہٰذا تم نیکیوں میں سبقت کرو قبل ازیں کہ موت اعمال کا سلسلہ کاٹ دے۔ کچھ لوگ اپنی موت بھول گئے اور اپنے اعمال دوسروں کے لیے کیے۔ خبردار! تم اس طرح نہ ہو جانا۔ محنت کرو، محنت کرو، سبقت کرو، سبقت کرو، جلدی کرو، جلدی کرو۔ تمھارے پیچھے تیز رفتار طلب کرنے والا لگا ہوا ہے۔ موت سے بچو، گزرے ہوئے آباء واجداد اور بھائیوں سے عبرت پکڑو، زندوں پر رشک نہ کرو، مگر اس چیز میں جس میں مردوں پر رشک کرتے ہو۔'' [4]

نیز آپ نے پھر خطاب فرمایا اور اللہ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ صرف وہی اعمال قبول فرماتا ہے جو صرف اس کی رضا کے لیے کیے جائیں۔ لہٰذا تم اعمال اللہ کی رضا کے لیے کرو، ایسی صورت میں تم اس کو اپنی محتاجی وفقر کے وقت کے لیے خالص کر لو گے۔ تم میں سے جو مر گئے ان سے عبرت حاصل کرو اور ان میں غور وفکر کرو جو تم سے قبل گزرے

---

[1] تاريخ خليفة بن خياط: ١٠٢، ''میرے والد پر'' ہے۔
[2] البداية والنهاية: ٦/ ٣٠٩. [3] البداية والنهاية: ٦/ ٣٠٧.
[4] البدايه والنهاية: ٦/ ٣٠٧، تاريخ الطبرى: ٢/ ٢٤١، ٢٤٥، ط: الكتب العلمية.

ہیں۔کل وہ کہاں تھے اور آج کہاں ہیں؟ اور کہاں گئے وہ قوت وطاقت والے جنہیں میدان جنگ میں قوت وغلبہ رہتا تھا، وہ سب زمانے کی نذر ہو گئے اور بوسیدہ ہو گئے اور ان پر تباہی و بربادی آئی...... کہاں گئے وہ ملوک وسلاطین جنھوں نے زمین کو آباد کیا؟ وہ دور ہوئے، انھیں بھلا دیا گیا، اور بھلا دیے گئے جیسے تھے ہی نہیں۔لیکن اللہ عزوجل نے ان پر تاوان باقی رکھا اور ان کی لذتوں کو ختم کر دیا۔ وہ چلے گئے ان کے اعمال ان کے ساتھ رہے، دنیا دوسروں کے ہاتھ آئی۔ ان کے بعد ہم بھیجے گئے۔ اگر ہم نے ان سے عبرت حاصل کی تو ہمیں نجات ملے گی اور اگر ہم ان کی ڈگر پر چلے تو ہمارا بھی انھی کی طرح انجام ہوگا۔حسین چہرے والے اور اپنی جوانی پر رتجھنے والے کہاں ہیں؟ وہ مٹی میں مل گئے، انھوں نے جو کوتاہی کی وہ ان کے لیے حسرت بن گئی۔کہاں گئے وہ سلاطین جنھوں نے شہر بسائے، انھیں فصیلوں کے ذریعہ سے محفوظ کیا اور ان کے اندر عجیب وغریب چیزیں بنائیں اور آخر میں اپنے بعد والوں کے لیے چھوڑ گئے، ان کے یہ محلات خالی پڑے ہیں اور وہ قبر کی تاریکیوں میں بسیرا کیے ہوئے ہیں۔

ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ؕ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ﴾ (مریم : ۹۸)

''ہم نے ان سے پہلے بہت سی جماعتیں تباہ کر دی ہیں، کیا ان میں سے ایک کی بھی آہٹ تو آپ پاتے ہیں یا ان کی آواز کی بھنک بھی آپ کان میں پڑتی ہے؟''

کہاں گئے وہ لوگ جنہیں تم اپنے آباء واجداد اور بھائیوں سے پہچانتے ہو؟ ان کی زندگیاں ختم ہو گئیں اور اپنے کیے کی طرف لوٹا دیے گئے اور موت کے بعد شقاوت یا سعادت کے لیے وہیں جا ٹھہرے۔خبردار ہو جاؤ! اللہ کا کوئی شریک نہیں اللہ اور کسی مخلوق کے درمیان کوئی رشتہ وناطہ نہیں، جس کی وجہ سے وہ اس کو خیر سے نوازے اور اس کی وجہ سے اس سے تکلیف دور کرے۔صرف اس کی اطاعت اور اتباع کی اساس پر معاملہ ہوتا ہے۔ یاد رکھو! تم سب مقروض غلام ہو۔ اللہ کے پاس جو کچھ ہے اسے اس کی اطاعت ہی سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔کیا تمھارے لیے وہ وقت قریب نہیں آیا کہ جہنم تم سے دور ہو جائے اور جنت قریب ہو جائے؟''[1]

ہر حال میں رسول اللہ ﷺ کی اتباع واجب ہے:

لشکر کی روانگی کے واقعہ سے ہمارے سامنے یہ حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے قول

[1] البدایة والنهایة: ٦/ ٣٠٧، تاریخ الطبری : ٢/ ٢٤١۔ ط: الکتب العلمیة۔

وفعل سے یہ واضح کر دیا کہ دعوت کی تحریک کبھی رک نہیں سکتی، حتیٰ کہ سید الخلق، امام الانبیاء، قائد المرسلین ﷺ کی وفات بھی اس پر اثر انداز نہیں ہو سکتی اور لشکر اسامہ کو اس کی مہم پر روانہ کرنے میں جلدی کر کے آپ نے یہ ثابت کر دیا کہ دعوتی کام رک نہیں سکتا، وہ جاری رہے گا۔ چنانچہ وفات نبوی ﷺ کے تیسرے دن اعلان کروایا کہ لشکر اسامہ سے متعلق حضرات جرف میں اپنی لشکر گاہ میں پہنچ جائیں اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بیعت کے بعد والے اپنے خطاب میں واضح کر دیا تھا کہ وہ اس دین کی خدمت کے لیے پوری جدوجہد جاری رکھیں گے۔ [1] اور ایک روایت میں آپ کا یہ قول مذکور ہے:

> ''لوگو! اللہ سے تقویٰ اختیار کرو، اپنے دین پر مضبوطی سے قائم رہو، اپنے رب پر توکل کرو، یقیناً اللہ کا دین قائم ہے اور اللہ کا کلمہ مکمل ہے۔ اللہ اس کی مدد کرے گا جو اس کے دین کی مدد کرے گا اور اپنے دین کو عزت وغلبہ عطا کرے گا۔ جو لوگ ہمارے خلاف اٹھیں ان کی ہم پروا نہیں کرتے۔ یقیناً اللہ کی تلواریں ابھی کھلی ہوئی ہیں۔ ہم نے ابھی انھیں رکھا نہیں ہے۔ جو ہمارے خلاف اٹھے گا ہم اس سے اسی طرح جہاد کریں گے جس طرح رسول اللہ ﷺ کی معیت میں کرتے تھے۔ لہٰذا کوئی بھی شخص ظلم و بغاوت پر نہ اترے ورنہ اس کا وبال اس کے سر ہوگا۔'' [2]

اسلامی خلافت کی ہیبت و دبدبہ پر لشکر اسامہ کا اثر:

روم کو مرعوب کر کے لشکر اسامہ فتح وغنیمت کے ساتھ واپس ہوا، شاہ روم ہرقل جو اس وقت حمص میں موجود تھا اپنے جرنیلوں کو جمع کر کے ان سے کہا: اسی چیز سے میں نے تم کو ڈرایا تھا لیکن تم لوگوں نے میری بات نہ مانی۔ عرب مہینے بھر کی مسافت طے کر کے تم پر حملہ آور ہوتے ہیں اور پھر اسی وقت بالکل صحیح سالم واپس ہو جاتے ہیں، ان کو زخم تک نہیں لگتا۔ ہرقل کے بھائی یناف نے کہا: فوج بھیجیے جو بلقاء (اردن) میں ڈٹ جائے اور حدود کی حفاظت کرے۔ اس نے ایسا ہی کیا، فوج روانہ کی، ان پر اپنے ایک ساتھی کو امیر مقرر کیا اور یہ فوج وہاں مقیم رہی یہاں تک کہ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی خلافت میں اسلامی افواج شام کی طرف آگے بڑھیں۔ [3] پھر تمام رومیوں کو تعجب ہوا اور انھوں نے کہا: یہ کیسے لوگ ہیں، ان کا نبی وفات پا گیا ہے پھر بھی یہ ہمارے ملک پر حملہ آور ہو رہے ہیں؟ [4]

اسی طرح شمال میں واقع عرب قبائل اسلامی سلطنت کی قوت سے خوف زدہ اور مرعوب ہو گئے۔ [5] جس وقت لشکر اسامہ مدینہ پہنچا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مہاجرین وانصار کو لے کر مدینہ سے نکل کر ان کا استقبال کیا، لا الٰہ الا اللہ

---

[1] قصة بعث ابى بكر جيش اسامة: ٢٧ .
[2] البداية والنهاية: ٥/ ٢١٣، ٢١٤ .
[3] المغازی: ٣/ ١١٢٤، طبقات ابن سعد: ٢/ ١٩٢ .
[4] تهذيب ابن عساكر: ١/ ١٢٥، تاريخ ابن عساكر: ١/ ٤٣٩ .
[5] تاريخ الدعوة الى الاسلام: ٢٧٠ .

کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔ اہل مدینہ نے پورے جوش وخروش اور مسرت کے ساتھ ان کا استقبال کیا۔ اسامہ رضی اللہ عنہ مدینہ میں داخل ہوئے اور سیدھے مسجد نبوی کا رخ کیا اور اللہ تعالیٰ کے اس عظیم انعام پر سجدۂ شکر ادا کیا۔ اس غزوہ کا خود مسلمانوں اور ان عربوں کی زندگی پر بڑا گہرا اثر ہوا، جو مسلمانوں پر حملہ آور ہونا چاہتے تھے اور اسی طرح ان رومیوں کی زندگی پر بھی اثر انداز ہوا، جن کا ملک مسلمانوں کے حدود پر پھیلا ہوا تھا۔ [1] اس فوج نے اپنی شہرت کے ذریعہ سے وہ کام کر لیا جو اپنی قوت و تعداد کے اعتبار سے نہ کر سکی۔ مرتدین کو جو آگے بڑھے تھے روک دیا، جو اکٹھے ہوئے تھے ان کو منتشر کر دیا اور جو مسلمانوں پر ٹوٹ پڑنے والے تھے، انھوں نے مصالحت میں اپنی عافیت سمجھی اور اسلحہ اتارنے سے قبل ہی ہیبت نے اپنا اثر دکھا دیا۔ [2]

(۲)......مرتدین سے جہاد

ارتداد کی اصطلاحی تعریف:

امام نووی رحمہ اللہ ارتداد کی تعریف میں فرماتے ہیں: ''نیت یا کفریہ قول یا فعل کے ذریعہ سے اسلام کا انکار کر دینا خواہ مذاق کے طور پر یہ بات کہی ہو۔ عناد یا اعتقاد کی بنیاد پر۔ لہٰذا جس نے خالق کی یا رسولوں کی نفی کی یا کسی رسول کی تکذیب کی، یا بالاجماع حرام چیز جیسے زنا کو حلال قرار دیا، یا اس کے برعکس بالاجماع حلال کو حرام قرار دیا، یا مجمع علیہ وجوب کی نفی کی، یا اس کے برعکس مجمع علیہ عدم وجوب کو واجب قرار دیا، یا کفر کا عزم کیا یا اس میں تردد کیا، وہ کافر ہو گیا۔'' [3]

ارتداد کے اسباب واقسام:

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد بعض قبائل عرب مرتد ہو گئے اور ان کے ارتداد کے مختلف اسباب تھے: رسول اللہ ﷺ کی وفات کا صدمہ، دین میں کمزوری، فہم نصوص میں نقص، جاہلیت اور اس کے مفاسد کے ارتکاب کی چاہت، نظام سے بغاوت اور شرعی حکومت کے خلاف خروج، قبائلی عصبیت، حکومت کی طمع، دین کو حصول مال کا ذریعہ بنانا اور مال میں بخیلی، حسد نیز خارجی اثرات [4] جیسے یہود و نصاریٰ اور مجوس کا سازشی کردار وغیرہ۔

ارتداد کی بھی مختلف شکلیں رہی ہیں: کچھ لوگوں نے تو سرے سے اسلام چھوڑ کر وثنیت اور بت پرستی کو اختیار کر لیا، کچھ لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کیا، کچھ لوگوں نے انکار نماز کی دعوت دی، کچھ لوگ اسلام کے معترف رہے، نماز بھی قائم کرتے رہے لیکن زکوٰۃ کی ادائیگی سے رک گئے، کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کی وفات سے خوش

---

[1] الصدیق لھیکل باشا: ۱۰۷ . [2] عبقریة الصدیق للعقّاد: ۱۰۹ .

[3] محمد الزهری الغمراوی: شرح علی متن المنهاج ، لشرف الدین النووی ۵۱۹ .

[4] حرکة الرّدّة، علی العتوم: ۱۱۰-۱۳۷ .

ہوئے اور جاہلی عادات واعمال میں لگ گئے، کچھ لوگ حیرت وتردد کا شکار ہوئے اور اس انتظار میں لگ گئے کہ کس کو غلبہ ملتا ہے۔ ان تمام شکلوں کی وضاحت سیرت وفقہ کے علماء نے کی ہے۔ [1]

دور نبوی کے اخیر میں ارتداد:

ارتداد کا آغاز ۹ ہجری سے ہوا، جسے ''عام الوفود'' کہا جاتا ہے۔ یہ وہ سال ہے جب جزیرۂ عرب نے رسول اللہ ﷺ کی قیادت کو تسلیم کرلیا اور اس کے سردار قائدین مختلف علاقوں سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس مدت میں ارتداد کی تحریک وسیع پیمانے پر ظاہر نہیں ہوئی تھی لیکن ۱۰ ہجری کے اواخر میں جب رسول اللہ ﷺ نے حج کیا اور مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو لوگوں کے کانوں میں ارتداد کی آواز پہنچنے لگی اور اس کی چنگاری راکھ کے نیچے بھڑکنے لگی۔ سانپ اپنے سر سوراخ سے نکالنے لگے، جن کے دل مریض تھے، انھیں خروج کی جرأت آئی۔ چنانچہ اسود عنسی یمن میں، مسیلمہ کذاب یمامہ میں اور طلیحہ اسدی اپنے اپنے علاقہ میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ [2] اسود عنسی اور مسیلمہ کذاب اسلام کے لیے عظیم خطرہ بن گئے، یہ اپنے ارتداد کی ڈگر پر ڈٹ گئے اس سے لوٹنے کا امکان نہ رہا اور ان کو افراد ووسائل کی عظیم قوت حاصل ہوگئی۔

اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے بارے میں اپنے نبی ﷺ کو خواب دکھایا جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوگئیں اور پھر آپ کے بعد آپ کی امت کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں۔ ایک دن منبر پر خطبہ دیتے ہوئے آپ نے فرمایا: لوگو! مجھے شب قدر دکھائی گئی، پھر مجھے بھلا دیا گیا اور میں نے اپنے دونوں بازوؤں میں سونے کے دو کنگن دیکھے، مجھے یہ بات ناگوار گزری، پھر پھونک ماری اور وہ دونوں اڑ گئے، میں نے اس کی تعبیر دو جھوٹوں سے کی۔ یمن والا (اسود عنسی) اور یمامہ والا (مسیلمہ کذاب)۔ [3]

مرتدین کے سلسلہ میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مؤقف:

جب ارتداد کی لہر اٹھی تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اور اللہ کی حمد وثنا بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''تمام حمد اللہ کے لیے ہے جس نے ہدایت سے نوازا، پس کافی ہوگیا، اور عطا کیا پس بے نیاز کردیا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا، اس وقت علم کی قدر وقیمت نہ تھی، اسلام اجنبی اور دھتکارا ہوا تھا، اس کی رسّی بوسیدہ ہوچکی تھی، اس کے کپڑے پرانے ہوچکے تھے، اس کے ماننے والے اس سے بھٹک گئے تھے، اللہ تعالیٰ اہل کتاب سے ناراض ہوگیا تھا، ان کو کوئی خیر ان کے خیر کی وجہ سے نہیں دیتا تھا اور ان سے کوئی شر ان کے شر کی وجہ سے نہیں پھیرتا تھا، انھوں نے اپنی کتاب میں تبدیلی کرڈالی اور اس میں دوسری چیزیں شامل کردیں، اور عرب اپنے آپ کو اللہ رب العزت سے محفوظ سمجھتے رہے، نہ اس کی عبادت کرتے نہ اس سے دعا کرتے، اللہ نے ان کی معیشت تنگ کردی، اللہ نے

---

[1] حركة الردة، على العتوم: ۲۰. [2] حركة الردة: ٦٥.

[3] البخاري: ٣٦٢١، مسلم: ٢٢٧٣. مسند احمد، رقم: ١١٤٠٧.

پتھریلی زمین میں بدلیوں کے ساتھ دین کو سایہ فگن کیا اور محمد ﷺ کے ذریعہ سے ان کو آخری امت قرار دیا اور ان کو امت وسط بنایا اور ان کے متبعین کے ذریعہ سے ان کی مدد کی اور دوسروں پر ان کو فتح عطا کی، اور جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو اٹھا لیا تو شیطان نے پھر اپنا قبضہ جمایا اور ان کے ہاتھ پکڑے اور ان میں سے ہلاک ہونے والے بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَا۟ىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَ مَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَ سَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ۝۱۴۴﴾ (آل عمران : ١٤٤)

''اور محمد (ﷺ) صرف رسول ہی ہیں، ان سے پہلے بہت سے رسول ہو چکے ہیں، کیا اگر ان کا انتقال ہو جائے یا یہ شہید ہو جائیں تو تم اسلام سے اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی پھر جائے اپنی ایڑیوں پر تو ہرگز اللہ تعالیٰ کا کچھ نہ بگاڑے گا۔ عنقریب اللہ تعالیٰ شکر گزاروں کو نیک بدلہ دے گا۔''

تمھارے اردگرد کے دیہاتیوں نے اپنی بکریاں اور اونٹ جو زکوٰۃ میں دیتے تھے روک لیے ہیں۔ آج سے بڑھ کر وہ اپنے دین میں کبھی زیادہ کمزور نہ تھے۔ کاش وہ اس کی طرف لوٹ آئیں! اور تم آج سے بڑھ کر زیادہ قوی نہ تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے تمھیں اللہ کے حوالے کر دیا ہے اور وہ کافی ہے، اس نے آپ ﷺ کو راہ بھولا پایا تو ہدایت سے نوازا، نادار پایا تو تونگر کر دیا۔

ارشاد ربانی ہے:

﴿وَ كُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝۱۰۳﴾ (آل عمران : ١٠٣)

''اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پہنچ چکے تھے، تو اس نے تمھیں بچا لیا۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح تمھارے لیے اپنی نشانیاں بیان کرتا ہے تاکہ تم ہدایت پاؤ۔''

اللہ کی قسم! میں اس کے دین کے لیے قتال کرنا جاری رکھوں گا یہاں تک کہ اللہ اپنا وعدہ مکمل کر دے اور ہمارے لیے اپنا عہد پورا کر دے۔ اہل جنت میں سے جن کو شہادت ملنی ہے شہادت مل جائے اور جن کو باقی رہنا ہے وہ زمین میں باقی رہ جائیں۔ اللہ کا فیصلہ برحق ہے اور اس کی بات بدلتی نہیں۔ [1]

مانعین زکوٰۃ کی سرکوبی:

جب بہت سے قبائل عرب نے بیت المال کو زکوٰۃ دینے سے انکار کیا یا مطلقاً زکوٰۃ کی فرضیت کے منکر

[1] البداية والنهاية: ٦/ ٣١٦.

ہوئے، اس موقع پر جو کلمات ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زبان سے نکلے وہ طویل اور فصیح و بلیغ خطبہ اور بڑی کتاب کے برابر تھے، اسلام کا دقیق فہم، دین پر شدید غیرت اور عہد نبوی میں جس شکل میں دین تھا اس کو اس کی ہیئت پر باقی رکھنے کا عزم ان کے مختصر کلمات سے نمایاں ہوتے ہیں۔ وہ کلمات یہ تھے: وحی کا سلسلہ منقطع ہو چکا اور دین پورا ہو گیا ہے، میرے جیتے جی اس میں کمی نہیں ہوسکتی۔ ❶ اور ایک روایت میں ہے، عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں نے عرض کیا: اے خلیفہ رسول! لوگوں کے ساتھ تالیف قلب اور نرمی کا برتاؤ کیجیے۔ فرمایا: عمر! جاہلیت میں بڑے بہادر اور اسلام میں اتنے بزدل؟ وحی کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے اور دین پورا ہو گیا ہے، میرے جیتے جی اس میں کمی نہیں ہوسکتی۔ ❷

ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بصیرت اپنے ساتھیوں میں سب سے زیادہ تیز تھی، کیونکہ آپ نے معاملہ کو اس ایمانی بصیرت سے سمجھا جو تمام کے ایمان پر بھاری تھا، وہ یہ کہ زکوٰۃ کو شہادتین سے جدا نہیں کیا جا سکتا ہے۔ جس نے اللہ کی وحدانیت کا اقرار کیا اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس حق کو تسلیم کرے جو اس کے مال میں فرض کیا جائے درآں حالانکہ یہ مال اصل میں اللہ ہی کا ہے۔ اور زکوٰۃ کے بغیر صرف لا الہ الا اللہ کا قوموں کی زندگی میں کوئی وزن نہیں، اور جس طرح لا الہ الا اللہ کے دفاع میں تلوار اٹھانا مشروع ہے اسی طرح زکوٰۃ کے دفاع میں تلوار اٹھانا مشروع ہے، دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ یہی صحیح اسلام ہے اور اس کے برعکس اسلام نہیں۔ ❸ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو سخت وعید سنائی ہے جو کتاب کے بعض حصے پر ایمان رکھتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں۔

فرمان الٰہی ہے:

﴿اَ فَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝۸۵﴾ (البقرة: ۸۵)

"کیا بعض احکام پر ایمان رکھتے ہو اور بعض کے ساتھ کفر کرتے ہو؟ تم میں سے جو بھی ایسا کرے اس کی سزا اس کے سوا کیا ہو کہ دنیا میں رسوائی اور قیامت کے دن سخت عذاب کی مار، اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں۔"

ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مؤقف جس میں کوئی نرمی، کوئی سودے بازی اور تنازل نہ تھا، یہ اللہ کی طرف سے ایک الہام شدہ مؤقف تھا۔ اللہ رب العالمین کے احسان کے بعد، اس دین کی سلامتی اور اپنی اصلی حالت میں بقاء کے سلسلہ میں اس مؤقف کا بڑا اہم کردار رہا۔ سب نے اس کا اقرار کیا اور تاریخ نے اس بات کی شہادت دی کہ ظالم کا ارتداد اور اسلام کی ایک ایک کڑی کو توڑنے کی سازش کے مقابلہ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جو مؤقف اختیار کیا یہ وہی

❶ المرتضی للندوی: ۷۰۔ ❷ مشکاۃ المصابیح: المناقب ۶۰۳۴۔

❸ حیاۃ ابی بکر: محمود شلبی ۱۲۳۔

مؤقف تھا جو انبیاء و رسل نے اپنے دور میں اختیار کیا تھا اور یہی خلافت نبوت ہے جس کا حق ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ادا کر دیا اور قیامت تک آنے والے مسلمانوں کی تعریف وستائش اور دعا کے مستحق قرار پائے۔ [1]

اس کے بعد پھر مدینے کے قریب قریب جو مرتدین آباد تھے ان کا خطرہ بڑھ گیا۔ تاہم جن حالات سے مدینہ دو چار تھا ان میں ان سے لڑنا قطعاً مناسب نہ تھا۔ بالآخر مرتدین سے بچانے کے لیے خواتین اور بچوں کو قلعوں میں محفوظ کر دیا اور ان کے خیال کے لیے تیار ہو گئے۔

مدینہ پر حملہ آور ہونے میں مرتدین کی ناکامی:

مرتدین کے وفود کے مدینہ سے لوٹنے کے تین دن بعد بعض قبائل اسد، غطفان، عبس، ذبیان اور بکر نے مدینہ پر راتوں رات چڑھائی کی اور کچھ لوگوں کو ''ذوحسی'' میں چھوڑ دیا تاکہ وہ ان کے لیے پشت پناہ رہیں۔ مدینہ کے راستوں پر حفاظتی دستوں کو اس کا احساس ہو گیا، انھوں نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خبر بھیجی۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انھیں حکم بھیجا کہ اپنے مقامات پر ڈٹے رہو۔ وہ اپنی جگہ ڈٹ گئے اور جو لوگ مسجد میں تھے وہ اونٹوں پر سوار ہو کر ان کی طرف آگے بڑھے۔ دشمن کی ہوا اکھڑ گئی۔ مسلمانوں نے اونٹوں پر سوار ہو کر ان کا تعاقب کیا، یہاں تک کہ ''ذوحسی'' تک پہنچے۔ وہاں موجود مددگار مشکیزے لے کر نکلے جس میں ہوا بھر رکھی تھی اور رسّی سے باندھ رکھا تھا۔ پھر اسے اونٹوں کے سامنے پیروں سے لڑھکا دیا۔ ہر مشکیزہ اپنی رسّی سے لڑھک گیا، مسلمانوں کے اونٹ اپنے سواروں کے ساتھ بدک اٹھے۔ اونٹ مشکیزوں سے جس بری طرح بدکتے ہیں، اتنا اور کسی چیز سے نہیں بدکتے، اونٹ اس قدر بدکے کہ قابو سے باہر ہو گئے، مدینہ آکر دم لیا لیکن کوئی مسلمان نہ سواری سے گرا اور نہ اس کو زخم لگے۔ [2]

مرتدین کے خلاف حکومت کی طرف سے سرکاری کارروائی

ا۔ اندر سے ناکام بنانے کا طریقہ:

خود رسول اللہ ﷺ نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا چنانچہ آپ نے مدعیان نبوت کے قبائل کو خطوط اور پیغامبر بھیجے تاکہ اسلام پر ثابت قدم رہنے والوں کو اکٹھا کیا جا سکے اور مرتدین سے قتال کے لیے ان کی جماعت تشکیل دی جائے اور اسی منہج کو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی اختیار کیا اور اس بات کی کوشش کی کہ مرتدین کی تحریک کو روکا جائے اور بقدر امکان اس کو ختم کیا جائے۔ اس کے خلاف لوگوں کی ذہن سازی شروع کی، ان کا ساتھ چھوڑنے پر اکسایا لوگوں کو ان سے متنفر کیا، اسلام پر ثابت قدم رہنے والوں سے رابطہ قائم کیا اور انہی میں سے منظّم فوج کے لیے افراد تیار کیے۔ اس طرح لشکر اسامہ کی واپسی کے بعد مرتدین کے ساتھ منظّم کارروائی کے لیے امت کو تیار کر رہے تھے۔ آپ نے ارتداد کے قائدین اور اسلام پر ثابت قدم رہنے والوں سے خط کتابت کی تاکہ بعض اہداف کے

[1] المرتضی للندوی: ۷۲.
[2] تاریخ الطبری: ٤/ ٦٥۔

حصول میں کامیابی حاصل ہو مثلاً لشکر اسامہ کے لوٹنے تک موقع مل جائے۔ چنانچہ آپ نے یمن وغیرہ میں بھی طریقہ ان لوگوں کو خطوط بھیجے، جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطوط ارسال کیے تھے۔ ❶

تاکہ اپنی پوری کوشش اسلام کی طرف دعوت دینے کے لیے صرف کریں اور ثابت قدم رہنے والوں سے اس بات کا مطالبہ کریں کہ وہ مقررہ مقامات پر جمع ہو جائیں اور خلیفہ کے حکم کا انتظار کریں۔ یہ ترتیب آئندہ فوجی منصوبے کا آغاز تھی۔ ❷

۲۔ منظّم فوج کو روانہ کرنا:

جب لشکر اسامہ دو ماہ اور بقول بعض چالیس دن کے بعد مدینہ واپس ہوا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کو لے کر ذوالقصہ پر چڑھائی کی، جو مدینہ سے ایک دن کی مسافت پر واقع ہے تاکہ مرتدین اور متمردین سے قتال کریں۔ صحابہ نے آپ سے یہ پیشکش کی کہ آپ کسی دوسرے کو فوج کی قیادت سونپ دیں اور خود مدینہ واپس ہو کر امور خلافت کو سنبھالیں اور اس مطالبہ پر زور دیا۔ اس سلسلہ میں ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میرے والد تلوار کھینچ کر وادی ذوالقصہ کی طرف روانہ ہوئے، علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور سواری کی نکیل تھام لی اور عرض کیا: اے خلیفہ رسول کہاں جا رہے ہیں؟ میں وہی کہوں گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے دن کہا تھا: ❸ اپنی تلوار میان میں ڈال لیجیے اور اپنے بارے میں کوئی بری خبر نہ سنوائیے، واللہ اگر آپ کو کچھ ہو گیا تو آپ کے بعد اسلام کا نظام کبھی قائم نہیں ہو سکتا، تو آپ لوٹ آئے۔ ❹ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسلامی فوج کو گیارہ دستوں میں تقسیم کر دیا اور ہر دستہ پر امیر مقرر کیا، ❺ اور ہر امیر کو یہ حکم فرمایا کہ جن بستیوں سے گزر ہو وہاں کے مسلمانوں کو اپنے ساتھ لے لیں۔ وہ دستے یہ تھے:

۱: لشکر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ، اوّلاً بنی اسد، پھر بنی تمیم، پھر یمامہ کی طرف۔

۲: لشکر عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ، اوّلاً بنو حنیفہ میں مسیلمہ کذاب، پھر عمان ومہرہ، پھر حضرموت، پھر یمن کی طرف۔

۳: لشکر شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ، اوّلاً یمامہ عکرمہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے، پھر حضرموت کی طرف۔

۴: لشکر طریفہ بن حاجب رضی اللہ عنہ، بنو سلیم کی طرف۔

۵: لشکر عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ، قضاعہ کی طرف۔

---

❶ دراسات فی عهد النبوة للشجاع: ۳۱۹.

❷ دراسات فی عهد النبوة للشجاع: ۳۱۹.

❸ اس سے اشارہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی طرف ہے جو احد کے دن جب ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے عبدالرحمٰن بن ابی بکر کی طرف ان کو قتل کرنے بڑھے تو آپ نے فرمایا: ''اپنی تلوار بند کرو اور اپنی جگہ لوٹ جاؤ۔''

❹ البداية والنهاية: ۶/ ۳۱۹.　❹ التاريخ الاسلامی: ۹/ ۴۹.

۶: لشکر خالد بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ، حدود شام کی طرف۔

۷: لشکر علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ بحرین کی طرف۔

۸: لشکر حذیفہ بن محصن غطفانی رضی اللہ عنہ، عمان کی طرف۔

۹: لشکر عرفجہ بن ہرثمہ، مہرہ کی طرف۔

۱۰: لشکر مہاجر بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ، یمن کی طرف (صنعاء پھر حضر موت)

۱۱: لشکر سوید بن مقرن رضی اللہ عنہ، تہامۂ یمن کی طرف۔ ❶

اسود عنسی اور طلیحہ اسدی کا خاتمہ

ا۔ اسود عنسی کا خاتمہ:

حجۃ الوداع کے بعد جیسے ہی رسول اللہ ﷺ کے مرض کی اطلاع ملی، اسود عنسی نے نبوت کا دعویٰ کر دیا اور بعض روایات میں ہے کہ جس طرح مسیلمہ کذاب اپنے آپ کو ''رحمٰن الیمامہ'' کہلاتا تھا اسی طرح اسود اپنے آپ کو ''رحمٰن الیمن'' کہلانے لگا۔ ❷ یہ نبی کریم ﷺ کی نبوت کے اقرار کے ساتھ اپنی نبوت کا اعلان کرتا اور یہ اس زعم میں مبتلا تھا کہ اس کے پاس دو فرشتے وحی لے کر آتے ہیں جن میں سے ایک کا نام سحیق اور دوسرے کا نام شقیق یا شریق ہے۔ ❸ شروع میں اپنی دعوت کو مخفی رکھا، اپنے مناسب لوگوں کو خفیہ طور سے اپنے پاس جمع کرتا رہا، پھر اچانک اپنی نبوت کا اعلان کر دیا۔ ❹ سب سے پہلے اس کی دعوت کو قبول کرنے والے اسی کے قبیلہ ''عنس'' کے نوجوان تھے۔ ❺ پھر اس نے قبیلہ ''مذحج'' کے زعماء سے خط کتابت کی تو اس قبیلہ کی عوام اس کے ساتھ ہو گئی۔ ❻ اور اسی طرح قیادت وسیادت کے بھوکے بعض زعماء بھی اس کے پھندے میں آ گئے۔ اس نے لوگوں کے مابین قبائلی عصبیت بھڑکائی کیونکہ اس کا تعلق قبیلہ ''عنس'' سے تھا جو قبیلہ ''مذحج'' کی ایک شاخ تھی۔ اسی طرح اس نے اہل نجران میں سے بنو حارث بن کعب سے خط کتابت کی جو اس وقت مسلمان تھے۔ ان سے اس نے ان کے یہاں آنے کا مطالبہ کیا پھر وہاں پہنچ بھی گیا، لوگوں نے اس کی پیروی اختیار کر لی کیونکہ انہوں نے برضا ورغبت اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ اسی طرح زبید، اَود، مَسلیہ اور حکم بن سعد عشیرۃ کے کچھ لوگ اس کے تابع ہو گئے۔ کچھ دن نجران میں رہا، اس وقت اس کی قوت مضبوط ہو گئی جب عمرو بن معدیکرب الزبیدی اور قیس بن مکشوح المرادی اس کے ساتھ شامل ہو گئے۔ اس نے فروہ بن مسیک رضی اللہ عنہ کو ''مراد'' سے اور عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو

---

❶ تاریخ الطبری: ٤/ ٦٨، دراسات فی عصر النبوۃ: ٣٢١.

❷ الیمن فی صدر الاسلام للشجاع ٢٥٦.　❸ البدء والتاریخ: ٥/ ١٥٤.

❹ الیمن فی صدر الاسلام: ٢٥٧.　❺ فتوح البلدان للبلاذری: ١/ ١٢٥.

❻ تاریخ الردۃ للکلاعی: ١٥١-١٥٢.

''نجران'' سے نکال باہر کر دیا پھر اس کو صنعاء پر قبضہ کرنے کی فکر دامن گیر ہوئی اور چھ سو یا سات سو شہسواروں کو لے کر اس کی طرف روانہ ہوا، ان میں سے اکثر بنو حارث اور عنس کے لوگ تھے۔ ❶

اس وقت صنعاء کے عامل شہر بن باذان الفارسی تھے، جو اپنے والد کے ساتھ صنعاء سے باہر ''شعوب'' کے علاقہ میں مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔ دونوں کے درمیان سخت لڑائی ہوئی جس کے نتیجہ میں شہر بن باذان الفارسی شہید ہو گئے اور اسود عنسی صنعاء پر غالب آ گیا اور اپنے ظہور کے صرف پچیّس دن بعد قصر غمدان میں نزول کیا۔ ❷ اسلام پر قائم رہنے والوں کو سزا دینے کے سلسلہ میں انتہائی بھیانک مؤقف اختیار کیا، نعمان نامی ایک مسلمان کو پکڑا اور ان کے ایک ایک عضو کو کاٹ ڈالا۔ ❸ اسی لیے جو مسلمان اس کے مقبوضہ علاقوں میں آباد تھے انہوں نے تقیہ اختیار کیا۔ ❹

جو مسلمان اس کے مقبوضہ علاقہ سے باہر تھے انہوں نے اپنی جمعیت اکٹھی کرنے اور اپنی صفوں کو نئے سرے سے منظّم کرنے کی کوشش کی چنانچہ فروہ بن مُسَیک المرادی ''احسیہ'' ❺ مقام پر پناہ گزیں ہوئے اور دیگر مسلمان اس کے ساتھ شامل ہو گئے اور اس نے اسود عنسی کے سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کو بذریعہ خط مطلع کیا۔ یہ پہلے شخص تھے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع بھیجی اور ابوموسیٰ اشعری اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما حضرموت میں سکاسک اور سکون کے پڑوس میں جمع ہو گئے۔ ❻ رسول اللہ ﷺ نے اسلام پر ثابت قدم رہنے والوں کے نام، اسود کی ارتدادی تحریک کا مقابلہ کرنے کے لیے خطوط ارسال کیے اور انہیں حکم دیا کہ کسی طرح اس کا خاتمہ کریں خواہ قتال کے ذریعہ سے ہو یا دھوکہ سے قتل کریں اور اپنے خطوط اور پیغام بروں کو حمیر و ہمدان کے بعض زعماء کی طرف ارسال فرمایا کہ وہ آپس میں متحد و متفق ہو کر اسود عنسی کے خلاف مجاہدین کا ساتھ دیں۔ ❼ چنانچہ آپ نے وبر بن یُحنّس رضی اللہ عنہ کو فیروز دیلمی، جُشَیش دیلمی اور داذویہ اصطخری کے پاس بھیجا اور جریر بجلی رضی اللہ عنہ کو ذوالکلاع حمیری اور ذوظلیم حمیری کے پاس روانہ کیا اور اقرع بن عبداللہ حمیری رضی اللہ عنہ کو ذوزود ہمدانی اور ذومران ہمدانی کے پاس ارسال فرمایا۔

اسی طرح آپ نے اہل نجران اور وہاں آباد لوگوں کو خطوط ارسال کیے۔ ❽ آپ نے حارث بن عبداللہ جہنی رضی اللہ عنہ کو اپنی وفات سے قبل یمن روانہ فرمایا اور ان کو یمن میں رسول اللہ ﷺ کی وفات کی خبر ملی۔ ❾ مراجع سے یہ سراغ نہ مل سکا کہ ان کو کس کے پاس بھیجا تھا لیکن بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا

---

❶ تاریخ الردۃ للکلاعی: ۱۵۱۔۱۵۲.
❷ البدء والتاریخ: ۵/ ۲۲۹.
❸ ابن سعد فی الطبقات: ۵/ ۵۳۵.
❹ الیمن فی صدر الاسلام للشجاع: ۲۵۸.
❺ یمن میں ایک مقام کا نام ہے۔ دیکھیے، المعجم: یاقوت الحموی ۱/ ۱۱۲.
❻ تاریخ الطبری: ٤/ ٤۹، ۵۰.
❼ الیمن فی صدر الاسلام: ۲۷۱.
❽ تاریخ الطبری: ٤/ ۵۲.
❾ الیمن فی صدر الاسلام: ۲۷۱.

ہوگا کیونکہ معاذ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کا خط ملا تھا جس میں آپ نے ان کو حکم دیا تھا کہ اسود عنسی سے مقابلہ کے لیے مجاہدین بھیجیں تا کہ اس کا خاتمہ ہو سکے۔ ❶ اسی طرح ابوموسیٰ اشعری اور طاہر بن ابوہالہ رضی اللہ عنہما کو رسول اللہ ﷺ کا خط ملا جس میں آپ نے انہیں اسود عنسی سے مقابلہ کا حکم دیا تھا، خواہ باقاعدہ جنگ کے ذریعہ سے یا اچانک قتل کے ذریعہ سے۔ ❷ رسول اللہ ﷺ کے اس طرز عمل کا بڑا گہرا اثر ہوا، آپ نے جن کو خطوط بھیجے وہ آپ کی زندگی میں اور آپ کی وفات کے بعد متحد ہوکر اسلام پر ڈٹ گئے، نہ تو یہ شکوک وشبہات کا شکار ہوئے اور نہ ارتداد کو اختیار کیا چنانچہ حمیر اور ہمدان کے زعماء نے ابنائے فارس کو خطوط بھیجے اور ہر طرح کی مدد کا ان سے وعدہ کیا۔ اسی طرح نجران کے لوگ اسود عنسی کی تحریک کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک جگہ اکٹھے ہوگئے، اس وقت اسود عنسی کو یقین ہوگیا کہ اب اس کا انجام ہلاکت ہے۔ ❸

ہمدان وحمیر اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور بعض دیگر یمنی سرداروں کے درمیان خط کتابت کا سلسلہ جاری رہا۔ اس کا بھی قوی احتمال ہے کہ ابنائے فارس اور فروہ بن مسیک کے مابین خط کتابت رہی ہو، کیونکہ اسود عنسی کے قتل میں اس کا اہم کردار رہا ہے۔ ❹ لیکن اسود عنسی پر سب سے پہلے اعتراض کرنے والے عامر بن شہر ہمدانی تھے۔

اس طرح تمام اسلامی قوتیں یمن میں اسود عنسی کو ختم کرنے کے لیے اکٹھی ہوگئیں اور بظاہر یہ معلوم ہو رہا ہے کہ تمام اس بات پر متفق تھے کہ اسود عنسی کو کسی طرح قتل کر دیا جائے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اگر اس کا قتل ہوگیا تو اس کے ماننے والے بکھر جائیں گے اور ان کی قوت باقی نہ رہے گی پھر ایسی صورت میں ان سے نمٹنا آسان ہوگا۔ اس لیے اس منصوبہ پر اتفاق ہوا کہ اس وقت تک کوئی کارروائی نہ کی جائے جب تک اندرونی کارروائی مکمل نہ ہو جائے۔

چنانچہ ابنائے فارس فیروز دیلمی اور داذویہ، اسود عنسی کے قائد الجیش ''قیس بن مکشوح مرادی'' کے ساتھ اسود عنسی کے قتل پر اتفاق کرنے میں کامیاب ہوگئے کیونکہ قیس بن مکشوح المرادی کا اسود کے ساتھ اختلاف تھا اور اس کو اپنے بارے میں اسود سے خطرہ تھا۔ ❺ ان لوگوں نے اپنے ساتھ اسود کی بیوی ''آزاد فارسیہ'' کو شامل کیا جو پہلے شہر بن باذان کی بیوی تھی اور فیروز فارسی کی چچازاد بہن تھی۔ کذابِ یمن اسود عنسی نے اس کے شوہر کو قتل کر کے اس کو غصب کرلیا تھا۔ وہ پورے عزم وحوصلہ کے ساتھ جاہلی درندوں کے پنجے سے نجات حاصل کرنے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی اور ابنائے فارس کے ساتھ مل کر اس ظالم کے قتل کا پروگرام مرتب کیا، ❻ اور بستر پر ہی اس کے قتل کا راستہ ہموار کیا۔ ❼ اور جب اسود قتل کر دیا گیا تو اس کے سر کو اس کے ساتھیوں کے درمیان ڈال دیا گیا جس

❶ الیمن فی صدر الاسلام: ۲۷۲ .
❷ تاریخ الطبری: ٤/ ٥١ .
❸ الیمن فی صدر الاسلام: ۲۷۲ .
❹ الیمن فی صدر الاسلام: ۲۷۲ .
❺ الیمن فی صدر الاسلام: ۲۷۲ ـ ۲۷۳ .
❻ حرکة الردة للعتوم: ۳۰۹ .
❼ الیمن فی صدر الاسلام: ۲۷۳ .

سے ان پر خوف طاری ہوا اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ ❶

جس رات اسود عنسی قتل ہوا اسی رات آسمان سے رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر دی گئی اور آپ نے لوگوں کو بشارت سناتے ہوئے فرمایا: آج رات عنسی قتل کر دیا گیا، بابرکت گھرانے کے ایک بابرکت شخص نے قتل کیا ہے۔ دریافت کیا گیا: وہ کون ہے؟ آپ نے فرمایا: فیروز، فیروز کامیاب ہوگیا۔ ❷

اسود عنسی کے قتل کا تذکرہ ڈاکٹر صلاح الخالدی نے اپنی کتاب "صور من جهاد الصحابه" میں تفصیل سے کیا ہے۔ ❸

۲۔ طلیحہ اسدی کے فتنہ کا خاتمہ:

طلیحہ اسدی ان مدعیان نبوت میں سے تیسرا تھا جو رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ کے آخری دور میں نمودار ہوا۔ اس کا نام طلیحہ بن خویلد بن نوفل بن نصلہ الاسدی ہے۔ عام الوفود ۹ ہجری میں اپنی قوم کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے مدینہ پہنچ کر رسول اللہ ﷺ کو سلام کیا اور احسان جتاتے ہوئے کہا: ہم آپ کی خدمت میں خود حاضر ہوئے۔ ہم اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے اور آپ اللہ کے بندے اور رسول ہیں حالانکہ آپ نے ہماری طرف کسی کو نہیں بھیجا اور ہم اپنے پیچھے والوں کے لیے کافی ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نازل ہوا:

﴿يَمُنُّونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا ۖ قُل لَّا تَمُنُّوا عَلَيَّ إِسْلَامَكُم ۖ بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيمَانِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ⑰﴾ (الحجرات: ۱۷)

"اپنے مسلمان ہونے کا آپ پر احسان جتاتے ہیں، آپ کہہ دیجیے کہ اپنے مسلمان ہونے کا احسان مجھ پر نہ رکھو بلکہ دراصل اللہ کا بڑا احسان ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی ہدایت کی، اگر تم راست گو ہو۔"

جب یہ لوگ واپس ہوئے طلیحہ ارتداد کا شکار ہوا اور نبوت کا دعویٰ کر بیٹھا ❹ اور سمیراء میں اپنا مرکز بنایا، عوام اس کے مرید ہو گئے اور اس کا معاملہ ظاہر ہو گیا۔ لوگوں کی ضلالت کا پہلا سبب یہ ہوا کہ وہ اپنی قوم کے ساتھ ایک سفر میں تھا، پانی ختم ہو گیا، لوگوں کو شدید پیاس لگی، اس نے لوگوں سے کہا: تم میرے گھوڑے "اعلال" پر سوار ہو کر چند میل جاؤ وہاں تمہیں پانی ملے گا۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اور انہیں پانی مل گیا، اس وجہ سے دیہاتی اس فتنہ کا شکار ہو گئے۔ ❺

---

❶ اليمن في صدر الاسلام: ۲۷۳ . ❷ تاريخ الطبرى: ٤/ ٥٥ .

❸ صور من جهاد الصحابة للخالدى: ۲۱۱ ـ ۲۲۸ .

❹ اسد الغابة: ۳/ ۹۵ . ❺ حروب الردة: محمد احمد باشميل ۷۹ .

اس کی بکواس میں سے یہ ہے کہ اس نے نماز سے سجدوں کو ختم کر دیا اور اس کا یہ زعم تھا کہ آسمان سے اس پر وحی آتی ہے اور اس کی مسجع عبارتوں میں سے یہ عبارت ہے جسے وہ وحی الٰہی کہتا تھا:

((والحمام والیمام، والصرد الصوام، قد صُمْنَ قبلکم باعوامٍ، لیبلغن ملکنا العراق والشام.))

''اور کبوتر اور جنگلی کبوتر اور روزہ دار لٹورے تم سے بہت سال قبل روزہ رکھتے ہیں۔ عراق وشام تک ہماری بادشاہت ہوگی۔'' [1]

یہ شخص غرور نفس کا شکار ہوا، اس کا مسئلہ زور پکڑا، اس کی طاقت بڑھی اور جب رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے ضرار بن ازور اسدی رضی اللہ عنہ کو اس سے قتال کے لیے روانہ کیا لیکن ضرار کے بس کی بات نہ تھی۔ اس کی قوت وقت کے ساتھ بڑھ چکی تھی اور خاص کر اسد وغطفان دونوں حلیفوں کے اس پر ایمان لے آنے کے بعد۔ [2]

دائرۃ المعارف الاسلامیہ (اسلامی انسائیکلوپیڈیا) نے اس سلسلہ میں غلط بیانی سے کام لیتے ہوئے کہا ہے:

''یہ برجستہ شعر کہتا تھا اور میدان قتال میں بغیر تیاری کے خطاب کرتا تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ جاہلی قبائلی زعیم کا حقیقی آئیڈیل تھا۔ اس کے اندر بہت سی صفتیں جمع تھیں، عراف تھا، شاعر تھا، مقرر تھا، مقاتل تھا۔'' [3]

اس عبارت سے اس مشہور انسائیکلوپیڈیا کی طرف سے طلیحہ اسدی کی مدح سرائی کی بو آتی ہے کیونکہ یہ اس کی نگاہ میں مثالی قبائلی زعیم تھا، برجستہ شعر کہتا اور خطاب کرتا تھا اور اس وقت عرب ان دونوں صفات کے بڑے دلدادہ تھے۔ اس انسائیکلوپیڈیا کی طرف سے یہ مدح سرائی کوئی نئی بات نہیں کیونکہ اس کا تو شیوہ ہی اسلام پر تنقید اور طعنہ زنی کرنا ہے۔ خواہ اسے یہ معلوم ہو یا نہ ہو کہ طلیحہ نے توبہ کی اور اسلام قبول کیا اور اچھے مسلمان کی طرح زندگی گذاری۔

رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوگئی اور طلیحہ کا مسئلہ باقی رہا، [4] اور خلافت کی باگ ڈور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سنبھالی، مرتدین کو کچلنے کے لیے فوج تیار کی، قائدین مقرر کیے۔ طلیحہ اسدی کی طرف بھی ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں فوج روانہ کی۔ امام احمد رحمہ اللہ کی روایت ہے.......... جب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خالد بن ولید کو مرتدین سے قتال کے لیے مقرر کیا تو فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپ فرما رہے تھے:

---

[1] البدایة والنهایة: ٦/ ٣٢٣.　[2] اسدالغابة: ٣/ ٩٥.

[3] دائرۃ المعارف الاسلامیہ بحوالہ حرکة الردة: ٧٨.

[4] حرکة الردة للعتوم: ٧٨.

((نعم عبداللّٰه واخو العشيرة خالد بن الوليد، سيف من سيوف الله سلّه الله على الكفار والمنافقين .)) ❶

''اللہ کا بہترین بندہ اور خاندان کا بہترین فرد خالد بن ولید ہے۔ یہ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے کفار ومنافقین پر مسلط کر دیا ہے۔''

جب خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ذوالقصہ سے روانہ ہوئے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کو رخصت کرتے ہوئے وعدہ کیا کہ وہ دوسرے امراء کے ساتھ خیبر کی طرف سے آ کر ان سے ملیں گے اور انہیں حکم دیا کہ وہ اوّلاً طلیحہ اسدی کی طرف روانہ ہوں، پھر وہاں سے فارغ ہو کر بنوتمیم کی خبر لیں۔ طلیحہ بنواسد اور بنوغطفان کے ساتھ تھا اور ان کے ساتھ بنو عبس اور بنوذبیان بھی شامل ہو گئے تھے۔ اس نے بنوجدیلہ اور بنو طے میں سے غوث سے مدد طلب کی، انہوں نے لوگوں کو بھیجا تاکہ جلدی ان سے جا ملیں اور ادھر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کو خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے قبل روانہ کیا کہ وہ اپنے قبیلہ بنو طے کے پاس جائیں اور انہیں طلیحہ سے ملنے سے روکیں ورنہ ان کا انجام برا ہوگا۔ عدی رضی اللہ عنہ بنو طے کے پاس گئے، انہیں دعوت دی کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لو ❷ اور اللہ کی طرف رجوع کرو۔

انہوں نے جواباً کہا: ہم ابوفصیل ❸ (ابوبکر) سے بیعت نہیں کریں گے۔

عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: واللہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فوج تم پر پہنچے گی اور تم سے برابر قتال کرے گی یہاں تک کہ تم جان لو گے کہ وہ ابوفحل ❹ اکبر ہیں۔

عدی رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ برابر لگے رہے یہاں تک کہ وہ نرم پڑ گئے اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ فوج لے کر پہنچ گئے۔ آپ کے ساتھ جو انصار تھے ان کے ہراول دستہ پر ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ تھے۔ ان سے آگے ثابت بن اقرم اور عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہما کو دشمن کی نقل وحرکت کا پتہ چلانے کے لیے روانہ کیا، ان دونوں کو طلیحہ کا بھتیجا حبال مل گیا اس کو انہوں نے قتل کر دیا۔ طلیحہ کو اس کی خبر ملی، وہ اور اس کا بھائی سلمہ دونوں نکلے، ثابت اور عکاشہ رضی اللہ عنہما سے مقابلہ آرائی ہوئی، طلیحہ نے عکاشہ کو اور سلمہ نے ثابت کو قتل کر دیا۔

جب خالد بن ولید رضی اللہ عنہ پہنچے تو دونوں کو ڈھیر پایا۔ مسلمانوں پر یہ بہت شاق گذرا۔ یہاں سے خالد رضی اللہ عنہ بنو طے کی طرف مڑ گئے۔ وہاں عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے ملے اور ان سے عرض کیا: آپ مجھے تین دن کی مہلت دیں۔ انہوں نے مجھ سے مہلت مانگی ہے تاکہ ان کے جو لوگ طلیحہ سے جا ملے ہیں انہیں یہ واپس بلا لیں، انہیں اس بات کا خطرہ ہے کہ اگر یہ لوگ آپ کا ساتھ دیں تو کہیں طلیحہ ان کے لوگوں کو قتل نہ کر

❶ مسند احمد: ۱/ ۱۷۳، شیخ احمد شاکر نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

❷ ترتيب وتهذيب كتاب البداية والنهاية: خلافة ابي بكر: د/ محمد صامل السّلمي: ۱۰۱ .

❸ فصیل: یعنی اونٹنی کا بچہ۔ ❹ فحل: یعنی نوجوان اونٹ، سانڈ۔

دے اور یہ چیز آپ کو ان کے جہنم رسید ہونے سے زیادہ محبوب ہے۔

جب تین دن گذر گئے تو عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ ان میں سے پانچ سو مجاہدین کے ساتھ حاضر ہوئے، جنھوں نے حق کی طرف رجوع کر لیا تھا اور یہ لشکر خالد میں شامل ہو گئے۔ پھر خالد رضی اللہ عنہ نے بنو جدیلہ کا رخ کیا۔ عدی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: آپ ہمیں کچھ روز کی مہلت دیں میں انہیں لے کر حاضر ہوتا ہوں۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں بھی بچا لے گا جس طرح غوث کو بچایا ہے۔ [1] عدی رضی اللہ عنہ ان کے پاس پہنچے اور برابر ان کے ساتھ لگے رہے، انہوں نے آپ کی بات مان لی اور مسلمان ہو گئے اور ان میں سے ایک ہزار سواروں نے مسلمانوں کی فوج میں شمولیت اختیار کر لی۔ اس طرح عدی رضی اللہ عنہ اپنی قوم کے لیے بہترین سپوت اور عظیم برکت والے ثابت ہوئے۔ [2]

(۳)
مسیلمہ کذاب اور بنو حنیفہ

ا۔ تعارف ومقدمہ:

اس کا نام مسیلمہ بن ثمامہ بن کبیر بن حبیب حنفی ہے، کنیت ابوثمامہ ہے۔ عمر رسیدہ مدعیان نبوت میں سے تھا۔ مثل مشہور ہے: ''مسیلمہ سے بڑھ کر جھوٹا'' اس کی ولادت اور نشوونما یمامہ کی بستی میں ہوئی، جس کو آج جُبیلہ کہا جاتا ہے، جو عیینہ کے قریب نجد کے علاقہ وادیٔ حنیفہ میں واقع ہے۔ جاہلیت میں اس کا لقب رحمٰن تھا اور رحمٰن الیمامہ کے نام سے معروف تھا۔ [3] اس نے عرب وعجم کی سیر کر کے لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے اور غفلت میں مبتلا کرنے کا فن سیکھنا شروع کیا۔ پجاریوں، مجاوروں اور فال وشگون نکالنے والوں کی جعل سازیاں اور کاہنوں، جوتشیوں، شعبدہ بازوں، جادوگروں اور مؤکل رکھنے کے دعویداروں کے مذاہب وطریقے سیکھے۔ اس کی شعبدہ بازیوں میں سے یہ تھا کہ وہ پرندوں کے کٹے ہوئے پر جوڑ دیتا ہے اور انڈے کو بوتل میں داخل کر دیتا ہے۔ [4] مسیلمہ رسول اللہ ﷺ کی مکی زندگی ہی میں نبوت کا دعویدار تھا، لوگوں کو مکہ بھیجتا رہتا تا کہ وہ قرآن کو سن کر آئیں اور اسے بتائیں تا کہ وہ اس طرز پر کلام گھڑے یا اسی کو اپنا کلام کہہ کر لوگوں کے سامنے پیش کرے۔ [5]

۹ ہجری میں جب اسلام پورے جزیرۃ العرب میں عام ہو چکا تھا، مسیلمہ بھی بنو حنیفہ کے وفد کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، لوگوں نے اس کو کپڑے میں چھپا رکھا تھا۔ جب یہ آپ ﷺ سے ملا تو آپ سے گفتگو کی، آپ کے دست مبارک میں کھجور کی شاخ تھی۔ آپ نے اس سے فرمایا: اگر تم مجھ سے یہ شاخ طلب کرو تو میں تمھیں یہ بھی نہیں دوں گا۔ [6]

---

[1] البدایة والنهایة، تهذیب وترتیب: محمد السلمی، خلافة ابی بکر ۱۰۲ .
[2] البدایة والنهایة: ٦/ ٣٢٢ . [3] حروب الردة وبناء الدولة: احمد سعید ۱۲۳ ، الزِّرکلی: ۲/ ۱۲۵ .
[4] حرکة الردة للعتوم: ۷۱ . [5] البدء والتاریخ: ٥/ ١٦٠ ، للمقدسی بحواله حرکة الردة ۷۱ .
[6] السیرة النبویة لابن هشام: ۲/ ٥٧٦-٥٧٧ .

۲۔ رسول اللہ ﷺ کے نام مسیلمہ کا خط اور اس کا جواب:

ہجرت کے دسویں سال جب رسول اللہ ﷺ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو اس خبیث کو جرأت ہوئی اور اس نے اس زعم میں مبتلا ہو کر رسول اللہ ﷺ کو خط تحریر کیا کہ اس کو آپ کے ساتھ نبوت میں شرکت حاصل ہے۔ اس خط کو عمرو بن جارود حنفی نے لکھا اور عبادہ بن حارث حنفی معروف بہ ابن نواحہ کے ہاتھ ارسال کیا۔ اس خط کا متن یہ ہے:

''مسیلمہ رسول اللہ کی طرف سے محمد رسول اللہ کے نام۔ اما بعد!

نصف زمین ہماری ہے اور نصف قریش کی لیکن قریش انصاف نہیں کرتے۔''[1]

رسول اللہ ﷺ نے اس کے خط کا جواب دیا، ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے یہ جواب تحریر کیا جس کا متن یہ ہے:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد نبی کی طرف سے مسیلمہ کذاب کے نام۔ اما بعد!

زمین اللہ کی ہے، اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے، اس کا وارث بناتا ہے، اور انجام کار متقیوں کے لیے ہے، جو ہدایت کی پیروی کرے اس کو سلام۔''[2]

مسیلمہ کذاب نے اپنا خط دو آدمیوں کے ذریعہ سے ارسال کیا تھا جن میں سے ایک ابن نواحہ مذکور تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ اس خط سے مطلع ہوئے تو ان دونوں سے فرمایا: تم دونوں کیا کہتے ہو؟ انھوں نے کہا: ہم وہی کہتے ہیں جو مسیلمہ نے کہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر سفیروں کو قتل کرنا صحیح ہوتا تو میں تمھاری گردن اڑا دیتا۔[3]

مسیلمہ کذاب کا قتل:

مسلمان مرتدین سے قتال کرتے ہوئے مسیلمہ کذاب تک پہنچ گئے، وہ ایک دیوار کے شگاف کے درمیان کھڑا ہوا تھا، جیسے خاکستری اونٹ ہو۔ وہ بچاؤ اور سہارے کی تلاش میں تھا، غصہ سے پاگل ہو چکا تھا۔ جب اس کا شیطان اس پر سوار ہوتا تو اس کے منہ سے جھاگ نکلتی، اسی حالت میں جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کے غلام وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ جنھوں نے غزوۂ احد میں حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تھا، آگے بڑھے اور اپنا حربہ پھینک کر مارا، وہ مسیلمہ کو جا لگا اور دوسری طرف سے پار ہو گیا۔ پھر جلدی سے ابودجانہ سماک بن خرشہ رضی اللہ عنہ اس کی طرف بڑھے، اس پر تلوار چلائی اور وہ زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ قصر سے ایک عورت پکار اٹھی: ''حسن و جمال کے پیکر امیر کو کالے کلوٹے غلام نے قتل کر دیا۔'' باغ اور معرکہ میں قتل ہونے والے مرتدین کی تعداد تقریباً دس ہزار تھی، اور ایک روایت میں اکیس ہزار بھی وارد ہے، اور جام شہادت نوش کرنے والے مسلمانوں کی تعداد چھ سو تھی، اور ایک روایت میں پانچ سو وارد

---

[1] تاریخ الطبری: ۳/ ۳۸۶.
[2] تاریخ الطبری: ۳/ ۳۸۷.
[3] تاریخ الطبری: ۳/ ۳۸۶.

ہے، واللہ اعلم! شہید ہونے والوں میں کبار صحابہ شامل ہیں جن کا ذکر آگے آرہا ہے۔

سیدنا خالد رضی اللہ عنہ مقتولین کا جائزہ لینے کے لیے نکلے، آپ کے پیچھے مجاعہ بن مرارہ بیڑیوں میں جکڑا ہوا چل رہا تھا۔ آپ اسے مقتولین کو دکھاتے تاکہ مسیلمہ کی شناخت کر سکے، رجال بن عنفوہ کے پاس سے گزر ہوا، آپ نے مجاعہ سے دریافت کیا: کیا یہی مسیلمہ ہے؟ اس نے کہا: نہیں، یہ اس سے بہتر ہے، یہ رجال بن عنفوہ ہے۔ پھر ایک زرد رنگ اور چپٹی ناک والے شخص کے پاس سے گزر ہوا، خالد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمھارے صاحب یہی ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے اسی کی اتباع کی وجہ سے تو تمھیں برباد کیا ہے۔ پھر خالد رضی اللہ عنہ نے شہسواروں کو یمامہ کے اطراف میں بھیجا تاکہ قلعوں کے اطراف میں جو مال اور قیدی ملیں انھیں لے آئیں۔ ❶

معرکہ یمامہ کے بعض شہداء:

١۔ ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ
٢۔ زید بن خطاب رضی اللہ عنہ
٣۔ معن بن عدی بلوی رضی اللہ عنہ
٤۔ عبداللہ بن سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہما
٥۔ ابو دجانہ سماک بن خرشہ رضی اللہ عنہ
٦۔ عباد بن بشر رضی اللہ عنہ
٧۔ طفیل بن عمرو الدوسی الازدی

قرآن کی جمع وتدوین:

معرکہ یمامہ میں جام شہادت نوش کرنے والے مسلمانوں میں بہت سے حفاظ قرآن تھے۔ اس کے نتیجہ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے قرآن کو جمع کرنے کا اہتمام فرمایا۔ قرآن کو جھلّیوں، ہڈیوں، کھجور کی شاخوں اور لوگوں کے سینوں سے جمع کیا گیا۔ ❷ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس عظیم کام کی ذمہ داری جلیل القدر صحابی زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو سونپی۔ زید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ معرکہ یمامہ کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے بلوایا، میں وہاں پہنچا تو آپ کے پاس عمر رضی اللہ عنہ تشریف فرما تھے۔ آپ نے مجھ سے فرمایا:

> ''عمر میرے پاس آئے اور انھوں نے کہا کہ معرکہ یمامہ میں بہت سے حفاظ قرآن شہید ہو گئے ہیں اور مجھے خطرہ ہے کہ اسی طرح دوسرے مقامات پر بھی حفاظ کی شہادت ہوئی تو اس طرح بہت سا حصہ قرآن کا ضائع ہوسکتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ آپ قرآن جمع کرنے کا حکم صادر فرمائیں۔ میں نے عمر سے کہا: میں وہ کام کیسے کروں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔ ❸ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: واللہ یہ خیر ہے،

❶ البداية والنهاية: ٦/ ٣٣٠. ❷ حروب الردة: احمد سعيد ١٤٥.

❸ اس کا قوی احتمال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کو مصحف میں اس لیے جمع نہیں کیا کیونکہ قرآن کا نزول جاری تھا اور ناسخ ومنسوخ کا سلسلہ چل رہا تھا (اور کبھی کوئی آیت نازل ہوتی اور کبھی کوئی، اور جبریل علیہ السلام آپ کو بتاتے کہ اس آیت کو فلاں سورت میں فلاں آیت سے پہلے اور فلاں کے بعد رکھا جائے) اس لیے جمع کرنا ممکن نہ تھا لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ساتھ نزول قرآن کا سلسلہ منقطع ہوگیا تو اللہ تعالیٰ نے خلفائے راشدین کو الہام کیا اور انھیں شرح صدر عطا کردیا۔ سيرة وحياة الصديق: ١٢٠.

اور برابر اس سلسلہ میں اصرار کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ نے مجھے اس چیز کا شرح صدر کر دیا جس کا شرح صدر عمر کو کیا تھا اور میری بھی وہی رائے ہے جو عمر کی ہے۔ تم عقلمند نوجوان ہو، تم پر ہم کوئی اتہام نہیں پاتے، اور تم رسول اللہ ﷺ کے لیے وحی لکھا کرتے تھے۔ لہٰذا تم قرآن کو تلاش کر کے جمع کرو۔‘‘

زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

’’واللہ! اگر مجھے کسی پہاڑ کو منتقل کرنے کا حکم فرماتے تو یہ جمع قرآن کے مقابلہ میں مجھ پر زیادہ مشکل نہ ہوتا۔ پھر میں نے قرآن کو کھجور کی شاخوں، پتھر کی سلوں، لوگوں کے سینوں، جھلیوں اور ہڈیوں سے تلاش کر کے جمع کیا۔ یہاں تک کہ سورۂ توبہ کی آخری آیات مجھے صرف ابوخزیمہ انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس ملیں ﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿١٢٨﴾﴾ (التوبة: ۱۲۸) سے لے کر سورت کے آخر تک۔ اور یہ مصحف ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس رہا اور جب آپ کی وفات ہوگئی تو عمر رضی اللہ عنہ کے پاس رہا اور پھر آپ کی وفات کے بعد حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما کے پاس رہا۔‘‘ [1]

اس حدیث کی تعلیق میں امام بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث میں واضح بیان موجود ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قرآن کو دو دفتوں (گتوں) کے درمیان بالکل اسی طرح جمع کر دیا جس طرح اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ پر نازل فرمایا تھا، نہ اس میں اضافہ کیا اور نہ اس میں کسی طرح کی کمی کی۔ اور جس چیز نے انھیں قرآن کو جمع کرنے پر ابھارا وہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ قرآن کھجور کی شاخوں، ہڈیوں اور لوگوں کے سینوں میں متفرق تھا، جس کی وجہ سے حفاظ قرآن کے نہ رہنے کی صورت میں اس کے بعض حصوں کے ضائع ہونے کا خطرہ محسوس ہوا، لہٰذا وہ خلیفہ رسول کے پاس پہنچے اور ان سے قرآن جمع کرنے کا مطالبہ کیا۔ آپ نے بھی ان کی رائے سے اتفاق کیا اور اس طرح تمام صحابہ کے اتفاق سے قرآن ایک جگہ جمع کرنے کا حکم فرمایا، پھر قرآن کو جس طرح رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا اسی طرح لکھا۔ اس میں ذرا بھی تقدیم و تاخیر نہ کی اور نہ اپنی طرف سے اس کی ترتیب رکھی بلکہ جس طرح رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا اسی طرح مرتب کیا۔ رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام کو جس طرح قرآن نازل ہوتا اسی ترتیب سے سکھاتے جس ترتیب سے آج ہمارے مصاحف میں موجود ہے اور یہ ترتیب جبریل امین علیہ السلام کی توقیف سے تھی۔ جب بھی کوئی آیت نازل ہوتی جبریل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کو بتاتے کہ اس آیت کو فلاں سورت میں فلاں آیت کے بعد لکھا جائے۔ [2]

---

[1] البخاري: ٤٩٨٦.

[2] شرح السنة للبغوي: ٤/ ٥٢٢.

اس طرح قارئین کے سامنے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن کو سب سے پہلے ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جمع کیا۔

صعصعہ بن صوحان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سب سے پہلے جس نے قرآن کو دو دفتوں (گتوں) کے مابین جمع کیا اور کلالہ کی تشریح کی وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔[1]

علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اللہ ابوبکر رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے، انھوں نے سب سے پہلے قرآن کو دو دفتوں کے درمیان جمع فرمایا۔[2]

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس عظیم کام کے لیے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا انتخاب فرمایا کیونکہ آپ نے اس کام کے لیے اساسی صلاحیتوں کو ان کے اندر پایا اور وہ یہ ہیں:

- آپ نوجوان تھے، اس وقت ان کی عمر صرف اکیس سال تھی، اس صورت میں آپ اس کام کے لیے زیادہ موزوں تھے۔
- آپ اس کی اہلیت زیادہ رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عقل رسا عطا فرمائی تھی۔ اس لیے آپ اس کام کو بدرجہ اتم کر سکتے تھے۔ اللہ نے آپ کے لیے خیر کا راستہ آسان کر دیا تھا۔
- آپ ثقہ اور قابل اعتماد تھے، آپ پر کوئی اتہام اور عیب نہیں تھا۔ اس لیے آپ کا عمل سب کے نزدیک قابل قبول تھا اور سب کے دل مطمئن اور نفوس راغب تھے۔
- آپ کاتب وحی تھے، لہٰذا اس سلسلہ میں آپ کو تجربہ تھا، عملی طور پر اس کو کر چکے تھے، آپ اس کام کے لیے کوئی نئے نہیں تھے۔[3] انہی اوصاف کی وجہ سے ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جمع قرآن کے لیے آپ کو منتخب فرمایا اور آپ اس کے لیے انتہائی موزوں ومناسب اور تجربہ کار تھے۔
- مزید برآں آپ ان چار افراد میں سے تھے جنھوں نے نبی کریم ﷺ کے دور میں قرآن کو مکمل حفظ کر رکھا تھا چنانچہ قتادہ نے انس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ نبی کریم ﷺ کے دور میں کن لوگوں نے قرآن کو مکمل حفظ کیا تھا؟ فرمایا: چار افراد تھے اور وہ سب انصار میں سے تھے: ابی بن کعب، معاذ بن جبل، زید بن ثابت اور ابوزید رضی اللہ عنہم۔[4]

سیّدنا زید رضی اللہ عنہ نے جمع قرآن کے لیے جو طریقہ اختیار کیا وہ یہ تھا کہ کوئی نوشتہ اس وقت قرآن میں شامل

---

[1] ابن ابی شیبۃ: ۷/ ۱۹۶ . کلالہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے میں جس کے نہ والدین ہوں اور نہ اولاد۔ آپ فرماتے ہیں کلالہ کے سلسلہ میں میری رایک رائے ہے اگر صحیح ہے تو من جانب اللہ ہے اور اگر غلط ہے تو میری طرف سے اور شیطان کی طرف سے ہے۔ کلالہ: والدو اولاد کے ماسوا یعنی بھائی بہن ہیں۔ دیکھیے: موسوعۃ فقہ ابی بکر الصدیق: ۳۶ .

[2] ابن ابی شیبۃ: ۷/ ۱۹۶ .

[3] التفوُّق والنَّجابة علی نهج الصحابة: حمد العجمی ۷۳ .

[4] سیر أعلام النبلاء: ۲/ ۴۳۱ .

کرتے جب کہ وہ نبی کریم ﷺ کے سامنے تحریر کیا گیا ہو اور صحابہ نے اس کو حفظ کر رکھا ہو۔ صرف حفظ پر اعتماد نہیں کرتے تھے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ حفظ میں خطا یا وہم واقع ہو گیا ہو۔ اور کسی کی تحریر کا اس وقت تک اعتبار نہ کرتے جب تک دو گواہ اس بات کی گواہی نہ دے دیں کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے تحریر کیا گیا ہے اور یہ انہی وجوہ (قراءتوں) میں سے ہے جن پر قرآن کا نزول ہوا ہے۔[1] اسی منہج پر زید رضی اللہ عنہ جمع قرآن پر قائم رہے۔ پوری احتیاط سے کام لیا اور انتہا درجہ کی دقت نظری اور تحری سے قرآن کو لکھا۔

اسی طرح زید رضی اللہ عنہ ان حضرات میں پیش پیش تھے جنھوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں مصاحف کو تیار کیا[2] جس کی تفصیل ان شاء اللہ اپنے مقام پر آئے گی۔

[1] التفوق والنجابة علی نہج الصحابة: ٧٤.

[2] التفوق والنجابة علی نہج الصحابة: ٧٤.

چوتھا باب:

دورِ صدیقی کی فتوحات
خلافت عمر اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات

جیسے ہی ارتداد کی جنگ ختم ہوئی اور جزیرۂ عرب میں استقرار بحال ہوگیا جو فتنہ ارتداد سے منتشر ہو چکا تھا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فتوحات کے سلسلہ میں اپنے منصوبہ کی تنفیذ شروع کر دی جس کے نقوش رسول اللہ ﷺ نے وضع کیے تھے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فتح عراق کے لیے دو افواج تیار کیں اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ساتھ عراق میں مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ ضم ہو گئے۔ پھر ان دونوں فوجوں نے آگے بڑھتے ہوئے کئی علاقے فتح کیے۔ جن میں سے چند ایک ملاحظہ فرمائیں:

(۱)......فتوحات عراق

۱۔ معرکہ ذات السلاسل
۲۔ معرکہ مذار (ثنی)
۳۔ معرکہ ولجہ
۴۔ معرکہ "أُلَّیس" اور فتح "امغیشیا"
۵۔ فتح حیرہ
۶۔ انبار (ذات العیون) کی فتح
۷۔ عین التَّمر
۸۔ دومۃ الجندل
۹۔ حُصَید کا معرکہ
۱۰۔ معرکہ مُصَیَّخ
۱۱۔ معرکہ فِراض

[تفصیل ملاحظہ ہو: سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ص: ۳۹۷ تا ۴۲۴۔ از ڈاکٹر محمد الصلابی]

(۲)......فتوحاتِ شام

رسول اللہ ﷺ کے دور ہی سے مسلمانوں کے یہاں شام کے سلسلہ میں اہتمام پایا جاتا تھا چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے روم کے بادشاہ ہرقل کو خط تحریر فرما کر اس کو اسلام کی دعوت دی۔ عرب پر قیصر کے عامل اور بلقائے [1] شام کے غسانی بادشاہ حارث بن ابی شمر غسانی کو اسلام کی دعوت دیتے ہوئے خط تحریر کیا لیکن اسے گناہ کا غرور سوار ہوا اور رسول اللہ ﷺ سے جنگ کی ٹھان لی مگر قیصر نے اسے اس سے منع کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے زید ابن حارثہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں شام کی طرف فوج روانہ کی۔ موتہ کے مقام پر معرکہ آرائی ہوئی، جس میں زید

[1] شام اور وادی القریٰ کے درمیان کا علاقہ جس کا صدر مقام عمان ہے۔

بن حارثہ، جعفر بن ابی طالب اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم یکے بعد دیگرے شہید ہوئے۔ ان کے بعد اسلامی لشکر کی قیادت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے سنبھالی اور ایک کامیاب فوجی چال چلی جس نے اس علاقہ کے لوگوں کے دلوں میں بڑا گہرا اثر چھوڑا۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس معرکہ کے ذریعہ سے شام میں ظالم رومی سلطنت کو ختم کرنے کے لیے پیش قدمی کی اور اس کے لیے اصول و بنیاد وضع فرمائی اور عربوں کے دل سے روم کی ہیبت ختم کی اور مسلمانوں کو اس بابرکت مقصد کی تکمیل کے لیے مادی اور معنوی تیاری پر ابھارا بلکہ غزوہ تبوک میں خود قیادت فرمائی اور روم کے ساتھ میدانی جھڑپ کے ذریعہ سے مسلمانوں نے رومی فوج کی حقیقت کو جانا، ان کے جنگی اسلوب کی معرفت حاصل کی اور ان غزوات کے ذریعہ سے باشندگان شام کو اسلام کے اصول و مبادی اور اہداف کو سمجھنے کا موقع ملا، جس کے نتیجہ میں بہت سے لوگ مسلمان ہوئے پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ اس منہج پر قائم رہے جسے رسول اللہ ﷺ نے وضع فرمایا تھا۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد لشکر اسامہ کو روانہ کرنے پر مصر رہے اور جب ذوالقصہ کے مقام پر آپ نے مختلف فوجی دستے اور ان کے قائدین کو مقرر کیا تو خالد بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک دستہ شام کی حدود کی طرف روانہ کیا اور انھیں حکم فرمایا کہ وہ تیماء [1] کے مقام پر مسلمانوں کے لیے پشت پناہ رہیں۔ وہاں سے بغیر ان کے حکم کے ہٹیں نہیں اور صرف ان سے قتال کریں جو ان کے مقابلہ میں آئیں۔ اس کی خبر ہرقل کو پہنچی۔ اس نے روم کے ہم نوا عرب قبائل بہراء، سلیح، کلب، لخم، جذام اور غسان کی فوج تیار کی۔ اس کی خبر ملتے ہی خالد بن سعید رضی اللہ عنہ نے ان کا رخ کیا اور ان کے مقام پر جا پہنچے، وہ سب خوف زدہ ہو کر منتشر ہو گئے۔ آپ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع بھیجی پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انھیں بذریعہ خط اقدام کرنے کا حکم فرمایا [1] اور حکم دیا کہ روم کی شیرازہ بندی سے پہلے ہی ان پر ٹوٹ پڑو اور نصیحت فرمائی کہ واپسی کی راہ محفوظ رکھنا اور دشمن کی سرزمین میں بہت زیادہ نہ گھس جانا اور خلیفہ نے جوابی خط میں تحریر فرمایا: آگے بڑھو، رکو نہیں اور اللہ سے مدد طلب کرو۔ خالد رضی اللہ عنہ بڑھے اور ''بحر مردار'' کے راستہ قسطل تک پہنچ گئے اور بحر مردار کے مشرقی ساحل پر رومی فوج کو شکست دے دی اور پھر آگے بڑھے۔ اس پر رومی آپے سے باہر ہو گئے اور تیماء سے زیادہ فوج اکٹھی کر لی۔ خالد رضی اللہ عنہ نے ان کا اتحاد اور جمع ہونا دیکھا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خط تحریر کیا اور صورت حال بیان کرتے ہوئے مدد طلب کی۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عکرمہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں متبادل فوج روانہ کی [2] اور پھر ولید ابن عقبہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں دوسری فوج روانہ کی جب یہ سب افواج خالد بن سعید کے پاس پہنچ گئیں تو

[1] تیماء: شام کے اطراف میں شام اور وادی القریٰ کے درمیان واقع ہے۔

[1] إتمام الوفاء في سيرة الخلفاء: محمد الخضري: ٥٤ .

[2] عکرمہ رضی اللہ عنہ کندہ وحضر موت سے یمن ومکہ کے راستہ واپس ہوئے، جب آپ مدینہ پہنچے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ کو حکم فرمایا کہ خالد بن سعید کی مدد کے لیے روانہ ہو جاؤ۔ عکرمہ رضی اللہ عنہ نے اپنی فوج کو جس نے آپ کے ساتھ حروب ارتداد میں شرکت کی تھی چھٹی دے دی تھی۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کے بدلہ دوسری فوج تیار کی اور انھیں حکم دیا کہ عکرمہ کے پرچم تلے شام کے لیے روانہ ہو جائیں۔

انھیں رومیوں پر حملہ آور ہونے کا حکم دیا اور مرج الصفر کا راستہ لیا۔ ادھر رومی کمانڈر ماہان اپنی فوج لے کر اترا اور اسلامی فوج سے قریب ہوتا رہا جو بحر مردار کے جنوب کی طرف متوجہ ہو کر بحیرۂ طبریہ کے مشرقی کنارے مرج الصفر میں پہنچ چکی تھی۔ مسلمانوں کے خلاف موقع کو غنیمت جانتے ہوئے مسلمانوں پر حملہ کر کے شکست دے دی۔ ماہان کو سعید بن خالد رضی اللہ عنہ ایک فوجی دستے کے ساتھ ملے، اس نے سعید سمیت سب کو قتل کر دیا۔ خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کو جب بیٹے کے قتل کی خبر ملی تو اپنے ساتھیوں کے ایک دستہ کے ساتھ گھوڑوں پر سوار ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے اور عکرمہ رضی اللہ عنہ بقیہ فوج کو لے کر شام کی سرحد تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ [1]

سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا سپہ سالاروں کو متعین کرنا اور فوج کو روانہ کرنا:

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فوج کو شام بھیجنے کا عزم کر لیا، لوگوں کو جہاد کی دعوت دی اور شام کو فتح کرنے کے لیے چار افواج تیار کیں:

- لشکر یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما:...... یہ پہلا لشکر تھا جو شام کی طرف آگے بڑھا۔
- لشکر شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ:...... پہلے لشکر کی روانگی کے تین دن بعد شرحبیل رضی اللہ عنہ روانہ ہوئے۔
- لشکر ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ:...... اس کی تعداد تین سے چار ہزار تھی اس کی منزل حمص تھی۔
- لشکر عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ:...... امیر المؤمنین نے اس لشکر کو فلسطین روانہ کیا۔

[تفصیل ملاحظہ ہو: سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ص: ۴۴۱ تا ۴۵۰۔ از ڈاکٹر محمد الصلابی]

خالد رضی اللہ عنہ کو شام کی طرف روانہ کرنا اور معرکہ اجنادین ویرموک:

۱. معرکہ اجنادین :...... خالد رضی اللہ عنہ شام پہنچے، بصریٰ فتح کیا، قائدین اسلام؛ ابوعبیدہ بن جراح، شرحبیل بن حسنہ، یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم سے ملے، عسکری صورت حال کا جائزہ لیا، دقیق تفصیلات پر مطلع ہوئے۔

اس طرح اسلامی فوج کی تعداد تقریباً تیس ہزار ہوگئی۔ خالد رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کے ساتھ مناسب وقت پر پہنچے اور گھمسان کی جنگ شروع ہوئی۔ خالد اور عمرو رضی اللہ عنہما کی عسکری مہارت کا اس فیصلہ کن فتح میں کافی دخل رہا۔ چنانچہ خطرات سے کھیلنے والی فوج کو مقرر کیا گیا، جو دشمن کی صفوں کو چیرتی ہوئی رومی جرنیل تک پہنچ گئی اور اس کا کام تمام کر دیا۔ جرنیل کے قتل ہوتے ہی رومی فوج ہمت ہار گئی اور مختلف سمتوں کی طرف راہ فرار اختیار کی۔ [2]

۲. معرکہ یرموک :...... اس معرکہ میں خالد رضی اللہ عنہ کی قیادت میں مسلمانوں کی تعداد چالیس ہزار اور بعض روایات کے مطابق پینتالیس (۴۵) ہزار۔ دوسری طرف دشمن کی تعداد دو لاکھ چالیس ہزار تھی جس کی قیادت تھیوڈر کر رہا تھا۔

---

[1] ابوبکر الصدیق: نزار الحدیثی، د. خالد الجنابی ۵۸۔
[2] ابوبکر رضی اللہ عنہ: نزار الحدیثی ۷۰۔

(۳)......عمر رضی اللہ عنہ کا استخلاف اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات

ا۔ عمر رضی اللہ عنہ کا استخلاف:

جمادی الآخر ۱۳ ہجری میں ابوبکر رضی اللہ عنہ بیمار پڑے اور آپ کی بیماری بڑھتی رہی۔ [1] جب بیماری بہت زیادہ بڑھ گئی اور آپ کو اپنے سلسلہ میں اندازہ ہو گیا تو لوگوں کو جمع کیا اور فرمایا: ''میری حالت تم لوگ دیکھ رہے ہو اور میرا خیال ہے کہ میں اس بیماری میں بچوں گا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے ہاتھ میری بیعت سے کھول دیے ہیں اور تمھارا معاملہ تمھارے حوالے کر دیا ہے، تو تم لوگ جس کو چاہو اپنا امیر بنا لو۔ اگر تم نے میری زندگی میں امیر منتخب کر لیا تو یقین ہے کہ میرے بعد اختلاف نہ کرو گے۔'' [2]

۲۔ نئے خلیفہ کے انتخاب کے لیے ابوبکر رضی اللہ عنہ کا متعدد کارروائیاں عمل میں لانا:

ا......مہاجرین وانصار میں سے کبار صحابہ سے مشورہ کیا۔ ہر ایک اس ذمہ داری کو اٹھانے سے فرار اختیار کرتا اور جس کے اندر اہلیت سمجھتا اس کی طرف اشارہ کرتا۔ آخر کار سب نے یہ معاملہ آپ کے سر چھوڑ دیا اور عرض کیا: ہماری وہی رائے ہے جو آپ کی رائے ہے۔ فرمایا: مجھے موقع دو، دیکھو اللہ، اس کے دین اور اس کے بندوں کے لیے کون مناسب ہے پھر آپ نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا:

مجھے عمر بن خطاب کے بارے میں بتلاؤ؟

عرض کیا: آپ کو ہم سے زیادہ خبر ہے۔

فرمایا: اس کے باوجود اے ابوعبداللہ!

عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: جس چیز سے متعلق آپ مجھ سے دریافت کرتے ہیں اسے آپ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگرچہ؟

عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: واللہ وہ تو ان سے متعلق آپ کی رائے سے کہیں زیادہ افضل ہیں۔

پھر آپ نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا:

مجھے عمر بن خطاب کے بارے میں بتلاؤ؟

عثمان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: واللہ! میرے علم کے مطابق ان کا باطن ان کے ظاہر سے بہتر ہے اور ہم میں کوئی بھی ان کے ہم پلہ نہیں۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تم پر رحم کرے، کاش یہ خوبیاں بیان کرنا چھوڑ دیتے۔

---

[1] البدایة والنهایة: ۷/ ۱۸، تاریخ الطبری: ٤/ ۲۳۸.

[2] التاریخ الاسلامی: ۹/ ۲۵۸.

پھر آپ نے اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان کے سامنے بھی یہی بات رکھی۔

اسید نے عرض کیا: میں انھیں آپ کے بعد سب سے بہتر جانتا ہوں، اللہ کی رضا مندی کی چیزوں سے خوش ہوتے ہیں اور اس کی ناراضی کی چیزوں پر ناراض ہوتے ہیں۔ ان کا باطن ان کے ظاہر سے بہتر ہے۔ ان سے بڑھ کر خلافت کی طاقت کوئی نہیں رکھتا۔

اسی طرح ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سعید بن زید رضی اللہ عنہ اور دیگر مختلف انصار ومہاجرین سے مشورہ کیا۔ سب نے تقریباً عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایک ہی رائے دی۔ صرف طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ کی سختی سے خوف کا اظہار کیا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا: عمر رضی اللہ عنہ کے استخلاف سے متعلق اللہ جب آپ سے پوچھے گا تو آپ کیا جواب دیں گے جبکہ آپ کو ان کی سختی معلوم ہے؟

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے بٹھاؤ، کیا مجھے اللہ کا خوف دلاتے ہو؟ وہ ناکام ونامراد ہوا جو ظلم لے کر جائے۔ میں اللہ سے عرض کروں گا: میں نے تیرے بندوں میں سب سے بہتر کو خلیفہ مقرر کیا ہے۔ [1]

جن لوگوں نے عمر رضی اللہ عنہ کی سختی کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرائی، ان سے فرمایا: ان کی سختی اس وجہ سے ہے کہ وہ مجھے نرم دیکھ رہے ہیں جب خلافت کی ذمہ داری ان کے سر پر پڑے گی تو بہت سی سختیاں ان کی ختم ہو جائیں گی۔ [2]

عمر رضی اللہ عنہ امت کے لیے مضبوط بند تھے جس نے امت کو فتنوں کی موجوں سے محفوظ رکھا۔ [3]

۲...... ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے منصوبہ سے آگاہ کیا۔ چنانچہ جب عمر رضی اللہ عنہ آپ کے پاس آئے تو آپ نے انھیں اپنے عزائم کی خبر دی، انھوں نے قبول کرنے سے انکار کیا، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انھیں تلوار کی دھمکی سنائی، تو پھر عمر رضی اللہ عنہ کے پاس قبول کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہ رہا۔ [4]

۳...... عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وصیت:

ابوبکر رضی اللہ عنہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ خلوت میں ہوئے اور ان کو اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہوتے ہوئے مختلف وصیتیں فرمائیں۔ امت کے لیے پوری کوشش ومحنت کے بعد آپ نے یہ چاہا کہ جب رب العالمین سے ملیں تو ہر ذمہ داری سے بری ہوں۔ [5] چنانچہ وصیت کرتے ہوئے آپ نے فرمایا: اے عمر! اللہ سے ڈرو اور یاد رکھو، اللہ تعالیٰ نے دن میں کچھ اعمال مقرر کیے ہیں جنھیں رات میں قبول نہیں کرتا اور رات میں کچھ اعمال مقرر

---

[1] الکامل لابن الاثیر: ۲/ ۷۹، التاریخ الاسلامی: محمود شاکر ۱۰۱ .

[2] الکامل لابن الاثیر: ۲/ ۷۹ . [3] ابوبکر رجل الدولۃ: ۱۰۰ .

[4] مآثر الإنافۃ للقلقشندی: ۱/ ۴۹ .

[5] دراسات فی عہد النبوۃ والخلافۃ الراشدۃ: ۲۷۲ .

کیے ہیں جنہیں دن میں قبول نہیں کرتا۔ جب تک فرض ادا نہ کیا جائے نفل قبول نہیں کرتا۔ حقیقت میں میزان اس کا بھاری ہے جس کا میزانِ عمل قیامت کے دن دنیا میں اتباع حق کی وجہ سے بھاری ہو اور حق ہے کہ وہ میزان بھاری ہوگا جس میں قیامت کے دن حق رکھا جائے اور اس کا میزان ہلکا ہے جس کا میزان قیامت کے دن باطل کی اتباع کی وجہ سے ہلکا پڑ جائے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کا ذکر فرمایا تو انھیں ان کے اچھے اعمال کے ساتھ ذکر کیا اور برے اعمال سے تجاوز کیا۔ جب میں نے ان کو یاد کیا تو میں نے کہا: مجھے خوف ہے کہ میں ان لوگوں کا ساتھ نہ پا سکوں اور اللہ تعالیٰ نے اہل جہنم کا ذکر فرمایا اور ان کے برے اعمال کو بیان کیا اور اچھے اعمال کو لوٹا دیا۔ جب میں نے ان کو یاد کیا تو کہا: مجھے امید ہے کہ میں ان لوگوں میں سے نہ ہوں تا کہ بندہ رغبت و رہبت کے ساتھ زندگی گذارے، نہ تو اللہ سے غلط امیدیں باندھے اور نہ اللہ کی رحمت سے ناامید ہو۔ اگر تم میری وصیت کو یاد رکھو تو تیرے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض موت نہ ہو، اور تم موت کو عاجز کرنے والے نہیں ہو۔ [1] (مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، ص: ۴۹۵ از ڈاکٹر محمد الصلابی)

۳۔ موت کا وقت قریب آ گیا:

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: ابوبکر رضی اللہ عنہ کی موت کا آغاز یوں ہوا کہ آپ نے غسل فرمایا، یہ انتہائی سرد دن تھا۔ آپ پر بخار طاری ہو گیا اور پندرہ دن تک بخار میں مبتلا رہے، نماز کے لیے نہیں نکل سکتے تھے۔ آپ کے حکم سے عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کو نماز پڑھاتے، صحابہ برابر آپ کی عیادت کے لیے آتے رہتے اور عثمان رضی اللہ عنہ برابر آپ کے ساتھ لگے رہتے۔ [2] جب آپ کی بیماری بڑھ گئی، لوگوں نے عرض کیا: کیا آپ کے لیے طبیب کو نہ بلائیں؟ آپ نے فرمایا: طبیب نے مجھے دیکھا ہے اور اس نے کہا ہے کہ یقیناً میں جو چاہتا ہوں کر گزرتا ہوں۔ [3]

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: دیکھو، جب سے میں خلافت میں داخل ہوا ہوں میرے مال میں کتنا اضافہ ہوا ہے۔ اس کو میرے بعد کے خلیفہ کے حوالے کر دو۔ جب ہم نے حساب کیا تو ایک نوبی غلام تھا جو آپ کے بچوں کو اٹھایا کرتا تھا اور دوسرا ایک اونٹ تھا جو آپ کے باغ کو سیراب کرتا تھا۔ ہم نے ان دونوں کو عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا، یہ دیکھ کر عمر رضی اللہ عنہ رو پڑے اور کہنے لگے: اللہ ابوبکر پر رحم فرمائے، انھوں نے اپنے بعد والوں کو بری طرح تھکا دیا۔ [4]

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب ابوبکر رضی اللہ عنہ مرض الموت میں مبتلا ہوئے، میں آپ کی خدمت میں

---

[1] صفة الصفوة: ۱/ ۲٦٤-۲٦٥ .
[2] اصحاب الرسول ﷺ: محمد المصری ۱/ ۱۰٤ .
[3] ترتیب وتهذیب البدایة والنهایة: ۳۳ .
[4] صفة الصفوة: ۱/ ۲٦٥ .

حاضر ہوئی، موت کے عوارض آپ کو لاحق ہو رہے تھے، آپ کا سانس آپ کے سینے میں تھا، اس موقع کی مناسبت سے میں نے یہ شعر پڑھا:

لَعَمْرُكَ مَا يُغْنِي الثَّرَاءُ عَنِ الْفَتٰى
إِذَا حَشْرَجَتْ يَوْمًا وَضَاقَ بِهَا الصَّدْرُ

''تمھارے دین کی قسم! مال و دولت نوجوان کو مفید نہیں ہو سکتا جبکہ روح اٹک جائے اور سینہ تنگ ہو جائے۔''

آپ نے میری طرف غصہ کی حالت میں دیکھا اور فرمایا: ام المومنین! یوں نہیں بلکہ اللہ کا فرمان سچ ہے:

﴿وَ جَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ ﴾ (قٓ: ۱۹)

''اور موت کی بے ہوشی حق لے کر آ پہنچی، یہی ہے جس سے تو بدکتا پھرتا تھا۔''

پھر فرمایا: اے عائشہ! تو میرے گھر والوں میں سب سے زیادہ مجھے محبوب ہے، میں نے تجھے ایک باغ ہدیہ میں دیا تھا لیکن اس سلسلہ میں میں اپنے جی میں کھٹک محسوس کر رہا ہوں، لہٰذا تم اسے میراث میں لوٹا دو۔ پھر ام المومنین نے اسے لوٹا دیا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب سے میں نے خلافت سنبھالی ہے ایک درہم و دینار بھی مسلمانوں کا نہیں کھایا ہے لیکن ہم نے ان کے بھوسی دار غلے کھائے ہیں اور موٹے کپڑے پہنے ہیں اور مسلمانوں کے لیے مال فے میں سے میرے پاس قلیل یا کثیر کچھ بھی نہیں ہے سوائے اس حبشی غلام اور سینچائی کے اونٹ کے۔ ان کو الگ کر دو اور جب میری وفات ہو جائے تو اسے عمر کے پاس بھیج دینا اور میرا دامن ان سے بری کر دینا۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ جب عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پیام بر پہنچا تو آپ رو پڑے اور آپ کے آنسو زمین پر بہنے لگے، آپ فرماتے جاتے: اللہ ابوبکر پر رحم فرمائے! اپنے بعد کے لوگوں کو تھکا دیا۔ اللہ ابوبکر پر رحم فرمائے! اپنے بعد کے لوگوں کو تھکا دیا۔ اللہ ابوبکر پر رحم فرمائے! اپنے بعد کے لوگوں کو تھکا دیا۔ [1]

ایک اور روایت میں ہے: ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کا جب وقت آیا تو فرمایا کہ عمر نے مجھے نہیں چھوڑا یہاں تک کہ میں نے بیت المال سے چھ ہزار درہم لیے اور میرا فلاں باغ جو فلاں جگہ ہے اس کے عوض ہے۔ جب آپ کی وفات ہوگئی تو عمر رضی اللہ عنہ سے اس کا ذکر کیا گیا۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا: اللہ ابوبکر پر رحم فرمائے، آپ نے یہ چاہا کہ آپ کے بعد کوئی آپ پر انگلی نہ اٹھا سکے۔ [2]

آپ کے ان مواقف سے سرکاری مال میں آپ کے زہد و ورع کا پتہ چلتا ہے۔ آپ نے مسلمانوں کے مسائل میں مشغولیت اور خلافت کی ذمہ داریوں کے پیش نظر تجارت اور ذرائع آمدنی کو ترک کر دیا۔ مجبوراً

---

[1] الطبقات لابن سعد: ۳/ ۱۴۶۔ ۱۴۷، رجاله ثقات.

[2] المنتظم لابن الجوزی: ۴/ ۱۲۷، اصحاب الرسول: ۱/ ۱۰۵.

بیت المال سے نفقہ لیا، جو بھوک مٹانے اور ستر پوشی کی ضرورت سے زیادہ نہ تھا اور آپ مسلمانوں کے لیے وہ عظیم خدمات پیش کر رہے تھے جن کی ادائیگی کے لیے خزانہ ناکافی ہوتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود جب آپ کی وفات کا وقت آیا اور آپ کے پاس فقط یہی زائد مال تھا، اس کو بیت المال میں لوٹانے کا حکم دیا تاکہ اپنے رب سے امن واطمینان کے ساتھ ملیں، دل اور نفس پاک ہو، تقویٰ سے سوا کوئی بوجھ نہ رہے، دونوں ہاتھ ایمان کے سوا ہر چیز سے خالی ہوں، اس میں عقلمندوں کے لیے درس وعبرت کا سامان ہے۔ [1]

اسی طرح آپ نے اپنے اور اپنے بال بچوں کے اخراجات کے لیے جو مال وظیفہ کے طور پر لیا تھا اس کا عوض چکانے کے لیے وصیت فرمائی کہ ان کی مذکورہ زمین بیت المال کو دے دی جائے۔ یہ آپ کا ورع وتقویٰ تھا، آپ یہ چاہتے تھے کہ خلافت کی ذمہ داریوں کی ادائیگی خالص اللہ کے لیے ہو، اس میں دنیاوی مفاد کا شائبہ نہ ہو۔

آپ مسلسل پندرہ دن تک بیمار رہے۔ جب آپ کی زندگی کا آخری دوشنبہ آیا، ام المومنین فرماتی ہیں: آپ نے مجھ سے پوچھا: رسول اللہ ﷺ کی وفات کس دن ہوئی تھی؟ میں نے عرض کیا: دوشنبہ یعنی سوموار کے دن۔ فرمایا: میری بھی یہی آرزو اللہ تعالیٰ سے ہے۔ پھر پوچھا: کتنے کپڑوں میں آپ ﷺ کو کفن دیا گیا تھا؟ ام المومنین نے عرض کیا: تین یمنی سوتی چادروں میں، نہ تو اس میں قمیص تھی اور نہ عمامہ۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم میرے اس کپڑے کو دیکھو اس میں زعفران یا مشک لگا ہوا ہے اس کو دھو دو، اور اس کے ساتھ دو کپڑے اور شامل کر لو۔ [2] آپ سے عرض کیا گیا: اللہ تعالیٰ نے اس سے بہتر عطا کیا ہے، ہم آپ کو نئے کپڑے میں کفن دیں گے۔ فرمایا: میّت کی بہ نسبت زندہ شخص نئے کپڑوں کا زیادہ مستحق ہے تاکہ اپنی ستر پوشی کرے۔ میّت تو پیپ اور بوسیدگی کے حوالے ہے۔ [3]

آپ نے وصیت فرمائی کہ آپ کو آپ کی بیوی اسماء بنت عمیس (رضی اللہ عنہا) غسل دیں اور رسول اللہ ﷺ کے پہلو میں دفن کیا جائے۔ اس دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے آپ کے آخری کلمات یہ تھے:

﴿تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ ﴿١٠١﴾﴾ (یوسف: ۱۰۱)

''تو مجھے اسلام کی حالت میں فوت کر اور نیکوں میں کر دے۔'' [4]

اللہ تعالیٰ نے آپ کی آرزو پوری کی۔ ۲۲ جمادی الآخر ۱۳ ہجری دوشنبہ کا دن گذار کر سہ شنبہ کی رات انتقال فرمایا۔ آپ کی وفات سے پورے مدینہ پر لرزہ طاری ہوگیا۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد اس غمگین شام سے بڑھ کر کسی دن مدینہ میں زیادہ رونے والے نہ پائے گئے۔

---

1. اشہر مشاہیر الاسلام: ۱/ ۹۴.
2. اصحاب الرسول: ۱/ ۱۰۶.
3. التاریخ الاسلامی: محمود شاکر، الخلفاء الراشدون: ۱۰۴.
4. الشیخان ابوبکر الصدیق، وعمر بن الخطاب بروایت البلاذری فی انساب الأشراف: تحقیق د/ احسان صدقی العمد: ۶۹.

وفات کی خبر سنتے ہی علی رضی اللہ عنہ روتے ہوئے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ . پڑھتے ہوئے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر آئے اور فرمایا:

''ابوبکر! اللہ آپ پر رحم فرمائے! آپ رسول اللہ ﷺ کے محبوب، مونس، معتمد علیہ، راز دار مشیر تھے۔ لوگوں میں سب سے پہلے اسلام لانے والے، سب سے بڑھ کر مخلص اور سب سے زیادہ اللہ پر یقین رکھنے والے، سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والے، سب سے بڑے دیندار، سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کرنے والے، اسلام پر سب سے زیادہ مہربان، سب سے بہترین صحبت والے، سب سے زیادہ مناقب والے، سب سے افضل، سب سے بلند مقام کے مالک، سب سے زیادہ مقرب اور اخلاق و عادات میں رسول اللہ ﷺ سے سب سے زیادہ مشابہت رکھنے والے اور آپ کے نزدیک سب سے زیادہ اشرف، ارفع اور مکرم تھے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو رسول اللہ ﷺ اور اسلام کی طرف سے بہترین بدلہ عطا فرمائے۔ آپ نے رسول اللہ ﷺ کی اس وقت تصدیق فرمائی جب لوگوں نے آپ کی تکذیب کی۔ آپ رسول اللہ ﷺ کے نزدیک آنکھ وکان کی طرح تھے۔ اللہ نے آپ کو قرآن میں صدیق قرار دیا:

﴿وَ الَّذِیۡ جَآءَ بِالصِّدۡقِ وَ صَدَّقَ بِہٖۤ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُتَّقُوۡنَ ﴿۳۳﴾﴾ (الزمر: ۳۳)

''جو سچے دین کو لایا اور جس نے اس کی تصدیق کی یہی لوگ پارسا ہیں۔''

آپ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مواسات کی جبکہ لوگوں نے بخیلی کا ثبوت دیا۔ ناپسندیدہ حالات میں آپ ان کے ساتھ رہے، جبکہ لوگ بیٹھ گئے۔ سخت حالات میں اچھی صحبت کا ثبوت دیا۔ دو میں دوسرا، یار غار رہے، آپ پر سکینت کا نزول ہوا، ہجرت میں آپ کے رفیق سفر رہے، اللہ کے دین اور امت میں آپ کے خلیفہ بنے، جب لوگوں نے ارتداد اختیار کیا آپ نے خلافت کا حق ادا کیا۔ آپ نے تو وہ کارنامہ انجام دیا جو کسی نبی کے خلیفہ نے نہیں دیا۔ آپ اس وقت اٹھے جب دوسرے لوگ کمزور پڑ گئے، نکلے جب لوگ بیٹھ گئے، قوی بن کر ابھرے جب لوگ کمزور ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ کے طریقہ کار کو اختیار کیا جب لوگ دنیا دار ہو گئے۔ آپ بالکل ویسے ہی تھے جیسا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا جسم میں کمزور، اللہ کے دین میں قوی، اپنی ذات میں متواضع، اللہ کے نزدیک عظیم، لوگوں کی نگاہوں میں عظمت کے حامل، ان کے نزدیک بڑے، کسی کو آپ کے بارے میں کلام نہیں، کوئی آپ پر طعن و تشنیع کرنے والا نہیں، مخلوق کے لیے آپ کے پاس کوئی نازک پہلو نہیں تھا۔ کمزور و ذلیل شخص آپ کے نزدیک قوی تھا جب تک کہ اس کا حق نہ دلا دیں، قریب و بعید سب اس میں برابر تھے۔ آپ کے نزدیک سب سے قریب وہ تھا جو اللہ کا سب سے زیادہ اطاعت

شعار اور متقی ہو۔ حق، صداقت اور نرمی آپ کی شان تھی۔ آپ کی بات فیصلہ کن اور حتمی ہوا کرتی تھی۔ آپ کا حکم بردباری اور دور اندیشی پر مبنی ہوا کرتا تھا۔ آپ کی رائے علم وعزم کا پرتو ہوتی تھی۔ آپ کے ذریعہ سے دین قائم ہوا، ایمان قوی ہوا، اللہ کا حکم غالب آیا۔ واللہ آپ نے بڑی سبقت کی، اپنے بعد میں آنے والوں کو سخت تھکا دیا اور خیر کے ساتھ فوز مبین حاصل کی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ.

اللہ کی قضا وقدر پر ہم راضی ہیں، اس کے حکم کو تسلیم کرتے ہیں۔ واللہ! مسلمانوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کی موت جیسی مصیبت نہیں آئی۔ آپ دین کے لیے عزت وامان اور پناہ گاہ تھے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا دے اور ہمیں آپ کے اجر سے محروم نہ کرے اور آپ کے بعد ہمیں گمراہی سے محفوظ رکھے۔''

لوگ خاموشی کے ساتھ آپ کی یہ باتیں سنتے رہے پھر جب آپ نے اپنی بات مکمل کر لی تو لوگ رو پڑے اور رونے کی آواز بلند ہوئی اور سب نے کہا: آپ نے جو کچھ کہا سچ کہا۔[1]

اور ایک روایت میں ہے کہ جس وقت علی رضی اللہ عنہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے انھیں چادر اوڑھا دی گئی تھی، فرمایا: ''میرے نزدیک اس چادر سے ڈھکے ہوئے شخص سے بڑھ کر کوئی نہیں جس کے نامہ اعمال کے ساتھ مجھے اللہ سے ملاقات کرنا زیادہ محبوب ہو۔''[2]

وفات کے وقت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی عمر تریسٹھ (٦٣) سال تھی۔ اس پر تمام روایات متفق ہیں۔ آپ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر برابر تھی۔ آپ کو آپ کی بیوی اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے غسل دیا، جس کی آپ نے وصیت فرمائی تھی۔[3] آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ آپ کا سر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھوں کے برابر رکھا گیا[4] اور آپ کی نماز جنازہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اور آپ کی قبر میں عمر، عثمان، طلحہ اور آپ کے بیٹے عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہم اترے اور آپ کی لحد کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر سے چپکا کے رکھا گیا۔[5]

اس طرح چہار دانگ عالم میں اللہ کے دین کی نشر واشاعت کی خاطر عظیم جہاد کرتے ہوئے ابوبکر رضی اللہ عنہ اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ انسانی تہذیب وتمدن اس بطل جلیل کی مقروض رہے گی جس نے وفات نبوی کے بعد

---

[1] التبصرة لابن الجوزی: ١/ ٤٧٧ ـ ٤٧٩ بحواله اصحاب الرسول: ١/ ١٠٨ .

[2] تاريخ الاسلام للذهبی: عهد الخلفاء الراشدين ١٢٠ .

[3] الطبقات لابن سعد: ٣/ ٢٠٣ ـ ٢٠٤ ، وإسناده صحيح .

[4] تاريخ الاسلام للذهبی: عهد الخلفاء الراشدين ١٢٠ .

[5] اصحاب الرسول: ١/ ١٠٦ .

دعوت نبوت کا پرچم اٹھایا اور آپ کے لگائے ہوئے پودے کی حفاظت کی، عدل وحریت کے بیج کی نگہبانی کی اور اسے شہداء کے پاکیزہ خون سے سیراب کیا، جس سے ہر طرح کے ثمرات امت کو وافر مقدار میں ملے اور تاریخ میں علوم وثقافت اور فکر میں عظیم تقدم حاصل ہوا۔ انسانی تہذیب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی مقروض رہے گی کیونکہ آپ کے جہاد اور صبر عظیم کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کی حفاظت فرمائی اور اسلام کو اقوام و امم اور مختلف ممالک میں عظیم فتوحات کے ذریعہ سے پھیلا دیا، جس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔

خلاصہ

۱......خلفائے راشدین کی سیرت اوران کی تابناک تاریخ ایمان اور صحیح اسلامی جذبات کے مصادر میں سے ہے، جس سے امت برابر ایمانی روشنی حاصل کررہی ہے اوراس سے سامانِ دعوت لے کرلوگوں کے دلوں میں انوار حق روشن کررہی ہے تا کہ اسلامی دعوت وتاریخ اعدائے اسلام کے باطل جھونکوں سے بجھنے نہ پائے۔

۲......مسلمان بلکہ پوری انسانیت کوآج اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل، حقائق اوران کے اندر رسول اللہ ﷺ کی تربیت کے آثار کی معرفت حاصل کریں اوراس علومنزلت کو جانیں جس کی وجہ سے وہ بشریت کی تاریخ میں نادرمثالی حیثیت کے حامل قرار پائے۔

۳......اسلامی تاریخ عام طور سے اورصدر اوّل کی تاریخ خاص طور سے تزویر،تشکیک اورتحریف وتبدیل اور حذف و اضافہ کا شکار ہوئی ہے۔ یہ بدترین کارنامے روافض ومستشرقین، یہود و نصاریٰ اور لادینی ذہنیت کے حاملین نے انجام دیے ہیں۔اس لیے امت پرفرض کفایہ ہے کہ وہ حقائق کی تصحیح کریں۔ جوشخص اپنے اندرصدر اوّل کی تاریخ کی تصحیح کی صلاحیت رکھتا ہے اس کواسے افضل ترین عبادت تصور کرتے ہوئے اپنی مقدوربھر جدوجہد کے ساتھ آگے بڑھنا چاہیے تاکہ نوجوانان امت کے سامنے ان کے اسلاف کی صالح مثال ہو،جس کی وہ اقتداء کریں اوران کے منہج پرچل کراپنی سیرت وکردار کی اصلاح کریں اوروہ تابناک عہدتازہ کردیں۔

۴......ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سیرت دروس وعبر سے بھری ہوئی ہے۔ نبی کریم ﷺ کے بعد آپ کی شخصیت تاریخ اسلام میں سب سے عظیم ہے۔ یہ صحابی جلیل دور جاہلیت ہی سے مکارم اخلاق اورصفات حمیدہ سے متصف رہے، نہ کبھی کسی بت کوسجدہ کیا اور نہ شراب پی۔

۵......ابوبکر رضی اللہ عنہ انساب کے عالم تھے اورعربوں کے دلوں میں آپ کی جومحبوب ترین خصوصیت تھی، وہ یہ کہ انساب میں عیب نہیں نکالتے تھے اور نہ ان کے عیوب اورنقائص کا تذکرہ فرماتے۔آپ قریش میں سب سے بڑے انساب کے ماہراورقریش کوسب سے زیادہ جاننے والے تھے۔آپ تجارت میں مشہور تھے، اپنا مال پوری فیاضی وسخاوت کے ساتھ خرچ کرتے اور جاہلیت میں یہ بات آپ کے سلسلہ میں معروف تھی۔

۶......ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک عظیم گراں مایہ خزانہ تھے، جسے اللہ نے اپنے نبی کریم ﷺ کے لیے تیار کر رکھا تھا، قریش کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب تھے۔ بلند اخلاق اورنرم خوئی کی وجہ سے لوگ آپ کے گرویدہ ہوجاتے اورآپ کا شماران عظیم لوگوں میں ہوتا تھا جودوسروں سے مانوس ہوتے اورلوگ ان سے مانوس ہوتے ہیں۔

۷...... دعوت الی اللہ کے سلسلہ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کی جدوجہد اس دین پر ایمان اور اللہ و رسول کی فرمانبرداری کی وہ تصویر پیش کرتی ہے جو ایک مومن صادق کی تصویر ہوتی ہے جس کو اس وقت تک قرار و سکون نہیں آتا جب تک لوگوں کے درمیان وہ چیز عام نہ ہو جائے جس پر وہ ایمان لایا ہے۔

۸...... ابوبکر رضی اللہ عنہ ابتلاء و آزمائش سے دوچار ہوئے، دین کی خاطر آپ کو اذیت پہنچائی گئی، آپ کے سر پر مٹی ڈالی گئی، مسجد حرام میں جوتوں سے پٹائی ہوئی، یہاں تک کہ چہرے اور ناک کا پتہ نہیں چل رہا تھا، لوگ اٹھا کر گھر لائے۔

۹...... جرأت اور شجاعت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ممتاز صفات میں سے تھے۔ آپ حق کے بارے میں کسی سے خوف نہیں کھاتے تھے، دین حق کی نصرت اور اس پر عمل پیرا ہونے اور رسول اللہ ﷺ کی طرف سے دفاع کرنے میں کسی ملامت گر کی ملامت کی پروا نہیں کرتے تھے۔

۱۰...... ستائے ہوئے مسلمانوں کی گردن آزاد کرانے کی پالیسی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ یہ منہج مستضعفین کو تعذیب سے نجات دلانے کے لیے اسلامی قیادت کے تیار کردہ منصوبہ میں شامل کیا گیا۔ آپ نے اسلامی دعوت کو مال اور افراد کے ذریعہ سے قوت بخشی، مسلمان غلام اور لونڈیوں کو خرید کر اللہ واسطے آزاد کر دیتے۔

۱۱...... آپ نے علم انساب کو دعوت الی اللہ کے وسائل کے طور پر استعمال کیا۔ اسی لیے عرب کے بازاروں میں قبائل کو دعوت دیتے وقت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ساتھ رہتے۔

۱۲...... مدینہ کی طرف ہجرت کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے رفیق سفر رہے۔ اسلام کی دعوت کے طلوع سے لے کر آپ ﷺ کی وفات تک آپ کا دایاں بازو رہے۔ پوری خاموشی اور گہرائی و گیرائی کے ساتھ سرچشمہ نبوت سے حکمت و ایمان، یقین و عزیمت، تقویٰ و اخلاص کا جام نوش فرماتے رہے۔ اس صحبت کے نتیجہ میں صلاح و صدیقیت، ذکر و بیدار مغزی، حب و صفائے عزیمت و پختگی کے ثمرات چنے۔ پھر رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد سقیفہ بنی ساعدہ وغیرہ (مثلاً لشکر اسامہ کو روانہ کرنا، حروب ارتداد) میں نمایاں اور قابل قدر مؤقف اختیار کیا۔ آپ نے فاسد کو درست کیا، منہدم کو تعمیر کیا، بکھرے ہوؤں کو جوڑا اور منحرف کو سیدھا کیا۔

۱۳...... ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تمام غزوات میں شریک رہے، کوئی غزوہ آپ سے نہ چھوٹا اور احد کے روز جب سب لوگ بھاگ کھڑے ہوئے تو آپ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ڈٹے رہے اور تبوک کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے اپنا عظیم پرچم آپ کو عطا کیا۔

۱۴...... ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مدنی زندگی دروس و عبر سے بھری ہوئی ہے۔ فہم اسلام اور اس کو عملی جامہ پہنانے کے سلسلہ میں ہمارے لیے زندہ مثال آپ نے چھوڑی ہے۔ آپ کی شخصیت عظیم صفات کے ساتھ ممتاز ہے۔ بہت سی احادیث میں رسول اللہ ﷺ نے آپ کی مدح و تعریف اور دیگر صحابہ پر آپ کی فضیلت و فوقیت

بیان فرمائی ہے۔

۱۵......ابوبکر رضی اللہ عنہ اللہ پر عظیم ایمان کے مالک تھے۔ آپ نے حقیقت ایمان کو سمجھا تھا اور کلمہ توحید آپ کے قلب وروح میں پیوست ہو چکا تھا، اس کے آثار آپ کے اعضاء وجوارح میں نمایاں ہو چکے تھے۔ ان آثار کے ساتھ آپ نے زندگی گذاری، آپ بلند اخلاق سے متصف اور برے اخلاق سے پاک رہے، شریعت الٰہی کی پابندی اور نبی کریم ﷺ کی اقتداء کے حریص رہے اور آپ کا ایمان باللہ آپ کی حرکت وہمت، نشاط وسعی، جہد ومجاہدہ، جہاد وتربیت اور عزت وسربلندی کا باعث رہا اور آپ کے دل میں بہت زیادہ ایمان ویقین تھا۔ اس سلسلہ میں صحابہ میں سے کوئی آپ کے مساوی نہ تھا۔

۱۶......ابوبکر رضی اللہ عنہ اللہ کو سب سے زیادہ جاننے والے اور سب سے زیادہ اس سے ڈرنے والے تھے۔ اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ امت کے سب سے بڑے عالم ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔ بہت سے لوگوں نے اس پر اجماع نقل کیا ہے اور علم وفضل میں تمام صحابہ پر تقدم وفوقیت کا سبب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہمیشہ رہنا تھا۔ آپ ہمیشہ رات ہو یا دن، سفر ہو یا حضر، رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہتے۔ آپ عشاء کے بعد رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھ کر مسلمانوں کے مسائل کے سلسلہ میں گفتگو فرماتے۔ مدینہ سے جو پہلا حج کیا گیا اس کا امیر رسول اللہ ﷺ نے آپ کو مقرر فرمایا اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ مناسک حج کا علم انتہائی دقیق ہے۔ اگر وسعت علم نہ ہوتی تو آپ کو امیر نہ بناتے۔ اسی طرح نماز میں آپ کو نیابت سونپی۔ اگر علم نہ ہوتا تو آپ کو نائب نہ مقرر کرتے۔ آپ کے سوا کسی دوسرے کو نہ تو حج میں اور نہ نماز میں نیابت سونپی اور زکوٰۃ کی تفصیلی کتاب جسے رسول اللہ ﷺ نے لکھوایا تھا، انس رضی اللہ عنہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے حاصل کی اور زکوٰۃ سے متعلق یہ سب سے صحیح ترین روایت ہے۔ اسی پر فقہاء وغیرہ نے ناسخ ومنسوخ کو سمجھنے کے سلسلہ میں اعتماد کیا ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ آپ ناسخ حدیثوں کے بڑے عالم تھے۔ آپ سے کوئی ایسا قول منقول نہیں جو نصوص کتاب وسنت کے مخالف ہو۔ یہ آپ کے انتہائی درجہ مہارت وعلم کی دلیل ہے۔

۱۷...... جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی تو لوگ مضطرب وپریشان ہو کر ہوش وہواس کھو بیٹھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ذریعہ سے امت کو ثبات عطا فرمایا اور اس موقع پر آپ نے عظیم مؤقف اختیار فرمایا اور اعلان کیا: ''جو محمد ﷺ کی عبادت کرتے رہے ہوں وہ سن لیں! محمد ﷺ وفات پا چکے ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے رہے ہیں وہ جان لیں اللہ تعالیٰ زندہ وجاوید ہے، اس پر موت طاری نہیں ہو سکتی۔'' اسی طرح سقیفہ بنی ساعدہ میں آپ کا عظیم مؤقف سامنے آیا، امت کو کسی فتنہ سے دوچار کیے بغیر انصار کو اپنی رائے پر مطمئن کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ انھوں نے مان لیا کہ یہی حق ہے چنانچہ آپ نے کتاب وسنت سے انصار کی فضیلت بیان کر کے ان کی تعریف کی۔

۱۸......سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے سقیفہ بنی ساعدہ کی گفتگو کے بعد ہی دعوائے امارت سے دست بردار ہو کر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی اور آپ کی فرماں برداری کو قبول کیا اور آپ کے چچا زاد بھائی بشیر بن سعد انصاری سقیفہ بنی ساعدہ کے اجتماع میں سب سے پہلے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کرنے والے شخص تھے۔ کسی صحیح نص کے ذریعہ سے چھوٹے یا بڑے کسی خلفشار کا ثبوت نہیں ملتا اور نہ کسی انقسام اور پارٹی بندی کا ثبوت ملتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک خلافت کا متمنی اور امیدوار رہا ہو، جیسا کہ بعض تاریخ نگاروں کا زعم ہے۔ اسلامی اخوت برابر برقرار رہی بلکہ صحیح نصوص کے مطابق اس میں مزید اضافہ ہوا اور تقویت حاصل ہوئی۔

۱۹......متعدد آیات کریمہ اور احادیث نبویہ وارد ہوئی ہیں جو ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی طرف اشارہ کرتی ہیں اور اہل سنت والجماعت کا سلف سے لے کر خلف تک نبی کریم ﷺ کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اجماع رہا ہے کیونکہ ایک طرف آپ کی فضیلت و بزرگی اور خدمات جلیلہ اور پھر نبی کریم ﷺ نے آپ کو دیگر صحابہ پر نماز کی امامت کے لیے مقدم کیا جس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مصطفیٰ ﷺ کے مراد و مقصود کو سمجھ لیا اور خلافت میں بھی آپ کو مقدم رکھنے پر اجماع و اتفاق فرمایا۔

۲۰......اسلامی خلافت ہی وہ طریقہ کار ہے جسے امت اسلامیہ نے حکومت کے لیے طریقہ واسلوب کے طور پر اختیار کیا اور اس پر اجماع و اتفاق فرمایا جس کے ذریعہ سے امت اپنے امور و مسائل اور اپنے مصالح کی حفاظت کرتی رہی۔ خلافت کی نشو و نما امت کی ضرورت اور تسلیم سے مرتبط رہی۔ اسی وجہ سے مسلمانوں نے نبی کریم ﷺ کے خلیفہ کے انتخاب میں جلدی کی۔ خلافت ہی مسلمانوں کا نظام حکومت ہے جس نے اپنے اصول مسلمانوں کے دستور کتاب وسنت سے حاصل کیے ہیں۔ فقہائے امت نے اسلامی خلافت کی بنیاد پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ شوریٰ اور بیعت یہ دو اصل ہیں جس کی طرف قرآن نے اشارہ کیا ہے۔

۲۱......علامہ ابوالحسن علی ندوی نے خلافت نبوت کے شرائط و مطالبات پر گفتگو کرتے ہوئے سیرت صدیقی کی روشنی میں دلائل و براہین سے ثابت کیا ہے کہ خلافت کی تمام شرائط ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اندر موجود تھیں۔

۲۲......ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خلافت کی بیعت عامہ کے بعد امت کو جو خطاب فرمایا، اپنے ایجاز کے باوجود چنندہ اسلامی خطبات میں سے ہے، اس کے اندر آپ نے حکومت کی قیادت کے لیے اپنے طریقہ کار کو بیان فرمایا اور حاکم و محکوم کے مابین تعامل کے سلسلہ میں عدل و رحمت کے اصول مقرر کیے اور اس بات پر زور دیا کہ حاکم کی اطاعت اللہ و رسول ﷺ کی اطاعت پر موقوف ہوتی ہے اور امت کے قوت و غلبہ میں جہاد فی سبیل اللہ کی اہمیت کے پیش نظر اس کا خاص طور سے ذکر فرمایا اور معاشرہ کو زوال وفساد سے محفوظ رکھنے میں فواحش و منکرات سے اجتناب کی اہمیت کے پیش نظر اس پر زور دیا۔

۲۳......ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی حکومت کے لیے تیار کردہ پالیسی کو نافذ کرنے کا ارادہ فرمایا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

کو اپنا معاون ومساعد بنایا۔ چنانچہ امین امت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو بیت المال کے امور یعنی وزارت مالیہ کا عہدہ سونپا، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو قضاء کا محکمہ (وزارت عدل) حوالے کیا اور خود بھی قضاء کی ذمہ داری سنبھالتے رہے، زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو محکمہ کتاب (وزارت برید ومواصلات) حوالے کیا، اور بسا اوقات دیگر وقت پر موجود صحابہ جیسے علی بن ابی طالب یا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہم یہ کام کرتے رہے۔ مسلمانوں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ رسول کا لقب دیا اور صحابہ نے یہ ضرورت محسوس کی کہ آپ کو منصب خلافت کے لیے فارغ کیا جائے چنانچہ امت نے آپ کے ضروری اخراجات کی کفالت کی۔

۲۴......ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کے درمیان خلیفہ رسول کی حیثیت سے زندگی گذاری۔ چنانچہ آپ لوگوں کی تعلیم، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر برابر کرتے رہے، آپ کے کارناموں سے رعایا میں ہدایت وایمان اور اخلاق کی کرنیں پھوٹیں۔

دور صدیقی دور رشد کا آغاز ہے۔ دور نبوی سے متصل اور قریب ہونے کی وجہ سے اس کی اہمیت نمایاں ہے۔ خلافت راشدہ کا دور عام طور سے قضا اور خاص طور سے، دور نبوی میں ثابت شدہ تمام امور کی مکمل محافظت اور پھر نصاً ومعناً اس کی تنفیذ وتطبیق میں دور نبوی کے قضا کا امتداد تھا۔

۲۶......ابوبکر رضی اللہ عنہ مختلف شہروں میں امراء وگورنر مقرر فرماتے اور ان کے ذمہ ادارت، حکومت، امامت، زکوٰۃ کی وصولی اور دیگر امور ولایت سونپتے۔ امراء اور گورنروں کے انتخاب وتقرر میں رسول اللہ ﷺ کی اقتدا فرماتے۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت آپ کے مقرر کردہ جو امراء وگورنر اپنے عہدہ پر فائز تھے ان میں سے کسی کو بھی آپ نے معزول نہیں کیا اِلا یہ کہ کسی دوسری جگہ پر ان کی ضرورت واہمیت کے پیش نظر ان کی رضا ورغبت سے منتقل کیا ہو جیسا کہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آیا۔ امراء اور گورنروں کے اختیارات بدرجہ اولیٰ انھی اختیارات کا امتداد تھے جو عہد نبوی میں موجود تھے۔ خاص کر وہ امراء وگورنر جن کی تعیین رسول اللہ ﷺ کے دور میں ہوئی تھی۔

۲۷......علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور اسی طرح زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کی بیعت کی تاخیر سے متعلق بہت سی روایات بیان کی جاتی ہیں، جن کا صحت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ سوائے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت کے کہ علی و زبیر رضی اللہ عنہما فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں بیعت سے پیچھے رہ گئے۔ تو اس کی وجہ رسول اللہ ﷺ کی تجہیز وتکفین میں مہاجرین کی ایک جماعت کی مشغولیت تھی، جن میں علی رضی اللہ عنہ پیش پیش تھے۔ چنانچہ زبیر بن عوام اور علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما دونوں نے وفات نبوی کے دوسرے دن بروز منگل ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

۲۸......جس وقت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کی میراث سے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فاطمہ اور عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے: ''ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا، ہم انبیاء جو کچھ

چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوا کرتا ہے۔ آل محمد اس مال سے کھاتے رہیں گے۔'' اور دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: ''رسول اللہ ﷺ جو کرتے تھے اس کو میں چھوڑ نہیں سکتا، میں اسے ضرور کروں گا، مجھے خوف ہے کہ اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کا کوئی حکم چھوڑ دیا تو گمراہ ہو جاؤں گا۔''

اور تاریخی حیثیت سے یہ ثابت ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی خلافت کے دوران مدینہ کے فے، مال فدک اور خیبر کے خمس میں سے اہل بیت کا حق برابر دیتے رہے لیکن رسول اللہ ﷺ کے فرمان پر عمل کرتے ہوئے آپ نے احکام میراث اس میں نافذ نہ کیا۔

۲۹...... ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے خطاب میں خلیفہ رسول کی حیثیت واضح کی اور یہ بتلایا کہ وہ اللہ کے خلیفہ نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ ہیں اور وہ بشر ہیں معصوم نہیں، وہ اس کی استطاعت وطاقت نہیں رکھتے جو رسول اللہ ﷺ اپنی نبوت ورسالت کے ساتھ رکھتے تھے۔ وہ اپنی سیاست وپالیسی میں متبع ہیں مبتدع نہیں۔

۳۰...... لشکر اسامہ کو روانہ کرنے کے دروس وعبر میں سے یہ ہے کہ حالات کے اندر تغیر وتبدل ہوتا رہتا ہے لیکن حالات کی تبدیلی اور شدائد ومحن اہل ایمان کو امور دین سے مشغول نہیں کر سکتے اور تحریک دعوت کسی ایک فرد سے مرتبط نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ کی اتباع واجب ہے، اہل ایمان کے درمیان اختلاف رونما ہو سکتا ہے لیکن اس کا حل کتاب وسنت ہے، دعوت عمل سے مربوط ہے اور اس سے خدمت اسلام میں نوجوانوں کے مقام ومرتبہ اور جہاد میں اسلامی آداب کا پتہ چلتا ہے۔ لشکر اسامہ اپنے مقاصد میں کامیاب رہا۔ اس کے اثر سے شمال میں ارتداد کی تحریک سرد پڑ گئی اور اس کے لیے یہ کمزور ترین خطہ ثابت ہوا۔

۳۱...... رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد جو عرب قبائل ارتداد کا شکار ہوئے اس کے مختلف اسباب تھے، من جملہ ان اسباب کے رسول اللہ ﷺ کی موت کا صدمہ، دین ونصوص کی کم فہمی، جاہلیت کا اشتیاق، نظام سے فرار اور اسلامی حکومت کے خلاف خروج، قبائلی عصبیت، حکومت وبادشاہت کی طمع، دین کے ذریعہ سے دنیا کمانا، مال میں بخیلی، حسد، خارجی اثرات جیسے یہود ونصاریٰ اور مجوس کی سازشیں۔

۳۲...... ارتداد کی مختلف اقسام تھیں: کچھ لوگوں نے اسلام کو کلی طور سے ترک کر دیا اور دوبارہ وثنیت اور بت پرستی میں لگ گئے، کچھ لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کیا، کچھ لوگ ترک صلاۃ کے مرتکب ہوئے اور کچھ لوگ اسلام کا اعتراف کرتے ہوئے نماز قائم رکھتے ہوئے زکوٰۃ کی ادائیگی سے رک گئے، کچھ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی وفات پر خوشی منائی اور جاہلی عادات ورسوم کو اختیار کر لیا اور کچھ لوگ حیرانی اور تردد کا شکار ہو کر اس انتظار میں لگ گئے کہ غلبہ کس کو ملتا ہے۔ علمائے فقہ اور سیرت نگاروں نے ان سب کی وضاحت فرمائی ہے۔

۳۳...... مرتدین کے سلسلہ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مؤقف میں ذرا بھی نرمی اور سودے بازی اور تنازل نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کے بعد اپنی اصلی ہیئت وشکل میں دین کی سلامتی وبقا آپ ہی کی مرہون منت ہے۔ سب نے اس کو تسلیم

کیا اور تاریخ نے اس بات کی شہادت دی کہ ارتداد کی تند و تیز آندھی کے سامنے (جو اسلام کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے پر تلی تھی) ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جو مؤقف اختیار کیا وہ انبیاء ورسل کا مؤقف تھا جو انھوں نے اپنے اپنے دور میں باطل کے سامنے اختیار کیا تھا اور یہی خلافت نبوت تھی جس کا حق ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ادا کیا اور قیامت تک کے لیے مسلمانوں کی مدح وثنا اور دعا کے مستحق قرار پائے۔

۳۴...... یقیناً یہ بنیادی حقائق میں سے ہے کہ تمام لوگ ارتداد کا شکار نہ ہوئے تھے، بہت سے قائدین، قبائل، افراد اور جماعتیں ہر علاقہ میں اسلام کو مضبوطی کے ساتھ تھامے رہیں۔

۳۵...... حروب ارتداد کے دوران میں یمن میں خواتین کی دو مختلف ومتضاد تصویریں سامنے آئیں: ایک پاک باز و باعصمت خاتون کی تصویر، جس نے رذائل کے خلاف جنگ کی اور مسلمانوں کے ساتھ مل کر شیاطین انس وجن کی قوت کو کچلنے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی جیسے فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ کی چچا زاد بہن اور شہر بن باذان کی بیوی آزاد فارسیہ کی شخصیت، اور دوسری تاریک تصویر حضرموت کی یہودی اور ان کی ہم نوا خواتین کی تصویر، جو رسول اللہ ﷺ کی وفات سے شاداں وفرحاں ہوئیں اور فسق و فجور کے ساتھ رنگین راتیں قائم کیں، رذائل ومنکرات کا بازار گرم کیا ان کے ساتھ شیطان اور اس کے کارندوں نے ننگا ناچ ناچا اور اسلام سے لوگوں کے پھرنے اور اسلام کے خلاف بغاوت و جنگ کی دعوت پر جشن منایا۔

۳۶...... حق پر ثبات، اسلام کی دعوت اور اپنی قوم کو ارتداد کے خطرناک نتائج سے آگاہ کرنے اور ڈرانے کے سلسلہ میں بعض اہل یمن کا عظیم مؤقف رہا، انھی میں سے بادشاہان یمن میں سے مران بن ذی عمیر ہمدانی اور عبداللہ بن مالک الارحبی رضی اللہ عنہ صحابی رسول ﷺ اور کندہ کی شاخ بنو معاویہ کے شرحبیل بن سمط اور ان کے بیٹے تھے۔

۳۷...... حروب ارتداد کے بعد یمن مرکزی قیادت کے تحت متحد ہوا، جس کا دار الخلافہ مدینہ تھا۔ یمن کو تین اداری حصوں میں تقسیم کیا گیا، قبائل کو اساس نہ بنایا گیا: صنعاء، جند اور حضرموت۔ اور امارت وسرداری میں قبائلی عصبیت کو اساس نہ بنایا گیا، قبائل کی حیثیت فوجی یونٹ کی رہی اور اصل مقیاس ایمان، تقویٰ اور عمل صالح قرار پائے۔

۳۸...... معرکہ بزاخہ میں طلیحہ اسدی کی شکست فاش سے بہت سے قبائل دائرۂ اسلام میں واپس آ گئے۔ چنانچہ بنو عامر اس معرکہ کے بعد یہ کہتے ہوئے آگے بڑھے: ہم جہاں سے نکلے تھے وہاں واپس ہو جائیں گے۔ چنانچہ خالد رضی اللہ عنہ نے اہل بزاخہ، اسد، غطفان اور طے سے اور جن شرائط پر بیعت لی ان سے بھی بیعت لی۔

۳۹...... مالک بن نویرہ کے قتل کا اصل سبب اس کا کبر وغرور اور تردد تھا۔ اس کے اندر جاہلیت کا حصہ باقی رہا، اسی لیے رسول اللہ ﷺ کے بعد خلیفہ رسول کی فرماں برداری اور بیت المال کے حق زکوٰۃ کی ادائیگی میں ٹال مٹول کیا۔

۴۰...... ابوبکر رضی اللہ عنہ مالک بن نویرہ کے قتل کی تحقیق کرتے ہوئے اس نتیجہ پر پہنچے کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا

دامن اتہام قتل سے بری ہے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس سلسلہ میں حقائق امور کا دیگر صحابہ کے مقابلہ میں زیادہ علم تھا، اس لیے کہ آپ خلیفہ تھے اور ساری خبریں آپ کو پہنچتی تھیں۔

۴۱...... خالد رضی اللہ عنہ کو والی مقرر کرنا اور ان سے تعاون لینا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے کمال کی دلیل ہے کیونکہ خالد رضی اللہ عنہ کے اندر شدت تھی، آپ کی نرم طبیعت سے ان کی شدت نے مل کر اعتدال کی راہ لی کیونکہ مجرد نرمی اور مجرد سختی سے خرابی پیدا ہوسکتی ہے لہٰذا آپ نے عمر رضی اللہ عنہ کو مشیر رکھ کر اور خالد رضی اللہ عنہ کو نائب مقرر کر کے اعتدال پیدا کیا۔ یہ وہ کمال ہے جسے خلیفہ رسول ﷺ نے اختیار کیا۔

۴۲...... مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا بحرین کے فتنہ کو مٹانے اور علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کے ساتھ اپنی فوج سمیت شامل ہونے میں بڑا اچھا اور عظیم کردار رہا۔ آپ اپنی فوج لے کر بحرین سے شمال کی طرف روانہ ہوئے اور قطیف اور ہجر پر قبضہ کرتے ہوئے دجلہ کے دہانے تک پہنچ گئے اور اپنے راستہ میں فارسی فوج اور فارسی نائبین وامراء کا قصہ تمام کیا۔ ان کی مہم کی خبریں برابر ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پہنچتی رہیں ان کے بارے ان کے ساتھیوں سے دریافت کیا تو قیس بن عاصم منقری نے ان کے بارے میں شہادت دی: یہ شخص گمنام اور مجہول النسب نہیں اور نہ رزیل آدمی ہے، یہ تو مثنیٰ بن حارثہ شیبانی عظیم شخصیت کے مالک ہیں۔

۴۴...... یمامہ میں لشکر خالد کے سامنے بنو حنیفہ کی ہزیمت وشکست تحریک ارتداد کے لیے کمر توڑ ثابت ہوئی۔ معرکہ یمامہ میں شہداء کی فہرست میں بہت سے حفاظ قرآن شامل تھے۔ جس کے نتیجے میں ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے قرآن کو جمع کروایا اور یہ عظیم ذمہ داری صحابی جلیل زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کے سپرد کی۔

۴۵...... دور صدیقی اور آپ کے بعد خلفائے راشدین کے دور میں تمکین وغلبہ کی تمام شرائط وجود میں آئیں اور اللہ رب العالمین کے بعد امت کو ان شرائط کی تذکیر میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کا بڑا ہاتھ رہا۔ اسی لیے آپ نے اعراب کے زکوٰۃ کی عدم وصولی کے مطالبہ کو مسترد کر دیا، لشکر اسامہ کو روانہ کرنے پر مصر رہے، مکمل شریعت کا التزام کیا، چھوٹی یا بڑی کسی چیز سے تنازل قبول نہ کیا۔

۴۶...... حروب ارتداد میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تیاری معنوی اور مادی ہر پہلو کو شامل تھی۔ آپ نے فوج تیار کی، فوجی دستے اور ان کے لیے پرچم مقرر کیے، قائدین وجرنیل منتخب کیے، مرتدین سے خط کتابت کی، صحابہ کو مرتدین سے قتال پر ابھارا، اسلحہ، گھوڑے، اونٹ جمع کیے، مجاہدین کو ساز وسامان کے ساتھ تیار کیا، بدعت، جہالت، نفس پرستی کے خلاف جنگ کی، شریعت کو نافذ کیا، وحدت واتحاد کے اصول اپنائے، کسی ذمہ داری کے لیے ذمہ دار کو مکمل فارغ کر دینے اور اس کے لیے مطلوبہ صلاحیت کے اصول کو اپنایا۔ چنانچہ خالد رضی اللہ عنہ کو فوج کی قیادت کے لیے، زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو جمع قرآن کے لیے، ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کو جنگی خط کتابت کے لیے مقرر کیا اور امن اور نشر واشاعت وغیرہ شعبوں کا بھرپور اہتمام کیا۔

۴۷...... دور صدیقی میں شریعت الٰہی کے نفاذ کی برکات صحابہ کرام کے غلبہ وتمکین کی شکل میں نمودار ہوئیں۔ اپنے اور اپنے اہل وعیال پر اللہ کے شعائر کو نافذ وقائم کرنے کے حریص بنے اور شریعت کے نفاذ میں اخلاص سے کام لیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو قوت وطاقت بخشی، مرتدین پر ان کو فتح نصیب فرمائی اور امن واستقرار عطا فرمایا۔

۴۸...... حروب ارتداد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جو جہاد کیا یہ اللہ کی طرف سے آئندہ اسلامی فتوحات کی تیاری تھی۔ اس دوران میں پرچم ممتاز ہوئے، قدرتیں اور صلاحیتیں نمودار ہوئیں، طاقتیں ابھریں، جنگی قیادتوں کا انکشاف ہوا، قائدین نے انواع واقسام کے جنگی اسلوب اور منصوبے وضع کیے، سچی، مطیع وفرمانبردار، منضبط اور بیدار مغز عسکریت کی صلاحیتیں نمودار ہوئیں، جن کے سامنے قتال کے مقاصد واہداف عیاں تھے اپنی کوششوں اور قربانیوں کا مقصد انھیں معلوم تھا، اسی لیے کارکردگی ممتاز رہی اور فدائیت عظیم رہی۔

۴۹...... جزیرۂ عرب اپنی تاریخ میں پہلی مرتبہ اللہ کے فضل وکرم اور پھر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جہاد سے پرچم اسلام کے نیچے متحد ہوا۔ اسلامی دارالخلافہ مدینہ کو پورے جزیرہ عرب پر کنٹرول حاصل ہوا۔ ایک زعیم وقائد کی قیادت میں ایک اصول وفکر کے تحت پوری امت چلنے لگی، یہ انتصار وغلبہ اسلامی دعوت اور امت کی وحدت کی فتح تھی، جو اختلاف وعصبیت کے عوامل واسباب پر غلبہ پاکر حاصل ہوئی اور یہ اس بات کی دلیل وبرہان تھی کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی قیادت انتہائی شدید بحران ومشکلات پر غلبہ حاصل کرنے پر قادر تھی۔

۵۰...... تاریخی واقعات نے یہ ثابت کر دیا کہ دین اسلام کے خلاف تمرد وعصیان کی ہر کوشش خواہ فرد کی طرف سے ہو یا جماعت کی طرف سے یا حکومت وسلطنت کی طرف سے، اسے بری طرح ناکامی کا منہ دیکھنا ہوگا۔ کیونکہ یہ تمرد وعصیان اللہ کے حکم (قرآن) کے خلاف تمرد وعصیان ہے جس کی حفاظت اور اس پر قائم رہنے والی جماعت کی حفاظت کی ذمہ داری خود رب العالمین نے لے رکھی ہے۔

۵۱...... جوں ہی ارتداد کی جنگ ختم ہوئی اور جزیرہ عرب میں استقرار آیا، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فتوحات کے منصوبے کی تنفیذ شروع کر دی، جن کی پلاننگ رسول اللہ ﷺ نے تیار کی تھی۔ چنانچہ آپ نے شام وعراق کو فتح کرنے کے لیے لشکر تیار کر کے روانہ کیا۔

۵۲...... فتح عراق کے قائدین خالد وعیاض رضی اللہ عنہما کو جو تعلیمات اور اوامر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جاری کیے وہ ترقی یافتہ فوجی حکیمانہ شعور پر دلالت کرتے ہیں، جن کے آپ مالک تھے۔ آپ نے مختلف حکیمانہ اور ٹیکنیکل عسکری تعلیمات دیں، دونوں مسلم قائدین کے لیے عراق میں داخلہ کے جغرافیائی حدود اور علاقوں کی تحدید فرمائی گویا کہ آپ خود حجاز میں مرکز قیادت (آپریشن روم) سے جنگ کی قیادت فرما رہے ہیں اور آپ کے سامنے عراق کا مکمل نقشہ (Map) پوری تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔

۵۳...... خالد رضی اللہ عنہ نے عراق میں متعدد معرکے سر کیے جو فتح عراق کا سبب بنے، جیسے معرکہ ذات السلاسل،

معرکہ مذار، معرکہ ولجہ، معرکہ الیس، فتح حیرہ، معرکہ انبار، معرکہ عین التمر، معرکہ دومۃ الجندل، معرکہ حصید، معرکہ مصیخ اور معرکہ فراض۔

۵۴...... ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب شام کو فتح کرنے کا ارادہ فرمایا تو کبار صحابہ سے مشورہ فرمایا، اہل یمن سے جہاد پر نکلنے کا مطالبہ کیا، قائدین فوج کے پرچم متعین کیے اور شام کی طرف چار لشکر روانہ کیے اور یزید بن ابی سفیان، ابوعبیدہ بن جراح، عمرو بن عاص، شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہم فتح شام پر نکلنے والی اسلامی افواج کے قائدین تھے۔

۵۵...... فتح شام پر مکلّف کی ہوئی فوج کو مشکلات کا سامنا تھا کیونکہ ان کے مقابلہ میں رومی سلطنت کی ترقی یافتہ فوج تھی، جو تعداد اور جنگی ساز وسامان کے اعتبار سے امتیازی حیثیت کی حامل تھی۔ قائدین نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے خط کتابت کی اور ان کو اس سنگین صورت حال سے آگاہ کیا، تو آپ نے انھیں مختلف شامی علاقوں سے انخلاء کر کے یرموک میں ایک ساتھ جمع ہونے کا حکم فرمایا اور پھر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو فتح عراق پر متعین نصف اسلامی فوج کو لے کر شام پہنچنے اور وہاں کمان سنبھالنے کا حکم فرمایا۔

۵۶...... خالد بن ولید رضی اللہ عنہ رومی فوج پر مختلف معرکوں میں فتح وانتصار حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے، جن میں سے اہم اجنادین اور یرموک کے معرکے ہیں۔

۵۷...... محقق خلافت صدیقی میں خارجہ پالیسی کے اہم خطوط ونقوش کا استنباط کر سکتا ہے، جو یہ ہیں: دوسری اقوام کے دلوں میں اسلامی خلافت کی ہیبت و رعب جمانا، جہاد کو جاری رکھنا، جس کا حکم رسول اللہ ﷺ نے دیا تھا، مفتوحہ اقوام کے درمیان عدل وانصاف قائم کرنا اور ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنا، ان سے زور زبردستی کو دور کرنا اور ان کے اور اسلام کے مابین بشری موانع کا خاتمہ۔

۵۸...... فتوحات صدیقی کا مطالعہ کرنے والا آپ کے جنگی منصوبہ کی بنیادی پلاننگ معلوم کر سکتا ہے۔ اس عظیم خلیفہ نے اسباب کا استعمال کیسے کیا؟ اور کس طرح یہ محکم منصوبہ مسلمانوں کے لیے فتح وتمکینِ الٰہی کے نزول کا سبب رہا؟ انہی پلاننگ میں سے یہ ہیں: دشمن کے ملک میں اندر گھسنے سے احتراز کیا جائے، یہاں تک کہ وہ مسلمانوں کے تابع ہو جائے، فوج اکٹھی کرنا اور مکمل تیاری، فوج کو امداد و کمک بھیجنے کا باقاعدہ انتظام، مقاصد جنگ کی تحدید، میدان معرکہ کی ضروریات کو اہمیت وفوقیت دینا، میدان معرکہ سے برطرفی، اسلوب قتال میں تطور وترقی، قائدین کے ساتھ روابط کی حفاظت، خلیفہ کی ذکاوت وزیرکی۔

۵۹...... ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قائدین اور لشکر کو دی گئی تعلیمات میں اللہ کے حقوق کو بیان کیا، جیسے دشمن کے سامنے ڈٹ جانا، قتال میں اخلاص، امانت داری، اللہ کے دین کی نصرت وتائید میں ٹال مٹول اور کوتاہی نہ کرنا اور آپ نے لشکر ورعایا پر قائدین کے حقوق متعین کیے، جیسے قائدین کی اطاعت کا التزام کرنا، ان کی فرمانبرداری

میں جلدی کرنا، مال غنیمت کی تقسیم میں ان سے اختلاف نہ کرنا وغیرہ۔

اسی طرح آپ نے اپنے خطوط اور وصیتوں میں فوج کے حقوق کو بھی تفصیل سے بیان کیا جیسے ان کا جائزہ لینا اور ان کے حالات کو برابر معلوم کرتے رہنا، سفر کے دوران میں ان پر نرمی کرنا، ان پر عریف ونقیب متعین کرنا، دشمن سے جنگ کے لیے صحیح جگہ ان کو اتارنے کے لیے متعین کرنا، لشکر کی ضرورت کے مطابق زاد وچارہ کا انتظام کرنا، لشکر کی حفاظت کی خاطر بااعتماد مخبروں اور جاسوسوں کے ذریعہ سے دشمنوں کی خبر معلوم کرتے رہنا، انھیں جہاد پر ابھارنا، ثواب اور جہاد کی فضیلت ان سے بیان کرتے رہنا، ان میں سے ذی فہم لوگوں سے مشورے کرنا، حقوق اللہ کی ادائیگی کی ان کو تلقین کرنا اور زراعت وتجارت میں لگ کر جہاد سے مشغول ہونے سے ان کو منع کرنا وغیرہ۔ ان سب حقوق کو میں نے آپ کے خطوط اور قائدین کو بھیجی گئی وصیتوں سے اخذ کیا ہے۔

۶۰ ...... فتوحات اسلامی میں غور وفکر کرنے والا یہ دیکھتا ہے کہ توفیقِ الٰہی ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فوج کے شامل حال رہی۔ اس ظفریاب فوج نے روم وفارس کی شان وشوکت کو خاک میں ملایا اور ان ممالک کو جنگ کی تاریخ میں انتہائی معمولی وقت میں فتح کیا۔ ان فتوحات کے اہم اسباب یہ تھے: مسلمانوں کا اس حق پر ایمان جس کی خاطر وہ جنگ کر رہے تھے، جنگی صفات کا مسلمانوں کے اندر رچ بس جانا، ان اقوام کے ساتھ مسلمانوں کا عدل وانصاف اور نرمی، جزیہ اور خراج کی تعیین میں مسلمانوں کی رحمت وشفقت، ان کے ساتھ ایفائے عہد، مسلمانوں کے پاس افراد وقائدین کی عظیم ثروت، اسلامی جنگی منصوبہ بندی کا محکم ہونا، وغیرہ۔

۶۱ ...... جب ابوبکر رضی اللہ عنہ مرض الموت میں مبتلا ہوئے اور موت کا وقت قریب آیا تو آپ نے ہونے والے خلیفہ کے انتخاب کے لیے مختلف عملی اقدام کیے: مہاجرین وانصار میں سے کبار صحابہ سے مشورہ کرنا، جب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خلافت کے لیے عمر رضی اللہ عنہ کے نام کی تجویز دی اور تمام صحابہ نے اس پر اتفاق کرلیا تو آپ نے فرمان نامہ لکھوایا ہے جو مدینہ اور دیگر شہروں میں لوگوں کو پڑھ کر سنایا جائے، عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے عزائم سے آگاہ کیا اور آئندہ اقدامات سے باخبر کیا اور پورے ہوش وہواس کی حالت میں بزبان خود لوگوں کو یہ بات بتلائی تاکہ کسی طرح کا التباس پیدا نہ ہونے پائے، دعا کے ساتھ اللہ کی طرف متوجہ ہوئے اور مناجات کرنے لگے، عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو اس بات کا مکلّف کیا کہ وہ لوگوں کو یہ فرمان نامہ پڑھ کر سنائیں، اپنی وفات سے قبل عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی بیعت لی اور عمر رضی اللہ عنہ کو تنہائی میں تعلیمات دیں۔

۶۲ ...... ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد خلیفہ کے انتخاب کے لیے جو اقدامات کیے وہ کسی حالت میں بھی شورائیت کے منافی اور اس سے متجاوز نہیں۔ اگرچہ یہ اقدامات وہ نہ تھے جو خود ابوبکر رضی اللہ عنہ کے انتخاب کے وقت اختیار کیے گئے تھے اور اس طرح شورائیت اور اتفاق رائے سے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خلافت وجود میں آئی اور تاریخ میں اس کے بعد آپ کی خلافت کے سلسلہ میں کوئی اختلاف رونما نہ ہوا اور نہ آپ کے دور خلافت میں کوئی آپ کا

مدمقابل بن کر کھڑا ہوا اور آپ کی خلافت کے دوران میں آپ کی خلافت واطاعت پر مسلمانوں کا اجماع رہا، سب کے سب ایک ہی وحدت میں پروئے ہوئے تھے۔

۶۳...... دنیا میں اللہ کے دین کی نشرواشاعت کے راستہ میں عظیم جہاد کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ انسانی تمدن اس شیخ جلیل کی مقروض رہے گی جس نے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد آپ کی دعوت کا پرچم بلند کیا، آپ کے لگائے ہوئے پودے کی حفاظت کی، عدل وحریت کے بیج کی نگہبانی کی اور اسے شہداء کے پاکیزہ خون سے سیراب کیا، جس سے ہر طرح کے ثمرات امت کو وافر مقدار میں ملے اور تاریخ میں علوم وثقافت اور فکر کو عظیم تقدیم حاصل ہوا۔ تہذیب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی مقروض رہے گی کیونکہ آپ کے جہاد اور صبر عظیم کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کی حفاظت فرمائی اور اسلام کو اقوام وامم اور مختلف ممالک میں عظیم فتوحات کے ذریعہ سے پھیلا دیا۔

۶۴...... میری یہ متواضع کوشش قابل نقد اور رہنمائی کی محتاج ہے۔ یہ ایک حقیر کوشش ہے جس سے مقصود خلافت راشدہ کے دور کی حقیقت کی معرفت ہے تاکہ اس سے ہم نفاذ شریعت اور لوگوں میں اس کی نشر واشاعت میں استفادہ کریں۔

میں عرش عظیم کے مالک اللہ علی وعظیم سے دعا گو ہوں کہ اس ناچیز کی کوشش کو اچھی طرح قبول فرمائے اور اس میں برکت عطا کرے اور اسے میرے ان اعمال صالحہ میں شمار فرمائے جس سے مجھے اس کی قربت حاصل ہو، مجھے اور میرے ان دوستوں کو اجر وثواب سے محروم نہ کرے جنہوں نے اس کی تکمیل میں میرا تعاون کیا ہے، اور ہم سب کو انبیاء وصدیقین، شہداء اور صالحین کی رفاقت نصیب فرمائے۔

میں اپنی اس کتاب کو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر ختم کرتا ہوں:

﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿١٠﴾﴾ (الحشر: ۱۹)

''اے ہمارے رب! ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ایمان داروں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ (اور دشمنی) نہ ڈال، اے ہمارے رب! بے شک تو شفقت ومہربانی کرنے والا ہے۔''

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ أَشْهَدُ أَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ ، اَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوْبُ إِلَيْكَ
وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

خلیفۂ رسول ﷺ
سیّدنا عمرِ بن خطاب رضی اللہ عنہ
شخصیّت اور کارنامے

پہلا باب:

سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ مکہ میں

(۱)

نام ونسب، کنیت، اوصاف، خاندان اور زمانہ جاہلیت کی زندگی

نام ونسب، کنیت اور القاب:

آپ کا نام ونسب یہ ہے:

''عمر بن خطاب بن نفیل بن عبدالعزیٰ بن ریاح بن عبداللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لوی ❶ بن غالب القرشی العدوی۔'' ❷

آپ کا نسب کعب بن لوی بن غالب ❸ پر نبی اکرم ﷺ کے نسب نامہ سے جا ملتا ہے۔

آپ کی کنیت ابوحفص ❹ ہے۔ آپ کا لقب فاروق ہے۔ ❺ اس لیے کہ آپ نے مکہ مکرمہ میں جب اسلام قبول کیا تو اس کے ذریعہ سے اللہ نے کفر اور ایمان کے درمیان کھلی جدائی کر دی۔ ❻

پیدائش اور جسمانی اوصاف:

عمر رضی اللہ عنہ عام الفیل کے تیرہ (۱۳) سال بعد پیدا ہوئے۔ ❼ آپ کے جسمانی اوصاف یہ تھے کہ آپ خوب گورے چٹے، سرخی مائل رنگ کے تھے۔ دونوں رخسار، ناک اور دونوں آنکھیں نہایت خوبصورت تھیں۔ دونوں پاؤں اور ہتھیلیاں موٹی تھیں، گوشت سے بھرے ہوئے اعضاء، دراز قامت اور مضبوط جسم کے مالک تھے، سر کے آگے کے بال گرے ہوئے تھے، قد وقامت کے اتنے لمبے گویا کہ آپ گھوڑے پر سوار ہوں، نہایت طاقتور تھے، کمزور اور بزدل نہ تھے، ❽ مہندی کا خضاب لگاتے تھے، مونچھیں دونوں طرف بڑھی رہتی تھیں، ❾ جب چلتے

❶ الطبقات الکبریٰ، ابن سعد: ۳/ ۲۶۵، محض الصواب، ابن عبد الهادی: ۱/ ۱۳۱.

❷ محض الصواب فی فضائل امیر المومنین عمر بن الخطاب: ۱/ ۱۳۱.

❸ محض الصواب فی فضائل امیر المومنین عمر بن الخطاب: ۱/ ۱۳۱.

❹ صحیح التوثیق فی سیرة و حیاة الفاروق عمر بن الخطاب، ص: ۱۵.

❺ صحیح التوثیق فی سیرة و حیاة الفاروق عمر بن الخطاب، ص: ۱۵.

❻ صحیح التوثیق فی سیرة و حیاة الفاروق عمر بن الخطاب، ص: ۱۵.

❼ تاریخ الخلفاء، السیوطی، ص: ۱۳۳. ❽ الخلیفة الفاروق عمر بن الخطاب، العانی، ص: ۱۵.

❾ اگر آپ کسی معاملہ میں غصہ ہو جاتے یا رنجیدہ ہوتے تو انہیں بل دیتے تھے۔

تو تیز چلتے اور جب بولتے تو تیز آواز سے بولتے اور مارتے تو کاری ضرب لگاتے۔ ❶

خاندان:

آپ کے والد خطاب بن نفیل ہیں۔ آپ کے دادا نفیل بن عبدالعزیٰ ان لوگوں میں سے تھے جن کے پاس قریش کے لوگ فیصلہ لے کر آتے تھے۔ ❷ آپ کی والدہ کا نام حنتمہ بنت ہاشم بن مغیرہ ہے اور کہا گیا ہے کہ یہ ابوجہل کی بہن تھیں۔ ❸ لیکن اکثر مؤرخین کے نزدیک وہ ہاشم یعنی ابوجہل بن ہشام کے چچا کی لڑکی ہیں۔ ❹

آپ کی بیویوں، بیٹوں اور بیٹیوں کی تفصیل یہ ہے کہ آپ نے زمانۂ جاہلیت میں زینب بنت مظعون یعنی عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی بہن سے شادی کی، اس سے عبداللہ، عبدالرحمٰن کلاں اور حفصہ کی ولادت ہوئی۔

اور ملیکہ بنت جرول سے شادی کی، اس سے صرف ایک لڑکا عبیداللہ پیدا ہوا۔ آپ نے اس کو جنگ بندی کے دوران طلاق دے دی اور اس سے ابوجہم بن حذیفہ نے شادی کر لی۔

اور قریبہ بنت ابی امیہ مخزومی سے شادی کی، اسے بھی طلاق دے دی، پھر اس سے عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہما نے شادی کر لی۔

اور اُمّ حکیم بنت حارث بن ہشام سے اس وقت شادی کی جب کہ ان کے شوہر عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ کو شام میں شہید کر دیا گیا۔ ❺ اس سے فاطمہ کی پیدائش ہوئی۔ پھر آپ نے اسے بھی طلاق دے دی اور ایک قول بھی ہے کہ آپ نے طلاق نہیں دی۔ ❻

نیز آپ نے جمیلہ بنت عاصم بن ثابت بن ابی الافلح ❼ سے شادی کی جس کا تعلق قبیلہ اوس سے تھا۔

اور آپ نے عاتکہ بنت زید بن عمرو بن نفیل سے شادی کی، آپ سے پہلے وہ عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں تھیں۔ ❽ جب سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ شہید کر دیے گئے تو ان سے سیّدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے شادی کی۔ کہا جاتا ہے کہ وہ آپ کے لڑکے عیاض کی ماں ہیں۔ واللہ اعلم

آپ نے اُمّ کلثوم بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کو شادی کا پیغام جب کہ وہ چھوٹی تھیں عائشہ رضی اللہ عنہا کے ذریعہ سے بھیجا۔ اُمّ کلثوم نے کہا: میں ان سے شادی نہیں کروں گی۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: تم امیر المومنین سے شادی کرنے سے گریز کرتی ہو؟ انہوں نے کہا: ہاں! سخت مزاج ہیں اور پھر عائشہ رضی اللہ عنہا نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو اس سلسلہ میں خبر دی تو انہوں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو ان کے ارادے سے روک دیا اور اُمّ کلثوم بنت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کی

---

❶ تهذيب الاسماء: ٢/ ١٤، النووي۔ اوليات الفاروق، القرشي، ص: ٢٤.

❷ نسب قريش، زبيري ص: ٣٤٧. ❸ اوليات الفاروق السياسة، ص: ٢٢.

❹ اوليات الفاروق السياسة، ص: ٢٢. ❺ البداية والنهاية: ٧/ ١٤٤. ❻ البداية والنهاية: ٧/ ١٤٤.

❼ ترتيب و تهذيب البداية والنهاية، خلافة عمر: السلمي، ص: ٧.

❽ ترتيب و تهذيب البداية والنهاية، خلافة عمر: السلمي، ص: ٧.

طرف راہنمائی کی جو فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ کی بیٹی تھیں اور آپ نے فرمایا: آپ ان سے رسول اللہ ﷺ سے تعلق ہونے کی وجہ سے شادی کرلو، چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ نے علی رضی اللہ عنہ کو پیغام دیا، علی رضی اللہ عنہ نے اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہا سے آپ کی شادی کردی اور عمر رضی اللہ عنہ نے اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہا کو ۴۰ ہزار مہر ادا کیا، ان سے زید اور رقیہ کی ولادت ہوئی۔ ❶

اسی طرح آپ نے لُھَیَہ نامی ایک یمنی عورت سے شادی کی، اس سے عبدالرحمٰن اصغر کی ولادت ہوئی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ منجھلے عبدالرحمٰن تھے۔ واقدی کا بیان ہے کہ یہ آپ کی بیوی نہ تھیں بلکہ اُمّ ولد تھیں۔ ❷

مؤرخین کا کہنا ہے کہ آپ کی ماتحتی میں فکیھہ نامی امّ ولد تھی اور اس سے زینب کی ولادت ہوئی تھی۔ واقدی کے مطابق آپ کی اولاد میں یہ سب سے چھوٹی بچی تھی۔ ❸ اس طرح مجموعی طور پر آپ کے کل تیرہ اولادیں ہوئیں:

"زید اکبر، زید اصغر، عاصم، عبداللہ، عبدالرحمٰن اکبر، عبدالرحمٰن اوسط، عبدالرحمٰن اصغر، عبیداللہ، عیاض، حفصہ، رقیہ، زینب اور فاطمہ رضی اللہ عنہم۔"

آپ کی بیویاں جن سے آپ نے زمانۂ جاہلیت یا اسلام میں شادی کی، پھر ان کو طلاق دے دی جو آپ کی عصمت میں وفات تک رہیں ان کی مجموعی تعداد سات ہے۔ ❹

آپ کثرت اولاد اور امت محمدیہ میں اضافہ کی نیت سے شادیاں کرتے تھے۔ آپ کا قول ہے:

((ما آتی النساء للشهوة ولولا الولد ما باليت ألا أرى امرأة بعيني .)) ❺

"میں صرف شہوت بجھانے کی نیت سے عورتوں کے پاس نہیں آتا، اگر اولاد کا معاملہ نہ ہوتا تو مجھے اس بات کی قطعاً کوئی پروا نہ ہوتی کہ اپنی آنکھوں سے کسی عورت کو دیکھوں۔"

ایک مرتبہ آپ نے فرمایا:

((انی لأكره نفسی علی الجماع رجاء أن يخرج الله منی نسمة تسبحه وتذكره .)) ❻

"میں خود کو جماع کرنے پر اس لیے مجبور کرتا ہوں کہ ممکن ہے اللہ تعالیٰ میرے نطفہ سے ایسی اولاد عطا کردے جو اس کی تسبیح کرے اور اس کو یاد کرے۔"

زمانۂ جاہلیت کی زندگی:

عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی کا لمبا عرصہ زمانۂ جاہلیت میں گزارا اور قریش کے اپنے ہم عمروں کے ساتھ پلے بڑھے، آپ اس اعتبار سے ان سے ممتاز تھے کہ آپ ان لوگوں میں سے تھے جنھوں نے پڑھنا سیکھ لیا تھا اور ایسے

❶ الكامل فی التاريخ:۲/ ۲۱۲ .
❷ تاريخ الامم والملوك، طبری:۵/ ۱۹۱ .
❸ تاريخ الامم والملوك، طبری:۵/ ۱۹۲ .
❹ البداية والنهاية:۷/ ۱۴۴ .
❺ الشيخان أبوبكر و عمر، بروايت بلاذری، تحقيق د: إحسان صدقی ص:۲۲۷ .
❻ فرائد الكلام للخلفاء الكرام، قاسم عاشور، ص:۱۱۲ .

لوگ تعداد میں بہت تھوڑے تھے۔ ❶

آپ نے بچپن ہی سے ذمہ داری کا بوجھ اٹھایا اور سختی و تنگی کے ماحول میں جوان ہوئے، ایسی سختی کہ عیش و عشرت اور مالداری کی کسی علامت کو جانا ہی نہیں، آپ کے باپ خطاب سختی سے آپ کو چراگاہ کی طرف اونٹ چرانے کے لیے بھیجتے تھے۔ باپ کی اس سختی نے آپ کی ذات پر برا اثر چھوڑا، آپ اسے اپنی زندگی بھر یاد کرتے رہے۔ عبدالرحمٰن بن حاطب اس کی تفصیل یوں بیان کرتے ہیں:

> ''میں ضجنان ❷ میں عمر بن خطاب کے ساتھ تھا، آپ نے مجھ سے کہا: میں اسی جگہ خطاب کے اونٹوں کو چراتا تھا، وہ بہت سخت تھے، میں کبھی اونٹ چراتا اور کبھی لکڑیاں چننے چلا جاتا۔'' ❸

آپ صرف اپنے باپ کے اونٹوں کو نہیں چراتے تھے بلکہ بنی مخزوم سے تعلق رکھنے والی اپنی خالاؤں کے اونٹ بھی چراتے، اس بات کا ذکر عمر رضی اللہ عنہ نے خود اس وقت کیا جب کہ امیر المومنین ہوتے ہوئے ایک دن آپ کو خیال آیا کہ میں امیر المومنین بن گیا ہوں، اب مجھ سے افضل کون ہے؟ تو آپ اپنے نفس کا غرور توڑنے کے لیے مسلمانوں کے درمیان کھڑے ہوئے اور اعلان کیا کہ عمر بکریوں کا ایک چرواہا تھا، بنی مخزوم سے تعلق رکھنے والی اپنی خالاؤں کے اونٹوں کو چراتا تھا۔

(۲)

قبولِ اسلام اور ہجرت

قبولِ اسلام:

سب سے پہلے آپ کے دل پر نور کی کرنیں اس وقت پڑیں جب آپ نے دیکھا کہ قریش کی عورتیں آپ اور آپ جیسے دیگر لوگوں کی بدسلوکیوں سے تنگ آ کر اپنا ملک چھوڑ کر دور دوسرے ملک میں جا رہی ہیں۔ اس وقت آپ کا دل نرم پڑ گیا اور ضمیر نے آپ کو ملامت کی۔ آپ نے ان پر اظہار غم کیا اور ان کو ایسا بہترین کلام سنایا کہ جسے سننے کی وہ آپ سے کبھی امید نہیں رکھتی تھیں۔ ❹

امّ عبداللہ بنت حنتمہ بیان کرتی ہیں: جب ہم ہجرت حبشہ کے لیے کوچ کر رہی تھیں تو عمر آئے اور میرے پاس کھڑے ہوگئے۔ ہمیں ان کی بہت سی اذیتوں اور سختیوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا، انہوں نے مجھ سے کہا: اے امّ عبداللہ! کیا کوچ کا ارادہ ہے؟ میں نے کہا: ہاں، اللہ کی قسم، ہم ضرور اللہ کی زمین میں ہجرت کریں گی۔ تم لوگوں

---

❶ الادارة الاسلامية فی عهد عمر بن الخطاب، فاروق مجدلاوی ص: ۹۰.

❷ مکہ سے ایک منزل (تقریباً ۱۲ میل) کی دوری پر ایک پہاڑ ہے اور ایک قول کے مطابق ۲۵ کلومیٹر کی دوری پر ایک پہاڑ ہے۔

❸ تاریخ ابن عساکر: ۵۲/ ۲۶۸، طبقات ابن سعد: ۳/ ۲۲۶، ڈاکٹر عاطف لماضہ نے اس روایت کے صحیح الاسناد ہونے کی توثیق کی ہے۔

❹ اخبار عمر، الطنطاويات، ص: ۱۲

نے ہم کو تکلیف دی ہے، ستایا ہے۔ یہاں تک کہ اللہ ہمارے لیے کشادگی پیدا کر دے۔

عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ آپ لوگوں کا ساتھی ہو۔ میں نے اس وقت آپ کی طرف سے ایسی رقت ونرمی دیکھی جو کبھی نہ دیکھی تھی۔ چنانچہ جب عامر بن ربیعہ تشریف لائے جو اپنی کسی ضرورت کے لیے باہر گئے ہوئے تھے، اور میں نے ان سے واقعہ بیان کیا تو انہوں نے کہا: لگتا ہے کہ تم عمر کے اسلام کی امید رکھتی ہو؟ میں نے کہا: ہاں۔ انہوں نے کہا: وہ اس وقت تک اسلام نہیں لا سکتے جب تک خطاب کا گدھا اسلام نہ لے آئے۔ (یعنی یہ ناممکن ہے۔) ❶

عمر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے عزم ویقین کو دیکھ کر بہت متاثر ہوئے، اور احساس کیا کہ ان کا سینہ تنگ ہے۔ اس نئے دین کے ماننے والے اتنی زبردست مشکلات ومصائب کا سامنا کر رہے ہیں پھر بھی وہ اس پر جمے ہوئے ہیں۔ آخر اس ناقابل تسخیر قوت کا راز کیا ہے؟ آپ غمگین ہوئے اور دل کو ایک چرکا لگا۔ ❷ اس واقعہ کے کچھ ہی دنوں بعد اور نبی ﷺ کی دعا کی وجہ سے آپ اسلام لے آئے، دعائے نبوی ﷺ ہی آپ کے قبول اسلام کا بنیادی سبب تھا۔ آپ ﷺ نے دعا کی تھی:

((اللهم أعز الاسلام بأحب الرجلين إليك: بأبى جهل بن هشام أو بعمر بن الخطاب .))

''اے اللہ! ابوجہل بن ہشام اور عمر بن خطاب میں سے جو تیرے نزدیک زیادہ محبوب ہو اس کے ذریعہ سے اسلام کو غالب کر دے۔''

آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ''اللہ کے نزدیک ان دونوں میں سے عمر زیادہ پسندیدہ تھے۔'' ❸

آپ کے قبول اسلام کے بارے میں بہت سی روایتیں وارد ہیں، لیکن فن حدیث کے معیار کے مطابق ان کی اسناد کی تحقیق کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے اکثر صحیح نہیں ہیں۔ ❹ تاہم سیرت وتاریخ کی کتابوں میں مذکور روایات کے مطابق آپ کے قبولِ اسلام اور اس کے اعلان کو درج ذیل عناوین میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کا ارادہ:

قریش کے لوگ اکٹھے ہوئے اور نبی ﷺ کے معاملہ میں مشورہ کیا، انہوں نے کہا: محمد (ﷺ) کو کون قتل کرے گا؟ عمر بن خطاب نے کہا: میں یہ کام کروں گا۔ انہوں نے کہا: اے عمر! تمہی اس کے لیے موزوں ہو۔

❶ سیرت ابن ہشام: ۱/ ۲۱۶، فضائل الصحابة، احمد بن حنبل: ۱/ ۳۴۱

❷ الفاروق عمر، ص: ۹

❸ صحیح السنن الترمذی/ البانی، حدیث نمبر: ۲۹۰۷ ۔ الجامع الترمذی، حدیث نمبر: ۳۶۸۲.

❹ صحیح التوثیق فی سیرة وحیاة الفاروق، ص: ۲۳ مصنف نے ان تمام روایتوں کو ذکر کیا ہے جن میں آپ کے اسلام لانے کا واقعہ ذکر ہے اور ان کی تخریج کرنے کے ساتھ ساتھ اسناد پر حکم بھی لگایا ہے۔

وہ سخت گرمی کے دن میں، ٹھیک دوپہر کے وقت گردن میں تلوار لٹکائے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے کچھ ساتھیوں کو قتل کرنے کے لیے نکلے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں میں ابوبکر، علی اور حمزہ رضی اللہ عنہم اور دیگر حضرات تھے، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ میں رہ گئے تھے اور حبشہ ہجرت نہیں کی تھی۔ قریش نے عمر رضی اللہ عنہ کو بتایا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھی صفا پہاڑی کے نیچے دار ارقم میں جمع ہیں۔ راستہ میں نعیم بن عبداللہ النحّام رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوگئی، تو انہوں نے کہا: اے عمر کہاں کا ارادہ ہے؟ آپ نے کہا: میں اس صابی (دین بدل دینے والے) کے پاس جا رہا ہوں جس نے قریش کی جمعیت کو پارہ پارہ کر دیا ہے، اس کے دیدہ وروں کو بے وقوف کہا ہے، ان کے دین میں عیب لگایا اور ان کے معبودوں کو گالی دی ہے، تاکہ اسے قتل کر دوں۔

نعیم رضی اللہ عنہ نے کہا: اے عمر! تم کتنے غلط راستہ پر چل رہے ہو، اللہ کی قسم تم کو خود تمہاری ذات نے دھوکہ دیا ہے، تم انتہا پسندی کے شکار ہوگئے ہو اور بنو عدی کو برباد کرنا چاہتے ہو۔ تمہارا کیا خیال ہے کہ تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دو گے اور بنو عبد مناف تم کو زمین پر آزاد چھوڑ دیں گے؟

اس طرح دونوں آپس میں بحث کرتے رہے یہاں تک کہ ان کی آوازیں بلند ہوگئیں۔

عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میرا گمان ہے کہ تو بھی صابی (دین بدل دینے والا) ہوگیا ہے۔ اگر یہ سچ ہے تو تجھ ہی سے شروع کروں گا۔

جب نعیم رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ وہ باز آنے والے نہیں تو کہا: میں تم کو خبر دیتا ہوں کہ تمہارے خاندان اور تمہارے بہنوئی کے گھر والے بھی مسلمان ہو چکے ہیں اور جس گمراہی پر تم ہو اس کو انہوں نے چھوڑ دیا ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ نے جب یہ بات سنی تو پوچھا کہ وہ کون کون ہیں؟

انہوں نے کہا: تمہارے بہنوئی و چچیرے بھائی اور تمہاری بہن۔ [1]

اپنی بہن فاطمہ بنت خطاب کے گھر پہنچنا اور ان کا بھائی کے سامنے ثابت قدم رہنا:

عمر بن خطاب نے جب سنا کہ ان کی بہن اور بہنوئی اسلام لے آئے ہیں تو آپ کو سخت غصہ آیا اور ان کے پاس پہنچے۔ جب گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا تو انہوں نے پوچھا: کون؟ آپ نے کہا: ابن خطاب۔ وہ لوگ اپنے ہاتھوں میں لیے قرآن پڑھ رہے تھے۔ جب عمر کے آنے کا احساس ہوا تو جلدی سے اٹھ کھڑے ہوئے اور قرآن کو اسی حالت میں بھول کر چھپنے لگے۔ جب آپ داخل ہوئے اور آپ کی بہن نے آپ کو دیکھا تو چہرہ سے غصے کو بھانپ لیا، جلدی سے صحیفہ کو اپنی ران کے نیچے چھپا لیا۔ آپ نے کہا: ابھی مبہم اور پست آواز جو میں نے تمہارے پاس سنی یہ کون سی بات تھی۔ درحقیقت وہ لوگ سورہ ''طٰہٰ'' کی تلاوت کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا: ہماری آپس کی

[1] سیرۃ ابن هشام: ۱/ ۳۴۳ سنداً منقطع ہے۔ طبقات ابن سعد: ۳/ ۲۶۷ ، بروایت قاسم بن عثمان البصری عن انس اور قاسم ضعیف ہیں، فضائل الصحابۃ/ احمد بن حنبل کی تحقیق میں دروصی اللہ نے ان روایات کی تحقیق کی ہے۔

بات کے علاوہ کوئی چیز نہ تھی۔ آپ نے کہا: شاید کہ تم دونوں صابی (دین بدل دینے والے) ہو گئے ہو۔ ان کے بہنوئی نے کہا: تمہاری کیا رائے ہے اگر حق تمہارے دین کے علاوہ دوسری جگہ ہو۔ اتنے میں عمر (رضی اللہ عنہ) اپنے بہنوئی سعید رضی اللہ عنہ پر چڑھ دوڑے اور ان کی داڑھی کو پکڑ لیا۔ پھر دونوں نے اٹھا پٹک کی۔ عمر رضی اللہ عنہ سخت طاقتور تھے۔ آپ نے سعید کو زمین پر پٹخ دیا اور خوب روندا، پھر ان کے سینہ پر بیٹھ گئے۔ اتنے میں آپ کی بہن آ گئیں اور آپ کو اپنے شوہر سے دور کرنے لگیں۔ آپ نے ان کو تھپڑ رسید کیا جس سے ان کا چہرہ خون آلود ہو گیا۔ بہن نے غصہ کی حالت میں کہا: اے اللہ کے دشمن! کیا تو مجھے اس لیے مار رہا ہے کہ میں اللہ کی وحدانیت کا اقرار کرتی ہوں؟ آپ نے کہا: ہاں۔ انہوں نے کہا: جو تجھے کرنا ہے کر لے۔

((أشهد أن لا إله الا الله وأن محمدا رسول الله .))

''میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی حقیقی معبود نہیں، اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔''

تیری مرضی کے خلاف ہم اسلام لا چکے ہیں۔

جب عمر نے ان سے یہ باتیں سنیں تو شرمندہ ہوئے اور ان کے شوہر کے سینے سے اتر گئے اور بیٹھ گئے، پھر کہا: تمہارے پاس جو صحیفہ ہے مجھے دو، میں اسے پڑھوں گا۔ آپ کی بہن نے کہا: میں ایسا نہیں کروں گی۔ آپ نے کہا: تمہاری بربادی ہو! تمہاری بات نے میرے دل کو متاثر کیا ہے۔ مجھے صحیفہ دو، میں اسے دیکھ تو لوں، میں تجھے یقین دلاتا ہوں کہ اس میں خیانت نہیں کروں گا۔ تو اسے جہاں چاہے محفوظ رکھ لینا۔ انہوں نے کہا: تم ناپاک ہو اور ﴿ لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ﴾ (البقرۃ: ۷۹) ''اسے صرف پاک لوگ ہی چھوتے ہیں۔'' جاؤ غسل کر دیا وضو کر لو۔

آپ غسل کرنے گئے، پھر اپنی بہن کے پاس لوٹ کر آئے۔ انہوں نے آپ کو صحیفہ دیا۔ جس میں ''طٰہٰ'' اور دوسری سورتیں تھیں۔ آپ نے اس میں دیکھا: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ جب الرحمٰن الرحیم پر پہنچے تو کانپ اٹھے، صحیفہ ہاتھ سے گر گیا، پھر خود کو سنبھالا، اور اس میں پڑھا:

﴿ طٰهٰ ۝ مَآ أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ۝ إِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۝ تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْأَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ۝ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۝ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ۝ وَإِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَإِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَأَخْفٰى ۝ اَللّٰهُ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ لَهُ الْأَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۝ ﴾ (طٰہٰ: ۱-۸)

''طٰہٰ۔ ہم نے یہ قرآن تجھ پر اس لیے نہیں اتارا کہ تو مشقت میں پڑ جائے، بلکہ اس کی نصیحت کے لیے جو اللہ سے ڈرتا ہے۔ اس کا اتارنا اس کی طرف سے ہے جس نے زمین کو اور بلند آسمان کو پیدا کیا ہے۔ جو رحمٰن ہے عرش پر قائم ہے۔ جس کی ملکیت آسمانوں اور زمین اور ان دونوں کے درمیان

اور (کرۂ خاک) کے نیچے ہر ایک چیز پر ہے۔ اگر تو اونچی بات کہے تو وہ ہر ایک پوشیدہ بلکہ پوشیدہ سے پوشیدہ تر چیز کو بھی بخوبی جانتا ہے۔ وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ بہترین نام اسی کے ہیں۔''

یہ آیات آپ کے دل پر بہت اثر انداز ہوئیں۔ آپ نے کہا: کیا قریش اسی سے بھاگتے ہیں؟ پھر جب اللہ کے اس فرمان تک پہنچے:

﴿إِنَّنِيٓ أَنَا ٱللَّهُ لَآ إِلَٰهَ إِلَّآ أَنَا۠ فَٱعْبُدْنِي وَأَقِمِ ٱلصَّلَوٰةَ لِذِكْرِيٓ ﴿١٤﴾ إِنَّ ٱلسَّاعَةَ ءَاتِيَةٌ أَكَادُ أُخْفِيهَا لِتُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا تَسْعَىٰ ﴿١٥﴾ فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَن لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وَٱتَّبَعَ هَوَىٰهُ فَتَرْدَىٰ ﴿١٦﴾﴾ (طٰہ: ۱۴۔۱۶)

''بے شک میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا عبادت کے لائق اور کوئی نہیں۔ پس تو میری ہی عبادت کر اور میری یاد کے لیے نماز قائم رکھ۔ قیامت یقیناً آنے والی ہے جسے میں پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں تاکہ ہر شخص کو وہ بدلہ دیا جائے جو اس نے کوشش کی ہو۔ پس اب اس کے یقین سے تجھے کوئی ایسا شخص روک نہ دے جو اس پر ایمان نہ رکھتا ہو، اور اپنی خواہش کے پیچھے پڑا ہو، پس تو ہلاک ہو جائے گا۔''

اس کے بعد آپ نے کہا: جو ایسی بات کہہ رہا ہو اس کے لیے یہی مناسب ہے کہ اس کے ساتھ کسی دوسرے کی عبادت نہ کی جائے۔ مجھے بتاؤ محمد کہاں ہیں؟ [1]

قبول اسلام:

جب خباب رضی اللہ عنہ نے یہ واقعہ سنا تو گھر سے نکلے۔ وہ چھپے ہوئے تھے۔ اور کہا: اے عمر! خوش ہو جاؤ، مجھے امید ہے کہ آپ کے حق میں بروز سوموار رسول اللہ ﷺ کی یہ دعا قبول ہو چکی ہے:

((اَللّٰھُمَّ اَعِزَّ الْاِسْلَامَ بِأَحَبِّ هٰذَيْنِ الرَّجُلَيْنِ إِلَيْكَ بِأَبِي جَهْلِ بْنِ هِشَامٍ أَوْبِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ .)) [2]

''اے اللہ! ابوجہل بن ہشام یا عمر بن خطاب دونوں میں سے جو تیرے نزدیک زیادہ بہتر ہو اس کے ذریعہ سے اسلام کو غالب کر دے۔''

آپ (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: مجھے رسول اللہ ﷺ کی جگہ بتاؤ۔ جب انہوں نے بات کی سچائی کا اعتبار کر لیا تو کہا: آپ ﷺ صفا پہاڑی کے نیچے ہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے تلوار سنبھالی، گردن میں لٹکا لی، پھر رسول اللہ ﷺ اور

[1] فضائل الصحابة/ احمد بن حنبل: ۱/ ۳۴۴

[2] عمر بن خطاب، الطنطاویات، ص: ۱۱۷، ترمذی، مناقب: ۳۶۸۱.

آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف چل نکلے۔ وہاں پہنچ کر دروازہ کھٹکھٹایا، جب انہوں نے آپ (رضی اللہ عنہ) کی آواز سنی تو خوفزدہ ہوگئے اور کسی نے بھی دروازہ کھولنے کی ہمت نہ کی، کیونکہ انہیں جناب عمر کی آپ ﷺ سے شدت عداوت معلوم تھی۔ جب حمزہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ لوگ خوفزدہ ہیں تو کہا: کیا بات ہے؟ انہوں نے کہا: عمر بن خطاب ہیں۔ آپ نے کہا: عمر بن خطاب ہیں؟ دروازہ کھول دو۔ اگر اللہ نے اس کے لیے بھلائی چاہی تو وہ اسلام لے آئے گا، اور اگر اس کے علاوہ اس کا ارادہ ہے تو اس کا قتل کرنا ہمارے لیے آسان ہو جائے گا۔ انہوں نے دروازہ کھول دیا، سیّدنا حمزہ رضی اللہ عنہ اور ایک دوسرے آدمی نے آپ (عمر) کے دونوں بازوؤں کو پکڑ لیا، یہاں تک کہ انہیں رسول اللہ ﷺ کے پاس لائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اسے چھوڑ دو۔ [1] آپ ﷺ ان کی طرف بڑھے اور انہی کی چادر سے ان کی کمر کو پکڑ لیا، پھر تیزی سے کھینچا اور کہا:

((ما جاء بك يا ابن الخطاب؟ والله ما أرى أن تنتهي حتى ينزل الله بك قارعة .))

''اے خطاب کے بیٹے! تمہارا کیسے آنا ہوا؟ اللہ کی قسم میں تم کو تمہارے ارادے سے باز آنے والا نہیں پاتا یہاں تک کہ تم پر اللہ تعالیٰ مصیبت ڈال دے۔''

عمر (رضی اللہ عنہ) نے آپ سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں آپ کے پاس اللہ، اس کے رسول، اور اللہ کی طرف سے آپ جو لے کر آئے ہیں اس پر ایمان لانے آیا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے بلند آواز سے اللہ اکبر کہا، اس طرح آپ ﷺ کے صحابہ نے جو دار ارقم میں موجود تھے جان لیا کہ عمر اسلام لے آئے۔ پھر صحابہ اِدھر اُدھر چلے گئے۔ حمزہ بن عبدالمطلب کے ساتھ جب عمر بھی اسلام لے آئے تو انہوں نے کافی قوت محسوس کی، اور انہیں لگا کہ اب یہ دونوں رسول اللہ ﷺ کو تکلیف نہیں پہنچنے دیں گے۔ اور دیگر صحابہ بھی ان دونوں کے ذریعہ سے اپنے دشمن سے بدلہ لے لیں گے۔ [2]

دعوت الی اللہ کے لیے ڈٹ جانا اور اس کے لیے مشکلات برداشت کرنا:

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ مکمل خلوص وللّٰہیت کے ساتھ اسلام میں داخل ہوئے اور پوری طاقت کے ساتھ اسلام کے استحکام کے لیے کام کیا۔ آپ نے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا: اے اللہ کے رسول! کیا زندہ یا مردہ دونوں حالتوں میں ہم حق پر نہیں ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

((بَلٰى وَالَّذِىْ نَفْسِى بِيَدِهٖ إِنَّكُمْ عَلَى الْحَقِّ إِنْ مُتُّمْ وَإِنْ حَيِيتُمْ .))

''ہاں، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم حق پر ہو خواہ تم وفات پا جاؤ یا تم

[1] اخبار عمر، الطنطاويات، ص: ١٨

[2] فضائل الصحابة/ امام احمد بن حنبل: ١/ ٣٤٤

باحیات رہو۔''

آپ نے کہا: پھر چھپنا کیوں؟ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا، آپ ضرور بالضرور کھلے عام نکلیں گے۔ ایسا لگتا ہے کہ آپ ﷺ کو یہ احساس ہوگیا تھا کہ علانیہ دعوت کا وقت آ گیا ہے، اور اسلامی دعوت اتنی طاقتور ہو چکی ہے کہ خود اپنا دفاع کر سکے۔ چنانچہ آپ ﷺ کو علانیہ دعوت کی اجازت مل گئی، آپ صحابہ کی دو صفوں کے درمیان نکلے۔ ایک میں عمر تھے اور دوسرے میں حمزہ۔ وہ گرد آلود ہو گئے تھے۔ آپ ﷺ مسجد میں داخل ہوئے، جب قریش نے (آپ کے ساتھ عمر اور حمزہ رضی اللہ عنہما کو) دیکھا تو انہیں اس قدر تکلیف ہوئی کہ اتنی تکلیف کبھی نہیں ہوئی تھی۔ اس دن آپ ﷺ نے عمر رضی اللہ عنہ کو ''فاروق'' کا لقب دیا۔ [1]

اللہ تعالیٰ نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قبولِ اسلام کے ذریعہ سے اسلام اور مسلمانوں کو قوت بخشی، آپ بہت نڈر آدمی تھے، اس بات کی بالکل پروانہ کرتے تھے کہ میرے پیچھے کیا ہو رہا ہے۔ آپ اور حمزہ رضی اللہ عنہما کے ذریعہ سے دیگر اصحابِ رسول ﷺ محفوظ رہے۔ [2]

سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مشرکین قریش کو چیلنج کیا، ان سے لڑائی کی، یہاں تک کہ کعبہ میں خود [3] اور آپ کے ساتھ دوسرے مسلمانوں نے نماز پڑھی۔

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے قبولِ اسلام کا اسلامی دعوت پر اثر:

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب سے جناب عمر رضی اللہ عنہ اسلام لائے ہم کافروں پر برابر بھاری رہے، ہمیں یاد ہے کہ ہم میں خانہ کعبہ کے طواف اور اس میں نماز پڑھنے کی طاقت نہ تھی یہاں تک کہ عمر رضی اللہ عنہ اسلام لے آئے۔ جب وہ اسلام لے آئے تو آپ نے ان سے لڑائی کی، یہاں تک کہ وہ ہمیں چھوڑنے پر مجبور ہوگئے۔ پھر ہم نے نماز پڑھی اور طواف کیا۔ [4]

نیز آپ کا بیان ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا ایک فتح اور آپ کی ہجرت ایک مدد اور خلافت ایک رحمت تھی۔ ہمیں یاد ہے کہ ہم خانہ کعبہ میں نماز اور اس کے طواف کی طاقت نہیں رکھتے تھے یہاں تک کہ عمر رضی اللہ عنہ اسلام لے آئے۔ جب آپ اسلام لے آئے تو ہم نے ان سے لڑائی کی، یہاں تک کہ انہوں نے ہمیں چھوڑ دیا ہم نماز پڑھنے لگے۔ [5]

---

[1] حلیة الأولیاء: ۱/ ۴۰۔ صفة الصفوة: ۱/ ۱۰۳۔ ۱۰۴

[2] الخلیفة الفاروق عمر بن الخطاب، ص: ۲۶۔ ۲۷

[3] الریاض النضرة/ تالیف، محب الطبری: ۱/ ۲۵۷

[4] فضائل الصحابة، أحمد بن حنبل: ۱/ ۳۴۴ اس کی سند حسن ہے۔

[5] الشیخان أبوبکر وعمر بروایت بلاذری، ص: ۱۴۱

دوسرا باب:

سیّدنا عمر بن خطاب کی قرآنی اور نبوی تربیت

(۱)......عمر رضی اللہ عنہ کی قرآنی زندگی

اللہ، کائنات، زندگی، جنت، جہنم اور قضاء وقدر کے بارے میں آپ رضی اللہ عنہ کا تصور:

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کی جس تربیتی نظام میں پرورش ہوئی وہ قرآنی نظام تھا۔ جو اللہ ربّ العالمین کی طرف سے اتارا گیا ہے۔ کسی نظام حیات کو سیکھنے کا وہی ایک مصدر ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ اس بات کے حریص تھے کہ نظام زندگی کو سیکھنے کا فقط ایک ہی سرچشمہ ہو اور یہ کہ قرآنِ مجید ہی طریقۂ کار اور طرز فکر کا ایسا بنیادی محور ومرکز ہو جس پر مسلم فرد، اسلامی خاندان اور جماعت تربیت پاسکیں۔ چنانچہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جن آیات کریمہ کو آپ ﷺ سے بہ نفس نفیس سنا تھا آپ کی اسلامی شخصیت سازی میں ان کا نمایاں اثر رہا، ان آیات نے آپ کے دل کو پاک وصاف اور روح کا تزکیہ کیا، اور اس طرح آپ اپنے نیک ارادوں، کردار سازی، اعلیٰ مقاصد، پاک جذبات اور اخلاقی قدروں کے ذریعہ سے ایک نئے انسان کی شکل میں نمودار ہوئے۔ [1]

عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے قرآنِ کریم کے ذریعہ سے پہچان لیا کہ حقیقی معبود کون ہے کہ صرف اسی کی عبادت فرض ہے، معاً نبی کریم ﷺ قرآن کی عظیم آیات سے عمر رضی اللہ عنہ کی روح کی آبیاری بھی کرتے رہتے تھے، اور آپ ﷺ کی ہمیشہ یہ کوشش بھی رہتی کہ آپ کے صحابہ اپنے حقیقی ربّ اور بندوں پر اس کے حقوق کے بارے میں صحیح تصور پر تربیت پائیں، کیونکہ آپ ﷺ بخوبی واقف تھے کہ جب روحیں صاف شفاف ہو جائیں گی اور فطرت کی درستی ہو جائے گی تو یہی سچا تصور یقین اور تصدیق کو دل میں جاگزیں کر دے گا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ، کائنات، زندگی، جنت اور جہنم، قضاء وقدر، انسان کی حقیقت اور شیطان سے اس کی جنگ کے بارے میں آپ کا نظریہ قرآن کریم اور سنت نبوی ﷺ پر قائم ہو گیا۔

❀ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہر چیز کا پیدا کرنے والا اور اس کا مالک ومدبر ہے:

﴿إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرَاتٍ بِأَمْرِهِ ۗ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ ۗ تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿٥٤﴾﴾

(الاعراف: ٥٤)

[1] السيرة النبوية / الصلابي: ١/ ١٤٥

''بے شک تمھارا رب اللہ ہے، جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا، پھر وہ عرش پر بلند ہوا، رات کو دن پر اوڑھا دیتا ہے، جو تیز چلتا ہوا اس کے پیچھے چلا آتا ہے اور سورج اور چاند اور ستارے (پیدا کیے) اس حال میں کہ اس کے حکم سے تابع کیے ہوئے ہیں، سن لو! پیدا کرنا اور حکم دینا اسی کا کام ہے، بہت برکت والا ہے اللہ جو سارے جہانوں کا رب ہے۔''

❀ اللہ تعالیٰ ہی اس کائنات میں تمام نعمتوں کا عطا کرنے والا ہے خواہ وہ چھوٹی ہوں یا بڑی، ظاہر ہوں یا پوشیدہ:

﴿وَمَا بِكُم مِّن نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللَّهِ ثُمَّ إِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَإِلَيْهِ تَجْأَرُونَ ﴿٥٣﴾﴾

(النحل : ۵۳)

''اور تمھارے پاس جو بھی نعمت ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے، پھر جب تمھیں تکلیف پہنچتی ہے تو اسی کی طرف تم گڑگڑاتے ہو۔''

❀ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا بندوں پر حق یہ ہے کہ صرف اسی کی عبادت کریں اور اسی کی وحدانیت کا اعتراف واقرار کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں:

﴿بَلِ اللَّهَ فَاعْبُدْ وَكُن مِّنَ الشَّاكِرِينَ ﴿٦٦﴾﴾ (الزمر : ۶۶)

''بلکہ تو اللہ ہی کی عبادت کر اور شکر کرنے والوں میں سے ہو جا۔''

(مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، ص: ۶۸، از ڈاکٹر محمد الصلابی)

قرآنِ کریم کی موافقت، اسباب نزول پر خصوصی توجہ، اور بعض آیات کی تفسیر:

(۱) **قرآنِ کریم کی موافقت:** ...... عمر رضی اللہ عنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے زیادہ دلیر اور بہادر تھے، آپ ﷺ سے کسی نامانوس عمل کو صادر ہوتا دیکھتے تو پوچھ لیتے، مکمل صداقت اور صاف گوئی کے ساتھ اپنی رائے ظاہر کرتے، آپ کے کمال دانائی اور قرآنِ کریم کے مقاصد پر عبور ونکتہ فہمی کی یہ اہم دلیل ہے کہ بعض مواقع پر آپ کے نظریہ اور رائے کی تائید کے موافق قرآنِ مجید کا نزول ہوا۔ عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: میں نے اللہ تعالیٰ کی تین چیزوں میں موافقت کی...... یا (یہ الفاظ ہیں) میں نے اپنے ربّ کی تین چیزوں میں موافقت کی۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول اگر آپ مقامِ ابراہیم کو نماز کی جگہ بنا لیں تو بہتر ہوگا، تو اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم نازل کر دیا۔ اور میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ کے پاس نیک اور بد سبھی لوگ آتے ہیں، لہٰذا اگر آپ ﷺ امہات المومنین رضی اللہ عنہن کو پردہ کرنے کا حکم دے دیتے تو بہتر ہوتا۔ تو اللہ نے پردہ سے متعلق آیات نازل فرما دیں۔ اور مجھے خبر ملی کہ نبی ﷺ نے اپنی بعض بیویوں کی سرزنش کی ہے تو میں ان کے پاس گیا اور کہا: اگر تم اپنی حرکت سے باز آ جاؤ (تو بہتر ہے) ورنہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو تمہارے بدلے تم سے بہتر بیویاں عطا کرے گا۔ یہاں تک کہ میں آپ کی ایک بیوی کے پاس آیا، تو اس نے کہا: اے عمر! کیا رسول اللہ ﷺ میں یہ صلاحیت

نہیں ہے کہ اپنی بیویوں کو سمجھائیں، یہاں تک کہ آپ انہیں سمجھا رہے ہیں؟ ❶ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا ۝ ﴾ (التحریم: ۵)

''اس کا رب قریب ہے، اگر وہ تمھیں طلاق دے دے کہ تمھارے بدلے اسے تم سے بہتر بیویاں دے دے، جو اسلام والیاں، ایمان والیاں، اطاعت کرنے والیاں، توبہ کرنے والیاں، عبادت کرنے والیاں، روزہ رکھنے والیاں ہوں، شوہر دیدہ اور کنواریاں ہوں۔''

(۲) **منافقین پر نمازِ جنازہ نہ پڑھنے کی موافقت:** ...... سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: جب عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین کی وفات ہوئی تو رسول اللہ ﷺ کو اس کی نماز جنازہ پڑھنے کے لیے بلایا گیا، آپ تشریف لے گئے، جب آپ نے نماز پڑھانے کی نیت کی تو میں آپ کے سامنے کھڑا ہوا اور کہا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ اللہ کے دشمن عبداللہ بن ابی پر نماز جنازہ پڑھیں گے؟ جس نے فلاں موقع پر ایسا ایسا کہا تھا اور فلاں وقت ایسا ایسا کیا تھا؟ میں اس کے برے کردار کو گنواتا رہا اور رسول اللہ ﷺ مسکراتے رہے، یہاں تک کہ جب میں نے آپ سے بہت کہہ ڈالا تو آپ نے فرمایا:

((أَخِّرْ عَنِّيْ يَا عُمر إِنِّيْ خُيِّرتُ فَاخْتَرْتُ .))

''اے عمر! مجھ سے پیچھے ہٹ جاؤ، مجھے اختیار دیا گیا تو میں نے (مناسب عمل) اختیار کیا۔''

مجھ سے کہا گیا:

﴿ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ ﴾

(التوبة: ۸۰)

''ان کے لیے بخشش مانگ، یا ان کے لیے بخشش نہ مانگ، اگر تو ان کے لیے ستر بار بخشش کی دعا کرے گا تو بھی اللہ انھیں ہرگز نہ بخشے گا۔ یہ اس لیے کہ بے شک انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

((فَلَوْ أَعْلَمُ أَنِّيْ اِنْ زِدْتُ عَلَى السَّبْعِيْنَ غُفِرَلَهٗ زِدْتُ .))

یعنی ''اگر میں جانتا کہ میرے ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرنے پر وہ بخش دیا جائے گا تو میں اور زیادہ استغفار کرتا۔''

❶ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، حدیث: ۴۲۱۳.

پھر آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی، اور اس کے پیچھے اس کی قبر تک گئے یہاں تک کہ اس کی تدفین سے فارغ ہو گئے۔ یہ منظر اور پھر آپ کے سامنے اپنی جرأت دیکھ کر میں خود تعجب میں پڑ گیا۔ (حالانکہ اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں) اللہ کی قسم! ابھی کچھ ہی وقت گزرا تھا کہ یہ دو آیات نازل ہوئیں:

﴿وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ﴾ (التوبۃ: ۸۴)

''ان میں سے کوئی مرجائے تو آپ اس کے جنازے کی ہرگز نماز نہ پڑھیں، اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں۔''

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے پھر کبھی کسی منافق کی نماز جنازہ نہ پڑھی، نہ اس کی قبر پر گئے، یہاں تک کہ اللہ نے آپ کو وفات دے دی۔ [1]

(۳) **بدری قیدیوں کے بارے میں موافقت:** ...... سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے: جب غزوۂ بدر ہوا اور اللہ نے مشرکوں کو شکست دے دی۔ ان کے ستر آدمی قتل کر دیئے گئے اور ستر قیدی بنا لیے گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم سے مشورہ طلب کیا۔ آپ نے مجھ سے کہا: اے ابن خطاب! تمہاری کیا رائے ہے؟ میں نے کہا: میری رائے ہے کہ فلاں آدمی، جو آپ کا قریبی تھا، کو میرے حوالے کر دیجیے، میں اس کی گردن ماروں، اور عقیل کو علی کے حوالے کر دیجیے، وہ اس کی گردن ماریں اور فلاں کو حمزہ کے حوالے کر دیجیے وہ اس کی گردن ماریں، تاکہ اللہ تعالیٰ جان لے کہ ہمارے دلوں میں مشرکوں کے لیے کوئی محبت اور رواداری نہیں ہے۔ یہ لوگ تو کفار کے لیڈر اور سردار ہیں، لیکن آپ ﷺ نے میری رائے کو پسند نہیں کیا، اور ان سے فدیہ لے لیا۔ دوسرے دن میں علی الصبح آپ ﷺ کے پاس آیا تو آپ اور ابوبکر دونوں بیٹھے رو رہے تھے۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ اور آپ کے دوست کیوں رو رہے ہیں؟ اگر میں وجہ جان سکوں تو میں بھی روؤں، اور اگر رو نہ سکا تو آپ دونوں کو روتے دیکھ کر رونے کی کوشش کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

((وَالَّذِیْ عَرَضَ عَلَیَّ أَصْحَابُكَ مِنَ الْفِدَاءِ ، وَلَقَدْ عُرِضَ عَلَیَّ عَذَابُكُمْ أَدْنٰی مِنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ .))

یعنی ''اس وجہ سے کہ تمہارے ساتھیوں نے مجھے فدیہ لینے کا مشورہ دیا، تمہارا عذاب میرے سامنے (قریبی درخت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) اس درخت سے بھی قریب کر کے دکھایا گیا۔''

تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ۭ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ڰ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ

[1] صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۴۰۰۔ اخبار عمر، الطنطاویات، ص: ۳۸۰۔ ۳۸۱

لَمَسَّكُمْ فِيمَآ أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٦٨﴾ (الانفال: ٦٧-٦٨)

''پیغمبر کو نہیں چاہیے کہ اس کے پاس قیدی رہیں جب تک ملک میں (کافروں کو) خوب قتل نہ کرے تم دنیا کا سامان چاہتے ہو اور اللہ تعالیٰ (تم کو) آخرت (کا ثواب دینا) چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ زبردست ہے حکم والا۔ اگر اللہ تعالیٰ آگے سے ایک بات نہ لکھ چکا ہوتا تو تم نے جو (مال قیدیوں سے) لیا اس (قصور) میں تم پر بڑا عذاب اترتا۔''

پھر آئندہ سال اُحد میں ان مسلمانوں میں سے ستر شہید ہوئے، اور آپ ﷺ کے صحابہ نے میدان چھوڑ دیا، آپ ﷺ کے رباعی دانت ٹوٹ گئے، خود آپ کے سر میں دھنس گئی، آپ کے چہرہ سے خون بہتا رہا اور اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿أَوَلَمَّآ أَصَٰبَتْكُم مُّصِيبَةٌ قَدْ أَصَبْتُم مِّثْلَيْهَا قُلْتُمْ أَنَّىٰ هَٰذَا ۖ قُلْ هُوَ مِنْ عِندِ أَنفُسِكُمْ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَىْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٦٥﴾﴾ (آلِ عمران: ١٦٥) [1]

''(کیا بات ہے) کہ جب تمہیں ایک ایسی تکلیف پہنچی کہ تم اس جیسی دوگنی پہنچا چکے تو یہ کہنے لگے کہ یہ کہاں سے آ گئی؟ آپ کہہ دیجیے کہ یہ خود تمہاری طرف سے ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔''

حرمت شراب کے لیے عمر رضی اللہ عنہ کی دعا:

جب اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا:

﴿يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ ٱلْخَمْرِ وَٱلْمَيْسِرِ ۖ﴾ (البقرۃ: ٢١٩)

''لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق پوچھتے ہیں۔''

تو عمر رضی اللہ عنہ نے یہ دعا فرمائی:

((اَللّٰهُمَّ بَيِّنْ لَنَا فِي الْخَمْرِ بَيَانًا شَافِيًا .))

''اے اللہ! شراب کے بارے میں ہمارے لیے اطمینان بخش حکم بیان فرما۔''

تو سورۂ نساء کی یہ آیت نازل ہوئی:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَقْرَبُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ وَأَنتُمْ سُكَٰرَىٰ﴾ (النساء: ٤٣)

''اے ایمان والو! جب تم نشے میں مست ہو تو نماز کے قریب بھی نہ جاؤ۔''

چنانچہ جب نبی ﷺ نماز کھڑی کرتے تو منادی اعلان کر دیتا کہ کوئی بدمست نماز کے قریب نہ آئے، پھر عمر رضی اللہ عنہ بلائے گئے اور آپ کے سامنے یہ آیت ﴿فَهَلْ أَنتُم مُّنتَهُونَ﴾ (المائدہ: ٩١) (کیا تم اب بھی باز نہیں آؤ گے) تلاوت کی گئی، تو آپ نے کہا: ہم باز آ گئے، ہم باز آ گئے۔ [2]

---

[1] مسند أحمد، حدیث نمبر: ٢٢١۔ علامہ احمد شاکر نے اس کی تصحیح کی ہے، صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۱۷۶۳۔

[2] مسند احمد کی احادیث کی تخریج میں اس حدیث نمبر (۳۷۸) کی احمد شاکر نے تصحیح کی ہے۔

اس طرح بتدریج شراب کی حرمت ہوگئی۔

آپ کا رسول اللہ ﷺ سے بعض آیات کے بارے میں پوچھنا:

عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے بعض آیات کے بارے میں بذاتِ خود پوچھتے تھے اور کبھی کبھار اگر کسی صحابی کو رسول اللہ ﷺ سے کسی آیت کے بارے میں پوچھتے ہوئے سنتے تو اسے یاد کر لیتے اور طالبانِ علم نبوت میں سے جسے چاہتے اسے سکھاتے۔ چنانچہ یعلی بن امیہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ میں نے عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: اللہ کے فرمان: ﴿فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَوٰةِ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ (النساء: ۱۰۱) ''تم پر نمازوں کے قصر کرنے میں کوئی گناہ نہیں، اگر تمہیں ڈر ہو کہ کافر ستائیں گے'' کا کیا مطلب ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو امن وسکون عطا کر دیا ہے۔ تو عمر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا: جس بات سے تمہیں تعجب ہے میں نے بھی اس پر تعجب کیا تو رسول اللہ ﷺ سے اس کے بارے میں پوچھا۔ آپ نے فرمایا:

((صَدَقَةٌ تَصَدَّقَ اللّٰهُ بِهَا عَلَيْكُمْ فَاقْبَلُوْا صَدَقَتَهُ .)) [1]

''یہ ایک صدقہ ہے اللہ تعالیٰ نے تم پر صدقہ کیا ہے، لہٰذا تم اس کے صدقہ کو قبول کرو۔''

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے اس آیت کریمہ کے بارے میں پوچھا گیا:

﴿وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ﴾ (الاعراف: ۱۷۲)

''اور جب آپ کے ربّ نے اولاد آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا۔''

تو آپ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ سے اس کے بارے میں پوچھا گیا تھا، تو آپ نے فرمایا:

((إِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ آدَمَ ثُمَّ مَسَحَ ظَهْرَهُ بِيَمِينِهِ وَاسْتَخْرَجَ مِنْهُ ذُرِّيَّةً فَقَالَ خَلَقْتُ هٰؤُلَاءِ لِلْجَنَّةِ وَبِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ يَعْمَلُوْنَ ثُمَّ مَسَحَ ظَهْرَهُ فَاسْتَخْرَجَ مِنْهُ ذُرِّيَّةً فَقَالَ خَلَقْتُ هٰؤُلَاءِ لِلنَّارِ وَبِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ يَعْمَلُوْنَ .))

''بے شک اللہ تعالیٰ نے آدم کو پیدا کیا، پھر آپ کی پیٹھ پر اپنا داہنا ہاتھ پھیرا اور اس سے ایک ذریت نکالی، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں نے ان لوگوں کو جنت کے لیے پیدا کیا ہے اور یہ لوگ اہل جنت والے اعمال کریں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا تو اس سے ایک ذریت نکالی، اللہ نے فرمایا: میں نے ان لوگوں کو جہنم کے لیے پیدا کیا ہے اور یہ لوگ جہنمیوں والے اعمال کریں گے۔''

---

[1] اس کی سند صحیح ہے اور مسلم کی شرط پر ہے۔ دیکھیے: مسند أحمد، حدیث نمبر: ۱۷۵

ایک آدمی نے کہا: اے اللہ کے رسول! پھر عمل کی کیا ضرورت ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ إِذَا خَلَقَ الْعَبْدَ لِلْجَنَّةِ اسْتَعْمَلَهُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ حَتّٰى يَمُوْ عَلٰى عَمَلٍ مِنْ أَعْمَالِ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَيُدْخِلُهُ بِهِ الْجَنَّةَ وَإِذَا خَلَقَ الْعَبْدَ لِلنَّارِ اسْتَعْمَلَهُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ حَتّٰى يَمُوْتَ عَلٰى عَمَلٍ مِنْ أَعْمَالِ أَهْلِ النَّارِ فَيُدْخِلُهُ بِهِ النَّارِ .)) [1]

''بے شک اللہ عزوجل جب بندے کو جنت کے لیے پیدا کرتا ہے تو اس سے جنتیوں والا کام لیتا ہے یہاں تک کہ وہ جنتیوں والے کاموں میں سے کسی کام پر وفات پاتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ اسے اس عمل کی وجہ سے جنت میں داخل کر دیتا ہے، اور جب بندے کو جہنم کے لیے پیدا کرتا ہے تو اس سے جہنمیوں والا کام لیتا ہے یہاں تک کہ وہ جہنمیوں کے کاموں میں سے کسی کام پر وفات پاتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ اس عمل کی وجہ سے اسے جہنم میں داخل کر دیتا ہے۔''

اور جب اللہ تعالیٰ کا یہ قول نازل ہوا:

﴿سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ۝٤٥﴾ (القمر: ٤٥)

''عنقریب یہ جماعت شکست کھائے گی اور یہ لوگ پیٹھیں پھیر کر بھاگیں گے۔''

تو عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: کون سا لشکر شکست کھائے گا؟ کون سا لشکر غالب آئے گا؟ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ غزوۂ بدر میں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ ڈھال سے بچاؤ کر رہے تھے اور پڑھ رہے تھے: ﴿سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ۝٤٥﴾ (القمر: ٤٥) اس دن میں نے اس آیت کی تفسیر کو جان لیا۔ [2]

(۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دائمی صحبت

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ باشندگان مکہ کے ان افراد میں سے ایک تھے جنھوں نے اَن پڑھ معاشرہ میں لکھنا پڑھنا سیکھا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ بچپن ہی سے آپ کو علم سے والہانہ لگاؤ تھا اور آپ کی کوشش تھی کہ ان منتخب افراد میں سے ہو جائیں جنھوں نے اپنی اُمیت (ناخواندگی) کو مٹا دیا، نفوس کو مہذب بنا لیا اور مختلف عوامل واسباب کی وجہ سے زمانۂ رسالت میں ایک اونچا مقام حاصل کر لیا۔ ان عوامل میں سے ایک چیز یہ بھی تھی کہ آپ پڑھنے لکھنے پر خصوصی توجہ دیتے اور اس وقت اس کی بڑی اہمیت تھی۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پڑھنا لکھنا اور ابتدائی تعلیم حرب بن امیہ یعنی ابوسفیان کے والد سے حاصل کی۔ [3]

---

[1] مسند أحمد، الموسوعة الحديثية، حديث نمبر: ٣١١

[2] تفسير ابن كثير: ٤/ ٢٦٦

[3] عمر بن الخطاب، د/ محمد أحمد أبو النصر، ص: ٨٧.

پڑھنے لکھنے کی اسی خصوصیت نے آپ کو اس قابل بنا دیا کہ اس وقت آپ قوم کی تہذیب وثقافت سے آراستہ ہو جائیں۔ اگرچہ ہم یقینی طور پر کہہ سکتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ کی شخصیت کو نکھارنے، صلاحیتوں کو اجاگر کرنے، کردار کو نمایاں کرنے اور نفس کو مہذب بنانے کا سب سے بڑا محرک آپ ﷺ کی دائمی صحبت اور تعلیم گاہ نبوت ﷺ سے فیض یاب ہونا تھا۔ بایں طور کہ آپ اسلام قبول کرنے کے بعد مکہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ساتھ رہے۔ اسی طرح جب آپ ﷺ مدینہ میں عوالی...... مدینۃ النّبی سے متصل علاقہ...... میں قیام پذیر ہوئے تو وہاں بھی آپ ﷺ کی معیت میں رہے۔ عوالی کا یہ علاقہ موجودہ دور میں مسجد نبوی سے متصل ہے۔ کیونکہ آبادی بڑھ گئی ہے اور شہر مدینہ کا دائرہ وسیع ہو گیا ہے، اور گرد و پیش کے علاقوں کو شامل ہو گیا ہے۔ غرض یہ کہ اسی علاقہ میں عمر رضی اللہ عنہ نے خود کو منظّم کیا اور علوم و معارف سیکھنے کے لیے پوری انسانیت کے معلم وہادی کے سامنے تعلیم گاہ نبوت میں زانوئے تلمذ تہ کرنے کے حریص ہوئے۔ ایسا ہادی اور معلم جسے اس کے ربّ نے تعلیم وتربیت دی تھی۔ ﷺ۔ آپ سے قرآن، حدیث یا کسی معاملہ، واقعہ اور ارشاد و رہنمائی سے متعلق کوئی بھی تعلیمِ نبوی کا پند نہیں چھوٹتا تھا۔

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: میں اور بنو امیہ بن زید کا میرا ایک انصاری پڑوسی، ہم دونوں رسول اللہ ﷺ کے پاس باری باری آتے تھے، ایک دن وہ آتا اور ایک دن میں آتا۔ جب میں آتا تو اس دن کی وحی وغیرہ کی خبریں لاتا، اور جب وہ آتا تو وہ بھی اسی طرح کرتا۔ [1] یہ روایت ہمیں اس شرعی چشمۂ فیضان کی خبر دیتی ہے جس سے عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے علم، تربیت اور ثقافت کی آبیاری کی، یعنی وہ چشمۂ ہدایت اللہ عزوجل کی کتاب ہے، جو واقعات وحوادث کے مطابق تدریجاً رفتہ رفتہ رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوتا تھا اور آپ ﷺ اسے اپنے صحابہ کو پڑھ کر سناتے تھے، انہوں نے اس کے معانی کو یاد کیا، فہم وبصیرت میں گیرائی سے کام لیا اور اس کی بنیادی تعلیمات سے متاثر ہوئے۔ پس اس فہم وبصیرت کا ان کی ذات، دل ودماغ اور روح پر گہرا اثر تھا۔ چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سے ایک تھے جو تعلیم وتربیت کے میدان میں قرآنی منہج وفکر سے ہم آہنگ ہوئے۔ عمر رضی اللہ عنہ کی تاریخ اور آپ کے حیات وکارناموں کو پڑھنے والے کے لیے ضروری ہے کہ اس صاف وشفاف فیضانِ الٰہی پر تھوڑی دیر ٹھہر کر غور کرے جس نے صلاحیتوں کو نمو بخشی، عبقری ہستیوں کو نکھارا اور قوم کی ثقافت کو ترقی عطا کی، اس فیضانِ الٰہی سے میری مراد قرآنِ مجید ہے۔

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ اسلام لانے کے بعد ہی سے حفظ قرآن اور اس کے معانی ومفاہیم پر غور وتدبر کرنے کے حریص تھے اور آپ ﷺ کی معیت میں رہتے، جو آیات آپ ﷺ پر نازل ہوتیں انہیں آپ سیکھ لیتے، اس طرح آپ نے تمام آیات اور سورتوں کو حفظ کر لیا۔ آپ کو بعض آیات رسول اللہ ﷺ نے پڑھائیں اور آپ ان آیات کو قراءت نبوی کی روایت پر ہی پڑھنے کے حریص رہے۔ [2]

---

[1] عمر بن الخطاب، د/ محمد أحمد أبو النصر، ص: ۸۷

[2] عمر بن الخطاب، د/ محمد أحمد أبو النصر، ص: ۸۸

آپ کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ بعض آیات کے نزول کے فوراً بعد سب سے پہلے ان آیات کو آپ ہی نے سنا، اپنے محفوظات (یادداشت) کے بارے میں آپ ﷺ سے سمجھنے کی کوشش کی۔

رسول اللہ ﷺ اور عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان والہانہ لگاؤ تھا اور استاد وشاگرد کے درمیان منفرد نوعیت کی علمی فضا تیار کرنے میں ایسے ہی لگاؤ کا اہم کردار ہوتا ہے اور پھر نئی معلومات کی وجہ سے علمی و ثقافتی نتائج کی خوبیاں وبھلائیاں ابھر کر سامنے آتی ہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے بہت محبت کی، آپ ﷺ کے گرویدہ رہے اور خود کو آپ ﷺ کے وجود اور آپ کی دعوت کی نشر واشاعت کے راستہ میں قربان کرنے کے لیے تیار رہے۔ حدیث میں وارد ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُوْنَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ)) [1]

''تم میں کوئی مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والد، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔''

عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا:

اے اللہ کے رسول! آپ میرے نزدیک میری جان کے علاوہ بقیہ تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

اے عمر! (ایمان مکمل) نہیں، یہاں تک کہ میں تمہارے نزدیک تمہاری جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ آپ نے فرمایا: اب آپ میری جان سے بھی زیادہ مجھے محبوب ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: اب (ایمان مکمل ہوا) اے عمر۔ [2]

عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دن آپ ﷺ سے عمرہ کرنے کی اجازت مانگی، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَا تَنْسَانَا يَا أُخَيَّ دُعَائِكَ .)) [3]

''اے میرے بھائی! اپنی دعا میں ہمیں نہ بھولنا۔''

تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

---

[1] صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۱۵

[2] صحیح البخاری، حدیث نمبر: ٦٦٣٢

[3] سنن أبی داود/ الصلوٰۃ، حدیث نمبر: ۱٤۹۸، سنن ترمذی/ الدعوات، حدیث نمبر: ۳٥٦۲۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ سنن ابن ماجہ/ المناسك: ۲۸۹٤ بروایت عمرؓ، اور محدث عصر حاضر شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ (مترجم)

''میں نے نہیں پسند کیا کہ دنیا کی کوئی چیز میرے نزدیک آپ ﷺ کے فرمان - اے میرے بھائی!- سے زیادہ پسندیدہ ہو۔'' ❶

یہ بلند اور پاکیزہ محبت ہی تھی جس کی وجہ سے عمر رضی اللہ عنہ تمام غزوات میں آپ ﷺ کے ساتھ رہے اور جنگی فنون میں تجربہ، مہارت اور فہم وبصیرت نیز انسانوں کی طبیعت اور احساسات کی گہری معرفت نے اس محبت میں چار چاند لگا دیے۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ کی مصاحبت اور آپ کے ساتھ کثرت گفتگو نے عمر رضی اللہ عنہ کو فصاحت وبلاغت، کلام میں روانی اور بات کرنے میں مختلف اسلوب عطا کیے۔ ❷

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ میدانِ جہاد میں:

علماء کا اتفاق ہے کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ بدر، احد اور تمام غزوات میں نبی ﷺ کے ساتھ رہے اور کبھی غیر حاضر نہ ہوئے۔ ❸

۱: **غزوۂ بدر:** ...... سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر میں شریک ہوئے اور جب رسول اللہ ﷺ نے معرکہ سے قبل صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا تو سب سے پہلے ابوبکر رضی اللہ عنہ بولے اور بہتر بات کہی اور کافروں سے جنگ کا مشورہ دیا۔ پھر عمر فاروق رضی اللہ عنہ بولے اور بہتر بات کہی اور کافروں سے جنگ کرنے کا مشورہ دیا۔ ❹ غزوۂ بدر میں مسلمانوں میں سے سب سے پہلے مہجع ❺ کی شہادت ہوئی، جو عمر رضی اللہ عنہ کے غلام تھے۔ ❻

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث بیان کی جسے آپ ﷺ سے اس وقت سنا تھا جب آپ غزوہ بدر میں مشرکین مکہ کے مقتولین سے مخاطب تھے۔ پس انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ اور مدینہ کے درمیان تھے، ہم نے ایک دوسرے کو چاند دکھایا، میری نگاہ تیز تھی۔ میں نے چاند پہلے دیکھ لیا اور عمر رضی اللہ عنہ سے کہنے لگا: کیا آپ اسے نہیں دیکھ رہے ہیں؟ انہوں نے کہا: اپنے بستر پر لیٹے ہوئے میں ابھی اسے دیکھ لوں گا۔ پھر آپ بدر والوں کے بارے میں ہمیں بتانے لگے۔ کہا: کل ہمیں رسول اللہ ﷺ ان (مشرکین) کی ہزیمت گاہ دکھا رہے تھے۔ آپ کہتے تھے کہ ان شاء اللہ کل اس مقام پر فلاں چت ہوگا اور اس مقام پر فلاں چت ہوگا۔ پھر وہ (جن کے نام لیے تھے) ان مقامات پر گرتے گئے۔ میں نے کہا: قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے

❶ سنن أبي داود/ الصلاة، حدیث نمبر: ۱۴۹۸۔ سنن ترمذی/ الدعوات، حدیث نمبر: ۳۵۶۲

❷ عمر بن الخطاب، د/ محمد أبو النصر، ص: ۹۴

❸ مناقب أمیر المومنین عمر ابن الخطاب/ ابن الجوزی، ص:۸۹

❹ الفاروق مع النبی، د/ عاطف لماضة، ص: ۳۲

❺ الطبقات/ ابن سعد: ۳/ ۳۹۱، ۳۹۲ سند منقطع ہونے کی وجہ سے یہ روایت ضعیف ہے۔

❻ السیرة النبویة/ ابن هشام: ۲/ ۳۸۲۔ صحیح التوثیق، ص:۱۸۷

ساتھ مبعوث کیا! وہ اس مقام سے ذرّہ برابر نہ ہٹے، وہاں مارے جا رہے تھے، پھر آپ نے ان کے بارے میں حکم دیا اور وہ کنویں میں ڈال دیے گئے۔ آپ ان کے پاس گئے اور کہا: اے فلاں! اے فلاں! کیا جس چیز کا اللہ نے تم سے وعدہ کیا تھا تم نے اسے حق پایا؟ میں نے اس چیز کو حق پایا جس کا اللہ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ ان لوگوں سے بات کر رہے ہیں جو مردہ ہو گئے ہیں؟ آپ نے فرمایا: جو میں ان سے کہتا ہوں اسے تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو، لیکن وہ جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے۔ [1]

۲. غزوۂ احد، بنو مصطلق اور خندق: ...... بلند ہمت رہنا اور ذلت و رسوائی کی موت کو نہ برداشت کرنا اگرچہ شکست کی علامتیں صاف ہی کیوں نہ ہوں، فاروق رضی اللہ عنہ کے خاص مجاہدانہ اوصاف میں سے ہیں، جیسا کہ دوسرے بڑے اسلامی معرکہ جس میں رسول اللہ ﷺ بہ نفس نفیس شریک ہوئے، یعنی غزوۂ احد میں پیش آیا۔

لڑائی جب اختتام کو پہنچ رہی تھی، ابوسفیان کھڑا ہوا اور کہا: کیا محمد زندہ ہے؟ آپ ﷺ نے (صحابہ سے) فرمایا: تم جواب نہ دو۔ اس نے پھر کہا: کیا مسلمانوں میں ابن ابی قحافہ زندہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جواب نہ دو۔ اس نے کہا: کیا مسلمانوں میں ابن خطاب زندہ ہے؟ پھر اس نے خود ہی کہا: یہ سب قتل کر دیے گئے، اگر زندہ ہوتے تو جواب دیتے۔ (یہ سن کر) عمر رضی اللہ عنہ خود کو قابو میں نہ رکھ سکے اور کہا: اے اللہ کے دشمن! تم نے جھوٹ کہا۔ اللہ نے تیری رسوائی کا سارا سامان باقی رکھا ہے۔ ابوسفیان نے کہا: "أعل هبل" ہبل کی جے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم اسے جواب دو۔ صحابہ نے کہا: ہم کیا کہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کہو: ((اَللّٰهُ أَعْلٰى وَأَجَلُّ)) اللہ سب سے بلند و بزرگ ہے۔ ابوسفیان نے کہا: ((إِنَّ لَنَا عُزّٰى وَلَا عُزّٰى لَكُمْ.)) ہمارے لیے "عزیٰ" ہے، اور تمہارے لیے "عزیٰ" نہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: جواب دو۔ صحابہ نے کہا: ہم کیا کہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کہو ((اَللّٰهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰى لَكُمْ)) اللہ ہمارا مالک و مددگار ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں۔

ابوسفیان نے کہا: آج کا دن بدر کا بدلہ ہے اور جنگ مثل ڈول ہے۔ تم لاشوں کو مثلہ کیا ہوا پاؤ گے اس کا میں نے حکم نہیں دیا ہے، تم مجھے برا بھلا مت کہنا۔ [2]

غزوہ بنو مصطلق میں بھی فاروق رضی اللہ عنہ کا منفرد مؤقف تھا۔ جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہما واقعہ کا آنکھوں دیکھا حال اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ہم مجاہدین میں سے تھے، ایک مہاجر نے ایک انصاری کو لات ماری، انصاری نے کہا: اے انصار! مدد کے لیے آؤ، اور مہاجر نے کہا: اے مہاجرو! مدد کے لیے آؤ۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے سن کر فرمایا: "دَعُوْهَا فَإِنَّهَا منتنة" "اسے چھوڑ دو، یہ ناپاک بدبودار ہے۔" جب عبداللہ بن ابی نے

---

[1] مسند أحمد، حديث نمبر: ۱۸۲، الموسوعة الحديثية۔ اس کی سند صحیح ہے اور شیخین کی شرط پر ہے۔
[2] صحيح البخاري/ المغازي، حديث نمبر: ۴۰۴۳، السيرة النبوية الصحيحة: ۲/ ۳۹۲

اس واقعہ کو سنا تو کہا: کیا واقعی مہاجرین نے ایسا کیا ہے؟ سن لو! اللہ کی قسم، اگر ہم مدینہ واپس گئے تو باعزت لوگ ذلیلوں کو یقیناً نکال دیں گے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے یہ بات سنی اور رسول اللہ ﷺ کے پاس تشریف لائے اور کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے اس منافق کی گردن مارنے کی اجازت دیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اسے چھوڑ دو تاکہ لوگ یہ نہ کہیں کہ محمد اپنے ساتھیوں کو قتل کرتا ہے۔ [1]

غزوۂ خندق کے بارے میں جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ غزوہ خندق کے موقع پر سورج غروب ہونے کے بعد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ آئے اور کفار قریش کو برا بھلا کہنے لگے، اور کہا: اے اللہ کے رسول! میں نے سورج ڈوبتے ڈوبتے نماز پڑھی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اور میں نے، اللہ کی قسم! ابھی پڑھی ہی نہیں۔ پھر ہم نبی ﷺ کے ساتھ ''بطحان'' [2] گئے۔ آپ ﷺ نے نماز کے لیے وضو کیا اور ہم نے بھی وضو کیا اور سورج غروب ہونے کے بعد عصر کی نماز پڑھی، پھر اس کے بعد مغرب پڑھی۔ [3]

۳: صلح حدیبیہ اور ھوازن و غزوہ خیبر: ...... صلح حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو مکہ بھیجنے کے لیے بلایا تاکہ وہ اشراف قریش کو اپنی آمد کا مقصد بتا دیں۔ تو آپ نے کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے اپنے بارے میں قریش سے خطرہ ہے، اور مکہ میں بنو عدی بن کعب کا کوئی فرد بھی نہیں ہے جو میری حفاظت کر سکے، نیز قریش سے میری عداوت اور ان کے لیے میری سختی سے بھی آپ واقف ہیں۔ لہٰذا میں آپ کو ایسا آدمی بتاتا ہوں جو ان کے نزدیک مجھ سے زیادہ باعزت ہے۔ وہ عثمان بن عفان ہیں۔ آپ ﷺ نے عثمان بن عفان کو بلایا، اور انہیں ابوسفیان و دیگر اشراف قریش کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ ہماری آمد کا مقصد جنگ کرنا نہیں ہے، بلکہ ہم خانہ کعبہ (بیت اللہ) کی زیارت اور اس کی تقدیس و تعظیم کرنے آئے ہیں۔ [4]

جب صلح نامہ کے معاہدہ پر اتفاق ہو گیا اور صرف اس کی قرار دادوں کو لکھنا باقی رہا تو مسلمانوں میں اس معاہدہ سے متعلق سخت مخالفت ہوئی۔ خاص طور سے ان دو قرار دادوں پر سخت اعتراض تھا جن میں ایک کے بموجب نبی ﷺ کو ان مسلمانوں کو واپس لوٹانا ضروری تھا جو آپ ﷺ کے پاس آ کر پناہ لیں، جب کہ قریش کے لیے ان افراد کا لوٹانا ضروری نہ تھا جو مرتد ہو کر ان کی پناہ لیں اور دوسرے کے بموجب اس سے مکہ میں داخل نہ ہوں اور حدیبیہ ہی سے مدینہ واپس لوٹ جائیں۔

ان قرار دادوں پر سب سے مخالف اور اس کے بڑے معترض عمر بن خطاب، قبیلہ اوس کے سردار اسید بن حضیر اور خزرج کے سردار سعد بن عبادہ تھے۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اس معاہدہ کی علانیہ مخالفت

---

[1] السيرية النبوية الصحيحة: ٢/ ٤٠٩ .

[2] مدینہ کی ایک وادی کا نام ہے۔

[3] صحيح البخاري، حديث نمبر: ٥٩٦ .

[4] السيرة النبوية/ ابن هشام: ٢/ ٢٢٨ ـ أخبار عمر، ص: ٣٤

کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہا: کیا آپ اللہ کے رسول نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں، اس کا رسول ہوں۔ انہوں نے کہا: کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں، مسلمان ہو۔ انہوں نے کہا: کیا وہ مشرک نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! وہ مشرک ہیں۔ انہوں نے کہا: پھر ہم اپنے دین کے بارے میں کیوں یہ گھٹیا شرط مان رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: میں اللہ کا رسول ہوں اور اس کی نافرمانی نہیں کروں گا۔ [1]

اور ایک روایت میں ہے:

((أَنَا عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهُ لَنْ أُخَالِفَ أَمْرَهُ وَلَنْ يُّضَيِّعَنِيْ .)) [2]

''میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، اس کے حکم کی خلاف ورزی ہرگز نہ کروں گا اور وہ مجھے ہرگز ضائع نہ کرے گا۔''

عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا آپ ہم سے کہتے نہ تھے کہ ہم خانہ کعبہ (بیت اللہ) جائیں گے اور اس کا طواف کریں گے؟ آپ نے فرمایا: ہاں ٹھیک ہے، لیکن کیا میں نے کہا تھا کہ اسی سال؟ میں نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: تم اس کے پاس جاؤ گے اور اس کا طواف کرو گے۔ عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: میں ابوبکر کے پاس آیا اور ان سے کہا: اے ابوبکر! کیا آپ ﷺ اللہ کے رسول نہیں ہیں؟ انہوں نے کہا: ہاں، اللہ کے رسول ہیں۔ میں نے کہا: کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟ انہوں نے کہا: ہاں، مسلمان ہیں۔ میں نے کہا: کیا وہ مشرک نہیں ہیں؟ انہوں نے کہا: ہاں، ایسے ہی ہے۔ میں نے فرمایا: پھر کیوں ہم اپنے دین میں رسوائی برداشت کریں؟ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مجھے اعتراض اور مخالفت سے باز آنے کی نصیحت کرتے ہوئے کہا: آپ ﷺ کی بات مان لو، میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں، آپ نے جو حکم دیا ہے وہی حق ہے، ہم حکم الٰہی کی مخالفت ہرگز نہ کریں گے اور اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی ضائع نہ کرے گا۔ [3]

اور شعبان ۷ھ میں آپ ﷺ نے عمر رضی اللہ عنہ کو تیس (۳۰) آدمیوں کا قائد بنا کر وادئ ''تُـرَبَة'' [4] سے ہوتے ہوئے قبیلہ ہوازن کی پشت پر حملہ آور ہونے کو کہا۔ یہ وادی مکہ سے چار مراحل کی دوری پر ''فلا'' کے کنارے سے ہو کر گزرتی ہے، چنانچہ آپ اپنے ساتھ بنو ہلال کے ایک رہنما کو لے کر نکلے۔ [5]

آپ رات میں چلتے اور دن میں چھپے رہتے، لیکن ہوازن والوں کو خبر مل گئی اور وہ سب بھاگ نکلے۔ عمر رضی اللہ عنہ ان کے گھروں تک گئے، لیکن کسی کو نہ پایا، پھر واپس مدینہ لوٹ آئے۔ [6]

---

[1] من معين السيرة/ الشامی، ص: ۳۳۳

[2] صحيح البخاری، حديث نمبر: ۳۱۸۲۔ تاريخ الطبری: ۲/ ۶۳۴ [3] السيرة النبوية/ ابن ہشام: ۳/ ۳۴۶

[4] حجاز کے مشرق میں یہ وادی واقع ہے اور نجد کے بالائی حصہ سے اس میں پانی گرتا ہے۔

[5] ہلال بن عامر بن صعصعة بن معاوية بن بكر بن ہوازن۔

[6] الطبقات لابن سعد: ۳/ ۲۷۲

غزوۂ خیبر کے موقع پر جب رسول اللہ ﷺ نے اہل خیبر کا محاصرہ کیا تو فوجی قیادت کا جھنڈا عمر بن خطاب کو دیا۔ آپ کے ساتھ مل کر کچھ لوگوں نے اہل خیبر سے مقابلہ کیا، لیکن عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی بھی پیچھے ہٹ گئے اور لوٹ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَأُعْطِيَنَّ اللِّوَاءَ غَدًا رَجُلًا يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ وَيُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ .))

''کل جھنڈا میں ایسے آدمی کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور اس کے رسول اس سے محبت کرتے ہیں۔''

چنانچہ دوسرے دن ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما مجلس میں آگے آگے تھے، لیکن آپ ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ کو بلایا، ان کی آنکھیں آئی ہوئی تھیں، آپ نے ان کی آنکھ پر اپنا لعاب دہن لگا دیا اور جھنڈا ان کے ہاتھ میں دیا۔

غزوۂ خیبر ہی کے موقع پر جب صحابہ کی ایک جماعت نبی ﷺ کے پاس آئی اور کہا کہ فلاں شہید ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((كَلَّا إِنِّي رَأَيْتُهُ فِي النَّارِ فِي بُرْدَةٍ غَلَّهَا ، أَوْعَبَاءَةٍ .))

''ہرگز نہیں، میں نے اسے چادر یا عباء کی چوری کی وجہ سے جہنم میں دیکھا ہے۔''

پھر آپ نے فرمایا:

((يَابْنَ الْخَطَّابِ! اِذْهَبْ فَنَادِ فِي النَّاسِ أَنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا الْمُؤْمِنُوْنَ .))

''اے ابن خطاب! جاؤ لوگوں میں اعلان کردو کہ جنت میں صرف مومن ہی داخل ہوں گے۔''

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ پھر میں نکلا اور اعلان کیا: سن لو! جنت میں صرف مومن ہی داخل ہوں گے۔ [1]

٤: فتح مکہ اور غزوہ حنین و تبوک: ...... جب قریش نے بدعہدی کر کے حدیبیہ کی صلح توڑ دی تو مدینہ کی طرف سے متوقع خطرات سے ڈر گئے اور ابوسفیان کو صلح کی بحالی اور مدت صلح میں اضافہ کے مقصد سے مدینہ روانہ کیا، وہ اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آیا اور اپنی بیٹی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے کمرہ میں داخل ہوا لیکن مقصد میں کامیاب نہ ہوا، پھر وہاں سے نکلا اور رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، آپ سے ہم کلام ہوا۔ لیکن آپ نے اسے کوئی جواب نہ دیا، پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا، ان سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے بات کرنے کے لیے کہا ہے۔ آپ نے فرمایا: میں بات نہیں کروں گا۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور آپ سے گفتگو کی، آپ نے کہا: کیا میں تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ سے سفارش کر دوں؟ اللہ کی قسم، اگر میں صرف چھوٹی چیونٹیوں کو تم سے جہاد کرنے کے لیے اپنا معاون پاؤں گا تو بھی جہاد کروں گا۔ [2]

---

[1] اس کی سند حسن ہے، اس کے رجال شیخین کے رجال ہیں۔ الموسوعة الذهبية ، مسند احمد: ١/ ٣٠ ، حديث: ٢٠٣۔

[2] السيرة النبوية ، ابن هشام: ٢/ ٢٦٥۔ أخبار عمر ، ص: ٣٧

چنانچہ جب آپ ﷺ نے فتح مکہ کے لیے تیاریاں مکمل کرلیں تو حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے مکہ والوں کو ایک خط لکھا اور نبی کریم ﷺ کے لشکر کشی کی اطلاع انہیں دے دی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ سے اس خط کے بارے میں اپنے نبی ﷺ کو مطلع کردیا اور آپ نے اس کوشش کو آغاز ہی میں ختم دیا۔ آپ نے علی اور مقداد رضی اللہ عنہما کو بھیجا، انہوں نے مدینہ سے بارہ میل کی دوری پر روضۂ خاخ کے پاس خط لے جانے والی عورت کو گرفتار کرلیا اور ڈرایا دھمکایا کہ اگر وہ خط نہیں دیتی تو اس کی تلاشی لیں گے، اس نے انہیں وہ خط دے دیا۔ پھر آپ ﷺ نے تحقیق کے لیے حاطب رضی اللہ عنہ کو طلب کیا۔ انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ میرے بارے میں جلدی نہ کریں، میں قریش کا حلیف تھا، میں قریش میں سے نہیں ہوں اور آپ کے ساتھ جو مہاجرین ہیں ان کے وہاں (مکہ میں) رشتے دار ہیں، جس کی وجہ سے ان کے مال اور اہل وعیال محفوظ ہیں۔ لہٰذا میں نے چاہا کہ جب وہاں ان سے میرا کوئی خاندانی رشتہ نہیں تو میں اس طرح ان کو اپنا معاون بنالوں تاکہ میرے قرابت داروں کا خیال رکھیں، میں نے اپنے دین سے ارتداد یا اسلام لانے کے بعد کفر سے رضامندی کی وجہ سے ایسا نہیں کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ((أَمَا إِنَّهُ قَدْ صَدَقَكُمْ .)) اس نے تم سے سچ سچ بات بتائی۔ عمر نے کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے اس منافق کی گردن مارنے کی اجازت دیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّهُ قَدْ شَهِدَ بَدْرًا ، وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ اللّٰهُ اَطَّلَعَ عَلٰى مَنْ شَهِدَ بَدْرًا ، قَالَ: اعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ .)) [1]

''انہوں نے بدر میں شرکت کی ہے، تم نہیں جانتے اللہ تعالیٰ بدر میں شرکت کرنے والوں سے مطلع ہے، اور ان کے بارے میں فرمایا ہے: تم جو چاہو کرو میں نے تم کو بخش دیا ہے۔''

رسول اللہ ﷺ اور عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان حاطب کے بارے میں جو گفتگو ہوئی اس سے مندرجہ ذیل عبرت وموعظت کی باتیں سامنے آتی ہیں:

- جاسوس کا حکم یہ ہے کہ اسے قتل کردیا جائے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے قتل کرنے کی اجازت مانگی، لیکن آپ ﷺ نے ان کو ایسا کرنے سے منع نہیں کیا، بلکہ ان کے بدری ہونے کی وجہ سے ان پر سزا نافذ کرنے سے منع کیا۔
- دین کے بارے میں عمر رضی اللہ عنہ کی سختی: دین کے بارے میں آپ کی سختی اس وقت نمایاں ہوتی ہے جب کہ آپ نے حاطب کی گردن زدنی کی اجازت مانگی۔
- گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے ایمان باطل نہیں ہوتا: حاطب رضی اللہ عنہ کا عمل یعنی جاسوسی گناہ کبیرہ تھا۔ اس کے باوجود انہیں مومن مانا گیا۔
- عمر رضی اللہ عنہ نے عہد نبوی ﷺ میں حاطب رضی اللہ عنہ پر اصطلاحی معنوں میں نہیں بلکہ لغوی معنی میں منافقت کا حکم

[1] صحيح البخاري/ المغازي، حديث نمبر: ٤٢٧٤

لگایا تھا کیونکہ نفاق کا اصطلاحی معنی ہے اسلام کو ظاہر کرنا اور کفر کو دل میں پوشیدہ رکھنا۔ عمر رضی اللہ عنہ کا کہنا یہ تھا کہ حاطب کے ظاہر و باطن میں مخالفت ہے، کیونکہ انہوں نے جو خط بھیجا ہے وہ اس ایمان کے خلاف ہے جس کے راستہ میں جہاد کرنے اور قربانی دینے کے لیے نکلے ہیں۔ [1]

❀ عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے انکار سے بہت متاثر ہوئے، چنانچہ کچھ دیر پہلے سخت غصہ میں تھے اور حاطب پر سخت ترین سزا کے نفاذ کا مطالبہ کر رہے تھے چند ہی لمحوں میں خشیت الٰہی سے رونے لگے، اور کہا: "اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ" یعنی اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں۔ اچانک اس تبدیلی کی وجہ صرف یہ تھی کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے غصہ ہوئے تھے، لیکن جب معلوم ہوگیا کہ اللہ اور اس کے رسول کی رضامندی کا سبب کچھ اور ہے تو ان کے مجاہدانہ کارنامے کے احترام میں اور اپنے ساتھی محمد ﷺ کے حسن سلوک کو دیکھتے ہوئے ان کی غلطی سے چشم پوشی کرلی اور آپ کی بات مان گئے۔ [2]

جب رسول اللہ ﷺ مر الظہران پہنچے اور ابوسفیان کو اپنے بارے میں خطرہ لاحق ہوا، رسول اللہ ﷺ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ نے اسے مشورہ دیا کہ وہ آپ ﷺ سے امان طلب کرلے، تو اس نے ایسا ہی کیا۔ چنانچہ عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے کہا: اے ابوسفیان! تیری بربادی ہو، دیکھ! رسول اللہ ﷺ لوگوں میں موجود ہیں۔ ہائے! قریش کی بری صبح۔ اس نے کہا: تم پر میرے ماں باپ قربان ہوں، پھر بچاؤ کا کیا طریقہ ہے؟ میں نے کہا: اللہ کی قسم، اگر وہ تم کو گرفتار کرلیں گے تو یقیناً تمہاری گردن ماردیں گے، اس خچر کے پیچھے سوار ہو جاؤ میں تم کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لے چلتا ہوں اور تمہارے لیے آپ ﷺ سے امان مانگ لوں گا۔ پھر وہ میرے پیچھے سوار ہوگیا اور اس کے دونوں ساتھی واپس ہوگئے۔ میں اس کو لے کر آیا، میں جب بھی کسی مسلمان کے الاؤ کے قریب سے گزرتا تو پوچھتے کہ یہ کون ہے؟ لیکن جب وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے خچر کو دیکھتے اور میں اس پر سوار ہوتا تو کہتے: آپ ﷺ کے خچر پر آپ کے چچا ہیں یہاں تک کہ جب میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے الاؤ کے پاس سے گزرا تو انہوں نے کہا: یہ کون ہے؟ وہ میری طرف کھڑے ہوگئے اور جب خچر پر پیچھے ابوسفیان کو دیکھا تو کہا: یہ ابوسفیان، اللہ کا دشمن! اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں بلاکسی عہد وارادہ کے تجھ پر قابو عطا کیا، پھر وہ تیزی سے رسول اللہ ﷺ کی طرف جانے لگا اور عمر بھی آپ ﷺ کے پاس آگئے اور کہا: اے اللہ کے رسول! یہ ابوسفیان ہے، بغیر ہمارے کسی عہد وارادہ کے اللہ نے اسے ہمارے قابو میں کردیا ہے۔ مجھے اجازت دیجیے کہ اس کی گردن ماردوں۔ عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں نے اسے پناہ دے دی ہے لیکن جب عمر رضی اللہ عنہ اپنی بات پر بضد رہے تو میں نے کہا: اے عمر! ذرا ٹھہرو، اللہ کی قسم اگر اس

---

[1] السیرۃ النبویۃ/ ابوفارس، ص: ٤٠٤

[2] التاریخ الإسلامی: ٧/ ١٧٦، ١٧٧

کا تعلق بنو عدی سے ہوتا تو تم ایسا نہ کہتے، تم ایسا اس لیے کہہ رہے ہو کہ جانتے ہو کہ یہ بنو عبد مناف کا ایک فرد ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے عباس ذرا ٹھہریے! اللہ کی قسم، جب آپ نے اسلام قبول کیا تھا اس دن اگر خطاب بھی اسلام لاتے تو آپ کا اسلام لانا میرے نزدیک زیادہ محبوب تھا، اور میری یہ پسندیدگی صرف اس وجہ سے تھی کہ رسول اللہ ﷺ کے نزدیک خطاب کے مسلمان ہونے کے مقابلے میں، اگر وہ اسلام لاتے، آپ کا اسلام لانا زیادہ محبوب تھا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اِذْهَبْ بِهٖ يَا عَبَّاسُ إِلٰى رَحْلِكَ فَإِذَا أَصْبَحْتَ فَأْتِنِي بِهٖ .)) [1]

''اے عباس! اسے اپنے خیمے میں لے جاؤ جب صبح ہو تو انہیں لے کر آنا۔''

یہ ہے فاروقی موقف؛ آپ دیکھ رہے ہیں کہ اللہ کا دشمن مسلمانوں کی فوج کے پاس سے ایسی حالت میں گزر رہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے چچا کے پیچھے چھپا ہوا ہے اور ڈرتے ہوئے رسوائی کی حالت میں خود کو ظاہر کرتا ہے، عمر رضی اللہ عنہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے راستہ میں جہاد اور اس کی رضامندی کی خاطر اللہ کے اس دشمن کی گردن ماردیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے ابوسفیان کو خیر سے نوازنا چاہا اور ان کے سینے کو اسلام کے لیے کھول دیا اور ان کی جان وخون کو محفوظ کردیا۔ [2]

غزوہ حنین میں مشرکین نے اسلامی لشکر پر اچانک حملہ کردیا اور لوگ تیزی سے پیچھے کی طرف پلٹ گئے، کوئی کسی کی پروا نہ کرتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ داہنی طرف متوجہ ہوئے اور کہا:

((أَيْنَ أَيُّهَا النَّاسُ؟ هَلُمَّ إِلَيَّ ، أَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ أَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ .))

''اے لوگو! تم کہاں بھاگ رہے ہو؟ میری طرف آؤ، میں اللہ کا رسول ہوں، میں عبداللہ کا بیٹا محمد ہوں۔''

لیکن کسی نے آپ کی بات نہ سنی، اونٹ ایک دوسرے پر گر رہے تھے، اکثر لوگ بھاگ کھڑے ہوئے۔ مہاجرین، انصار اور آپ کے اہل بیت کے چند لوگ ہی آپ ﷺ کے ساتھ باقی رہے۔ مہاجرین میں سے ابوبکر اور عمر اور اہل بیت میں سے علی بن ابی طالب، عباس بن عبدالمطلب، ان کے لڑکے فضل بن عباس، ابوسفیان بن حارث، ان کے لڑکے، اور ربیعہ بن حارث وغیرہ آپ ﷺ کے ساتھ ثابت قدم رہے۔ [3]

اس غزوہ میں فاروقی مؤقف کو ابوقتادہ رضی اللہ عنہ اس طرح بیان کرتے ہیں:

''غزوہ حنین کے سال ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلے، جب معرکہ شروع ہوا تو فتح کی پہلی بالی مسلمانوں کے حق میں آئی، میں نے دیکھا کہ ایک مشرک آدمی ایک مسلمان کو زیر کیے ہے۔ میں

---

[1] السيرة النبوية، ص: ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰

[2] الفاروق مع النبی، د/ عاطف لماضة، ص: ۴۲

[3] السيرة النبوية/ ابن هشام: ۲/ ۲۸۹۔ أخبار عمر، ص: ۴۱

نے پیچھے سے اس کی گردن پر تلوار سے وار کیا، جس سے اس کا بازو کٹ گیا، وہ میری طرف پلٹا اور مجھے اتنا سخت دبوچ لیا جیسے کہ میں مرجاؤں گا، پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا۔ میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ملا اور کہا: لوگوں کو کیا ہوگیا ہے؟ آپ نے جواب دیا: اللہ کا یہی حکم ہے۔ پھر سب دوبارہ واپس آئے۔'' [1]

اللہ تعالیٰ نے اس غزوہ کی منظر کشی اس طرح کی ہے:

﴿لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۝۲۵﴾

(التوبۃ: ۲۵)

''یقیناً اللہ تعالیٰ نے بہت سے میدانوں میں تمہیں فتح دی اور حنین کی لڑائی والے دن بھی جب کہ تمہیں اپنی کثرت پر ناز ہوگیا تھا، لیکن اس نے تمہیں کوئی فائدہ نہ دیا، بلکہ زمین باوجود اپنی کشادگی کے تم پر تنگ ہوگئی، پھر تم پیٹھ پھیر کر مڑ گئے۔''

پھر ایسے وقت میں جب کہ مسلمان ہزیمت کے بالکل قریب پہنچ چکے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کی اور اپنے محبوب بندوں کی مدد فرمائی۔ یہ تائید اس وقت ملی جب کہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس دوبارہ لوٹ کر گئے، اور آپ کے پاس جمع ہوئے، پھر اللہ نے اپنی فوج پر اپنی رحمت اور مدد نازل کی:

﴿ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ ۝۲۶﴾ (التوبۃ: ۲۶)

''پھر اللہ نے اپنی طرف سے تسکین اپنے نبی پر اور مومنوں پر اتاری اور اپنے وہ لشکر بھیجے جنہیں تم دیکھ نہیں رہے تھے، اور کافروں کو پوری سزا دی، اور ان کفار کا یہی بدلہ تھا۔''

معرکہ حنین کے بعد مسلمان مدینہ لوٹے، جب وہ ''جِعِرَّانہ'' [2] سے گزر رہے تھے تو رسول اللہ ﷺ بلال رضی اللہ عنہ کے کپڑے میں سے (مالِ غنیمت کی) چاندی پکڑتے اور لوگوں میں تقسیم کرتے، اسی دوران ایک آدمی آیا اور آپ ﷺ سے کہنے لگا: اے محمد! انصاف سے کام لیجیے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تیری بربادی ہو، اگر میں انصاف نہ کروں گا تو کون انصاف کرے گا؟ اگر میں نے عدل سے کام نہ لیا تو میں خسارے میں ہوا۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے اجازت دیجیے، اس منافق کو قتل کردوں؟ آپ نے فرمایا:

((مَعَاذَ اللّٰهِ أَنْ يَّتَحَدَّثَ النَّاسُ أَنِّيْ أَقْتُلُ أَصْحَابِيْ ، إِنَّ هٰذَا وَأَصْحَابَهٗ يَقْرَءُ وْنَ

---

[1] صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۴۰۶۶۔ ۴۰۶۷

[2] مکہ کے شمال مشرق میں ننانوے (۹۹) کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے۔

الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ يَمْرُقُوْنَ مِنْهُ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ .)) ❶

''اللہ کی پناہ، خوف ہے کہ لوگ یہ نہ کہنے لگیں کہ میں اپنے ساتھیوں کو قتل کرتا ہوں، بے شک یہ اور اس کے ساتھی قرآن پڑھیں گے لیکن وہ ان کے حلق ❷ سے نیچے نہیں اترے گا، وہ اسلام سے ایسے ہی خارج ہوں گے جیسے کہ تیر کمان سے۔''

اس واقعہ سے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے مؤقف کی عظمت ومنقبت جلوہ گر ہے، بایں طور کہ جب آپ کے سامنے شرعی محرمات کی تحقیر و بے حرمتی کی گئی تو آپ قطعاً برداشت نہ کر سکے، اُس خارجی نے مقام نبوت ورسالت پر جوں ہی حملہ کیا آپ فوراً یہ کہتے ہوئے سامنے آئے: ''اے اللہ کے رسول! مجھے اجازت دیں کہ میں اس منافق کی گردن ماردوں۔'' عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہی ردّعمل ان تمام لوگوں کے ساتھ ہوتا تھا جو نبوت ورسالت کے تقدس کی بے حرمتی کرنا چاہتے تھے۔ ❸

جعرانہ میں سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ، جنہوں نے رسول اللہ ﷺ پر نزول وحی کا عینی مشاہدہ کیا...... کی رغبت پر لبیک کہا۔ صفوان بن یعلی کا بیان ہے کہ یعلی رضی اللہ عنہ کہتے تھے:

''کاش میں رسول اللہ ﷺ کو اس وقت دیکھتا جب آپ پر وحی نازل ہو رہی ہو۔'' ❹

ایک مرتبہ نبی ﷺ جعرانہ میں تھے، آپ کے اوپر کپڑے کا سائبان تھا، آپ کے ساتھ اس میں آپ کے دوسرے ساتھی بھی تھے۔ اتنے میں ایک اعرابی آیا، وہ ایک جبہ میں ملبوس تھا جو کہ خوشبو سے تر تھا، اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! اگر کسی آدمی نے اس جبہ میں عمرہ کا احرام باندھا ہو جو خوشبو سے بھیگا ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟ عمر رضی اللہ عنہ نے یعلی رضی اللہ عنہ کو ہاتھوں سے اشارہ کیا اور کہا: آؤ، یعلی آئے، دیکھا تو نبی ﷺ کا چہرہ مبارک سرخ ہے، کچھ دیر تک آپ سے خراٹے جیسی آواز سنائی دیتی رہی، پھر آپ سے وہ کیفیت ختم ہوگئی، اور آپ نے کہا:

((أَمَّا الطِّيْبُ الَّذِيْ بِكَ فَاغْسِلْهُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ وَأَمَّا الْجُبَّةُ فَانْزِعْهَا ثُمَّ اصْنَعْ فِيْ عُمْرَتِكَ كَمَا تَصْنَعُ فِيْ حَجِّكَ .)) ❺

''خوشبو کو تین مرتبہ دھو دو اور جبہ اتار پھینکو، اپنے عمرہ میں ویسا ہی کرو جیسا حج میں کرتے ہو۔''

اور غزوۂ تبوک کے موقع پر آپ نے اپنا نصف مال اللہ کے راستہ میں صدقہ کر دیا اور جب لوگوں کو شدت

---

❶ صحیح مسلم حدیث نمبر: ۱۰۶۳۔ صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۳۱۳۸

❷ اس کے دو مطلب بتائے گئے ہیں: (۱) ان کی تلاوت صرف زبان تک محدود ہے، دل سے اسے قبول نہیں کرتے نہ اس پر عمل کرتے ہیں۔ (۲) نہ ان کا عمل ہی قبول ہے نہ تلاوت ہی۔ (مترجم)

❸ صحیح التوثیق فی سیرۃ وحیاۃ الفاروق، ص: ۲۰۰

❹ محض الصواب فی فضائل امیر المومنین عمر بن الخطاب: ۲/ ۴۰۸

❺ صحیح البخاری: ۴۳۲۹۔ صحیح مسلم: ۱۱۸۰

کی بھوک لگی تو آپ نے رسول اللہ ﷺ کو مشورہ دیا کہ لوگوں کے لیے برکت کی دعا کریں۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غزوہ تبوک [1] میں لوگ سخت بھوک سے دوچار ہوئے، انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! اگر آپ اجازت دیں تو ہم اپنی اونٹنیوں کو ذبح کر دیں، انہیں کھائیں اور چربی استعمال کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ایسا کرلو۔ عمر رضی اللہ عنہ آئے اور کہا: اے اللہ کے رسول! اگر انہوں نے ایسا کرلیا تو سواریوں کی کمی ہو جائے گی، بلکہ ان سے کہیے کہ وہ اپنا باقی ماندہ توشہ لے کر آپ کے پاس آئیں، چنانچہ کوئی مٹھی بھر مکئی، کوئی کھجور، کوئی روٹی کا ٹکڑا لے کر آیا، اس طرح دستر خوان پر کچھ کھانا جمع ہو گیا، پھر آپ ﷺ نے اس میں برکت کی دعا فرمائی، اور فرمایا: ((خُذُوْا فِیْ أَوْعِیَتِکُمْ)) ''اپنے برتنوں میں لے جاؤ'' وہ اپنے برتنوں میں لے جانے لگے اور مجاہدین کا کوئی برتن ایسا نہ رہا جس کو انہوں نے نہ بھرا ہو۔ انہوں نے شکم سیر ہو کر کھایا اور اس سے کچھ بچ بھی گیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((أَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَا یَلْقَی اللّٰهَ بِهِمَا عَبْدٌ غَیْرَ شَاكٍّ فَیُحْجَبَ عَنِ الْجَنَّةِ.)) [2]

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ نہیں ہے کوئی بندہ جو اس بات کا اقرار کرتے ہوئے اللہ سے ملے کہ وہ اس (ملاقات) میں شک نہ کرتا ہو، تو اسے جنت میں جانے سے روک دیا جائے۔''

یہ چند فاروقی مواقف ہیں جنہیں آپ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اختیار کیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ غزوات نبوی ﷺ میں جو عبرت و موعظت اور دینی و فقہی مسائل پیش آئے انہیں آپ نے اچھی طرح سمجھا اور شریعت الٰہی کی روشنی میں لوگوں کی قیادت و رہنمائی کے لیے یہی چیز آپ کے لیے زادِ راہ بنی۔

مدنی زندگی میں آپ کے مواقف

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہنے کے بہت حریص تھے، جب مجلس نبوی میں شریک ہوتے تو اختتام مجلس تک وہاں سے نہ اٹھتے۔ مدینہ کے ابتدائی دور میں خطبہ کے دوران جب ایک تجارتی قافلہ غلہ لے کر آیا اور اکثر لوگ غلہ لینے کے لیے مسجد سے نکل پڑے تو آپ اس وقت ان چند لوگوں میں سے تھے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کا ساتھ دیا اور مسجد سے باہر نہ نکلے۔ [3]

آپ رسول اللہ ﷺ کے دروس و مواعظ کے حلقوں میں تازہ دم ہو کر بیٹھتے تھے، پیچیدہ مسائل کی

---

[1] وادی القریٰ اور شام کے درمیان ایک مقام کا نام تبوک ہے۔

[2] صحیح مسلم، الایمان، حدیث نمبر: ۲۷

[3] صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۸۶۳، الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان: ۱۵/ ۳۰۰

وضاحت چاہتے، مفہوم پوچھتے اور خاص وعام تمام مسائل وحالات میں آپ سے سوالات کرتے رہتے۔ [1]
اسی وجہ سے آپ نے رسول اللہ ﷺ سے پانچ سو انتالیس (۵۳۹) احادیث روایت کی ہیں۔ [2] اور ایک روایت کے مطابق پانچ سو سینتیس (۵۳۷) احادیث۔ [3] ان میں چھبیس (۲۶) احادیث کو امام بخاری اور امام مسلم دونوں نے روایت کیا ہے۔ جب کہ انتالیس (۳۹) احادیث روایت کرنے میں امام بخاری رحمہ اللہ اور اکیس (۲۱) امام مسلم رحمہ اللہ منفرد ہیں۔ [4] اور بقیہ احادیث احادیث کی دوسری کتابوں میں ہیں۔ [5]

اب ہم مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آپ کی تعلیمی، تربیتی اور معاشرتی زندگی سے متعلق آپ کے بعض موافقت ونظریات ذکر کریں گے۔

ا۔ رسول اللہ ﷺ سوال کرنے والے کے بارے میں عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھتے ہیں:

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ مجھے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ ایک مرتبہ وہ سب نبی ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص سفید کپڑے میں ملبوس نہایت خوبصورت چہرے اور بالوں والا پیدل چل کر آپ ﷺ کے پاس آیا، حاضرین نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور کہا کہ ہم اسے پہچانتے نہیں اور یہ مسافر بھی نہیں ہے۔

پھر اس آدمی نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا میں آ سکتا ہوں؟

آپ نے فرمایا: ہاں۔ وہ آیا اور اپنے گھٹنوں کو نبی ﷺ کے گھٹنوں کے پاس اور اپنے دونوں ہاتھوں کو نبی ﷺ کی دونوں رانوں پر رکھا اور کہا: اسلام کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

((شَهَادَةُ أَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ وَتُقِيْمُ الصَّلَاةَ وَتُؤْتِي الزَّكَاةَ وَتَصُوْمَ رَمَضَانَ وَتَحُجُّ الْبَيْتَ .))

”اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے علاوہ کوئی حقیقی معبود نہیں اور یہ کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور تم نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو، رمضان کے روزے رکھو اور بیت اللہ کا حج کرو۔“

اس نے کہا: ایمان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

((أَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهٖ وَالْجَنَّةِ وَالنَّارِ وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْقَدْرِ كُلِّهٖ .))

---

[1] عمر بن الخطاب، د/ علی الخطیب، ص:۱۰۸
[2] تاریخ الخلفاء، السیوطی، ص:۱۳۳
[3] عمر بن الخطاب، د/ علی الخطیب، ص: ۱۰۹
[4] دلیل الفالحین لطرق ریاض الصالحین: ۱/ ۴۰
[5] عمر بن الخطاب، د/ علی الخطیب، ص: ۱۰۹

''یہ کہ تم اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، جنت اور جہنم پر اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ اٹھائے جانے پر اور پوری تقدیر پر ایمان لاؤ۔''

اس نے کہا: احسان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

((أَنْ تَعْمَلَ لِلّٰهِ كَأَنَّكَ تَرَاهُ ، فَإِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ .))

''تم اللہ کے لیے عمل (صالح) اس تصور سے کرو کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو، پس اگر (یہ نہ ہو کہ) تم اسے دیکھ رہے ہو تو وہ تمہیں دیکھتا ہے۔''

اس نے کہا: قیامت کب ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ .))

''جس سے پوچھا گیا ہے وہ اس سلسلہ میں پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا۔''

اس نے کہا: اس کی نشانیاں کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا:

((إِذَا الْعُرَاةُ الْحُفَاةُ الْعَالَةُ رِعَاءُ الشَّاءِ تَطَاوَلُوْا فِي الْبُنْيَانِ وَوَلَدَتِ الْإِمَاءُ أَرْبَابِهِنَّ .)) [1]

''جب ننگے جسم، ننگے پاؤں والے، فقیر و نادار اور بکریوں کے چرواہے بلند عمارتیں بنانے میں ایک دوسرے پر فخر کرنے لگیں اور لونڈیاں اپنے مالک کو جننے لگیں۔''

راوی کہتے ہیں کہ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اس آدمی کو میرے پاس لاؤ۔ صحابہ نے اسے تلاش کیا لیکن وہاں کوئی نظر نہ آیا۔ پھر آپ دو یا تین دن ٹھہرے رہے، پھر فرمایا:

((يَا ابْنَ الْخَطَّابِ! أَتَدْرِيْ مَنِ السَّائِلُ عَنْ كَذَا وَكَذَا؟))

''اے ابن خطاب! ایسا ایسا پوچھنے والا کون تھا؟''

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

((ذَاكَ جِبْرِيْلُ جَاءَ كُمْ يُعَلِّمُكُمْ دِيْنَكُمْ .)) [2]

''وہ جبریل تھے تم کو تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔''

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسلام، ایمان اور احسان کے معانی و مطالب کو سوال و

---

[1] احمد شاکر کی تحقیق سے مطبوعہ نسخہ میں ''ربّاتهن'' ہے۔

[2] اس کی سند صحیح ہے، اور شیخین کی شرط پر ہے۔ مسند احمد ، حدیث نمبر: ۱۸۵ کاش مولف یہاں صحیحین میں وارد الفاظ کو نقل کر دیتے۔ (مترجم)

جواب کے انداز میں سب سے افضل فرشتے اور افضل ترین رسول سے سیکھا۔

۲۔ آپ کی رائے کا رسول اللہ ﷺ کی رائے کے موافق ہونا:

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے تھے، اس جماعت میں ہمارے ساتھ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے، رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان سے اٹھ گئے اور واپس آنے میں تاخیر کی، ہم خوف زدہ ہوئے کہ کہیں آپ کو ہماری غیر موجودگی میں کوئی نقصان نہ پہنچا دے، ہم گھبرائے، اور تلاش کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے، سب سے پہلے میں گھبرا کر اٹھا۔ میں رسول اللہ ﷺ کی تلاش میں نکل گیا اور بنونجار انصاری کے باغ کے پاس آیا، میں اس کے چاروں طرف گھوما لیکن اس کا کوئی دروازہ نہیں پایا، لیکن ایک نالی نظر آئی جو باہر کے کنویں سے باغ کے بیچ میں جا رہی تھی۔ میں نے داخل ہونے کے لیے خود کو لومڑی کی طرح سمیٹ لیا اور اندر داخل ہو کر رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ابوہریرہ؟ میں نے کہا: جی ہاں، اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے فرمایا: "فَمَا شَأْنُكَ؟" "کیا بات ہے؟" میں نے کہا: آپ ہمارے درمیان تشریف فرما تھے، پھر آپ اچانک اٹھ گئے اور واپس آنے میں تاخیر کی، تو ہم ڈر گئے کہ مبادا کہیں آپ ہم لوگوں کی عدم موجودگی میں غائب نہ کر دیے جائیں۔ ہم گھبرا گئے اور سب سے پہلے میں گھبرا کر اٹھا۔ میں اس باغ کے پاس آیا، اور لومڑی کی طرح خود کو سمیٹ کر یہاں پہنچا ہوں اور لوگ میرے پیچھے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابوہریرہ! ...... اور مجھے اپنے دونوں جوتے دیے ...... ((اذْهَبْ بِنَعْلَيَّ هَاتَيْنِ ، فَمَنْ لَقِيتَ مِنْ وَّرَاءِ هٰذَا الْحَائِطِ يَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ مُسْتَيْقِنًا بِهَا قَلْبُهُ فَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ .)) ...... "میرے ان دونوں جوتوں کو لے جاؤ اور اس باغ کے پیچھے جو شخص بھی ایسا ملے کہ دل کی سچائی سے یہ گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے علاوہ کوئی حقیقی معبود نہیں، تو اسے جنت کی بشارت دے دو۔" چنانچہ میری ملاقات سب سے پہلے عمر رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ انہوں نے کہا: اے ابوہریرہ! یہ دونوں جوتے کیسے ہیں؟ میں نے کہا: یہ دونوں جوتے رسول اللہ ﷺ کے ہیں۔ آپ نے اسے دے کر مجھے بھیجا ہے کہ ایسے جس آدمی سے ملو جو دل کی سچائی سے اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے علاوہ کوئی حقیقی معبود نہیں اسے میں جنت کی بشارت دے دوں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے میرے سینے پر مارا اور میں سرین کے بل گر گیا اور انہوں نے کہا: اے ابوہریرہ! لوٹ جاؤ۔ میں لوٹ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور پھوٹ پھوٹ کر رو پڑا اور عمر بھی میرے پیچھے ہی آئے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ((مَالَكَ يَا اَبَاهُرَيْرَةَ؟)) ...... "اے ابوہریرہ! تم کو کیا ہو گیا ہے؟" میں نے کہا: میں عمر سے ملا اور جو بات کہہ کر آپ نے بھیجا تھا میں نے انہیں وہ بات بتائی [1] تو انہوں نے میرے سینے پر اتنے زور سے مارا کہ میں پیچھے کے بل گر پڑا، اور انہوں نے کہا: لوٹ جاؤ۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یا عمر ما حملك علی ما فعلت؟ "اے عمر! تم نے ایسا کیوں کیا؟" انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ نے اپنے دونوں جوتے

[1] محض الصواب فی فضائل امیر المومنین عمر بن الخطاب (۱/ ۲۵۸).

دے کر ابو ہریرہ کو بھیجا ہے کہ وہ ایسے جس آدمی سے بھی ملیں جو دل کی سچائی سے گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے علاوہ کوئی حقیقی معبود نہیں، اسے جنت کی بشارت دے دیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ آپ نے کہا: ایسا نہ کیجیے، مجھے خوف ہے کہ لوگ غلط فہمی کا شکار ہو کر اسی پر بھروسہ نہ کر لیں اور عمل چھوڑ دیں، آپ ان کو عمل کرنے دیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "فَخَلِّهِمْ" یعنی تب انہیں چھوڑ دو۔ [1]

۳۔ صحابہ کو ایک ہی منبع شریعت کے تابع کرنے کی رسول اللہ ﷺ کی کوشش:

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تورات کا ایک ورق دیکھا تو فرمایا:

((أَمُتَهَوِّكُوْنَ يَا بْنَ الْخَطَّابِ! لَقَدْ جِئْتُكُمْ بِهَا بَيْضَاءَ نَقِيَّةً ، لَوْ كَانَ مُوْسٰى حَيًّا مَا وَسِعَهُ إِلَّا اتِّبَاعِيْ))

"اے ابن خطاب! کیا تم (اسلام کے بارے میں) تردد میں ہو، میں اسے صاف شفاف شریعت کی شکل میں تمہارے پاس لایا ہوں۔ اگر موسیٰ (علیہ السلام) زندہ ہوتے تو ان کے لیے بھی میری ہی اتباع ضروری ہوتی۔"

اور ایک روایت میں ہے:

((إِنْ كَانَ مُوْسٰى حَيًّا ثُمَّ اتَّبَعْتُمُوْهُ وَتَرَكْتُمُوْنِيْ لَضَلَلْتُمْ .)) [2]

"اگر موسیٰ زندہ ہوتے اور تم ان کی اتباع کرتے اور مجھے چھوڑ دیتے تو تم گمراہ ہو جاتے۔"

۴۔ کائنات کی تخلیق کے بارے میں آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی:

طارق بن شہاب سے روایت ہے کہ میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا: رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان کھڑے ہوئے اور کائنات کی تخلیق کے بارے میں ہمیں خبر دیتے ہوئے بتایا کہ "یہاں تک کہ جنتی اپنے ٹھکانے پر اور جہنمی اپنے ٹھکانے پر چلے جائیں گے۔" کسی نے اسے یاد کر لیا اور کسی نے اسے بھلا دیا۔ [3] یہ حدیث اس ضمن میں آتی ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے اس حدیث سے کائنات کے فنا ہونے اور اللہ سے جا ملنے کا مفہوم سمجھا۔

۵۔ آبا و اجداد کی قسم کھانے سے ممانعت اور توکل علی اللہ پر ابھارنا:

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

---

[1] صحیح مسلم، الایمان، حدیث نمبر: ۳۱

[2] مسند أحمد، بروایت جابر: ۳/ ۳۸۷۔ الفتاویٰ: ۱۱/ ۲۳۲

[3] صحیح البخاری، بدء الخلق، حدیث نمبر: ۳۱۹۲

((إِنَّ اللّٰهَ يَنْهَاكُمْ أَنْ تَحْلِفُوْا بِآبَاءِ كُمْ .))

"اللہ تعالیٰ تم کو منع کرتا ہے کہ تم اپنے آباو اجداد کی قسم کھاؤ۔"

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اللہ کی قسم! جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس سے منع کرتے سنا اس کے بعد سے ایسی قسم نہیں کھائی، حتیٰ کہ قصداً یا بھول کر بھی اس پر زبان نہ کھولی۔ ❶

اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

((لَوْ أَنَّكُمْ تَوَكَّلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ حَقَّ تَوَكُّلِهٖ لَرَزَقَكُمْ كَمَا يَرْزُقُ الطَّيْرَ تَغْدُوْ خِمَاصًا وَتَرُوْحُ بِطَانًا .)) ❷

"اگر تم اللہ پر اس طرح توکل کرو جس طرح اس پر توکل کرنے کا حق ہے تو وہ تمہیں اسی طرح روزی دے جس طرح پرندوں کو دیتا ہے، وہ خالی پیٹ صبح کو نکلتے ہیں اور شام کو شکم سیر ہو کر واپس ہوتے ہیں۔"

۶۔ اللہ کو رب، اسلام کو دین اور محمد ﷺ کو نبی و رسول مان کر میں راضی ہوں:

ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے کچھ چیزوں کے بارے میں پوچھا گیا جسے آپ نے ناپسند کیا، جب اس پر اصرار کیا گیا تو آپ غصے ہوگئے اور لوگوں سے فرمایا: سَلُوْنِیْ عَمَّا شِئْتُمْ "تم مجھ سے جو پوچھنا چاہتے ہو پوچھ لو" ایک آدمی نے کہا: میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا: حذافہ۔ دوسرا کھڑا ہوا، اس نے پوچھا: میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا: تمہارا باپ شیبہ کے غلام سالم ہیں۔ ❸

جب عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کے چہرے پر غصہ کی علامت دیکھی تو کہا: اے اللہ کے رسول ہم اللہ سے توبہ کرتے ہیں۔ ❹

ایک روایت میں ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ دو زانو بیٹھ گئے اور کہا: ہم اللہ کو ربّ مان کر، اسلام کو دین مان کر اور محمد ﷺ کو نبی مان کر خوش ہیں۔ پھر آپ خاموش ہوگئے۔ ❺

۷۔ نہیں میرے لیے خاص نہیں، نہ تیرے لیے باعث مسرت ہے اور نہ دوسروں ہی کے لیے، بلکہ یہ سب کے لیے ہے:

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک آدمی عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا کہ میرے پاس ایک عورت کچھ خریدنے آئی، میں اسے اپنے خاص کمرے میں لے گیا اور جماع کے علاوہ سب کچھ کیا۔ آپ نے فرمایا: تیری بربادی ہو شاید اس کا خاوند جہاد پر گیا ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ابوبکر کے پاس جا کر

❶ اس کی سند صحیح ہے اور بخاری کی شرط پر ہے۔ مسند أحمد حدیث نمبر: ۱۲۲۔ الموسوعة الحدیثیة۔

❷ مسند أحمد، حدیث نمبر: ۲۰۵ الموسوعة الحدیثیة۔ اس کی سند قوی ہے۔

❸ سعد بن سالم، شیبہ بن ربیعہ کے غلام ہیں اور صحابی ہیں۔ محض الصواب: ۲/ ۷۰۰

❹ صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۹۲۔ صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۳۶۰

❺ صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۹۳۔ صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۳۵۹

سوال کرو، اس شخص نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر سوال کیا، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: شاید اس کا شوہر جہاد پر گیا ہے؟ اس نے وہی کہا جو عمر رضی اللہ عنہ سے کہا تھا۔ پھر اس شخص نے رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر یہ مسئلہ بیان کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: شاید اس کا شوہر جہاد پر گیا ہے؟ اور قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ وَأَقِمِ الصَّلَوٰةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ۚ إِنَّ الْحَسَنَٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّـَٔاتِ ۚ ذَٰلِكَ ذِكْرَىٰ لِلذَّٰكِرِينَ ﴿١١٤﴾ ﴾ (ھود: ۱۱۴)

''دن کے دونوں کناروں میں نماز قائم کر اور رات کی کچھ گھڑیوں میں بھی، یقیناً نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں۔''

پھر اس آدمی نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا میرے لیے یہ خاص ہے یا تمام لوگوں کے لیے عام ہے؟ عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے سینے پر اپنا ہاتھ مارا اور کہا: نہیں، تیرے لیے خاص نہیں، تب تو نہ تیرے لیے یہ مسرت کی بات ہے اور نہ دوسروں ہی کے لیے بلکہ یہ سب کے لیے ہے۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: عمر نے سچ کہا۔ [1]

۸۔ اپنے صدقہ کو واپس لینے والے کا حکم:

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے ایک گھوڑا اللہ کے راستہ میں دے دیا، لیکن اسے اس کے مالک نے ضائع و برباد کر دیا، میں نے اسے خریدنا چاہا اور سوچا کہ وہ اسے سستی قیمت پر فروخت کر دے گا۔ میں رک گیا اور کہا کہ پہلے رسول اللہ ﷺ سے پوچھ لوں۔ جب آپ ﷺ سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: تم اسے نہ خریدو اگرچہ وہ ایک درہم ہی میں کیوں نہ دے، کیونکہ جو اپنے صدقہ کو واپس لیتا ہے اس کی مثال اس شخص جیسی ہے جو قے کر کے پھر اسے چاٹتا ہے۔ [2]

۹۔ آپ کے صدقات و اوقاف:

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے عہد نبوی میں ''ثمغ'' نامی اراضی اللہ کے راستہ میں وقف کر دی، اس میں کھجور کے درخت تھے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے ایسا مال ملا ہے جو میرے نزدیک سب سے نفیس مال ہے اور میں اس کو صدقہ کرنا چاہتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((تَصَدَّقَ بِأَصْلِهِ لَا يُبَاعُ وَلَا يُوْهَبُ وَلَا يُوْرَثُ وَلٰكِنْ يُنْفَقُ ثَمَرَهُ.))

''اس کے اصل کو وقف کر دو، نہ اسے فروخت کیا جائے اور نہ ہبہ کیا جائے، نہ اس میں وراثت جاری کی جائے۔ البتہ اس کا پھل خرچ کیا جائے گا۔''

---

[1] مسند أحمد: ٤/ ٤١ حدیث نمبر: ٢٢٠٦ اس کی سند ضعیف ہے اور یہ روایت صحیح لغیرہ ہے۔

[2] مسند احمد، حدیث نمبر: ٢٨١ اس کی سند صحیح ہے، اور شیخین کی شرط پر ہے۔

چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ نے اسے وقف کر دیا۔ آپ کا یہ صدقہ اللہ کے راستہ میں، گردن آزاد کرانے میں، مسکینوں، مہمانوں، مسافروں اور قرابت داروں میں خرچ ہوتا رہا۔ جو اس کا نگراں ہو اس کے لیے اس میں سے معروف طریقہ سے کھانے یا اپنے دوست کو کھلانے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ اسے مال دار بنانا مقصود نہ ہو۔ ❶

ایک روایت میں ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کو خیبر میں ایک زمین حاصل ہوئی، وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: مجھے زمین حاصل ہوئی ہے، اس سے بہتر مال مجھے کبھی نہیں ملا، اس سلسلہ میں آپ مجھے کیا حکم فرماتے ہیں؟

نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((إِنْ شِئْتَ حَبَسْتَ أَصْلَهَا وَتَصَدَّقْتَ بِهَا .))

''اگر تم چاہو تو اس کے اصل (زمین) کو روک لو اور اس (پھل وغیرہ) کو صدقہ کر دو۔''

چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو وقف کر دیا اور فرمایا: اس کے اصل کو فروخت نہ کیا جائے گا، نہ ہبہ کیا جائے گا اور نہ اس کا وارث بنایا جائے گا، وہ فقراء، قرابت داروں، غلاموں کی آزادی اور اللہ کے راستہ میں مہمانوں اور مسافروں کے لیے ہے۔ جو اس کا نگراں ہو اس کا معروف طریقے سے اس میں سے کھانا یا اپنے دوست کو کھلانا جائز ہے بشرطیکہ اسے مال دار بنانا مقصود نہ ہو۔'' ❷

یہ ہے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا وہ شاندار مؤقف جس میں آپ کی فضیلت، بھلائی وخیر کے کاموں میں آگے بڑھ نکلنے کی شدید خواہش اور اخروی زندگی پر دنیا کی فانی زندگی کو قربان کر دینے کی پوری کوشش نمایاں ہے۔

۱۰۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے کو تحفہ نبوی:

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو ریشم کا ایک جوڑا پہنے دیکھا، آپ اس جوڑے کو لے کر نبی ﷺ کے پاس آئے اور کہا: اے اللہ کے رسول! آپ اسے خرید لیں اور وفود کے استقبال کے وقت اسے پہن لیا کریں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((إِنَّمَا يَلْبَسُ هٰذِهِ مَنْ لَا خَلَاقَ لَهُ فِي الْآخِرَةِ .)) ...... ''ریشم کا کپڑا وہ پہنتا ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ......'' پھر کچھ وقت گزرنے کے بعد ...... آپ ﷺ نے آپ کے پاس ایک جوڑا ہدیہ بھیجا، آپ اسے لے کر نبی ﷺ کے پاس آئے اور کہا: آپ نے مجھے یہ جوڑا بھیجا ہے، حالانکہ آپ نے اس جیسے جوڑے، یا تمیمی کے جوڑے کے بارے میں دوسری بات کہی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے اسے اس لیے بھیجا ہے تاکہ تم اس کے ذریعہ سے (بیچ کر) مال کما لو۔ آپ نے وہ جوڑا اپنے ایک بھائی کو دے دیا جو مکہ میں تھا اور اسلام نہیں لایا تھا۔ ❸

---

❶ صحیح البخاری، کتاب الوصایا، حدیث نمبر: ۲۷٦٤ .

❷ صحیح البخاری، الوصایا، حدیث نمبر: ۲۷۳۷ .

❸ صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۰٦۸

ابن عمر رضی اللہ عنہما کو تحفہ نبوی پیش کیے جانے کی تفصیل یہ ہے، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہم ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے، میں عمر رضی اللہ عنہ کے ایک جوان اور اڑیل اونٹ پر سوار تھا، وہ میرے اشارے کو نہ مانتا اور قوم سے آگے بڑھ جاتا، عمر رضی اللہ عنہ اسے ڈانٹتے اور پیچھے کر دیتے۔ نبی ﷺ نے عمر سے فرمایا: ''بـعـنـیـه'' اسے مجھے فروخت کر دو۔ آپ نے کہا: اے اللہ کے رسول! یہ آپ کا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اسے مجھے فروخت کر دو۔ چنانچہ آپؓ نے اسے رسول اللہ ﷺ کو فروخت کر دیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: اے عبداللہ بن عمر! یہ تمہارے لیے ہے جس طرح چاہو اسے استعمال کرو۔ [1]

۱۱۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ہمت افزائی اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو بشارت:

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ مِنَ الشَّجَرِ شَجَرَةً لَا يَسْقُطُ وَرَقُهَا وَهِيَ مَثَلُ الْمُسْلِمِ ، حَدِّثُوْنِيْ مَا هِيَ؟ .))

''درختوں میں ایک ایسا درخت ہے جس کے پتے کبھی نہیں جھڑتے، اور یہی مسلمان کی مثال ہے۔ بتاؤ یہ کون سا درخت ہے؟''

لوگ جنگل کے درختوں کے بارے میں سوچنے لگے۔ میرے دل میں خیال آیا کہ یہ کھجور کا درخت ہے، لیکن میں شرم سے نہ بولا۔ صحابہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! اس درخت کے بارے میں ہمیں بتا دیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کھجور کا درخت ہے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ میں نے اپنا خیال اپنے والد کو بتایا تو انہوں نے کہا: تمہارا اسے بتا دینا میرے نزدیک اس بات سے کہیں زیادہ بہتر تھا کہ میرے پاس ایسا ایسا (قیمتی سرمایہ) ہوتا۔'' [2]

عمر رضی اللہ عنہ کا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو خوشخبری دینے کا واقعہ یوں ہے: عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر میں نبی ﷺ کے ساتھ مسلمانوں کے معاملات کے بارے میں رات دیر تک گفتگو کی۔ پھر آپ ﷺ نکلے اور ہم بھی آپ کے ساتھ نکلے، ہم نے دیکھا کہ ایک آدمی مسجد میں نماز پڑھ رہا ہے۔ نبی ﷺ کھڑے ہو کر اس کی قراءت سننے لگے۔ قریب تھا کہ ہم اسے پہچان لیتے، اتنے میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَقْرَأَ الْقُرْآنَ رَطْبًا كَمَا أُنْزِلَ فَلْيَقْرَأْهُ عَلَى قِرَاءَةِ ابْنِ أُمِّ عَبْدٍ .))

''جو قرآن کو ترو تازہ پڑھنا چاہے جس طرح کہ اس کا نزول ہوا، تو وہ اسے ابن ام عبد کی قراءت پر پڑھے۔''

---

[1] صحيح البخاري، البيوع، حديث نمبر: ٢١١٥ .

[2] صحيح البخاري، العلم، حديث نمبر: ١٣١

پھر وہ آدمی بیٹھ کر دعائیں کرنے لگا۔ اللہ کے رسول ﷺ اس کے لیے فرمانے لگے:

((سَلْ تُعْطَهٗ سَلْ تُعْطَهٗ .))

"تو مانگ لے تجھے دیا جائے گا، تو مانگ لے تجھے دیا جائے گا۔"

عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے سوچا، اللہ کی قسم میں صبح سویرے اس کے پاس جاؤں گا اور اسے خوشخبری دوں گا جب میں خوش خبری دینے گیا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ مجھ سے پہلے حاضر ہیں اور اسے بشارت دے چکے ہیں۔ اللہ کی قسم! جب کبھی میں نے ان سے کسی خیر میں مقابلہ کیا تو وہ اس میں مجھ سے آگے ہی رہے۔ [1]

۱۲۔ بدعت ایجاد کرنے سے آپ کا ڈرانا:

مسور بن مخرمہ [2] اور عبدالرحمٰن بن عبدالقاری سے روایت ہے، ان دونوں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے ہشام بن حکیم بن حزام کو اس وقت سورۂ فرقان کی تلاوت کرتے ہوئے سنا جب آپ باحیات تھے۔ میں نے ان کی قراءت کو سنا، وہ اسے کئی حروف (لہجوں) میں پڑھ رہے تھے۔ ان (لہجوں) میں ہم کو رسول اللہ ﷺ نے نہیں پڑھایا تھا۔ قریب تھا کہ نماز ہی میں ان پر چڑھ دوڑوں، لیکن انتظار کیا یہاں تک کہ انہوں نے سلام پھیر دیا۔ میں نے ان کا گریبان پکڑ لیا اور کہا: میں نے ابھی تم کو جو سورۃ پڑھتے سنا ہے اسے تم کو کس نے پڑھایا ہے؟ انہوں نے کہا: اس کو مجھے رسول اللہ ﷺ نے پڑھایا ہے۔ میں نے کہا: تم جھوٹ بولتے ہو، بے شک مجھے بھی رسول اللہ ﷺ ہی نے یہی سورۃ پڑھائی ہے جسے تم کو پڑھتے سنا ہے۔ میں انہیں لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، اور آپ سے کہا: اے اللہ کے رسول! میں نے اس کو سورۂ فرقان کی تلاوت ان حروف میں کرتے ہوئے سنا ہے جنہیں آپ نے مجھے نہیں پڑھایا ہے۔ حالانکہ آپ نے مجھے بھی سورۂ فرقان پڑھائی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے ہشام! اسے پڑھو۔ چنانچہ انہوں نے اسی قراءت پر اسے پڑھا جس پر میں نے سنا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ((هٰكَذَا أُنْزِلَتْ .)) اسی طرح اس کا نزول ہوا ہے۔ پھر آپ نے کہا: اے عمر تم پڑھو! میں نے اس طرح پڑھا جس طرح آپ نے مجھے پڑھایا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اسی طرح اس کا نزول ہوا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا:

((إِنَّ الْقُرْاٰنَ أُنْزِلَ عَلٰى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ .)) [3]

"بے شک قرآن سات حروف (لہجوں) پر نازل ہوا ہے، پس جو ان میں سے تمہیں میسر آئے پڑھو۔"

---

[1] مسند أحمد، حدیث نمبر: ۱۷۵، الموسوعة الحديثية۔ اس کی سند صحیح ہے۔

[2] باپ، بیٹے دونوں صحابی ہیں۔ مسور کی وفات ۶۴ھ میں ہوئی۔

[3] صحيح البخاری، فضائل القرآن، حديث نمبر: ۴۷۵۴۔ صحيح مسلم، حديث نمبر: ۸۱۸

۱۳۔ تمہارے پاس جو مال آئے اسے قبول کرلو بشرطیکہ تم نے اسے مانگا نہ ہو اور نہ اس کی لالچ کی ہو:

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا: رسول اللہ ﷺ مجھے عطیات سے نوازتے اور میں آپ سے کہتا: آپ اسے اس شخص کو دے دیں جو مجھ سے زیادہ اس کا ضرورت مند ہو۔ ایک مرتبہ آپ نے مجھے کچھ مال دیا تو میں نے کہا: جو اس کا مجھ سے زیادہ ضرورت مند ہو اسے دے دیجیے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((خُـذْهُ وَمَا جَاءَ كَ مِنْ هٰذَا الْمَالِ وَأَنْتَ غَيْرُ مُشْرِفٍ وَلَا سَائِلٍ فَخُذْهُ ، وَمَ لَا فَـلَا تُتْبِعْهُ نَفْسَكَ .)) [1]

''اسے لے لو اور اس طرح کا جو مال تمہیں ملے اسے لے لو بشرطیکہ تم نے اس کا لالچ نہ کیا ہو اور اسے مانگا نہ ہو۔ اور جو ایسا نہ ہو اس کے پیچھے جان مت کھپاؤ۔''

۱۴۔ رسول اللہ ﷺ کا عمر رضی اللہ عنہ کے لیے دعا فرمانا:

اللہ کے رسول ﷺ نے عمر رضی اللہ عنہ کے جسم پر ایک سفید کپڑا دیکھا ...... اور ایک روایت میں ہے کہ قمیص دیکھی ...... آپ ﷺ نے پوچھا: کیا یہ کپڑا نیا ہے یا دھلا ہوا ہے؟ انہوں نے کہا: دھلا ہوا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِلْبَسْ جَدِيْدًا وَعِشْ حَمِيْدًا وَمُتْ شَهِيْدًا .)) [2]

''نیا کپڑا پہنو، اور قابل تعریف زندگی گذارو، اور شہادت کی موت مرو۔''

۱۵۔ میں اس وقت کو جانتا ہوں جب آپ ﷺ اس (باغ) میں تشریف لے گئے تاکہ اس میں برکت کی دعا کریں:

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ان کے والد فوت ہو گئے اور ایک یہودی کا تیس (۳۰) وسق کھجور ان پر قرض باقی تھا۔ جابر رضی اللہ عنہ نے یہودی سے مہلت مانگی، لیکن اس نے مہلت دینے سے انکار کردیا۔ جابر رضی اللہ عنہ نے اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ سے بات کی تاکہ آپ ﷺ ان کے لیے یہودی سے سفارش کردیں۔ رسول اللہ ﷺ یہودی کے پاس آئے اور اس سے کہا کہ قرض کے عوض وہ ان کی کھجور کے پھلوں کو لے لے، لیکن اس نے انکار کردیا۔ آپ ﷺ کھجور کے باغ میں داخل ہوئے اور اس میں گھومے، پھر جابر سے فرمایا:

((جُدَّ لَهُ ، فَأَوْفِ لَهُ الَّذِیْ لَهُ .))

''اس کا حصہ لگاؤ اور اس کا پورا (قرض) اسے دے دو۔''

---

[1] صحيح مسلم، الزكاة، حديث نمبر: ١٠٤٥

[2] سلسلة الأحاديث الصحيحة۔ حسن: ٣٥٢۔ صحيح الجامع الصغير، حديث نمبر: ١٢٣٤

جب آپ ﷺ وہاں سے لوٹ آئے تو آپ نے اس کا حصہ لگایا اور اسے پورا تیس (۳۰) وسق دے دیا نیز سترہ (۱۷) وسق مزید کھجوریں بچ گئیں۔ جابر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس واقعہ کی خبر دینے آئے تو آپ ﷺ کو عصر کی نماز پڑھتے ہوئے پایا۔ جب آپ ﷺ نے سلام پھیرا تو آپ کو کھجوریں بچ جانے کی خبر دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((أَخْبِرْ بِذٰلِكَ ابْنَ الْخَطَّابِ .))

''یہ خبر ابن خطاب کو بتادو۔''

چنانچہ جابر رضی اللہ عنہ عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور انہیں بتایا تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے وہ وقت معلوم ہے جب رسول اللہ ﷺ اس میں چلے تھے تاکہ اس میں برکت کی دعا کریں۔ [1]

۱۶۔ حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما کی رسول اللہ ﷺ سے شادی:

عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب حفصہ بنت عمر کے شوہر خنیس بن حذافہ سہمی کی مدینہ میں وفات ہوگئی جو آپ ﷺ کے صحابہ میں سے تھے، تو میں عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان سے حفصہ بنت عمر کی شادی کی پیش کش کی۔ میں نے کہا: اگر آپ راضی ہوں تو میں حفصہ کی آپ سے شادی کردوں۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: میں ذرا اپنے معاملہ میں غور کرلوں۔ چنانچہ پھر آپ کچھ دنوں ٹھہرے رہے۔ ایک دن ان کی مجھ سے ملاقات ہوئی اور مجھ سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ میں شادی نہ کروں۔ عمر رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے کہ پھر میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور ان سے کہا: اگر آپ راضی ہوں تو میں حفصہ کی آپ سے شادی کردوں؟ ابوبکر رضی اللہ عنہ خاموش رہے اور مجھے کوئی جواب نہیں دیا۔ چنانچہ میں عثمان بن عفان کے مقابلے میں ان سے بہت غصے ہوا۔ پھر میں کچھ روز ٹھہرا رہا کہ رسول اللہ ﷺ نے حفصہ کو شادی کا پیغام دیا اور میں نے آپ ﷺ سے اس کا نکاح کردیا۔ پھر مجھ سے ابوبکر رضی اللہ عنہ ملے اور کہا: جب تم نے مجھے حفصہ کی شادی کے لیے پیش کش کی تھی اور میں نے کوئی جواب نہ دیا تھا تو شاید تم مجھ پر خفا ہوگئے تھے؟ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمہاری پیش کش کو ٹھکرانے سے مجھے اس کے علاوہ کسی چیز نے نہیں روکا تھا کہ میں جانتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے حفصہ کا تذکرہ کیا ہے۔ درحقیقت میں آپ کا راز کھولنا نہیں چاہتا تھا۔ اگر رسول اللہ ﷺ حفصہ کو چھوڑ دیتے تو میں اسے قبول کرلیتا۔ [2]

نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے بارے میں مؤقف فاروقی

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں اس بات کا برابر خواہش مند رہا کہ عمر رضی اللہ عنہ سے نبی ﷺ کی ازواج مطہرات میں سے ان دو عورتوں کے بارے میں پوچھوں جن کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے:

[1] صحیح البخاری، کتاب الاستقراض، حدیث نمبر: ۲۲۶۶

[2] صحیح البخاری، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۵۱۲۲۔ عمر بن الخطاب، محمد رشید، ص: ۲۳

﴿إِن تَتُوبَا إِلَى اللَّهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا﴾ (التحریم : ٤)

''(اے نبی کی دونوں بیویو!) اگر تم دونوں اللہ کے سامنے توبہ کرلو (تو بہت بہتر ہے) یقیناً تمہارے دل جھک پڑے ہیں۔''

یہاں تک کہ جناب عمر رضی اللہ عنہ نے حج کیا اور میں نے بھی آپ کے ساتھ حج کیا۔ جب ہم راستہ پر چل رہے تھے تو سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ راستہ سے تھوڑا سا ہٹے اور میں بھی آپ کے ساتھ لوٹا لے کر راستہ سے کنارے ہوا، آپ نے قضائے حاجت کی، پھر میرے پاس آئے، میں نے آپ کے ہاتھ پر پانی ڈالا اور آپ نے وضو کیا۔ میں نے کہا: اے امیر المومنین! اللہ کے رسول ﷺ کی وہ کون سی دو بیویاں ہیں جن کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے:

﴿إِن تَتُوبَا إِلَى اللَّهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا﴾ (التحریم : ٤)

عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے ابن عباس تم پر تعجب ہے...... زہری کا بیان ہے کہ اللہ کی قسم! انہوں نے جو پوچھا تو آپ نے اسے ناپسند فرمایا، تاہم اسے آپ نے چھپایا نہیں ...... فرمایا: وہ حفصہ اور عائشہ رضی اللہ عنہما ہیں۔ پھر آپ تفصیل بتانے لگے اور کہا: ہم قریش کے لوگ عورتوں پر غالب رہتے تھے، لیکن جب مدینہ آئے تو ایسے لوگوں کو پایا کہ ان پر ان کی عورتیں غالب ہوتی ہیں۔ پھر ہماری عورتیں بھی ان کی دیکھا دیکھی وہی کام کرنے لگیں۔ آپ فرماتے ہیں: میرا گھر عوالی میں بنو امیہ بن زید کے قبیلہ میں تھا، میں ایک دن اپنی بیوی پر غصے ہوا تو وہ مجھ سے بحث وتکرار کرنے لگی، میں نے اسے ڈانٹا کہ تم مجھ سے بحث وتکرار کرتی ہو۔ اس نے کہا: میں آپ سے بحث وتکرار کرتی ہوں تو آپ مجھ کو ڈانٹ رہے ہیں، حالانکہ اللہ کی قسم! نبی ﷺ کی ازواجِ مطہرات آپ سے بحث وتکرار کر لیتی ہیں اور ان میں سے بعض تو دن بھر آپ ﷺ سے بات بھی نہیں کرتیں۔

آپ کا بیان ہے کہ میں چلا اور حفصہ کے پاس پہنچا اور کہا: کیا تم رسول اللہ ﷺ سے بحث وتکرار کر لیتی ہو؟ اس نے کہا: ہاں۔ میں نے کہا: اور کیا تم دن بھر آپ سے بات بھی نہیں کرتی ہو؟ اس نے کہا: ہاں۔ میں نے کہا: تم میں سے جس نے بھی ایسا کیا ہے وہ سخت خسارے اور نقصان میں ہے۔ کیا تم میں سے کوئی اس بات سے مامون ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے غصہ کی وجہ سے اس پر اللہ کا غضب نازل ہو جائے اور وہ ہلاک ہو جائے؟ تم رسول اللہ ﷺ سے بحث ومباحثہ مت کرنا اور نہ آپ سے کسی چیز کا مطالبہ کرنا، جو تمہیں ضرورت ہو وہ مجھ سے مانگو اور تمہیں یہ چیز دھوکے میں نہ ڈال دے کہ عائشہ تمہارے مقابلہ میں آپ ﷺ کو زیادہ محبوب ہیں اور ان کا درجہ بلند ہے۔

آپ فرماتے ہیں: میرا ایک انصاری پڑوسی تھا، ہم اپنی اپنی باری سے آپ ﷺ کے پاس آتے تھے، ایک دن وہ آتا اور ایک دن میں آتا۔ وہ میرے پاس وحی وغیرہ کی خبریں لاتا اور میں بھی اسی طرح کرتا۔ ہم آپس میں باتیں کر رہے تھے کہ غسانی اپنے گھوڑوں کو نعل لگا رہے ہیں تاکہ ہم سے جنگ کریں، ایک دن میرا

(انصاری) ساتھی شام کے وقت میرے پاس آیا اور میرا دروازہ کھٹکھٹایا، پھر مجھے آواز دی، میں اس کی طرف گیا، اس نے کہا: ایک بہت بڑا حادثہ پیش آ گیا! میں نے کہا: وہ کیا؟ کیا غسانیوں نے حملہ کر دیا؟ اس نے کہا: نہیں، بلکہ اس سے بھی بڑا اور پیچیدہ! نبی ﷺ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی۔ میں نے کہا: حفصہ بہت خسارے اور بربادی میں ہوئی۔ میں سوچ رہا تھا کہ ایسا ہونے والا ہے، یہاں تک کہ جب میں نے صبح کی نماز پڑھی تو اپنے اوپر اپنے کپڑوں کو باندھا، پھر حفصہ کے پاس گیا۔ دیکھا تو وہ رو رہی تھی۔ میں نے کہا: کیا تم کو رسول اللہ ﷺ نے طلاق دے دی ہے؟ اس نے کہا: مجھے نہیں معلوم، ہاں آپ ﷺ اس کمرے میں الگ بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں آپ ﷺ کے ایک کالے رنگ کے غلام کے پاس آیا اور کہا کہ آپ ﷺ سے عمر کے لیے اجازت مانگو، غلام اندر داخل ہوا، پھر نکل کر میرے پاس آیا اور کہا: میں نے آپ ﷺ سے آپ کے بارے میں ذکر کیا لیکن آپ خاموش رہے۔ میں وہاں سے لوٹا اور منبر کے پاس آیا۔ میں نے دیکھا کہ وہاں ایک جماعت موجود ہے، اس میں بعض لوگ رو رہے ہیں۔ میں تھوڑی دیر وہاں بیٹھا، لیکن دوبارہ مجھ پر وہ فکر غالب آئی جس میں ڈوبا ہوا تھا اور میں غلام کے پاس آیا اور اس سے کہا: عمر کے لیے اجازت مانگو، وہ اندر داخل ہوا، پھر نکل کر باہر میرے پاس آیا اور کہا: میں نے آپ ﷺ سے آپ کے بارے میں ذکر کیا لیکن آپ خاموش رہے۔ پھر میں جا کر منبر کے پاس بیٹھ گیا، وہی فکر دامن گیر ہوئی جس میں ڈوبا ہوا تھا، اس لیے پھر اس غلام کے پاس پہنچا اور کہا: عمر کے لیے اجازت مانگو، وہ اندر گیا، پھر واپس باہر آ کر کہا: میں نے آپ کا ذکر کیا، لیکن آپ ﷺ خاموش رہے۔ پھر میں مڑ کر جانے لگا، اتنے میں غلام نے مجھے پکارا، اور کہا: اندر تشریف لے جائیں آپ کو اجازت مل گئی ہے۔ میں اندر داخل ہوا اور آپ ﷺ کو سلام کیا۔ آپ رسی کی بٹی ہوئی چٹائی پر ٹیک لگائے ہوئے تھے اور اس کے نشانات آپ کے پہلوؤں پر نمایاں تھے۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے؟ آپ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: نہیں۔ میں نے کہا: اللہ اکبر، بھلا ہوتا کہ آپ ہم کو دیکھتے اے اللہ کے رسول! ہم قریش کے لوگ عورتوں پر غالب تھے، جب ہم مدینہ آئے تو ان لوگوں کو دیکھا کہ جن پر ان کی عورتیں غالب ہیں۔ پھر ہماری عورتیں بھی ان کی دیکھا دیکھی ویسا ہی کرنے لگیں۔ میں ایک دن اپنی بیوی پر غصے ہوا، وہ مجھ سے بحث ومباحثہ کرنے لگی، میں نے اسے ڈانٹا کہ مجھ سے بحث کرتی ہے تو اس نے کہا: میں آپ سے بحث ومباحثہ کرتی ہوں تو آپ مجھے کیوں ڈانٹتے ہیں؟ حالانکہ اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ کی بیویاں آپ سے بحث ومباحثہ کر لیتی ہیں اور ان میں ایسی بھی ہیں جو دن بھر آپ سے گفتگو نہیں کرتیں۔ میں نے کہا: جس نے ایسا کیا وہ سخت نقصان اور خسارے میں ہے۔ کیا ان میں سے کوئی خود کو اس بات سے محفوظ پاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے غصہ کی وجہ سے اس پر اللہ کا غضب نازل ہو جائے اور وہ ہلاک ہو جائے؟ اللہ کے رسول ﷺ یہ سن کر مسکرانے لگے۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! پھر میں حفصہ کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ دھوکا مت

کھاؤ تمہاری پڑوسن (یعنی عائشہ رضی اللہ عنہا) تمہارے مقابلہ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ محبوب ہیں اور ان کا درجہ بلند ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ مسکرانے لگے۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا میں آپ سے کچھ دیر انسیت حاصل کرسکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ عمر رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے کہ پھر میں بیٹھ گیا اور گھر میں نگاہ دوڑائی، اللہ کی قسم! اس میں مجھے تین چمڑوں کے علاوہ کچھ نظر نہ آیا۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! اللہ سے دعا کریں کہ آپ کی امت پر کشادگی کردے جس طرح فارس و روم والوں پر دولت کی بہتات کی گئی ہے، حالانکہ وہ اللہ کی عبادت نہیں کرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم برابر ہو بیٹھے اور فرمایا:

((أَفِی شَكٍ أَنْتَ يَابْنَ الْخَطَّابِ؟ أُولٰئِكَ قَوْمخ عجلت لَهُمْ طَيِّبَاتِهِمْ فِی الْحَيَاةِ الدُّنْيَا .))

''اے ابن خطاب! کیا تم شک میں ہو؟ وہ ایسی قوم ہے کہ اس کے لیے اس کی کشادگی و مرغوبات کو دنیوی زندگی میں جلدی دیا گیا ہے۔''

میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میری بخشش کے لیے دعا کر دیجیے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان (بیویوں) پر سخت غصہ کی وجہ سے قسم کھا لی تھی کہ ان کے پاس ایک مہینے تک نہیں جائیں گے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے عتاب فرمایا۔ [1]

سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب

بلاشبہ امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فضل ومنقبت میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد ہیں۔ آپ انبیاء ومرسلین اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد تمام انسانوں میں بلا قید وشرط سب سے افضل ہیں۔ آپ کی افضلیت سے متعلق مسلمانوں کا یہی عقیدہ ہونا چاہیے اور یہی فرقۂ ناجیہ یعنی اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے۔ [2]

آپ کے فضائل ومناقب کے بارے میں بہت سی احادیث اور اخبار وارد ہیں، انہی میں سے بعض یہ ہیں:

ا: آپ کا علم اور دین وایمان:

آپ کے ایمانی مقام ومرتبہ کے بارے میں عبداللہ بن ہشام سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، آپ عمر بن خطاب کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ میرے نزدیک ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں سوائے میری جان کے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا ، وَالَّذِیْ نَفْسِی بِیَدِهٖ ، حَتّٰی أَكُوْنَ أَحَبَّ إِلَيْكَ مِنْ نَفْسِكَ .))

''نہیں (تم مومن نہیں ہوسکتے)، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، یہاں تک

---

[1] مسند أحمد، حدیث نمبر: ۲۲۲۔ الموسوعة الحدیثیة۔ اس کی سند شیخین کی شرط کے مطابق ہے۔

[2] عقیدہ اهل السنة والجماعة فی الصحابة الکرام۔ د/ ناصر بن علی عائض حسن الشیخ: ۱/ ۲۴۳

کہ میں تمہارے نزدیک تمہاری جان سے بھی زیادہ محبوب ہو جاؤں۔''

عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اب ایسے ہی ہے۔ اللہ کی قسم آپ میرے نزدیک میری جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَلْآنَ یَاعُمَرُ .))

''اب (تمہارا ایمان مکمل ہوا) اے عمر!'' [1]

آپ کے علم کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((بَیْنَمَا أَنَا نَائِمٌ شَرِبْتُ۔ یَعْنِیْ اللَّبَنَ ۔ حَتّٰی أَنْظُرَ إِلَی الرَّی یَجْرِیْ فِیْ ظُفْرِیْ ......أَوْ فِیْ أَظْفَارِیْ...... ثُمَّ نَاوَلْتُ عُمَرَ .))

''میں سو رہا تھا تو میں نے (خواب میں) دودھ نوش کیا، یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ اس کی تراوٹ میرے ناخن ...... یا ناخنوں ...... میں جاری ہے، پھر میں نے وہ (دودھ) عمر کو دیا۔''

صحابہ نے پوچھا: آپ اس کی کیا تعبیر کرتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''العلم'' یعنی (دودھ سے) علم مراد ہے۔ [2]

۲: سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی ہیبت اور شیطان کا آپ سے خوف کھانا:

سیّدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے پاس داخل ہونے کی ایسے وقت میں اجازت مانگی جب کہ قریش کی چند عورتیں آپ سے بات کر رہی تھیں اور آپ کی آواز سے اونچی آواز کے ساتھ آپ سے کثرت (نان ونفقہ) کا مطالبہ کر رہی تھیں۔ جب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اجازت مانگی تو وہ اٹھ کھڑی ہوئیں اور جلدی جلدی پردہ کرنے لگیں۔ آپ ﷺ نے انہیں اجازت دے دی، آپ اندر داخل ہوئے اور دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ ہنس رہے ہیں۔ آپ نے کہا: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ آپ کے دانتوں کو ہنسائے (ماجرا کیا ہے؟)، نبی ﷺ نے فرمایا:

((عَجِبْتُ مِنْ هٰؤُلَاءِ اللَّاتِیْ كُنَّ عِنْدِیْ فَلَمَّا سَمِعْنَ صَوْتَكَ ابْتَدَرْنَ الْحِجَابَ .))

''مجھے ان عورتوں پر تعجب ہوا وہ سب میرے پاس تھیں اور جب انہوں نے تمہاری آواز سنی تو جلدی سے پردہ میں ہو گئیں۔''

عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے اللہ کے رسول! آپ تو اس بات کے زیادہ حق دار ہیں کہ وہ آپ سے ڈریں۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اپنی جانوں کی دشمنو! تم مجھ سے ڈرتی ہو اور رسول اللہ ﷺ سے نہیں ڈرتی؟

[1] الصحیح المسند فی فضائل الصحابة، ص:٦٦ [2] فتح الباری: ٧/ ٤٦

عورتوں نے جواب دیا: ہاں، آپ رسول اللہ ﷺ کے مقابلے میں زیادہ سخت اور غصے والے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِيهًا يَاابْنَ الْخَطَّابِ! وَالَّذِى نَفْسِى بِيَدِهِ مَا لَقِيَكَ الشَّيْطَانُ سَالِكًا فَجًّا قَطُّ إِلَّا سَلَكَ فَجًّا غَيْرَ فَجِّكَ .)) [1]

''کیا خوب اے ابن خطاب! قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، کبھی کسی راستہ پر چلتے ہوئے شیطان کی تم سے ملاقات ہو جائے تو وہ راستہ بدل کر دوسرے راستہ پر چل پڑتا ہے۔''

اس حدیث میں سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت بیان کی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ نبی ﷺ کی کثرت مصاحبت کی وجہ سے ہمیشہ آپ کی رائے درست ہوتی تھی اور شیطان آپ کو بہکانے کا کوئی راستہ نہ پاتا تھا۔ [2]

۳: آپ اس امت کے الہام یافتہ ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَقَدْ كَانَ فِيمَا قَبْلَكُمْ مِنَ الْأُمَمِ مُحَدَّثُوْنَ ، فَإِنْ يَكُنْ فِى أُمَّتِى أَحَدٌ فَإِنَّهُ عُمَرُ .)) [3]

''تم سے پہلے کی امتوں میں الہام یافتہ افراد ہوا کرتے تھے، اگر میری امت میں کوئی ایسا ہے تو وہ عمر ہیں۔''

۴: میں نے ایسی نابغۂ روزگار شخصیت نہ دیکھی جو آپ جیسی ذہین وفطین ہو:

نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

((رَأَيْتُ كَأَنِّى أَنْزِعُ بِدَلْوِ بَكْرَةٍ عَلَى قَلِيبٍ فَجَاءَ أَبُوبَكْرٍ فَنَزَعَ ذَنُوبًا أَوْ ذَنُوبَيْنِ فَنَزَعَ نَزْعًا ضَعِيفًا وَاللّٰهُ يَغْفِرُ لَهُ ثُمَّ جَاءَ عُمَرُ فَاسْتَسْقَى فَاسْتَحَالَتْ غَرْبًا فَلَمْ أَرَعَبْقَرِيًّا مِنَ النَّاسِ يَفْرِى فَرْيَهُ حَتّٰى رَوِىَ النَّاسُ وَضَرَبُوا الْعَطَنَ .)) [4]

''میں نے خواب دیکھا کہ ایک کنویں پر ایک ڈول سے پانی کھینچ رہا ہوں، پھر ابوبکر آئے انہوں نے ایک یا دو ڈول ناتوانی کے ساتھ کھینچے، اللہ ان کی مغفرت فرمائے۔ پھر عمر بن خطاب آئے انہوں نے پانی کھینچنا شروع کیا تو وہ ڈول جرسہ (بڑے ڈول) میں بدل گیا۔ میں نے آپ جیسا شہ زور پہلوان نہیں دیکھا جو آپ جیسا غیر معمولی اوصاف کا حامل ہو، یہاں تک کہ لوگ سیراب ہو گئے اور اپنے

[1] صحيح البخارى، حديث نمبر: ٣٦٨٣۔ صحيح مسلم، حديث نمبر: ٢٣٩٦
[2] عقيدة أهل السنة والجماعة: ١/ ٣٤٨
[3] صحيح البخارى، حديث نمبر: ٣٦٨٩۔ صحيح مسلم، حديث نمبر: ٢٣٩٨
[4] صحيح مسلم، حديث نمبر: ٢٣٩٣

اونٹوں کو بھی پلایا۔"

اس حدیث میں فرمان نبوی ﷺ ((فَجَاءَ عُمَرُ فَاسْتَسْقٰی فَاسْتَحَالَتْ غَرْبًا)) یعنی "عمر بن خطاب آئے انہوں نے پانی کھینچنا شروع کیا تو وہ ڈول بڑے ڈول میں بدل گیا" سے آپ کی فضیلت بالکل واضح ہے۔ حدیث میں وارد لفظ "اِسْتَحَالَتْ" کا معنی ہے کہ وہ ڈول چھوٹا تھا لیکن اس وقت بڑا ہو گیا، اور "عَبْقَرِیٌّ" کا معنی سردار، یا وہ شخص جو اپنی خصوصیات میں منفرد ہو۔ اور "ضَرَبُوا الْعَطَنَ" کا مطلب ہے کہ انہوں نے اپنے اونٹوں کو پانی پلایا، پھر ان کے آرام کرنے کی جگہ میں لے گئے۔

نبی ﷺ کے اس خواب میں ان تمام (حوادث وواقعات) کی مثال موجود ہے جو خلافت صدیقی وخلافت فاروقی میں واقع ہوئے۔ نیز ان دونوں کی سیرت کی خوبیاں، نقوش اور لوگوں کی نفع رسانی کی طرف واضح اشارہ موجود ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ خلافت صدیقی میں مرتدین سے قتال ہوا اور آپ نے ان کی ہوا اکھاڑ دی، اسلام کی شعائیں منور ہوئیں حالانکہ آپ کی مدت خلافت مختصر رہی۔ یعنی دو سال اور کچھ مہینے۔ لیکن اللہ نے اس مختصر سی مدت میں برکت عطا فرمائی اور اسلام کو بہت فائدہ ہوا۔

۵: عمر رضی اللہ عنہ کی غیرت اور جنت میں محل کے لیے آپ کو بشارت نبوی ﷺ:

اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((رَأَیْتُنِیْ دَخَلْتُ الْجَنَّةَ فَإِذَا أَنَا بِالرُّمَیْصَاءِ۔ امْرَأَةِ أَبِیْ طَلْحَةَ۔ وَسَمِعْتُ خَشْفَةً فَقُلْتُ: مَنْ هٰذَا؟ فَقَالَ: هٰذَا بِلَالٌ۔ وَرَأَیْتُ قَصْرًا بِفِنَائِهٖ جَارِیَةٌ فَقُلْتُ: لِمَنْ هٰذَا؟ فَقَالَ: لِعُمَرَ، فَأَرَدْتُ أَنْ أَدْخُلَهُ فَأَنْظُرَ إِلَیْهِ، فَذَكَرْتُ غَیْرَتَكَ.)) [1]

"میں نے دیکھا کہ جنت میں داخل ہوا، اچانک میرے سامنے رمیصاء ابوطلحہ کی بیوی نظر آئی اور میں نے ایک آواز سنی تو پوچھا: یہ کون ہے؟ اس (فرشتے) نے کہا: یہ بلال ہیں۔ وہاں میں نے ایک محل دیکھا جس کے آنگن میں ایک عورت تھی۔ میں نے پوچھا: یہ کس کا ہے؟ اس (فرشتے) نے کہا: یہ عمر کا ہے۔ میں اس میں داخل ہونا چاہتا تھا تاکہ اسے دیکھ لوں، لیکن (اے عمر) تیری غیرت مجھے یاد آ گئی۔"

عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے اللہ کے رسول! آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں، کیا میں آپ پر غیرت کھاؤں گا؟

۶: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ابوبکر صدیق کے بعد عمر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہیں:

سیّدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ کے نزدیک لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ آپ نے فرمایا: عائشہ۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! مردوں میں سے؟ آپ نے

[1] صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۳۶۷۹، ۶۶۲۰۔ صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۳۹۴

فرمایا: ((أَبُوْهَا .)) ان کے باپ (ابوبکر رضی اللہ عنہ)۔ میں نے کہا: پھر کون؟ آپ نے فرمایا: ((ثُمَّ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ .)) پھر عمر بن خطاب۔ پھر آپ نے دیگر افراد کو شمار کیا۔ ❶

۷۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو جنت کی بشارت:

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ کے باغات میں سے ایک باغ میں تھا، ایک آدمی آیا، اس نے دروازہ کھولنے کی اجازت مانگی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اِفْتَحْ لَهُ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ .))...... ''کھول دو اور اسے جنت کی بشارت دے دو۔'' میں نے اس کے لیے دروازہ کھول دیا، دیکھا تو وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔ میں نے انہیں فرمان رسول کی بشارت دی، انہوں نے اللہ کی تعریف کی۔ پھر ایک آدمی آیا، اس نے دروازہ کھولنے کی اجازت مانگی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اِفْتَحْ لَهُ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ .))...... ''(دروازہ) کھول دو اور انہیں جنت کی بشارت دے دو۔'' میں نے ان کے لیے دروازہ کھولا، دیکھا تو وہ عمر رضی اللہ عنہ تھے۔ میں نے انہیں فرمان رسول کی بشارت دی۔ انہوں نے اللہ کی تعریف کی۔ ❷

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اور مرض الموت کے متعلق سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کا موقف

۱۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے تو میں لوگوں کو نماز پڑھاتا:

سیّدنا عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے تو بلال آپ کے پاس آئے اور نماز کے لیے بلانے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مُرُوْا مَنْ يُّصَلِّيْ بِالنَّاسِ .))

''کہہ دو کوئی لوگوں کو نماز پڑھا دے۔''

عبداللہ بن زمعہ کہتے ہیں کہ میں نکلا، لوگوں میں عمر نظر آئے اور ابوبکر غائب تھے۔ میں نے کہا: اے عمر! اٹھیے اور لوگوں کو نماز پڑھایے۔ چنانچہ وہ کھڑے ہوئے اور جب اللہ اکبر کہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی آواز سن لی...... عمر رضی اللہ عنہ کی آواز بلند تھی...... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((فَأَيْنَ أَبُوْبَكْرٍ؟ يَأْبَى اللّٰهُ ذٰلِكَ وَالْمُسْلِمُوْنَ ، يَأْبَى اللّٰهُ ذٰلِكَ وَالْمُسْلِمُوْنَ .))

''ابوبکر کہاں ہیں؟ اللہ اور مسلمان اس کا انکار کرتے ہیں، اللہ اور مسلمان اس کا انکار کرتے ہیں۔''

---

❶ الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان: ۱۵/ ۲۰۹۔ صحیح البخاری، باب غزوۃ ذات السلاسل حدیث نمبر: ۴۱۰۰۔ صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۳۸۴

❷ صحیح البخاری، کتاب فضائل اصحاب النبیؐ، حدیث نمبر: ۳۶۹۳.

اس کے بعد آپ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بلایا، آپ اس وقت آئے جب کہ عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کو وہ نماز پڑھا چکے تھے، پھر آپ نے نماز پڑھائی۔

عبداللہ بن زمعہ کا بیان ہے کہ پھر عمر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا: تیرا بُرا ہو! اے ابن زمعہ تم نے میرے ساتھ کیا کیا؟ اللہ کی قسم جب تم نے مجھے (امامت کا) حکم دیا تھا تو میں نے یہی گمان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اس کام کا حکم دیا ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو میں لوگوں کو نماز نہ پڑھاتا۔ عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے، میں نے کہا: اللہ کی قسم، رسول اللہ ﷺ نے مجھے اس کا حکم نہیں دیا تھا، لیکن جب میں نے ابوبکر کو نہیں دیکھا تو حاضرین میں آپ ہی کو امامت کا زیادہ حق دار سمجھا۔ ❶

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ (مرض الموت میں) جب رسول اللہ ﷺ کی تکلیف بڑھی تو آپ نے فرمایا:

((اِئْتُوْنِی بِکِتَابٍ أَکْتُبْ لَکُمْ کِتَابًا لَا تَضِلُّوْا بَعْدَهٗ .))

''مجھے سامان کتابت دو، میں تمہارے لیے (ایک تحریر) لکھ دوں جس کے بعد تم گمراہ نہ ہوسکو۔''

عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کے رسول سخت تکلیف سے دوچار ہیں، ہمارے پاس اللہ کی کتاب ہے جو ہمیں کافی ہے! پھر وہ سب اختلاف کر بیٹھے اور بہت شور شرابہ ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((قُوْمُوْا عَنِّی وَلَا یَنْبَغِی عِنْدِیْ التَّنَازُعُ .))

''میرے پاس سے چلے جاؤ، میرے پاس جھگڑنا ٹھیک نہیں ہے۔''

پھر ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ کہتے ہوئے نکل گئے: سب سے بڑی مصیبت یہ ہوئی جو آپ ﷺ کے ارادے اور لکھنے کے درمیان حائل ہوئی۔ ❷

۲۔ وفات رسول ﷺ کے دن آپ کا موقف:

جب لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کی وفات کی خبر ملی تو بڑا واویلا مچ گیا، آپ ﷺ کی وفات مسلمانوں کے لیے اور خاص طور پر ابن خطاب کے لیے ایک بڑا صدمہ تھا۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس صورت حال کی تفصیل ہمیں اس طرح بتاتے ہیں: ''جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہا: کچھ منافق لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوگئی، حالانکہ آپ مرے نہیں ہیں، وہ تو اپنے ربّ کے پاس گئے ہیں جیسے کہ موسیٰ بن عمران علیہ السلام گئے تھے۔ وہ اپنی قوم کی نگاہوں سے چالیس (۴۰) رات تک غائب تھے اور پھر واپس لوٹے جب کہ کہا جانے لگا تھا کہ وہ مرگئے۔ اللہ کی قسم اللہ کے رسول بھی اسی طرح واپس

❶ سنن أبی داؤد، حدیث نمبر: ٤٦٦٠۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔
❷ صحیح البخاری، العلم، حدیث نمبر: ١١٤

ہوں گے جس طرح موسیٰ علیہ السلام واپس آئے تھے اور ضرور ان لوگوں کے ہاتھ اور پاؤں کاٹیں گے جو کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فوت ہو گئے ہیں۔ ❶

ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جب یہ خبر پہنچی تو آپ مسجد نبوی کے دروازے پر آئے اور عمر رضی اللہ عنہ لوگوں سے بات کر رہے تھے...... آپ (ابوبکر رضی اللہ عنہ) کسی چیز کی طرف متوجہ نہ ہوئے اور عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے، گھر کے ایک طرف آپ کے جسمِ اطہر پر چادر ڈالی ہوئی تھی، آپ آگے بڑھے اور رسول اللہ ﷺ کے چہرہ مبارک کو کھولا، پھر آپ کو بوسہ دیا، اور بولے: آپ پر میرے ماں باپ قربان، اللہ نے جس موت کو آپ پر لکھ دیا تھا آپ اس سے گزر گئے، اب اس کے بعد آپ کو کبھی موت لاحق نہ ہوگی۔ راوی کہتے ہیں: پھر آپ نے چادر کو آپ ﷺ کے چہرہ مبارک پر لوٹا دیا، باہر نکلے اور عمر رضی اللہ عنہ بولتے جا رہے تھے، تو کہا: اے عمر! ذرا ٹھہرو، خاموش ہو جاؤ! آپ نے خاموش ہونے سے انکار کیا، جب ابوبکر نے دیکھا کہ وہ چپ نہیں ہو رہے تو لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور جب لوگوں نے آپ کی آواز سنی تو عمر کو چھوڑ دیا اور آپ کی طرف متوجہ ہو گئے۔ آپ نے اللہ کی حمد وثنا کی، پھر فرمایا: اے لوگو! جو محمد کی عبادت کرتا تھا (وہ جان لے کہ) محمد فوت ہو گئے اور جو اللہ کی عبادت کرتا تھا (وہ جان لے کہ) اللہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے، وہ کبھی نہیں مرے گا۔ پھر آپ نے اس آیت کریمہ کی تلاوت کی:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ أَفَإِن مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ ۚ وَمَن يَنقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَن يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا ۗ وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ﴿١٤٤﴾﴾ (آلِ عمران: ١٤٤)

''اور محمد (ﷺ) صرف رسول ہیں، ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ کیا اگر ان کا انتقال ہو جائے یا شہید ہو جائیں تو تم (اسلام سے) اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی پھر جائے اپنی ایڑیوں کے بل تو ہرگز وہ اللہ کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا، عنقریب اللہ تعالیٰ شکر گزاروں کو اچھا بدلہ دے گا۔''

سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اللہ کی قسم؛ گویا کہ لوگوں نے جانا ہی نہ تھا کہ یہ آیت نازل ہو چکی ہے یہاں تک کہ اس دن ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کی تلاوت کی۔ لوگوں نے اس آیت کو ابوبکر سے سیکھا اور اب یہ ان کی زبانوں پر تھی۔ ابوہریرہ کا بیان ہے کہ: عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: قسم اللہ کی! جب میں نے ابوبکر کو اس آیت کی تلاوت کرتے سنا تو قریب تھا کہ زمین پر گر جاؤں اور میں نے یقین کر لیا کہ رسول اللہ ﷺ وفات پا چکے ہیں۔ ❷

---

❶ السيرة النبوية، ابن ابى شهبة: ٢/ ٥٩٤

❷ البخارى، الجنائز، حديث نمبر: ١٢٤٢

(۳)

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ خلافت صدیقی میں

سقیفہ بنی ساعدہ میں آپ کا مؤقف اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد انصار سقیفۂ بنی ساعدہ میں سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے پاس جمع ہوئے اور کہا: ایک امیر ہم میں سے ہوگا اور ایک امیر تم میں سے ہوگا۔ پھر ان کے پاس ابوبکر، عمر بن خطاب اور ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہم گئے، عمر رضی اللہ عنہ نے بولنا شروع کیا لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ کو خاموش کر دیا۔ عمر رضی اللہ عنہ کہتے تھے: اللہ کی قسم میں نے اس موقع پر کچھ ایسی باتیں کہنا چاہتا تھا جو مجھے بہت پسند تھیں اور مجھے اندیشہ تھا کہ کہیں ابوبکر رضی اللہ عنہ اس کو نہ جانتے ہوں۔ پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تقریر کی اور خوب فصیح و بلیغ تقریر کی، تقریر میں کہا: ہم امیر ہوں گے اور تم وزیر ہوگے۔ خباب بن منذر نے کہا: اللہ کی قسم! ہم ایسا ہرگز نہ ہونے دیں گے، ایک امیر ہم میں سے ہوگا اور ایک تم میں سے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں، لیکن ہم امیر ہوں گے اور تم وزیر ہوگے۔ وہ (مہاجرین) عرب کے بہترین گھرانے کے لوگ ہیں، حسب و نسب میں اعلیٰ درجہ کے عربی ہیں، تم عمر یا ابوعبیدہ سے بیعت کرلو۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بلکہ ہم آپ سے بیعت کریں گے۔ آپ ہم سے بہتر، ہمارے بڑے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ہم میں سب سے زیادہ محبوب رہے ہیں۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ نے آپ (ابوبکر) کا ہاتھ پکڑا اور بیعت کی اور دوسرے لوگوں نے بھی آپ سے بیعت کی۔ [1]

مانعینِ زکوٰۃ سے جہاد اور لشکر اسامہ کی روانگی میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے آپ کی گفت و شنید:

سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی اور آپ کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے اور عربوں میں سے کچھ مرتد ہوگئے تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے ابوبکر آپ لوگوں سے کیسے جنگ کریں گے، جب کہ فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

((أُمِـرْتُ أَنْ أُقَـاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی یَقُوْلُوْا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ، فَمَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ عَصَمَ مِنِّی مَالَهٗ وَنَفْسَهٗ إِلَّا بِحَقِّهٖ وَحِسَابُهُ عَلَی اللّٰهِ .)) [2]

''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے جنگ کرتا رہوں یہاں تک کہ وہ ''لا الٰہ الا اللہ'' کا اقرار کرلیں یعنی اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور جس نے ''لا الٰہ الا اللہ'' کا اقرار کرلیا، اس نے مجھ سے اپنے جان و مال کو محفوظ کرلیا، مگر اس کلمہ کے حق کے ساتھ اور اس کا حساب اللہ کے ذمہ ہے۔''

---

[1] مسند أحمد: ۱/ ۲۱۳ ، علامہ احمد شاکر نے اس کی سند کی تصحیح کی ہے۔

[2] صحیح البخاری ، استتابة المرتدین والمعاندین ، حدیث نمبر: ٦٩٢٤ .

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قسم ہے اللہ کی، جس نے نماز اور زکوٰۃ میں فرق کیا میں اس سے ضرور بالضرور جنگ لڑوں گا، کیونکہ زکوٰۃ مال کا حق ہے۔ اللہ کی قسم اگر انہوں نے اونٹنی کا ایک سال سے چھوٹا سا بچہ مجھے نہ دیا جسے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں دیتے تھے تو اس کی عدم ادائیگی پر ان سے جنگ لڑوں گا۔

عمر رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے کہ اللہ کی قسم جب میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے ابوبکر کا سینہ جنگ کے لیے کھول دیا ہے تو میں نے یقین کرلیا کہ آپ کی رائے برحق ہے۔ [1]

قرآنِ کریم کو جمع کرنا:

جنگ یمامہ میں مسلمان شہداء میں ان شہیدوں کی تعداد زیادہ تھی جو قرآن کے حافظ تھے، اس کے نتیجے میں سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے قرآن جمع کرنے کا حکم دیا اور اسے چمڑے کے ٹکڑوں، ہڈیوں، کھجور کی شاخوں اور لوگوں کے سینوں سے لے کر یکجا کیا گیا۔ [2]

مسلمان مقتولین کی دیّت کی عدم قبولیت کے بارے میں عمر رضی اللہ عنہ کی رائے اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف سے اقرع بن حابس اور عیینہ بن حصن کو مخصوص زمین دینے پر آپ کا اعتراض:

۱: مرتدین کے خلاف جنگ میں مسلمان مقتولین کی دیّت کی عدم قبولیت پر آپ کی رائے: ...... اسد اور غطفان کی طرف سے بزاخہ کی قیادت میں ایک وفد ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور صلح کا مطالبہ کرنے لگا، آپ نے ان کو تباہ کن جنگ اور رسوائی پر مبنی صلح کی ادائیگی کے درمیان اختیار دیا۔ انہوں نے کہا: تباہ کن جنگ تو دیکھ لی لیکن رسوائی پر مبنی صلح کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: تم سے تمہارے مویشیوں اور کھیتیوں کو چھین لیا جائے گا اور تمہارا جو مال ہم کو ملے گا اسے ہم مال غنیمت سمجھیں گے اور تم ہمارا جو مال پاؤ گے اسے واپس کردو گے، ہمارے مقتولین کی تم دیّت دو گے اور تمہارے مقتولین جہنم رسید ہوں گے اور تم ان لوگوں کا پیچھا چھوڑ دو گے جو اونٹوں کی دموں کے پیچھے چلتے ہیں، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ، خلیفہ رسول اور مہاجرین کوئی ایسی چیز دیکھ لیں کہ تم کو معذور سمجھنے لگیں۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس وفد کے سامنے جو بات کہی تھی اسے جب عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا تو وہ کھڑے ہوگئے اور کہا: آپ نے جو بات کہی ٹھیک ہے لیکن ہم بھی آپ کو مشورہ دیتے ہیں کہ آپ نے تباہ کن جنگ اور رسوا کن صلح کی جو بات کہی وہ بہت اچھی بات کہی اور یہ کہ جو تمہارا مال ہمیں ملے گا اسے ہم مالِ غنیمت سمجھیں گے اور ہمارا جو مال تم کو ملے گا سو اس کے بارے میں بھی آپ نے بہت اچھا کہا لیکن آپ نے ہمارے مقتولین کی دیّت لینے اور ان کے مقتولین کے جہنم رسید ہونے کی جو بات کہی ہے تو اس سلسلہ میں میری رائے یہ ہے کہ

[1] صحیح البخاری ، استتابة المرتدين والمعاندين وقتالهم: ٦٩٢٥ .

[2] حروب الردة وبناء الدولة الإسلامية ، أحمد سعيد ، ص: ١٤٥

ہمارے مقتولین نے جنگ لڑی اور اللہ کے راستہ میں شہید کر دیے گئے اس کا اجر ان کو اللہ تعالیٰ دے گا، ان کی کوئی دیّت نہیں۔ پھر لوگوں نے عمر رضی اللہ عنہ کی بات کی موافقت کی۔ [1]

۲: ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف سے اقرع بن حابس اور عیینہ بن حصن کو جاگیر دیے جانے پر سیّدنا عمر کا اعتراض: ...... عیینہ بن حصن اور اقرع بن حابس سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا: اے خلیفۂ رسول! ہمارے پاس بنجر زمین ہے اس میں سبزی وغیرہ کوئی فائدہ مند چیز نہیں پیدا ہوتی۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو ہمیں یہ زمین دے دیں تاکہ ہم اس میں کھیتی باڑی کریں شاید کہ اللہ تعالیٰ کچھ دنوں بعد اسے کارآمد بنا دے۔ سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے اردگرد بیٹھے ہوئے لوگوں سے پوچھا کہ ان دونوں کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے اگر حقیقت میں زمین بنجر ہے اور اس سے فائدہ اٹھانا ممکن نہیں؟ لوگوں نے مشورہ دیا: ہماری رائے یہ ہے کہ ان دونوں کو مطلوبہ زمین دے دی جائے، ممکن ہے اللہ تعالیٰ اُسے بعد میں کارآمد بنا دے۔ آپ نے وہ (مطلوبہ) زمین ان دونوں کو دے دی اور اسے ان دونوں کے نام لکھ دیا اور عمر رضی اللہ عنہ کو اس پر گواہ بنانا چاہا۔ وہ اس وقت وہاں نہ تھے۔ وہ دونوں عمر رضی اللہ عنہ کو گواہی کے لیے تلاش کرنے چلے گئے، اور آپ سے اس حالت میں ملے کہ آپ اپنے اونٹ کو تارکول لگا رہے تھے، انہوں نے کہا: اس دفتر میں جو لکھا ہے اس پر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ کو گواہ بنانے کے لیے کہا ہے۔ ہم اسے پڑھ کر آپ کو سنا دیں یا آپ خود پڑھ لیں؟ آپ نے فرمایا: میں جس حالت میں ہوں تم دیکھ رہے ہو، اگر چاہو تو تم ہی پڑھ کر سنا دو اور اگر چاہو تو انتظار کرو یہاں تک کہ میں فارغ ہو جاؤں، پھر تمہارے سامنے پڑھتا ہوں۔ ان دونوں نے کہا: بلکہ ہم ہی پڑھتے ہیں، پھر انہوں نے پڑھ کر سنایا۔ جب آپ نے تحریر سنی تو وہ (تحریر) ان کے ہاتھوں سے لے لی اور اسے اپنے لب مبارک سے مٹا دیا۔ وہ دونوں ناراض ہوگئے اور آپؓ کے خلاف باتیں کرنے لگے۔ آپ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ اس وقت تمہاری دلجوئی کرتے تھے جب کہ اسلام کمزور تھا اور آج اللہ تعالیٰ نے اسلام کو معزز کر دیا ہے، جاؤ اور محنت کرو۔ اگر تم دونوں نے مراعات لیں تو اللہ تمہاری رعایت نہ کرے۔ وہ دونوں ناراض کی حالت میں سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا: ہم نہیں جانتے کہ آپ خلیفہ ہیں یا عمر! ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بلکہ وہی ہیں اگر وہ (خلیفہ بننا) چاہتے۔ اتنے میں عمر رضی اللہ عنہ غصہ کی حالت میں آئے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس کھڑے ہوگئے اور کہا: جو زمین جاگیر میں آپ نے ان دونوں کو دی ہے اس کے بارے میں بتایئے کہ یہ خاص آپ کی زمین ہے یا تمام مسلمانوں کی؟ آپ نے جواب دیا تمام مسلمانوں کی زمین ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پھر دوسرے مسلمانوں کو چھوڑ کر یہ زمین ان دونوں کے لیے خاص کیوں کر دی؟ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ لوگ جو میرے اردگرد ہیں ان سے مشورہ لیا اور انہوں نے مجھے اجازت دے دی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب آپ نے اپنے اردگرد کے لوگوں سے

---

[1] أخبار عمر، ص: ۳۶۲ بحوالہ الریاض النضرۃ۔ نیل الأوطار: ۸/ ۲۲

مشورہ لیا تو سارے مسلمانوں کو بھی مشورہ اور اظہار رضا مندی کا حق ہے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے کہا تھا کہ آپ اس خلافت کے لیے مجھ سے زیادہ قوی ہیں لیکن آپ مجھ پر غالب آ گئے۔ ❶

بلاشبہ یہ واقعہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ خلفائے راشدین کے دور میں اسلامی مملکت کا نظام شورائیت پر قائم تھا، یہ واقعہ ہمارے سامنے واضح دلیل ہے کہ خلیفہ رسول ﷺ ہر چھوٹی بڑی چیز سے متعلق کس طرح مسلمانوں سے مشورہ لینے کے حریص تھے اور اپنے بھائیوں کے مشورہ کے بغیر کسی کام کا فیصلہ نہ کرتے تھے۔ ❷

جمع قرآن کے اس واقعہ سے چند نتائج ہمارے سامنے آتے ہیں:

۱: مرتدین کے خلاف جنگ میں بہت سے حفاظ قرآن کی شہادت کو دیکھتے ہوئے قرآن ضائع ہو جانے کے خطرے اور اندیشے کے نتیجہ میں قرآن کریم کو یکجا کیا گیا، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس وقت حفاظ و علماء، اسلام اور مسلمانوں کی قوت، اپنے افکار و کردار اور تلوار کے ذریعہ سے بلند کرنے کے لیے عملی اور مجاہدانہ قدم اٹھانے میں جلدی کرتے تھے۔ اس طرح وہ امت مسلمہ کے چیدہ افراد میں سے تھے جو لوگوں کی اصلاح کے لیے پیدا کیے گئے تھے، بعد میں آنے والے ہر فرد کے لیے ان کی پیروی لائق تحسین ہے۔

۲: مصلحت مرسلہ ❸ کے پیش نظر قرآن کو یکجا کیا گیا، اس موقع پر عمر رضی اللہ عنہ کی ابوبکر رضی اللہ عنہ سے گفت وشنید کو میں دلیل نہیں بناتا جب کہ ابوبکر نے عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا: ہم کیسے وہ کام کریں جس کو خود رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا؟ تو عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اللہ کی قسم، یہ عمل بہتر ہے۔ اور بعض روایات میں ہے کہ آپ نے فرمایا تھا: اللہ کی قسم یہ عمل بہت بہتر ہے اور اس میں مسلمانوں کی مصلحت ہے اور بالکل یہی جواب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے زید بن ثابت کو بھی اس وقت دیا جب انہوں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسا سوال ان سے کیا تھا۔ بہرحال جس روایت میں ''مصلحت'' کا لفظ آیا ہے وہ صحیح ہو یا نہ ہو تاہم سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی تعبیر میں ''خیر'' کا لفظ استعمال کرنا مصلحت ہی کا معنی دیتا ہے۔ اور جمع قرآن میں مسلمانوں کے لیے مصلحت ہے۔ چنانچہ شروع شروع میں مصلحت مرسلہ کے تحت قرآن جمع کیا گیا تھا لیکن بعد میں اس پر صحابہ کا اجماع ہو گیا، جبکہ تمام لوگوں نے صراحتاً یا ضمناً اس کی تائید کی۔ یہاں یہ واقعہ اس بات کی دلیل بھی ہے کہ جو لوگ مصلحت مرسلہ کے قائل ہیں ان کے نزدیک (یہ اُصول) اجماع کے لیے دلیل بن سکتا ہے۔ جیسے کہ اصول فقہ میں یہ چیز ثابت ہے۔

❶ محض الصواب فی فضائل أمیر المومنین عمر بن الخطاب: ۱/ ۲۶۲

❷ استخلاف أبی بکر الصدیق، جمال عبدالهادی، ص: ۱۶۶ ـ ۱۶۷

❸ ایسا وصف کہ جس پر شارع نے نہ اعتبار کی مہر ثبت کی ہو اور نہ الغاء وتردید کی ہو، بلکہ وہ مصلحت ومنفعت کے تئیں بے قید ہو۔ (مذکرة أصول الفقه/ الشنقیطی)

۴: اس واقعہ سے ہمارے سامنے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کس قدر پرسکون ماحول میں وہ اجتہاد کرتے تھے جس میں محبت واحترام کا پہلو غالب ہوتا تھا، اس نکتہ تک پہنچنا ان کا مقصد ہوتا تھا کہ جو تمام مسلمانوں کے فائدہ مند ہو۔ وہ صحیح مشورہ کو فوراً تسلیم کر لیتے اور دوسروں کو مطمئن کرنے کے بعد ان کو شرح صدر ہوجاتا تھا اور جب کسی رائے پر متفق ہوجاتے تو اس پر ہونے والے اعتراض کا ردّ کرتے، جیسے کہ ان کی شروع ہی سے یہی رائے تھی اور اسی اخلاص وروحانیت کی بنا پر بہت سے اجتہادی مسائل میں ان کا اجماع منعقد ہوا۔ [1]

[1] الاجتہاد فی الفقہ الإسلامی، عبدالسلام السلیمانی، ص:۱۲۷

تیسرا باب:

خلافت کے لیے نامزدگی، نظام حکومت کے اصول اور معاشرتی زندگی

(۱)
سیّدنا ابوبکر کا عمر رضی اللہ عنہما کو خلافت کے لیے نامزد کرنا اور آپ کے نظام حکومت کے اصول

خلافت کے لیے نامزدگی:

جب ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیماری میں اضافہ ہوگیا تو آپ نے لوگوں کو اپنے پاس جمع کیا اور کہا: میری جو حالت ہے جسے تم دیکھ رہے ہو میں قریب الموت ہوں۔ اللہ نے میری بیعت سے متعلق تمہاری قسموں کو پورا کر دیا، تم سے میرے عقد بیعت کو کھول دیا اور تمہارا معاملہ تمہارے حوالے کر دیا، لہٰذا تم جسے پسند کرو اپنا امیر منتخب کرلو، اس لیے کہ اگر تم میری زندگی ہی میں اپنا امیر بنا لو تو یہ زیادہ مناسب ہے، ایسا نہ ہو کہ میرے بعد تم اختلاف کرلو۔ [1] پھر صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپس میں مشورہ کیا، ان میں سے ہر ایک کی یہی کوشش تھی کہ اس ذمہ داری سے خود کو دُور رکھے اور جو اس کی صلاحیت رکھتا ہو اور اس کا اہل ہو اسے یہ کام سونپ دیا جائے۔ چنانچہ بالآخر وہ سب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا: اے خلیفہ رسول! ہماری رائے وہی ہوگی جو آپ کی رائے ہوگی۔ آپ نے فرمایا: تو مجھے موقع دو تاکہ میں اللہ، اس کے دین اور اس کے بندوں کے بارے میں غور کرلوں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن ابن عوف رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان سے کہا: عمر بن خطاب کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ جس چیز کے بارے میں آپ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں اس کے بارے میں مجھ سے کیوں پوچھتے ہیں؟ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگرچہ میں جانتا ہوں، پھر بھی؟ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! وہ اس معاملہ میں آپ کی رائے سے بھی زیادہ بہتر ہیں۔

پھر آپ نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو بلایا اور کہا: عمر بن خطاب کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ انہوں نے کہا: آپ ان کے بارے میں زیادہ واقف ہیں، آپ نے فرمایا: بات واضح کرو، اے ابوعبداللہ! عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرے علم کے مطابق ان کا باطن ان کے ظاہر سے اچھا ہے اور ہم لوگوں میں ان کا کوئی جواب نہیں۔

[1] البدایة والنهایة: ۷/ ۱۸۔ تاریخ الطبری: ٤/ ۲۳۸

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تم پر رحم کرے، اللہ کی قسم! اگر میں عمر کو خلافت کے لیے نامزد نہ کرتا تو تم سے تجاوز نہ کرتا یعنی تمہیں خلافت کے لیے نامزد کرتا۔

پھر آپ نے اسید بن حضیر کو بلایا اور ان سے بھی اسی طرح کی بات کہی، تو اسیدؓ نے کہا: آپ کے بعد میں ان کو سب سے بہتر جانتا ہوں، خوشی کے موقع پر خوش ہوتے ہیں اور ناراضی کے موقع پر ناراض ہوتے ہیں، ان کا باطن ظاہر سے زیادہ بہتر ہے، اس ذمہ داری کو اٹھانے کا اہل ان سے زیادہ مناسب کوئی دوسرا آدمی نہیں ہے۔ اسی طرح آپ نے سعید بن زید اور متعدد انصار ومہاجرین سے عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں مشورہ کیا، طلحہ بن عبیداللہ کے علاوہ تقریباً سب کی رائے یکساں تھی۔ طلحہ آپ کی سخت گیری سے ڈرتے تھے اور اسی لیے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا: عمر کی سخت مزاجی کو جاننے کے باوجود ان کو ہمارا خلیفہ نامزد کرنے کے بارے میں جب آپ سے اللہ تعالیٰ پوچھے گا تو آپ کیا جواب دیں گے؟ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے بٹھا دو، کیا مجھے اللہ سے خوف دلاتے ہو؟ وہ شخص رسوا ہوا جو تمہارے معاملے میں ظلم کی راہ اپنائے۔ میں کہوں گا: اے اللہ ان پر میں نے تیرے سب سے بہتر بندے کو خلیفہ مقرر کیا۔ [1]
پھر آپ نے لوگوں کو عمر رضی اللہ عنہ کی سختی کا سبب بتایا اور فرمایا: وہ اس لیے سخت تھے کہ مجھے جانتے تھے کہ میں نرم طبیعت کا ہوں۔ اگر خلافت کا معاملہ ان کو سونپ دیا جائے گا تو نرم پڑ جائیں گے اور بہت سی سختیوں کو چھوڑ دیں گے۔ [2]

پھر آپ نے ایک عہد نامہ لکھا جسے امرائے لشکر کے ذریعہ سے مدینہ میں مہاجرین اور انصار کو پڑھ کر سنایا گیا، وہ عہد نامہ یہ تھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابوبکر بن ابوقحافہ کی طرف سے یہ عہد نامہ ہے جسے اپنی دنیوی زندگی کے آخری وقت میں دنیا چھوڑتے ہوئے اور اخروی زندگی کے آغاز سے اس میں داخل ہوتے ہوئے لکھا ہے، جس وقت کافر ایمان لاتا ہے، فاجر یقین اور جھوٹا تصدیق کرنے لگتا ہے، میں نے اللہ، اس کے رسول، اس کے دین، اپنی ذات اور تمہارے لیے خیر خواہی سے متعلق فروگزاشت نہیں کی ہے۔ پس اگر انہوں نے عدل وانصاف سے کام لیا تو یہی میرا گمان اور میرا علم ہے اور اگر اس سے ہٹ گئے تو ہر انسان کو اس کی کمائی کا بدلہ ملے گا۔ میں نے خیر کی نیت کی ہے غیب کو نہیں جانتا۔

﴿وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ ۝﴾ (الشعراء: ۲۲۷)
”اور عنقریب وہ لوگ جنھوں نے ظلم کیا، جان لیں گے کہ وہ لوٹنے کی کون سی جگہ لوٹ کر جائیں گے۔“

خلافت کے لیے عمر رضی اللہ عنہ کی نامزدگی امت کے لیے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی آخری خیر خواہی تھی۔ چونکہ آپ نے

[1] الکامل، ابن الأثیر: ۲/ ۷۹۔ التاریخ الإسلامی، محمود شاکر، ص: ۱۰۱
[2] الکامل، ابن الأثیر: ۲/ ۷۹۔

رنگین دنیا کی آمد اور اپنی قوم کی قدیم فاقہ کشی کو پہچان لیا تھا اس لیے آپ کو خوف تھا کہ جب وہ اسے دیکھیں تو مبادا اس کی رنگینیوں کے تابع نہ ہو جائیں، پھر وہ ان پر ظلم کرنے لگے کیونکہ یہی وہ چیز تھی جس سے رسول اللہ ﷺ نے انھیں خوف دلایا تھا۔ [1] آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((فَوَ اللّٰهِ لَا الْفَقْرَ أَخْشٰى عَلَيْكُمْ وَلٰكِنْ أَخْشٰى عَلَيْكُمْ أَنْ تُبْسَطَ عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا كَمَا بُسِطَتْ عَلٰى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ ، فَتَنَافَسُوْهَا كَمَا تَنَافَسُوْهَا وَتُهْلِكَكُمْ كَمَا أَهْلَكَتْهُمْ .)) [2]

''اللہ کی قسم! میں تمہارے بارے میں فقیری سے نہیں ڈرتا ہوں لیکن تمہارے بارے میں مجھے یہ خوف ہے کہ تم پر دنیا کشادہ کر دی جائے جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر کشادہ کر دی گئی تھی اور تم اسے حاصل کرنے میں ایک دوسرے کا مقابلہ کرنے لگو، جس طرح انہوں نے مقابلہ کیا، پھر دنیا تمہیں ہلاک کر دے جس طرح انہیں ہلاک کر دیا۔''

سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے امت کی بیماری کی بہترین تشخیص کر لی تھی، اس لیے آپ نے اُمت کے لیے بہترین اور کامیاب دوا کا انتظام کر دیا۔ عمر رضی اللہ عنہ ایک بلند پہاڑ تھے کہ جب دنیا آپ کو دیکھتی تو مایوس ہو جاتی اور پیٹھ پھیر کر بھاگتی۔ یہ آپ کی شخصیت ہی تھی جس کے بارے میں نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

((إِيْهًا يَابْنَ الْخَطَّابِ! وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ مَا لَقِيَكَ الشَّيْطَانُ سَالِكًا فَجًّا قَطُّ إِلَّا سَلَكَ فَجًّا غَيْرَ فَجِّكَ .)) [3]

''بہت خوب اے ابن خطاب! قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر شیطان راستہ چلتے تم سے مل جاتا ہے تو (راہ بدل کر) تمہارے راستہ کے علاوہ دوسرے راستہ پر چلنے لگتا ہے۔''

یہ حقیقت ہے کہ یہ امت جن بڑے بڑے حوادث سے دوچار ہوئی ان کا ظہور عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ہوا، لہٰذا ان کمر توڑ حوادث کا بعد میں واقع ہونا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فراست، اور عمر رضی اللہ عنہ کے لیے تیارہ کردہ مجوزہ عہد نامہ کی سچائی پر ایک قوی دلیل ہے۔

استحقاق خلافت پر شرعی نصوص کے واضح اشارے:

❀ قرآنِ مجید میں سیّدنا ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کی خلافت کے صحیح ہونے اور ان کی اطاعت کے وجوب پر واضح دلیل موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اعراب (بدویوں) کے بارے میں اپنے نبی کو مخاطب کرتے

---

[1] تاریخ الإسلام، عهد الخلفاء، ذهبی، ص:٦٦-١١٧، ابوبکر رجل الدولة، ص: ٩٩

[2] صحیح البخاری، الجزیة والموادعة، حدیث نمبر: ٣١٥٨

[3] صحیح البخاری، فضائل اصحاب النبی، حدیث نمبر: ٣٦٨٣.

ہوئے فرمایا:

﴿فَإِن رَّجَعَكَ اللَّهُ إِلَىٰ طَائِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَأْذَنُوكَ لِلْخُرُوجِ فَقُل لَّن تَخْرُجُوا مَعِيَ أَبَدًا وَلَن تُقَاتِلُوا مَعِيَ عَدُوًّا﴾ (التوبة : ۸۳)

''پس اگر اللہ تجھے ان میں سے کسی گروہ کی طرف واپس لے آئے، پھر وہ تجھ سے (جنگ کے لیے) نکلنے کی اجازت طلب کریں تو کہہ دے تم میرے ساتھ کبھی نہیں نکلو گے اور میرے ساتھ مل کر کبھی کسی دشمن سے نہیں لڑو گے۔''

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((رَأَيْتُ كَأَنِّي أَنْزِعُ بِدَلْوِ بَكْرَةٍ عَلَى قَلِيبٍ فَجَاءَ أَبُوْبَكْرٍ فَنَزَعَ ذَنُوبًا أَوْذَنُوْبَيْنِ فَنَزَعَ نَزْعًا ضَعِيفًا وَاللَّهُ يَغْفِرْلَهُ ، ثُمَّ جَاءَ عُمَرُ فَاسْتَسْقَى فَاسْتَحَالَتْ غَرْبًا فَلَمْ أَرَ عَبْقَرِيًّا يَفْرِي فَرْيَهُ حَتَّى رَوِيَ النَّاسُ وَضَرَبُوا الْعَطَنَ .)) [1]

''میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک کنویں پر، اس سے (پانی کا) ڈول کھینچ رہا ہوں، پھر ابوبکر آئے اور انہوں نے کمزوری سے ایک یا دو ڈول کھینچے، اللہ ان کی مغفرت فرمائے۔ پھر عمر آئے انہوں نے کھینچا تو وہ ڈول بڑے ڈول میں بدل گیا، میں نے آپ جیسا شہ زور پہلوان نہیں دیکھا جو آپ جیسا زور آور ہو، یہاں تک کہ لوگ سیراب ہوگئے اور اونٹوں کو خوب پانی پلایا (انہیں آرام کی جگہ میں بٹھایا)۔''

اس حدیث میں ضمناً شیخین ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی خلافت کی طرف اشارہ ہے اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کی طرف بھی واضح اشارہ ہے۔

سیّدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہم نبی ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو آپ نے فرمایا:

((إِنِّي لَا أَدْرِي مَا قَدْرُ بَقَائِي فِيكُمْ فَقْتَدُوْا بِالَّذَيْنِ مِنْ بَعْدِي . وَأَشَارَ إِلَى أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ . وَتَمَسَّكُوْا بِهَدْيِ عَمَّارٍ ، وَمَا حَدَّثَكُمُ ابْنُ مَسْعُوْدٍ فَصَدِّقُوْهُ .)) [2]

''میں نہیں جانتا کہ کب تک تم میں میں باقی ہوں، تو تم میرے بعد دو آدمیوں کی پیروی کرنا، اور آپ نے ابوبکر وعمر کی طرف اشارہ کیا اور عمار کے طریقے کو اختیار کرو اور ابن مسعود تم کو جو حدیث بیان کریں اس کی تصدیق کرو۔''

پس یہ حدیث عمر رضی اللہ عنہ کے استحقاق خلافت کی صریح دلیل ہے۔

---

[1] صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۳۹۳

[2] سلسلة الاحاديث الصحيحة، البانی: ۳/ ۲۳۳، ۲۳۶۔ صحیح ابن حبان: ۶۹۰۲۔ مصنف ابن أبی شیبة: ۷/ ۴۳۳

اللہ کے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ إِذْ رَأَيْتُ قَدَحًا أُتِيْتُ بِهِ فِيْهِ لَبَنٌ فَشَرِبْتُ مِنْهُ حَتّٰى إِنِّيْ لَأَرَى الرِّيَّ يَجْرِيْ فِيْ أَظْفَارِيْ ثُمَّ أَعْطَيْتُ فَضْلِيْ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ .))

''میں سویا ہوا تھا، میں نے ایک پیالہ دیکھا وہ مجھے دیا گیا جس میں دودھ بھرا تھا، میں نے اس سے پیا، یہاں تک کہ میں نے اس کی تراوٹ اپنے ناخنوں کے نیچے محسوس کی، پھر میں نے اپنا بچا ہوا (دودھ) عمر بن خطاب کو دے دیا۔''

صحابہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ نے اس کی کیا تعبیر کی؟

آپ نے فرمایا: ''العلم'' یعنی دودھ سے مراد علم ہے۔ [1]

یہ حدیث عمر رضی اللہ عنہ کے استحقاق خلافت کی دلیل ہے اور اس حدیث میں علم سے مراد کتاب اللہ اور سنت رسول پر مبنی عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت ہے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، ص: ۱۵۴، از ڈاکٹر محمد الصلابی)

خلافت فاروقی (رضی اللہ عنہ) پر اجماع صحابہ:

مستند و معتبر علماء کی جماعت نے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی صحت اور استحقاق پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع نقل کیا ہے، جن میں بعض یہ ہیں:

- ابوبکر احمد بن حسین بیہقی نے اپنی سند کے حوالے سے، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: ''میں عمر رضی اللہ عنہ کے پاس اس وقت گیا جب آپ کو خنجر مارا گیا تھا، میں نے کہا: اے امیر المومنین! آپ کو جنت کی خوشخبری ہے، آپ اس وقت اسلام لائے جب لوگوں نے کفر کیا، رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مل کر اس وقت جہاد کیا جب آپ ﷺ کو لوگوں نے رُسوا کیا اور رسول اللہ ﷺ کی وفات اس حال میں ہوئی کہ وہ آپ سے خوش تھے، آپ کی مدت خلافت کے بارے میں کبھی دو آدمیوں نے بھی اختلاف نہیں کیا اور شہادت کا درجہ پا کر شہید کیے گئے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: دوبارہ کہو۔ میں نے اپنی بات دہرائی، تو آپ نے فرمایا: قسم ہے اس اللہ کی جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، اگر زمین کا تمام سونا اور چاندی مل جائے تاکہ آخرت کی ہولناکی سے نجات پا جاؤں تو سب کچھ فدیہ دے دوں (کس کو خبر ہے کہ کیا ہونے والا ہے؟)'' [2]

شورائیت:

اسلامی حکومت وسلطنت کے بنیادی اصولوں میں یہ چیز داخل ہے کہ رہنمایانِ ملک، حکام مسلمانوں سے مشورہ لیں، ان کی رائے ورضا مندی کو تسلیم کریں اور نظام حکومت کو شورائیت کی بنیادوں پر قائم کیا جائے۔

[1] صحیح مسلم: ۲۳۹۱.
[2] الاعتقاد، البیهقی، ص: ۱۸۸

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴾ (آل عمران: ۱۵۹)

''پس اللہ کی طرف سے بڑی رحمت ہی کی وجہ سے آپ ان کے لیے نرم ہو گئے ہیں اور اگر آپ بدخلق، سخت دل ہوتے تو یقیناً وہ آپ کے گرد سے منتشر ہو جاتے، سو ان سے درگزر کیجیے اور ان کے لیے بخشش کی دعا کیجیے اور کام میں ان سے مشورہ کیجیے، پھر جب آپ پختہ ارادہ کر لیں تو اللہ پر بھروسا کریں، بے شک اللہ بھروسا کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔''

چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی حکومت کی اساس شورائیت ہی پر رکھی تھی۔ مسلمانوں سے صرف نظر کر کے خود کو کسی معاملے میں ترجیح نہ دیتے تھے اور نہ کسی معاملے میں ان پر اپنا کوئی حکم مسلط کرتے تھے۔ جب کوئی نیا معاملہ پیش آتا تو اس کے بارے میں اس وقت تک کوئی ٹھوس فیصلہ نہیں لیتے تھے جب تک کہ مسلمانوں کو جمع کر کے ان سے صلاح ومشورہ نہ لے لیتے۔

آپ کے اقوال زرّیں میں سے ہے:

''جس کام کو بغیر مشورہ کے عمل میں لایا گیا اس میں بھلائی نہیں ہے۔'' [1]

اور آپ کا قول ہے:

''تنہا رائے کچے دھاگے کی طرح ہے اور دو رائے دو پختہ دھاگوں کے مثل ہیں، جب کہ تین آدمیوں کا مشورہ بٹی ہوئی رسی کے مثل ہے جو ٹوٹتی نہیں ہے۔'' [2]

نیز آپ نے فرمایا ہے:

''اپنے معاملات میں اس آدمی سے مشورہ لو جو اللہ سے ڈرتا ہو۔'' [3]

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، ص: ۱۶۸، از ڈاکٹر محمد الصلابی)

عدل ومساوات:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۫ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ

---

[1] الخلفاء الراشدون، النجار، ص: ۲٤٦

[2] سراج الملوك، طرطوشی، ص: ۱۳۲

[3] الإدارة العسكرية فی الدولة الإسلامية، سليمان آل كمال: ۱/ ۲۷۳

قَوْمٍ عَلَىٰٓ أَلَّا تَعْدِلُوا۟ ۚ ٱعْدِلُوا۟ هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۖ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ خَبِيرٌۢ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿٨﴾ (المائدة : ٨)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کی خاطر خوب قائم رہنے والے، انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ اور کسی قوم کی دشمنی تمھیں ہرگز اس بات کا مجرم نہ بنا دے کہ تم عدل نہ کرو۔ عدل کرو، یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرو۔ بے شک اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔''

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنے عدل وانصاف کا نمونہ تھے جس نے دلوں کو فتح کرلیا اور عقلیں دنگ رہ گئیں، آپ کی نگاہ میں عدل وانصاف اسلام کی ایک عملی دعوت تھی جس سے لوگوں کے دلوں کو ایمان کے لیے وسیع کیا جا سکتا ہے۔ آپ رسول اللہ ﷺ کے طرزِ عمل پر چلتے رہے، آپ کی سیاست اس عدل پر قائم تھی جس سے تمام انسان مستفید ہو رہے تھے۔

امام مالک رحمہ اللہ [1] نے سعید بن مسیّب کی سند سے روایت کیا ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس ایک مسلمان اور یہودی جھگڑا لے کر آئے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ یہودی حق پر ہے لہٰذا آپ نے اس کے حق میں فیصلہ کر دیا، تو یہودی نے کہا: اللہ کی قسم! آپ نے حق کے ساتھ فیصلہ کیا۔ [2]

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ عدل ومساوات کے اصول کو صرف مدینہ ہی میں نہیں نافذ کرنا چاہتے تھے بلکہ تمام ریاستوں میں اپنے تمام گورنروں کو اسی بات کی تعلیم دینا چاہتے تھے یہاں تک کہ کھانے پینے کے بارے میں بھی۔ [3]

مصر کا ایک باشندہ آپ کے پاس عمرو بن عاص کے بیٹے کی شکایت لے کر آیا ...... عمرو بن عاص اس وقت مصر کے گورنر تھے ...... اس نے کہا: اے امیر المومنین! میں ظلم سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: تو نے اچھی پناہ گاہ ڈھونڈی۔ اس نے کہا: میں نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے بیٹے سے دوڑ میں مقابلہ کیا اور میں اس سے آگے نکل گیا۔ اس پر وہ مجھے کوڑے سے مارنے لگا اور کہا میں معزز فرد کا بیٹا ہوں۔ (یہ سن کر) عمر رضی اللہ عنہ نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس خط لکھا اور انہیں اپنے بیٹے کے ساتھ حاضر ہونے کا حکم دیا۔ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ آئے تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مصری کہاں ہے؟ کوڑا لو اور مارو۔ وہ اسے مارنے لگا اور عمر رضی اللہ عنہ کہتے تھے: ''معزز فرد کے بیٹے کو مار۔'' انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اس نے مارا، اللہ کی قسم اس نے اس کو خوب مارا اور ہماری تمنا تھی کہ اسے مارا جائے، وہ اسے مسلسل کوڑے مارتا رہا یہاں تک کہ ہم نے تمنا کی کہ اب نہ مارا جائے۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ نے مصری سے

[1] الوسيط في القرآن الكريم، الصلابي، ص:٩٦ .

[2] المؤطا، كتاب الأقضية، باب الترغيب في القضاء بالحق، حديث نمبر: ٢

[3] نظام الحكم في الشريعة والتاريخ الإسلامي: ١/ ١٨٧ .

کہا: عمرو بن عاص کے سر پر مارو۔ اس نے کہا: اے امیر المومنین! ان کے لڑکے نے مجھے مارا تھا اور میں نے اس سے بدلہ لے لیا۔ تو عمر رضی اللہ عنہ نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے کہا: تم نے کب سے لوگوں کو غلام بنا رکھا ہے، حالانکہ ان کی ماؤں نے انہیں آزاد پیدا کیا تھا؟ عمرو بن عاص نے فرمایا: اے امیر المومنین! نہ میں نے اس واقعہ کو جانا اور نہ وہ (مصری) میرے پاس آیا۔ [1]

خلفائے راشدین کی حکومت عدل کی بنیادوں پر قائم رہی، شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کیا ہی خوب بات کہی ہے:

”بے شک اللہ تعالیٰ عدل پسند حکومت کی مدد کرتا ہے اگرچہ وہ کافر ہو اور ظالم حکومت کی مدد نہیں کرتا اگرچہ وہ مسلم ہو۔ عدل ہی سے افراد کی اصلاح ہوتی ہے اور اموال میں برکت ہوتی ہے۔“ [2]

عتبہ بن فرقد جب آذربائیجان گئے تو انہیں ضیافت میں حبیص (ایک قسم کی مٹھائی) پیش کی گئی، جب آپ نے اسے کھایا تو بہترین میٹھا پایا اور کہا: اگر اسی طرح امیر المومنین کے لیے بنایا جاتا تو بہتر ہوتا۔

چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ کے لیے دو بڑی ٹوکری بھر کر میٹھی چیز تیار کی، پھر اسے دو آدمیوں کے ساتھ اونٹ پر لاد کر عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا گیا، جب وہ دونوں اسے لے کر آپ کے پاس آئے اور کھولا تو آپ نے پوچھا: یہ کیا چیز ہے؟ انہوں نے بتایا کہ میٹھی چیز ہے، پھر آپ نے اسے چکھا، اور اسے میٹھا پایا۔ آپ نے پوچھا: کیا سارے مسلمان اپنے گھر میں اسی سے شکم سیر ہوتے تھے؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: جب ایسی بات ہے تو ان دونوں ٹوکریوں کو واپس لے جاؤ۔ پھر آپ نے عتبہ بن فرقد رضی اللہ عنہ کے نام خط لکھا:

”حمد وصلاۃ کے بعد! یہ نہ تیرے باپ کی کوشش سے ہے نہ تیری ماں کی کوشش سے، تم اپنے گھر میں جس چیز سے شکم سیر ہوتے ہو اسی سے تمام مسلمانوں کو شکم سیر کرو۔“ [3]

عدل ومساوات کی تاریخ میں ایک اہم ترین مثال جبلہ بن ایہم کے ساتھ عمر بن خطاب کا وہ واقعہ بھی ہے جسے مؤرخین حضرات مساوات کی تنفیذ میں عدم مروت کے باب میں ذکر کرتے ہیں۔ واقعہ کی تفصیل یہ ہے:

جبلہ، ہرقل کی جانب سے بنوغسان کا آخری حکمران تھا اور غسانی لوگ رومی سلطنت کی ماتحتی میں شام میں رہتے تھے اور شاہ روم غسانیوں کو ہمیشہ جزیرہ عرب کے باشندوں خاص طور پر مسلمانوں سے جنگ کرنے پر ابھارتا رہتا تھا۔ لیکن جب اسلامی فتوحات کی سرحدیں وسیع ہوگئیں اور رومیوں نے مسلمانوں کے ہاتھوں پے درپے ہزیمتیں اٹھائیں تو شام میں بسنے والے عرب قبیلوں نے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرنا شروع کر دیا، غسانی حکمران نے بھی اسلام قبول کر لیا، نیز اس کے ساتھ اس کے دوسرے ساتھی بھی اسلام لے آئے، پھر اس

---

[1] وسطية أهل السنة بين الفرق، محمد باكريم، ص: ١٧٠
[2] السياسة الشرعية، ص: ١٠
[3] مناقب أمير المومنين، ابن الجوزی، ص: ١٤٧

نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مدینہ آنے کی اجازت مانگی، عمر رضی اللہ عنہ کو اس کے قبول اسلام اور مدینہ آنے کی خبر سن کر بہت خوشی ہوئی، چنانچہ وہ مدینہ آیا، اور لمبی مدت تک وہاں قیام کیا۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس کی دیکھ بھال کرتے رہے اور اسے مبارک باد دیتے رہے۔ ایک مرتبہ وہ (غسانی) حج کے لیے گیا، اتفاق سے طوافِ کعبہ کے دوران بنو فزارہ کے ایک آدمی کے پاؤں سے اس کا ازار دب گیا اور پھر کھل کر نیچے گر گیا۔ غسانی حکمران اس پر غصے ہوگیا ...... چونکہ وہ ابھی نومسلم تھا ...... اور فزاری کو زور دار تھپڑ مارا، جس سے اس کی ناک ٹوٹ گئی۔ فزاری بھاگتے ہوئے اپنی مصیبت کی شکایت لے کر عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، آپ نے جبلہ کو بلوایا اور اس سے پوچھا۔ اس نے جو کچھ ہوا تھا اس کا اقرار کیا۔

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے جبلہ! تم نے اپنے اس بھائی پر کیوں ظلم کیا اور اس کی ناک کیوں توڑی؟

غسانی نے جواب دیا کہ میں نے تو اس گنوار کے ساتھ بڑی نرمی کی ہے، اگر خانہ کعبہ کی حرمت وتقدس کا لحاظ نہ ہوتا تو میں اس کی آنکھیں نکال دیتا۔

عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا: تم نے اقرار کرلیا ہے، اب یا تو تم اس آدمی کو راضی کرلو ورنہ میں اس کو تم سے بدلہ دلواؤں گا۔

جبلہ بن ایہم یہ سب دیکھ کر مزید دہشت میں پڑ گیا اور کہنے لگا: یہ کیسے ہوسکتا ہے، وہ ایک عام آدمی اور میں ایک بادشاہ؟

عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اسلام نے تم دونوں کو برابر کر دیا ہے۔

غسانی نے کہا: میں نے سوچا تھا کہ جاہلیت کے مقابلہ میں اسلام میں زیادہ معزز ہوکر رہوں گا۔

آپ نے فرمایا: یہ سب چھوڑو، اگر تم اس آدمی کو راضی نہیں کر لیتے تو اس کو تم سے بدلہ دلواؤں گا۔

جبلہ نے کہا: تب تو میں نصرانی ہی ہوجاتا ہوں۔

عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تم نصرانی ہوجاتے ہو تو میں تم کو قتل کروں گا، کیونکہ تم اسلام لاچکے ہو، لہٰذا اگر مرتد ہوئے تو تمہیں قتل ہی کروں گا۔ [1]

اب جبلہ کو یقین ہوچکا تھا کہ جھگڑنے سے کوئی فائدہ نہیں اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ حیلہ بہانہ کرنا کچھ بھی سودمند نہیں ہے، اس لیے اس نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مہلت مانگی تاکہ اس معاملہ میں کچھ غور کرلے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اسے جانے اور سوچنے کا موقع دے دیا۔ جبلہ نے غور وفکر کے بعد ایک فیصلہ کیا اور وہ فیصلہ بھی ایسا جس میں وہ غلطی ہی پر تھا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ رات کی تاریکی میں اپنی قوم کے ساتھ مکہ چھوڑ کر قسطنطنیہ بھاگ نکلے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور (قسطنطنیہ) نصرانی بن کر پہنچا، لیکن بعد میں اپنے اس فیصلہ پر وہ بہت شرم سار

[1] ابن خلدون: ۲/ ۲۸۱ بحوالہ نظام الحکم، القاسمی: ۱/ ۹۰

ہوا اور اس واقعہ کو بہترین اشعار میں بیان کیا، جسے تاریخ برابر دہراتی اور نقل کرتی ہے۔

اس واقعہ میں ہم دیکھ سکتے ہیں کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ شریعت کے مبدأ مساوات کی حفاظت کے کتنے حریص تھے۔ یقیناً اسلام نے حاکم اور رعایا کے درمیان مساوات قائم کی ہے لہٰذا ضروری ہے کہ مساوات کی مثالیں عملی شکل میں زندہ جاوید رہیں نہ کہ زبان، تحریر اور اشعار تک اس کا نعرہ محدود رہے کہ جسے صرف زبانیں گنگناتی رہیں۔ [1]

اہل کتاب (یہودی وعیسائی) عورتوں سے شادی کے بارے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی رائے:

جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے ایک یہودی عورت سے شادی کی ہے تو ان کو خط لکھا: ''اس کا راستہ صاف کردو (طلاق دے دو۔)'' حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جواباً تحریر کیا: ''کیا آپ کے خیال میں وہ حرام ہے کہ میں اسے طلاق دے دوں؟'' آپ نے فرمایا: ''میرا یہ خیال نہیں ہے کہ وہ حرام ہے بلکہ مجھے خوف ہے کہ تم ان میں سے فاحشہ وبدکار عورتوں سے شادی کرنے کے عادی نہ ہو جاؤ۔'' اور دوسری روایت میں ہے: ''مجھے ڈر ہے کہ مسلمان عورتوں کو چھوڑ دو اور بدکار عورتوں سے شادی کرنے لگو۔'' [2]

ابوزہرہ کہتے ہیں کہ اس مقام پر ہمارے لیے یہ اصول بنانا ضروری ہے کہ مسلمان عورت میں ہر اعتبار سے پوری الفت ومحبت کے اسباب ہونے کی وجہ سے کسی مسلمان کے لیے یہ مناسب نہیں کہ انہیں چھوڑ کر غیر مسلم عورتوں سے شادی کرے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کتابیہ عورتوں سے شادی کرنے سے منع کرتے تھے، اس لیے کہ اس کے پیچھے سیاسی تعلقات میں مضبوطی جیسے اہم مقاصد پوشیدہ ہوں تاکہ دلوں میں آپسی الفت ومحبت کا خوشگوار ماحول پیدا ہو۔ [3]

خلیفہ کے اخراجات، ہجری تاریخ کا آغاز اور ''امیر المومنین'' کا لقب:

خلافت ایک شرعی اور نیکی کا کام ہے جس سے اللہ کی رضا مندی مقصود ہوتی ہے۔ جو اس منصب پر فائز ہوتا ہے اور اچھے ڈھنگ سے اسے چلاتا ہے، اس کے لیے ثواب کی امید کرتا ہے کہ اللہ کے پاس اسے اس کا بہتر بدلہ ملے گا، کیونکہ وہ احسان کرنے والوں کو ان کے احسان کا اور برائی کرنے والوں کو ان کی برائی کا بدلہ دیتا ہے۔ [4]

مناصب وذمہ داریاں اٹھانے کے عوض تنخواہ لینا شرعاً جائز ہے اس لیے کہ نبی ﷺ نے جن لوگوں کو گورنر بنایا ان کو تنخواہیں دیں۔ [5]

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد جب عمر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے خلیفہ بنائے گئے تو کافی دنوں تک آپ نے

---

[1] فن الحکم فی الإسلام، ص: ٤٧٧، ٤٧٨

[2] تفسیر ابن کثیر: ١/ ٢٦٥ اس کی سند صحیح ہے۔

[3] الأحوال الشخصیة، أبوزهرة، ص: ١٠٤

[4] السلطة التنفیذیة: ١/ ٢١٥

[5] السلطة التنفیذیة: ١/ ٢١٦

بیت المال سے کچھ نہ لیا، یہاں تک کہ آپ کو کافی تنگی کا سامنا کرنا پڑا، رعایا کے کاموں میں مشغول ہونے کی وجہ سے آپ کی تجارت کی آمدنی بھی کم ہوگئی۔ اس وقت آپ نے صحابہ کرام کو بلوایا اور ان سے اس سلسلہ میں مشورہ لیا۔ آپ نے کہا: میں نے خود کو اس منصب خلافت کے لیے مشغول کر دیا ہے تو اس (بیت المال) سے مجھے کتنا لینا درست ہے؟ سیّدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے کہا: کھایئے اور کھلایئے۔ سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ [1] نے بھی یہی رائے پیش کی۔ پھر سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: آپ کیا کہتے ہیں؟ انہوں نے کہا: دوپہر اور شام کا کھانا۔ چنانچہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسی پر عمل کیا اور بیت المال سے اپنا حق لینے کے بارے میں کہا: میں نے اللہ کے مال کی حفاظت میں خود کو یتیم کے نگران کے قائم مقام بنا لیا ہے۔ اگر میں اس سے بے نیاز ہوگیا تو لینا چھوڑ دوں گا اور اگر اس کا ضرورت مند ہوا تو اس میں سے معروف طریقہ سے کھاؤں گا۔ [2]

ہجری تاریخ کا آغاز:

تہذیب وتمدن کی ترقی کے مختلف میدانوں میں ہجری تاریخ کے آغاز کو ایک اہم مقام دیا جاتا رہا ہے۔ ہجری تاریخ کے موجد سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ تھے، ہجری تاریخ کی شروعات کے بارے میں متعدد روایات وارد ہیں:

میمون بن مہران کا بیان ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو ایک دستاویز پیش کی گئی جسے شعبان میں آپ کے پاس آنا چاہیے تھا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا یہ وہ شعبان ہے جو گزر گیا، یا آئندہ شعبان ہے، یا جس شعبان کے مہینے سے ہم گزر رہے ہیں وہ مراد ہے؟ پھر آپ نے صحابہ رسول ﷺ کو جمع کیا اور ان سے کہا: لوگوں کے لیے کوئی تاریخ متعین کرو جو سب کو معلوم رہے۔ کسی نے مشورہ دیا کہ روم والوں کی تاریخ کا اعتبار کیا جائے، اس پر یہ کہا گیا کہ وہ بہت لمبا سال ہوتا ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ وہ اپنی تاریخ ذوالقرنین کی پیدائش سے جوڑتے ہیں۔ کسی نے مشورہ دیا کہ اہل فارس کی تاریخ کا اعتبار کرلیا جائے۔ اس پر یہ کہا گیا کہ وہاں کا ہر نیا بادشاہ اپنے پہلے حکمران کے تمام احکامات وغیرہ کو کالعدم قرار دے دیتا ہے پھر وہ اس بات پر متفق ہوئے کہ دیکھیں رسول اللہ ﷺ کتنے دنوں تک مدینہ میں رہے۔ چنانچہ انہوں نے حساب لگایا کہ اللہ کے رسول مدینہ میں دس سال رہے تو پھر آپ کی ہجرت کا اعتبار کرتے ہوئے اسی کو اسلامی تاریخ کا نقطہ آغاز بنا لیا گیا۔ [3]

عثمان بن عبیداللہ [4] سے روایت ہے کہ میں نے سعید بن مسیّب کو کہتے ہوئے سنا: سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مہاجرین اور انصار رضی اللہ عنہم کو جمع کیا اور کہا: کب سے ہم اپنی اسلامی تاریخ مقرر کریں؟ علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ

---

[1] آپ سعید بن زید العدوی صحابی ہیں، عشرہ مبشرہ میں سے ایک ہیں۔

[2] الخلافة الراشدة، د/ یحییٰ الیحییٰ، ص: ۲۷۰ اس کی سند صحیح ہے۔

[3] محض الصواب: ۱/ ۳۱۶۔ ابن الجوزی، ص: ۶۹

[4] آپ عبیداللہ بن ابی رافع نبی ﷺ کے غلام تھے، عبیداللہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔

نے مشورہ دیا کہ جس دن آپ ﷺ نے دیارِ شرک کو چھوڑ کر ہجرت کی۔ سعید بن مسیّب کا بیان ہے کہ پھر اسی کو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مقرر کیا۔ ❶

امیر المومنین کا لقب:

سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ''رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ'' کہے جاتے تھے، لیکن جب آپ کی وفات ہوگئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: جو عمر رضی اللہ عنہ کے بعد خلیفہ ہوگا اسے ''خلیفہ خلیفہ رسول اللہ'' کہا جائے گا اور اس طرح یہ سلسلہ طویل ہوجائے گا۔ لہٰذا بہتر ہے کہ خلیفہ کے لیے کسی نام پر اتفاق کرلیا جائے اور بعد میں آنے والے خلفاء کو بھی اسی سے پکارا جائے۔ چنانچہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: ہم ''مومن'' اور عمر ''ہمارے امیر'' کہے جائیں۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ ''امیر المومنین'' کہے جانے لگے اور آپ سب سے پہلے اس نام سے موسوم کیے گئے۔ ❷

ابن شہاب سے روایت ہے کہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ابوبکر بن سلیمان بن ابوخیثمہ ❸ سے پوچھا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے خط میں ایسا کیوں لکھتے تھے: ''ابوبکر خلیفہ رسول ﷺ کی طرف سے'' اور ان کے بعد عمر رضی اللہ عنہ لکھتے تھے: ''عمر بن خطاب خلیفہ ابوبکر اور جسے سب سے پہلے امیر المومنین کہا گیا، اس کی طرف سے''؟ انہوں نے کہا کہ میری دادی شفاء ❹ نے مجھے بتایا...... وہ پہلے ہجرت کرنے والی صحابیات میں سے تھیں اور عمر رضی اللہ عنہ جب بھی بازار جاتے تو ان سے ضرور ملتے ...... عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عراق کے گورنر کے پاس لکھا کہ میرے پاس دو بہادر اور شریف لوگوں کو بھیج دو، میں ان سے عراق اور اس کے باشندگان کے بارے میں کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔ ❺ انہوں نے لبید بن ربیعہ اور عدی بن حاتم رضی اللہ عنہما کو بھیجا، وہ دونوں مدینہ آئے اور مسجد کے صحن میں اپنی اپنی سواری کو بٹھا دیا، پھر دونوں مسجد میں داخل ہوئے، وہاں عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے دونوں کی ملاقات ہوئی۔ انہوں نے عمرو بن عاص سے کہا: امیر المومنین سے ہمارے لیے ملاقات کی اجازت مانگ لیجیے۔ عمرو رضی اللہ عنہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور کہا: السلام علیکم اے امیر المومنین! عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے ابن العاص! اس (نام) میں تمہیں کیا خوبی نظر آ گئی؟ تمہاری بات کی وجہ سے مجھے نکلنا ہی پڑے گا؟ انہوں نے کہا: جی ہاں، لبید بن ربیعہ اور عدی بن حاتم آئے اور انہوں نے کہا کہ ''امیر المومنین'' سے ہماری ملاقات کے لیے اجازت مانگ لیجیے، تو میں نے کہا: اللہ کی قسم، تم دونوں نے آپ کا درست و بہتر نام لیا۔ وہ امیر ہیں اور ہم مومن ہیں۔ اسی دن سے آپ کو امیر المومنین لکھا جانے لگا۔ ❻

---

❶ المستدرك: ۳/ ۱٤۔ حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے اور ذہبی نے آپ کی موافقت کی ہے۔

❷ الطبقات الكبرٰى، ابن سعد: ۳/ ۲۸۱۔ محض الصواب: ۱/ ۳۱۱۔

❸ آپ ابوخیثمہ العدوی المدنی ہیں، ثقہ ہیں، علم انساب کے ماہر تھے، تیسرے طبقہ کے ہیں۔ التقریب، ص:٦٠٧

❹ آپ شفاء بنت عبداللہ العدویہ ہیں۔ ہجرت سے پہلے مسلمان ہوئیں۔

❺ محض الصواب: ۱/ ۳۱۲

❻ مستدرك حاكم: ۳/ ۸۱۔۸۲۔ امام ذہبی نے اس روایت کی تصحیح کی ہے۔

(۲)
سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اوصافِ حمیدہ، عائلی ومعاشرتی زندگی اور اہل بیت کا احترام

اوصافِ حمیدہ

عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اوصاف کو صیقل کرنے میں ایمان باللہ اور فکر آخرت کی اصل تاثیر تھی اور ایمان ہی نے آپ کی شخصیت کو متوازی، بارعب اور پرکشش بنا دیا تھا۔ اسی ایمانی قوت کا نتیجہ تھا کہ آپ کی قوت آپ کی عدالت پر، سطوت آپ کی رحمت پر اور مالداری آپ کی تواضع پر غالب نہ آسکی، اور آپ اللہ کی تائید ونصرت کے مستحق ہوئے، آپ نے کلمہ توحید کی تمام شرطوں یعنی علم، یقین، قبول، انقیاد، اخلاص اور محبت کو عملاً پورا کیا۔ آپ کو ایمان اور کلمہ توحید کی حقیقی معرفت حاصل تھی۔ چنانچہ آپ کے پختہ ایمان کے اثرات آپ کی زندگی میں موقع بموقع سامنے آتے رہے، اس کی چند اہم مثالیں یہاں پیش کی جارہی ہیں:

ا: خشیت الٰہی اور محاسبۂ نفس:

عمر فاروق رضی اللہ عنہ اکثر فرماتے تھے: ''جہنم کو کثرت سے یاد کرو، اس کی گرمی سخت ہے، اس کی گہرائی بہت طویل ہے، اس کا ٹھکانا بہت سخت ہے۔'' [1]

محاسبۂ نفس کے بارے میں کہا کرتے تھے: ''اپنے نفس کا خود محاسبہ کیا کرو اس سے پہلے کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے، اور اپنی قدر وقیمت کو تول لو اس سے پہلے کہ تم تولے جاؤ۔ اور بڑی پیشی (یعنی روز جزا) کے لیے تیار رہو:

﴿يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُونَ لَا تَخْفَىٰ مِنكُمْ خَافِيَةٌ ﴿١٨﴾﴾ (الحاقة: ١٨) [2]

''اس دن تم سب پیش کیے جاؤ گے اور تمہارا کوئی بھید پوشیدہ نہ رہے گا۔''

خشیت الٰہی اور محاسبہ نفس کا یہ عالم تھا کہ آپ فرماتے: ''اگر دریائے فرات کے ساحل پر بکری کا ایک بچہ بھی مرگیا تو مجھے ڈر ہے کہ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ عمر سے محاسبہ کرے گا۔ [3]

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کبھی کبھار آگ جلاتے اور اس میں اپنا ہاتھ ڈالتے، پھر خود کو مخاطب کرکے کہتے: اے خطاب کے بیٹے! کیا تجھے اس پر صبر کرنے کی طاقت ہے۔ [4]

---

1. فرائد الکلام للخلفاء الکرام، ص: ۱۵۵
2. مختصر منہاج القاصدین، ص: ۳۷۲۔ فرائد الکلام، ص: ۱۴۳
3. مناقب عمر، ص: ۱۶۰، ۱۶۱
4. مناقب عمر، ص: ٦٢

۲: زہد:

قرآن کے سایہ میں زندگی گزار کر، نبی صادق وامین ﷺ کی صحبت اختیار کر کے اور حیات فانی کا جائزہ لے کر آپ نے بخوبی سمجھ لیا تھا کہ دنیا ابتلاء وآزمائش کا گھر اور آخرت کی کھیتی ہے۔ چنانچہ آپ نے دنیا داری، اس کے حسن وزیبائش اور چمک دمک سے خود کو دور رکھا تھا۔ ظاہر وباطن ہر اعتبار سے اپنے ربّ کے سامنے خود کو جھکا دیا تھا اور ایسے حقائق کی جڑیں آپ کے دل میں پیوست ہو چکی تھیں جو اس دنیا سے زہد وبے نیازی پر آپ کی معاون ومددگار ہوتی تھیں۔ وہ حقائق یہ ہیں:

- اس بات پر کامل یقین تھا کہ ہم اس دنیا میں ایک اجنبی یا مسافر کے مشابہ ہیں، جیسا کہ ارشادِ نبوی ہے:

  ((كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيلٍ .)) [1]

  ''تم دنیا میں اس طرح زندگی گزارو گویا کہ اجنبی ہو یا مسافر۔''

- اللہ ربّ العزت کے نزدیک اس دنیا کی کوئی قدر وقیمت نہیں ہے۔ بس اتنی ہی قابل قدر ہے کہ جتنے میں اللہ کی اطاعت وفرماں برداری کر لی جائے۔ فرمانِ نبوی ہے:

  ((لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوضَةٍ مَا سَقَى كَافِرًا مِنْهَا شُرْبَةَ مَاءٍ .)) [2]

  ''اگر اللہ کے نزدیک دنیا کی قدر وقیمت مکھی کے پر کے بھی برابر ہوتی تو کسی کافر کو ایک گھونٹ بھی پانی نہ پلاتا۔''

ابوالاشہب [3] کا بیان ہے کہ ایک گھور (کوڑا کرکٹ ڈالنے کی جگہ) کے پاس سے عمر رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا۔ آپ وہاں تھوڑی دیر ٹھہر گئے، آپ کے ساتھیوں کو یہ عمل ناگوار گزرا، آپ نے ان سے فرمایا: یہ تمہاری دنیا ہے جس پر تم فدا ہو اور اس پر مرمٹ رہے ہو۔ [4]

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے دنیا کے بارے میں غور کیا تو اس نتیجہ پر پہنچا کہ اگر دنیا کو ترجیح دوں تو آخرت کا نقصان اٹھاتا ہوں اور اگر آخرت چاہتا ہوں تو دنیا کا نقصان اٹھاتا ہوں۔ لہٰذا جب معاملہ اس طرح ہے تو فانی دنیا ہی کا نقصان اٹھانا بہتر ہے۔ [5]

ایک مرتبہ آپ لوگوں سے خطاب فرما رہے تھے حالانکہ آپ خلیفہ تھے اور آپ کی تہبند میں بارہ پیوند لگے تھے۔ [6]

---

[1] سنن الترمذی، کتاب الزهد، حدیث نمبر: ۲۳۳۳۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

[2] سنن الترمذی، کتاب الزهد، حدیث نمبر: ۲۳۲۰

[3] آپ کا نام جعفر بن حیان سعدی ہے۔

[4] الزهد/ للامام أحمد، ص: ۱۱۸

[5] الحلیة: ۱/ ۵۰۔ یہ روایت انقطاع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ مناقب عمر، ابن الجوزی، ص: ۱۳۷

[6] الزهد، لإمام أحمد، ص: ۱۲٤۔ یہ روایت متعدد طرق سے منقول ہے۔

۳: ورع:

آپ کے ورع کی ایک مثال وہ واقعہ ہے جسے ابوزید عمر بن شبہ نے معدان بن ابوطلحہ یعمری کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ وہ عمر رضی اللہ عنہ کے پاس کپڑے اور کھانا لے کر آئے اور آپ کے حکم سے اسے لوگوں میں تقسیم کر دیا گیا، پھر آپ نے دعا کی: اے اللہ تو خوب جانتا ہے کہ میں نے خود لوگوں کو نہیں کھلایا، اور نہ خود کو ان پر ترجیح دی، صرف میں ان کے ساتھ کھانے میں شریک ہوا ہوں، پھر بھی مجھے ڈر ہے کہ کہیں تو اس کھانے کو عمر کے پیٹ میں آگ کا سبب نہ بنا دے۔ معدان کا بیان ہے کہ اس کے بعد آپ نے اپنی مخصوص رقم سے ایک بڑا پیالہ بنوایا پھر اسے عام لوگوں کی پلیٹوں کے درمیان رکھنے لگے۔

امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ورع کی یہ نادر مثال دیکھئے کہ آپ نے بلاقصد وارادہ اس دودھ کو پیا تھا، لیکن عذابِ الٰہی کا ایسا خوف کہ جب تک بعض بزرگ صحابہ سے جو مسلمانوں کی طرف سے اس ذمہ داری پر مامور تھے اس کے بارے میں اجازت نہ لے لی آپ کے دل کو اطمینان نہ ہوا ...... یہ اور اس طرح کے دیگر واقعات اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ ذکر آخرت، وہاں کے حساب وکتاب، نعمتوں کے حصول اور بدبختی سے بچنے کا خوف آپ کے رگ وپے میں سرایت کر چکا تھا اور اسی غم میں آپ ڈوبے رہتے تھے اور یہی خوف وغم آپ کی زندگی میں اعلیٰ سلوک وکردار کا اصل محرک تھا۔ [1]

۴: تواضع:

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کے راستے میں عباس رضی اللہ عنہ کے پرنالے کا پانی گرتا تھا، ایک مرتبہ جمعہ کے دن عمر رضی اللہ عنہ کپڑے پہن کر گھر سے نکلے، اتفاق سے اس دن عباس رضی اللہ عنہ کے گھر دو چوزے ذبح کیے گئے تھے۔ جب عمر رضی اللہ عنہ پرنالے کے نیچے پہنچے تو خون آلود پانی آپ کے اوپر گرنے لگا۔ آپ نے پرنالے کو اکھاڑنے کا حکم دے دیا اور واپس ہو گئے۔ ان کپڑوں کو اتار کر دوسرے کپڑے زیب تن کیے، پھر آئے اور لوگوں کو نماز پڑھائی۔ عباس رضی اللہ عنہ آپ کے پاس آئے اور کہا: اللہ کی قسم، وہ پرنالا اسی جگہ لگا تھا، جہاں اسے اللہ کے رسول نے لگایا تھا، تو عمر رضی اللہ عنہ نے عباس رضی اللہ عنہ سے کہا: میں آپ سے زور دے کر کہتا ہوں کہ میری پیٹھ پر چڑھ کر پرنالے کو اسی جگہ لگا دیں جہاں رسول اللہ ﷺ نے لگایا تھا، چنانچہ عباس رضی اللہ عنہ نے ویسا ہی کیا۔ [2]

سنان بن سلمہ ہذلی سے روایت ہے کہ میں بچوں کے ساتھ نکلا، ہم سب ''بلح'' (سبز کھجور) چن رہے تھے، اتنے میں عمر رضی اللہ عنہ بھی آ گئے، ان کے ہاتھ میں درّہ تھا، جب بچوں نے آپ کو دیکھا تو باغ میں منتشر ہو گئے لیکن میں کھڑا رہا، میرے تہبند میں کچھ کھجوریں تھیں جن کو میں نے اکٹھا کیا تھا۔ میں نے کہا: اے امیر المومنین! یہ کھجوریں ہوا سے زمین پر گری پڑی تھیں۔ آپ نے میرے تہبند کی کھجوروں کو دیکھا، لیکن مجھے نہیں مارا، میں نے کہا:

---

[1] التاريخ الإسلامي: ١٩/ ٢٨ [2] صفة الصفوة: ١/ ٢٨٥

اے امیر المومنین! اور بھی بچے ہیں جنہیں میں دیکھ رہا ہوں ابھی وہ لوگ مجھ سے ان کھجوروں کو چھین لیں گے۔ آپ نے فرمایا: نہیں، ہرگز نہیں۔ چلو میرے ساتھ چلو۔ پھر آپ مجھے لے کر میرے گھر والوں کے پاس آئے۔ ❶

سیّدنا عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو کندھے پر پانی کا ایک مشکیزہ اٹھائے ہوئے دیکھا تو میں نے کہا: اے امیر المومنین! آپ کے لیے یہ مناسب نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا: جب وفود اطاعت وفرماں برداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے میرے پاس آئے تو میرے دل میں اپنی بڑائی کا احساس ہوا، اس لیے میں نے اس بڑائی کو توڑنا ضروری سمجھا۔ ❷

سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ باہر گیا، آپ ایک باغ میں داخل ہوئے، میرے اور آپ کے درمیان ایک دیوار حائل تھی۔ آپ باغ کے اندر تھے، میں نے اس وقت عمر رضی اللہ عنہ کو خود سے خطاب کرتے ہوئے سنا: ''اے عمر بن خطاب! تو امیر المومنین ہے، کیا خوب، تو خطاب کا معمولی بیٹا ہے، تو اللہ سے ڈر، ورنہ وہ تجھے عذاب دے گا۔'' ❸

۵: بردباری:

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ عیینہ بن حصن بن حذیفہ آئے اور اپنے بھتیجے حر بن قیس ❹ کے مہمان بنے۔ حر بن قیس عمر رضی اللہ عنہ کے قریبی لوگوں میں سے تھے اور جیسا کہ معلوم ہے کہ آپ کی مجلس شوریٰ کے تمام افراد حفاظ قرآن تھے۔ خواہ وہ بوڑھے ہوں یا جوان۔ بہرحال عیینہ نے اپنے بھتیجے سے کہا: اے میرے بھتیجے! کیا امیر المومنین تک تمہاری رسائی ہے؟ یا یوں کہا کہ امیر المومنین تک تمہاری رسائی ہے اس لیے میری ملاقات کے لیے اجازت مانگ لو۔ حر بن قیس نے کہا: میں ابھی اجازت لیتا ہوں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ حر بن قیس نے عیینہ کے لیے اجازت مانگی تو عمر رضی اللہ عنہ نے اجازت دے دی۔ جب عیینہ عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے تو کہا: اے ابن خطاب! ذرا میری بات پر دھیان دیجیے۔ اللہ کی قسم آپ مجھے زیادہ وظیفہ نہیں دیتے اور عدل سے کام نہیں لیتے۔ عمر رضی اللہ عنہ سخت غصے ہوئے، یہاں تک کہ اسے مارنا چاہا، لیکن حر بن قیس بول اٹھے کہ امیر المومنین! یہ جاہل ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے فرمایا ہے:

﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ ﴿١٩٩﴾﴾ (الاعراف: ۱۹۹)

''آپ درگزر کو اختیار کریں، نیک کام کی تعلیم دیں اور جاہلوں سے کنارہ کش ہو جائیں۔''

اللہ کی قسم! جب حر بن قیس نے آیت کی تلاوت کی تو عمر بن خطاب فوراً رک گئے۔ یقیناً وہ اللہ کی کتاب

❶ صلاح الأمة فی علو الهمة، سید العفانی: ۵/ ۴۲۵
❷ مدارج السالکین: ۲/ ۳۳۰
❸ موطأ مالك: ۲/ ۹۹۲۔ اس کی سند صحیح ہے۔
❹ آپ صحابی ہیں، بنو فزارہ کے وفد کے ساتھ اسلام لائے، آپ کی نسبت اس طرح ہے: حر بن قیس فزاری۔

کے بہت پابند تھے۔ ❶ چنانچہ جب آپ نے آیت کریمہ سنی تو آپ کا غصہ ٹھنڈا ہوگیا اور جس آدمی نے آپ کو آپ کے اخلاق کریمہ میں بخیلی اور دین داری میں ناانصافی کی تہمت لگا کر آپ کی شان میں گستاخی کی تھی، آپ نے اسے معاف کر دیا۔

عائلی ومعاشرتی زندگی

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حاکم جب تک اللہ کے حقوق ادا کرتا ہے رعایا اس کے حقوق ادا کرتی ہے اور جب حاکم اللہ کے حقوق پامال کرنا شروع کر دیتا ہے تو رعایا اس کے حقوق پامال کرنے لگتی ہے۔ ❷ یہی وجہ تھی کہ آپ اپنا اور اپنے گھر والوں کا سختی سے محاسبہ کرتے تھے۔ آپ جانتے تھے کہ نگاہیں آپ کی طرف دیکھ رہی ہیں اور اس میں کوئی فائدہ نہیں کہ خود اپنی ذات پر سختی کریں اور گھر والے عیش وعشرت کی زندگی گزاریں اور پھر بروز قیامت ان کے بارے میں باز پرس ہو، ساتھ ہی دنیا میں زبان خلق انہیں معاف نہیں کر سکتی، چنانچہ آپ جب کوئی امتناعی حکم جاری کرتے تو سب سے پہلے اپنے گھر والوں کے پاس آتے اور فرماتے: میں نے لوگوں کو فلاں فلاں کام سے روک دیا ہے، لوگ تم پر اسی طرح نگاہ رکھتے ہیں جس طرح گوشت خور پرندہ گوشت پر۔ پس اگر تم نے حکم کی خلاف ورزی کی تو وہ بھی کریں گے اور اگر تم دور رہے تو وہ بھی دور رہیں گے۔ اللہ کی قسم! اگر میرے پاس کوئی فرد لایا گیا جو میرا قریبی ہے اور میرے حکم کی خلاف ورزی کی ہے، تو میں اس کو دوہری سزا دوں گا۔ لہٰذا جو چاہے خلاف ورزی کرے اور جو چاہے اس سے باز رہے۔ ❸

آپ اپنی بیویوں، بچوں اور رشتے داروں کے رہن سہن اور اخراجات پر کڑی نگاہ اور سخت نگرانی رکھتے تھے۔ اس کی چند مثالیں یہاں ذکر کی جا رہی ہیں:

۱: **رفاہ عامہ کی ملکیت**: سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر والوں کو رفاہِ عامہ کے لیے خاص کی گئی ملکیتوں سے استفادہ کرنے سے منع کر دیا تھا، محض اس خوف سے کہ کہیں اپنے گھرانے کی طرف داری نہ ہو جائے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ میں نے ایک اونٹ خرید کر رفاہی چراگاہ میں چرنے کے لیے چھوڑ دیا۔ جب وہ موٹا ہوگیا تو میں اس کو لے کر بازار گیا، عمر رضی اللہ عنہ بازار آئے اور موٹے اونٹ کو دیکھا تو پوچھا: یہ کس کا اونٹ ہے؟ آپ کو بتایا گیا کہ عبداللہ بن عمر کا ہے۔ آپ کہنے لگے: اے عبداللہ بن عمر! کیا خوب، کیا خوب ......، امیر المومنین کے بیٹے! یہ اونٹ کیسا ہے؟ عبداللہ کا بیان ہے کہ میں نے بتایا کہ اس اونٹ کو میں نے خریدا تھا اور پھر رفاہی چراگاہ میں چھوڑ دیا تھا، میں بھی وہی چاہتا تھا جو تمام مسلمان چاہتے ہیں۔ (یعنی اونٹ فربہ اور تروتازہ ہو جائے) عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ کہتے رہے ہوں گے امیر المومنین کے بیٹے کے اونٹ کو خوب چراؤ، امیر المومنین کے بیٹے کے اونٹ

---

❶ صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۷۲۸٦۔ ٤٦٤٢

❷ موسوعة فقه عمر بن الخطاب، د/ محمد قلعجی، ص: ۱٤٦ ❸ محض الصواب: ۳/ ۸۹۳

کو اچھی طرح پلاؤ، اے عبداللہ بن عمر اپنے اونٹ کی اصل قیمت لے لو اور منافع مسلمانوں کے بیت المال میں جمع کروا دو۔ ❶

۲: جنگ جلولاء کے موقع پر مال فے خریدنے پر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا محاسبہ:

...... عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ فارس کے معرکوں میں سے ایک معرکہ جو ''جلولاء'' میں پیش آیا تھا اس میں حاضر ہوا اور چالیس ہزار درہم میں مالِ غنیمت خریدا اور جب وہاں سے لوٹ کر عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو آپ نے کہا: اگر میں جہنم میں ڈالا جاؤں اور تم سے کہا جائے کہ اس کے عذاب سے بچانے کے لیے فدیہ دو، تو کیا تم فدیہ دو گے؟ تمہارا کیا خیال ہے؟ میں نے کہا: اللہ کی قسم کوئی بھی چیز جو آپ کے لیے باعث تکلیف ہو میں اس سے بچانے کے لیے سب کچھ فدیہ دینے کو تیار ہوں۔ آپ نے فرمایا: گویا کہ میں لوگوں کو دیکھ رہا تھا جب وہ خرید و فروخت کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے: عبداللہ بن عمر صحابی رسول ہیں، امیر المومنین کے بیٹے ہیں، ان کے چہیتے ہیں، اور تم حقیقت میں ایسے ہو بھی۔ پس تمہیں مہنگا دینے کے بجائے کم داموں میں دینا انہیں زیادہ محبوب رہا۔ میں تقسیم کرنے والا ذمہ دار ہوں اور ایک قریشی تاجر جتنا نفع پاتا ہے میں تم کو اس سے زیادہ دیتا ہوں۔ تمہارے لیے ایک درہم پر ایک درہم (یعنی دوگنا) نفع ہے۔ ابن عمر کا کہنا ہے کہ پھر آپ نے تاجروں کو بلایا اور انہوں نے اس کو چار لاکھ درہم میں خرید لیا، عمر رضی اللہ عنہ نے اس میں سے مجھے صرف اسّی ہزار (۸۰۰۰۰) درہم دیئے اور بقیہ دراہم سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیئے تاکہ وہ اسے ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیں۔ ❷

۳: قرابت داری نفع خوری کا سبب نہیں بن سکتی: ...... اسلم سے روایت ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کے دونوں صاحبزادے یعنی عبداللہ اور عبید اللہ ایک لشکر کے ساتھ عراق کی مہم پر نکلے، جب وہ دونوں لوٹے تو بصرہ کے امیر ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے ملاقات کرتے ہوئے لوٹے۔ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کو خوش آمدید کہا اور استقبال کیا اور کہا: اگر میں کسی طرح سے تم دونوں کو کوئی فائدہ پہنچا سکا تو ضرور فائدہ پہنچاؤں گا۔ پھر کہنے لگے: ہاں ٹھیک ہے، یہاں میرے پاس صدقہ کی کچھ رقم ہے اور میں اسے امیر المومنین کے پاس بھیجنا چاہتا ہوں، میں اسے تم دونوں کو بطور قرض دے رہا ہوں تم اس سے عراق سے کچھ سامان خرید لو اور اسے لے جا کر مدینہ میں فروخت کر دینا، پھر قرض کی اصل رقم امیر المومنین کو دے دینا اور نفع تمہارا ہو جائے گا۔ ان دونوں نے ایسا ہی کیا اور ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس خط لکھ دیا کہ ان دونوں سے مرسلہ رقم لے لیں۔ جب وہ دونوں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو آپ نے دریافت کیا کہ کیا جس طرح تم دونوں کو ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے قرض دیا ہے اسی طرح مجاہدین کے پورے لشکر کو دیا تھا؟ انہوں نے جواب دیا: نہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رقم اور

---

❶ مناقب عمر، ابن الجوزی: ۱۵۷، ۱۵۸

❷ تاریخ الإسلام، عهد الخلفاء الراشدین/ ذهبی، ص: ۲۷۰، ۲۷۱

اس کے ذریعہ سے حاصل کیا ہوا نفع دونوں واپس کرو۔ چنانچہ عبداللہ رضی اللہ عنہ خاموش رہے، لیکن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے امیر المومنین! آپ کا یہ عمل مناسب نہیں ہے، اگر رقم ضائع ہو جاتی، یا اس میں کچھ کمی ہو جاتی تو ہم ہی اس کے ضامن ہوتے۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم دونوں پوری رقم واپس کر دو اور اس مرتبہ بھی عبداللہ رضی اللہ عنہ خاموش رہے لیکن عبید اللہ رضی اللہ عنہ حجت کرتے رہے۔ عمر رضی اللہ عنہ کے ہم نشینوں میں سے ایک آدمی نے کہا: اے امیر المومنین! اگر آپ درپیش مسئلہ کو قراض یعنی شراکت کی تجارت قرار دیتے تو بہتر ہوتا۔ [1] چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ نے اصل رقم اور آدھا نفع لے لیا، اور آدھا نفع عبداللہ اور عبیداللہ رضی اللہ عنہما نے لیا۔ صحابہ کا بیان ہے کہ اسلام میں قراض کی یہ پہلی تجارت عمل میں آئی۔

۴: وظیفہ تقسیم کرنے میں اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما پر فضیلت دینا: ...... سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ وظائف تقسیم کرتے تھے اور حسب ونسب نیز سبقت الی الاسلام کو مدنظر رکھتے ہوئے بعض کو بعض پر فضیلت دیتے تھے۔ چنانچہ آپ نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کا وظیفہ چار ہزار مقرر کیا اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا تین ہزار۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: اے والد محترم! آپ نے اسامہ بن زید کو چار ہزار اور مجھے تین ہزار ہی کیوں دیا، اس کے باپ میں کون سی خوبی تھی جو آپ میں نہیں ہے؟ اور اسامہ میں کون سی اچھائی ہے جو مجھ میں نہ ہو؟ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ان کے والد تمہارے باپ کے مقابلہ میں اللہ کے رسول ﷺ کے زیادہ محبوب نظر تھے اور خود اسامہ اللہ کے رسول کو تم سے زیادہ محبوب تھے۔ [2]

۵: ایک مہینہ تک تم پر خرچ کیا ہے: ......عاصم بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے بلانے کے لیے اپنے غلام ''یرفا'' کو بھیجا، میں آپ کے پاس آیا، آپ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ آپ نے حمد وثنا کی اور کہا: اما بعد! بے شک میں اس مال (بیت المال) کا نگراں وذمہ دار ہونے سے پہلے صرف جائز طور پر اپنے لیے کچھ مال حلال سمجھتا تھا، لیکن جب میں اس کا نگران بنا دیا گیا تو میں اتنا اور وہ بھی اپنے لیے حرام سمجھتا ہوں، لہٰذا تم ماضی میں دی ہوئی میری امانت کو لوٹا دو، میں نے تم پر ایک مہینہ تک اللہ کا مال خرچ کیا ہے، اب اس سے زیادہ میں نہیں کر سکتا اور میں نے تمہارا پھل عالیہ میں بطور عطیہ دے دیا ہے، تم اس کی قیمت لے لو، اور اپنی قوم کے کسی تاجر کی مصاحبت اختیار کر لو، جب وہ کچھ خرید وفروخت کرے تو تم بھی اس میں شریک ہو جاؤ اور پھر آمدنی کو اپنے اور اپنے اہل وعیال پر خرچ کرو۔ عاصم کہتے ہیں: پھر میں چلا گیا اور اسی طرح کیا۔ [3]

٦: اے معیقیب اسے لے لو اور بیت المال میں رکھ دو: ...... معیقیب کا بیان ہے کہ دوپہر کے وقت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مجھے بلوایا۔ میں پہنچا تو دیکھا کہ آپ اپنے بیٹے عاصم کو آواز دے رہے تھے۔ پھر

---

[1] الخلفاء الراشدون، النجار، ص: ۲٤٤ [2] فرائد الکلام للخلفاء الکرام، ص: ۱۱۳

[3] الطبقات: ۳/ ۲۷۷۔ اس کی سند صحیح ہے۔ محض الصواب: ۲/ ٤۹۱

مجھ سے کہا: کیا تمہیں کو معلوم ہے اس نے کیا کیا ہے؟ یہ عراق گیا اور وہاں کے لوگوں کو اس بات کا حوالہ دیا کہ میں امیر المومنین کا بیٹا ہوں، ان لوگوں سے اس نے خرچ مانگا اور انہوں نے محض میری وجہ سے اسے برتن، چاندی، مختلف سامان، اور تلوار دی ہے۔ عاصم نے کہا: کیا میں نے ایسا نہیں کیا ہے؟ میں تو اپنے لوگوں کے پاس گیا تھا اور انہوں نے مجھے یہ سب کچھ بغیر کسی طلب کے دیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے معیقیب اسے لے لو اور مسلمانوں کے بیت المال میں جمع کروا دو۔ ❶

یہ ہے اس مال کی چھان پھٹک کی مثال جسے انسان اپنے مقام ومنصب کی وجہ سے حاصل کرتا ہے۔ آپ دیکھ سکتے ہیں کہ جب امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا کہ ان کے بیٹے عاصم نے اس مال کو محض امیر المومنین کا بیٹا ہونے کی وجہ سے پایا ہے تو آپ نے اس مال کو عاصم کے پاس چھوڑنا مناسب نہ سمجھا۔ اس لیے کہ انہوں نے یہ مال بلا کسی محنت کے حاصل کیا تھا جس کی وجہ سے یہ مال شکوک وشبہات کے دائرے میں داخل ہو گیا تھا۔ ❷

۷: سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بیوی عاتکہ اور کستوری : ...... سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بحرین سے کستوری اور عنبر آیا، عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم میری تمنا ہے کہ بہترین وزن کرنے والی کوئی عورت اگر مل جاتی تو اس خوشبو کو تول دیتی اور میں اسے مسلمانوں میں تقسیم کر دیتا۔ آپ کی بیوی عاتکہ بنت زید بن عمرو بن نفیل نے کہا: میں بہت اچھا وزن کر لیتی ہوں لاؤ میں وزن کر دیتی ہوں۔ آپ نے فرمایا: نہیں۔ انہوں نے کہا: کیوں؟ آپ نے فرمایا: مجھے ڈر ہے کہ کہیں تم ہاتھ میں لگی ہوئی خوشبو کو سر اور گردن پر نہ لگا لو اور میں اس طرح دیگر مسلمانوں سے زیادہ حصہ پا جاؤں۔ ❸

یہ ہے امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ورع وتقویٰ اور دینی امور میں سخت احتیاط کی روشن مثال کہ اپنی بیوی کو خوشبو تقسیم کرنے کی ذمہ داری محض اس لیے نہیں دی کہ کہیں ہاتھ میں لگی ہوئی خوشبو کو وہ گردن پر نہ پھیر لے اور مسلمانوں کا مال ناجائز طور سے اس کے تصرف میں آجائے۔ شبہ واحتمال کے باب میں ایسی غایت درجہ کی احتیاط اللہ کے ان نیکوکار بندوں ہی میں دیکھنے کو ملتی ہے جو بھلائیوں کی طرف سبقت کرنے والے اور حلال وحرام نیز حق وباطل کے درمیان فرق کرنے والے ہیں۔ جب کہ وہ لوگ جو اپنی ذات کی حفاظت سے غافل رہتے ہیں ان کے یہاں ان باتوں کی قطعاً پروا نہیں ہوتی۔ ❹

۸: بیوی کو عطا کیے گئے ہدیہ کی مخالفت: ...... ابن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ

❶ عصر الخلافۃ الراشدۃ، العمری، ص: ۲۳۶۔ یہ اثر حسن ہے۔
❷ التاریخ الاسلامی: ۱۹/ ۴۰
❸ الزھد، امام أحمد بن حنبل، ص: ۱۱۔ بحوالہ التاریخ الإسلامی: ۱۹/ ۳۰
❹ التاریخ الإسلامی: ۱۹/ ۳۰

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ کی بیوی عاتکہ بنت زید کو تقریباً ڈیڑھ گز کی چٹائی بطور ہدیہ بھیجی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے جب تحفہ ان کے پاس دیکھا تو پوچھا: یہ تم کو کہاں سے ملا ہے؟ انہوں نے کہا: ابوموسیٰ اشعری نے مجھے ہدیہ دیا ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے وہ چٹائی ہاتھ میں لی اور ان کے سر پر زور سے ماری، یہاں تک کہ ان کا سر چکرا گیا اور کہا: ابوموسیٰ کو میرے پاس لاؤ اور پیدل چلا کر لاؤ۔ چنانچہ وہ لائے گئے، وہ تھک چکے تھے اور کہہ رہے تھے: اے امیر المومنین! میرے بارے میں جلدی نہ کیجیے، عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہماری عورتوں کو تم نے ہدیہ کیوں دیا؟ پھر آپ نے چٹائی ان کے سر پر بھی زور سے دے ماری اور کہا: اسے لے جاؤ، ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔ [1]

عمر رضی اللہ عنہ ملکی معاملات میں عورتوں کو دخل اندازی سے سختی سے منع کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ اپنے ایک عامل کو معزول کرنے کا فرمان تحریر کر رہے تھے، دوران تحریر آپ کی بیوی نے دخل اندازی کرتے ہوئے کہا: اے امیر المومنین آپ اس عامل پر کیوں اتنا سخت ناراض ہیں؟ آپ نے فرمایا: اے اللہ کی دشمن، تجھے اس سے کیا مطلب؟ تم دل بہلانے کا ایک کھلونا ہو جسے کھیل کر پھر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اور ایک روایت میں ہے: اپنے تکلے پر چلی جاؤ اور جس چیز کا تم سے تعلق نہیں اس میں دخل اندازی مت کرو۔ [2]

۹: ملکہ روم کی طرف سے آپ کی بیوی امّ کلثوم کو ھدیہ: ...... استاد خضری نے اپنی تیار کردہ لکچر بک میں لکھا ہے کہ جب بادشاہ نے جنگ بندی کا اعلان کر دیا اور عمر رضی اللہ عنہ کے پاس خط لکھا اور آپ کی قربت چاہی تو عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے قاصدوں کو ڈاک دے کر بادشاہ روم کے پاس بھیجا، اس ڈاک کے ساتھ امّ کلثوم بنت علی بن ابی طالب نے ملکۂ روم کو خوشبو، پانی پینے کے برتن اور کچھ زیورات کا ہدیہ بھی دیا، چنانچہ بادشاہ روم نے وہ عطیات اپنی ملکہ کو دے دیے ملکہ روم یعنی قیصر کی بیوی نے اپنی ہم نشین عورتوں کو اکٹھا کیا اور ان سے یہ کہا کہ یہ حاکم عرب کی بیوی اور ان کے نبی کی نواسی کا ہدیہ ہے، انہیں ہدیہ دکھایا، پھر اس نے بھی امّ کلثوم کو ایک خط لکھا اور قیمتی ہار بطور ہدیہ بھیجا، جب وہ قاصد بادشاہ روم کی ڈاک لے کر عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو آپ نے ہدیہ روک لینے کا حکم دیا اور ”اَلصَّلَاۃُ جَامِعَۃٌ“ کی ندا لگوائی۔ چنانچہ لوگ اکٹھے ہوئے، آپ نے انہیں دو رکعت نماز پڑھائی اور کہا: جو کام بغیر مشورہ کے کیا جائے اس میں بھلائی نہیں ہے۔ آپ لوگ بتائیں کہ امّ کلثوم نے ملکہ روم کو جو ہدیہ دیا تھا (اس کے بدلے اسے ہدیہ آیا ہے) اس سلسلہ میں میں کیا کروں؟ کچھ لوگوں نے کہا: یہ امّ کلثوم کا حق ہے، کیونکہ ان کے ہدیہ کے بدلے ملکہ کی طرف سے ہدیہ آیا ہے، اس کے لیے جائز تھا، ملکہ روم کوئی ذمی عورت نہیں ہے کہ (ہدیہ بھیج کر) آپ سے کچھ کرانا چاہتی ہو اور نہ آپ کی مملوکہ ہے کہ وہ آپ کو خوش رکھنا چاہتی ہو، (لہٰذا اسے لینے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔) اور کچھ لوگوں نے کہا: ہم بھی کپڑے ہدیہ میں دیتے تھے تاکہ بدلہ

---

[1] الشیخان أبوبکر وعمر بروایة البلاذری، ص: ٢٦٠

[2] اخبار عمر، ص: ٢٩٣۔ الشیخان بروایة البلاذری، ص: ١٨٨

میں ہمیں کچھ کپڑا مل جائے، پھر اسے ہم بازار میں فروخت کریں اور کچھ کما لیں۔ آپ نے فرمایا: (ٹھیک ہے، لیکن یہاں) قاصد تو تمام مسلمانوں کا تھا اور خاص انہی کی ڈاک لے کر گیا تھا، لہٰذا وہ اسے ناپسند کریں گے۔ چنانچہ آپ نے وہ ہدیہ بیت المال میں جمع کرنے کا حکم دیا اور امّ کلثوم کو ان کی خرچ کی ہوئی رقم کا عوض دے دیا۔ ❶

۱۰: امّ سلیط زیادہ حق دار ھیں: ...... ثعلبہ بن ابی مالک سے روایت ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مدینہ کی خواتین میں چادریں تقسیم کیں، ایک بہت اچھی چادر بچ گئی، آپ کے پاس جو لوگ بیٹھے ہوئے تھے ان میں سے کسی نے کہا: اے امیر المومنین! بہتر ہے کہ آپ اسے نواسیٔ رسول یعنی اپنی بیوی امّ کلثوم بنت علی کو دے دیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ام سلیط اس کی زیادہ حق دار ہیں، وہ ان انصاری خواتین میں سے ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی اور ان کو یہ مرتبہ حاصل ہے کہ وہ غزوۂ احد کے موقع پر ہمارے لیے پانی کے مشکیزے پیش کرتی تھیں۔ ❷

۱۱: تم اپنے باپ کو دھوکا دیتی ھو اور قرابت داروں کی خیر خواہ بنتی ھو: ...... سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس کہیں سے زیادہ مال آیا، ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا کو اس کی خبر ملی تو کہا: اے امیر المومنین! اس مال میں آپ کے رشتہ داروں کا بھی حق ہے، اللہ تعالیٰ نے اس مال سے رشتہ داروں کو بھی دینے کا حکم دیا ہے۔ آپ نے فرمایا: اے میری بیٹی، میرے رشتہ داروں کا حق میرے مال میں ہے، اور یہ مال مسلمانوں کا ہے، تم اپنے باپ کو دھوکا دیتی ہو اور رشتہ داروں کی خیر خواہ بنتی ہو، جاؤ چلی جاؤ۔ ❸

۱۲: تم چاھتے ھو کہ ایک خائن حاکم کی شکل میں اللہ سے ملوں: ...... سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ان کے داماد آئے، اور آپ سے بیت المال سے کچھ مال کا مطالبہ کیا، عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو ڈانٹا اور کہا: کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ سے ملوں تو ایک خائن حاکم بن کر ملوں اور اس کے بعد آپ نے اپنی مخصوص رقم سے دس ہزار درہم ان کو دیے۔ ❹

یہ ہیں فاروقی زندگی کے اعلیٰ کردار کی چند مثالیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ عوام و رعایا کے مال سے کس قدر بے نیاز تھے اور اپنے رشتہ داروں نیز گھر والوں کو اپنی حکومت و منصب کے حوالے سے کسی قسم کا فائدہ اٹھانے سے کس قدر سختی سے منع کرتے تھے۔ اللہ کا مال حکام و امراء ہی کی صوابدید پر قائم رہتا ہے۔ اور ایک بات فطری اصولوں میں سے ہے نیز مشاہدات و واقعات بھی اس کی تصدیق کرتے ہیں، وہ یہ کہ جب حاکم وقت

---

❶ الخلفاء الراشدون، د/ عبدالوھاب نجار، ص: ۲۴۵
❷ البخاری: ۴۰۷۱۔ فتح الباری: ۷/ ۴۲۴، ۶/ ۹۳۔ الخلافۃ الراشدۃ، ص: ۲۷۳
❸ الزھد، إمام أحمد بن حنبل، ص: ۱۷۔ فرائد الکلام، ص: ۱۳۹
❹ تاریخ الإسلام، ذھبی، ص: ۲۷۱

ملکی خزانے میں دست درازی کرنے لگتا ہے تو عوام میں خیانت اور چوری عام ہونے لگتی ہے، بیت المال یا ملکی خزانے یہاں تک کہ دیگر ترقیاتی اداروں میں بدنظمی پیدا ہو جاتیہے۔ چھپ چھپ کر خیانت کرنے والا کھلے عام خیانت کرنے لگتا ہے، گویا سارا انظام درہم برہم ہو جاتا ہے، جب کہ فطری عدل وانصاف کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اگر انسان قناعت شعار ہو، دوسروں کے مال پر للچائی نگاہ نہ رکھتا ہو، عوام کے حقوق کی پوری رعایت کرتا ہو، تو لوگ اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، اس کے ساتھ رہنے کی خواہش کرتے ہیں، خاص طور سے اگر مذکورہ اوصاف کسی حاکم میں ہوں تو عوام اس کے حق میں مہربان اور اطاعت گزار ہوتی ہے، اور اس کی نگاہوں میں اپنے سے زیادہ حاکم وقت معزز ہوتا ہے۔ ❶

آپ کی عائلی ومعاشرتی زندگی کا مطالعہ کرنے کے بعد منصب خلافت کے باب میں نقوش فاروقی میں جو چیز سب سے اہم شکل میں ہمارے سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ اپنی ذاتی اور عوامی زندگی میں خیر وبھلائی کا کامل نمونہ تھے، یہاں تک کہ آپ کی زندگی سے متاثر ہو کر علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کہا: ''تو پاک دامن رہا اس لیے تیری رعایا بھی پاک دامن رہی، اگر تو حکومت کا مال کھاتا تو رعایا بھی کھاتی۔'' آپ جس بات کا دوسروں کو حکم دیتے تھے اس سلسلہ میں اپنے حکام وعمال کی نگرانی سے کہیں زیادہ نگرانی اپنی اور اپنے گھر والوں کی کرتے تھے، اور سب سے پہلے اسے اپنے اوپر نافذ کرتے تھے۔ چنانچہ لوگوں کے دلوں میں آپ کا رعب پیدا کرنے اور ہر خاص وعام کی طرف سے آپ کی تصدیق کرنے میں مذکورہ کردار کا زبردست اثر تھا۔ ❷

یہ ہیں خلیفہ راشد عمر بن خطاب، جو دین اسلام کی اعلیٰ ترین چوٹی پر فائز تھے۔ اسلام نے آپ کی تربیت کی تھی، ایمان باللہ نے آپ کے دل کو محبت الٰہی سے بھر دیا تھا وہ بڑا گہرا ایمان تھا، اس سے آئندہ نسلوں کے لیے ایمانی نمونہ تیار ہوا اور آج بھی اللہ پر کامل ایمان اور اسلامی اصولوں پر زندگی کی تربیت حاکم وقت کو تعجب خیز نمونہ عمل کے مقام پر فائز کرنے کا سبب بن سکتی ہے، ایسا حیران کن نمونہ جو آج سے قیامت تک کے لیے بطور یادگار باقی رہے گا۔ ❸

اہل بیت کا احترام ومحبت

بلاشبہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک خاندان نبوی ﷺ کا بہت اونچا مقام ہے اور وہ بے حد عزت واحترام کے مستحق ہیں، اہل سنت والجماعت خاندان نبوت کے شرعی حقوق کا پورا لحاظ رکھتے ہیں، ان سے محبت کرتے ہیں اور ان کی طرف سے دفاع کرتے ہیں اور ان کے بارے میں ''غدیر خم'' کے موقع پر زبان نبوی سے نکلی ہوئی اس وصیت پر مکمل عمل کرتے ہیں:

---

❶ الخلفاء الرشدون، ذهبى، ص: ۲۷۱
❷ القيادة والتغيير، ص: ۱۸۲
❸ فن الحكم، ص: ۷٤

((أُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِيْ أَهْلِ بَيْتِيْ .)) ❶

''میں اپنے اہل بیت کے بارے میں تم کو اللہ کا واسطہ یاد دلاتا ہوں۔''

عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے کردار و عمل کی روشنی میں اہل بیت سے متعلق اپنی عقیدت و محبت کا اظہار ہمارے سامنے کچھ اس طرح پیش کرتے ہیں:

۱۔ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی خبر گیری:

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ ازواجِ مطہرات کے حالات معلوم کیا کرتے تھے اور انہیں عطیات سے نوازتے رہتے تھے، کوئی پھل یا میوہ کھاتے تو اس میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا حصہ ضرور نکالتے اور سب سے آخر میں حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجتے تاکہ اگر کمی ہو تو انہی کے حق میں ہو۔ ❷

ازواجِ مطہرات کی شان میں فاروقی اکرام و اعزاز کی بابت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہمارے پاس ذبیحہ میں سے ہمارا حصہ بھیجتے تھے، حتیٰ کہ سر اور پائے میں سے بھی۔ ❸

۲۔ سیّدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد:

جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے کہ جناب عمر رضی اللہ عنہ خاندان نبوی کے افراد کو بہت عزت دیتے تھے اور انہیں اپنی اولاد حتیٰ کہ خاندان والوں پر ترجیح دیتے تھے، چنانچہ اس موضوع سے متعلق آپ کے چند واقعات یہاں مذکور ہیں:

سیّدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ مجھ سے ایک روز عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: بیٹے! کاش تم ہمارے پاس آیا کرتے اور مل لیا کرتے، ان کے کہنے کی بنا پر میں ایک روز وہاں گیا، اس وقت آپ معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تنہائی میں ان سے باتیں کر رہے تھے اور ابن عمر رضی اللہ عنہما دروازے پر تھے، ان کو اندر آنے کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔ یہ دیکھ کر میں واپس آ گیا۔ پھر ایک دن عمر رضی اللہ عنہ کا سامنا ہوا تو انہوں نے فرمایا: بیٹے تم میرے پاس نہیں آئے؟ میں نے کہا: میں آیا تھا مگر آپ معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تخلیہ میں تھے، میں نے دیکھا کہ ابن عمر واپس لوٹ گئے تو میں بھی لوٹ آیا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: تم عبداللہ بن عمر سے زیادہ اجازت پانے کے مستحق ہو، ہمارے دل و دماغ میں ایمان کی جو تخم ریزی ہوئی ہے وہ اللہ کا احسان ہے، پھر تمہارے گھرانے کا فیض ہے، یہ کہہ کر میرے سر پر اپنا ہاتھ رکھا۔ ❹

علامہ شبلی نعمانی اپنی کتاب ''الفاروق'' میں متعلقین جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ولحاظ کے سلسلہ میں

---

❶ صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، حديث نمبر: ٢٤٠٨

❷ الزهد، إمام أحمد بن حنبل، ص: ١٦٦۔ بروایت مالک، اس کی سند صحیح ہے۔

❸ الطبقات، ابن سعد: ٣/ ٣٠٣ یہ خبر سنداً صحیح ہے۔

❹ المرتضٰی، ابوالحسن علی حسنی ندوی، ص: ١١٨ بحواله الاصابة: ١/ ١٣٣

لکھتے ہیں: ''عمر رضی اللہ عنہ بڑی بڑی مہمات میں علی رضی اللہ عنہ کے مشورہ کے بغیر کام نہیں کرتے تھے اور علی رضی اللہ عنہ بھی نہایت دوستانہ اور مخلصانہ مشورہ دیتے تھے اور جب بیت المقدس گئے تو کاروبار خلافت ان ہی کے ہاتھ دے کر گئے، اتحاد و یگانگت کا مرتبہ یہ تھا کہ علی رضی اللہ عنہ نے امّ کلثوم رضی اللہ عنہا کو جو فاطمہ زہراء کے بطن سے تھیں عمر رضی اللہ عنہ کے عقد میں دے دیا۔'' [1]

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک فرزند کا نام عمر رکھا اور دوسرے کا نام ابوبکر اور تیسرے کا نام عثمان رکھا۔ [2] عام طور پر لوگ اپنے فرزندوں کے نام انہی لوگوں کے نام پر رکھتے ہیں جن سے دلی تعلق ہوتا ہے اور جن کو مثالی انسان سمجھتے ہیں۔ [3]

۳۔ سیّدنا عباس رضی اللہ عنہ اور ان کے فرزند عبداللہ رضی اللہ عنہ کا احترام:

''عام الرمادۃ'' کے موقع پر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے محترم چچا یعنی عباس بن عبدالمطلب کو استسقاء کی نماز پڑھانے کا حکم دے کر پوری امت کے سامنے آپ کی فضیلت، احترام اور قدر و منزلت کو ظاہر کر دیا۔ پچھلے مباحث میں یہ بات گزر چکی ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے عباس رضی اللہ عنہ کے لیے قسم کھائی تھی کہ ''ان کا اسلام لانا مجھے میرے باپ کے اسلام لانے سے ...... اگر وہ اسلام لاتے ...... زیادہ محبوب ہے۔ اس لیے کہ عباس کا مسلمان ہونا رسول اللہ ﷺ کو زیادہ محبوب تھا۔'' [4]

اور رسول اللہ ﷺ کے چچا عباس کے بیٹے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک اتنے محبوب اور محترم تھے کہ انہیں بزرگ ترین بدری صحابہ رضی اللہ عنہم کی مجلس میں شرکت کا موقع دیتے تھے، جب کہ عمر رضی اللہ عنہ کے دوسرے کئی بیٹے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے ہم عمر تھے۔ لیکن وہ اس اعزاز سے نہیں نوازے گئے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی نگاہ میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بڑا بلند مقام تھا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام بغوی [5] نے معجم الصحابہ میں زید بن اسلم کی سند سے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو اپنے پاس بلاتے اور اپنے پہلو میں بٹھاتے اور کہتے: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے ایک دن تمہیں بلایا، تمہارے سر پر ہاتھ پھیرا اور یہ دعا دی:

((اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَعَلِّمْهُ التَّأْوِيْلَ .)) [6]

''اے اللہ! اسے دین کی سمجھ عطا فرما، اور تاویل و تفسیر سکھا دے۔''

---

[1] المرتضٰی، ابوالحسن علی حسنی ندوی، ص: ۱۱۹

[2] البدایۃ والنہایۃ، ابن کثیر: ۷/ ۳۳۱، ۳۳۲

[3] المرتضٰی، علی حسنی ندوی، ص: ۱۱۹

[4] العقیدۃ فی أھل البیت بین الإفراط والتفریط، ص: ۲۱۵ .

[5] العقیدۃ فی اھل البیت بین الإفراط والتفریط، ص: ۲۱۰

[6] فتح الباری: ۱/ ۱۷۰

خلاصہ یہ کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جناب عبداللہ بن عباس کی فضیلت ومرتبت کا اعتراف اور علم وفہم میں آپ کے بلند مقام کو ظاہر کرتے ہوئے ان کو کبار صحابہ کی مجلس میں شریک کیا۔

حافظ ابن کثیر نے نقل کیا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ عبداللہ بن عباس قرآن کے کتنے بہترین ترجمان ہیں! اور جب وہ کہیں سے آتے دکھائی دیتے تو کہتے: وہ دیکھو بزرگوں کا جوان، استفسار کا عادی، اور سمجھ دار دل کا مالک آ گیا۔ [1]

سچ ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ اور رسول اکرم ﷺ کے خاندان والوں کے درمیان تعلق باہمی محبت پر قائم تھا۔

(۳)

عمر رضی اللہ عنہ کی معاشرتی زندگی اور نظامِ احتساب کا اہتمام

معاشرتی زندگی

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی معاشرتی زندگی کتاب الٰہی اور سنت نبوی کی زندہ تصویر تھی، معاشرتی زندگی میں آپ کے افکار وکردار سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ آپ کی سیرت اسلامی زندگی کا مجسم نمونہ تھی۔ ذیل میں آپ کے چند افکار وکردار کا ذکر کیا جاتا ہے:

ا: سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ اور خواتین کی خبر گیری:

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ مسلمان عورتوں، لڑکیوں اور ضعیف خواتین کی خصوصی دیکھ بھال کرتے تھے، انہیں ان کا حق دیتے اور ان پر کسی طرح کا ظلم نہیں ہونے دیتے تھے۔ جن خاندانوں کے مرد حضرات جہاد پر ہوتے ان کی تمام ضروریات پر نگاہ رکھتے، بیواؤں کے حقوق ان تک پہنچانے کے اس قدر حریص تھے کہ آپ نے یہاں تک کہہ دیا:
''اگر اللہ نے مجھے صحیح سالم رکھا تو عراق کی کسی بیوہ کو محتاج نہ چھوڑوں گا جو میرے بعد کسی سے اپنی ضرورت مانگے۔'' [2]

یہاں بعض ایسے واقعات نقل کیے جا رہے ہیں جو زمانے کی پیشانی پر نورانی حروف سے کندہ کیے ہوئے ہیں:

۲: ایک آدمی عام شاہراہ پر عورت سے بات کرتا ہے:

ایک مرتبہ عمر رضی اللہ عنہ راستے سے گزر رہے تھے، آپ نے ایک آدمی کو عورت سے بات کرتے ہوئے دیکھا تو اسے ایک درّہ لگایا۔ اس آدمی نے کہا: اے امیر المومنین یہ میری بیوی ہے۔ آپ نے اس سے کہا: تم اپنی بیوی

---

[1] البدایة والنهایة (۸/ ۳۰۳).　[2] صحیح التوثیق فی سیرة وحیاة الفاروق عمر بن الخطاب، ص: ۳۷۳

کے ساتھ راستے میں کیوں کھڑے ہو، کیا مسلمانوں کو اپنی عدم موجودگی کی خبر دیتے ہو؟ اس آدمی نے کہا: اے امیر المومنین! ہم ابھی مدینہ پہنچے ہیں، اور مشورہ کر رہے ہیں کہ کہاں قیام کیا جائے۔ آپ نے اس کے ہاتھ میں درّہ تھما دیا اور کہا: اے اللہ کے بندے مجھ سے بدلہ لے لو۔ اس نے کہا: نہیں اے امیر المومنین، آپ اسے (درّہ کو) پکڑیئے۔ آپ نے فرمایا: اس کو تم پکڑو، اور بدلہ لے لو، تیسری مرتبہ اس آدمی نے کہا: میں اللہ کے لیے آپ کو معاف کر دیتا ہوں۔ آپ نے کہا: اللہ کے پاس تمہارا اس میں حق ہے۔ [1]

ایک عورت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس اپنے شوہر کی شکایت لے کر آتی ہے: ...... سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس ایک عورت آئی اور کہا: اے امیر المومنین! میرے شوہر میں برائیاں زیادہ اور اچھائیاں کم ہوگئی ہیں۔ آپ نے پوچھا: تمہارا شوہر کون ہے؟ اس نے بتایا: ابوسلمہ، نام سنتے ہی عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں پہچان لیا، وہ صحابی رسول تھے۔ بہرحال آپ نے عورت سے کہا: ہم تمہارے شوہر کے بارے میں یہی جانتے ہیں کہ وہ اچھے آدمی ہیں، اور پھر اپنے پاس بیٹھے ہوئے ایک آدمی سے آپ نے کہا: تم کیا کہتے ہو؟ اس نے کہا: ہم بھی ان کے بارے میں یہی جانتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے اس کے شوہر کو بلا بھیجا اور عورت کو حکم دیا کہ میرے پیچھے بیٹھ جاؤ۔ اتنے میں بلانے والا اس کے شوہر کو لے کر حاضر ہوا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا: کیا تم اس عورت کو پہچانتے ہو۔ انہوں نے کہا: اے امیر المومنین! یہ کون عورت ہے؟ آپ نے بتایا کہ یہ تمہاری بیوی ہے۔ ابوسلمہ نے پوچھا کہ یہ کیا کہتی ہے؟ آپ نے بتایا کہ یہ کہہ رہی ہے: ''تمہاری برائیاں زیادہ اور اچھائیاں کم ہوگئی ہیں۔'' انہوں نے کہا: اے امیر المومنین یہ غلط کہہ رہی ہے، اللہ کی قسم! اس کے پاس بہت زیادہ کپڑے اور بہت زیادہ گھریلو سامان ہے، البتہ مجھ میں قوت جماع کم ہوگئی ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے عورت سے پوچھا: تم کیا کہتی ہو؟ اس نے کہا: یہ سچ کہہ رہے ہیں۔ آپ نے دُرّہ اٹھایا اور عورت کی طرف یہ کہتے ہوئے بڑھے: ''اے اپنے نفس کی دشمن! تو نے اس کی جوانی کو قتل کر دیا، اس کا مال کھا لیا، پھر اس پر ایسی تہمت لگاتی ہے جو اس میں نہیں ہے۔'' اس نے کہا: اے امیر المومنین، اس بار مجھے چھوڑ دیجیے، اللہ کی قسم! آپ دوبارہ کبھی مجھے اس جگہ پر نہیں پائیں گے۔ آپ نے اسے تین کپڑے منگوا کر دیئے اور کہا: اللہ سے خوف کھاؤ اور ان بزرگ کے ساتھ اچھی طرح رہو، پھر ابوسلمہ کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے کہا: آپ نے مجھے جو کچھ کرتے ہوئے ابھی دیکھا ہے اس کی وجہ سے آپ اس پر ناراض نہ ہونا بلکہ اس کے ساتھ حسن صحبت کا معاملہ کرنا۔ انہوں نے کہا: ٹھیک ہے اے امیر المومنین، میں ایسا ہی کروں گا۔

راوی کا بیان ہے گویا کہ میں اس عورت کو کپڑے لے کر جاتے ہوئے دیکھ رہا ہوں، پھر میں نے عمر رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

---

[1] اخبار عمر، ص: ۱۹۰۔ بحوالۂ الریاض النضرۃ

((خَيْرُ أُمَّتِي الْقَرْنُ الَّذِي أَنَا فِيهِ ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُ ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُ ، ثُمَّ يَجِيْءُ قَوْمٌ تَسْبِقُ شَهَادَتُهُمْ اَيْمَانُهُمْ ، يَشْهَدُوْنَ قَبْلَ اَنْ يُّسْتَشْهَدُوْا لَهُمْ فِي اَسْوَاقِهِمْ لَغَطٌ .)) ❶

''میری امت کی بہترین صدی وہ ہے جس میں میں ہوں، پھر اس کے بعد والی صدی، اور پھر جو اس کے بعد ہے۔ پھر ایسے لوگ آئیں گے کہ ان کی گواہیاں ان کی قسموں پر مقدم ہوں گی، گواہی مانگنے سے پہلے وہ گواہی دیں گے، اور ان کے بازاروں میں ہنگامہ ہوگا۔''

تم اسے کیوں طلاق دے رہے ہو؟ ...... ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کا ارادہ کیا تو عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: تم اسے کیوں طلاق دے رہے ہو؟ اس نے کہا: وہ مجھے محبوب نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا: کیا سارے گھر محبت ہی کی وجہ سے بنائے جاتے ہیں؟ کہاں ہے نگرانی اور کہاں ہے حفاظت؟ ❷

خنساء رضی اللہ عنہا کی اولاد کا وظیفہ: ...... جنگ قادسیہ کے موقع پر جب سیّدہ خنساء رضی اللہ عنہا کے چاروں بیٹے شہید ہوگئے اور عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر ملی تو آپ نے فرمایا: خنساء کو ان کے چاروں بیٹوں کا وظیفہ (پنشن) تاحیات دیتے رہو، پھر خنساء اپنی پوری زندگی اپنی اولاد میں سے ہر ایک کی طرف سے ہر مہینہ دو سو درہم لیتی رہیں۔ ❸

۳: رعایا کے بہترین کارناموں کا لحاظ:

سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے بہترین کارناموں کا لحاظ رکھتے تھے۔ آپ کے پاس مردم شناسی کا نہایت دقیق پیمانہ تھا، چنانچہ آپ نے فرمایا: ''تم کو کسی آدمی کی شہرت دھوکے میں نہ ڈال دے، اچھا اور کامل آدمی وہ ہے جو امانت دار ہو اور لوگوں کی غیبت کرنے سے دُور رہے۔'' ❹

آپ یہ بھی کہتے تھے: ''کسی شخص کی نماز اور اس کے روزے سے دھوکہ نہ کھاؤ، بلکہ اس کی دانائی اور سچائی کو دیکھو۔'' اور ایک مرتبہ فرمایا: ''مجھے تمہارے بارے میں دو قسم کے لوگوں سے کوئی خوف نہیں ہے: پکا سچا مومن کہ جس پر ایمانی علامات ظاہر ہوں اور کافر جس کا کفر واضح ہو۔ البتہ میں تمہارے بارے میں اس منافق سے ڈرتا ہوں جو ایمان کے پس پردہ غیر ایمانی عمل کرتا ہے۔''

واقعات وشواہد بتاتے ہیں کہ خدمت اسلام کے لیے عظیم کارناموں کے بدلے مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت اللہ کے فضل واحسان سے اور اعزاز واحترام فاروقی سے نوازی گئی، اسی سلسلہ کے چند واقعات کو یہاں

❶ مجمع الزوائد: ۱۰/ ۹۱۔ اس کے رجال ثقہ ہیں۔ ❷ البیان والتبیین: ۲/ ۱۰۱۔ فرائد الکلام، ص: ۱۱۳

❸ الإدارة العسكرية فى الدولة الإسلامية، د/ سليمان آل كمال: ۲/ ۷٦٤

❹ فقه الائتلاف/ محمود محمد الخزندار، ص: ١٦٤

ذکر کیا جاتا ہے:

جب لوگوں نے کفر کیا تو تم ایمان لائے ، جب انھوں نے پیٹھ پھیری تو تم آگے آئے ، جب انھوں نے بے وفائی کی تو تم نے وفاداری کا ثبوت دیا: ...... عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں اپنی قوم کے کچھ لوگوں کو لے کر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، آپ قبیلہ ''طی'' کے ہر فرد کے لیے دو ہزار درہم مقرر کرنے لگے، اور مجھے نظر انداز کر دیا، میں آپ کے سامنے آ کھڑا ہوا، لیکن آپ نے پھر نظر انداز کر دیا، پھر میں بالکل آپ کی نگاہوں کے سامنے آ کھڑا ہوا، لیکن آپ نے مجھ پر توجہ نہ دی۔ میں نے کہا: اے امیر المومنین! آپ مجھے پہچانتے ہیں؟ آپ ہنسنے لگے، یہاں تک کہ لوٹ پوٹ گئے، پھر کہا: ہاں، اللہ کی قسم! تمہیں یقیناً پہچانتا ہوں، جب انہوں نے کفر کیا تب تم ایمان لائے، جب انہوں نے پیٹھ پھیری تب تم آگے آئے، جب انہوں نے بے وفائی کی تب تم نے وفاداری کا ثبوت دیا اور سب سے پہلی زکوٰۃ جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے چہروں کو روشن کیا وہ قبیلہ طی کی زکوٰۃ تھی، تم اسے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تھے۔ پھر آپ نے عدی سے معذرت کی اور کہا: میں نے ان لوگوں کے لیے وظیفہ مقرر کیا ہے جن کو فاقہ نے گھیر لیا ہے، حالانکہ وہ اپنی قوم کے سردار رہے ہیں اور یہ ان کا حق بنتا ہے۔ [1]

اور ایک روایت میں ہے کہ عدی رضی اللہ عنہ نے کہا: تب مجھے کوئی پروا نہیں۔ [2]

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ ، سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی پیشانی چومتے ہیں: ...... ایک آدمی عمر رضی اللہ عنہ کے پاس علی رضی اللہ عنہ کی شکایت لے کر آیا، عمر رضی اللہ عنہ جب معاملہ کے تصفیہ کے لیے بیٹھے تو علی رضی اللہ عنہ سے کہا: اے ابوالحسن! اپنے حریف کے سامنے آؤ، علی رضی اللہ عنہ کا چہرہ غصہ سے بھر گیا، عمر رضی اللہ عنہ نے معاملے کا تصفیہ کیا، اور پھر علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے ابوالحسن کیا آپ اس وجہ سے غصہ ہو گئے کہ میں نے آپ کو آپ کے حریف کے برابر کھڑا کیا؟ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں، بلکہ اس لیے غصہ ہوں کہ آپ نے میرے اور میرے حریف کے درمیان انصاف نہیں کیا، آپ نے مجھ کو عزت دی اور مجھے میری کنیت سے یعنی ابوالحسن کہہ کر پکارا، جب کہ میرے حریف کو اس کی کنیت سے نہیں پکارا۔ (یعنی اس کا نام لیا) عمر رضی اللہ عنہ نے بڑھ کر علی رضی اللہ عنہ کی پیشانی چوم لی، اور کہا: اللہ مجھے اس زمین پر باقی نہ رکھے جس پر ابوالحسن نہ ہوں۔ [3]

جریر بجلي رضی اللہ عنہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو نصیحت کرتے ہیں: ...... عاصم بن بہدلہ عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں سے ایک آدمی سے روایت کرتے ہیں۔ اس نے کہا کہ ہم عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس تھے،

---

[1] صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۵۲۳۔ مسند أحمد، حدیث نمبر: ۳۱۶

[2] فتح الباري: ۷/ ۷۰۶۔ الخلافة الراشدة، د/ یحییٰ الیحییٰ، ص: ۲۹۷

[3] عمر بن الخطاب، صالح عبدالرحمن، ص: ۷۹

مجلس میں ایک آدمی کی ہوا خارج ہوئی اور ادھر نماز کا وقت ہوگیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں زور دے کر کہتا ہوں کہ جس کی ہوا خارج ہوئی ہے وہ اٹھے اور جا کر وضو کر لے تو جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ نے کہا: اے امیر المومنین ہم سب کو حکم دیجیے کہ اٹھیں اور جا کر وضو کریں۔ اس میں زیادہ عیب پوشی ہے۔ چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا۔ [1]

ایک غلام قریش کے گھرانے میں شادی کا پیغام دیتا ہے: ...... عمر رضی اللہ عنہ نے مختلف قبائل کو ایک دوسرے سے رشتہ نکاح قائم کرنے کی ہمت افزائی کی، تاکہ تمام قبائل میں باہمی محبت پیدا ہوجائے۔ یہاں تک کہ ایک غلام نے قریش کے ایک آدمی کو اس کی بہن سے نکاح کا پیغام دیا، لیکن قریشی نے انکار کردیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے دونوں کے درمیان دخل اندازی کی اور کہا: کیا وجہ ہے کہ تم اس سے نکاح کرنے سے انکار کرتے ہو؟ وہ با صلاحیت آدمی ہے، اس کے پاس دنیا کی بھلائی یعنی مال، اور آخرت کی بھلائی یعنی تقویٰ بھی ہے۔ اگر تمہاری بہن راضی ہو تو اس آدمی سے نکاح کردو۔ چنانچہ قریشی نے اپنی بہن کا نکاح اس غلام سے کردیا۔ [2]

۴: معاشرہ میں آپ کا رعب ودبدبہ اور لوگوں کی ضروریات کی تکمیل کے لیے آپ کی تڑپ:

لوگوں کے دلوں میں عمر رضی اللہ عنہ کا احترام بھی تھا اور رعب بھی، ایسا رعب جو ایک آہنی عزم کے انسان ہی کا ہوسکتا ہے۔ اور اس کی روشن مثال یہ ہے کہ انہوں نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی معزولی کا پروانہ اس وقت جاری کیا جب ان کی شہرت بام عروج پر تھی۔ جنگ میں ان کی قیادت بلکہ محض موجودگی بھی کامیابی اور فتح مندی کی ضمانت سمجھی جاتی تھی، ہر طرف سے ان کو مدح وتحسین کا خراج پیش کیا جا رہا تھا۔ ان کا قائدانہ وفاتحانہ اقبال اپنے نقطۂ عروج پر تھا، ایسے عالم میں اور ایسے وقت میں جب کہ مسلمانوں کو ان کی قیادت کی سخت ضرورت تھی، اور وہ ہر دل عزیز تھے، عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو معزول کرنے کا فیصلہ نافذ کردیا، اور یہ حکم اس وقت پہنچا جب مسلمان رومیوں کے مقابلہ میں جنگ یرموک کے میدان میں صف آرا تھے اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو قیادت کی ذمہ داری سونپی گئی، یہ ایسا نازک وقت تھا کہ اچھے اچھوں کے قدم ڈگمگا سکتے تھے اور نفس امّارہ بلکہ فطری خودداری بھی اپنا رنگ دکھا سکتی تھی، لیکن عمر رضی اللہ عنہ کا رعب وجلال اور خالد رضی اللہ عنہ کی قوت ایمانی تھی کہ حکم پاتے ہی ان کی زبان سے نکلا: "سمعا وطاعة لأمير المومنين" "امیر المومنین کا حکم سر آنکھوں پر" اور جب ان سے کہا گیا کہ ایسے نازک موقع پر یہ عظیم تبدیلی لشکر اسلام اور مسلمانوں میں انتشار کی موجب ہوسکتی ہے تو انہوں نے فرمایا کہ "جب تک عمر موجود ہیں کسی فتنہ کی گنجائش نہیں ہے۔" [3]

---

[1] الشیخان بروایت بلاذری، ص: ۲۱۹

[2] المرتضٰی للندوی، ص: ۱۰۶۔ نوٹ: یہ حوالہ غلط ہے، میں نے اصل کتاب کا مراجعہ کیا لیکن اس میں یہ واقعہ کہیں نہ ملا۔ (مترجم)

[3] المرتضٰی، ابوالحسن علی الحسنی الندوی، ص: ۱۰۷۔ اردو طبع، ص: ۱۶۶ واقعہ کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: کتاب الخراج، ابویوسف، ص: ۸۷ ......مترجم

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا امیر المومنین کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کرنا جب کہ وہ ایک مقبول عام، صاحب اقبال فاتح وسپہ سالار تھے اور ان کا اس طرح عاجزی کے ساتھ سپہ سالاری کے عہدہ سے اتر کر معمولی سپاہی بن جانا ایک ایسا واقعہ ہے جس کی دنیا کی جنگی اور فوج کی سپہ سالاری کی تاریخ میں مثال ملنا مشکل ہے۔ اس کے ساتھ وہ عمر رضی اللہ عنہ کے دبدبہ کی بھی دلیل ہے اور یہ کہ ان کو کس درجہ تمام امور سلطنت اور فوج پر قابو تھا۔ [1]

عمرو بن مرة [2] سے روایت ہے، فرمایا: قریش کا ایک آدمی سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ملا اور کہا: ہمارے لیے نرم ہوجائیے، ہمارے دل آپ کے رعب سے بھر گئے ہیں۔ آپ نے پوچھا: کیا اس میں ظلم ہے؟ اس نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ میرا رعب تمہارے دلوں میں اور بڑھ جائے۔ [3]

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں عمر رضی اللہ عنہ سے ایک آیت کی تفسیر پوچھنے کے لیے پورے ایک سال تک سوچتا رہا لیکن آپ کے رعب کی وجہ سے اسے نہ پوچھ سکا۔ [4]

ابن عباس رضی اللہ عنہما کے غلام عکرمہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ایک حجام آپ کے بال تراش رہا تھا۔ آپ کافی بارعب تھے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے گلا صاف کرنے کے لیے کھنکھارا تو خوف کی وجہ سے حجام کی ہوا خارج ہوگئی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اسے چالیس درہم دینے کا حکم دیا۔ [5]

جب عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کے دلوں میں اپنا رعب ودبدبہ دیکھتے تو کہتے: اے اللہ تو جانتا ہے کہ لوگ جتنا مجھ سے ڈرتے ہیں میں اس سے کہیں زیادہ تجھ سے خوف کھاتا ہوں۔ [6]

آخر الذکر واقعہ میں ہم دیکھ رہے ہیں کہ ایک غلام اپنی آزادی کا مطالبہ کر رہا ہے اور اس کا آقا انکار کر رہا ہے اور حاکم وقت انصاف کرتے ہوئے غلام کی رائے کو نافذ کراتا ہے اور آقا کی بات کو چھوڑ دیتا ہے۔ ذرا سوچو! کہ تاریخ کے طول وعرض میں کیا ایسی کوئی مثال ملتی ہے۔ [7]

۵: معاشرہ میں بعض بے جا تصرفات پر پابندی:

عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی زندگی اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کی آئینہ دار تھی، اسی وجہ سے آپ کسی بھی غلط کردار یا بے جا تصرفات جس سے اسلامی معاشرہ میں برائیاں پیدا ہوں، انہیں قطعاً برداشت نہ کرتے تھے۔ اس باب میں

---

[1] المرتضٰی، ابوالحسن علی الحسنی الندوی، ص: ۱۰۷۔ اردو طبع میں دیکھیے، ص: ۱۶۷...... مترجم۔
[2] عمرو بن مرة الشنی، بصری ہیں، مقبول ہیں، چوتھے طبقہ کے ہیں۔ التقریب، ص: ۴۱۷
[3] مناقب عمر، ابن الجوزی، ص: ۱۳۵۔ محض الصواب: ۱/ ۲۷۳
[4] صحیح مسلم، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۱۴۷۹
[5] طبقات ابن سعد: ۳/ ۲۸۷۔ سنداً یہ روایت منقطع ہے۔ مناقب عمر، ص: ۱۳۴
[6] مناقب عمر، ابن الجوزی، ص: ۱۳۴۔ یہ روایت سنداً منقطع ہے۔
[7] شہید المحراب، ص: ۲۲۲

آپ ایسے واقعات ملاحظہ کریں گے جس میں عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بعض غلطی کرنے والوں کو سیدھے راستے پر لگا دیا:

زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کی قربان گاہ: ...... سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ زبیر بن عوام کے ذبیحہ خانہ آتے تھے، اس وقت مدینہ میں وہی ایک ذبیحہ خانہ تھا، آپ کے پاس درّہ ہوتا تھا۔ اگر آپ کسی آدمی کو مسلسل دو دن گوشت خریدتے دیکھتے تو اسے درّے لگاتے، اور کہتے: کیا تم اپنے شکم کو اپنے پڑوسی اور چچا زاد بھائی کے لیے سمیٹ نہیں سکتے۔ ❶

اب تمھیں جو مانگنا ہو مانگو: ...... عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بھکاری کو مانگتے ہوئے دیکھا، جب کہ اس کی پیٹھ پر کھانے سے بھرا ہوا تھیلا تھا۔ آپ نے اس سے کھانا چھین لیا اور اسے صدقہ کے اونٹوں کے آگے ڈال دیا، پھر کہا: اب تمہیں جو مانگنا ہو مانگو۔ ❷

یہ چال چھوڑ دو: ...... ایک آدمی ہاتھوں کو ہلاتے ہوئے اور پاؤں کو پٹختے ہوئے متکبرانہ چال میں عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: یہ چال چھوڑ دو، اس نے کہا: میں ایسا نہیں کر پاؤں گا۔ آپ نے اسے کوڑے لگائے، لیکن اس نے پھر غرور و تکبر کا مظاہرہ کیا۔ آپ نے اسے پھر کوڑے لگائے، اس بار اس نے متکبرانہ چال چھوڑ دی۔ اس موقع پر عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر اس قسم کی حرکتوں پر میں کوڑے نہیں ماروں گا تو اور کس چیز پر ماروں گا؟ کچھ دنوں بعد وہ آدمی آپ کے پاس آیا اور کہا: ”جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا“ اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔ اس وقت شیطان ہی تھا (جس نے مجھے گمراہ کیا تھا) اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعہ سے اسے مجھ سے بھگا دیا۔ ❸

ہمارے دین کا گلا نہ گھونٹو: ...... ایک مرتبہ عمر رضی اللہ عنہ نے ایک ایسے آدمی کو دیکھا جو عبادت کر رہا تھا اور بہ تکلف اپنی کمزوری ظاہر کر رہا تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے سر پر درّہ مارا اور کہا: تم مر جاؤ، لیکن ہمارے دین کا گلا نہ گھونٹو۔ ❹

شفاء بنت عبداللہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرمایا کہ میں نے کچھ نوجوانوں کو دیکھا جو بہت دھیمی رفتار سے چل رہے تھے، اور ٹھہر ٹھہر کر باتیں کر رہے تھے۔ (زاہد مرتاض تھے) آپ نے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ لوگوں نے بتایا: عباد و زہاد۔ انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! عمر رضی اللہ عنہ جب بات کرتے تو اسے سناتے، جب چلتے تو جلدی کرتے اور جب مارتے تو تکلیف دہ مار مارتے، حالانکہ واللہ وہ حقیقی عابد و زاہد تھے۔ ❺

❶ الدور السياسی، صفوة، ص: ۲۲۱۔ نقلًا عن مناقب أمير المومنين، ابن الجوزی

❷ مناقب أمير المومنين، ابن الجوزی، ص: ۱۰۱

❸ أخبار عمر، ص: ۱۷۵

❹ أخبار عمر، ص: ۱۹۰

❺ الشيخان بروایت بلاذری، ص: ۲۲۶

فاروقی نظامِ احتساب یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مہاجرین صحابہ کے بارے میں بتایا کہ جب اللہ تعالیٰ انہیں زمین پر غلبہ عطا فرمادے گا تو وہ چار کام کریں گے، اقامت نماز، ادائیگی زکوٰۃ، بھلائی کا حکم اور برائی پر پابندی۔

سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ بدعات وضلالت سے لڑتے رہے، توحید کی مکمل پاسبانی کرتے رہے اور اسلامی معاشرہ میں عبادات کو رائج کرتے رہے، آپ نے برائی کے خلاف اعلان جنگ کیا اور اچھے کاموں کے لیے ہمت افزائی کی۔

۱: توحید کی حفاظت و پاسبانی اور بدعات وضلالت کے خلاف جنگ:

چوں کہ اسلامی ممالک کے قیام کا اصل مقصد دین کی حفاظت ہے، اس لیے عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے اسی مقصد کی تکمیل پر زور دیا، وہ یہ کہ لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے صاف اور صحیح عقیدہ کا پابند کر کے دین کی اصلیت کی حفاظت کی جائے۔ آپ نے گمراہوں کے شکوک وشبہات کا قلع قمع کیا اور دشمنان دین اسلام جو شیطان کی طرف سے مزین کیے ہوئے منحرف عقائد اور بدعات وخرافات کو رواج دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ بہت اچھا کر رہے ہیں ان کی چالوں کو ناکام بنایا۔ ہم آپ کے سامنے چند ایسے واقعات ذکر کرتے ہیں جو توحید کی حفاظت اور بدعات وضلالت سے معرکہ آرائی کی مثال ہیں۔

تو ایک پتھر ہے نفع و نقصان کا مالک نہیں ہے: ...... عابس بن ربیعہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے متعلق روایت کرتے ہیں کہ آپ حجر اسود کے پاس آئے، اسے بوسہ دیا اور کہا: ''میں خوب جانتا ہوں کہ تو پتھر ہے، نہ تو نقصان پہنچا سکتا ہے، نہ ہی نفع۔ اگر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھتا تو میں تجھے بوسہ نہ دیتا۔'' [1] درحقیقت یہ اتباع نبوی کی سب سے بہترین مثال اور اس کا سب سے خوب صورت مفہوم ہے۔ [2]

بیعت رضوان والے درخت کو کاٹنا: ...... ابن سعد صحیح سند کے ساتھ نافع سے روایت کرتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ کو خبر ملی کہ کچھ لوگ اس درخت کے پاس آتے ہیں جس کے نیچے بیعت رضوان ہوئی تھی اور اس کے پاس نماز پڑھتے ہیں، آپ نے ان کی گرفت کی اور آئندہ کے لیے متنبہ کیا، اور درخت کو کاٹنے کا حکم دے دیا، چنانچہ وہ کاٹ دیا گیا۔ [3]

یہ ہے توحید کی حفاظت اور فتنوں کے ذرائع کے صفایا کے لیے فاروقی اقدام کہ جب تابعین نے ثواب کی غرض سے ایسا کام شروع کر دیا جسے صحابہ رضی اللہ عنہم نے نہیں کیا تھا تو وہ عمل بدعت ٹھہرا اور یہی چیز بعد میں درخت کی

[1] صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۱۵۹۷ [2] أصحاب الرسول: ۱/ ۱۶۱

[3] التاریخ الاسلامی: ۱۹، ۲۰/ ۲۶۰۔ طبقات ابن سعد: ۲/ ۱۰۰

عبادت کا سبب بن جاتی تو عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے اسے کاٹ ہی دیا گیا۔ ❶

دانیال علیہ السلام کی قبر: ...... جب ''تُستَر'' میں دانیال علیہ السلام کی قبر ملی تو اس کے بارے میں ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس خط لکھا، سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جواباً تحریر کیا کہ دن میں تیرہ (۱۳) قبریں کھدواؤ اور رات میں ان قبروں میں سے کسی ایک میں ان کی لاش دفن کردو اور ان کی قبر میں خوب مٹی ڈال دینا تاکہ لوگ اس سے فتنہ میں نہ پڑ جائیں۔ ❷ (مزید تفصیل ملاحظہ ہو، سیرت عمر بن خطاب: ۲۶۴)

۲: عبادات کا اہتمام:

صلوٰۃ (نماز): ...... نبی ﷺ مسلمانوں کو نماز پڑھنے کا حکم دیتے تھے، جماعت سے پیچھے رہ جانے والوں کو خوب ڈانٹ پلاتے اور نماز چھوڑنے والوں پر سخت گرفت کرتے تھے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی آپ کے طریقے پر چلتے رہے، اور جب عمر فاروق رضی اللہ عنہ منصب خلافت پر فائز ہوئے تو نماز کے معاملے میں سختی کی، لوگوں کو نماز کی تاکید کی، اور اسے چھوڑنے والوں کو سزائیں دیں۔ اپنے گورنروں کے پاس یہ عمومی فرمان بھیجا کہ ''میرے نزدیک تمہارا سب سے اہم کام نماز ہے، جس نے خود اس کی پابندی کی اور دوسروں سے کروائی، اس نے اپنا دین محفوظ کرلیا، اور جس نے نماز ضائع کردی وہ دوسری چیزوں کو بدرجہ اولیٰ ضائع کرنے والا ہوگا۔'' ❸

آپ خشوع وخضوع والی نماز کے بہت حریص تھے، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی، اور تین صفوں کے پیچھے میں نے آپ کے رونے کی آواز سنی۔ ❹

زکوٰۃ، حج اور رمضان: ...... عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے زکوٰۃ پر بھی خصوصی توجہ دی اور اس کے طریقہ کو منظّم کیا اور یہ فریضہ ملک کی آمدنی کے ذرائع میں سے ایک ذریعہ بن گیا۔ اس فریضہ کے متعلق ہم ان شاء اللہ تفصیلی بحث ''مالیاتی ادارہ'' کے عنوان سے اگلے صفحات میں بیان کریں گے۔

البتہ یہاں حج کے متعلق کچھ باتیں قابل ذکر ہیں۔ آپ اپنی پوری مدت خلافت میں لوگوں کو حج کراتے رہے۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ آپ نے دس حج کیے، یعنی پوری مدت خلافت میں اور بعض نے کہا کہ نو سال تک حج کیا۔ ❺

خلیفہ یا ان کے قائم مقام عمال کی ذمہ داریوں میں یہ چند اُمور شامل ہیں:

- لوگوں کو حج کے اوقات کی اطلاع دینا اور مقامات مقدسہ تک لے جانا۔
- شریعت کے مطابق حج کی ادائیگی کرنا۔

---

❶ التاریخ الاسلامی: ۱۹، ۲۰/ ۲۶۰ ❷ الفتاوٰی: ۱۵/ ۹۰

❸ الفتاوٰی: ۱۰/ ۲۴۹۔ موطأ مالك مع شرحه أوجز المسالك: ۱/ ۱۵۴

❹ حلیة الاولیاء: ۱/ ۵۲ ❺ السلطة التنفیذیة: ۱/ ۳۸۲

❀ حج کے مقاماتِ مقدسہ میں ٹھہر کر ان کے عزت واحترام کا مظاہرہ کرنا۔
❀ مشروع ارکانِ حج میں نبی کریم ﷺ کی اتباع کرنا۔
❀ نمازوں میں امامت کرنا اور مشروع خطبے دینا۔ ❶

آپ لوگوں کو حج کی رغبت دلاتے اور انہیں اس کا حکم دیتے، حتیٰ کہ آپ نے کہا: میں نے ارادہ کیا کہ کچھ لوگوں کو شہروں میں اس لیے بھیجوں تاکہ وہ دیکھیں کہ جس کے پاس حج کرنے کی وسعت ہے اور اس نے حج نہ کیا ہو تو وہ اس پر جزیہ لگا دیں۔ ❷

آپ کے بارے میں ثابت ہے کہ ہر سال غلاف کعبہ کا صدقہ کرتے اور اسے حاجیوں میں تقسیم کر دیتے۔ ❸

آپ ذکر الٰہی کے شیدائیوں میں سے تھے، آپ نے ذکر الٰہی کے بارے میں کہا: اپنے لیے ذکر الٰہی لازم کرلو اس لیے کہ یہ شفا ہے اور خود کو لوگوں پر تذکرہ وتبصرہ سے بچاؤ اس لیے کہ یہ بیماری ہے۔ ❹ آپ کہا کرتے تھے: تنہائی پسند بنو۔ ❺

۳: تجارت اور بازاروں کا اہتمام:

عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس بات کے حریص رہے کہ بازار میں لین دین کرنے والوں کے حالات سے باخبر رہیں، انہیں اسلامی شریعت کے مطابق لین دین کرنے پر ابھاریں۔ آپ اپنے علاوہ کسی کو بازار کی نگرانی پر مامور کر دیتے تھے: مثلاً آپ نے سائب بن یزید اور عبداللہ بن عتبہ بن مسعود وغیرہ کو مدینہ کے بازار کی نگرانی پر مامور کیا تھا۔ ❻

ایک محقق یہ ملاحظہ کرسکتا ہے کہ اسلامی حکومت میں احتساب کا نظام اسلامی شریعت کے مطابق وجود میں آیا اور اسلامی معاشرہ کی دیگر ترقیات کے ساتھ ساتھ اس میں بھی ترقی ہوئی۔ یہاں تک کہ ایک ایسی سلطنت وجود میں آئی جس کے حاکم میں چند اسلامی شرائط کا پایا جانا ضروری قرار پایا، نیز کس کس کا محاسبہ کیا جائے اور کن کن چیزوں میں محاسبہ کیا جائے؟ اس کے لیے کچھ شرائط ضروری قرار دی گئیں۔ ❼

سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ بازاری معاملات کا محاسبہ کرنے میں بھی بہت سخت واقع ہوئے تھے۔ آپ ہاتھ میں درّہ لیے ہوئے بازار میں گھومتے تھے اور جسے اس کا مستحق سمجھتے اس کی اس سے سرزنش کرتے۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عمر رضی اللہ عنہ کے جسم پر جو تہ بند دیکھا اس میں چودہ پیوند لگے تھے، کچھ پیوند

❶ السلطة التنفيذية: ۱/ ۳۸۳ ❷ فرائد الکلام، ص: ۱۷۳
❸ الفتاویٰ: ۳۱/ ۱۴ ❹ تفسیر قرطبی: ۱۶/ ۳۳۶۔ محض الصواب: ۲/ ۶۷۷
❺ الزهد، وکیع: ۲/ ۵۱۷۔ یہ روایت سنداً صحیح ہے۔
❻ السلطة التنفيذية: ۱/ ۴۰۸
❼ الرقابة المالية فی الإسلام، د/ عوف الکفراوی، ص: ۶۶

چمڑے کے تھے۔ آپ کے جسم پر نہ تو قمیض تھی اور نہ چادر، سر پر پگڑی ہوتی اور ہاتھ میں درّہ اور اسی طرح مدینہ طیبہ کے بازار میں گھومتے۔ ❶

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے قتادہ رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ وقت ہوئے تو پیوند لگا ہوا اونی کھردرا جبہ پہنتے، بعض پیوند چمڑے کے ہوتے اور اسی حالت میں بازار کا چکر لگاتے اور آپ کے کندھے پر درّہ ہوتا جس سے قصورواروں کو سزا دیتے۔ ❷

عمر رضی اللہ عنہ نے خرید وفروخت میں تاجروں کے لیے حلال وحرام کی معرفت لازم کردی: ...... عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایسے آدمی کو درّے لگاتے تھے جو بازار میں تجارت کرنے آتا اور لین دین کے متعلق شرعی احکامات نہ جانتا ہوتا اور اسے کہتے: جو شخص سود کو نہ پہچانتا ہو وہ ہمارے بازار میں نہ بیٹھے۔ ❸

آپ بازار کا چکر لگاتے اور بعض تاجروں کو یہ کہتے ہوئے درّے لگاتے کہ ہمارے بازار میں وہی بیچے جو تجارت کا شرعی علم رکھتا ہو، ورنہ وہ دانستہ یا غیر دانستہ طور پر سود کھا لے گا۔ ❹

۴: سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی پہرے داری اور راتوں کا گشت:

بلاشبہ راتوں کے گشت اور پہرے داری ہی سے پولیس کا وجود عمل میں آیا۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ خلافت صدیقی میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ رات میں گشت کرنے اور پہرے داری کے امیر تھے اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بذات خود یہ ذمہ داری سنبھالی۔ آپ اپنے ساتھ اپنے غلام اسلم کو اور کبھی کبھی عبدالرحمٰن بن عوف کو لے لیتے تھے۔ پہرے داری کا مطلب ومقصد یہ ہے کہ رات میں گشت لگا کر چوروں، لٹیروں اور فسادیوں پر قابو پایا جاسکے۔ درحقیقت فاروقی گشت تاریخی حیثیت سے محکمہ پولیس کے منظّم کرنے کا پہلا مرحلہ قرار دیا جاسکتا ہے، کیونکہ شروع شروع میں سارے مسلمان دن میں اپنی حفاظت خود کرتے اور برائیوں کو روکتے تھے اور جب رات کو سو جاتے تو ان کی حفاظت کے لیے پہرے دار شب بیداری کرتے، لیکن جب فسادیوں کی کثرت ہوگئی اور انھوں نے دن کی روشنی میں کھلے عام برائیاں شروع کردیں تو اس بات کی ضرورت محسوس کی گئی کہ دن میں بھی ان پر نگاہ رکھی جائے، چنانچہ اس طرح پولیس کا وجود عمل میں آیا، گویا کہ میری تعبیر صحیح ہے تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ پولیس ہمہ وقت کی پہرے دار ومحافظ ہے۔ ❺

شیر خوار بچوں کو جلدی دودھ چھڑانے کی ممانعت: ...... عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے غلام اسلم سے روایت ہے کہ مدینہ سے باہر تاجروں کا ایک قافلہ آیا اور انھوں نے عیدگاہ میں پڑاؤ ڈالا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے

---

❶ الطبقات الکبرٰی: ۳/ ۳۳۰
❷ تاریخ الإسلام، عهد الخلفاء الراشدین، ص: ۲۶۸
❸ نظام الحکومة الإسلامیة، الکتانی: ۲/ ۱۷
❹ نظام الحکومة الإسلامیة، الکتانی: ۲/ ۱۷
❺ عبقریة الإسلام فی اصول الحکم، ص: ۳۲۲

عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا آج رات ان کی نگرانی و پہرہ داری میں تم ہمارا ساتھ دو گے؟ انہوں نے کہا: ہاں ضرور ساتھ دوں گا۔ چنانچہ دونوں نے نگرانی کرتے ہوئے شب بیداری کی اور باری باری نماز پڑھتے رہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے قافلہ سے ایک بچہ کے رونے کی آواز سنی، آپ اس کے پاس گئے اور اس کی ماں سے کہا: اللہ سے ڈر اور اپنے بچے پر رحم کر، اتنا کہہ کر آپ اپنی جگہ واپس لوٹ آئے۔ رات کے آخری حصہ میں آپ نے پھر بچے کے رونے کی آواز سنی، آپ اس کی ماں کے پاس آئے اور کہا: تیری بربادی ہو، تو بہت بری ماں ہے۔ کیا بات ہے میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارا بچہ پوری رات روتا رہا؟ اس نے کہا: اے اللہ کے بندے، میں اس کا دودھ چھڑانا چاہتی ہوں لیکن وہ نہیں چھوڑتا۔ آپ نے پوچھا: تم ایسا کیوں کر رہی ہو؟ اس نے کہا: اس لیے کہ عمر رضی اللہ عنہ بچے کا وظیفہ اسی وقت جاری کرتے ہیں جب وہ دودھ پینا چھوڑ دے ...... آپ نے یہ قانون بنایا تھا کہ ہر اس بچے کو وظیفہ دیا جائے جو دودھ پینا چھوڑ چکا ہو ...... آپ نے پوچھا: تمہارے اس لڑکے کی کتنی عمر ہے؟ اس نے کہا: اتنے اتنے مہینے کا ہے۔ تو آپ نے فرمایا: تیرا برا ہو، اسے دودھ چھڑانے میں جلدی نہ کر اور جب آپ نے فجر کی نماز اس طرح مکمل کی کہ رونے کی وجہ سے آپ کی قراءت صاف سنائی نہیں دیتی تھی تو نماز کے بعد فرمایا کہ بربادی ہے عمر کی! اس نے کتنے مسلمان بچوں کا قتل کر ڈالا، پھر آپ نے اعلان کرنے والے سے اعلان کروایا: اپنے بچوں کا دودھ چھڑانے میں جلدی نہ کرو، ہم مسلمان بچے کا وظیفہ اس کی تاریخ پیدائش ہی سے مقرر کر دیتے ہیں اور پھر پوری حکومت میں یہی فرمان بھیج دیا۔ [1]

مجاہدین کے لیے ان کی بیویوں سے جدائی کی مدت مقرر کرنا: ...... ایک روایت میں آیا ہے کہ پھر آپ اپنی صاحبزادی حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر گئے، انہوں نے پوچھا: امیر المومنین! اس وقت آپ کو آنے کی کیا ضرورت پڑ گئی؟ آپ نے کہا: اے میری بیٹی! عورت اپنے شوہر کی جدائی کب تک برداشت کر سکتی ہے؟ انہوں نے بتایا کہ مہینہ، دو مہینہ اور زیادہ سے زیادہ تین مہینہ تک، چوتھے مہینے میں صبر کا پیمانہ لبریز ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد عمر رضی اللہ عنہ نے یہ حکم نافذ کر دیا کہ مجاہدین کو (ان کے اہل و عیال سے) چار مہینوں سے زیادہ نہ روکا جائے۔ [2] یہ ہے ایک مجاہد کے لیے اس کی بیوی سے جدائی کی مدت متعین کرنے کی فاروقی سیاست، جس کی کسی نے بھی مخالفت نہیں کی۔ [3]

اے امیر المومنین اپنے ساتھی کو لڑکے کی خوش خبری دیجیے: ...... ایک رات عمر رضی اللہ عنہ گشت لگا رہے تھے، مدینہ کے ایک میدان میں پہنچے تو دیکھا کہ وہاں اونی خیمہ لگا ہوا ہے جو کل نہیں تھا۔

---

[1] البداية والنهاية: ٧/ ١٤٠

[2] مناقب أمير المومنين، ابن الجوزی، ص: ٨٩۔ أوليات الفاروق، ص: ٢٨٩

[3] أوليات الفاروق، ص: ٢٨٩

آپ اس کے قریب گئے تو اندر سے کراہنے کی آواز آئی، جب کہ باہر ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ آپ اس کے قریب گئے اور سلام کیا، پھر پوچھا: تم کون ہو؟ اس نے کہا: میں ایک بدوی ہوں، امیر المومنین سے ملنے کے لیے آیا ہوں تاکہ ان کے احسان وکرم سے نوازا جاؤں۔ آپ نے پوچھا: میں گھر میں جو آواز سن رہا ہوں یہ کیسی آواز ہے؟ اس نے کہا: اللہ تم پر رحم کرے، تم کو اس سے کیا مطلب۔ آپ نے کہا: بتاؤ کیا بات ہے؟ اس نے بتایا: میری عورت دردزہ میں مبتلا ہے۔ آپ نے پوچھا: کیا اس کے پاس کوئی ہے؟ اس نے کہا: نہیں۔ آپ فوراً گھر آئے اور اپنی بیوی امّ کلثوم بنت علی سے کہا: کیا تم ثواب کمانا چاہتی ہو، اللہ نے اسے خود تم تک پہنچایا ہے؟ انہوں نے پوچھا: کیا بات ہے؟ آپ نے بتایا: ایک اجنبی عورت دردزہ میں مبتلا ہے اور اس کے پاس کوئی نہیں ہے۔ انہوں نے کہا: اگر آپ راضی ہیں تو میں ضرور چلوں گی۔ آپ نے فرمایا: تو پھر بچے کی ولادت کے وقت کپڑے اور تیل وغیرہ کی جو ضرورت پڑتی ہے اسے لے لو اور ایک ہنڈیا، چربی اور تھوڑا سا غلہ بھی لے آؤ۔ امّ کلثوم سب کچھ لے کر آئیں۔ آپ نے کہا: چلو اب چلیں۔ آپ نے ہنڈیا اٹھائی اور وہ پیچھے پیچھے چلیں۔ جب آپ خیمہ کے پاس پہنچے تو امّ کلثوم سے کہا: عورت کے پاس جاؤ اور خود آ کر آدمی کے پاس بیٹھ گئے، آپ نے اس سے کہا: آگ جلاؤ، اس نے آگ جلائی، ہنڈیا آگ کے اوپر رکھی یہاں تک کہ ہنڈیا گرم ہوگئی۔ اتنے میں عورت کو ولادت ہوگئی۔ تو آپ کی بیوی نے کہا: اے امیر المومنین اپنے ساتھی کو لڑکے کی خوش خبری دیجیے۔ جب بدوی نے امّ کلثوم کی زبان سے ''امیر المومنین'' کا لفظ سنا، تو جیسے ڈر گیا، اور تھوڑا تھوڑا آپ سے پیچھے ہٹنے لگا۔ آپ نے اس سے کہا: جیسے تھے اسی طرح اپنی جگہ بیٹھے رہو۔ پھر آپ ہنڈیا اٹھا کر دروازے پر لائے اور اپنی بیوی سے کہا: عورت کو کھلا کر خوب آسودہ کر دو۔ چنانچہ انہوں نے اسی طرح کیا، پھر ہنڈیا کو اندر سے نکال کر باہر دروازے پر رکھ دیا۔ عمر رضی اللہ عنہ اٹھے اور اسے لا کر آدمی کے سامنے رکھ دیا اور کہا: کھاؤ تم پوری رات جاگتے رہے ہو اور اپنی بیوی سے کہا: چلو نکلو، اور آدمی سے کہا: جب صبح ہو تو میرے پاس آنا، تمہیں تمہارے فائدہ کی چیزیں دلواؤں گا۔ جب صبح ہوئی تو وہ آیا، تو آپ نے اس کے لڑکے کا وظیفہ جاری کیا اور کچھ عطیہ بھی دیا۔ [1] (مزید تفصیل ملاحظہ ہو، سیرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ: ۲۹۱، از ڈاکٹر محمد الصلابی)

۵: جانوروں پر شفقت اور رحم دلی:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اعلان کر دیا تھا کہ آپ اس خچر تک کے ذمہ دار ہیں جو راستہ خراب ہونے کی وجہ سے عراق میں پھسل کر گر گیا۔ اس مقام پر سیرت فاروق کے چند ایسے درخشاں ابواب کا ذکر کیا جا رہا ہے جو انسانی تاریخ کے حافظہ میں آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔

---

[1] البدایة والنهایة: ۷/ ۱٤۰.

کیا اپنے اونٹ پر اتنا بوجھ لادتے ہو جسے اٹھانے کی وہ طاقت نہیں رکھتا؟...... مسیّب بن دارم سے روایت ہے کہ میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ ایک ساربان (اونٹ کے مالک) کو مار رہے تھے اور کہہ رہے تھے: ''تم نے اپنے اونٹ پر اتنا بوجھ لاد دیا ہے جسے اٹھانے کی وہ طاقت نہیں رکھتا۔'' [1]

کیا تم نہیں جانتے کہ اس کا بھی تم پر حق ہے؟...... احنف بن قیس کا بیان ہے کہ ہم عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس ایک وفد کی شکل میں فتح عظیم کی خوش خبری لے کر آئے، آپ نے پوچھا: آپ لوگ کہاں ٹھہرے؟ میں نے کہا کہ فلاں جگہ۔ پھر آپ میرے ساتھ چل پڑے یہاں تک کہ ہمارے سواری کے اونٹوں کے قریب تک پہنچے اور ایک ایک کو غور سے دیکھنے کے بعد فرماتے: کیا تم اپنی ان سواریوں کے بارے میں اللہ سے خوف نہیں کھاتے؟ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ان کا بھی تم پر حق ہے؟ انہیں کھلا کیوں نہ چھوڑ دیا کہ گھاس وغیرہ چرتے۔ [2]

عمر رضی اللہ عنہ کی خواہش پوری کرنے کے لیے تو نے ایک چوپائے کو عذاب دے دیا: ...... ایک مرتبہ عمر رضی اللہ عنہ نے تازہ مچھلی کھانے کی خواہش ظاہر کی۔ آپ کے غلام ''یرفا'' نے مچھلی لانے میں چار دن لگا دیئے، دو دن جاتے ہوئے اور دو دن آتے ہوئے اور ایک ٹوکرا مچھلیاں خرید کر لایا۔ پھر ''یرفا'' سواری کے پاس کھڑے ہو کر اس کے جسم سے پسینہ صاف کرنے لگا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے سواری کو دیکھ کر فرمایا: عمر کی خواہش پوری کرنے کے لیے تو نے ایک جانور کو عذاب میں مبتلا کر ڈالا۔ اللہ کی قسم عمر! اس (مچھلی) کو چکھ نہیں سکتا۔ [3]

٦: عہد فاروقی میں زلزلہ:

عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ایک بار زلزلہ آیا تو آپ نے فرمایا: اے لوگو! یہ زلزلہ تمہاری کسی نئی بدعملی ہی کی وجہ سے آیا ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر دوبارہ ایسا زلزلہ آیا تو تمہارے ساتھ ہرگز نہ رہوں گا۔ [4]

(۴)

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی علم، علماء اور مبلغین اسلام پر خصوصی توجہ

۱: حدیث قبول کرنے میں احتیاط، علمی مذاکرہ، اور نامعلوم مسائل کے بارے میں استفسار:

حدیث قبول کرنے میں احتیاط: ...... ایک مرتبہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آنے کی اجازت مانگی، لیکن اجازت نہ ملی ......شاید عمر رضی اللہ عنہ کسی کام میں مشغول تھے...... ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ

[1] محض الصواب: ۲/ ٤٦٩ [2] نظام الحکم فی الشریعة والتاریخ: ۲/ ٦٠٥

[3] الریاض النضرة، ص: ٤٠٨

[4] فرائد الکلام، ص: ١٤٠۔ بحوالہ: الداء والدواء، ابن القیم، ص: ٥٣

واپس لوٹ گئے۔ جب عمر رضی اللہ عنہ اپنے کام سے فارغ ہوئے تو کہا: کیا میں نے عبداللہ بن قیس (ابوموسیٰ اشعری) کی آواز نہیں سنی؟ ان کو آنے کی اجازت دے دو۔ آپ کو بتایا گیا کہ وہ واپس چلے گئے۔ آپ نے ان کو بلوایا (اور واپس جانے کی وجہ پوچھی)، ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ہم اسی بات کا حکم دیئے جاتے تھے۔ (یعنی اجازت نہ ملے تو واپس ہو جائیں)، عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اپنی بات پر کوئی گواہ لاؤ۔ چنانچہ ابوموسیٰ انصار کی مجلسوں میں گئے اور ان سے پوچھا (کہ اور کسی نے اس حدیث کو سنا ہے) انہوں نے کہا: اس حدیث کی گواہی ہمارا سب سے چھوٹا آدمی دے گا۔ ابوسعید رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہا: ہاں ہم اس بات کا حکم دیئے جاتے تھے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان میں نہیں جان سکا۔ کاروبار اور تجارت نے مجھے اس سے غافل کر دیا۔ [1]

اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ میں انصار کی ایک مجلس میں بیٹھا تھا، اتنے میں گھبرائے ہوئے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ آئے اور کہا: میں نے عمر رضی اللہ عنہ سے تین بار اجازت مانگی لیکن مجھے اجازت نہ ملی تو میں واپس ہو گیا۔ انہوں نے بعد میں مجھ سے پوچھا کہ تم کیوں واپس چلے گئے؟ تو میں نے بتایا کہ تین مرتبہ میں نے اجازت مانگی تھی لیکن جب اجازت نہ ملی تو میں واپس ہو گیا، اس لیے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے:

((إِذَا اسْتَأْذَنَ أَحَدُكُمْ ثَلَاثًا فَلَمْ يُؤْذَنْ لَهُ فَلْيَرْجِعْ.))

''جب تم میں سے کوئی تین مرتبہ اجازت مانگے اور اسے اجازت نہ ملے تو چاہیے کہ وہ لوٹ جائے۔''

(میری یہ بات سن کر) عمر رضی اللہ عنہ کہہ رہے ہیں کہ اس حدیث پر کوئی گواہ ضرور لاؤ۔ لہٰذا کیا آپ میں سے کسی نے یہ حدیث نبی اکرم ﷺ سے سنی ہے؟ ابی بن کعب نے کہا: تمہارے ساتھ اس سلسلے میں گواہی دینے اس جماعت کا سب سے چھوٹا آدمی جائے گا اور پھر میں ابوموسیٰ کے ساتھ کھڑا ہوا اور عمر رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ نبی کریم ﷺ نے یہ حدیث بیان کی ہے۔ [2]

علمی مذاکرہ اور نامعلوم مسائل میں استفسار: ...... سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک عورت حاضر کی گئی جو گودنا گودتی تھی۔ آپ اٹھے اور کہا: میں تم کو اللہ کی قسم دلا کر پوچھتا ہوں۔ گودنا گودنے کے بارے میں کسی نے نبی اکرم ﷺ کا کوئی فرمان سنا ہے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں کھڑا ہوا اور کہا: ہاں، اے امیر المومنین! میں نے سنا ہے۔ آپ نے پوچھا: کیا سنا ہے؟ انہوں نے کہا: میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

((لَا تَشِمْنَ وَلَا تَسْتَوْشِمْنَ.)) [3]

---

[1] صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۱۵۳
[2] صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۱۵۳
[3] صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۵۹۴۶

''کوئی عورت نہ گودنا گودے اور نہ کوئی عورت گودنا گدوائے۔''

۲: طلب علم پر رغبت دلانے والے فاروقی اقوال:

آپ نے ایک مرتبہ فرمایا: ''لوگو! کتاب کا خزانہ ہو جاؤ، اور علم کے چشمے بن جاؤ، اور روزانہ اللہ سے روزی مانگو، اگر تمہارے پاس بہت زیادہ روزی نہیں تو کوئی نقصان نہیں۔'' ❶

اور فرمایا: ''علم سیکھو اور اسے لوگوں کو سکھاؤ، وقار اور سنجیدگی سیکھو، جس سے تم نے علم سیکھا ہے، اس سے خاکساری سے ملو اور جسے تم نے علم سکھایا ہے اس کے لیے بھی خاکسار رہو، جابر و متکبر علماء میں سے نہ بنو کہ تمہاری جہالت کی وجہ سے تمہارا علم چلا جائے۔'' ❷

آپ نے عالم کی لغزش و گمراہی سے ڈراتے ہوئے کہا: عالم کی بے راہ روی، منافق کی قرآن سے کٹ حجتی، اور گمراہ کرنے والے ائمہ کی گمراہی اسلام کو ڈھا دے گی۔ ❸

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کا مدینۃ النبی ﷺ کو فقہ و فتاویٰ کا مرکز بنانا

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مدینہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ...... خصوصاً ان صحابہ کا جنھوں نے ابتدائی مرحلہ میں اسلام کی طرف سبقت کی تھی ...... انسٹیٹیوٹ (ایوان علم و فن) تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی بھلائی اور اس ضرورت کے پیش نظر ان کو اپنے پاس روک لیا تھا کہ امت کے مسائل کی سیاست و تدبیر میں وہ لوگ آپ کے معاون ہوں گے۔ آپ نے ان لوگوں کو ان کے علم سے فائدہ اٹھانے اور ان کے مشورہ و خیالات سے رہنمائی حاصل کرنے کی نیت سے ان کے اخلاص پر اعتماد کرتے ہوئے اپنے پاس روکا تھا۔ اس طرح ان صحابہ کرام کا علم مدینہ میں باقی رہا اور فتویٰ دینے والے فقہاء صحابہ کی تعداد (۱۳۰) تک پہنچ گئی۔ کثرت سے فتویٰ دینے والے سات لوگ تھے۔ ان کے نام ہیں: عمر، علی، عبداللہ بن مسعود، عائشہ، زید بن ثابت، عبداللہ بن عباس اور عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہم اجمعین۔

ابو محمد بن حزم کا کہنا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کے فتویٰ کی الگ الگ ضخیم جلدیں تیار ہو سکتی ہیں۔ ❹

اور جن صحابہ کے فتاویٰ متوسط تعداد و مقدار میں ہیں ان میں ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس لیے کہ وفات النبی ﷺ کے بعد مختصر مدت تک زندہ رہے، پھر وفات پا گئے۔ اسی طرح اس زمرہ میں ام سلمہ، انس بن مالک، ابوسعید خدری، ابوہریرہ، عثمان بن عفان، عبداللہ بن زبیر، ابوموسیٰ اشعری، سعد بن ابی وقاص، جابر بن عبداللہ، معاذ بن جبل، طلحہ، زبیر، عبدالرحمن بن عوف، عمران بن حصین، اور عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہم بھی شامل ہیں۔ محققین کا کہنا

---

❶ فرائد الکلام، ص: ۱۵۹۔ البیان والتبیین، جاحظ: ۲/ ۳۰۳

❷ أخبار عمر، ص: ۲۶۳۔ محض الصواب: ۲/ ۶۸۶ ❸ محض الصواب: ۲/ ۷۱۷

❹ المدینۃ النبویۃ فجر الإسلام والعصر الراشدی: ۲/ ۴۵

ہے کہ الگ الگ چھوٹی چھوٹی جلدیں ان کے فتاویٰ کی تیار ہوسکتی ہیں۔ [1]

مدینہ مہبط وحی وتشریع تھا، خلفائے راشدین کے دور خلافت تک کوئی شہر اس کا مقابل نہ تھا۔ خلفائے راشدین کے دور میں مدینہ فقہاء صحابہ کا مرکز تھا، ان میں سب سے آگے عمر رضی اللہ عنہ تھے۔

سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مدینہ جن فقہی ذخائر سے مالا مال ہوا بہرحال اس کا سبب عمر رضی اللہ عنہ کی الہام یافتہ شخصیت ہی تھی۔ ان کے حق میں اس کامیابی کی گواہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت دے دی تھی جب دیکھا کہ وہ بیشتر باتوں میں ربّ کی مرضی کے مطابق رائے ومشورہ دیتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ عمر رضی اللہ عنہ نے اسلامی ملک کے دارالخلافہ میں ایسا مدرسہ تعمیر کیا تھا جس سے علماء، مبلغین، دعوتی کارکن، حکمران اور قاضی وجج فارغ ہوئے اور عالم اسلام میں پائے جانے والے اوّلین علمی مدارس میں ہمیں اس فاروقی مدرسہ کا کافی اثر نظر آرہا ہے، اس لیے کہ تمام مؤسسین مدارس ومراکز علمیہ تقریباً فاروقی فقہ وبصیرت سے متاثر ہوئے ہیں۔ لہٰذا اب ان علمی مدارس کے بارے میں مختصراً معلومات قارئین کی پیش خدمت ہیں:

۱: مکی درس گاہ:

مسلمانوں کے دلوں میں مکی مدرسہ کا بڑا احترام تھا، خواہ وہ مکہ کے باشندے ہوں یا بلد حرام کی زیارت کرنے والے اور حج وعمرہ کرنے والے، ہر مومن جس نے مکہ کو دیکھا یا اسے دیکھنے کی کوشش کی، اس کے دل کو اپنی طرف موڑ لیا۔ صحابہ کرام کے زمانے میں مکہ میں علم کا زور کم تھا، لیکن ان کے آخری اور تابعین کے ابتدائی دور میں نیز تبع تابعین جیسے ابن ابی نجیح، اور ابن جریج [2] کے زمانے میں مکہ میں علم کا زور ہوا۔ البتہ مکہ کو یہ خصوصیت ملی کہ اسے ترجمان القرآن اور حبر الامت ابن عباس رضی اللہ عنہما، جن کی تمام تر توجہات اور کوششیں علم تفسیر پر مرکوز تھیں اور اپنے شاگردوں کو اسی کی تربیت دیتے تھے۔ پھر تابعین میں ایسے ائمہ وعلماء پیدا ہوئے جو دیگر تفسیری مدارس کے طلبہ پر سبقت لے گئے۔ علمائے محققین نے اس مکی مدرسہ کی برتری اور نمایاں کارکردگی کے اسباب میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی امامت واستاذی کو کلیدی مقام دیا ہے۔

۲: مدنی درس گاہ:

مدینہ کو خصوصی حیثیت دینے، اسے فقہ وفتاویٰ اور علوم شرعیہ کا مرکز بنانے میں فاروقی اقدام اور خالص علمی زندگی کے لیے جن لوگوں نے خود کو وقف کیا تھا، ان تمام چیزوں کے بارے میں زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ہمیں تفصیلی معلومات فراہم کی ہیں۔ زید بن ثابت کو عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ میں روک لیا تھا۔ اس لیے ان کے شاگردوں کی تعداد بھی زیادہ رہی۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کو مختلف شہروں میں بھیج دیا، البتہ زید بن

[1] المدینة النبویة فجر الإسلام والعصر الراشدی: ۲/ ۴۵

[2] الإعلان والتوبیخ لمن ذم التاریخ، ص: ۲۹۲

ثابت رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں روک لیا، وہ مدینہ والوں کو فتویٰ دیتے تھے۔

حمید بن اسود کہتے ہیں: اہل مدینہ نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے بعد جس طرح امام مالک کے قول پر عمل کیا اس طرح کسی اور بات پر عمل نہ کیا۔ ❶

زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ان صحابہ میں سے تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے بہت سارے شاگرد عطا کیے اور انہوں نے اپنے اساتذہ کی باتوں کو یاد کیا، اور ان کے نقوش و علوم کی نشر و اشاعت کی۔ ❷ عامر شعبی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ زید ابن ثابت رضی اللہ عنہ کو دیگر لوگوں پر دو چیزوں میں فوقیت تھی؛ علم فرائض اور علم قرآن میں۔ ❸

۳: بصری درس گاہ:

فاروقی حکم کی تعمیل میں بصرہ شہر کو سب سے پہلے عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ نے بسایا، ۱۴ھ میں انہوں نے اس کا نقشہ تیار کیا تھا، اس کے علاوہ بھی باتیں کہی گئی ہیں۔ بصرہ، کوفہ سے تین سال پرانا شہر ہے۔ ❹ اور تمام ترفنون میں کوفہ کی درس گاہ سے آگے بڑھا ہوا ہے۔ یہاں بہت سارے صحابہ تشریف لائے اور مقیم ہوئے۔ ❺ انہی میں سے ابوموسیٰ اشعری، عمران بن حصین رضی اللہ عنہما اور دیگر صحابہ ہیں، سب سے آخر میں یہاں انس بن مالک رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔ ❻

جو صحابہ کرام بصرہ آئے ان میں زیادہ مشہور ابوموسیٰ اشعری اور انس بن مالک رضی اللہ عنہما ہیں۔ ابوموسیٰ اشعری مکہ آ کر اسلام قبول کرنے والوں میں سے تھے، انہوں نے مہاجرین کے ساتھ حبشہ ہجرت کی، صحابہ میں سب سے زیادہ ذی علم کہے جاتے تھے، وہ بصرہ آئے اور وہاں لوگوں کو دین کی تعلیم دی۔ ❼

ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ جب مدینہ تشریف لاتے تو پوری کوشش کرتے کہ عمر رضی اللہ عنہ کی مجلسوں میں ضرور شریک ہوں۔ کبھی کبھار اپنا کافی وقت انہی کے ساتھ گزار دیتے۔ چنانچہ ابوبکر بن ابوموسیٰ سے روایت ہے کہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ عشاء کی نماز کے بعد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا ضرورت ہے؟ انہوں نے کہا: آپ سے بات کرنے آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا: اس وقت؟ انہوں نے جواب دیا: دین سمجھنے سمجھانے کی بات ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ بیٹھ گئے اور دونوں دیر رات تک باتیں کرتے رہے۔ پھر ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا: امیر المومنین! نماز پڑھ لیں، آپ نے فرمایا: ہم اب تک نماز ہی میں تھے۔ ❽

---

❶ العلل، إمام أحمد: (۳/ ۲۵۹) (۵۱۴۵)۔ تفسیر التابعین: ۱/ ۵۰۶

❷ تفسیر التابعین: ۱/ ۵۰۶ ❸ تهذیب تاریخ دمشق: ۵/ ۴۴۹۔ تفسیر التابعین: ۱/ ۵۰۸

❹ تفسیر التابعین: ۱/ ۴۲۲

❺ تفسیر التابعین: ۱/ ۴۲۲ . ابن حبان نے پچاس سے زیادہ مشہور صحابہ کا ذکر کیا ہے جو بصرہ آئے تھے۔

❻ طبقات ابن سعد: ۷/ ۲۶۔ صحیح مسلم: ۱/ ۶۵ ❼ تفسیر التابعین: ۱/ ۴۲۳

❽ أبوموسیٰ الاشعری الصحابی العالم المجاهد، محمد طهماز، ص: ۱۲۱

جہاں تک انس بن مالک النجاری الخزرجی رضی اللہ عنہ کی بصرہ کی زندگی کے تعارف کی بات ہے تو معلوم ہو کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے خادم تھے، خادم رسول کہے جاتے تھے اور اس پر فخر محسوس کرتے تھے اور انہیں اس کا حق بھی تھا۔ ❶ وہ خود کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی دس سال تک خدمت کی اس وقت میں ایک بچہ تھا۔ ❷ نیز کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو میں دس سال کا لڑکا تھا اور جب آپ کی وفات ہوئی اس وقت میں بیس سال کا نوجوان تھا۔ ❸

انس بن مالک کے لیے رسول اللہ ﷺ نے کثرتِ مال واولاد اور درازیِ عمر کی دعا کی تھی۔ آپ نے کہا تھا:

((اَللّٰھُمَّ أَکْثِرْ مَالَهٗ وَوَلَدَهٗ وَبَارِكْ لَهٗ فِیْهِ .)) ❹

''اے اللہ! اس کے مال واولاد میں اضافہ کردے اور اس میں برکت عطا فرما۔''

۴: کوفی درس گاہ:

کوفہ میں بیعت رضوان کے شرکاء میں سے تین سو (۳۰۰) اور بدری صحابہ میں سے ستر (۷۰) لوگوں نے سکونت اختیار کی۔ کوفہ والوں کو مخاطب کرتے ہوئے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے لکھا کہ اے باشندگان کوفہ! تم لوگ عرب کی جان اور اس کا دماغ ہو، میرا تیر ہو جس کے ذریعہ سے اپنے اوپر آنے والے حملوں کا دفاع کرتا ہوں، میں تمہارے پاس عبداللہ بن مسعود کو بھیج رہا ہوں۔ میں نے تمہارے لیے یہی پسند کیا ہے، اور تم لوگوں کو خود پر ترجیح دی ہے۔ ❺

کوفہ کی درس گاہ سیّدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے کافی متاثر تھی اور اپنے استاذ کی اقتدا و پیروی کرنے میں دیگر تمام درس گاہوں سے منفرد تھی، یہاں تک کہ آپ کی وفات کے بعد بھی آپ کے شاگرد آپ کی اقتدا پر جمے رہے، اور ایک لمبے زمانہ تک کوفہ آپ کے علم وعمل پر قائم رہا۔ ❻

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فقہ فاروقی سے بہت متاثر تھے، ان کی بات کے سامنے اپنی بات کو چھوڑ دیتے، اور کہتے تھے: اگر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا علم ایک پلڑے میں اور پوری دنیا والوں کا علم دوسرے پلڑے میں ہو تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا علم بھاری پڑ جائے گا۔ ❼

۵: شامی درس گاہ:

ملک شام فتح ہونے کے بعد یزید بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس ایک خط تحریر کیا اس کا

---

❶ تھذیب الاسماء واللغات: ۱/ ۱۲۷
❷ تفسیر التابعین: ۱/ ۴۲۳
❸ صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۰۲۹
❹ صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۴۸۱
❺ مجمع الزوائد: ۹/ ۲۹۱۔ اس کی سند میں حارثہ کے علاوہ بقیہ تمام راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں، اور حارثہ بھی ثقہ ہیں۔
❻ تفسیر التابعین: ۱/ ۴۶۲
❼ العلم لابی حنیفة، ص: ۱۲۳۔ تفسیر التابعین: ۱/ ۴۶۳

مضمون یہ تھا:

''شام والوں کی آبادی بڑھ گئی ہے، شہر تنگ پڑ گئے ہیں، اور انہیں ایک معلم قرآن وعالم دین کی ضرورت ہے، لہٰذا اے امیر المومنین! آپ ایسے لوگوں کو بھیج کر میری مدد کیجیے۔''

چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ نے معاذ بن جبل، عبادہ بن صامت، اور ابو درداء رضی اللہ عنہم کو بلایا اور انہیں اس کام کے لیے بھیج دیا اور نصیحت کی کہ اپنے درس وتدریس کا آغاز ''حمص'' سے کرو، کیونکہ وہاں مختلف طرح کے لوگ پائے جاتے ہیں، وہاں کچھ لوگ بہت تیزی سے علم سیکھنے والے ہیں، جب تم ایسا دیکھو تو اس طرح کے لوگوں کی ایک جماعت کو تعلیم دو اور جب تم ان سے مطمئن ہو جاؤ تو تم میں سے کوئی ایک ان کے پاس رک جائے اور ایک صاحب دمشق چلا جائے، جب کہ دوسرا فلسطین۔

بہر حال وہ لوگ ''حمص'' آئے، وہاں قیام کیا، اور جب ایک جماعت کا علمی مقام دیکھ کر مطمئن ہو گئے تو وہاں عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ مقیم ہو گئے، پھر ابو درداء رضی اللہ عنہ دمشق اور معاذ رضی اللہ عنہ فلسطین کی طرف روانہ ہو گئے۔ [1]

مفتوحہ علاقوں میں عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جن علمی مدارس کی بنیاد رکھی تھی وہ مدارس لوگوں کی تعلیم وتربیت میں اہم کردار ادا کرتے تھے۔ شامی درس گاہ کی ذمہ داری معاذ، ابو درداء، اور عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہم وغیرہ صحابہ کے کندھوں پر تھی۔ دمشق کی مسجد میں ابو درداء رضی اللہ عنہ کا بہت بڑا علمی حلقہ ہوتا تھا، اس میں ۱۶۰۰ سے زائد لوگ حاضر ہوتے تھے، وہ دس دس آیتیں پڑھتے تھے اور ایک دوسرے سے آگے بڑھ نکلنے کی کوشش کرتے تھے اور ابو درداء کھڑے ہو کر قراءات اور لہجوں کے بارے میں فتویٰ دیتے تھے۔ [2]

۶: مصری درس گاہ:

یوں تو فاتح مصر عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے لشکر میں بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شریک تھے، لیکن مصر کے علمی حلقوں میں عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے جو مقام بنایا دوسرے صحابہ اس مقام تک نہ پہنچ سکے، مصر والوں نے عقبہ رضی اللہ عنہ کو عزت ومحبت سے نوازا، ان سے احادیث روایت کیں اور ان کی صحبت اختیار کی، حتیٰ کہ سعد بن ابراہیم کا بیان ہے کہ مصر والوں کو عقبہ رضی اللہ عنہ سے احادیث روایت کرنا اتنا ہی محبوب تھا جتنا کہ کوفہ والوں کو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے۔ [3]

مصریوں نے متعدد صحابہ کرام سے علم حاصل کیا، ان میں زیادہ مشہور ابو الخیر مرشد بن عبداللہ الیزنی ہیں۔ انہوں نے عقبہ، عمرو بن عاص [4] اور عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہم کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا اور ان سے علم سیکھا، مصر میں دینی درس گاہوں کے یہ چند اہم مؤسسین ہیں کہ جن کی درس گاہوں کے وجود وترقی میں اسلامی فتوحات کی تحریک کا خاصا اثر رہا، اور یہ کسی پر مخفی نہیں کہ ان مدارس کی ابتدا ہی سے عمر رضی اللہ عنہ کی ان پر نگرانی

[1] الانصار فی العصر الراشدی، ص: ۲۵۹

[2] غایة النہایة فی طبقات القراء، ابن الجوزی: ۱/ ۶۰۷

[3] تفسیر التابعین: ۱/ ۵۴۰، ۵۴۱

[4] حسن المحاضرة: ۱/ ۲۹۶

تھی۔ چنانچہ جب آپ کے پاس مجاہدین کا لشکر آتا تو آپ اس پر ایک عالم دین مقرر کر دیتے، تاکہ وہ فوج کو دین کی باتیں، شرعی احکامات، فقہی اصول اور قرآنِ مجید نیز دیگر پیش آنے والے معاملات میں ان کے سامنے شرعی حل پیش کرے۔ [1]

اور جب اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا تو ان علمی و تربیتی اداروں کی ضرورت بھی پڑی، اس لیے کہ کوفہ، بصرہ اور فسطاط وغیرہ اسلامی شہروں کی شکل اختیار کر چکے تھے، مزید برآں یہی شہر فوجی چھاؤنیاں اور مع اہل و عیال فوج کے رہائشی مراکز، نیز علماء، فقہاء اور مبلغین و واعظین کے اجتماع کا ٹھکانہ بن چکے تھے۔ [2]

[1] الادارة العسكرية فى الدولة الاسلامية: ۲/ ۷۱۲

[2] الادارة العسكرية فى الدولة الاسلامية: ۲/ ۷۱۲

(۵)

نوآبادیاتی تعمیر و ترقی اور بحرانوں کا حل

ا۔ نوآبادیاتی تعمیر و ترقی:

سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی کی توسیع کی اور اس میں عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا گھر شامل کر لیا، توسیع میں دس (۱۰) ہاتھ قبلہ کی طرف، بیس (۲۰) ہاتھ مغرب کی طرف اور ستر (۷۰) ہاتھ شمال کی طرف بڑھایا، اس کی دوبارہ تعمیر کچی اینٹوں اور کھجور کی ٹہنیوں پر کی۔ اس کے پائے لکڑی سے اور چھت کھجور کی ٹہنیوں سے بنائی، اور چھت کے اوپر کھجور کی پتیاں ڈال دیں تاکہ لوگ بارش سے محفوظ رہیں۔ اسی طرح آپ نے مسجد کو رنگ روغن کرنے اور اس میں نقش و نگار کرنے سے منع کر دیا تاکہ لوگوں کی نماز میں خلل نہ واقع ہو۔ [1] شروع سے مسجد نبوی کا فرش مٹی کا تھا، آپ نے پتھروں سے اسے پختہ کرایا تاکہ لوگ صاف اور بہترین جگہ پر نماز ادا کر سکیں۔ [2]

آپ نے مسجد حرام (خانہ کعبہ) میں بھی معمولی ترمیم کی، مقام ابراہیم جو خانہ کعبہ سے متصل تھا، وہاں سے ہٹا کر آج ہم جس جگہ پر اسے دیکھ رہے ہیں وہاں منتقل کر دیا تاکہ طواف کرنے والوں اور نمازیوں کے لیے آسانی ہو جائے اور اس کے اوپر سائبان تعمیر کیا۔ [3]

آپ نے حرم مکی سے متصل مکانات کو خرید کر انہیں منہدم کیا اور اس جگہ کو حرم مکی میں شامل کر دیا، مسجد حرام کے کچھ پڑوسیوں نے اپنے مکانات کو فروخت کرنے سے انکار بھی کیا لیکن آپ نے ان مکانوں کو بھی گروا دیا، اور ان کا معاوضہ دیا جسے انہوں نے بعد میں قبول کر لیا۔ آپ نے قد آدم سے کچھ نیچے تک حرم کے چاروں طرف

[1] عصر الخلافة الراشدة، ص: ۲۲۷۔ فتح البارى: ٤/ ۹۸

[2] أخبار عمر، ص: ۱۲٦

[3] عصر الخلافة الراشدة، ص: ۲۲۷۔ فتح البارى: ۸/ ۱٦۹

چہار دیواری بنوائی، اس دیوار پر روشنی کے لیے چراغ رکھا جاتا تھا۔ ❶

زمانۂ جاہلیت میں غلاف کعبہ چمڑے کا بنایا جاتا تھا، نبی کریم ﷺ نے اس پر یمنی کپڑے کا غلاف ڈالا، اور عمر رضی اللہ عنہ نے اسے ''قباطی'' غلاف پہنایا، ❷ جو مصر کا بنا ہوا نہایت باریک اور سفید کپڑا ہوتا تھا۔ ❸

۲۔ سڑکوں اور خشکی وسمندری وسائل نقل وحمل کا اہتمام:

اسلامی مملکت کی مختلف ریاستوں کو ایک دوسرے سے جوڑنے کے لیے خلیفہ راشد عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بیت المال سے ایک فنڈ (خاص رقم) متعین کیا تھا، اور جن لوگوں کے پاس سواریاں نہ تھیں انہیں جزیرۂ شام اور عراق تک کے سفر میں آسانی پیدا کرنے کے لیے آپ نے بہت زیادہ اونٹوں کو مسافروں کو لانے لے جانے کے لیے خاص کر دیا تھا، کیونکہ اونٹ ہی اس وقت سواری کے لیے استعمال ہوتے تھے۔ اسی طرح ستو تیار کرنے، کھجور اور کشمش کو قابل استعمال بنانے، نیز روز مرہ کی دیگر ضروریات زندگی کے لیے ایک دارالدقیق، یعنی آٹا گھر تیار کرایا، ایسے مسافر جن کا زادسفر بیچ میں ختم ہو جاتا یا کوئی اجنبی مہمان آجاتا تو اسی سے اس کا تعاون کرتے۔ مکہ اور مدینہ کے درمیان کئی سرائیں اور پانی کے چشمے تیار کروائے، گویا قرآن کے اصول عمرانیات پر عمر رضی اللہ عنہ کی گہری نظر تھی جس میں انسانی آبادیوں کا ایک دوسرے سے ربط ضروری قرار دیا گیا ہے کہ جب یہ ربط موجود ہوگا تو امن کا رواج ہوگا اور مسافروں کو اپنے ساتھ آب و دانہ لے کر چلنا ضروری نہ ہوگا۔ ❹ قبائل، امراء اور گورنروں کو عمرانیات سے متعلق فاروقی توجیہات اسی نقطہ پر مرکوز تھیں۔ کثیر بن عبداللہ اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ۱۷ھ میں عمر رضی اللہ عنہ کے عمرہ کے سفر میں ہم آپ کے ساتھ تھے، راستے میں چشموں کے بعض مالکان نے آپ سے گفتگو کی کہ وہ چاہتے ہیں کہ مکہ اور مدینہ کے درمیان مکانات تعمیر کرلیں، جو اس سے پہلے نہیں تھے، آپ نے ان کو اس شرط پر اجازت دی کہ مسافر لوگ پانی اور سائے کے زیادہ حق دار ہوں گے، ❺ یعنی انہیں منع نہ کیا جائے۔

۳۔ سرحدوں پر شہروں کی تعمیر فوجی اور تمدنی مراکز کے طور پر:

عہد فاروقی میں فتوحات کا دائرہ وسیع ہونے کے ساتھ اسلامی ریاست نے اپنی سرحدوں پر چھوٹے چھوٹے شہر بسائے، مواصلات وروابط کے راستوں کو آسان کیا، زمینوں کی اصلاح کی، اور لوگوں کو رغبت دلائی کہ ہجرت کر کے جہادی مراکز کے پاس سکونت اختیار کریں، اسلام کی نشر واشاعت اور مجاہدین کو نفری قوت وسامان جنگ

❶ أخبار عمر، ص: ۱۲۶۔ عصر الخلافۃ الراشدۃ، ص: ۲۲۷

❷ أخبار عمر، ازرقی: ۱/ ۲۵۳۔ أخبار عمر، ص: ۱۲۶

❸ عصر الخلافۃ الراشدۃ، ص: ۲۲۸

❹ الدور السیاسی، صفوۃ، ص ۱۸۹، ۱۹۰

❺ الاحکام السلطانیۃ، الماوردی، ص: ۱۸۷، ۱۸۸

پہنچانے کے لیے مفتوحہ شہروں کی طرف منتقل ہو جائیں۔ اس دوران میں جو سب سے اہم شہر بسائے گئے، [1] وہ بصرہ، کوفہ، موصل، فسطاط، جیزہ اور سرت تھے۔ [2] اسلامی افواج کے قبائل اور جھنڈوں کے اعتبار سے مکانات تیار کیے گئے اور ان شہروں کی منصوبہ بندی اور توزیع لشکر اسلام کے قبائل اور بٹالین کے اعتبار سے کی گئی۔ نیز ان شہروں میں رفاہ عام کی تعمیرات مثلاً مسجدیں اور بازار بھی بنائے گئے، ہر شہر کے لیے ایک چراگاہ بنائی گئی جس میں مجاہدین کے گھوڑے اور اونٹ چر سکیں۔ آپ نے لوگوں کو رغبت دلائی کہ وہ اپنے بال بچوں کو لے کر حجاز کے شہروں اور جزیرہ عرب کے دور دراز علاقوں کو چھوڑ کر ان شہروں میں آباد ہو جائیں تاکہ یہ شہر فوجی اڈوں کا کام کریں، یہاں مجاہدین کا لشکر تیار کیا جائے اور اسے مدد بہم پہنچائی جائے تاکہ وہ دشمن کی سرزمین میں اندر تک گھس جائیں اور وہاں اسلام کی دعوت دیں، آپ نے ان شہروں کا خاکہ تیار کرتے وقت فوجی کمانڈروں کو حکم دیا تھا کہ دارالحکومت سے ان شہروں تک بہترین سڑک تیار کی جائے، درمیان میں سمندر و دریا حائل نہ ہوں، اس لیے کہ آپ اس وقت سمندری سواری سے عربوں کی عدم واقفیت سے ڈرتے تھے۔ لیکن جب مصر میں اسلامی افواج کا مشاہدہ کر لیا کہ ان میں دریائی و سمندری راستوں کو پار کرنے کی صلاحیت ہے تو عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو کھاڑی کی شکل میں وہ نہر کھودنے کی اجازت دے دی جو دریائے نیل اور بحر احمر کے درمیان بہنے لگی اور اسی راستے سے غلہ وغیرہ کی امداد مصر سے حجاز پہنچائی جانے لگی۔ [3]

۴۔ مفتوحہ شہروں میں فوجی چھاؤنیاں:

مفتوحہ ممالک کے تمام شہروں میں اور خاص طور سے شام کے شہروں میں سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جن فوجی چھاؤنیوں کو قائم کیا انہیں آپ نے اجناد (لشکر) کا نام دیا، چنانچہ آپ نے ان شہروں میں فوجی چھاؤنیاں بنائیں، ان میں فوج کے رہنے کے لیے بیرکیں بنائیں گھوڑوں کے اصطبل بنائے جن میں بیک وقت کم از کم چار ہزار گھوڑے ساز و سامان اور پوری تیاری کے ساتھ ہر وقت تیار رہتے تھے۔ [4] ایسی تیاری کا مقصد محض یہ تھا کہ اگر اچانک ضرورت پیش آ جائے تو معمولی وقت میں چھتیس ہزار (۳۶۰۰۰) سے زیادہ شہسوار مجاہدین کا یہ دستہ صرف ملک شام سے میدانِ جنگ کے لیے فوراً نکل پڑے، ہر فوجی چھاؤنی میں آپ نے گھوڑوں کے لیے وسیع و عریض چراگاہ بھی تیار کرائی تھی، اور حکم الٰہی کی تنفیذ میں رمزی علامت کے طور پر ہر گھوڑے کی ران پر داغ کر یہ لکھ دیا جاتا: ((جَيْشٌ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ .)) یعنی یہ لشکر اللہ کے راستے میں جہاد کے لیے (وقف) ہے۔

---

[1] اقتصادیات الحرب فی الإسلام، د/ غازی بن سالم، ص: ۲٤٥

[2] تاريخ الدعوة الإسلامية، د/ جميل المصری، ص: ۳۳، ۳٤۰

[3] اقتصادیات الحرب فی الإسلام، ص: ۲٤٥

[4] البداية والنهاية: ۷/ ۱۳۸۔ تاريخ الدعوة، ص: ۳٤۱

- ملک شام کی فوجی چھاؤنیاں
- دمشق کی فوجی چھاؤنی
- حمص کی فوجی چھاؤنی
- قنسرین کی فوجی چھاؤنی
- فلسطین کی فوجی چھاؤنی
- اردن کی فوجی چھاؤنی (تفصیل کے لیے دیکھیے: سیرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، ص: ۳۷۶)

۵۔ قحط سالی کے موقع پر شرعی حد کے نفاذ پر پابندی:

قحط سالی کے موقع پر عمر رضی اللہ عنہ نے چوری کی شرعی حد کے نفاذ پر پابندی لگا دی۔ آپ نے یہ اقدام شرعی حد کو موقوف و معطل کرنے کی نیت سے نہیں کیا تھا جیسا کہ بعض لوگ لکھتے ہیں، بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ چوری کے جرم میں شرعی حد کی تنفیذ کے لیے مطلوبہ شرائط موجود نہ تھیں، آپ کے پیش نظر یہ بات تھی کہ جو شخص قحط اور کھانا نہ ملنے کی حالت میں دوسرے کی ملکیت سے کچھ کھا پی لیتا ہے تو اس کی نیت چوری نہیں ہوتی اور وہ غیر ارادی طور پر یہ عمل انجام دیتا ہے اور اسی وجہ سے آپ نے ان غلاموں کا ہاتھ نہیں کاٹا جنھوں نے اونٹنی کو چوری کرکے ذبح کرلیا تھا، بلکہ آپ نے ان کے مالک حاطب کو حکم دیا کہ اونٹنی کی قیمت ادا کریں۔ [1]

آپ نے فرمایا: کھجور کے خوشے کی چوری اور قحط سالی کے موقع پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ [2]

چناں چہ ہم دیکھتے ہیں کہ فقہی مذاہب بھی سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی فقہ واجتہاد سے کافی حد تک متاثر ہیں، اسی فاروقی اجتہاد کے پیش نظر امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا قول ہے کہ قحط سالی اور بھوک کے موقع پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، یعنی محتاج اگر ایک لقمہ کھانے کے لیے مر رہا ہو اور ایسی حالت میں اپنی خوراک کی مقدار میں کھانا چوری کرلے تو اس پر ہاتھ کاٹنے کی شرعی حد نہیں نافذ ہوگی، اس لیے کہ وہ اضطراری یعنی مجبوری ولاچاری کی حالت میں ہے۔

علامہ جوزجانی نے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: قحط سالی کے ایام میں ہاتھ نہ کاٹا جائے۔ میں نے اس مسئلہ میں امام احمد سے پوچھا کہ کیا آپ بھی اس کے قائل ہیں؟ تو انہوں نے کہا: ہاں اللہ کی قسم اگر ایک لقمہ کھانے کی ضرورت نے اسے چوری پر مجبور کیا اس حالت میں کہ لوگ قحط و بھوک کی زندگی گزار رہے ہوں تو میں اس کا ہاتھ نہیں کاٹوں گا۔ [3]

۶۔ طاعون:

۱۸ھ میں ایک بھیانک وہولناک حادثہ پیش آیا، [4] تاریخی مصادر ومراجع میں اسے ''طاعون عمواس'' کے

---

[1] الخلافة والخلفاء الراشدون، سالم البهنساوي، ص: ١٦٥
[2] مصنف عبد الرزاق: ١٠/ ٢٤٢
[3] المغني، ابن قدامة: ٨/ ٢٧٨
[4] تاريخ القضاعي، ص: ٢٩٤

نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ عمواس ایک چھوٹی سی بستی ہے، جو ''بیت المقدس'' اور ''رملۃ'' کے درمیان واقع ہے، یہیں سب سے پہلے طاعون کی وبا پھوٹی تھی اور پھر پورے شام کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا، اس لیے اس بستی کی طرف نسبت کرتے ہوئے اسے طاعون عمواس کہا جانے لگا۔ [1]

میرے محدود علم کے مطابق اس بیماری کا سب سے جامع تعارف جنھوں نے پیش کیا ہے وہ ابن حجر رحمہ اللہ ہیں۔ انہوں نے طاعون کے بارے میں متعدد اقوال ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ''اہل لغت، فقہاء اور اطباء کے ذریعہ سے اس کی جو تعریف وحقیقت مجھ تک پہنچی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی عضو میں خون کے یکجا جم جانے یا خون میں ہیجان وتیزی ہو جانے کی وجہ سے اس عضو میں پھوڑے کی طرح خطرناک ورم ہو جانے اور اسے بے کار کر دینے کو طاعون کہتے ہیں اور اس کے علاوہ دیگر اسباب مثلاً فضا وموسم کی خرابی سے لاحق ہونے والے امراض کو مجازی طور پر طاعون کہا جاتا ہے، کیونکہ اس مرض کے تیزی سے پھیلاؤ اور موت کی کثرت میں دونوں مشترک ہوتے ہیں۔ [2] اس بیماری کے اصل سبب کی تشخیص میں فرق کا لحاظ اس لیے کیا گیا ہے تاکہ عام وبائی امراض اور طاعون میں فرق کیا جاسکے، اور یہ رخ متعین کیا جاسکے کہ وہ حدیث نبوی ﷺ بالکل صحیح ہے جس میں وارد ہے کہ ''طاعون'' مدینہ منورہ میں داخل نہ ہو سکے گا جب کہ ''وباء'' اس میں داخل ہوگی، اور پچھلی صدیوں میں اس کی مثال بھی گزر چکی ہے۔ [3] اس وقت طاعون کی بیماری اس لیے پھیلی تھی کہ مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان طویل خونریزی، مقتولین کی کثرت، فضا کے تعفن، اور مردہ لاشوں کی سڑاند کی کثرت ہوگئی تھی، اور اسی کے نتیجہ میں اس کا پھیلنا ایک فطری عمل تھا، تاہم یہ سب کچھ اللہ کی حکمت وقدرت پر مبنی تھا۔ [4]

حجاز وشام کی سرحد ''سَرْغ'' سے عمر رضی اللہ عنہ کا واپس لوٹنا:

۱۷ھ میں عمر رضی اللہ عنہ نے دوبارہ شام جانے کا ارادہ کیا، چنانچہ آپ مہاجرین وانصار کو اپنے ساتھ لے کر شام کی طرف روانہ ہوئے، جب حجاز وشام کی سرحد پر مقام ''سرغ'' پہنچے تو فوج کے کمانڈروں نے آپ سے ملاقات کی اور بتایا کہ سرزمین شام میں بیماری پھیلی ہوئی ہے، اس وقت ''طاعون'' نے ملک شام کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا، آپ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا اور پھر واپس لوٹنے کا فیصلہ کرلیا، اس وقت آپ اور دیگر بعض صحابہ میں کیا گفتگو ہوئی اس کو میں ''شورائیت'' کے باب میں تفصیل سے ذکر کر چکا ہوں۔ [5]

عمر رضی اللہ عنہ کے واپس لوٹ جانے کے بعد طوفانی شکل میں طاعون کی بیماری پھیلی جسے طاعون عمواس کا نام دیا

---

1. خلاصۃ تاریخ ابن کثیر، محمد کنعان، ص: ۲۳۶
2. فتح الباری: ۱۰/ ۱۸۰
3. أبو عبیدہ عامر بن الجراح، محمد شُرّاب، ص: ۲۲۰
4. الخلفاء الراشدون، النجار، ص: ۲۲٤
5. الخلفاء الراشدون، النجار، ص: ۲۲۲، ۲۲۳

جاتا ہے، اس کا زیادہ اثر شام میں تھا۔ اس میں بہت سارے اللہ کے محبوب بندے وفات پا گئے۔ جیسے کہ ابوعبیدہ ابن جراح رضی اللہ عنہ، جو وہاں کے امیر تھے، معاذ بن جبل، یزید بن ابی سفیان اور حارث بن ہشام رضی اللہ عنہم آخر الذکر کے بارے میں ایک قول یہ بھی ہے کہ آپ معرکہ یرموک میں شہید ہوئے، نیز سہیل بن عمرو اور عتبہ بن سہیل رضی اللہ عنہما اور دیگر مشاہیر جاں بحق ہوئے اور جب عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ وہاں کے امیر بنائے گئے تب یہ وبا وہاں سے ختم ہوئی، چنانچہ زمام امارت ہاتھ میں لینے کے بعد آپ نے خطبہ دیا اور کہا: اے لوگو! یہ بیماری جب واقع ہوتی ہے تو آگ کی طرح بھڑک اٹھتی ہے، اس سے بھاگ کر پہاڑوں میں پناہ لو، چنانچہ آپ خود وہاں سے نکل گئے اور لوگ بھی آپ کے ساتھ نکلے، پھر مختلف مقامات پر منتشر ہوگئے یہاں تک کہ اللہ نے ان سے اس مصیبت کو دور کر دیا۔ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے اس عمل و تدبیر کی خبر عمر رضی اللہ عنہ کو بھی پہنچی لیکن آپ نے اسے ناپسند نہیں کیا۔ [1]

ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی وفات:

جب طاعون کی وبا پھیل گئی اور کو اس کی خبر عمر رضی اللہ عنہ پہنچی تو آپ نے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے نام ایک خط تحریر کیا، مقصد یہ تھا کہ ان کو وہاں سے نکال لیں، خط کا مضمون یہ تھا:

> ''سَلَامٌ عَلَيْكَ، اما بعد: مجھے تم سے ایک اہم ضرورت آپڑی ہے جس میں براہِ راست میں تم سے بات کرنا چاہتا ہوں، لہٰذا جب تم اس خط کو پڑھو تو اس سے پہلے کہ خط اپنے ہاتھ میں رکھو میری طرف روانہ ہو جاؤ۔''

ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے خط کے مضمون سے اندازہ کر لیا کہ مجھ پر شفقت و مہربانی کے پیش نظر امیر المومنین کا مقصد مجھے اس وبا سے بچانا ہے۔ چنانچہ آپ نے کہا کہ ''اللہ تعالیٰ امیر المومنین کی مغفرت فرمائے!'' اور پھر خط کا جواب یوں تحریر کیا:

> ''اے امیر المومنین! آپ کو مجھ سے جو ضرورت ہے میں نے اسے بخوبی سمجھ لیا، میں مسلمانوں کے فوجی لشکر میں ہوں، ان کو چھوڑ کر جانے کو میری طبیعت تیار نہیں، میں ان کی جدائی کا ارادہ نہیں رکھتا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ میرے اور ان کے بارے میں اپنا حکم و فیصلہ نافذ کر دے۔ لہٰذا اے امیر المومنین مجھے اپنے عزم و ارادے سے آزاد کر دیجیے اور مجھے اپنی فوج میں چھوڑ دیجیے۔''

جب عمر رضی اللہ عنہ نے یہ جواب نامہ پڑھا تو رونے لگے۔ لوگوں نے کہا: اے امیر المومنین کیا ابوعبیدہ کی وفات ہوگئی؟ آپ نے فرمایا: گویا یہی سمجھو۔ راوی کا بیان ہے کہ پھر آپ نے ابوعبیدہ کے نام خط لکھا:

> ''سَلَامٌ عَلَيْكَ، اما بعد: تم نے لوگوں کو پست اور گہری زمین میں اتارا ہے، انہیں لے کر بلند اور ستھری زمین میں جاؤ۔''

[1] الخلفاء الراشدون، النجار، ص: ۲۲۵۔ تاریخ الطبری: ۵/ ۳۶.

چنانچہ جب امیر المومنین کا یہ خط ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو ملا تو آپ نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو بلایا اور کہا: اے ابوموسیٰ میرے پاس امیر المومنین کا خط آیا ہے، تم اسے دیکھ رہے ہو، لہٰذا جاؤ، اور لوگوں کے لیے بہترین رہائش گاہ تلاش کرو اور پھر ان کو لے کر میں تمہارے پاس آتا ہوں۔ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ اپنے گھر واپس گئے وہاں دیکھا کہ ان کی بیوی بھی طاعون کی بیماری میں مبتلا ہو چکی ہیں۔ یہ دیکھ کر ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور انہیں صورتِ حال سے آگاہ کیا، پھر ابوعبیدہ نے اپنا گھوڑا تیار کرنے کا حکم دیا اور جونہی اپنا پیر گھوڑے کے پالان پر رکھا طاعون نے ان کو آدبوچا، پھر آپ کہنے لگے: اللہ کی قسم میں بھی اس میں مبتلا ہو گیا ہوں۔ ❶

عروہ سے روایت ہے کہ طاعون عمواس کی تکلیف سے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اور ان کے گھرانے کے لوگ محفوظ تھے، لیکن ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ! آل ابوعبیدہ میں تیرا حق ہے، پھر ان کو ایک پھنسی نکلی، آپ اس کو دیکھنے لگے، لوگوں نے کہا: یہ تو بہت معمولی چیز ہے۔ آپ نے کہا: نہیں، میں امید کرتا ہوں کہ اللہ اس پھنسی نماز خم میں ضرور برکت دے گا۔ ❷

طاعون کی بیماری میں مبتلا ہونے سے پہلے آپ لوگوں میں کھڑے ہوئے اور یہ خطبہ دیا: اے لوگو! یہ بیماری تمہارے ربّ کی طرف سے تمہارے لیے رحمت ہے، اور تمہارے نبی محمد ﷺ کی دعا کی برکت ہے، اور تم سے پہلے نیکوکاروں کی موت کا سبب ہے، ابوعبیدہ اللہ سے سوال کرتا ہے کہ اپنی طرف سے وہ اس کا (طاعون) حصہ اسے بھی دے دے۔ ❸

چنانچہ جب آپ طاعون میں مبتلا ہو گئے تو مسلمانوں کو بلوایا، وہ آپ کے پاس آئے، آپ نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا: میں تم کو ایک نصیحت کرنا چاہتا ہوں، اگر تم اسے مان گئے تو جب تک زندہ رہو گے اور مرنے کے بعد بھی بخیر وعافیت رہو گے، نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو، روزے رکھو، صدقہ وخیرات کرو، حج وعمرہ کرو، آپس میں محبت اور صلہ رحمی کو رواج دو، اپنے حکمرانوں سے سچ بات کہو، ان کو دھوکہ نہ دو، یاد رہے! دنیا تمہیں غافل نہ بنا دے، کیونکہ ایک شخص اگرچہ ہزاروں سال کی عمر سے نواز دیا جائے تاہم اسے اسی چوکھٹ یعنی موت سے گزرنا ہے جس سے اس وقت میں گزر رہا ہوں، اور تم دیکھ رہے ہو اللہ نے تمام انسانوں پر موت لکھ دی ہے، سب یقیناً مرنے والے ہیں، ان میں سب سے ہوشیار وہ ہے جو اپنے ربّ کا سب سے زیادہ مطیع، اور آخرت کے لیے سب سے زیادہ توشہ تیار کرنے والا ہے۔ پھر آپ نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے کہا: اے معاذ! لوگوں کو نماز پڑھاؤ، آپ نے سب کو نماز پڑھائی، اور پھر ابوعبیدہ رحمہ اللّٰہ ومغفرتہ ورضوانہ کی وفات ہو گئی۔ ❹

اس کے بعد معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ لوگوں میں کھڑے ہوئے اور کہا: ''اے لوگو! اللہ سے توبہ کرو اور سچے دل

---

❶ تاریخ الطبری: ٥/ ٣٥
❷ تاریخ الذهبی، ص: ١٧٤
❸ تاریخ الطبری: ٥/ ٣٦
❹ الاکتفاء: ٣/ ٣٠٦

سے توبہ کرو، کیونکہ بندہ اگر اللہ سے اس حال میں ملتا ہے کہ اپنے گناہوں سے توبہ کرنے والا ہو تو اللہ پر اس کا حق ہوتا ہے کہ وہ اس کے گناہوں کو بخش دے، اور جس آدمی پر قرض ہو وہ اسے ادا کر دے، کیونکہ انسان اپنے قرض کے بدلے رہن پر ہوتا ہے۔ تم میں سے جس نے کسی مسلمان سے لڑائی کی حالت میں صبح کی اسے چاہیے کہ اس سے جا کر ملے، اور صلح کر لے، اور اس سے مصافحہ کر لے، کیونکہ کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ اپنے مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع تعلق کرے، اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا گناہ بہت بڑا ہے۔ اے مسلمانو! تمہیں ایک عظیم شخصیت کی موت کا صدمہ پہنچا ہے۔ اللہ کی قسم میں نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے نرم طبیعت والا، نیک وصاف دل، کینہ وبرائی سے دور، عوام کے لیے خیر خواہ اور شفقت ومہربانی والا، ان سے بڑھ کر کوئی اور ہو، پس تم ان کے لیے رحمت الٰہی کی دعا کرو، پھر اِن پر نماز جنازہ کے لیے جمع ہو جاؤ، اللہ تعالیٰ ان کے تمام گناہوں سے درگزر فرمائے۔ اللہ کی قسم اِن جیسا تم پر کوئی حاکم نہ آئے گا۔'' یہ سن کر لوگ اکٹھے ہوئے اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا جنازہ لایا گیا، معاذ رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ یہاں تک کہ جب آپ کے جسد خاکی کو قبر کے پاس لایا گیا تو آپ کی قبر میں معاذ، عمرو بن عاص، اور ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہم داخل ہوئے، پھر جب لوگوں نے آپ کی قبر پر مٹی ڈالنا شروع کی تو معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اے ابوعبیدہ! تجھ پر اللہ کی رحمت برسے۔ اللہ کی قسم میں ابوعبیدہ کے بارے میں جتنا جانتا ہوں اتنی تعریف ضرور بالضرور کروں گا۔ یقیناً جھوٹی تعریف نہ کروں گا، مجھے ڈر ہے کہ کہیں اللہ کا غصہ مجھے نہ گھیر لے۔ اے ابوعبیدہ! میرے علم کے مطابق تو ان پارسا لوگوں میں سے تھا جو اللہ کو بکثرت یاد کرتے ہیں، اور تیری ذات ان لوگوں میں سے تھی جو روئے زمین پر عاجزی وتواضع سے چلتے ہیں، اور جب جاہل وناعاقبت اندیش لوگ انہیں مخاطب کرتے ہیں تو ان سے درگزر کرتے ہیں۔ اور تو ان لوگوں میں سے تھا، جو اپنے ربّ کے لیے سجدہ وقیام کی حالت میں رات گزارتے ہیں، تو ان عادل لوگوں میں سے تھا کہ جب وہ خرچ کرتے ہیں تو اسراف نہیں کرتے، اور نہ کنجوسی سے کام لیتے ہیں، بلکہ درمیانی راستہ اپناتے ہیں۔ اللہ کی قسم! تم میرے علم کی حد تک عاجزی کرنے والوں، تواضع پسندوں اور یتیموں ومسکینوں پر رحم کرنے والوں میں سے تھے اور ان میں سے تھے جو سنگ دل ومتکبر سے نفرت کرتے ہیں۔'' [1]

ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے فوت ہونے پر معاذ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کوئی غمگین اور پریشان نہ تھا۔ [2]

معاذ رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر دیتے ہوئے یہ خط لکھا:

''اما بعد! میں اس شخص کے سلسلہ میں اللہ سے ثواب کی امید رکھوں جو اللہ کا امین تھا اور اس کی نگاہ

[1] الاکتفاء: ۳/ ۳۰۷ [2] الاکتفاء: ۳/ ۳۰۷

میں اللہ کی بڑی عظمت تھی، اے امیر المومنین! وہ ہمیں اور آپ کو بھی نہایت عزیز تھا، میری مراد ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے تمام گناہوں کو بخش دے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ہم عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ اللہ کے پاس نیکوکاروں میں سے ہیں، ان کے حق میں بھلائی کے لیے اللہ پر مکمل اعتماد کرتے ہیں۔ میں نے یہ خط آپ کے پاس تحریر کیا ہے درآنحالیکہ موت اور طاعون کی وباء نے پڑاؤ ڈال دیا ہے، کسی کی موت اس کی ذات سے خطا نہیں کر سکی، جو اب تک زندہ ہے وہ بھی عنقریب وفات پانے والا ہے۔ اللہ نے اس کے لیے اپنے پاس جو کچھ باقی رکھا ہے وہ اس کے لیے بہتر ہے اور اگر اس نے ہمیں زندہ رکھا یا فوت کر دیا تو بھی اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں اور عوام وخواص کی طرف سے آپ کو بہترین بدلہ عطا فرمائے۔ آپ اس کی رحمت، مغفرت، رضامندی اور جنت سے نوازے جائیں۔ والسلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔'' [1]

جب یہ خط عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا تو آپ اس کو پڑھ کر رونے لگے اور بہت زیادہ روئے، اور ساتھیوں کو ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر سنائی۔ [2] خبر سن کر سب لوگ رونے لگے اور سب کے سب قضاء وقدر سے راضی رہتے ہوئے بہت ہی رنجیدہ وغمگین ہوئے۔

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی وفات:

ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد چند دنوں تک معاذ رضی اللہ عنہ لوگوں کو نماز پڑھاتے رہے، ادھر طاعون کی وبا سخت ہوگئی اور لوگوں کی کثرت سے موت ہونے لگی، آپ بحیثیت خطیب کھڑے ہوئے اور کہا: اے لوگو! طاعون کی یہ بیماری تمہارے ربّ کی طرف سے رحمت، اور تمہارے نبی محمد ﷺ کی دعا کی قبولیت اور تم سے پہلے صالحین کی موت کا سبب ہے اور معاذ اللہ سے سوال کرتا ہے کہ آلِ معاذ کے لیے اس بیماری سے ان کا حصہ عطا کر دے، چنانچہ آپ کے صاحبزادے عبدالرحمٰن بن معاذ طاعون کا شکار ہوگئے۔ [3] جب آپ نے اپنے صاحبزادے کو دیکھا تو کہا:

﴿اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝﴾ (البقرۃ: ۱۴۷)

''حق وہی ہے جو تیرا ربّ کہے، تو ہرگز ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہو۔''

اور کہا اے میرے بیٹے:

﴿سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ۝﴾ (الصافات: ۱۰۲)

''اگر اللہ نے چاہا تو تم مجھے صبر کرنے والوں میں سے پاؤ گے۔''

---

[1] الاکتفاء: ۳/ ۳۰۹ [2] الاکتفاء: ۳/ ۳۱۰

[3] تاریخ الطبری: ۵/ ۳۶

پھر تھوڑی ہی دیر بعد آپ کے صاحبزادے وفات پا گئے اور معاذ رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور ان کو دفن کیا جب آپ گھر واپس لوٹے تو آپ کو بھی طاعون نے آ گھیرا اور پھر رفتہ رفتہ تکلیف بڑھتی گئی، لوگ باری باری آپ سے ملنے آنے لگے۔ جب وہ آپ کے پاس آتے تو آپ ان کی طرف متوجہ ہوتے اور ان سے کہتے: ''عمل کرو، تم مہلت، زندگی اور باقی ماندہ عمر کو کارآمد بناؤ، اس سے پہلے کہ تمہیں عمل کرنے کے لیے تمنا کرنی پڑے اور تم اس کے لیے مہلت نہ پاؤ۔ موت آنے سے پہلے جو کچھ تمہیں میسر آئے اللہ کے راستے میں خرچ کرو، اور اسی حسن عمل کو اپنے بعد والوں کے لیے میراث چھوڑو، اور جان لو کہ تمہارا مال صرف وہی ہے جو تم نے کھا پی لیا اور پہن لیا اور خرچ کر لیا اور گزر گئے۔ اس کے علاوہ جو کچھ بچے گا وہ تو تمہارے ورثاء کا ہے۔ جب آپ کی تکلیف میں شدت آ گئی تو آپ کہنے لگے: ''اے اللہ میری جان جلدی سے نکال لے۔ [1] میں یقین رکھتا ہوں کہ تجھ سے میری محبت کا تجھے بخوبی علم ہے۔ [2] جب موت آ پہنچی تو آپ نے کہا: موت کو مبارکباد ہو، ایسے زیارت کرنے والے کو خوش آمدید ہے جو میرے فاقہ کی حالت میں یہاں آیا، جو اس سے شرمائے گا وہ کامیاب نہ ہوگا۔ اے اللہ تو جانتا ہے کہ میں دنیا میں نہریں جاری کرنے اور درخت لگانے کے لیے زندہ رہنا پسند نہیں کرتا تھا بلکہ اس لیے زندگی کی بقا چاہتا تھا تاکہ طویل رات میں عبادت کی مشقتیں برداشت کرنے، دن کی لمبی گھڑیاں اطاعت وعبادت میں گزارنے، سخت گرمی کے موسم میں عبادت کے ذریعہ سے گرمی کی حدت کو کم کرنے اور ذکر کے حلقوں میں شریک ہو کر علماء کے گروہ میں شرکت کرنے کا خود کو پابند رکھوں۔'' [3]
جس وقت آپ کی وفات ہوئی اس وقت آپ کی عمر اڑتیس (۳۸) برس تھی۔ [4] آپ کے بعد عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ آپ کے جانشین ہوئے، انہوں نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی، آپ کی قبر میں داخل ہوئے اور آپ کو لحد میں رکھا، آپ کے ساتھ دوسرے مسلمان بھی قبر میں داخل ہوئے، اور جب عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ قبر سے باہر آئے تو کہا: اے معاذ! اللہ تم پر رحم فرمائے، ہمارے علم کے مطابق تم مسلمانوں کے خیر خواہ اور ان کے چنیدہ لوگوں میں سے تھے، تم جاہلوں کو ادب سکھانے والے، فاجروں پر سخت اور مومنوں کے لیے رحم دل تھے۔ [5]

ابوعبیدہ اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما کی وفات کے بعد اسلامی لشکر کی قیادت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے ذمہ آ گئی، آپ نے اس موقع پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: اے لوگو! طاعون کی یہ بیماری جب واقع ہوتی ہے تو آگ کی طرح بھڑک اٹھتی ہے، لہٰذا تم یہاں سے نکل کر پہاڑوں میں پناہ لے لو، پھر آپ خود وہاں سے نکل گئے اور دوسرے لوگ بھی آپ کے ساتھ نکلے اور پھر مختلف مقامات پر منتشر ہو گئے اور اللہ نے ان سے اس مصیبت کو دور کر دیا۔ [6]

---

[1] الاکتفاء: ۳/ ۳۰۸
[2] الاکتفاء: ۳/ ۳۰۸
[3] حلیة الأولیاء: ۱/ ۲۸۸ تا ۲٤٤
[4] حلیة الأولیاء: ۱/ ۲۸۸ تا ۲٤٤
[5] الاکتفاء: ۳/ ۳۰۹
[6] البدایة والنهایة: ۷/ ۹۵

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ کو یہ خط لکھا:

''سَلَامٌ عَلَيْكَ ، بے شک میں آپ کے بارے میں اس اللہ جل شانہ کا شکر گزار ہوں جس کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں ہے۔ اما بعد! معلوم ہو کہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ وفات پا چکے ہیں اور مسلمانوں میں موت تیزی سے پھیل چکی ہے، لوگوں نے صحرا کی طرف بھاگ نکلنے کی مجھ سے اجازت مانگی، حالانکہ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ مقیم کی اقامت اسے اس کی موت کے قریب نہیں کرتی، اور نہ بھاگنے والے کا بھاگنا اسے اس کی موت سے دور کرتا ہے، اور نہ اس سے اس کی قسمت کو روکا جا سکتا ہے۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔'' ❶

چنانچہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا خط امیر المومنین کو موصول ہوا جس میں معاذ رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر تھی اور معاذ رضی اللہ عنہ کی وفات ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ہوئی۔ معاذ رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر سے آپ بہت ہی بے تاب وپریشان ہوئے، آپ اور دیگر مسلمان رونے لگے، اور اس حادثہ پر بہت غمگین ہوئے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ معاذ پر رحم فرمائے، اس نے معاذ کو وفات دے کر اس امت سے بہت زیادہ علم اٹھا لیا۔ بسا اوقات ان کے مشورے بہتر ہوتے تھے اور ہم نے اسے قبول کیا، اور دیکھا کہ ہمیں اس کا بہت فائدہ ہوا ان کے علم نے بہت نفع دیا، اور خیر کی طرف ہماری رہنمائی کی، اللہ تعالیٰ اسے نیکوکاروں کا بدلہ عطا کرے۔ ❷

شہرت یافتہ مسلم قائدین میں تیسرے فرد جو طاعون کی بیماری میں مبتلا ہوئے اور بنوسفیان کے سب سے افضل فرد مانے جاتے تھے اور جنہیں یزید الخیر کہا جاتا تھا وہ یزید بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما ہیں۔ نیز طاعون عمواس میں عظیم مسلم جرنیلوں میں جنہیں طاعون کے ذریعہ سے شہادت ملی ان میں شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کا نام آتا ہے۔ ❸

عمر رضی اللہ عنہ کی شام روانگی اور وہاں کے معاملات کو منظم کرنا:

عمر فاروق رضی اللہ عنہ شام میں طاعون کی وجہ سے اپنے عظیم جرنیلوں اور شیر دل مسلم سپہ سالاروں کی وفات سے بہت پریشان ہوئے اور آپ کو بہت غم لاحق ہوا، آپ کے پاس بعد میں وہاں کے افسران وذمہ داران کے کئی خطوط آئے، وہ سب شہدائے طاعون عمواس کی متروکہ میراث اور چند نئے معاملات سے متعلق آپ سے پوچھ رہے تھے۔ آپ نے لوگوں کو اکٹھا کیا اور نئے پیش آمدہ مسائل پر ان سے مشورہ لیا، اور پھر آپ نے عزم کر لیا کہ مسلمانوں کے شہروں میں خود جا کر ان کے حالات معلوم کریں گے تاکہ ان کے معاملات کو منظم کر سکیں۔ چنانچہ مجلس شوریٰ میں لوگوں سے رائے اور مشورہ کرنے کے بعد آپ نے یہ فیصلہ کیا کہ اس کام کی انجام دہی سب سے پہلے شام سے شروع کریں، اور تقدیم کی وجہ جواز بتاتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ شام والوں کی میراث ضائع

❶ مجموعة الوثائق السياسية، ص: ٤٩٠ ❷ الاكتفاء: ٣/ ٣١٠

❸ الكامل فى التاريخ: ٢/ ١٧١، ١٧٢ ـ تاريخ الذهبى، ص: ١٨١

ہوگئی، لہٰذا میں شام سے اپنا دورہ شروع کروں گا، ان میں میراث تقسیم کروں گا اوران کی خاطر جو کرنا چاہتا ہوں کروں گا۔ پھر وہاں سے لوٹوں گا، ہر ہر شہر میں جاؤں گا اوران کے سامنے اپنی بات رکھوں گا۔ چنانچہ آپ مدینہ سے روانہ ہوئے اور مدینہ میں علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر کیا۔ [1] جب آپ شام پہنچے تو عطیات کو تقسیم کیا، موسم سرما اور گرما کی جنگی مہموں کے لیے فوجی دستوں کو متعین کیا، شام کی سرحدوں کو بند کردیا، افسران کو ذمہ داریاں سونپیں، عبداللہ بن قیس کو ہر ضلع کے ساحلی علاقوں کا افسر مقرر کیا، اور معاویہ رضی اللہ عنہ کو دمشق کا گورنر بنایا، فوج، جرنیلوں اور عوام الناس کے معاملات کو منظم کیا، فوت شدہ افراد کی میراث کو ورثاء میں تقسیم کیا، [2] اور جب نماز کا وقت ہوگیا تو لوگوں نے آپ سے مطالبہ کیا کہ بلال کو اذان دینے کا حکم فرمائیں، بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی، پھر جس نے بھی نبی ﷺ کی زندگی میں بلال رضی اللہ عنہ کی اذان سنی تھی سب رونے لگے یہاں تک کہ آنسوؤں سے ان کی داڑھیاں تر ہوگئیں، عمر رضی اللہ عنہ ان میں سب سے زیادہ رونے والے تھے اور جس نے بلال رضی اللہ عنہ کی اذان نہیں سنی وہ سب رونے والوں کو دیکھ کر اور نبی ﷺ کو یاد کرکے رونے لگے۔ [3]

مدینہ واپس لوٹنے سے پہلے آپ نے لوگوں کو خطبہ دیا اور کہا: سنو، میں تم پر ذمہ دار بنایا گیا ہوں، تمہارے جن معاملات کا اللہ نے مجھے نگران بنایا تھا میں نے ان شاء اللہ انہیں پورا کردیا ہے، ہم نے تمہارے درمیان تمہارے فے، مکانات اور اموال غنیمت کو کھول کھول کر رکھ دیا، جو ہمارے پاس تھا اسے تم تک پہنچا دیا، تمہارے لیے فوج کو تیار کردیا اور آسانیوں کو تمہیں بہم پہنچایا، تمہارے لیے ٹھکانے کا انتظام کیا، اور جتنا تمہارا مال فے تھا اسے تم کو دے دیا، تمہاری خوراک وغذا کو نامزد کردیا، تمہیں تمہارا عطیہ، روزی، اور اموالِ غنیمت دینے کا حکم دے دیا، لہٰذا جسے مزید کسی چیز کی ضرورت کا علم ہو اور اس پر عمل کرنا مناسب ہو تو اسے چاہیے کہ مجھے اس سے مطلع کر دے ہم اس پر عمل کریں گے، اِنْ شَاءَ اللّٰهُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ. [4]

آپ نے یہ خطبہ مذکورہ نماز سے پہلے دیا تھا، درحقیقت طاعون عمواس مسلمانوں کے لیے ایک عظیم ہلاکت تھی، اس میں بیس ہزار سے زائد افراد جاں بحق ہوئے، اور وفات کنندگان کی یہ تعداد باشندگان شام کی تقریباً نصف آبادی تھی، ایسا لگتا ہے کہ اموات کی کثرت دیکھ کر اس وقت مسلمان کچھ سہم گئے، اور روم والوں سے خطرہ محسوس کیا، اور یہ سچ بھی ہے کہ اگر روم والے مسلمانوں کے اس نازک وقت یعنی مجاہدین اسلام کی کمی پر ذرا بھی دھیان دے دیتے اور اسلامی شہروں پر حملہ بول دیتے تو موجودہ فوج (ریزروفورس) کے لیے ان کو ہٹانا کافی مشکل ہوجاتا، لیکن چونکہ مایوسی وناامیدی اہل روم کے دلوں میں گھر کرگئی تھی اس لیے وہ مسلمانوں کی محاذ آرائی

[1] الفاروق عمر بن الخطاب، محمد رضا، ص: ۲۳۰

[2] الخلفاء الراشدون، النجار، ص: ۳۲۵۔ الفاروق، محمد رشید، ص: ۲۳۰

[3] خلاصة تاریخ ابن کثیر والخلافة الراشدة، ص: ۲۳٦

[4] البدایة والنهایة: ۷/ ۷۹

سے باز رہے، خصوصاً ایسے وقت میں کہ جب اسلامی شہروں کے غیر مسلم باشندے بھی مسلمانوں کی حکومت سے راضی تھے، اپنے عدل پرور حاکم اور اس کی خوش خلقی سے وہ دلی طور پر خوش تھے اور بغیر ان کی مدد کے شاہ روم کے اندر یہ سکت نہ تھی کہ شام کے مسلمانوں پر چڑھائی کرتا، خاص طور پر اگر مذکورہ سبب کے ساتھ ہم اس بات کو بھی دھیان میں رکھیں کہ رومی قوم جنگ سے اکتا چکی تھی، اسے ایسی قوم سے مقابلہ ومحاذ آرائی سے نجات اور مستقل راحت کی تلاش تھی کہ ہر موڑ پر نصرتِ الٰہی جس کی حلیف ٹھہری اور جس کے غلبہ وقوت کا رعب ہر انسان کے دل میں بیٹھ چکا تھا۔ [1]

[1] أشهر المشاهير: ٢/ ٣٦١

چوتھا باب

وزارت خزانہ، وزارت عدل اور عہد فاروقی میں ان کی ترقی

(ا)......وزارتِ خزانہ

ا۔ سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ملکی آمدنی کے ذرائع:

خلافت راشدہ کے دور میں مسلمانوں نے مال کو ہر اعتبار سے اللہ کی نعمت سمجھا اور یہ عقیدہ رکھا کہ انسان اس کا صرف ایک محافظ اور خلیفہ ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے شروط وحدود کی رعایت کرتے ہوئے اس میں تصرف کرسکتا ہے۔ چنانچہ قرآنِ کریم مال اوراس کے خرچ سے متعلق تمام چیزوں میں اس حقیقت کو موکد شکل میں پیش کرتا ہے:

ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ﴾ (الحدید: ۷)

"اللہ پر اوراس کے رسول پر ایمان لے آؤ، اوراس مال میں سے خرچ کرو جس میں اللہ نے تمہیں دوسروں کا جانشین بنایا ہے۔"

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کتاب وسنت کے احکامات کو نافذ کرنے میں لاثانی شخصیت کے حامل تھے، کسی چیز میں مسلمانوں کو چھوڑ کر خود کو ترجیح نہ دیتے تھے اور نہ مطلق العنان تھے کہ ان پر اپنی رائے تھوپتے، جب کوئی حادثہ پیش آتا آپ مسلمانوں کو اکٹھا کرتے اور ان سے مشورہ لیتے، پھر ان کی رائے کے مطابق فیصلہ کرتے۔ [1]

بہرحال عہد فاروقی میں دولت کے اہم مصادر وذرائع آمدنی کو یہاں مختصراً ذکر کیا جا رہا ہے:

۲: زکوٰۃ:

سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے راستہ وطرز عمل پر چلے اور منظم شکل میں "بیت الزکوٰۃ" قائم کیا، اور جب مفتوحہ ممالک کے بیشتر باشندے اسلام لے آئے تو آپ نے اسلامی حکومت وسلطنت کے مختلف علاقوں میں زکوٰۃ کی وصولی کے لیے محصلین کو بھیجا۔ اس وصول یابی میں عدل پروری کی صفت خلافت راشدہ کی امتیازی شان تھی، اس میں بیت المال کے حقوق میں کسی قسم کی گڑبڑ کا قطعاً کوئی خطرہ نہ تھا۔ چنانچہ اسی نظام میں عدل کی روح کو تازگی بخشتے ہوئے عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اس محصل زکوٰۃ کو ڈانٹ پلائی جس نے

---

[1] مبادی النظام الاقتصادی الإسلامی، د/ سعاد إبراهيم صالح، ص: ۲۱۳

زکوٰۃ میں زیادہ دودھ دینے والی اور بڑے تھن والی بکری وصول کی تھی۔ آپ نے فرمایا:

''اس بکری کے مالک نے اسے بخوشی تمہیں نہیں دیا ہے، لوگوں کو آزمائش میں مت ڈالو۔'' [1]

باشندگان شام میں سے کچھ لوگ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا: ''ہمیں کچھ مال، گھوڑے اور غلام ملے ہیں، ہم چاہتے ہیں کہ ان میں زکوٰۃ دیں، اور اپنے اموال پاک کریں۔'' تو آپ نے فرمایا: ''مجھ سے پہلے میرے دونوں ساتھیوں نے جو کیا ہے میں وہی کروں گا۔'' پھر آپ نے اصحاب رسول ﷺ سے مشورہ لیا، ان میں علی رضی اللہ عنہ بھی تھے، علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ بہتر ہے، بشرطیکہ مقررہ جزیہ کی شکل میں نہ ہو جو آپ کے بعد ان سے وصول کیا جائے۔ [2]

۳۔ جزیہ:

جزیہ ایک ٹیکس ہے جسے اہل کتاب ذمیوں سے (ان کی حفاظت و ذمہ داری کے عوض) وصول کیا جاتا ہے۔ [3] اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اس سے مراد خراج ہے جسے کفار کو ذلیل و رسوا کرنے کے لیے ان پر فرض کیا جاتا ہے۔ [4] اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّىٰ يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَن يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ ﴿٢٩﴾﴾ (التوبة: ٢٩)

''لڑو ان لوگوں سے جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ یوم آخر پر اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کی ہیں اور نہ دین حق کو اختیار کرتے ہیں، ان لوگوں میں سے جنھیں کتاب دی گئی ہے، یہاں تک کہ وہ ہاتھ سے جزیہ دیں اور وہ حقیر ہوں۔''

جزیہ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ سے لیا جائے گا، یہ ایک متفق علیہ حکم ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، اور یہی حکم ان لوگوں کا بھی ہے جو اہل کتاب سے ملتے جلتے ہیں، یعنی مجوسی لوگ۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ شروع شروع میں مجوسیوں سے جزیہ لینے کے بارے میں متردد تھے، لیکن عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے عمل سے آگاہ کر کے کہ آپ نے ''ہجر'' کے مجوسیوں سے جزیہ لیا ہے اور آپ کے تردد کو ختم کر دیا۔ [5] چنانچہ ابن ابی شیبہ وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ قبر نبوی اور منبر رسول ﷺ کے درمیان کھڑے تھے تو آپ نے

---

[1] الموطأ، مالك: ١/ ٢٥٦۔ عصر الخلافة الراشدة، ص: ١٩٤

[2] مسند أحمد، حديث نمبر: ٨٢۔ اس کی سند صحیح ہے۔ الموسوعة الحديثية

[3] السياسة الشرعية، ابن تيميه، ص: ١١٣، ١١٤۔ المعاهدات فى الشريعة، د/ الديك، ص: ٣١٣

[4] اهل الذمة فى الحضارة الاسلامية، حسن المِمّى، ص: ٣٩

[5] موسوعة فقه عمر بن الخطاب، ص: ٢٣٥

کہا: سمجھ میں نہیں آتا کہ مجوسیوں کے ساتھ کیا کروں؟ وہ اہل کتاب نہیں ہیں، تو عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

((سُنُّوْا بِهِمْ سُنَّةَ أَهْلِ الْكِتَابِ .)) ❶

''ان کے ساتھ اہل کتاب کا سا برتاؤ کرو۔''

اور دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ مجوسیوں سے جزیہ لینے کا ارادہ نہیں رکھتے تھے، لیکن جب عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ''ہجر'' کے مجوسیوں سے جزیہ لیا ہے تو آپ نے ان پر جزیہ لاگو کیا۔ ❷

علماء نے مجوسیوں سے جزیہ لینے کی علت یہ بتائی ہے کہ حقیقت میں وہ بھی اہل کتاب ہیں، بعد میں ان میں بگاڑ آیا کہ انہوں نے آگ کی پرستش شروع کردی۔ یہ واضح ہوجانے کے بعد آپ نے عراق والوں سے جزیہ لینا شروع کیا، نیز فارس کے مجوسیوں سے جزیہ وصول کیا، اور جزء بن معاویہ کو خط لکھا کہ تمہارے زیر انتظام

۴۔ تغلب کے نصاریٰ سے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کا دگنا صدقہ وصول کرنا:

جزیرہ عرب کے بعض نصاریٰ نے جزیہ ادا کرنے سے انکار کردیا، کیونکہ وہ اسے اپنے لیے باعث ذلت وحقارت سمجھتے تھے۔ ولید رضی اللہ عنہ نے نصاریٰ کے بڑوں، بزرگوں اور علماء کو سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا۔ آپ نے ان سے کہا: جزیہ دو، انہوں نے کہا: آپ ہمیں ہمارے جائے امن پر پہنچا دیں۔ اللہ کی قسم! اگر آپ نے ہم پر جزیہ مقرر کیا تو ہم روم کی سرزمین میں چلے جائیں گے، اللہ کی قسم آپ عربوں کے درمیان ہمیں رسوا کرتے ہیں۔ آپ نے ان سے فرمایا: تم نے بذاتِ خود اپنے کو رسوا کیا اور اپنی قوم کی مخالفت کی۔ اللہ کی قسم تمہیں ذلت ورسوائی برداشت کرتے ہوئے اسے ضرور ادا کرنا پڑے گا اور اگر تم روم بھاگ کر گئے تو حاکم روم کے پاس تمہارے متعلق خط لکھوں گا، پھر تمہیں قیدی بناؤں گا۔ انہوں نے کہا: آپ ہم سے کچھ لے لیں لیکن اسے جزیہ نہ کہیں۔ آپ نے فرمایا: ہم تو اسے جزیہ ہی کہیں گے، تم جو چاہے اسے نام دو۔ سیّدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: امیر المومنین! کیا سعد بن ابی وقاص نے ان لوگوں پر زکوٰۃ دوگنی نہیں کردی؟ آپ نے فرمایا: ہاں کی ہے اور پھر آپ نے معاملہ پر غور کیا تو ان کے لیے یہی بدلہ مناسب پایا، پھر وہ سب واپس چلے گئے۔ ❸

۵۔ عشور (کسٹم آمدنی):

عشور سے مراد وہ آمدنی ہے جسے اسلامی سلطنت سے گزرنے والی تجارت پر عائد کیا جاتا ہے، خواہ اس کا

❶ موسوعة فقه عمر بن الخطاب، ص: ۲۳۵۔ نقلًا عن: مصنف ابن ابی شیبة: ۱/ ۱۴۱

❷ صحیح البخاری، الجزیه والموادعة، حدیث نمبر: ۳۱۵۶، ۳۱۵۷

❸ تاریخ الطبری: ۵/ ۳۰۔ ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری نے اس روایت کو سنداً ضعیف مانا ہے۔ دیکھئے: عصر الخلافة الراشدة، ص: ۱۶۷

تعلق ملکی درآمدات سے ہو، یا برآمدات سے۔ یہ نظام موجودہ دور کے کسٹم محصول سے قریب تر ہے۔ اس محصول کو وصول کرنے والے ذمہ دار کو ''عاشر'' (کسٹم آفیسر) کہا جاتا ہے۔ ❶

روایت کیا گیا ہے کہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے خلیفہ راشد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے نام خط لکھا کہ ہمارے کچھ مسلمان تاجر دار الحرب میں تجارت کرنے جاتے ہیں اور وہ ان سے عشر (۱/۱۰) وصول کرتے ہیں۔ آپ نے جواب لکھا: تم بھی ان سے اسی طرح وصول کرو جس طرح وہ تم سے وصول کرتے ہیں اور ذمیوں سے نصف عشر (۱/۲۰) وصول کرو، اور مسلمانوں کے پاس دوسو درہم ہو جانے کے بعد ان کے ہر چالیس درہم پر ایک درہم لو۔ دوسو درہم سے کم رہنے پر ان سے کچھ نہ لو۔ جب دوسو درہم ہو جائے تو اس میں پانچ درہم وصول کرو اور اگر اس سے زیادہ ہو جائے تو اسی حساب سے لیا کرو۔ ❷

عہد فاروقی میں کچھ کسٹم آفیسران مقرر تھے جو اسلامی سلطنت کے حدود سے گزرنے والے اموال تجارت سے زکوٰۃ وصول کرتے تھے اور اس میں نصاب وسال گزرنے کا اعتبار کرتے تھے، انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مجھے عراق کا محصل (زکوٰۃ وصول کرنے والا آفیسر) بنا کر بھیجا اور کہا: جب ایک مسلمان کا مال دوسو درہم تک پہنچ جائے تو اس سے پانچ درہم وصول کرو اور جب دوسو سے زیادہ ہو جائے تو ہر چالیس درہم پر ایک درہم لو۔ ❸

شیبانی نے لکھا ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے زیاد بن جریر کو اور دوسرے قول کے مطابق زیاد بن حدیر کو ''عین التمر'' کا محصل بنا کر بھیجا اور انہیں حکم دیا کہ ان کے مال سے ربع عشر یعنی (۱/۴۰) وصول کریں، اور اہل ذمہ سے...... اگر وہ اپنے اموال کو تجارت میں استعمال کرتے ہوں ...... نصف عشر یعنی (۱/۲۰) اور حربی کفار سے عشر یعنی (۱/۱۰) اور آپ نے کسٹم وصول کرنے والے کی تنخواہ کسٹم آمدنی سے مقرر کی۔ ❹

۶۔ فے اور مالِ غنیمت:

ہر وہ مال جو مسلمانوں کو مشرکین وکفار سے بغیر جنگ وجدال کے حاصل ہو اسے فے کہا جاتا ہے، مال فے کا خمس، خُمس کے مستحقین میں تقسیم کیا جائے گا۔

چنانچہ خلافت فاروقی میں مفتوحہ علاقوں کی توسیع اور ان کی اقتصادی ومعاشی خوش حالی کی وجہ سے اموالِ غنیمت کی بہتات ہوگئی، روم وفارس کے فوجی جرنیل پورے کروفر کے ساتھ میدان جنگ میں اترتے اور ان سے چھینا ہوا مال مسلمانوں کا دامن بھر دیتا، کبھی کبھی ان اموال کی قیمت پندرہ ہزار (۱۵،۰۰۰) اور تیس ہزار (۳۰،۰۰۰)

❶ الخراج، أبویوسف، ص: ۲۷۱۔ اقتصادیات الحرب، ص: ۲۲۳.
❷ الخراج، أبویوسف، ص: ۱۴۵، ۱۴۶۔ سیاسة المال، ص: ۱۲۸.
❸ الحیاة الاقتصادیة فی العصور الإسلامیة الاولیٰ، ص: ۱۰۱.
❹ شرح السیر الکبیر: ۵/ ۲۱۳۳، ۲۱۳۴۔ الحیاة الاقتصادیة، ص: ۱۰۱.

درہم تک پہنچ جاتی۔ [1] آپ کے عہد میں مدائن، جلولاء، ہمدان، ری اور اصطخر جیسے بڑے بڑے شہر فتح کیے گئے اور مسلمانوں کے ہاتھ بہت سا مال لگا، جیسے کسریٰ قالین (زری) جو (۳۶۰۰) مربع گز کا تھا وہ سونے اور قیمتی نگینوں سے منقش کیا ہوا تھا، پھلوں کی تصویریں ہیرے وجواہر اور بیل بوٹے ریشم سے بنائے گئے تھے، بہتی نہر کی تصویر کشی سونے سے کی گئی تھی، وہ قالین بیس ہزار (۲۰،۰۰۰) درہم میں فروخت کیا گیا، جلولاء اور نہاوند سے سونا چاندی اور ہیرے جواہرات کی شکل میں بہت سے اموال غنیمت پر مسلمان قابض ہوئے، صرف جلولاء کے مالِ غنیمت کا خمس چھ ملین درہم تھا۔ [2]

(۲)......محکمۂ عدل

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خلافت میں جب اسلام دور دور تک پھیل گیا، اسلامی سلطنت کا دائرہ کافی وسیع ہوگیا اور دیگر اقوام سے مسلمانوں کے تعلقات ومراسم پیدا ہوگئے تو جدید تمدنی احوال وظروف اس بات کے متقاضی ہوئے کہ محکمہ عدل کو ترقی دی جائے۔ چونکہ خلیفہ کی مشغولیات میں کثرت، ریاستی سطح پر سرکاری حکام وگورنران کے کاموں میں تنوع اور عوام کے باہمی نزاع واختلافات میں اضافہ ہوچکا تھا، اس لیے عمر رضی اللہ عنہ نے مناسب سمجھا کہ ریاستوں اور ان سے متعلق محکموں کو ایک دوسرے سے جدا کرکے عدل وقضاء کے لیے مستقل ایک محکمہ قائم کریں، تاکہ گورنر حضرات اپنی ریاستی ذمہ داریوں کو بخوبی ادا کرسکیں۔ چنانچہ پھر محکمہ عدل کا قیام ہوا، اور اس کے لیے مستقل قاضی وجج حضرات مقرر کیے گئے، ان کا ریاست کے دیگر حکومتی وادار ی امور سے کوئی تعلق نہ ہوتا تھا۔ اس طرح عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو محکمہ عدل کے قیام میں اوّلیت حاصل ہوئی۔ کوفہ، بصرہ، شام، اور مصر جیسے بڑے بڑے اسلامی شہروں میں قاضیوں کی تعیین ہوئی، خواہ منصب قضاء پر قاضی کی تعیین براہِ راست خلیفہ کی طرف سے ہوئی ہو یا صوبائی گورنر نے آپ کی نیابت کرتے ہوئے اسے مقرر کیا ہو اور پھر محکمہ عدل حکومت اسلامیہ سے براہِ راست تعلق رکھنے والا ایک ذیلی محکمہ قرار دیا گیا۔

بہرحال عمر رضی اللہ عنہ کا یہ عمل اس بات کی دلیل ہے کہ اسلامی قیادت کے تمام تر جواہر آپ کی شخصیت میں موجود تھے اور ملک، ملکی دائرہ اقتدار وملکی معاملات کی تنظیم وترتیب نیز ان کے لیے اصول سازی وضابطہ بندی سے آپ کی شخصیت عاجز نہ تھی۔

یورپ نے اٹھارویں صدی عیسوی میں ملکی وبین الاقوامی حکومتوں کے لیے ایک نظری نظامِ عدل وانصاف پیش کرکے یہ سمجھ لیا کہ حکومتوں کی تنظیم اور شہریوں کے حقوق کے تحفظ میں اسے تمام شریعتوں اور حکومتوں پر سبقت حاصل ہے، جیسے کہ یورپی یونین (مونٹسکو) نے متعدد مذاہب کے نظام عدل وانصاف پر تبصرہ کرتے ہوئے اس کا

---

[1] عصر الخلافة الراشدة، ص: ۱۸۸.
[2] عصر الخلافة الراشدة، ص: ۱۸۹.

اظہار کیا تھا، لیکن یورپ کے اس نظری نظام عدل کو مکمل ایک صدی گزر جانے کے بعد انیسویں صدی کے آغاز میں یعنی انقلاب فرانس کے بعد عملی جامہ پہنایا گیا۔

جب کہ اسلام نے آج سے چودہ سو سال پہلے اس نظام قضاء و محکمہ عدل کو عملاً نافذ کیا اور اسے اپنے نظام حکومت کا ایک بنیادی باب قرار دیا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے جب معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کا مبلغ و داعی بنا کر بھیجا تو آپ ﷺ نے ان سے پوچھا: بِمَ تَقْضِي يَا مُعَاذُ؟ یعنی اے معاذ! تم کیسے فیصلہ کرو گے؟ معاذ رضی اللہ عنہ نے جواب میں عرض کیا: اللہ کی کتاب سے، اگر اس میں نہ ملا تو سنت رسول اللہ ﷺ سے، اور اگر اس میں بھی نہ ملا تو اپنے اجتہاد و صواب دید سے، اور اس میں کوئی جھجک محسوس نہیں کریں گے۔ نبی ﷺ نے یہ سن کر معاذ رضی اللہ عنہ کو اجازت دے دی۔ [1]

خلاصہ کلام یہ کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے محکمہ عدل اور اس کے لوازمات کو ترقی دی اور آپ کے دورِ حکومت میں دیگر حکومتی اداروں سے محکمہ عدل کو الگ کر لینے اور اسے مستقل ادارہ تسلیم کر لینے سے لوگوں کی زندگی میں اس کا واضح اثر نظر آنے لگا۔ ملحوظ رہے کہ آپ نے محکمہ عدل کو مستقل حکومتی ادارہ تسلیم تو ضرور کیا لیکن ایسا نہیں ہوا کہ اس کے ذمہ داروں سے بعض معاملات میں تفصیل نہ طلب کی ہو۔ بلکہ اپنے بعض گورنروں کو انتظامی اختیارات دینے کے ساتھ ساتھ انہیں منصب قضاء پر بھی فائز رکھا اور عدالتی معاملات میں ان سے خط و کتابت کرتے رہے۔ چنانچہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے بصرہ، پھر کوفہ پر گورنر ہوتے ہوئے ان سے قضاء کے بارے میں خط و کتابت کی، اور شام پر معاویہ رضی اللہ عنہ کے گورنر ہوتے ہوئے ان سے قضا کے چند نزاعی معاملات میں مراسلت کی۔ اسی طرح ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے بھی بعض عدالتی معاملات میں خط و کتابت کی۔ مرکزی حکومت کی طرف سے جو شخص ریاست کا قاضی مقرر کیا جاتا تھا وہ پوری ریاست کا قاضی ہوتا تھا، خواہ اسے خلیفہ نے بذات خود مقرر کیا ہو یا خلیفہ کے حکم سے ریاستی گورنر نے مقرر کیا ہو۔ اس قاضی کا مرکزی دفتر ریاست کی راجدھانی میں ہوا کرتا تھا اور تمام نزاعی معاملات و عدالتی اختیارات اس کے ہاتھوں میں ہوتے تھے۔ [2]

اسلامی دارالحکومت کے علاوہ کوفہ و مصر جیسی دیگر بڑی بڑی اسلامی ریاستوں میں بھی عموماً عدل و انصاف کے محکمہ کو دیگر حکومتی اداروں سے الگ کر دیا گیا تھا، جب کہ بعض ریاستوں میں ان کے حکام کو دیگر ملکی اداروں کے ساتھ محکمہ عدل کو بھی دیکھنا پڑتا تھا، لیکن یہ اس حالت میں تھا کہ جب منصب قضاء ریاست کے دیگر امور کی انجام دہی میں اس کے لیے مانع نہ ہوتا تھا۔ محکمہ عدل و قضاء سے متعلق گورنروں سے آپ کی جو مراسلت تھی وہ اسی نوعیت کی تھی۔ بسا اوقات مدینۃ النبی میں آپ کے مقرر کردہ قاضی موجود ہوتے لیکن آپ خود ہی فیصلہ دیتے اور

[1] نظام الحکم فی الشریعة الإسلامیة والتاریخ الإسلامی: ۲/ ۵۳ لیکن یہ روایت ضعیف ہے۔
[2] القضاء فی الإسلام، عطیه مصطفیٰ، ص: ۷۷۔ اس ادارہ کو موجودہ دور کی اصطلاح میں ہائی کورٹ کہا جاتا ہے۔

قاضی کا کام کرتے۔ (1) (مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، ص: ۴۵۲ تا ۴۷۷)

(۳)...... چند جرائم و بدعنوانیوں کے بارے میں سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی قانونی سزائیں

۱: ایک آدمی کوفہ میں اسلامی بیت المال سے چوری کرتا ہے:

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بیت المال سے چوری کرنے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے عمر رضی اللہ عنہ سے اس آدمی کی سزا کے بارے میں دریافت کیا جس نے بیت المال سے چوری کی ہو تو آپ نے فرمایا: اسے چھوڑ دو اس مال میں ہر ایک کا حق ہے۔ (2) اور اسے تعزیری کوڑے لگوائے۔ (3)

۲: پاگل زانیہ عورت:

عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک پاگل عورت لائی گئی جس نے زنا کا ارتکاب کیا تھا۔ آپ نے اس کے بارے میں لوگوں سے مشورہ لیا اور اسے رجم کرنے کا حکم دے دیا۔ ادھر سے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا تو کہا: اسے واپس لے جاؤ اور پھر آپ عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا: کیا آپ کو معلوم نہیں کہ یہ ''مرفوع القلم'' میں سے ہے، اور پھر اس سلسلے کی پوری حدیث سنائی۔ (4) آخر میں عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہاں، یہ ضرور ہے۔ علی رضی اللہ عنہ نے کہا: پھر یہ کیوں رجم کی جا رہی ہے؟ چنانچہ آپ نے اسے چھوڑ دیا (5) اور اللہ اکبر کہنے لگے۔ (6)

۳: ایک ذمی نے مسلمان عورت کے ساتھ زنا بالجبر کیا:

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں اس طرح کا ایک واقعہ پیش آیا تو آپ نے اسے پھانسی دی، اس لیے کہ اس نے شروط و معاہدہ کی خلاف ورزی کی تھی۔ (7)

۴: مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا ''زنا'' کے معاملہ میں متہم ہونا:

چنانچہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے خلاف تین آدمیوں نے شہادت دی اور چوتھے نے انکار کر دیا، تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: شکر ہے اللہ ربّ العالمین کا کہ اس نے شیطان کو اصحابِ محمد ﷺ پر ہنسنے کا موقع نہ دیا۔ (8) پھر آپ نے

(1) النظام القضائی فی العهد النبوی والخلافة الراشدة، القطان، ص: ٤٧
(2) المغنی: ١٢/ ٣٨٦۔ ارواء الغلیل، حدیث نمبر: ٢٤٢٢۔ اس کی سند ضعیف ہے۔
(3) عصر الخلافة الراشدة، ص: ١٤٨ .
(4) وہ حدیث اس طرح ہے: ''رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ .''
(5) الخلافة الراشدة، د/ یحییٰ الیحییٰ، ص: ٣٥١۔ عصر الخلافة الراشدة، ص: ١٤٨ .
(6) عصر الخلافة الراشدة، ص: ١٤٨ .
(7) الموطا: ٢/ ٨٢٧۔ المغنی: ١٢/ ٢١٧۔ صحیح البخاری، حدیث نمبر: ٢٥٤٨ .
(8) المغنی: ١٢/ ٢٤٥ .

تینوں گواہوں پر تہمت کی حد نافذ کی کیونکہ تین کی شہادت سے اتہام زنا کی مطلوبہ شہادت پوری نہیں ہوتی۔ ❶

۵: جادوگر کی سزا قتل ہے:

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے آفیسروں کو یہ عمومی حکم نامہ بھیجا تھا کہ ہر جادوگر اور جادوگرنی کو قتل کر دو۔ ❷ اور آپ نے یہ حکم نافذ کیا اور اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع تھا۔

۶: اپنی اولاد کے قاتل اور ذمی کے مسلمان قاتل کا کیا حکم ہے؟

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی اولاد کے قاتل کے لیے یہ فیصلہ کیا کہ وہ دیت ادا کرے۔ ❸ اور جو مسلمان کسی ذمی کو قتل کر دے تو اسے قصاص میں قتل کیا جائے، آپ کے دورِ خلافت میں ایسا ہی ایک واقعہ پیش آیا، شام میں ایک مسلمان نے ایک ذمی کو قتل کر دیا تو آپ نے قصاص میں اسے قتل کروا دیا۔ ❹

۷: شراب نوشی کی حد اسّی (۸۰) کوڑے مقرر کرنا:

جب عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے منصب خلافت سنبھالا اور اسلامی فتوحات کی کثرت ہوگئی، آبادیاں دور دور تک پھیل گئیں، لوگوں کی اقتصادی حالت بہتر ہوگئی اور ایسے بہت سارے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا جو مکمل طریقے سے اسلامی تربیت اور دینی معلومات سے ناآشنا تھے، تو ان میں بہت زیادہ شراب نوشی ہونے لگی اور عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک بڑی پریشانی آ کھڑی ہوئی۔ چنانچہ آپ نے بزرگ صحابہ کو اکٹھا کیا اور اس سلسلہ میں مشورہ لیا، سب نے اس بات پر اتفاق کیا کہ ان کی سزا اسّی (۸۰) کوڑے بطور حد مقرر کی جائے، یہ حدود کی سب سے کم تر مقدار ہے۔ بہرحال آپ نے اسی پر عمل کیا اور آپ کی پوری مدت خلافت میں کسی صحابی نے اس کی مخالفت نہ کی۔ ❺

۸: آپ نے ایک مجلس کی تین طلاقوں کو تین شمار کیا:

سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، ان کا کہنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ وابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اور عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کے ابتدائی دو سالوں میں ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک شمار کی جاتی تھیں۔ پھر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لوگ اس معاملے میں جلدی کرنے لگے ہیں جس میں ان کے لیے مہلت تھی، لہٰذا اگر ہم اسے ان پر نافذ کر دیتے (تو اچھا ہوتا) چنانچہ آپ نے ایسا ہی کر دیا۔ ❻

---

❶ عصر الخلافۃ الراشدۃ، ص: ۱۴۹ .　❷ اولویات الفاروق السیاسیۃ، ص: ٤٤٧ .

❸ عصر الخلافۃ الراشدۃ، ص:۱۵۳۔ المغنی: ۱۱/ ٤٠٥ .

❹ عصر الخلافۃ الراشدۃ، ص: ۱۵۳۔ یہ روایت ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند منقطع ہے، مصنف عبدالرزاق: ۱۰/ ۱۰۱ میں اس کی سند یوں ہے: "عن الثوری عن حماد بن ابراھیم اَنَّ رَجُلًا مُسْلِمًا قَتَلَ رَجُلًا مِنْ اَھْلِ الذِّمَّۃِ الْحِیْرَۃِ فَاَقَادَ مِنْہُ عُمَرُ. ابراہیم اور عمر کے درمیان انقطاع ہے۔ ابراہیم نے عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا، اور اسی طرح مصنف ابن ابی شیبہ: ٦/ ۳٦۳ کی روایت میں مجہول العین راوی ہے: عن ابی نضرۃ قال حُدِّثنا ان ......

❺ إعلام الموقعین: ۱/ ۲۱۱ .　❻ صحیح مسلم، الطلاق، حدیث نمبر: ۱٤۷۲ .

ابوصہباء سے روایت ہے کہ انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا: کیا آپ جانتے ہیں کہ عہد نبوت، عہد صدیقی اور خلافت فاروقی کے ابتدائی تین سالوں میں تین طلاقیں ایک شمار کی جاتی تھیں؟ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ہاں۔ [1]

مذکورہ دونوں آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے سے معمول بہ طریقہ...... یعنی ایک لفظ یا ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک ماننے ...... کے خلاف عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ کیا کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں تین شمار ہوں گی اور اس تعزیری وتادیبی کارروائی کی وجہ یہ تھی کہ آپ نے دیکھا کہ لوگ تین طلاقیں ایک ساتھ کثرت سے دینے لگے ہیں، تو ضروری سمجھا کہ (ان پر سختی کر کے) انہیں مسنون وشرعی طریقۂ طلاق کی طرف لوٹایا جائے اور وہ طریقہ یہ [2] ہے کہ ایک طلاق دینے کے بعد عورت کو چھوڑ دیا جائے (رجوع نہ کیا جائے) یہاں تک کہ اس کی عدت پوری ہو جائے۔ لیکن اگر وہ اس کی طرف رجوع کرنا چاہتا ہے یا رشتۂ زوجیت میں رکھنا چاہتا ہے تو ضروری ہے کہ عدت پوری ہونے سے پہلے اس کی طرف رجوع کر لے یہاں تک کہ تین طلاقیں پوری ہو جائیں۔ [3]

ڈاکٹر عطیہ مصطفیٰ مشرفہ جیسے بعض لوگوں نے عمر رضی اللہ عنہ کے اس اقدام کو نصوص شرعیہ کے مخالف قرار دیا ہے، ان کا کہنا ہے:

> ''عمر رضی اللہ عنہ رائے واجتہاد پر عمل کرنے میں بہت جری تھے اگرچہ وہ آراء واجتہادات بعض نصوص شرعیہ اور معمول بہ طور طریقہ کے خلاف ہی کیوں نہ ہوں، اس سے آپ کا مقصد یہ تھا کہ اسلامی حکم جدید اسلامی معاشرہ کے تقاضوں کے موافق ہو جائے۔''

اور پھر ڈاکٹر موصوف نے ایک لفظ یا مجلس میں تین طلاقوں کے تین شمار کرنے کی فاروقی کارروائی کو بطور مثال ذکر کیا ہے۔ [4] لیکن صحیح اور حق بات یہ ہے کہ آپ کا یہ اقدام نصوص قطعیہ کے بالکل مخالف نہ تھا بلکہ چند معتبر شرعی دلائل وامثال کی بنیادوں پر آپ نے شرعی نص کے سمجھنے میں اجتہاد کیا تھا، مثلاً:

ا: امام مالک نے اشہب سے، انہوں نے قاسم بن عبداللہ سے روایت کیا ہے کہ ان سے یحییٰ بن سعید نے اور

---

[1] صحیح مسلم، الطلاق، حدیث نمبر: ۱۴۷۲.

[2] طلاق کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ بیوی کو بحالت طہر جس میں ہم بستری نہ کی ہو، بوقت ضرورت ایک طلاق دی جائے، اب اگر عدت کے اندر رجوع کرنا چاہے تو کر لے اور عدت گزر جانے کے بعد طرفین آزاد ہیں، اگر دونوں دوبارہ رشتۂ زوجیت میں آنا چاہتے ہیں تو طرفین کی رضا سے تجدید نکاح کرنا ہوگا، اگر پھر دوبارہ طلاق کی نوبت آ گئی تو پھر عدت کے اندر رجعت اور عدت کے بعد تجدید نکاح کے ذریعہ رشتہ زوجیت سے منسلک ہو سکتے ہیں، لیکن اگر تیسری بار پھر طلاق کی نوبت آ گئی تو پھر نہ رجعت کا حق ہوگا اور نہ تجدید نکاح کا۔ (مترجم)

[3] القضاء فی عهد عمر بن الخطاب، د/ ناصر الطریفی: ۲/ ۷۳۳

[4] القضاء فی الإسلام، ص: ۹۸، ۹۹.

ان سے ابن شہاب نے اور ان سے ابن مسیّب نے بیان کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں قبیلۂ اسلم کے ایک آدمی نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں۔ اس سے چند صحابہ نے کہا: تمہیں اسے لوٹانے کا اختیار ہے۔ چنانچہ اس کی بیوی نبی ﷺ کے پاس آئی اور کہا: میرے شوہر نے ایک ہی کلمہ میں تین طلاقیں دے دی ہیں، (اب میں کیا کروں؟) آپ ﷺ نے اس سے فرمایا:

((قَدْ بَنْتِ مِنْهُ وَلَا مِيْرَاثَ بَيْنَكُمَا .)) [1]

''تم اس سے جدا ہوگئی، تم دونوں کے درمیان کوئی میراث نہیں۔''

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک کلمہ میں دی جانے والی تین طلاقوں کو تین شمار کیا۔

۲: امام نسائی نے اپنی سند سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ایک آدمی کے بارے میں خبر دی گئی کہ اس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں ایک ساتھ دے دی ہیں، آپ ﷺ بہت سخت غصہ ہوئے اور فرمایا:

((اَيُلْعَبُ بِكِتَابِ اللّٰهِ وَاَنَا بَيْنَ اَظْهُرِكُمْ .))

''کیا اللہ کی کتاب سے کھلواڑ کیا جائے گا، حالانکہ میں تمہارے درمیان (ابھی موجود) ہوں۔''

یہ سن کر ایک آدمی کھڑا ہوا اور کہا: ''اے اللہ کے رسول کیا میں اسے قتل نہ کردوں؟'' [2]

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس آدمی نے ایک ہی لفظ میں تین طلاقیں ایک ساتھ دے دی تھیں رسول اللہ ﷺ اس پر بہت سخت ناراض ہوئے اور اس کو ڈانٹا۔ پس آپ کی ناراضی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ طلاقیں واقع ہوگئی تھیں، کیونکہ وہاں بیان اور وضاحت کی ضرورت تھی، اگر وہ واقع نہ ہوتیں تو آپ ﷺ اس کو ضرور بیان کرتے اور اصول فقہ کا یہ قاعدہ بھی ہے کہ جس مقام ووقت پر بیان ووضاحت کی ضرورت ہو اسے بلا کسی مجبوری کے وہاں سے مؤخر کرنا درست نہیں ہے۔ [3]

---

[1] المدونة الكبرىٰ، الطلاق، طلاق السنة: ۲/ ۶۲ . یہ روایت مرسل ہے۔ لیکن سعید بن مسیّب کے مراسیل میں سے ہے جسے محدثین نے قابل قبول مانا ہے۔

[2] سنن النسائی، الطلاق الثلاث المجموعة: ۶/ ۱۴۳، رقم الحديث: ۳۴۰۱ . حافظ ابن حجر نے اس کے رجال کو ثقہ کہا ہے۔ دیکھئے: فتح الباری: ۹/ ۳۶۲ . حافظ ابن قیم کا کہنا ہے کہ اس کی سند مسلم کی شرط پر ہے۔ دیکھئے: زاد المعاد: ۵/ ۲۴۱ . شیخ البانی نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے، دیکھئے ضعیف سنن النسائی. اس روایت کو صحیح مان لینے کی صورت میں بھی مصنف کا استدلال عجیب ہے کہ سخت ناراضی کا اظہار کرنے کے باوجود ان دی ہوئی طلاقوں کو صحیح مان لیا، حالانکہ آپ کی ناراضگی اس کی عدم شرعیت کی دلیل ہے کیونکہ یہ فعل غیر مشروع ہے، اور جب غیر مشروع ہے تو پھر اس کے وقوع کا سوال کہاں سے پیدا ہوتا ہے۔ جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ((مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ اَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ .)) رواہ مسلم: ۱۷۱۸ . جو کوئی ایسے عمل کا ارتکاب کرے جو ہمارے طریقے کے خلاف ہے وہ مردود ہے۔ (مترجم)

[3] القضاء فی عهد عمر بن الخطاب: ۲/ ۷۳۶

۳: نافع بن عمیر بن عبد یزید بن رکانہ سے روایت ہے کہ رکانہ بن عبد یزید نے اپنی بیوی سہیمیہ کو طلاق بتہ دے دی اور پھر نبی ﷺ کو اطلاع دیتے ہوئے کہا: اللہ کی قسم میں نے اس سے صرف ایک طلاق کی نیت کی تھی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((وَاللّٰهِ! مَا اَرَدْتَّ اِلَّا وَاحِدَةً؟))

''اللہ کی قسم! کیا یقیناً تم نے ایک ہی کی نیت کی تھی؟''

رکانہ نے جواب دیا:

''قسم اللہ کی، میں نے ایک ہی کی نیت کی تھی۔''

پھر آپ ﷺ نے ان کی بیوی کو ان کے پاس واپس کر دیا۔ اور رکانہ نے پھر عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں اپنی بیوی کو دوسری طلاق اور عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں تیسری طلاق دی۔ [1]

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب رکانہ نے اپنی بیوی کو ''طلاق بتہ'' دے دی اور کہا کہ میری نیت ایک طلاق دینے کی تھی، تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے اس بات پر قسم لی کہ کیا واقعتاً تم نے ایک ہی کی نیت کی تھی؟ اور جب انہوں نے قسم کھا لی تو آپ نے ان کی بیوی کو ان کے پاس واپس کر دیا۔ پس آپ ﷺ کا حلفیہ بیان لینا اس بات کی دلیل ہے کہ اگر ''طلاق بتہ'' سے انہوں نے تینوں طلاقوں کی نیت کی ہوتی تو وہ واقع ہو جاتیں، ورنہ نیت پر حلفیہ بیان لینے کے کوئی معنی نہیں رہ جاتے۔ بہر حال مذکورہ دلائل و امثال کی روشنی میں ہم سمجھ سکتے ہیں کہ امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے طلاق سے متعلق مذکورہ اقدام رسول اللہ ﷺ کی سنت کی روشنی میں کیا تھا، اور ایک لفظ میں تین طلاقوں کو تین شمار کر کے آپ نے اپنی طرف سے کوئی بدعت ایجاد نہیں کی۔ نیز واضح رہے کہ آپ کے اس اقدام کی توثیق و تائید کرنے والے عثمان بن عفان، علی بن ابی طالب، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن مسعود اور عمران بن حصین جیسے بہت سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے اور ان سے اس سلسلہ میں کئی روایات وارد ہیں۔

خلاصہ یہ کہ ایک لفظ میں یا متعدد الفاظ میں تین طلاقیں دینا مثلاً اس طرح کہا جائے کہ تجھے تین طلاق، یا

---

[1] سنن أبی داؤد، باب فی البتة: ۱/ ۵۱۱، رقم الحدیث: ۲۲۰۶. امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ جریج کی سند سے آئی ہوئی روایت جس میں ہے کہ رکانہ نے اپنی بیوی کو تینوں طلاقیں دے دی تھیں اس کے مقابلے میں یہ حدیث زیادہ صحیح ہے۔ اس لیے کہ اس حدیث کو نقل کرنے والے رکانہ کے اہل خانہ ہیں اور وہ واقعہ سے زیادہ آگاہ ہیں۔ امام نووی کا کہنا ہے کہ دوسری روایت جس میں ہے کہ رکانہ نے تین طلاقیں دی تھیں، پھر اس کو ایک شمار کیا تھا، سو یہ روایت ضعیف ہے، اس میں مجہول راوی ہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو ''طلاق بتہ'' دی تھی، اور ''بتہ'' کا لفظ ایک اور تین دونوں کو محتمل ہے۔'' شرح النووی: ۱۰/ ۷۱. یہ روایت ضعیف ہے۔ اس کی سند میں نافع بن عجیر ہیں ابن حبان کے علاوہ کسی نے ان کی توثیق نہیں کی ہے اور ابن قیم نے انہیں مجہول قرار دیا ہے۔ زاد المعاد: ۲/ ۲۶۳. تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ارواء الغلیل: ۲/ ۱۴۷.

تجھے طلاق، طلاق، طلاق یا تجھے طلاق، پھر طلاق، پھر طلاق، یا یوں کہا جائے کہ تجھے طلاق ہے، تین، دس، سو، یا ہزار طلاقیں، یا اس طرح کی کوئی بھی تعبیر اختیار کی جائے، یہ مسئلہ حاکم کے اجتہاد پر موقوف ہے۔ وقت اور زمانہ کے مفاد کی رعایت کرتے ہوئے جیسا مناسب سمجھے فیصلہ کرے۔ انہیں تین طلاق شمار کرے یا ایک طلاق، طلاق رجعی۔ [1]

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: (مسئلہ طلاق میں) عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے متقدمین (صحابہ کرام) کے اجماع کی مخالفت نہیں کی، بلکہ اس معاملہ میں عجلت کرنے والوں کے لیے بطور سزا تینوں طلاقیں نافذ کر دینا مناسب سمجھا، کیونکہ بلا کسی شرعی وجہ جواز کے طلاق دینے کی حرمت سب کو معلوم تھی۔ تاہم ان میں اس کا عام چلن ہوتا جا رہا تھا اور بلاشبہ ان حالات میں ائمہ وقت (حکام) کو یہ اختیار ہے کہ لوگ جس مشقت کو خود مول لینے پر تلے ہوئے ہوں اور اللہ کی نرمی و رخصت قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوں وہ انہیں اسی کا پابند کر دے۔ [2]

---

[1] الفقهاء فی عهد عمر بن الخطاب: ۲/ ۷۳۶، ۷۳۹.

[2] زاد المعاد: ۵/ ۲۷۰. طلاق سے متعلق سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی کارروائی سے متعلق امام ابن قیم رحمہ اللہ کا موقف ہی راجح ہے کہ یہ ایک تعزیری اقدام تھا، تاکہ لوگ ایک ساتھ ایک سے زیادہ طلاق دینے سے باز آ جائیں اور حاکم کو اس طرح تعزیری قانون نافذ کرنے کا اختیار ہے شریعت نے حاکم کو اس کا حق دیا ہے۔ (مترجم)

پانچواں باب

گورنران ریاست کے ساتھ فاروقی طرز عمل

(ا)......ملکی ریاستیں (صوبے)

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کا اپنے عہد خلافت میں ملکی سطح پر صوبوں کو تقسیم کرنا دراصل عہد صدیقی کی صوبائی تقسیم میں چند علاقوں کا اضافہ کرنا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ آپ نے بیشتر مواقع پر ان ریاستوں کے اعلیٰ مناصب کے عہدے داروں میں تبدیلیاں بھی کیں۔ اس بحث میں عہد فاروقی کی ریاستوں اور ان کے والیان (گورنران) کا مختصر خاکہ پیش کیا جا رہا ہے:

مکہ مکرمہ:

عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں محرز بن حارثہ بن ربیعہ بن عبد شمس رضی اللہ عنہ مکہ کے پہلے والی (گورنر) تھے، ان کے بعد آپ کے عہد خلافت میں قنفذ بن عمیر بن جدعان تمیمی رضی اللہ عنہ وہاں کے گورنر ہوئے۔ یہ بھی اپنے پہلے گورنروں کی طرح رہے۔

مدینہ نبویہ:

جو خلیفہ ہوتا وہی مدینہ نبویہ کا گورنر بھی ہوا کرتا تھا، یہ اس لیے تھا کہ خلیفہ بھی یہیں پر مقیم ہوتا تھا اور خود یہاں کا نظم ونسق دیکھتا اور معاملات کے لیے تدبیریں پیش کرتا تھا۔ چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ اپنے عہد خلافت میں جب مدینہ میں موجود نہ ہوتے تھے تو کسی کو اپنا نائب بنا کر جاتے اور وہ مدینہ کے مختلف امور ومعاملات کو دیکھتا، حج اور دیگر بعض سفروں میں آپ نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو مدینہ پر اپنا نائب حاکم بنایا۔ [1] اسی طرح اور کئی مرتبہ اپنی عدم موجودگی میں علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو بھی اپنا نائب بنا کر گئے۔ [2]

طائف:

طائف کا شمار دور فاروقی کے اہم اسلامی شہروں میں ہوتا ہے۔ یہ شہر طاقتور مجاہدین اسلام کی فوجی تحریک کو قوت فراہم کرتا تھا۔

عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے عثمان بن ابو العاص رضی اللہ عنہ یہاں کے والی (گورنر) تھے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں انھیں یہیں اسی منصب پر باقی رکھا۔ خلافت فاروقی میں بھی دو سال تک آپ یہاں کے گورنر

---

[1] الولایة علی البلدان: ۱/ ۶۸.   [2] تاریخ الیعقوبی: ۲/ ۱۴۷.

رہے، لیکن اس وقت آپ کا دل جذبہ جہاد سے معمور تھا، چنانچہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس اس سلسلہ میں خط لکھا اور جہاد میں شرکت کی اجازت مانگی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تو آپ کو معزول نہیں کرسکتا، البتہ آپ باشندگان طائف میں سے جسے اپنا نائب مناسب سمجھیں بنالیں اور پھر عمر رضی اللہ عنہ نے بعد میں عثمان رضی اللہ عنہ کو عمان اور بحرین کا گورنر مقرر کیا۔ ❶

تاریخی روایات میں یہ بات ملتی ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی جب وفات ہوئی تو اس وقت سفیان بن عبداللہ ثقفی رضی اللہ عنہ وہاں کے گورنر تھے۔ ❷ ان کے اور امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے درمیان شہد، میوہ جات اور سبزیوں سے زکوٰۃ لینے کے متعلق خط و کتابت ہوتی رہتی تھی، ❸ جو اس بات کی دلیل ہے کہ دور فاروقی میں طائف زرعی پیداوار کی فراوانی اور بکثرت کھیتیوں والا شہر تھا۔ آپ کے عہد میں طائف اور اس کے قرب و جوار کے شہروں کو استحکام اور خوشحالی نصیب تھی۔ مکہ کے لوگ گرمی کے موسم میں یہاں خوشگوار فضا کے مزے لینے آیا کرتے تھے۔ ❹ اس طرح دور فاروقی میں اسلامی سلطنت کے اہم شہروں میں طائف کا شمار ہوتا رہا۔ ❺

یمن:

عمر فاروق رضی اللہ عنہ جس وقت مسند خلافت پر جلوہ افروز ہوئے اس وقت یمن خوشحال اور امن و استقرار کی دولت سے مالا مال تھا۔ اس کے مختلف علاقوں اور اطراف میں پھیلے ہوئے امراء و افسران کی بہترین کارکردگی کی وجہ سے وہاں کا انتظام و انصرام بھی کافی بہتر تھا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مقرر کردہ افسران کو یمن میں بھی ان کے مناصب پر باقی رکھا۔ ❻

یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ جو ابوبکر صدیق کے مقرر کردہ یمن کے گورنر تھے، عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں یمن کے گورنر تھے، جن کا نام آپ کے دور میں خوب روشن ہوا۔

بحرین:

جس وقت سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے منصب خلافت کی باگ ڈور سنبھالی اس وقت سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف سے علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ بحرین کے گورنر تھے، عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ابتدائی ایام خلافت میں ان کو ان کے منصب ولایت پر راجح قول کے مطابق ۱۴ ہجری تک باقی رکھا۔ ❼

---

❶ تاریخ خلیفة بن خیاط ، ص:۱۳٤ . ❷ تاریخ الطبری: ٥/ ۲۳۹ .

❸ الطائف فی العصر الجاهلی و صدر الإسلام ، نادیة حسین صقر ، ص:۱۹ .

❹ الطائف فی العصر الجاهلی و صدر الإسلام ، نادیة حسین صقر ، ص:۱۹ .

❺ الولایة علی البلدان:۱/ ٦۹ .

❻ غایة الأمانی فی اخبار القطر الیمانی ، یحییٰ الحسین:۱/ ۸۳ .

❼ الولایة علی البلدان: ۱/ ۷٥ .

مصر:

سیّدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے مصر فتح کیا اور عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو وہاں کا گورنر مقرر کیا اور باوجودیکہ چند ایک معاملات میں کبھی کبھار انہوں نے عمر رضی اللہ عنہ کی مرضی کے خلاف کام کیا جس کے نتیجہ میں عمر رضی اللہ عنہ کو ان پر تادیبی کارروائی کرنا پڑی تاہم وہ عمر رضی اللہ عنہ کی پوری مدت خلافت میں وہاں کے گورنر رہے۔ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ مصر کے گورنر جنرل تھے اور آپ کی ماتحتی میں مصر کے مختلف علاقوں پر چھوٹے چھوٹے امراء وگورنران مقرر تھے، جیسے کہ عبداللہ بن سعد بن ابی اسرح رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ خلیفۂ راشد عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت مصر کے علاقہ ''الصعید'' پر والی مقرر تھے۔ [1] (مزید تفصیل ملاحظہ ہو، سیرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، ص: ۵۰۴)

(۲)......دور فاروقی میں گورنران ریاست کی تقرری

سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ والیان ریاست کے انتخاب اور ان کی تقرری میں نبی کریم ﷺ کے طریقہ کار کی پیروی کرتے تھے۔ چنانچہ اس منصب پر انہی لوگوں کو فائز کرتے تھے جو باصلاحیت، امانت دار اور فرائض منصبی کی ادائیگی میں سب سے بہتر ہوں۔ تقرری کا مسئلہ ہو یا معزولی کا، دونوں مواقع پر بھرپور چھان بین کرتے تھے، ایسے آدمی کو عہدہ ہرگز نہیں دیتے تھے جو اس کا خواہاں ہو۔ گورنرں کی تقرری کو ایک امانت سمجھتے تھے جس کا تقاضا یہ ہے کہ ہر عہدہ کے لیے وہی لوگ سب سے زیادہ مستحق ہیں جو اس کے لیے سب سے زیادہ موزوں ومناسب ہوں۔ اگر بلا کسی معقول عذر کے باصلاحیت فرد کو چھوڑ کر اس سے ادنیٰ درجہ کے آدمی کو مقرر کیا گیا تو اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ اور مومنوں کے ساتھ خیانت ہے۔ [2] اس سلسلے میں آپ کے چند ایک اقوال زریں ہیں، مثلاً: ''میں اپنی امانت اور عہدہ کا ذمہ دار ہوں، میرے دل میں جو خیالات آتے ہیں اس کو ان شاء اللہ میں جانتا ہوں، اسے دوسروں کے حوالہ نہیں کروں گا اور جو (باتیں) مجھ سے دور ہیں انہیں میں امانت داروں اور امت مسلمہ کے خیر خواہوں کے ذریعہ ہی سے جان سکتا ہوں، ان (امانت داروں اور خیر خواہوں) کے علاوہ کسی دوسرے کو اپنی امانت نہیں دوں گا۔'' [3]

اور فرمایا: ''جس نے کسی آدمی کو کسی جماعت کا ذمہ دار بنایا حالانکہ کہ اس جماعت میں اس سے بہتر اور اللہ ترس آدمی موجود ہے تو اس نے اللہ، اس کے رسول اور مومنوں کے ساتھ خیانت کی۔'' [4]

نیز فرمایا: ''جو شخص مسلمانوں کا حکم بنایا گیا اور اس نے کسی قرابت داری یا ذاتی محبت کی بنا پر کسی کو عہدہ دیا اس نے اللہ، اس کے رسول اور مسلمانوں کے ساتھ خیانت کی۔'' [5]

---

[1] فتوح مصر: ص ۱۷۳ .

[2] وقائع ندوۃ النظم الإسلامیة: ۱/ ۲۹۵، ۲۹۶ .

[3] دور الحجاز فی الحیاۃ السیاسیة: ص: ۲۵۵ .

[4] الفتاویٰ: ۲۸/ ۴۲ .

[5] الفتاویٰ: ۲۸/ ۱۳۸ .

گورنران ریاست کی تقرری کا فاروقی معیار اور اس کی لازمی شرائط

ریاستوں کے گورنران مقرر کرتے ہوئے درج ذیل معیار کو مدنظر رکھا گیا:

۱: قوت وطاقت اور امانت داری
۲: تقرری میں علم کی اہمیت
۳: تجربہ کاری اور بصیرت
۴: دیہاتی اور شہری
۵: رعایا پر شفقت ومہربانی
۶: اپنے قرابت داروں میں سے کسی کو حاکم نہ بنانا
۷: طالب عہدہ کو عہدہ نہ دینا
۸: گورنروں کو تجارت کرنے کی ممانعت
۹: افسران کی تقرری کے وقت ان کی جائداد کی پڑتال
۱۰: افسران کی تقرری کے وقت چند شرائط کی پابندی کا معاہدہ
۱۱: والیان ریاست کے انتخاب اور ان کی تقرری کے لیے مشورہ
۱۲: گورنروں کی تقرری سے پہلے ان کا امتحان لینا
۱۳: مقامی لوگوں کو گورنر بنانا
۱۴: قرارداد خلافت
۱۵: مسلمانوں کے معاملات میں نصاریٰ سے عدم تعاون

(تفصیل کے لیے دیکھیے: سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، ص: ۵۱۶ تا ۵۲۳)

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے گورنران ریاست کی چند اہم صفات وخصوصیات

صحیح عقیدہ، اسلامی شریعت کا علم، اللہ پر اعتماد کامل، قدوہ حسنہ، صداقت، دینی صلاحیت، شجاعت، مروت، زہد و ورع، جذبہ فدائیت، تواضع، نصیحت کی قبولیت، بردباری، صبر، حوصلہ مندی، بلند ہمتی، دور اندیشی، عدل و انصاف اور مشکلات سے نمٹنے کی بھرپور صلاحیت و قدرت جیسے اوصاف حمیدہ واخلاق عالیہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے گورنروں کی اہم صفات تھیں۔

گورنروں کے حقوق

بے شک گورنروں کے مختلف حقوق ہیں، کچھ کا تعلق رعایا سے ہے اور کچھ کا خلیفہ سے، مزید برآں کچھ ایسے

حقوق ہیں جن کا تعلق بیت المال سے ہے۔ بہرحال ان تمام تر مادی اور اخلاقی حقوق کا اولین مقصد گورنران کا تعاون کرنا ہے، تاکہ وہ دین اسلامی کی بخوبی خدمت اور اپنے فرائض کو احسن طریقے سے انجام دے سکیں۔ ان کے اہم ترین حقوق کچھ اس طرح ہیں:

۱: غیر معصیت کے کاموں میں گورنروں کی اطاعت

۲: گورنروں کے لیے خیر خواہی

۳: والیان ریاست تک سچی خبریں پہنچانا

۴: گورنر کے مؤقف کی تائید کرنا

۵: امیر کو اجتہاد کا مکمل اختیار ہے

۶: معزولی کے بعد ان کی عزت واحترام

۷: ان کے مادی حقوق

۸: عمال اور گورنروں کی بیماری کے وقت ان کا علاج کرانا

گورنر اور ان کی ذمہ داریاں

اللہ تعالیٰ نے گورنروں کو جس طرح بلند مقام ومرتبہ دیا اسی طرح ان کے کندھوں پر ذمہ داریوں کا بھاری بھر کم بوجھ بھی ڈالا ہے۔ چنانچہ ان کے جن اہم فرائض وذمہ داریوں پر سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے خاص توجہ دی ان کا ذکر کچھ یوں ہے:

❀ اقامت دین ❀ دین اسلام کی نشر واشاعت

❀ اقامت نماز ❀ دین اور اس کے اصول ومبادی کی حفاظت

❀ مساجد کی تعمیر ❀ مناسک حج کے لیے سہولیات کی فراہمی

❀ شرعی حدود کا قیام ❀ رعایا کے لیے امن وسکون کو یقینی بنانا

❀ جہاد فی سبیل اللہ ❀ رضا کار مجاہدین کو جنگی محاذ پر بھیجنا

❀ ریاست کی طرف سے دشمنوں کا دفاع ❀ شہروں میں قلعوں کی تعمیر

❀ دشمنوں کی نقل وحرکت کا سراغ لگانا ❀ اسلامی شہروں میں فوجی گھوڑوں کی مدد بھیجنا

❀ بچوں کو دینی تعلیم دینا اور انہیں جہاد کے لیے تیار کرنا

❀ فوجی دفاتر ودواوین کا اہتمام وجائزہ ❀ معاہدات کی تنفیذ

❀ عوام کو معاشی خوشحالی فراہم کرنے کی جدوجہد

- افسران وملازمین کی تقرری
- ذمیوں کے حقوق کی رعایت
- دانشوران قوم سے مشورہ طلبی اوران کی عزت وتوقیر
- ریاست کے تعمیراتی منصوبوں پر توجہ
- باشندگان ریاست کے معاشرتی احوال وظروف کی رعایت
- عربی اور غیر عربی میں عدم امتیاز (تفصیل کے لیے دیکھیے: سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، ص: ۵۳۱ تا ۵۴۰)

(۳)......والیان ریاست کی نگرانی اوران کا محاسبہ

والیان ریاست کی نگرانی:

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ اس بات سے قطعاً مطمئن نہ تھے کہ صرف بہترین گورنران کے انتخاب کا اہتمام کر کے اس پر خوش رہیں بلکہ انہیں ان کی ذمہ داریاں سونپنے کے بعد پوری کوشش سے ان کی نگرانی کرتے رہتے تاکہ ان کی بہترین سیرت اور اخلاقیات سے مطمئن ہو جائیں اور عدم نگرانی کی صورت میں کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ نفس پرستی میں بہک جائیں۔ گورنران کے تئیں آپ کا بس ایک ہی شعار تھا کہ ’’روزانہ میں ایک والی کو معزول کروں، یہ میرے لیے اس بات سے کہیں بہتر ہے کہ کسی ظالم کو اس منصب پر ایک گھنٹہ کے لیے باقی رکھوں۔‘‘ [1]

اور فرماتے تھے:

> ’’اگر میرا کوئی افسر کسی پر ظلم کرے اور مجھے اس کی خبر ہو جانے کے بعد میں اسے نہ بدلوں تو گویا میں نے اس پر ظلم کیا ہے۔‘‘ [2]

ایک دن آپ نے اپنے ہم نشینوں سے کہا: ’’اگر میں اپنے علم کے مطابق کسی کو اچھا جان کر تم پر عامل (افسر) مقرر کر دوں، پھر اسے عدل وانصاف کرنے کا حکم دے دوں تو تمہارا کیا خیال ہے کہ میں نے اپنی ذمہ داری ادا کر دی؟ آپ کے ہم نشینوں نے جواب دیا: ہاں۔ آپ نے فرمایا:

> ’’نہیں نہیں۔ یہاں تک کہ میں اس کے کام کو دیکھ لوں کہ کیا میرے حکم کے مطابق اس نے کام کیا یا نہیں۔‘‘ [3]

آپ بڑی ثابت قدمی اور دقت سے اپنے افسران وگورنران کے ادارتی کاموں کی نگرانی کرتے رہتے تھے۔ ادارتی نظم ونسق کے سلسلے میں آپ کا طریقہ یہ تھا کہ مقامی معاملات میں عامل (افسر) کو مکمل اختیار دے دیتے، عام مسائل میں اس کے اختیارات محدود رکھتے اور اس کے اخلاق وکردار نیز ادارتی کارگزاری پر گہری نگاہ

---

1. النظم الإسلامية: صبحی الصالح ص ۸۹، الإدارة الإسلامية: ۲۱۵ .
2. مناقب امیر المومنین عمر بن الخطاب: ابن الجوزی ص ۵۶، الإدارة الإسلامية: ۲۱۵ .
3. الإدارة الإسلامية فی عهد عمر بن الخطاب: ص ۲۱۵ .

رکھتے۔ آپ کے پاس ایک خفیہ ایجنسی تھی جس سے آپ گورنران و رعایا کے صحیح حالات تک رسائی حاصل کرتے تھے۔ تاریخی مصادر اس بات پر شاہد ہیں کہ موجودہ دور میں جسے خفیہ ایجنسی (انٹیلی جنس بیورو) کہا جاتا ہے وہ عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں موجود تھا چنانچہ آپ کے علم میں یہ بات ہوتی تھی کہ آپ کا کون سا افسر اپنے فرائض سے دور ہے۔ ایک بستر اور ایک ہی تکیہ پر کون کس کے ساتھ سویا ہے۔ کسی علاقے اور کسی بھی ریاست میں کوئی افسر یا امیر لشکر کسی حالت میں ہوتا اس کے ساتھ آپ کا جاسوس برابر لگا رہتا۔ اسلامی سلطنت کے مشرق ومغرب میں بولے گئے الفاظ ہر صبح وشام آپ کے پاس موجود ہوتے۔ آپ نے اپنے افسران کے نام جو خطوط ارسال کیے تھے ان میں اس بات کا اچھی طرح مشاہدہ کیا جا سکتا ہے اور اسی نگرانی کی برکت تھی کہ وہ افسران اپنے قریبی اور خاص لوگوں سے بھی بے خوف نہیں ہوتے تھے۔ ❶

آپ اپنے عمال کی نگرانی میں متعدد وسائل استعمال کرتے تھے، ان میں سے چند یہ ہیں:

۱: **والیان ریاست دن کے وقت مدینہ میں داخل ہوں:** ...... آپ مدینہ آنے والے اپنے والیان ریاست کو حکم دیتے تھے کہ وہ دن کے وقت مدینہ میں داخل ہوں، رات کو داخل نہ ہوں۔ آپ کا مقصد یہ تھا کہ وہ جو کچھ بھی اموال واسباب لے کر آئیں وہ سامنے رہے اور اس کے بارے میں استفسار ومحاسبہ کرنا آسان رہے۔ ❷

۲: **والیان ریاست سے وفود بھیجنے کا مطالبہ:** ...... عمر رضی اللہ عنہ اپنے گورنران سے مطالبہ کرتے تھے کہ وہ ریاست کے کچھ افراد پر مشتمل وفد بھیجا کریں تاکہ آپ ان سے ان کے شہروں کے حالات اور حکومت کی عائد کردہ خراج (لگان) کے بارے میں معلومات لے سکیں اور آپ کو یقین ہو جائے کہ گورنر ظلم تو نہیں کر رہے ہیں۔ آپ وفد سے گورنران کے ظلم نہ کرنے کی گواہی لیتے تھے چنانچہ جب کوفہ سے خراج کا مال آپ کے پاس آتا تھا تو اس کے ساتھ باشندگان کوفہ میں سے دس افراد پر مشتمل ایک وفد ہوتا تھا، اسی طرح بصرہ سے آنے والے خراج کے ساتھ ایک وفد ہوتا تھا۔ جب وہ لوگ آپ کے سامنے آتے تو حلفیہ گواہی دیتے کہ یہ مال حلال اور پاک ہے اس میں کسی مسلمان یا ذمی پر ظلم کا مال نہیں ہے۔ ❸

آپ کی یہ حکیمانہ کارروائی والیان ریاست کو لوگوں پر ظلم کرنے سے روکنے میں کافی موثر تھی کیونکہ انہیں معلوم ہوتا تھا کہ اگر ان کی طرف سے کچھ بھی ظلم ہوگا تو یہ وفد امیر المومنین تک اسے پہنچا دے گا اور آپ کو اس کی اطلاع ہو جائے گی۔ عموماً عمر رضی اللہ عنہ ان وفود سے کافی بحث ومباحثہ کرتے اور کرید کرید کر ان کے شہروں اور گورنروں کے اخلاق و برتاؤ کے بارے میں پوچھتے۔ ❹

---

❶ التاج فی أخلاق الملوك: ص۱٦٨ .　❷ فن الحكم: ص۱۷٤ .

❸ ابحراج، أيوسف، ص ۱۲٤ ، الولاية على البلدان: ۱/ ۱٥۷ .　❹ الولاية على البلدان: ۱/ ۱٥۷ .

۳: ڈاک خانے کے خطوط و رسائل:...... سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ گورنران کے پاس قاصد (ڈاکیا) کے ذریعہ ڈاک بھیجتے تھے اور قاصد کو حکم دیتے تھے کہ جب وہ مدینہ لوٹنے لگے تو لوگوں میں اعلان کر دے کہ کیا کوئی شخص امیر المومنین کے نام کوئی خط بھیجنا چاہتا ہے؟ اس اعلان کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ قاصد اس خط کو والی ریاست کی کسی دخل اندازی کے بغیر امیر المومنین تک پہنچائے۔ خود نامہ بر بھی یہ نہ جانتا تھا کہ ان خطوط میں کیا تحریر ہے۔ چنانچہ اس امانت داری کا نتیجہ یہ ہوتا کہ والی ریاست یا اور کسی کی اطلاع کے بغیر براہ راست عمر رضی اللہ عنہ سے اپنی شکایت اور دکھ درد پیش کرنے کے لیے لوگوں کے سامنے راستہ کھلا رہتا۔ جب وہ قاصد خطوط لے کر عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچتا تو آپ انہیں زمین پر پھیلا دیتے اور ایک کر کے سارے خطوط دیکھتے اور پڑھتے۔ [1] (مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، ص: ۵۴۵)

عہد فاروقی میں والیان ریاست کو دی جانے والی سزاؤں کی نوعیت:

عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے والیان ریاست کی نگرانی کے دوران ان کی بعض قابل سرزنش غلطیوں کو دیکھا، جس کی وجہ سے تادیبی کارروائی کی اور انہیں سزا بھی دی۔ البتہ واقعات کی نوعیت میں تفاوت اور خلیفہ کی صواب دید کی وجہ سے ان تادیبی کارروائیوں کی شکلیں مختلف رہی ہیں۔ یہاں چند اہم نوعیتوں کا ذکر کیا جاتا ہے:

۱: غلطی کرنے کی صورت میں امراء و گورنران سے بدلہ دلانا

۲: غلطی کرنے کی صورت میں والی کو معزول کرنا

۳: والیان ریاست کے گھروں کے کچھ حصوں کو گرا دینا

۴: تادیبی کارروائی میں مارنا پیٹنا

۵: عہدۂ گورنری سے ہٹا کر بکریوں کا چرواہا بنا دینا

۶: والیان ریاست کا مال تقسیم کر لینا

۷: زبانی اور تحریری ڈانٹ

[1] تاریخ المدینۃ: ۲/ ۷۶۱.

چھٹا باب

عہد فاروقی میں عراق وشام کی فتوحات

(۱)......عراق ومشرق کی فتوحات کا دوسرا مرحلہ

سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت عراق میں جو فتوحات ہوئیں وہ مشرق میں پیش رفت کرنے والی اسلامی فتوحات کا پہلا مرحلہ تھیں۔ میں نے اپنی کتاب ''ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، شخصیت اور کارنامے'' میں انہیں تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ جب سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کا دور آیا تو آپ نے صدیقی منصوبہ بندی کو کئی مرحلوں سے گزار کر پایۂ تکمیل تک پہنچایا، گویا کہ مشرق میں فتوحات کا یہ دوسرا مرحلہ تھا جس کا بیان کچھ اس طرح ہے:

ا۔ ابوعبید ثقفی رحمہ اللہ کی امارت میں عراق کی جنگ:

جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات ہوگئی اور ۲۳ جمادی الآخر ۱۳ ہجری کو منگل کی رات آپ کی تدفین عمل میں آئی، اس کے بعد جب صبح عمر رضی اللہ عنہ نے خلافت سنبھالی تو اہل عراق سے جنگ کرنے کے لیے لوگوں کو آمادہ کیا، انہیں جوش دلایا اور ثواب کی رغبت دلائی لیکن کوئی آگے نہ آیا۔ اس لیے کہ وہ اہل فارس کی جنگی قوت اور خون ریز معرکہ آرائی کی وجہ سے ان سے جنگ کرنا ناپسند کرتے تھے۔ آپ نے دوسرے اور پھر تیسرے دن بھی لوگوں کو اہل فارس سے جنگ کے لیے آمادہ کیا، مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے بھی تائید میں بہت اچھی تقریر کی اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں عراق کے بیشتر علاقے مسلمانوں کو فتح میں نصیب کیے ہیں اور وہاں مجاہدین اسلام کو غنیمت میں بہت کچھ مال وجائداد اور زمین ملنے والی ہے، لیکن تیسرے دن بھی کوئی آگے نہ آیا۔ البتہ چوتھے دن لوگوں کو ابھارنے اور جوش دلانے کے بعد ابوعبید بن مسعود ثقفی رحمہ اللہ سب سے پہلے آگے بڑھے اور پھر یکے بعد دیگرے لوگ آپ کا ساتھ دیتے گئے۔[1] عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی آواز پر ابوعبید ثقفی کے بعد سلیط بن قیس انصاری رضی اللہ عنہ نے لبیک کہا اور بولے: امیر المومنین! ان اہل فارس سے متعلق اب تک ہم شیطان کے دھوکے میں تھے، سنیے! میں نے اور جو میرے چچا زاد بھائی ہیں نیز اور جو لوگ میرے ساتھ ہیں ہم سب خود کو اللہ کے راستے میں قربان کرنے کے لیے تیار ہیں۔[2] سلیط رضی اللہ عنہ کا یہ روح پرور کلام لوگوں کو ابھارنے، ان کے جذبات کو بھڑکانے اور اہل فارس سے نبرد آزما ہونے میں بہت مؤثر ثابت ہوا اور لوگوں نے خلیفۂ راشد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ

---

[1] البداية والنهاية: ۷/ ۲۶.

[2] الفتوح: ابن أعثم ۱/ ۱۶۴، الأنصار فی العصر الراشدی: ص ۲۱۶.

سے مطالبہ شروع کر دیا کہ آپ کسی مہاجر یا انصاری کو ہمارا امیر بنا دیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو شخص لوگوں کو ابھارنے میں پیش پیش رہا ہے، میں اس سے زیادہ امارت کا حق دار کسی دوسرے کو نہیں سمجھتا۔ اگر سلیط جنگی امور میں جلد باز نہ ہوتے تو انہی کو تمہارا امیر بناتا، لہٰذا ابوعبید امیر ہوں گے اور سلیط وزیر۔ چنانچہ لوگوں نے سمع وطاعت کا مظاہرہ کیا۔ [1]

۲۔ معرکہ جسر ۱۳ ہجری:

ایرانی فوج کا سپہ سالار جالینوس جب مسلمانوں سے شکست خوردہ ہو کر فارس واپس لوٹا تو اہل فارس نے اسے اور اس کی فوج کو کافی ملامت کی اور غرور کی پیشانی سے ذلت و ہزیمت کا پسینہ دھونے کے لیے آپسی اختلافات بھلا کر رستم کی حکمرانی پر سب متفق ہو گئے اور رستم نے ذوالحاجب بہمن جاذویہ کی قیادت میں بہت بڑی فوج مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لیے روانہ کی اور اسے چیتے کی کھال کا بنا ہوا ''درفش کاویانی'' (عظیم پرچم) نامی کسروی جھنڈا دیا، اہل فارس کی نگاہوں میں وہ جھنڈا متبرک مانا جاتا تھا، گویا وہ اسے فتح کی علامت سمجھ رہے تھے۔ اس کا طول بارہ ہاتھ اور عرض آٹھ ہاتھ تھا۔ ایرانی فوج مسلمانوں کے قریب پہنچی، دونوں کے درمیان ایک نہر تھی جس پر پل بنا ہوا تھا۔ انہوں نے مسلم افواج سے کہا: یا تو تم دریا عبور کرو یا ہم عبور کرتے ہیں۔ مسلمانوں نے اپنے امیر ابوعبید رحمہ اللہ کو مشورہ دیا کہ آپ دشمن ہی کو دریا عبور کرنے دیں۔ لیکن ابوعبید رحمہ اللہ نے کہا: وہ ہم سے زیادہ موت پر دلیر نہیں ہیں، دریا ہم عبور کریں گے۔ پھر آپ دشمن کی طرف بڑھے اور اپنی فوج لے کر ایک تنگ جگہ پر اکٹھا ہوئے اور دونوں افواج میں ایسی زبردست جنگ ہوئی کہ اس سے پہلے کبھی اس کی مثال نہیں ملتی تھی، اسلامی فوج کی تعداد تقریباً دس ہزار تھی جب کہ ایرانی فوج کے ساتھ ہاتھیوں کا ایک عظیم لشکر تھا۔ مسلم افواج کے گھوڑوں کو بدکانے کے لیے ان کے گلوں میں گھنٹیاں باندھے ہوئے تھے۔ وہ جب مسلمانوں پر حملہ آور ہوتے تو گھوڑے ان ہاتھیوں اور گھنٹی و گھنگرو کی آوازوں سے بدک جاتے۔ کافی مجبور کرنے پر بہت کم ہی گھوڑے میدان میں ٹک سکے اور جب مسلمان حملہ آور ہوئے تو ان کے گھوڑے آگے بڑھنے کو تیار نہ ہوئے۔ ادھر فیل نشین ایرانی فوج مسلمانوں پر تیروں کی بارش کر دیتی، اس طرح مسلمانوں کے اوسان خطا ہو گئے اور بہت سے فوجی شہید ہو گئے تاہم انہوں نے ایرانی فوج کے چھ ہزار سپاہیوں کو مار گرایا۔ [2]

بہرحال جب ہاتھیوں کے گردن میں لٹکتی ہوئی گھنٹی کی آوازوں سے مسلمانوں کے گھوڑے بدک رہے تھے اور مسلمان ایرانی فوج تک پہنچنے سے عاجز نظر آرہے تھے، کیونکہ ہاتھی ان کی صفوں کو منتشر کر دیتے تھے، ایسے وقت میں ابوعبید رحمہ اللہ اپنے گھوڑے سے کود پڑے، ان کو دیکھ کر دوسرے مسلم فوجی بھی اپنے گھوڑوں سے کود گئے

---

[1] ألانصار فی العصر الراشدی: ص ۲۱۶ .

[2] ترتیب وتهذیب البدایة والنهایة: ص ۹۰ .

اور تلواریں لے کر ایرانی فوج سے گتھم گتھا ہو گئے۔ ایرانی فوج کے فیل بانوں، شہ سواروں اور پیدل چلنے والوں سپاہیوں کا مقابلہ کرنے لگے۔ ایرانی فوج مسلمانوں کو تیروں کا نشانہ بنا رہی تھی اور مسلمان بڑی بے جگری سے مورچہ لیتے ہوئے آگے بڑھنا چاہتے تھے، لیکن گھوڑوں کے آگے نہ بڑھنے کی وجہ سے مات کھا جاتے۔ ان کی تاریخ کا یہ بہت ہی مشکل وقت تھا۔ تاہم ایسے نازک وقت میں انہوں نے جس جانبازی اور قربانی کا مظاہرہ کیا انسانی تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ وہ اسلام کے جانباز سپوت اہل فارس کے سامنے ایک آہنی دیوار بن کر کھڑے رہے۔ باوجودیکہ دشمن کے پاس جنگ کے تمام اسباب اور تدبیریں موجود تھیں اور ہاتھی ان کے لیے سب سے بڑا ہتھیار ثابت ہوئے جس کا مسلمانوں کو سامنا تھا۔ وہ ہاتھی جدھر رخ کرتے فوج کی صفوں کو منتشر کر دیتے۔ ابوعبید رحمہ اللہ نے اپنے مجاہدین کو آواز دی اور کہا کہ ہاتھیوں پر دھاوا بولو، پالان کی رسیوں کو کاٹ دو اور ان پر سوار فوج کو الٹ دو۔ سب سے پہلے آپ ہی نے بڑے سفید ہاتھی پر حملہ کیا اور اس کی رسی کو کاٹ دیا اور جتنے ایرانی فوجی اس پر سوار تھے سب گر پڑے۔ دوسرے مسلمانوں نے بھی ایسا ہی کیا جو ہاتھی سامنے آتا اس کے پالان کی رسیاں کاٹ دیتے اور اس پر سوار کو الٹ دیتے پھر انہیں قتل کر دیتے، لیکن ہاتھی برابر حملے کرتے رہے کیونکہ انہیں جنگی ٹریننگ دی گئی تھی۔ ابوعبید رحمہ اللہ نے پہلی فرصت میں ان کو ختم کرنا چاہا اور اس سلسلے میں تدبیریں کرنے لگے، آپ کے ساتھیوں نے بتایا کہ اگر ان کی سونڈ جڑ سے کاٹ دی جائیں تو وہ مر جائیں گے چنانچہ آپ نے سفید ہاتھی پر حملہ کیا اور اس کی سونڈ پر زوردار تلوار ماری، لیکن خود ہاتھی کی لپیٹ میں آ گئے۔ اس نے آپ کو پٹخ دیا اور پھر پاؤں کے نیچے رکھ کر روند دیا۔ آپ کے بعد لشکر کا جھنڈا آپ کے بھائی حکم بن مسعود رحمہ اللہ نے اٹھا لیا۔ انہوں نے بھی ہاتھی کو مار کر ابوعبید رحمہ اللہ سے اس کو دور کر دیا، لیکن ہاتھی نے ان کے ساتھ بھی ابوعبید ہی جیسا کیا یعنی سونڈ میں لپیٹ کر پٹخ دیا اور پاؤں سے کچل دیا۔ پھر یکے بعد دیگرے جن لوگوں کو ابوعبید نے علم بلند کرنے کے لیے نامزد کیا تھا باری باری وہ سب جھنڈا اٹھاتے رہے، انہی لوگوں میں ابوعبید کے تینوں فرزند وہب، مالک اور جبر بھی تھے۔ اس طرح سب کے سب شہید کر دیے گئے اور سورج غروب ہوتے ہوئے سب سے آخر میں مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے فوج کی کمان اپنے ہاتھ میں لے لی، اس وقت تک بعض مسلمان پیچھے ہٹتے اور کھسکتے پل کے اس پار اتر چکے تھے اور کچھ میدان چھوڑ کر پیچھے آ رہے تھے، عبداللہ بن مرثد ثقفی نے جب دیکھا کہ مسلم فوج میدان چھوڑ کر بھاگنا چاہتی ہے تو انہوں نے جلدی سے دریا پر بنا ہوا پل توڑ دیا اور کہنے لگے جس طرح تمہارے امراء وقائدین نے لڑتے لڑتے جانیں دی ہیں اسی طرح تم بھی جان دے دو یا کامیاب ہو کر لوٹو، وہ لوگوں کو دریا عبور کرنے سے روکنے کی پوری کوشش کر رہے تھے۔ بعض لوگ ان کو پکڑ کر مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے پاس لائے۔ آپ نے غصہ سے ان کو مارا اور کہنے لگے: تم نے ایسا کیوں کیا؟ یعنی پل کیوں توڑ ڈالے؟ انہوں نے کہا: تاکہ فوج جم کر جنگ لڑے۔ دراصل عبداللہ بن مرثد نے اپنے اجتہاد کی بنا پر یہ اقدام کیا

تھا، حالانکہ ان کا اجتہاد نامناسب مقام پر تھا۔ اس لیے کہ پل کا ٹوٹ جانا ایرانیوں کے دباؤ سے بھاگتے ہوئے بہت سارے مسلمانوں کے دریا میں غرق آب ہونے کا سبب بن گیا۔ اس وقت کی مناسب فکر تو یہ تھی کہ جس قدر ممکن ہو سکے پیچھے ہٹ کر بقیہ مسلمانوں کی جان بچائی جائے اور مثنی بن حارثہ نے یہی حکمت عملی اختیار بھی کی۔ دوبارہ پل باندھنے کا حکم دیا اور خود چند مسلم جانبازوں کو ساتھ لے کر دشمن کے سامنے ڈٹ گئے اور اپنی فوج کی پشت پناہی کرنے لگے یہاں تک کہ سب دریا پار اتر گئے۔ آپ اس وقت کہہ رہے تھے: اے لوگو! ہم تمہارے لیے دشمنوں سے روک ہیں۔ اپنی رفتار سے پل پار کرتے رہو، گھبراؤ نہیں ہم یہاں سے ہٹنے والے نہیں، یہاں تک کہ تم کو دریا کے اس پار دیکھ لیں، بھگدڑ مچا کر خود کو دریا میں غرق مت کرو، اس طرح مثنی رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھی عاصم بن عمرو اور کلج ضبی وغیرہ مرد میدان نے سب سے آخر میں دریا عبور کیا۔ بہمن جاذویہ یہ چاہتا تھا کہ بچے کھچے مسلمانوں پر بھی اسی وقت حملہ کر دے اور اس کے لیے وہ آگے بھی بڑھا لیکن پھر ہمت نہ کر سکا۔ مثنی رضی اللہ عنہ نے اسے کوئی موقع نہ دیا اور منظّم شکل میں اپنے ساتھیوں کو پیچھے کھینچ کر محفوظ کر لیا۔ یہ جانباز جنھوں نے مسلمانوں کو پیچھے کر کے خود دشمن کا مقابلہ کیا یہاں تک کہ تمام مسلمان دریا عبور کر گئے، بے شک وہ دشمن کے سامنے ایک پہاڑ تھے۔ اسلامی فوج نے میدان کارزار میں پانچ ہزار شہداء کو چھوڑ کر بقیہ پانچ ہزار کی تعداد میں دریا عبور کیا۔ ان شہداء میں اکثر صحابہ تھے، بالخصوص اس میں وہ لوگ شہید ہو گئے جو ابوعبید رحمہ اللہ کے ساتھ مدینہ سے آئے تھے اور پانچ ہزار کی جو تعداد میدان جنگ سے واپس آ گئی تھی ان میں سے دو ہزار مدینہ وغیرہ واپس چلے گئے اور صرف تین ہزار مثنی رضی اللہ عنہ کے ساتھ باقی رہے۔ واضح رہے کہ مسلمانوں نے اس معرکہ میں بے حد نامساعد و ابتر حالات کے باوجود چھ ہزار ایرانیوں کو موت کے گھاٹ اتارا، دشمن کو اس قدر خسارہ پہنچانا درحقیقت مسلمانوں کی بہادری اور ان کی قوت تحمل کی دلیل ہے۔ [1]

(۲)......معرکہ قادسیہ

جب امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خبر ملی کہ اہل فارس بڑے زور شور سے لڑائی کی تیاری میں لگے ہوئے ہیں اور عراقی مسلمانوں کی مختصر سی باقی ماندہ فوج کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا چاہتے ہیں تو جبری فوجی بھرتی کا حکم دیا اور حالات کا تقاضا بھی یہی تھا۔ آپ نے مثنیٰ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ تمام قبائل میں جو مرد میدان ہوں اور لڑنے کی طاقت رکھتے ہوں انہیں فوج میں بھرتی کریں، وہ اس کے لیے راضی ہوں یا نہ ہوں، اس عمل کو جبری فوجی بھرتی کہا جاتا ہے جسے اسلام میں سب سے پہلے عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انجام دیا۔ اس واقعہ سے کتاب ''العسکریة الاسلامیة'' کے مؤلف محمد فرج کی اس تحقیق کی تردید ہو جاتی ہے جن کا کہنا ہے کہ جبری فوجی بھرتی اموی دور حکومت کی ایجاد ہے۔ مذکورہ واقعہ سے صاف ظاہر ہے کہ فوجی بھرتی کے اس نظام کو سب سے پہلے عمر فاروق رضی اللہ عنہ

[1] تاریخ الطبری: ٤/ ٢٧٩، التاریخ الإسلامی: ١٠/ ٣٤١.

نے نافذ کیا اور جوں ہی مثنی رضی اللہ عنہ کے نام امیر المومنین کا جبری فوجی بھرتی سے متعلق خط پہنچا انہوں نے فوراً اسے نافذ کیا۔ فوجی نقل وحرکت کا جو نقشہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کھینچا تھا اسی کے مطابق اپنا قدم آگے بڑھایا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے تمام گورنروں اور افسروں کے پاس کارندے بھیج کر انہیں حکم دیا کہ ہر اس شخص کو جو مرد میدان ہو، جس کے پاس ہتھیار ہو، جس کے پاس گھوڑا ہو یا وہ جنگی بصیرت کا مالک ہو منتخب کر لو اور جلد از جلد میرے پاس بھیج دو اور لوگوں کو زبردستی فوج میں بھرتی کرو اور انہیں میرے پاس بھیجتے رہو تاکہ انہیں عراق کے محاذ پر بھیج سکوں۔ [1]

۱۔ جنگ عراق کے لیے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی امارت:

فتوحات عراق کا یہ تیسرا مرحلہ ہے جس کا آغاز ۱۴ ہجری میں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی امارت سے ہوتا ہے۔ ایک طرف ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا چودھواں سال شروع ہو رہا ہے اور دوسری طرف عمر فاروق رضی اللہ عنہ مسلمانوں کو اہل فارس سے جنگ کرنے پر ابھار رہے ہیں۔ اس سال کے محرم کی پہلی تاریخ کو مدینہ سے اسلامی لشکر لے کر آگے آگے چلتے ہیں۔ ''صرار'' [2] نامی ایک چشمہ پر آ کر ٹھہر جاتے ہیں اور بہ نفس نفیس جنگ عراق میں شرکت کا عزم مصمم لے کر یہاں لشکر کے ساتھ پڑاؤ ڈالتے ہیں۔ مدینہ میں سیّدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب چھوڑا ہے اور ساتھ میں عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور دیگر بزرگ وممتاز صحابہ ہیں۔ اپنے عزم و فیصلہ کے متعلق صحابہ سے مشورہ لینے کے لیے ایک مجلس منعقد کرتے ہیں۔ ''اَلصَّلَاۃُ جَامِعَۃٌ'' کی ندا لگائی گئی اور علی رضی اللہ عنہ کو مدینہ سے بلا بھیجا پھر آپ نے سب سے مشورہ طلب کیا کہ جنگ میں میری شرکت کیسی ہے؟ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے علاوہ سب نے آپ کی شرکت کی تائید کی۔ عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: مجھے ڈر ہے کہ اگر کہیں آپ کو کوئی زک پہنچ گئی تو سارے مسلمان کمزور پڑ جائیں گے۔ میری رائے ہے کہ آپ اپنی جگہ پر کسی دوسرے شخص کو امیر بنا دیں اور خود مدینہ واپس لوٹ جائیں پھر دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی فکر سے اتفاق کیا، خود عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اسے بہتر سمجھا۔ لیکن آپ نے عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے پوچھا: پھر آپ کی رائے میں کس کو امیر بنایا جائے؟ انہوں نے کہا: میں نے پا لیا۔ آپ نے پوچھا: کون؟ انہوں نے کہا: کچھار کا شیر، سعد بن ابی وقاص، عمر رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کی بات کو پسند کیا اور سعد رضی اللہ عنہ کو نجد سے بلا کر جنگ عراق کا امیر بنا دیا۔ [3]

۲۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی وصیت:

جب سعد رضی اللہ عنہ مدینہ پہنچے تو عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں جنگ عراق کا امیر مقرر کرتے ہوئے فرمایا: ''اے سعد! اے بنو وہیب کی سعادت! اس بات پر کبھی گھمنڈ نہ کرنا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے

---

[1] إتمام الوفاء: ص ۷۰.

[2] ''صرار'' مدینہ سے تین میل کی دوری پر ایک جگہ ہے۔ معجم البلدان: ۳/ ۳۹۸.

[3] ترتیب وتهذیب البدایة والنهایة: ص ۹٦.

صحابی ہو، اللہ تعالیٰ برائی کو برائی سے نہیں نیکی سے مٹاتا ہے اور اللہ اور اس کے بندے کے درمیان رشتہ اطاعت کے سوا دوسرا کوئی رشتہ نہیں، اللہ کی نگاہ میں ادنیٰ و اعلیٰ سب برابر ہیں، اللہ سب کا رب ہے اور سب اس کے بندے ہیں، طہارتِ نفس و تقویٰ میں ایک کو دوسرے پر فضیلت ہے، اللہ کی رضا مندی صرف اس کی اطاعت کوشی میں ہے، اپنی بعثت سے لے کر ہم سے جدا ہونے تک نبی ﷺ کی جو سنت رہی ہے ہر مسئلہ میں اسی پر نظر رکھنا کیونکہ وہی اصل دین ہے۔ یہی میری تم کو نصیحت ہے اگر تم اسے نہیں مانو گے اور اس سے اعراض کرو گے تو نقصان اٹھاؤ گے۔ ❶

خلیفہ راشد، عظیم خلیفہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی یہ بلیغ نصیحت ہے، آپ نے سعد رضی اللہ عنہ کی اس کمزوری کو پکڑ لیا جس سے وہ دھوکا کھا سکتے تھے اور وہ یہ کہ نبی ﷺ سے ان کا قریبی تعلق کہیں ان کے لیے دیگر مسلمانوں پر گھمنڈ کرنے کا سبب نہ بنایا جائے۔ لہٰذا آپ نے ایسے عام اسلامی اصول کا حوالہ دیا جو اس دنیا میں مسلم فرد کی کرامت و برتری کا معتبر پیمانہ ہے۔ فرمایا: اللہ سب کا رب ہے اور سب اس کے بندے ہیں۔ صرف طہارت نفس سے ایک دوسرے پر فضیلت ملتی ہے اور اطاعت شعاری سے اللہ کی رضا حاصل ہوتی ہے۔ گویا آپ یہ کہنا چاہتے تھے کہ گناہوں سے دوری اور اطاعت کوشی بلفظ دیگر صرف تقویٰ میں ایک کو دوسرے پر برتری حاصل ہو سکتی ہے اور اسی کا نام تقویٰ ہے اور وہی فضیلت و برتری کا الٰہی میزان ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿١٣﴾﴾ (الحجرات: ١٣)

''اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ معزز وہ ہے جو تم میں سے زیادہ متقی ہو۔''

پس تقویٰ و طہارت نفس ہی سچی و بابرکت میزان ہے اگر مسلمان رب کی رضا اور اخروی سعادت کے حصول کے لیے کوشش کرے تو تقویٰ کی اس منزل تک پہنچنا اس کے لیے نہایت ممکن و آسان ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے نصیحت کے آخر میں فرمایا کہ ہر مسئلہ میں نبی ﷺ کی جو سنت رہی ہے اسی پر عمل کرنا، آپ کی یہ نصیحت دین کے تمام احکامات کی بجا آوری اور عملی زندگی میں اس کے مکمل نفاذ کو شامل ہے۔ ❷

۳۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ عراق میں اور مثنیٰ رضی اللہ عنہ کی وفات:

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اپنا لشکر لے کر آگے بڑھے اور نجد کے ''زرود'' ❸ نامی ایک مقام پر خیمہ زن ہوئے۔ امیر المومنین نے ان کے پاس مزید چار ہزار فوج بھیجی اور سعد رضی اللہ عنہ نے خود سات ہزار مجاہدین اسلام کو نجد سے جمع کر لیا تھا۔ ادھر مثنیٰ بن حارثہ شیبانی رضی اللہ عنہ بارہ ہزار فوج لے کر عراق میں سعد رضی اللہ عنہ کے منتظر تھے۔

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ زورد میں پڑاؤ ڈال کر اہل فارس سے فیصلہ کن جنگ کی تیاریوں میں لگ گئے اور عمر

---

❶ تاریخ الطبری: ٤/ ٣٠٦. ❷ التاریخ الإسلامی: ١٠/ ٣٦٢.

❸ ''زرود'' عراق کے راستے سے آنے والے حجاج کے راستے میں ثعلبیہ اور خزیمیہ کے درمیان ایک ریگستانی علاقہ ہے۔

فاروق رضی اللہ عنہ کے حکم کا انتظار کرنے لگے، عمر رضی اللہ عنہ نے اس جنگ کے لیے کافی اہتمام کیا تھا، آپ نے پوری اسلامی سلطنت سے تمام روساء، اصحاب الرائے، شرفاء، مردان جنگ، خطباء اور شعراء کو جمع کر کے ان چنندہ افراد کو اسلامی لشکر کے ساتھ بھیج دیا تھا۔ ❶

جس وقت سعد رضی اللہ عنہ اپنا لشکر لے کر زرود میں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے انہی ایام میں مثنی بن حارثہ رضی اللہ عنہ سخت بیمار پڑے اور اس سے جاں بر نہ ہو سکے۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ معرکہ جسر میں ان کو جو کاری زخم لگا تھا وہی ناسور ہوگیا تھا۔ جب مثنی رضی اللہ عنہ کو احساس ہوا کہ اب میری موت قریب ہے اور ان کی تکلیف بڑھ گئی تو بشیر بن خصاصیہ کو اپنی فوج کا امیر بنا دیا اور اپنے بھائی مُعَنّٰی رضی اللہ عنہ کو بلوا کر انہیں وصیت فرمائی اور کہا کہ جلد از جلد میری وصیت سعد رضی اللہ عنہ تک پہنچا دو اور پھر جان جان آفرین کے حوالے کر دی، اب وہ روشن چراغ بجھ چکا تھا اور چمکتا ہوا سورج غروب ہوگیا تھا جس نے فتوحات عراق کو روشنی اور حرارت سے بھر دیا تھا۔ ❷

۴۔ اسلامی لشکر کا حوصلہ بلند کرنا

سیّدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ممتاز مسلم سرداروں اور افسروں کو معرکہ کے اول دن اپنے پاس بلایا اور کہا: جاؤ، آپ لوگ اپنی اپنی جگہ پر اپنی ذمہ داریاں نبھاؤ، عربوں میں تمہارا جو مقام ومرتبہ ہے اسے تم بخوبی جانتے ہو، تم عرب کے نامور شعراء، خطیب، دانش ور، بہادر اور سردار ہو۔ فوج میں جاؤ انہیں سمجھاؤ اور جنگ پر ابھارو۔ چنانچہ وہ لوگ فوج میں گئے۔ ❸ قیس بن ہبیرہ اسدی نے اپنے قبیلہ کے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا: اے لوگو! اللہ کا شکریہ ادا کرو کہ اس نے تم کو ہدایت سے نوازا اور اسی راستے میں آزما رہا ہے، وہ تمہاری قوت کو بڑھا دے گا۔ اللہ کے احسانات کو یاد کرو، اپنے کردار وعمل سے اسی کی رضا مندی تلاش کرو، بے شک تمہارے آگے جنت ہے، یا مال غنیمت اور اس محل کے پیچھے کشادہ میدان، سنگلاخ زمین، پہاڑوں کے طویل سلسلے، بیابانوں اور جنگلات کے علاوہ کچھ نہیں ہے انہیں دشمن کے راہنما کبھی طے نہیں کر سکتے، اور غالب بن عبداللہ لیثی نے کہا: اے لوگو! اپنی اس آزمائشِ الٰہی پر اللہ کی تعریف کرو، اس سے مدد مانگو، وہ تمہاری قوت بڑھا دے گا، اس کو پکارو وہ تمہیں زندگی وقوت عطا فرمائے گا۔ اے معد کی جماعت! آج تم کیوں کمزور نظر آتے ہو جب کہ تم محفوظ ہو، یعنی گھوڑوں پر سوار ہو اور تمہارے ساتھ تمہارے وفادار ساتھی یعنی تلواریں ہیں؟ ذرا سوچو کل تمہیں لوگ کس طرح بزدلی کا طعنہ دیں گے۔ یہاں سے تمہارے کل کا آغاز ہوگا، تمہارے بعد کے لوگوں کے ساتھ جوڑ دیا جائے گا۔ اور ابن ہذیل اسدی نے کہا: ''اے معد کی جماعت! تلواروں کو اپنا قلعہ بنا لو، دشمن پر بپھرے ہوئے شیر کی طرح جھپٹو، چیتوں کی طرح ان کے وار خالی کر دو اور گرد وغبار کی زرہ پہن لو، اللہ پر بھروسا کرو، نگاہیں پست

❶ تاريخ الطبري: ٤/ ٣١٠.
❷ القادسية: أحمد عادل كمال ص ٢٩.
❸ تاريخ الطبري: ٤/ ٣٥٩.

رکھو، جب تلواریں جواب دے جائیں تو ان پر تیر وسنان کی باگیں ڈھیلی چھوڑ دو، کیونکہ جہاں تیروں کو بار مل جاتا ہے وہاں تلواروں کو نہیں ملتا۔''

بسر بن ابی رہم جہنی نے کہا: ''اللہ کی تعریف کرو، اپنی بات کو عمل سے سچ کر دکھاؤ، اس میں کوئی شک نہیں کہ تم اللہ کی عطا کردہ ہدایت پر اس کے شکر گزار ہو، اور اس کی وحدانیت کے معترف ہو، اس کے علاوہ کوئی حقیقی معبود نہیں، تم نے اس کی کبریائی کا اعتراف کیا ہے اور اس کے نبی و رسول پر ایمان لائے ہو، لہٰذا جب تمہاری جان نکلے تو اسلام ہی کی حالت میں نکلے، تمہاری نگاہوں میں دنیا سے زیادہ حقیر و ذلیل کوئی چیز نہ ہو، جو اسے ذلیل سمجھتا ہے وہ اسی کی طرف لپکتی ہے، لیکن تم اس کی طرف مائل نہ ہونا کہ وہ تم کو لے اڑے۔ اللہ کے دین کی مدد کرو وہ تمہاری مدد کرے گا۔''

عاصم بن عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اے عرب کے لوگو! تم عربوں کے سردار ہو اور عجمیوں کے سرداروں کے مقابلہ میں آئے ہو، تمہیں جنت کی آرزو ہے اور انہیں دنیا کی طلب، تمہاری آخرت طلبی کے مقابلہ میں وہ اپنی دنیا طلبی میں تم پر بازی نہ لے جائیں۔ دیکھو آج کوئی ایسی بات نہ ہونے پائے جس پر کل عربوں کو ندامت کی وجہ سے سر جھکانا پڑے۔''

ربیع بن بلاد سعدی نے کہا: ''اے عرب کے لوگو! دین اور دنیا دونوں کے لیے جنگ لڑو اور اللہ کا کلام سنو۔

﴿وَ سَارِعُوْۤا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ١ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَۙ۰۰۱۳۳﴾ (آل عمران : ۱۳۳)

''اور ایک دوسرے سے بڑھ کر دوڑو اپنے رب کی جانب سے بخشش کی طرف اور اس جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین (کے برابر) ہے، ڈرنے والوں کے لیے تیار کی گئی ہے۔''

اگر شیطان تمہیں دشمن کی بھاری فوج اور جنگ کی مشکلات کے حوالہ سے بہکاوے تو یاد کر لو کہ سابقہ زمانہ میں جو لوگ تمہاری فخریہ داستان سن چکے ہیں وہ تمہارے بارے میں کیا کہیں گے۔''[1]

اور ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اے لوگو! اللہ نے تمہیں اسلام کی ہدایت دی، اسی کلمہ پر تمہیں اکٹھا کیا، صبر کرنے میں راحت ہے، صبر کی عادت ڈالو اسی کے عادی بن جاؤ گے، جزع و واویلا کے خوگر نہ بنو کہ اسی کی تمہیں عادت پڑ جائے۔''

بہر حال سب نے تقریباً اسی قسم کی باتیں کہیں، ایک دوسرے کو بھروسا دلایا اور اپنے اپنے قبائل کو مناسب طریقے سے عار دلائی، بالآخر سب نے اسلام کے لیے مر مٹنے کا عہد کیا اور پوری طرح برانگیختہ ہو گئے۔[2]

---

[1] تاریخ الطبری: ٤/ ٣٥٩.

[2] تاریخ الطبری: ٤/ ٣٦٠.

۵۔ یوم ارماث:

معرکہ قادسیہ کے پہلے دن کو ''یوم ارماث'' کہا جاتا ہے، یوم ارماث کے موقع پر سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اسلامی لشکر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: ''اپنی اپنی جگہوں پر ٹھہرے رہو، اس وقت تک آگے نہ بڑھنا جب تک ظہر کی نماز نہ پڑھ لو، اور جب ظہر کی نماز سے فارغ ہو جاؤ گے تو میں تکبیر کہوں گا، تم بھی تکبیر کہنا اور تیاری شروع کر دینا۔ جان لو کہ نعرۂ تکبیر کی نعمت تم سے پہلے کسی امت کو نہیں ملی، یہ تکبیر تمہیں اللہ کی طرف سے نصرت و تائید میں ملی ہے اور جب میں دوسری تکبیر کہوں گا تو تم بھی تکبیر کہنا اور اپنی تیاریاں مکمل کر لینا اور جب تیسری تکبیر کا نعرہ ماروں گا تو تم بھی تکبیر کہنا۔ شہ سواروں کو چاہیے کہ اس موقع پر لوگوں کو پر جوش اور پھرتیلا بنا دیں تاکہ دشمن کو دعوت مبارزت دیں اور انہیں پیچھے دھکیل سکیں، پھر جب چوتھی تکبیر کہوں گا تو تم سب دشمن پر ٹوٹ پڑو اور ان میں گتھم گتھا ہو جاؤ اور ''لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ.'' پڑھتے رہو۔''❶

جب سعد رضی اللہ عنہ ظہر کی نماز پڑھ کر فارغ ہوئے تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف سے ان کی خدمت پر مامور غلام کو جو قراء کرام میں سے تھا حکم دیا کہ سورۂ جہاد یعنی سورۂ انفال کی تلاوت کرے۔ اس نے اپنے قریب کے فوجی حصے میں سورۂ انفال کی تلاوت کی اور پھر ہر حصے میں اس سورت کی تلاوت کی گئی۔ اس سورت کا سننا تھا کہ مسلمانوں کے دل کشادہ ہو گئے، آنکھیں چمک اٹھیں اور قلبی سکون سے مالا مال ہو گئے۔❷ جب حفاظ و قراء تلاوت سے فارغ ہو گئے تو سعد رضی اللہ عنہ نے تکبیر کہی، جو لوگ ان سے قریب تھے انہوں نے تکبیر کہی اور پھر پوری فوج تکبیر کے نعروں سے گونج اٹھی۔ لوگ حرکت میں آ گئے اور جب دوسری تکبیر کہی تو تمام لوگوں نے تیاری مکمل کر لی پھر تیسری تکبیر کہی تو مسلمانوں کے چند جانباز آگے بڑھے اور دشمن کو دعوت مبارزت دی، اہل فارس سے بھی چند نامور سپاہی نکلے، پھر دونوں نے تلوار زنی و نیزہ بازی میں ایک دوسرے سے دو دو ہاتھ کیے۔❸ غالب بن عبداللہ اسدی، عاصم بن عمرو تیمی، عمرو بن معدیکرب زبیدی اور طلیحہ بن خویلد اسدی جیسے مسلم جانبازوں نے اس میدان مبارزت میں دشمن کو بری طرح شکست دی، اس کے کئی نامور بہادر اس میں قتل کیے گئے اور کئی ایک کو قیدی بنایا گیا، جب کہ مذکورہ مسلم جانبازوں میں سے کسی نے جان نہ گنوائی۔ درحقیقت مبارزت، جنگ کے ان مشکل ترین فنون میں سے ایک فن ہے جس پر بڑے بڑے بہادر جانباز ہی قدرت رکھتے ہیں۔ یہ ایک ایسا جنگی فن ہے جس میں فتح یاب ہونے والوں کی شان بلند ہوتی ہے اور ان کے جذبات و احساسات کو قوت ملتی ہے جبکہ شکست خوردہ جماعت کی اہمیت گھٹ جاتی ہے اور اس کے حوصلے پست ہو جاتے ہیں۔ ابتدائی دور کے مسلمان اس فن میں ہمیشہ دوسروں پر غالب رہے اور اس کے ظاہری و معنوی اثرات سے فائدہ اٹھاتے رہے۔❹

---

❶ تاریخ الطبری: ٤/ ٣٦١.
❷ تاریخ الطبری: ٤/ ٣٦٢.
❸ تاریخ الطبری: ٤/ ٣٦٢.
❹ التاریخ الاسلامی: ١٠/ ٤٤٥.

ابھی لوگ چوتھی تکبیر کا انتظار کر ہی رہے تھے کہ بنونہد قیس بن حذیم بن جرثومہ کے پیدل فوجیوں پر جو ذمہ دار مقرر تھے، وہ جوش میں آ کر اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے: اے بنونہد! جوانمردی کے جوہر دکھاؤ اور خود کو اسم بامسمّٰی ثابت کرو۔ خالد بن عرفطہ رضی اللہ عنہ نے ان کی جلدی کو دیکھ کر کہا: خبردار! خاموش رہو ورنہ تمہاری جگہ دوسرے کو ذمہ دار بنا دوں گا۔ چنانچہ وہ خاموش ہو گئے۔ [1]

۶۔ یوم اغواث:

جنگ قادسیہ کے دوسرے دن کو ''یوم اغواث'' کہا جاتا ہے۔ یوم اغواث کی رات میں قعقاع بن عمرو تمیمی رضی اللہ عنہ کی قیادت میں شامی فوج کا ایک دستہ قادسیہ میں آ پہنچا۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے امیر شام ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ساتھ عراق کی جو فوج شام گئی تھی اسے معرکہ قادسیہ میں مسلمانوں کی مدد کے لیے عراق واپس بھیج دیں۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے حکم کی بجا آوری کرتے ہوئے خالد رضی اللہ عنہ کے ساتھ آئی ہوئی عراقی فوج کو واپس بھیج دیا اور خالد رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس باقی رکھا تاکہ وقت ضرورت ان سے کچھ مدد لے سکیں اور قادسیہ کو بھیجی جانے والی اس فوجی کمک کا سپہ سالار سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بھتیجے ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو بنایا۔ یہ عراقی فوج جب خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی امارت میں عراق سے شام آئی تھی اس وقت اس کی تعداد نو ہزار (۹۰۰۰) تھی، لیکن اب عراق واپس ہونے والوں کی تعداد صرف چھ ہزار (۶۰۰۰) تھی۔ ان میں سے ہاشم بن عتبہ رضی اللہ عنہ نے ایک ہزار مجاہدین پر مشتمل فوجی دستہ کو مقدمہ کی حیثیت سے قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ کی قیادت میں قادسیہ روانہ کیا۔ [2]

۷۔ یوم عماس:

جنگ کے تیسرے دن کو ''یوم عماس'' کہا جاتا ہے، فارسی فوج نے اس دن ہاتھیوں کو جدید طریقے سے منظّم کیا، آج کے دن وہ یوم ارماث کے اس دھوکے کی تلافی کرنا چاہتے تھے جس میں ان کے ہاتھیوں کے تنگ کاٹ دیے گئے تھے، آج انہوں نے ہاتھیوں کو درمیان میں کر کے انہیں گھڑسواروں کی حفاظت میں رکھا تھا اور مسلمان پامردی سے ہاتھیوں، ان کے فیل بانوں اور اردگرد کے شہ سواروں سے لڑ رہے تھے لیکن سخت مشکلات کا سامنا تھا، جب سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ہاتھیوں کی وجہ سے مسلمانوں کی مشکل دیکھی تو فارس کے مسلمانوں سے جو اسلامی فوج کے دوش بدوش لڑ رہے تھے، پوچھا کہ کیا ان ہاتھیوں سے نمٹنے کا کوئی حل تمہیں معلوم ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہاں، ان کی سونڈ اور آنکھوں کو بے کار کر دیا جائے۔ سعد رضی اللہ عنہ نے قعقاع اور عاصم بن عمرو رضی اللہ عنہ کو بلوایا چونکہ یہ ہاتھی کے بالمقابل تھے اس لیے ان سے کہا: سفید ہاتھی کی ذمہ داری تمہارے اوپر ہے۔ بقیہ ہاتھی اس کے پیچھے

---

[1] تاریخ الطبری: ٤/ ٣٦٣.

[2] تاریخ الطبری: ٤/ ٣٦٧، التاریخ الإسلامی: ١٠/ ٣٦٧.

تھے، اور حمال بن مالک اور ربیل بن عمرو اسدی کو بلا کر ان سے کہا کہ: چتکبرا ہاتھی تمہارے ذمہ ہے، کیونکہ وہ تمہارے سامنے ہے۔ چنانچہ قعقاع اور عاصم رضی اللہ عنہما نے اپنا اپنا نیزہ سنبھالا اور پیدل و سوار افواج کا دستہ لے کر ہاتھی کی طرف بڑھے اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ہاتھی کو تم لوگ چاروں طرف سے گھیرے میں کر لو، جب ہاتھی گھیرے میں آ گیا تو اپنے دائیں بائیں، نامانوس انسانوں کی بھیڑ دیکھ کر وہ چونکا، ادھر قعقاع و عاصم رضی اللہ عنہما نے قریب پہنچ کر ایک ساتھ ہاتھی کی آنکھوں میں نیزہ گھونپ دیا، وہ اپنے سر کو تیزی سے ہلاتے ہوئے بھاگا، اپنے فیل بان کو پیٹھ سے پھینک دیا، سونڈ کٹ کر مستک سے لٹک گی۔ قعقاع رضی اللہ عنہ نے اس کو تلوار سے جدا کر کے پھینک دیا، ہاتھی پہلو کے بل گر گیا پھر آپ نے اس پر سوار فارسی سپاہیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

اسی طرح حمال بن مالک بھی حملہ آور ہوئے اور ربیل بن عمرو سے کہا: تم اس کے سونڈ پر تلوار مارو اور میں اس کی آنکھ میں نیزہ مارتا ہوں یا تم نیزہ مارو اور میں سونڈ کاٹتا ہوں۔ ربیل نے کہا: میں تلوار مارتا ہوں اور حمال نے ہاتھی پر ایسے وقت میں حملہ کیا جب کہ اپنے گرد گھیرا ڈالے ہوئے لوگوں کا نظارہ کرنے میں مشغول تھا۔ اس کا سوار صرف اس بات سے ڈر رہا تھا کہ کہیں مسلمان ہاتھی کے تنگ کو کاٹ نہ دیں، جس طرح کہ معرکہ کے پہلے دن انہوں نے یہی تدبیر اپنائی تھی اور صرف فیل بانوں کو نقصان اٹھانا پڑا تھا۔ حمال نے ہاتھی کی آنکھ میں تاک کر نیزہ مارا جس سے وہ پشت کے بل ڈھیر ہو گیا۔ پھر دوبارہ کھڑا ہونا چاہتا تھا کہ ربیل بن عمرو نے اس کی سونڈ پر تلوار کا زوردار وار کیا، اور اس کے سونڈ کو مستک سے الگ کر دیا۔ پھر فیل بان نے ان کو دیکھا اور اس کے ہاتھ میں لوہے کا جو اسلحہ تھا اسی سے اس کی ناک اور ماتھے کو نشانہ بنایا لیکن ربیل اور حمال اس سے بچ نکلے۔ دونوں ہاتھی خنزیر کی طرح چیخنے چلانے لگے، چونکہ ہاتھیوں کے دوسرے غول بھی انہی دونوں ہاتھیوں کے تابع تھے اس لیے جب ان دونوں نے بلا تفریق فارسی فوج کو بھاگتے ہوئے روندنا شروع کیا تو ان کے پیچھے سارے ہاتھی بھاگ کھڑے ہوئے اور فارسی فوج کو روندنے لگے اور ایک طوفان برپا کر دیا۔ پھر تمام ہاتھی دریائے عتیق کے اس پار مدائن کی طرف بھاگ گئے اور ان پر جتنے فوجی سوار تھے سب ہلاک ہو گئے۔ [1]

جب میدان ہاتھیوں سے خالی ہو گیا تو دونوں افواج پھر آپس میں گتھم گتھا ہو گئیں اور لڑائی کا زوردار رن پڑا۔ فارسی لشکر کے پاس طاقتور اور تازہ دم کمک تھی اس لیے جیسے جیسے وہ اپنی قوت کمزور اور لشکر میں کمی دیکھتے یزدگرد کو اطلاع بھیجتے اور وہ وہاں سے کمک روانہ کرتا۔ اس طرح تیسرے دن کا یہ معرکہ برابر کی جنگ پر اختتام کو پہنچا۔ [2]

الف: فارسی فوج کے کمانڈر جنرل رستم کا قتل:

سیدنا قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ آگے بڑھے اور رستم کے تخت پر قابض ہو گئے، گرد و غبار

[1] التاریخ الإسلامی: ۱۰/ ٤٦٨.
[2] تاریخ الطبری: ٤/ ٣٧٦.

کی کثرت سے وہ رستم کو نہیں دیکھ سکے، رستم اپنا تخت چھوڑ کر سامان لدے ہوئے ایک خچر کی آڑ میں چھپ گیا، قعقاع رضی اللہ عنہ اس پر چڑھ گئے جس سے رستم کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ قعقاع رضی اللہ عنہ اب تک نہ جان سکے تھے کہ رستم میرے نیچے ہے۔ رستم اپنی جان بچانے کے لیے وہاں سے اٹھ کر دریائے عتیق کی طرف بھاگا، لیکن ہلال نے اسے پکڑ لیا اور پاؤں پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے باہر لائے، پھر قتل کر دیا۔ اس کے بعد اس کے تخت پر چڑھ کر بلند آواز سے کہا: رب کعبہ کی قسم! میں نے رستم کو قتل کر دیا، آؤ میری طرف آؤ! لوگ وہاں جمع ہو گئے، اس کی اور اس کے تخت کی خوب درگت بنائی اور نعرہ تکبیر بلند کرتے ہوئے ایک دوسرے کو خوشی و مسرت سے بلانے لگے۔ اس طرح فارس کا قلب شکست کھا گیا، اور مسلمانوں کے دیگر سردار آگے بڑھتے رہے اور جو سامنے آتا اسے قتل کرتے۔ فارسی فوج پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑی ہوئی۔

جب جالینوس کو رستم کے قتل کر دیے جانے کی خبر ملی تو دریائے عتیق میں بنائے ہوئے بڑے بند پر کھڑا ہو کر فارسی فوج کو بھاگ نکلنے اور دریا عبور کر لینے کی دعوت دینے لگا، چنانچہ کچھ فوج نے دریا عبور کر لیا اور کچھ فوجی جن کی تعداد تیس ہزار تھی اور وہ زنجیروں کے گھیرے میں تھے، دریائے عتیق میں کودنے لگے اور مسلمانوں نے جم کر ان پر اس طرح تیر برسائے کہ کوئی زندہ نہ بچ سکا۔ [1]

ب: معرکہ کا اختتام:

سب سے پہلے اللہ کے فضل و توفیق سے، پھر جاں باز مسلمانوں کی کوشش اور ان کے قائد اعلیٰ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی حکمت سے معرکہ قادسیہ اپنے اختتام کو پہنچا۔ یہ بڑا سخت و جاں گسل معرکہ تھا، دشمن بڑی ثابت قدمی سے تین دن تک مسلمانوں کا مقابلہ کرتے رہے اور چوتھے دن اللہ نے انہیں شکست سے دوچار کیا، جب کہ اس سے قبل عموماً ایک ہی دن میں مسلمان اپنے دشمنوں کو زیر کر لیتے تھے۔

دشمن کی اس قدر پامردی کا اہم سبب یہ تھا کہ وہ لوگ اس کو آخری معرکہ تصور کرتے تھے، وہ یہ عزم کر چکے تھے کہ یا تو فتح و غلبہ کے ساتھ اب ہماری حکومت باقی رہے گی یا شکست و رسوائی کے ذریعہ سے ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گی اور اس کا نام و نشان مٹ جائے گا۔

اسی طرح ان کی پامردی و ثابت قدمی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس بار ان کی فوج کی قیادت رستم جیسا سالار اعظم کر رہا تھا، جس کی تاریخ فتح و غلبہ کے کارناموں سے بھری پڑی تھی۔ اس کے علاوہ فارسی فوج تعداد، اسباب جنگ اور اسلحہ میں بھی مسلمانوں سے بہت زیادہ تھی۔ فارسی لشکر ایک لاکھ بیس ہزار فوجیوں پر مشتمل تھا، جنگ نہ لڑنے والے دوسرے لوگ ان کے علاوہ تھے، نیز ان لوگوں کا اس میں شمار ہی نہیں جنہیں یزدگرد احتیاطی فوج کی شکل میں روانہ کرتا تھا۔ جب کہ ان کے بالمقابل اسلامی لشکر میں مسلمان فوج کی تعداد تیس ہزار سے کچھ زیادہ تھی۔ [2]

[1] تاریخ الطبری: ٤/ ٣٨٨.
[2] تاریخ الطبری: ٤/ ٣٨٨.

تعداد و تیاری کی اس سخت کمی کے باوجود مسلمانوں نے اپنے آٹھ ہزار پانچ سو (۸۵۰۰) شہداء کو گنوانے کے بعد دشمن پر فتح کا پرچم لہرایا۔ [1] معرکہ قادسیہ کے شہداء کی یہ تعداد اسلامی فتوحات کے پہلے دور کے شہداء میں سب سے بڑی تعداد تھی، اس معرکہ میں اتنی جانوں کے نذرانے دینا اس بات کی دلیل ہے کہ معرکہ بہت سخت جاں تھا اور مسلمان عزم و شجاعت کے پیکر بن کر شہادت کے لیے تیار تھے۔ [2]

۸۔ معرکہ جلولاء:

فارسیوں نے اپنے شہر جلولاء کے چوراہے میں اجتماع کیا اور ایک دوسرے کو جنگ پر ابھارا، کہا کہ اگر آج تم میں اختلاف ہوا تو پھر کبھی متحد نہیں ہو سکتے۔ یہ ایسا موقع ہے کہ ہم سب عربوں کے خلاف متحد ہو جائیں اور ان سے جنگ کریں، اگر ہم کامیاب ہوئے تو یہی ہمارا مقصد ہے اور اگر شکست سے دوچار ہوئے تو بھی کوئی عیب نہیں، کیونکہ ہم نے اپنی ذمہ داری نبھائی اور معذور رہے۔ اس کے بعد سب نے مہران رازی کی قیادت میں عربوں کے خلاف متحدہ محاذ بنایا اور اپنے شہر کے چاروں طرف خندق کھود کر اس پر لکڑی کی خاردار باڑ باندھ دی۔ البتہ جن راستوں سے گزرنا تھا ان پر باڑ نہ باندھی۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو صورت حال کی خبر بھیجی۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جوابی تحریر میں سعد رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی سپہ سالاری میں بارہ ہزار (۱۲۰۰۰) فوج جلولاء روانہ کریں۔ مقدمہ پر قعقاع بن عمرو تمیمی رضی اللہ عنہ، میمنہ پر مسعر بن مالک، میسرہ پر عمرو بن مالک بن عتبہ اور ساقہ پر عمرو بن مرہ جہنی رضی اللہ عنہم کو مقرر کریں۔ چنانچہ ہاشم اپنی فوج لے کر روانہ ہوئے اور جلولاء کا محاصرہ کیا۔ فارسی ادھر ادھر چھپتے رہے، کبھی کبھار ہی باہر نکلتے۔ اس دوران مختلف مواقع پر مسلمانوں نے ان پر اسی (۸۰) حملے کیے اور ہر مرتبہ انہیں کامیابی ملی۔ متعدد جھڑپوں کے دوران فارسی دشمنوں کو پیچھے دھکیلا اور مسلمانوں کا راستہ روکنے کے لیے انہوں نے لکڑیوں کے جو خاردار باڑ باندھے تھے اسے توڑ دیا۔ دشمن نے دوبارہ کوشش کر کے لوہے کے خاردار باڑ باندھ دی۔ ہاشم رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں میں کھڑے ہوئے اور کہا: یہی منزل کٹھن ہے، اس کے بعد کے مرحلے آسان ہیں۔ سعد رضی اللہ عنہ نے مدد کے لیے شہ سواروں کی مزید فوجی کمک بھیجی، جب محاصرہ طویل ہو گیا اور دشمن مسلمانوں کے صبر سے تنگ آ گئے تو جنگ کے قطعی فیصلہ کے ساتھ آگے بڑھے۔ ہاشم رضی اللہ عنہ نے اپنے فوجیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: رضائے الٰہی کے لیے جنگ میں پوری شجاعت و جانبازی دکھاؤ تاکہ اللہ تم کو مال غنیمت اور اجر عظیم کا پورا پورا حصہ عطا کرے۔ اللہ کے لیے قدم بڑھاؤ، دشمن پر جھپٹ پڑو، اور جنگ کا بگل بجا دو۔ ادھر معرکہ شروع ہوا اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے سخت آندھی و طوفان بھیجا، پورا شہر و میدان کارزار گرد و غبار سے تاریک ہو گیا۔ دشمن کے پاس دفاع کے علاوہ اقدام کی کوئی طاقت نہ رہی۔ اس کے شہ سوار اپنی ہی تیار کیے ہوئی خندق میں گرنے لگے، ایسی حالت میں ان کے لیے ضروری ہو چکا تھا کہ اپنے

[1] تاریخ الطبری: ٤/ ٣٨٨.
[2] التاریخ الإسلامی: ١٠/ ٤٧٩.

گھوڑوں کو آگے بڑھانے کے لیے خندق کو پاٹ ڈالیں، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور اپنی طرف کی خندق پاٹ دی اور اپنے ہاتھوں سے بچاؤ کا جو قلعہ تیار کیا تھا اسے خود ہی مسمار کر دیا۔ ❶

جب مسلمانوں کو خبر ملی کہ دشمنوں نے خندق پاٹ دی ہے تو آپس میں طے کیا کہ ہم کیوں نہ دوبارہ زبردست حملہ کریں، انہیں موت کے گھاٹ اتار دیں یا خود شہید ہو جائیں؟ اس طرح مسلمان دوسرے مرحلے میں ان سے جنگ کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے، لیکن جب خندق کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ وہاں لوہے کی خاردار باڑ باندھی ہوئی ہے تاکہ مسلم شہ سوار آگے نہ بڑھ سکیں اور جن راستوں سے مسلمانوں پر حملہ کرنا ہے صرف انہی جگہوں کو خالی رکھا گیا ہے۔ بہر حال مسلمان اندر گھسے اور بڑا خون ریز معرکہ ہوا۔ اس کی نوعیت قادسیہ کے "لیلۃ الھریر" جیسی تھی، بس فرق اتنا تھا کہ یہاں کی کارروائی مختصر تھی اور جلد ہی اختتام کو پہنچ گئی۔ قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ جس سمت سے حملہ آور ہوئے تھے اسی طرف سے اندر گھس گئے اور خندق کے صدر دروازہ تک پہنچ کر اپنے ایک مجاہد ساتھی سے کہا کہ بلند آواز سے کہو: اے مسلمانو! ادھر دھیان دو، تمہارا امیر دشمن کی خندق کے صدر دروازہ تک پہنچ چکا ہے۔ اس کی طرف بڑھو، تمہیں آگے بڑھنے سے کوئی روک نہ پائے۔ قعقاع رضی اللہ عنہ نے یہ تدبیر اس لیے اختیار کی تھی تاکہ مسلمانوں کے دل چھوٹے نہ ہوں، بلکہ انہیں عزم وحوصلہ کی طاقت ملے۔ بہر حال مسلمانوں نے نہایت جواں مردی کے ساتھ حملہ کیا اور انہیں قطعاً یہ شک نہ ہوا کہ ہاشم وہاں نہیں ہو سکتے۔ اس طرح جنگ کو گرماتے اور تیر وتفنگ کو چلاتے ہوئے وہ خندق کے صدر دروازے تک پہنچ گئے۔ وہاں دیکھا کہ ہاشم رضی اللہ عنہ نہیں قعقاع رضی اللہ عنہ ہیں اور دروازہ پر ڈٹے ہیں اور دشمن دائیں بائیں بھاگ رہے ہیں اور جو خاردار باڑ مسلمانوں کے لیے لگائی تھی وہی ان کے لیے مصیبت بن گئی، ان کے گھوڑے اس سے مرنے لگے پھر دشمن پیدل بھاگ کھڑے ہوئے، مسلمانوں نے ان کا پیچھا کیا اور دوڑا دوڑا کر سب کو قتل کر دیا، صرف چند ایک بچ سکے۔ اس دن اللہ کی مدد سے تقریباً ایک لاکھ فارسی مارے گئے، آگے پیچھے، دائیں بائیں غرضیکہ پورے میدان پر جیسے مقتولین کی لاشوں کی چادر بچھا دی گئی ہو اور اسی وجہ سے اسے جلولاء ❷ کہا جاتا ہے۔ یہ ہے معرکہ جلولاء کی روداد۔ ❸

۹۔ فتح رامہرمز:

جلولاء میں ہزیمت اٹھانے کے بعد اہل فارس اپنے فرماں روا یزدگرد کے ابھارنے کی وجہ سے دوبارہ آمادہ قتال ہوئے اور ہرمزان کی قیادت میں رامہرمز میں سب اکٹھا ہوئے۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ان کے اس اجتماع کی خبر امیر المومنین کو دے چکے تھے، اس لیے آپ کو دربار خلافت سے حکم ہوا کہ نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کی قیادت میں کوفہ کی ایک فوج دشمن سے مقابلہ کے لیے روانہ کریں اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ سہل بن عدی رضی اللہ عنہ

---

❶ تاریخ الطبری: ٤/ ٤٧٥ .

❷ جلولاء کا معنی ہوتا ہے کسی چیز کو چادر وغیرہ سے ڈھانپ دینا۔

❸ تاریخ الطبری: ٤/ ٤٧٥ .

کی قیادت میں بصرہ سے ایک فوج روانہ کریں اور جب دونوں افواج اکٹھی ہو جائیں تو ابو سبرہ بن ابی رہم رضی اللہ عنہ کو ان کا سپہ سالار بنا دیا جائے۔ اس کے بعد جو بھی فوجی کمک وہاں پہنچے سب انہی کے تابع ہوں گی، چنانچہ نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کوفہ سے اپنی فوج لے کر ہرمزان کی طرف روانہ ہوئے۔ ان دنوں ہرمزان رامہرمز میں مقیم تھا۔ جب ہرمزان کو نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کی آمد کی خبر ملی تو حملے میں پہل کے لیے آگے بڑھا اور چاہا کہ نعمان کے آنے سے پہلے ہی ان کا راستہ کاٹ دیا جائے۔ اسے اہل فارس کو مدد کی پوری توقع تھی اور وہ اس کی مدد کے لیے آگے آئے بھی، لیکن پہلا ہی امدادی دستہ منتشر نظر آیا۔ نعمان رضی اللہ عنہ اور ہرمزان کی افواج اربک میں بھڑ گئیں۔ پھر دونوں میں سخت جنگ ہوئی۔ آخر میں اللہ نے ہرمزان کو ہزیمت اور نعمان رضی اللہ عنہ کو فتح دی۔ وہ رامہرمز چھوڑ کر ''تستر'' بھاگ نکلا، ادھر سہل بن عدی رضی اللہ عنہ بھی اپنے ساتھ بصرہ کی فوج لے کر آ پہنچے، یہ لوگ ابھی اہواز کے بازار میں تھے کہ معرکہ میں فتح کی خبر انہیں مل گئی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ہرمزان ''تستر'' بھاگ گیا ہے۔ چنانچہ یہ لوگ یہیں سے تستر کی طرف چل پڑے اور نعمان رضی اللہ عنہ بھی اپنی فوج کے ساتھ اسی طرف بڑھے۔ [1]

۱۰۔ فتح تستر:

نعمان بن مقرن اور سہل بن عدی رضی اللہ عنہما اپنی اپنی فوج لے کر تستر پہنچے اور ابو سبرہ بن ابو رہم رضی اللہ عنہ کی قیادت میں اپنی افواج کو اکٹھا کیا، ابو سبرہ نے امیر المومنین سے مزید فوج کا مطالبہ کیا۔ امیر المومنین نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک فوج مدد کے لیے روانہ کی، اس طرح ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بصرہ کا گورنر ہونے کی وجہ سے بصری فوج کے سپہ سالار اور ابو سبرہ رضی اللہ عنہ پورے لشکر کے سپہ سالار تھے۔ مسلمانوں نے وہاں پہنچ کر تستر کا محاصرہ کیا اور یہ محاصرہ کئی مہینے جاری رہا۔ مختلف مواقع پر دشمن کی فوج پر تقریباً اسّی (۸۰) حملے کیے گئے اور دعوت مبارزت دینے والے مسلم بہادر اپنی بہادری کے جوہر دکھاتے رہے، صرف مبارزت میں سو فارسیوں کو قتل کیا اور شہرت پائی۔ ان میں بصرہ کے براء بن مالک، مجزأۃ بن ثورہ، کعب بن سور، ابو تمیمہ اور کوفہ کے حبیب بن قرہ، ربعی بن عامر اور عامر بن عبداللہ اسود رضی اللہ عنہم قابل ذکر ہیں۔ [2]

مسلمانوں اور دشمنوں کے درمیان جب جنگ اپنے آخری اور فیصلہ کن مرحلے سے گزر رہی تھی تو مسلمانوں نے براء بن مالک رضی اللہ عنہ کو پکار کر کہا: اے براء اپنے رب کی قسم کھاؤ کہ وہ یقیناً ہمارے دشمنوں کو شکست دے گا۔ براء بن مالک رضی اللہ عنہ نے دست دعا دراز کیے اور کہا:

((اَللّٰھُمَّ اھْزِمْھُمْ لَنَا ، وَاسْتَشْھِدْنِي .))

''اے اللہ! دشمن کو ہمارے مقابلہ میں شکست دے دے اور مجھے شہادت نصیب فرما۔''

---

[1] تاريخ الطبري: ٤/ ٦١، ٦٢ .

[2] التاريخ الإسلامي: ١١/ ٢٠٢ .

مسلمانوں نے جنگ کی دھار تیز کر دی اور اپنے دشمنوں کو شکست فاش دی، دشمن بھاگ کر خندق میں کود پڑے، وہ بھی ان پر چڑھ دوڑے۔ اس طرح جب فارسی سخت مشکل میں گھر گئے اور مسلمانوں کی طرف سے حصار سخت ہوگیا تو دو مختلف سمتوں سے دو فارسیوں نے مسلمانوں سے رابطہ کر کے انہیں بتا دیا کہ شہر سے پانی نکلنے والے نالے سے اندر جا کر شہر فتح کیا جا سکتا ہے۔ نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کو جب یہ خبر ملی تو آپ نے اپنے اہم ساتھیوں کو وہاں بھیجا اور کوفہ و بصرہ کے نامور بہادر اس جگہ رات میں ملے، پھر اسی راستے سے شہر کے اندر گھس گئے اور نعرۂ تکبیر بلند کیا، جو لوگ باہر کھڑے تھے انہوں نے بھی اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور اندر گھس کر دروازہ کو کھول دیا، جو فارسی دروازوں کے پاس تھے، معمولی مزاحمت کے بعد وہ بھی پیچھے ہٹ گئے۔ [1]

اس معرکہ میں براء بن مالک اور مجزأہ بن ثور رضی اللہ عنہما نے ہرمزان کے مارنے سے جام شہادت نوش کیا۔ اس وقت مسلمان معرکہ میں فتح پا چکے تھے اور ہرمزان جو فارسیوں کا سپہ سالار تھا بھاگ کر قلعے میں روپوش ہوگیا۔ جانبازوں کا وہی پہلا دستہ جو نالے کے راستے سے شروع شروع میں شہر میں داخل ہوا تھا، قلعہ کا چکر کاٹنے لگا اور ہرمزان تک پہنچ گیا۔ جب انہوں نے ہرمزان کو آنکھوں سے دیکھ لیا اور بالکل اس کے سامنے پہنچ گئے تو ہرمزان نے ان سے کہا: اب جو چاہو کر سکتے ہو، میں جس مشکل میں ہوں اور تم لوگ بھی جن پریشانیوں سے گزر رہے ہو اسے دیکھ رہے ہو۔ میرے ترکش میں سو تیر ہیں، جب تک میرے پاس ایک تیر بھی بچے گا، واللہ! تم لوگ مجھ تک نہیں پہنچ سکتے اور نہ تمہارا کوئی تیر مجھے لگ سکتا ہے۔ اگر میں ہر تیر کے بدلے تم میں سے سو لوگوں کو مردہ یا زخمی کر کے گرفتار کیا جاؤں تو بہترین جنگی قیدی کہلاؤں گا۔ مسلم دستے نے کہا: پھر تو کیا چاہتا ہے؟ اس نے کہا: عمر کے حکم پر خود کو تمہارے حوالے کر دوں اور وہ میرے ساتھ جو چاہیں کریں۔ انہوں نے کہا: تمہاری درخواست منظور ہے۔ پھر اس نے اپنا ترکش پھینک دیا اور خود کو ان کے حوالے کر دیا، انہوں نے اسے گرفتار کیا، رسی سے باندھا اور چند لوگوں کی نگرانی میں امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا اور بقیہ لوگوں نے شہر میں موجود اموال و جائداد کو مال غنیمت کے طور پر حاصل کیا اور خمس چھوڑ کر بقیہ مال آپس میں تقسیم کر لیا۔ ہر شہ سوار کو تین ہزار اور پیادہ پا مجاہد کو ایک ہزار درہم ملے۔ [2]

(۳)...... معرکہ نہاوند (فتح الفتوح)

مسلمانوں نے متعدد معرکوں میں پے در پے ایرانی فوج پر فتح حاصل کی تھی اور مسلسل ان کی شکست خوردہ باقی ماندہ فوج کو پیچھے دھکیل رہے تھے۔ انہیں سانس لینے کا موقع نہ دیتے تھے۔ عراق میں معرکہ قادسیہ میں شاندار فتح سے لے کر نہاوند کی فیصلہ کن جنگ تک چار سال کا عرصہ گزرا جس میں مسلمانوں نے کئی کامیابیاں حاصل

[1] التاریخ الإسلامی: ۱۱/ ۲۰۲.

[2] تاریخ الطبری: ٤/ ٦٣، ٦٤.

کیں۔ ان کا لشکر فتح پر فتح پانے کے باوجود اپنی پیش قدمی کو جاری رکھے ہوئے تھا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ اس وقت سن رسیدہ شہنشاہیت کے بھگوڑوں کو جڑ سے اکھاڑ دیا جائے۔ لیکن ایک طویل عرصے سے جنگ میں مصروف فوج کی تنظیم نو اور مفتوحہ علاقوں کے نظم ونسق کو بہتر بنانے کے پیش نظر اگر دربار خلافت سے یہ فاروقی حکم نہ آتا کہ اب پیش قدمی روک دی جائے اور فوج زاغروس کے پہاڑوں سے آگے نہ بڑھے تو یقیناً ایرانیوں کا اسی وقت صفایا ہو جاتا۔ [1]

مسلمانوں کے ہاتھوں مسلسل ہزیمت اور خاص طور سے معرکہ قادسیہ کے بعد کے حالات نے ایرانیوں کی غیرت کو للکارا اور ان کی زندگی کو بے کیف کر دیا لیکن تنہا ان حالات کا مقابلہ کرنا ان کے بس کی بات نہ تھی۔ اس لیے ان کے سرداروں اور روسا نے اپنے بادشاہ یزدگرد کے نام پیغام بھیجا اور مسلمانوں کے خلاف نئے سرے سے جنگ چھیڑنے کی اپیل کی۔ یزدگرد نے اپیل منظور کر کے جنگ کا پختہ ارادہ کر لیا اور دوبارہ زور شور کے ساتھ مسلمانوں سے معرکہ آرائی کے لیے جنگی تیاریاں شروع کر دیں تاکہ سلطنت کی باقی ماندہ پناہ گاہوں اور قلعوں سے قوت لی جا سکے۔ چنانچہ باب سے لے کر سجستان اور خراسان تک کے پہاڑی علاقوں کے باشندوں کے نام خط لکھا کہ سب لوگ مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لیے نکل پڑیں اور نہاوند میں اکٹھے ہوں۔ گویا نہاوند مقابلہ کا وہ آخری مرکز ٹھہرا جس پر یزدگرد نے دستخط کیے اور یہی میدان جنگ قرار دیا گیا۔ نہاوند ایک محفوظ شہر ہے جو ہر طرف سے پہاڑیوں سے گھرا ہوا ہے۔ وہاں تک پہنچنا آسان نہیں۔ دشوار گزار راستوں سے چل کر ہی وہاں پہنچا جا سکتا ہے۔ ایرانی اس شہر میں اکٹھے ہونے لگے۔ تیس ہزار (۳۰۰۰۰) باب سے، ساٹھ ہزار (۶۰۰۰۰) خراسان سے اور ساٹھ ہزار سجستان سے حلوان پہنچ کر یزدگرد کے کل ایک لاکھ پچاس ہزار (۱۵۰۰۰۰) جنگجو جمع ہو گئے۔ یزدگرد نے فیرزان کو ان کا سپہ سالار مقرر کیا۔ [2] سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو فارسی فوج کے اس اجتماع کا علم اس وقت ہوا جب آپ کوفہ میں تھے۔ آپ نے وہیں سے امیر المومنین کو تفصیلی صورت حال سے باخبر کیا اور مستقبل کی کارروائی کے بارے میں اجازت طلب کی۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں ارکان شوریٰ کی ایک مجلس منعقد کی اور درپیش مسئلہ میں ان سے مشورہ طلب کیا، پھر سب کے مشورہ سے یہ قرارداد پاس کی کہ ایرانیوں سے ان کی آخری پناہ گاہ یعنی نہاوند میں جنگ کرنے کے لیے اسلامی فوج بھیجی جائے۔ نعمان بن مقرن مزنی رضی اللہ عنہ اس وقت کسکر کے گورنر تھے اور اس سے پہلے خلیفہ کے نام یہ درخواست دے چکے تھے کہ ''میری اور کسکر والوں کی مثال اس آدمی کی طرح ہے جس کے پہلو میں کوئی بدکار دوشیزہ بن سنور کر بیٹھی ہو۔ میں آپ کو اللہ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ مجھے کسکر سے معزول کر کے مسلمانوں کی کسی فوج کے ساتھ جہاد پر بھیج دیں۔'' [3]

---

[1] الفن العسکری الإسلامی، ص: ۲۸٤

[2] الفن العسکری الإسلامی، ص: ۲۸۵.

[3] تاریخ الطبری: ۵/ ۱۰۹.

نعمان رضی اللہ عنہ کی اس درخواست کو سامنے رکھتے ہوئے مجلس شوریٰ کی دوسری قرارداد یہ پاس ہوئی کہ نہاوند میں اسلامی فوج کا سپہ سالار نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کو بنایا جائے اس کے بعد خلیفہ راشد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس منصوبہ سازی کے ساتھ اسلامی فوج کو تیار کیا:

- پورے اسلامی لشکر کے سپہ سالار: کسکر کے سابق گورنر نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ
- کوفہ سے جانے والی فوج کے جرنیل: حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ
- بصرہ سے روانہ ہونے والی فوج کے جرنیل: وہاں کے گورنر ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ
- مہاجرین اور انصار کی فوج کے جرنیل: عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما

سلمیٰ بن القین، حرملہ بن مریطہ، زر بن کلیب، اسود بن ربیعہ رضی اللہ عنہم وغیرہ دیگر قائدین اسلام ''اہواز'' میں اور بلاد فارس میں جو لوگ ادھر ادھر ہیں وہ اپنی جگہوں پر تیار رہیں گے اور دشمنوں پر نگاہ رکھیں گے کہ عراقی ذمیوں اور ایرانی دشمنوں کے درمیان باہمی رابطہ نہ ہو سکے اور دشمن ذمیوں کو جنگ پر نہ ابھار سکے۔

امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے اس منصوبہ بندی کے ساتھ تمام ریاستوں کے گورنروں اور قائدین کو اپنی ہدایات لکھ بھیجیں اور تیس ہزار مسلم مجاہدین کو جنگ کے لیے اکٹھا کر لیا۔[1] اس طرح یہ اسلامی لشکر نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کی سپہ سالاری میں نہاوند کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہاں پہنچنے پر فوج کو اندازہ ہوا کہ نہاوند کافی محفوظ ہے اور پہاڑیوں سے گھرا ہوا ہے اس کے چاروں طرف خندق کھودی گئی ہے اور خندق کے سامنے چوکور خاردار تاروں کی باڑ لگا دی گئی ہے۔ چوکور کانٹوں کی ایک نوک زمین میں اور تین اوپر ہیں اور کہیں زمین پر دو اوپر ہیں اور دو نیچے۔ اس باڑ کا مقصد یہ تھا کہ حملہ آوروں کی پیش قدمی کو روکا جا سکے یا کم از کم یہ کانٹے حملے آوروں کے گھوڑوں کے پاؤں میں دھنس جائیں اور ان کے کھروں میں سوراخ ہو جائیں، پھر وہ چلنے کے قابل نہ رہیں گے اور ایرانیوں کی فوج شہر پناہ کے اندر مکمل تیاری سے ہوگی۔ ادھر مسلمانوں کی فوج میں آج وہ لوگ بھی نظر آ رہے تھے جنہیں معرکہ قادسیہ میں شرکت کا موقع نہ ملا تھا۔ ایرانی لشکر کے سپہ سالار فیرزان نے مقابلہ کی تدبیر اختیار کرتے ہوئے ان تمام راستوں پر ماہر تیر اندازوں کو مقرر کر دیا تھا جدھر سے مسلم فوج کی دراندازی کا اندیشہ تھا تاکہ انہیں آگے بڑھنے کا موقع نہ مل سکے اور تیر انداز انہیں مشغول رکھیں۔[2]

مسلم شہسوار اپنے گھوڑوں کے ساتھ آگے بڑھے، گھوڑوں کو دشمن کی خاردار باڑ اور خندق کا سامنا کرنا پڑا اور اگر کوئی شہسوار شہر پناہ کے قریب پہنچ بھی جاتا تو تیر انداز اس پر تیروں کی بوچھاڑ کر دیتے۔ بالآخر مسلم فوج کے اگلے دستے کو مایوسی ہوئی اور شہر پناہ کے اندر جانے سے عاجز رہے۔ کئی دنوں تک یہی حالت برقرار رہی تو

---

[1] الفن العسکری الإسلامی، ص: ۲۸۶ .
[2] الفن العسکری الإسلامی، ص: ۲۸۸

نعمان ابن مقرن رضی اللہ عنہ نے اسلامی فوج کی سرکردہ شخصیتوں کو صورت حال پر غور وخوض کے لیے دعوت دی۔ طلیحہ بن خویلد اسدی کی تجویز کے مطابق سب لوگوں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ شہسواروں کا ایک دستہ آگے بڑھ کر ایرانیوں سے جنگ چھیڑے اور ایسا ماحول پیدا کر دے کہ ایرانی جنگ کرنے کے لیے شہر پناہ سے باہر نکل آئیں اور جب وہ باہر نکل آئیں تو ان کی پیش قدمی کے سامنے شہسواروں کا دستہ پیچھے ہٹتا جائے۔ دشمن اسے مسلمانوں کی کمزوری اور اپنی فتح پر محمول کریں گے، انہیں یہ امید ہوگی کہ اپنے سامنے پیچھے ہٹتے ہوئے شہسواروں کو جلد ہی پکڑ لیں گے۔ حالانکہ اپنی شکست خوردگی کا مظاہرہ کرنے والا یہ دستہ درحقیقت ایرانیوں کو ڈھیل دے رہا ہوگا تاکہ وہ میدان جنگ اور اپنی شہر پناہ سے جتنا دور باہر نکل سکتے ہیں نکل جائیں۔ پھر اچانک بنکروں میں چھپے ہوئے مجاہدین پیچھے سے ان پر زبردست حملہ کر کے انہیں خوب لتاڑیں گے اور دشمن اپنے متعینہ میدان جنگ، حفاظتی خندق اور شہر پناہ سے کافی دور پڑا ہوگا۔ [1]

پہلا دستہ:

سیّدنا قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ کی قیادت میں شہسواروں کا دستہ تھا، اس کی ذمہ داری تھی کہ شہر پناہ کے اندر گھس کر جنگ چھیڑنے کا آغاز کرے اور مذکورہ منصوبہ بندی پر عمل کرتے ہوئے دشمنوں کو بھٹکانے اور بہکانے کا کام کرے۔

دوسرا دستہ:

سیّدنا نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کی قیادت میں بنکروں میں چھپ کر دشمن کے باہر نکلنے کا انتظار اور آگے نکل جانے کے بعد اچانک اس پر حملہ کرنے والوں کا پیادہ دستہ تھا۔

تیسرا دستہ:

ان شہسواروں کا تھا جو میدان کارزار میں جان فروشی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور جنگ کی آگ بھڑکاتے ہیں، ان کی ذمہ داری یہ تھی کہ بنکروں میں چھپے ہوئے مجاہدین کا پہلا دستہ جب حملہ آور ہو اور دشمن کو جنگ میں مشغول کر دے تب یہ لوگ اپنے اپنے بنکروں سے باہر آئیں اور جب تک نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کی اجازت نہ ملے خود بخود بنکروں سے باہر نہ نکلیں۔ [2]

چنانچہ ہر دستے نے اپنے فرائض کو سنبھالا، قعقاع رضی اللہ عنہ نے منصوبہ بندی کے پہلے مرحلے کا آغاز کیا اور انہیں اپنے مقصد میں بہترین کامیابی ملی۔ جب باہر نکل کر قعقاع رضی اللہ عنہ کے دستے کو دوڑاتی ہوئی ایرانی فوج نے خود کو پیچھے سے گھرا ہوا دیکھا اور دیکھا کہ مسلم فوج کی تلواریں مشرکین کی گردنوں کو گھاس کی طرح کاٹ رہی ہیں تو ان کے ہوش گم ہوگئے اور بھاگ بھاگ کر جائے پناہ تلاش کرنے لگے، انہیں کچھ نظر نہ آتا تھا، وہ اپنے ہی ہاتھوں

---

[1] تاریخ الطبری: ٥/ ١١٣.
[2] تاریخ الطبری: ٥/ ١١٤

سے کھودی ہوئی خندق اور خاردار باڑ میں پھنس کر اپنی جانیں گنوا رہے تھے اور مسلمان انہیں دوڑا دوڑا کر مارتے اور پیٹھ میں تلواریں گھونپتے۔ ہزاروں ایرانی فوج خندق میں گر کر ہلاک ہوئی اور قعقاع رضی اللہ عنہ فیرزان کو دوڑانے میں کامیاب ہوگئے۔ اسے دبوچا اور موت کے گھاٹ اتار دیا۔ پھر پوری مسلم فوج نہاوند میں فاتح بن کر داخل ہوگئی۔ نہاوند کے بعد ہمدان پر بھی قبضہ ہوگیا اور اس کے بعد مسلم فوج نے بلاد فارس کے باقی ماندہ چھوٹے چھوٹے شہروں کو بلا کسی مزاحمت کے کچھ ہی دنوں میں فتح کر لیا اور نہاوند کے بعد ایرانی فوج پھر کبھی اکٹھی نہ ہو سکی۔ مسلمان ان کے شہروں اور زمین کے مالک ہوگئے۔ اس لیے معرکہ نہاوند کو ''فتح الفتوح'' کہا جاتا ہے۔ [1]

معرکہ نہاوند سے متعلق عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی فہم و فراست اس اعتبار سے نمایاں ہے کہ آپ نے خود اسلامی سلطنت کی مختلف ریاستوں سے اسلامی فوج کے جم غفیر کو اکٹھا تو کر ہی لیا، ساتھ ہی دشمن کو متحد ہونے کا کوئی موقع نہ دیا۔ آپ نے صرف اس پر بس نہ کیا کہ کوفہ اور بصرہ میں اپنے گورنروں اور جزیرہ عرب کے مختلف علاقوں میں دیگر قائدین کو ایرانیوں سے جنگ کرنے کے لیے اسلامی فوج تیار کرنے کا حکم دیا، بلکہ اہواز اور بلاد فارس کے بقیہ علاقوں میں مسلم قائدین وعمائدین کو حکم دیا کہ دشمن کو متحد نہ ہونے دیں۔ ان قائدین میں سلمٰی بن القین، حرملہ ابن مریطہ، زر بن کلیب اور اسود بن ربیعہ رضی اللہ عنہم جیسے لوگ قابل ذکر ہیں، ان لوگوں کی ذمہ داری تھی کہ فارس اور اہواز کی سرحد پر نگاہ رکھیں اور فارسی ذمیوں کو نہاوند میں جمع ہونے والی فارسی فوج سے ملنے کا موقع نہ دیں۔ ان قائدین نے اپنی ذمہ داری بخوبی نبھائی، اصفہان و فارس کی سرحد پر اچھی طرح ڈٹے رہے اور نہاوند سے امداد کے سارے راستے مسدود کر دیے۔ [2]

سپہ سالار کی شہادت کے وقت دیگر قائدین کی نامزدگی:

۸ ہجری بمطابق ۶۲۹ء میں معرکہ موتہ کے موقع پر جس طرح نبی کریم ﷺ نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو مسلمانوں کا سپہ سالار مقرر کیا تھا اور کہا تھا کہ اگر ان کی شہادت ہو جائے تو جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور اگر ان کی بھی شہادت ہو جائے تو عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ لوگوں کے امیر ہوں گے، بالکل اسی سنت کو زندہ کرتے ہوئے عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے معرکہ نہاوند کے موقع پر نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کو اسلامی فوج کا سپہ سالار مقرر کیا تھا۔ ان کی شہادت کی صورت میں حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کو اور ان کی بھی شہادت ہو جانے پر نعیم بن مقرن رضی اللہ عنہ کو فوج کا سپہ سالار مقرر کیا تھا۔

(۴)......مشرق میں فتوحات کے دروازے کھل جانا

فتح نہاوند کے بعد ایرانیوں کی قوت جواب دے گئی اور مسلمان دربار خلافت سے اجازت پانے کے بعد بلاد عجم میں گھستے چلے گئے، نہاوند کے بعد اصفہان کا ایک شہر ''جی'' کافی مزاحمت اور شدید معرکہ آرائی کے بعد فتح

[1] الفن العسكری الإسلامی، ص: ٢٩٤.
[2] الفن العسكری الإسلامی، ص: ٢٩٤.

ہوا۔ وہاں کے باشندوں نے آخر مسلمانوں سے صلح کر لی اور عبداللہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے انہیں مصالحت کے بعد امان دے دی۔ ان میں سے تیس ہزار (۳۰۰۰۰) ایرانی ''کرمان'' بھاگ گئے اور صلح کے لیے راضی نہ ہوئے۔ ۲۱ ہجری میں ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے ''قم'' اور ''قاشان'' کو اور سہیل بن عدی رضی اللہ عنہ نے شہر ''کرمان'' کو فتح کیا۔

ا۔ ہمدان پر دوسری فتح ۲۲ھ میں:

یہ بات گزر چکی ہے کہ جب مسلمان فتح نہاوند سے فارغ ہوئے تھے تو حلوان اور ہمدان کو فتح کر لیا تھا، لیکن کچھ ہی دنوں بعد ہمدان والوں کی قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ سے جو مصالحت ہوئی تھی اسے انہوں نے توڑ دیا، نعیم بن مقرن رضی اللہ عنہ نے ہمدان والوں پر چڑھائی کرنے کے لیے عمر رضی اللہ عنہ سے اجازت مانگی، آپ نے انہیں اجازت دے دی۔ نعیم رضی اللہ عنہ نے ''ثنية العسل'' میں پڑاؤ ڈالا، پھر نشیبی علاقہ سے ہوتے ہوئے ہمدان والوں پر چڑھائی کی اور ان کو گھیرے میں لے کر محاصرہ کر لیا۔ ہمدان والوں نے دوبارہ مصالحت کی پیش کش کی اور امان مانگی۔ آپ نے مصالحت منظور کر لی اور شہر میں فاتحانہ شان سے داخل ہوئے۔

۲۔ فتح رَے ۲۲ھ:

نعیم بن مقرن رضی اللہ عنہ نے ہمدان پر یزید بن قیس ہمدانی کو اپنا نائب بنایا اور خود لشکر لے کر رَے [1] جا پہنچے۔ وہاں مشرکین کی ایک بھاری فوج سے مڈبھیڑ ہوئی اور رے کے دامن کوہ میں جنگ لڑی گئی۔ مسلمانوں نے صبر وہمت کا ثبوت دیا۔ بالآخر مشرکوں کی فوج شکست سے دوچار ہوئی۔ نعیم بن مقرن رضی اللہ عنہ خاص طور پر بڑی بے جگری سے لڑے اور بہت زیادہ لوگوں کو تہ تیغ کیا۔ فتح میں اتنا مال غنیمت ہاتھ آیا جتنا کہ انہوں نے مدائن میں حاصل کیا تھا۔ ابوالفرخان، جو زینبی کے لقب سے مشہور تھا، اس نے صلح کی درخواست کی اور اسے امان دے دی گئی۔ اس کے بعد نعیم رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ کے پاس مال غنیمت کا خمس بھیجا اور فتح کی بشارت دی۔ [2]

۳۔ فتح آذربائیجان ۲۲ھ:

سیّدنا نعیم بن مقرن رضی اللہ عنہ نے جب ہمدان کو دوبارہ فتح کیا اور پھر رے کو فتح کر لیا تو بکیر بن عبداللہ کو ہمدان سے آذربائیجان [3] پر فوج کشی کرنے کا حکم دیا اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف سے اجازت مل جانے کے بعد ان کے پیچھے ہی سماک بن خرشہ کو روانہ کیا، ساتھ ہی ابودجانہ رضی اللہ عنہ کو بھی مسلح کیا۔ سماک اپنی فوجی کمک لے کر ابھی بکیر تک نہ پہنچے تھے کہ اسفندیاذ بن فرخزاد کی جمعیت نے بکیر اور ان کی فوج سے جنگ چھیڑ دی۔ لیکن الحمدللہ مشرکین کو شکست ہوئی اور اسفندیاذ کو بکیر نے گرفتار کر لیا۔ پھر پوچھا تم صلح چاہتے ہو یا جنگ؟ اس نے کہا: صلح۔ بکیر نے کہا:

---

[1] قزوین سے ۲۷ فرسخ کی دوری پر ایک مشہور شہر ہے۔

[2] تاریخ الطبری: ٥/ ١٣٦، ١٣٧.

[3] آذربائیجان ایک وسیع رقبہ اور پہاڑیوں والی ریاست ہے۔ بلاد دیلم سے اس کی سرحدیں ملتی ہیں۔

پھر مجھے اپنے یہاں ٹھہرنے دو۔ اس نے کہا ٹھیک ہے۔ بکیر وہاں ٹھہر کر آذربائیجان کا ایک ایک شہر فتح کرتے رہے اور عتبہ دوسری سمت سے آذربائیجان کے ایک ایک شہر اور بستی کو فتح کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ اسی دوران میں عمر رضی اللہ عنہ کا خط موصول ہوا کہ بکیر، عتبہ بن فرقد کو لے کر ''باب'' کی طرف پیش قدمی کریں اور سماک کو عتبہ کا نائب بنا دیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے آذربائیجان کے تمام شہروں و بستیوں کی فوج کو عتبہ بن فرقد کے تابع کر دیا اور بکیر نے اسفندیاذ کو آذربائیجان میں چھوڑا، پیش قدمی کے دوران عتبہ بن فرقد کی فوج بہرام بن فرخزاد کی فوج سے ٹکرا گئی۔ عتبہ نے اسے شکست دی اور بہرام وہاں سے بھاگ نکلا، جب اسفندیاذ کو اس ہزیمت کی خبر ملی تو اس نے کہا: صلح اب مکمل ہوئی اور جنگ کی آگ بجھ گئی۔ پھر وہاں کے باشندوں نے عتبہ سے صلح کی درخواست کی، جسے آپ نے منظور کر لیا اور اسلامی فوج بسلامت آذربائیجان میں واپس لوٹی۔ عتبہ اور بکیر دونوں نے فتح کی خبر کے ساتھ مال غنیمت کا خمس بھی عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا اور جب آذربائیجان کی امارت عتبہ کو سونپی گئی تو آپ نے اس کے باشندوں کے لیے امان و صلح نامہ تحریر فرمایا۔[1] (مزید تفصیل ملاحظہ ہو، سیرت عمر بن خطاب، ص: ۶۹۸)

[1] تاریخ الطبری: ۵/ ۱۴۱، ۱۴۲ .

ساتواں باب

فتوحات شام، مصر اور لیبیا

(ا)......فتوحات شام

سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی طرف سے شام بھیجے جانے والے سب سے پہلے خط میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات اور وہاں کی افواج پر ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی امارت کی خبر تھی۔ خط کا مضمون یہ تھا:

''حمد وصلاۃ کے بعد معلوم ہو کہ خلیفہ رسول ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات ہو چکی ہے۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون . اللہ کی رحمت اور برکتیں ہوں ابوبکر پر جو حق پر عمل کرنے والے، صحیح کام کرنے والے، نرم مزاج، پاک باز، متواضع اور دانا تھے، میں اپنے اور سارے مسلمانوں کی اس مصیبت پر اللہ سے اجر خیر کا طالب ہوں۔ میری خواہش ہے کہ تقویٰ کے ذریعہ سے گناہ اور برائی سے بچ کر رحمت الٰہی کا مستحق بنوں۔ جب تک زندہ ہوں اس کی اطاعت میں لگا رہوں، مرنے کے بعد جنت میں جاؤں۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے دمشق کا محاصرہ کر لیا ہے۔ میں نے تمہیں مسلمانوں کا سالار اعلیٰ مقرر کر دیا ہے۔ تم حمص اور دمشق کے نواحی علاقے نیز شام کے دوسرے علاقوں میں فوجی دستے پھیلا دو، لیکن اس معاملہ میں اپنی اور دوسرے مسلمانوں کی رائے سے کام کرو، صرف میری اس تحریر سے اپنا لشکر خطرہ میں مت ڈال دینا کہ دشمن کو تمہیں نقصان پہنچانے کا حوصلہ ہو۔ جو لوگ تمہارے پاس زائد ہوں انہیں میرے بھیج دو اور جو محاصرہ میں تمہارے لیے ضروری ہوں ان کو اپنے پاس رکھو۔ خالد بن ولید کو روک لو کیونکہ ان کے بغیر تمہارا کام نہیں چل سکتا۔'' [1]

خط ملنے کے بعد ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو بلایا اور انہیں خط پڑھ کر سنایا، دربار خلافت کے ایلچی نے زبانی یہ بھی کہا کہ اے ابوعبیدہ! عمر رضی اللہ عنہ نے تم سے کہا ہے کہ یزید بن ابوسفیان اور عمرو بن عاص کے بارے میں ہمیں مطلع کریں، ان دونوں کی کیا حالت ہے اور رہن سہن کیسا ہے؟ نیز مسلمانوں کے ساتھ ان کا کیا برتاؤ ہے؟ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ کے ایلچی کو اپنی اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی طرف سے مشترکہ جوابی خط دیا، اس کا موضوع یہ تھا:

''ابوعبیدہ بن جراح اور معاذ بن جبل کی طرف سے عمر بن خطاب کے نام! السلام علیکم

[1] تاریخ دمشق: ۲/ ۱۲۵ .

ہم اللہ واحد کی تعریف کرتے ہیں جس کے علاوہ کوئی حقیقی معبود نہیں۔ اما بعد! ہم دیکھ رہے ہیں کہ (خلافت سے قبل) اصلاح نفس کی آپ کو فکر رہا کرتی تھی۔ اے عمر! اب آپ سیاہ وسفید پوری امت محمدیہ کے معاملوں کے ذمہ دار ہوگئے ہو۔ آپ کے پاس دوست ودشمن، بڑے چھوٹے، طاقتور اور کمزور سبھی آتے ہیں اور سب کا آپ پر حق ہے اور ان کا حق یہ ہے کہ آپ سے ان کو انصاف ملے، لہٰذا آپ دیکھیں ان کے لیے کیسا ثابت ہوتے ہیں؟ اے عمر! ہم آپ کو وہ دن یاد دلاتے ہیں جس دن سارے بھید کھل جائیں گے، پردے فاش ہوجائیں گے، دل میں چھپی باتیں ظاہر ہوں گی، سارے چہرے اللہ قاہر کے سامنے جھکے ہوں گے، اپنی عظمت وجلال سے وہ سب پر غالب ہوگا، سارے انسان اس کے پاس عاجزی کے ساتھ کھڑے ہوں گے اس کے فیصلے کے منتظر ہوں گے، اس کی سزا سے لرزاں ہوں گے اور اس کی رحمت کی امید لگائے ہوں گے۔ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ اس امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو بظاہر دوست اور اندر سے دشمن ہوں گے، ہم اس برائی سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔ آپ ہماری اس تحریر کا غلط مفہوم نہ سمجھیں۔ والسلام علیک ورحمۃ اللہ۔"[1]

صدیقی دور خلافت کے بعد عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں شام کے محاذ پر جو کچھ فوجی کارروائیاں ہوئیں وہیں سے بلاد شام کی فتوحات کے دوسرے دور کا آغاز ہوتا ہے۔ چنانچہ جب معرکہ یرموک اختتام کو پہنچا اور رومی فوجیوں کی ہزیمت ہوئی تو ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے بشیر بن کعب حمیری رضی اللہ عنہ کو یرموک میں اپنا قائم مقام چھوڑا اور یہ خبر ملنے کے بعد کہ یرموک کی شکست خوردہ رومی فوج "فحل" میں جنگ کے لیے اکٹھا ہو رہی ہے اور اہل دمشق کو حمص سے مدد ملنے والی ہے، تو آپ تردد میں پڑ گئے کہ دمشق سے اپنی فوجی کارروائی کا آغاز کریں یا اردن کے شہر "فحل" سے۔ آپ نے امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ سے اس سلسلہ میں رہنمائی طلب کی، عمر رضی اللہ عنہ نے جواب میں یہ خط بھیجا:

"پہلے دمشق پر حملہ کر کے اسے فتح کرو کہ وہ شام کا قلعہ اور اس کا صدر مقام ہے۔ ساتھ ہی فحل میں بھی سوار دستے بھیج دو، جو انہیں تمہاری طرف نہ بڑھنے دیں، اسی طرح فلسطین وحمص پر بھی نگاہ رکھو اگر دمشق سے پہلے فحل فتح ہو جائے تو بہتر ہے ورنہ دمشق فتح کر لینے کے بعد تھوڑی سی فوج وہاں چھوڑ دینا اور تمام امرائے لشکر کو اپنے ساتھ لے کر فحل روانہ ہو جانا اور اگر اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں فحل فتح کرا دے تو خالد اور تم حمص چلے جانا۔ ہر علاقہ کا سالار فوج (وہاں سے گزرنے والی) دوسری فوج کا سالار اعلیٰ مانا جائے گا۔ جب تک کہ وہ اس کا علاقہ خالی نہ کر دیں۔"[2]

---

[1] فتوح الشام، ص: ۹۹۔ ۱۰۲، التاریخ الإسلامی: ۹/ ۲۷۴.

[2] تهذيب وترتيب البداية والنهاية، ص: ۵۲، الدعوة الإسلامية فی عهد أمير المؤمنين عمر بن خطاب، ص: ۲۷۶.

ان خطوط میں فاروقی تعلیمات سے ہمیں یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کے پیش نظر کئی اہم مقاصد تھے: پہلا بنیادی مقصد ''دمشق'' پر قابض ہونا، دوسرا مقصد ''فحل'' فتح کرنا اور تیسرے نشانے پر ''حمص'' تھا۔ چنانچہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی انہی ہدایات کی روشنی میں ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے ''فحل'' کی طرف ایک فوجی دستہ روانہ کیا اور ابو الاعور السلمی عامر بن حثمہ، عمرو بن کلیب، عبد عمر بن یزید بن عامر، عمارہ بن صعق بن کعب، صفی بن علیہ بن شامل، عمر بن حبیب بن عمر، لبدہ بن عامر، بشیر بن عصمہ اور عمارہ بن مخشن رضی اللہ عنہم کو ان دستوں کی الگ الگ قیادت پر مامور کیا اور ان سب کا قائد اعلیٰ عمارہ بن مخشن رضی اللہ عنہ کو بنایا۔ [1]

ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ خود اسلامی لشکر کے ساتھ دمشق کی طرف بڑھے، راستے میں کوئی قابل ذکر مزاحمت نہ ہوئی۔ کیونکہ رومیوں نے اس سے پہلے مسلمانوں کی پیش قدمی روکنے اور ان کے اثر ونفوذ پر قدغن لگانے کے لیے دمشق اور اس کے مضافات کے دیگر علاقوں کے باشندوں پر اعتماد کر رکھا تھا، لیکن رومیوں کے غلط برتاؤ اور خاص طور سے چھوٹی چھوٹی بستیوں میں ان کی نازیبا حرکات سے عاجز ہونے کی وجہ سے ان میں دفاع کی خاطر کوئی گرم جوشی نظر نہیں آئی [2] اور اسلامی افواج غوطہ دمشق میں جس میں رومیوں کے محلات اور ان کے خوبصورت مکانات تھے، داخل ہوگئیں۔ وہاں پہنچ کر دیکھا کہ تمام محلات ومکانات خالی پڑے ہیں اور ان مکینوں نے بھاگ کر دمشق میں پناہ لے رکھی ہے۔ دوسری طرف ہرقل نے باشندگان دمشق کی مدد کے لیے پانچ سو (۵۰۰) جنگجوؤں کو بھیجا جو سنگین حالات سے نمٹنے اور واجبی ضرورت کی تکمیل کے لیے، بالکل ناکافی تھے۔ [3] جب کہ ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے ذوالکلاع کی قیادت میں شمالی دمشق میں جو اسلامی طاقت اتاری تھی وہ دمشق اور حمص کی افواج کو بار بار چیلنج دے رہے تھی اور دونوں افواج کے درمیان سخت معرکہ آرائی جاری تھی، بالآخر رومیوں کی شکست ہوئی۔ [4] اہل دمشق نے ہرقل سے دادرسی کی درخواست کی، اس نے خط کے ذریعہ سے انہیں ثابت قدمی اور مقابلہ آرائی کی تلقین کرتے ہوئے امدادی فوج بھیجنے کا وعدہ کیا، جس کی وجہ سے اہل دمشق سنبھل گئے، ان کے ارادوں میں پختگی آ گئی اور اسلامی فوج کی پیش قدمی اور ان کے محاصرہ کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے لگے۔ [5]

ا۔ فتح دمشق کا تاریخی تعین:

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ ''سیف بن عمر سے مروی روایت کا سیاق اس بات کا متقاضی ہے کہ فتح دمشق ۱۳ ہجری میں ہو، لیکن سیف کی منصوص روایت جمہور کی روایت کی تائید کرتی ہے یعنی ۱۵ رجب ۱۴ ہجری میں دمشق فتح

[1] العمليات التعرضية الدفاعية عند المسلمين، ص: ۱۸۲ .
[2] الهندسة العسكرية فى الفتوحات الإسلامية، د/ قصى عبدالرؤف، ص: ۱۸۸ .
[3] البداية والنهاية: ۷/ ۲۰، الهندسة العسكرية، ص:۱۸۸ .
[4] البداية والنهاية: ۷/ ۲۰ . [5] الهندسة العسكرية، ص: ۱۸۸ .

ہوا۔ 1 اور خلیفہ بن خیاط لکھتے ہیں کہ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے رجب، شعبان، رمضان اور شوال کے مہینوں میں دمشق میں رومیوں کا محاصرہ کیا اور ذی القعدہ میں دمشق والوں نے صلح کی۔ 2 بہرحال کوئی بھی تاریخ ہو لیکن اتنا طے ہے کہ فتح دمشق معرکہ یرموک کے بعد پیش آئی۔ 3

۲۔ فتح بیسان وطبریہ:

سیّدنا ابوعبیدہ اور خالد رضی اللہ عنہما امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی ہدایت کے مطابق اپنی اپنی فوج لے کر حمص کی طرف چلے گئے اور شرحبیل بن حسنہ کو ابوعبیدہ رضی اللہ عنہما نے اردن پر اپنا قائم مقام مقرر کیا، چنانچہ شرحبیل رضی اللہ عنہ اپنے ساتھ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو لے کر آگے بڑھے اور بیسان کا محاصرہ کر لیا، وہاں کے لوگ مقابلہ کے لیے باہر نکلے، خونریز جنگ ہوئی، بہت سے رومی قتل کیے گئے اور بالآخر جس طرح دمشق کی صلح ہوئی تھی اسی طرح انہوں نے بھی صلح کر لی، شرحبیل رضی اللہ عنہ نے ان پر جزیہ اور زمینوں پر خراج لگا دیا۔ ابوالاعور السلمی رضی اللہ عنہ نے طبریہ والوں کے ساتھ بھی بالکل یہی برتاؤ کیا۔ 4

۳۔ معرکہ حمص ۱۵ ہجری:

سیّدنا ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے روم کی شکست خوردہ فوج کا حمص تک پیچھا کیا اور وہاں پہنچ کر شہر کا محاصرہ کر لیا، پیچھے سے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بھی آ گئے اور دونوں نے محاصرہ کافی سخت کر دیا۔ سخت سردی کا موسم تھا حمص والوں نے کچھ دن اس امید پر محاصرے کی صعوبتیں برداشت کیں کہ شاید سردی کی تاب نہ لا کر اسلامی فوج یہاں سے واپس لوٹ جائے، لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بے مثال صبر وعزیمت کا ثبوت دیا۔ چنانچہ مؤرخین لکھتے ہیں کہ رومیوں کے پاؤں میں خف (چمڑے کے موزے) ہوتے تھے، پھر بھی ان کے پاؤں شل ہو جاتے، جب کہ صحابہ کے پاؤں میں جوتوں کے علاوہ کچھ نہ ہوتا تھا، لیکن نہ ان کے پاؤں متاثر ہوئے نہ انگلیاں، اس طرح وہ لوگ موسم سرما کی شدت برداشت کرتے رہے اور وہ موسم ختم ہو گیا۔ اس کے بعد مسلمانوں نے محاصرہ اور سخت کر دیا۔ حمص کے سردار آگے آئے اور مصالحت کی خواہش ظاہر کی، لیکن اسلامی فوج نے یہ کہتے ہوئے اسے ماننے سے انکار کر دیا کہ ''کیا ہم صلح کر لیں حالانکہ ہم قیصر شاہ روم کے بالکل قریب پہنچ چکے ہیں؟'' بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دن صحابہ نے اتنی بلند آواز سے نعرہ تکبیر بلند کیا کہ اس سے پورا شہر دہل اٹھا اور زمین میں ایسی لہر پیدا ہوئی کہ دیواروں میں جگہ جگہ شگاف پڑ گئے۔ پھر دوسری تکبیر کا نعرہ لگایا، نعرہ اتنا زوردار تھا کہ لگتا تھا کہ بعض مکانات گر جائیں گے۔ خوف اور مصائب سے تنگ آ کر حمص کی عوام اپنے سرداروں کے پاس آئی اور کہا: ہمارے اوپر جو مصیبت نازل ہوئی ہے اور ہماری جو حالت ہے کیا آپ لوگ اسے دیکھتے نہیں؟ آپ لوگ حملہ آور اسلامی فوج

1 ترتیب وتہذیب البدایۃ والنہایۃ، ص:٥٥.
2 تاریخ خلیفۃ، ص:١٢٦.
3 الہندسۃ العسکریۃ، ص:١٩٣.
4 ترتیب وتہذیب البدایۃ والنہایۃ، ص:٦١.

سے ہمارے بارے میں صلح کیوں نہیں کر لیتے؟ راوی کا بیان ہے کہ پھر جس طرح باشندگان دمشق نے صلح کی تھی کہ نصف بستی ہماری اور نصف تمہاری ہوگی، زمینوں پر لگان دیں گے اور مالداری ومحتاجی کے اعتبار سے ہر فرد پر جزیہ لازم ہوگا، اسی طرح یہاں کے لوگوں نے بھی صلح کر لی۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے مال غنیمت کا خمس اور فتح کی بشارت کے ساتھ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا اور چند امراء مثلاً بلال اور مقداد رضی اللہ عنہما کی قیادت میں حمص میں بھاری فوج چھوڑ دی اور عمر رضی اللہ عنہ کو خط کے ذریعہ سے اطلاع بھیجی کہ ہرقل دریائے فرات عبور کر کے جزیرہ بھاگ گیا ہے، کبھی کبھار نظر آتا ہے اور کبھی روپوش رہتا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جوابی خط میں ابوعبیدہ کو لکھا کہ آگے پیش قدمی نہ کریں وہیں ٹھہر جائیں۔ [1]

۴۔ معرکہ قنسرین ۱۵ ہجری:

حمص فتح ہو جانے کے بعد ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو قنسرین بھیجا۔ [2] جب آپ وہاں پہنچے تو وہاں کے اصلی باشندوں اور عرب نصاریٰ نے آپ کے خلاف جنگ کی، خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے سخت جنگ لڑی اور دشمن کے بہت سارے لوگوں کو قتل کیا، جو رومی وہاں بس گئے تھے انہیں جلا وطن کر کے ان کے سردار میناس کو قتل کر دیا۔ باقی رہے جو سیدھے سادھے دیہاتی تو انہوں نے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ ہم اس لڑائی کے لیے تیار نہ تھے اور نہ لڑائی کے لیے ہماری رائے تھی۔ خالد رضی اللہ عنہ نے ان کی معذرت قبول کر لی اور انہیں قتل کرنے سے رک گئے۔ پھر جب شہر کے اندر گھسے تو مخصوص سرداروں اور شر پسندوں نے ایک قلعہ میں پناہ لے لی۔ خالد رحمہ اللہ نے ان سے کہا کہ اگر تم بادلوں میں بھی روپوش ہو جاؤ تو اللہ تعالیٰ ہمیں تم تک پہنچا دے گا یا تمہیں خود ہمارے پاس حاضر کر دے گا۔ پھر برابر ان کا دائرہ تنگ کرتے گئے اور بالآخر فتح نصیب ہوئی۔ سیّدنا عمر کو خالد رضی اللہ عنہما کے اس کارنامے کی خبر ہوئی تو بے ساختہ بول اٹھے ''اللہ کی رحمت ہو ابوبکر پر، وہ مجھ سے زیادہ مردم شناس تھے، اللہ کی قسم! میں نے کسی بدنیتی اور برے گمان کی وجہ سے خالد کو معزول نہیں کیا ہے، بلکہ مجھے خوف ہوا کہ کہیں لوگ انہی پر بھروسا نہ کر لیں۔'' [3]

۵۔ معرکہ قیساریہ ۱۵ ہجری:

۱۵ ہجری میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما کو قیساریہ [4] کا امیر بنایا اور ان کے نام خط لکھا: حمد وصلاۃ کے بعد! میں تمہیں قیساریہ کا امیر بناتا ہوں۔ تم وہاں چلے جاؤ اور ان کے بارے میں اللہ سے مدد مانگو، کثرت سے ((لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ .)) پڑھا کرو اور کہتے رہو: ((اَللّٰهُ رَبُّنَا وَثِقَتُنَا وَرَجَاؤُنَا ، وَمَوْلَانَا نِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ .)) اے اللہ! تو ہی ہمارا رب ہے، تجھ پر ہمارا

[1] ترتيب وتهذيب البداية والنهاية، ص:٦٢ .
[2] تاريخ الطبرى ٤/ ٤٢٧ .
[3] ترتيب وتهذيب البداية والنهاية، ص:٦٣ .
[4] تاريخ الطبرى: ٤/ ٤٣١ .

بھروسا ہے، تجھ سے امیدیں وابستہ ہیں، تو ہی ہمارا مددگار ہے، تجھ سے اچھا کوئی محافظ اور معاون نہیں۔'' چنانچہ معاویہ رضی اللہ عنہ وہاں سے قیساریہ چل پڑے اور وہاں پہنچ کر شہر کا محاصرہ کیا، کئی مرتبہ وہاں کے باشندوں سے جھڑپیں ہوئیں اور ایک وقت آیا کہ دونوں میں شدید جنگ چھڑ گئی۔ معاویہ رضی اللہ عنہ پامردی سے جمے رہے اور جنگ کو کامیاب بنایا۔ اللہ نے ان کے ہاتھوں کو مضبوط کیا اور فتح سے نوازا، دشمن کے تقریباً اسی ہزار (۸۰۰۰۰) لوگ جنگ میں قتل کیے گئے اور بیس ہزار (۲۰۰۰۰) ہزیمت خوردہ ومفرور فوج کو ملا کر ایک لاکھ تعداد پوری کر دی۔ پھر مال غنیمت کا خمس اور فتح کی بشارت دے کر اپنے قاصد کو امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا۔ [1]

۶۔ بیت المقدس کی فتح ۱۶ ہجری:

جس وقت مسلمانوں نے فتح کے ارادے سے بیت المقدس کا رخ کیا اس وقت فلسطینی حکومت کی کمان ارطبون رومی کے ہاتھ میں تھی، وہ مقام ومرتبہ میں بادشاہ روم کے ہم پلہ ہوا کرتا تھا، یہ شخص دور اندیش، جنگی سوجھ بوجھ رکھنے والا اور اپنے فیصلہ پر ٹھوس اقدام کرنے والا تھا۔ اس نے جنگی حکمت عملی کے تحت ''رملہ'' اور ''ایلیا'' (بیت المقدس) میں بڑی بڑی افواج اتار دی تھیں۔ [2]

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے خط لکھ کر امیر المومنین کو صورت حال سے آگاہ کیا اور مستقبل کی کارروائی کے لیے مشورہ کرتے ہوئے اجازت مانگی۔ اس موقع پر عمر رضی اللہ عنہ نے جو بات کہی وہ آج بھی شہرت کی حامل ہے۔ آپ نے کہا تھا: ''ہم نے روم کے ارطبون کو عرب کے ارطبون سے ٹکرا دیا ہے، دیکھو اب کیا ظہور ہوتا ہے۔'' [4] وہ یہ کہنا چاہتے تھے کہ دونوں ہی اپنی اپنی قوم کے زیرک وزبردست جرنیل ہیں۔

۱۵ ہجری میں اجنادین پر مسلمانوں کی دوبارہ لشکر کشی اور رومیوں پر عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے غلبہ نے فلسطین کا راستہ ہموار کر دیا تھا [3] اور اب معرکہ بیت المقدس کا عملی نفاذ ہونے جا رہا تھا۔ رومی قائد ارطبون نے اپنے لشکر جرار کو کئی حصوں میں تقسیم کر کے رملہ اور ایلیا (بیت المقدس) میں پھیلا دیا تھا۔ دونوں شہروں کا درمیانی فاصلہ اٹھارہ (۱۸) میل ہے۔ ارطبون کا مقصد یہ تھا کہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ان دونوں عظیم شہروں پر مسلمانوں کی طرف سے کوئی فوجی کارروائی نہ ہو سکے۔ اور یقیناً دونوں شہر اہمیت کے حامل تھے۔ ''رملہ'' فلسطین کا بڑا قصبہ اور ''ایلیا'' (بیت المقدس) اس کا سب سے بڑا شہر تھا۔ [4] رومی بادشاہ کی طرف سے ''ارطبون'' کو ''ایلیا'' کا حاکم مقرر کیا گیا تھا، یاد رہے کہ یہ وہی ارطبون ہے جو اجنادین میں شکست کھانے کے بعد اپنے لاؤ لشکر سمیت یہاں بھاگ آیا تھا اور اس وقت رملہ کا حاکم تذارق تھا۔ [5] اور اب آئندہ صفحات میں ان مراحل کا ذکر ہوگا جن

---

[1] حروب القدس فی التاریخ الإسلامی والعربی، د/ یاسین وسوید، ص:۳۵.
[2] تاریخ الطبری: ٤/ ٤٣١. [3] حروب القدس فی التاریخ الإسلامی والعربی، ص: ۳۵.
[4] حروب القدس فی التاریخ الإسلامی والعربی، ص: ۳۵، ۳٦.
[5] تاریخ الطبری: ٤/ ٤٣٢.

سے بیت المقدس فتح کرتے وقت مسلمان گزرے۔

ا: مشاغلہ (الجھانا):

خلیفہ راشد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی منصوبہ سازی یہ تھی کہ رومی فوج کو فلسطین میں عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے محاذ آرا ہونے سے اس وقت تک روکا جائے جب تک کہ اجنادین میں رومی فوج پر مسلمانوں کا غلبہ نہ ہو جائے۔ تاکہ یہاں سے مکمل طور پر نمٹنے کے بعد بیت المقدس اور بقیہ بلاد شام پر اپنی توجہ مرکوز کی جائے۔ چنانچہ اسی منصوبہ بندی کے مطابق عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اپنے ساتھ شہ سوار مجاہدین کا قافلہ لے کر قیساریہ چلے جائیں اور وہاں کے رومی محافظ دستوں کو عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی طرف بڑھنے سے الجھائے رکھیں۔ ادھر عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا بالکل وہی منصوبہ تھا جو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا تھا، اس لیے آپ نے کارروائی آگے بڑھاتے ہوئے علقمہ بن حکیم الفراشی اور مسروق بن فلان المکی کو ایلیا میں روم کے محافظ دستے کو الجھانے والی فوج کا امیر بنا کر روانہ کیا، وہ لوگ ایلیا (بیت المقدس) گئے اور اپنے کام میں لگ گئے۔ [1] پھر ابو ایوب المالکی کو ''رملہ'' میں روم کے محافظ دستوں کو الجھانے والی فوج کا امیر بنا کر بھیجا، اور ابھی عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس خارجی امداد پہنچ بھی نہ سکی تھی کہ آپ نے تیاری کو مزید مستحکم کرتے ہوئے محمد بن عمرو کو ان کی فوج کے ساتھ ایلیا کے محاذ پر ڈٹے ہوئے مجاہدین اسلام کی مدد کے لیے روانہ کیا۔ اسی طرح عمارہ بن عمرو بن امیہ ضمری کو ان کی فوج کے ساتھ ''رملہ'' کے محاذ پر ڈٹے ہوئے مجاہدین اسلام کی مدد کے لیے بھیجا اور آپ خود اجنادین میں قیام کر کے ارطبون کے ساتھ قطعی جنگ کا انتظار کرنے لگے۔ اس دوران میں ایلیا کے محافظ دستے اپنی فصیل سے مسلمانوں سے زبردست مورچہ لیے ہوئے تھے اور شہر مقدس کے اردگرد جنگ کی رفتار زور پکڑ رہی تھی۔ جب کہ ٹھیک اسی وقت رومی اور اسلامی افواج اجنادین میں جنگ کے لیے مکمل طور پر مسلح ہو رہی تھیں اور اس کے بعد اجنادین میں جو جنگ ہوئی وہ خون ریز جنگ تھی۔ [2] طبری کا بیان ہے کہ مسلمانوں اور رومیوں نے اجنادین میں جنگ یرموک کی طرح بڑی بے جگری سے لڑائی لڑی اور دونوں طرف سے بہت لاشیں گریں۔ [3] عرب کے ارطبون نے روم کے ارطبون سے آمنے سامنے کی ٹکر لی اور اسے شکست دی، روم کا ارطبون اپنی فوج کے ساتھ پیچھے ہٹ گیا، تاکہ شہر مقدس کی فصیل کو پشت پناہ بنایا جا سکے۔ مسلمانوں نے بھی حکمت عملی کا ثبوت دیتے ہوئے اس کے لیے راستہ صاف کر دیا اور وہ شہر مقدس کے اندر چلا گیا۔ [4]

طبری کی روایت ہے کہ ارطبون کے پیچھے ہٹ جانے کے بعد علقمہ، مسروق، محمد بن عمرو اور ابو ایوب جو

---

[1] حروب القدس فی التاریخ الإسلامی والعربی، د/ یاسین وسوید، ص:٣٦ .

[2] حروب القدس فی التاریخ الإسلامی والعربی، د/ یاسین وسوید، ص:٣٦ .

[3] تاریخ الطبری: ٤/ ٤٣٣ . [4] تاریخ الطبری، ص: ٤/ ٤٣٣ .

بیت المقدس کے محافظ دستوں کے مقابلہ کے لیے پہلے بھیجے گئے تھے وہ سب اجنادین آ کر عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے آ ملے، پھر آپ اپنا پورا لشکر لے کر بیت المقدس کا محاصرہ کرنے کے لیے آگے بڑھے۔ [1]

مسلمانوں نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی قیادت میں بیت المقدس کے چاروں طرف پڑاؤ ڈال دیا اور جناب عمرو رضی اللہ عنہ نے شہر والوں کے لیے محاصرہ تنگ کرنا شروع کیا۔ شہر مقدس کافی محفوظ و مستحکم تھا، اس کی فصیلوں کی حفاظت و پائداری کے بارے میں واقدی کا بیان ہے کہ اس پر منجنیق، سنگ بار آلات، تلواروں، خود اور اعلیٰ معیار کی زرہوں سے لیس سپاہی ہمہ وقت چاق و چوبند کھڑے رہتے تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ محاصرہ کے تیسرے دن جنگ اس وقت شروع ہوئی جب مسلمان فصیلوں کی طرف آگے بڑھے، وہاں کے محافظ دستوں نے پیش قدمی کرتے ہوئے مسلمان فوج پر تیروں کی بوچھاڑ کر دی، مسلمانوں نے اپنی زرہوں اور خودوں سے اس کا مقابلہ کیا، لڑائی صبح کے وقت شروع ہوتی اور شام کو بند ہو جاتی، اسی طرز پر کئی دنوں تک لڑائی کا سلسلہ جاری رہا اور جب دس دن اسی حالت پر گزر گئے تو گیارھویں دن ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اپنے ساتھ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ، عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہما اور ساتھ میں شہ سوار مجاہدین و جانباز موحدین کو لے کر آ پہنچے، [2] انہیں دیکھ کر بیت المقدس والوں کا دل خوف سے دہل گیا۔ تاہم چار مہینے محاصرہ جاری رہا اور کوئی دن خالی نہ جاتا تھا کہ جس میں زبردست مقابلہ نہ ہوتا رہا ہو۔ اس طرح مسلمان سخت سردی، بارش اور برفیلی ہواؤں کو برداشت کرتے رہے اور صبر و ہزیمت کا مظاہرہ کرتے رہے۔ [3] یہاں تک کہ رومی فوج مسلمانوں کے محاصرہ کا مقابلہ کرنے سے مایوس ہوگئی، ان کے بطریق ''صفرونیوس'' نے اس بلائے بے درماں سے نجات پانے کے لیے اپنی آخری کوشش شروع کی اور مسلمانوں کے قائد عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے نام جذبات کو بھڑکانے والا ایک خط تحریر کیا کہ ''محاصرہ ختم کر دو، شہر مقدس پر تمہیں فتح پانا ناممکن ہے۔'' [4]

۲: استسلام (خودسپردگی):

روم کے ارطبون نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے نام جو خط روانہ کیا تھا اس میں لکھا تھا:

''تم میرے دوست ہو اور میرے ہم رتبہ ہو، تمہاری قوم میں تمہارا وہی مقام ہے جو میری قوم میں میرا مقام ہے۔ اللہ کی قسم! اجنادین کے بعد اب تم فلسطین کا کوئی حصہ فتح نہیں کر پاؤ گے۔ اس لیے واپس لوٹ جاؤ اور دھوکے میں نہ رہو، ورنہ تمہیں بھی اپنے پیش رووں کی طرح منہ کی کھانی پڑے گی۔'' [5]

---

[1] حروب القدس فی التاریخ الإسلامی والعربی، د/ یاسین وسوید، ص:۳۷.

[2] حروب القدس فی التاریخ الإسلامی والعربی، د/ یاسین وسوید، ص: ۳۸.

[3] حروب القدس، ص: ۳۸.

[4] حروب القدس، ص: ۳۸.

[5] تاریخ الطبری: ٤/ ٤٣٣.

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اس کے پاس جوابی خط میں تحریر کیا کہ ''میں فاتح بیت المقدس ہوں'' اور خط اپنے قاصد کے ذریعہ سے بھیجتے ہوئے قاصد کو نصیحت کی کہ ارطبون سے اس خط کا جواب لے کر لوٹے۔ جب ارطبون نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا خط پڑھا تو ہنسنے لگا اور کہا: ''بیت المقدس کے فاتح کا نام عمر ہے'' قاصد نے ارطبون کی بات عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو بتائی، تو عمرو رضی اللہ عنہ نے فوراً اندازہ لگا لیا کہ ارطبون امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ [1] عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے خلیفہ راشد کے نام خط لکھا اور ارطبون کی بات نقل کرتے ہوئے کہا کہ اس کے نزدیک امیر المومنین عمر ہی بیت المقدس فتح کر سکتے ہیں۔ نیز عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ خط میں آپ سے مدد کا مطالبہ کیا اور آئندہ کی کارروائی سے متعلق رائے اور مشورہ لیتے ہوئے لکھا:

> ''میں سخت ترین اور سنگین جنگ میں لگا ہوا ہوں، ایسے شہر میں ہوں جو آپ کے سامنے سپر انداز ہونے کو تیار ہے، آگے آپ کی مرضی۔'' [2]

چنانچہ صلاح ومشورہ کے بعد ایک امدادی فوج لے کر عمر رضی اللہ عنہ شام کی طرف نکل پڑے۔ سیّدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام بنایا اور خود جابیہ پہنچ گئے۔ آپ کے پہنچنے کے بعد ایلیا (بیت المقدس) والے خود سامنے آئے اور جزیہ کی ادائیگی پر مصالحت کی اور بیت المقدس کے دروازے ان کے لیے کھول دیے۔ [3]

(۲)......فتوحات مصر ولیبیا

مسلمانوں کی نگاہ میں مصر فتح کرنے کے چند قوی اسباب تھے، سب سے اہم سبب تو یہ تھا کہ وہ اسلامی عقیدے کو روئے زمین کے چپے چپے میں غالب وعام کرنا چاہتے تھے، اور چونکہ مصر کی سرحدیں فلسطین سے ملتی تھیں، اس لیے فتح فلسطین کے بعد ان کا مصر کی طرف متوجہ ہونا ایک فطری امر تھا۔ مسلمانوں نے شام فتح کر کے روم کی بازنطینی بادشاہت کو دو حصوں میں اس طرح تقسیم کر دیا تھا کہ دونوں کے درمیان اتصال سمندر کے ذریعہ سے ہو سکتا تھا۔ مصر اور شمالی افریقہ میں روم کی مسلح افواج موجود رہتی تھیں، دریائے نیل میں رومیوں کا مضبوط بحری بیڑا پہلے ہی موجود تھا، اس لیے مسلمان شام میں اس وقت تک خود کو مامون نہیں سمجھ سکتے تھے، جب تک مصر رومی قبضہ میں باقی تھا، مصر ایک مالدار ملک تھا، قسطنطنیہ میں سامان رسد یہیں سے بھیجا جاتا تھا، چنانچہ جب مسلمانوں نے مصر فتح کر لیا تو رومیوں کا اثر ونفوذ بالکل جاتا رہا اور مسلمانوں کو شام وحجاز میں اس اعتبار سے اطمینان وامن حاصل ہو گیا کہ مصر کے راستے سے روم کا حجاز پہنچنا آسان نہ رہا۔ [4]

فتح مصر کا دوسرا سبب یہ بھی بنا کہ مصر کے قدیم باشندے ''قبطی'' رومیوں کے ظلم و جبر کا شکار تھے۔ فوجی محافظوں اور سرحدی چوکیداروں سے زیادہ ان کی زندگی کی کوئی وقعت نہ تھی پس ایسی صورت میں یقینی تھا کہ وہ

---

[1] تاریخ الطبری ٤/ ٤٣٣ .
[2] تاریخ الطبری: ٤/ ٤٣٣ .
[3] تاریخ الطبری: ٤/ ٤٣٣ .
[4] عصر الخلافة الراشدة/ أکرم العمری ص:٣٤٨ .

موقع سے فائدہ اٹھاتے، خاص طور سے اس لیے کہ مسلمانوں کے عدل و انصاف کا چرچا وہ پہلے ہی سن چکے تھے۔❶ اور مصر کے ان محافظ دستوں کو مسلمانوں اور اسلامی فوج سے مرعوب ہونا ضروری بھی تھا۔❷ کیونکہ وہ دیکھ چکے تھے کہ ہمارا بادشاہ ہرقل شام کو اسلامی سلطنت کے حوالے کر کے چھوڑ بھاگا ہے...... عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ان تمام تبدیلیوں کا نہایت باریکی سے مطالعہ کر رہے تھے اور اس نتیجہ پر پہنچ چکے تھے کہ رومی افواج اب مصر میں مسلمانوں کے سامنے ٹھہرنے کی طاقت کھو چکی ہیں اور اگر اس حالت میں بھی مصر کو فتح نہیں کیا جاتا تو یہ ہمیشہ مسلمانوں کے لیے خطرے کا مرکز بنا رہتا، اس بات کا اظہار عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اپنی زبان سے کیا۔❸

مصر فتح کرنے کا خیال سب سے پہلے کس کے دل میں پیدا ہوا، عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے دل میں، یا ان کے مشورہ کے بغیر خلیفہ راشد عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس طرف توجہ دی یا یہ کہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے اصرار کے بعد خلیفہ نے اس پر موافقت کی؟❹ اس سلسلہ میں روایات میں اختلاف ہے، لیکن اس اختلاف کے باوجود فتح مصر کے جو عوامل و اسباب بتائے گئے ہیں وہ اس بات کی تردید کرتے ہیں کہ خلیفۂ وقت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اس پر راضی تھے اور یہ صرف عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا خیال تھا، یا یہ کہ مصر کی سرزمین، آب و ہوا اور وہاں دشمن کی کثرت تعداد کا انہیں پورا علم نہیں تھا۔ تاریخی روایات میری رائے کی تائید کرتی ہیں۔ ابن عبدالحکم صراحتاً تحریر کرتے ہیں کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے شام فتح ہو جانے کے بعد عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے نام خط لکھا کہ ''لوگوں کو اپنے ساتھ لے کر مصر پر چڑھائی کے لیے تیار کرو، جو تمہارے ساتھ جانے کو تیار ہوں انہیں ساتھ لے کر جاؤ۔''❺ طبری لکھتے ہیں کہ ''ایلیا (بیت المقدس) والوں سے مصالحت کرنے کے بعد عمر رضی اللہ عنہ نے وہاں کئی دنوں تک قیام کیا اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو اس ہدایت کے ساتھ مصر بھیجا کہ اگر اللہ نے اس پر فتح دی تو تم وہاں کے امیر ہو گے۔ ان کے پیچھے ہی زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں ایک امدادی فوج روانہ کی۔ اس بات کی تائید ان امدادی افواج کی روانگی سے بھی ہوتی ہے جنہیں عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مختلف جہات سے مصر بھیجا تھا اور ان کی تعداد بارہ ہزار (۱۲۰۰۰) پہنچ گئی تھی۔ نیز بلا اختلاف تمام مؤرخین اس بات کے قائل ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ نے اسکندریہ کی فتح کے لیے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا۔❻

❶ دراسات فی عهد النبوة والخلافة الراشدة، ص:۳۵۷.

❷ فتوح الشام، أزدی، ص:۱۱۸.

❸ دراسات فی عهد النبوة والخلافة الراشدة، ص:۳۵۷.

❹ النجوم الزاهرة ۱/ ٤۔۷.

❺ فتوح مصر، ص: ۵۷.

❻ تاریخ الطبری: ۵/ ۸٤ تا ۹۳.

بازنطینی رومی حکومت کے سقوط کے اعتبار سے، فتح مصر سے اسلامی فتوحات کے تیسرے مرحلہ کا آغاز ہوتا ہے۔ چنانچہ فلسطین کے بعد سمندر کے برابر میں چلتے ہوئے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فلسطین سے مصر پہنچے۔ ''رفح، عریش اور فرما سے فاتحانہ اقدام کرتے ہوئے قاہرہ اور پھر اسکندریہ تک پہنچ گئے۔ فوجی کارروائی کے لیے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا ساحلی راستہ اختیار کرنا ان کی عسکری مہارت کی دلیل ہے۔ شاید آپ نے یہ راستہ اس لیے اپنایا تھا کہ بلاد شام کی طرح اس راستے میں رومیوں کی کوئی عسکری قوت موجود نہ تھی اور یہ وجہ بھی رہی ہوگی کہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے لیے یہ راستہ جانا پہچانا تھا۔ اس طرح آپ ذیل کی ترتیب کے مطابق مسلسل فاتحانہ اقدام کرتے ہوئے آگے بڑھتے گئے، فتوحات کے تسلسل اور تقدیم و تاخیر کے متعلق تاریخی روایات میں کچھ اختلاف ہے، جیسے کہ بلاد شام کی فتوحات میں کہیں کہیں ہمیں نظر آیا ہے، اس لیے میں اس کی توجہ کرنے کی کوشش کروں گا۔ ❹

ا: فتح فرما:

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ مغرب کی طرف چلے، ''فرما'' سے پہلے کسی بھی رومی سپاہی سے ملاقات نہ ہوئی، بلکہ جگہ جگہ مصریوں نے ان کا استقبال کیا۔ سب سے پہلے ''فرما'' میں محاذ آرائی ہوئی۔ رومیوں نے یہ خبر پا کر کہ عمرو رضی اللہ عنہ کے ساتھ آنے والے فوجی معمولی تعداد اور ناقابل ذکر جنگی تیاری میں ہیں، زیادہ دنوں تک محاصرہ نہیں کر سکتے، جب کہ ہم ان سے زیادہ تعداد و تیاری میں ہیں اور انہیں پست کر لے جائیں گے، وہ شہر میں قلعہ بند ہوگئے۔ ادھر عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو رومیوں کی عسکری قوت کا علم ہو چکا تھا کہ وہ تعداد و اسلحہ میں کئی گنا ہم پر بھاری ہیں، چنانچہ آپ نے ''فرما'' پر قابض ہونے کے لیے یہ منصوبہ بنایا کہ اچانک حملہ کر کے فصیل کے دروازوں کو کھول دیا جائے یا پھر اس وقت تک صبر کے ساتھ محاصرہ جاری رکھا جائے جب تک کہ شہریوں کی خوراک ختم نہ ہو جائے اور بھوک سے بے تاب ہو کر باہر نہ نکل آئیں۔ چنانچہ محاصرہ کر لیا، ادھر مسلمانوں کا محاصرہ سخت سے سخت تر ہوتا جا رہا تھا اور ادھر رومی بھی اپنی ضد سے پیچھے نہ ہٹ رہے تھے۔ اس طرح محاصرہ کئی مہینے جاری رہا، کبھی کبھی بعض رومی فوج باہر آتی اور دو چار جھڑپیں کر کے پیچھے ہٹ جاتی، ان جھڑپوں میں مسلمان ہی غالب رہتے۔ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اپنی جوش آفریں تقریر سے مسلمانوں کو ہمت دلاتے، ایک تقریر میں آپ نے کہا: اے اسلام و ایمان کے پاسبانو! اے قرآن کو سینے میں سجانے والو! اے محمد ﷺ کے صحابہ! فولادی مردوں کی طرح صبر کرو، ثابت قدم رہو، اپنی صفوں سے نہ ہٹو، تیر برساتے رہو، زرہوں سے خود کو بچاتے رہو، خاموش رہو، ہاں بولو تو اللہ کا ذکر کرو، اپنی مرضی سے کوئی نیا اقدام نہ کرو، جب تک کہ میں تم کو حکم نہ دے دوں۔ ❶

ایک دن رومی افواج کی ایک جماعت بستی سے باہر نکل کر مسلمانوں سے لڑنے نکلی، مقابلہ میں مسلمان غالب رہے اور رومی ہزیمت کھا کر بستی کی طرف بھاگے، مسلمانوں نے ان کا پیچھا کیا، دوڑنے میں کافی تیز روی کا

❶ فتح مصر، صبحی ندا، ص:۱۹، ۲۰.

ثبوت دیا اور کچھ لوگوں نے دروازے تک رومیوں کے پہنچنے سے پہلے ہی وہاں پہنچ کر فصیل کا دروازہ کھول دیا۔ شہر میں سب سے پہلے مسلمانوں کے ایک جانباز اسمیقع داخل ہوگئے اور فتح مبین کا راستہ صاف کر دیا۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ مصر کے قدیم باشندے یعنی ادھر ادھر دیہاتوں میں رہنے والے قبطیوں نے مسلمانوں کا استقبال کیا۔ جب فرما پر مسلمانوں کا قبضہ مکمل ہوگیا تو انہوں نے اس کی مضبوط فصیلوں اور قلعوں کو منہدم کر دیا تاکہ اگر کبھی (بدقسمتی) سے رومی اس پر غالب ہوں تو اس سے فائدہ نہ اٹھا سکیں۔ اس کے بعد عمرو رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر والوں میں خطبہ دیا: اے لوگو! اس اللہ کی تعریف بیان کرو جس نے مسلمانوں کے لشکر کو فتح وغلبہ سے نوازا۔ اللہ بہت بڑا کارساز ہے، اس نے اسلام سے ہماری پشت پناہی کی اور اسی سے ہماری واپسی کا راستہ محفوظ کیا، لیکن تم کہیں اس خام خیالی میں نہ آنا کہ اللہ سے ہم جو کچھ بھی چاہیں گے وہ پورا ہی ہو جائے گا اور تم اس نصرت الٰہی سے دھوکا کھا جاؤ۔ ابھی ہمارے سامنے نہایت دشوار گزار راستہ ہے، امیر المومنین نے ہمیں جس مہم پر مامور کیا ہے اس کا پانا ابھی بہت دور ہے۔ صبر سے کام لو، اپنے امیر کی اطاعت کرو، عنقریب مفتوحہ قوم جان لے گی کہ ہم سلامتی دینے والی فوج ہیں، روئے زمین پر ہم فساد نہیں کرتے بلکہ فساد کو مٹاتے اور زمین کی اصلاح کرتے ہیں۔ تم سب قدوۂ رسول ﷺ پر بہتر عمل کرنے والے ہو جاؤ۔ [1]

''فرما'' فتح کرنے کے بعد عمرو رضی اللہ عنہ اس حد تک مطمئن ہو چکے تھے کہ اب یہ شہر دشمن کے لیے پناہ گاہ بننے کے لائق نہیں بچا ہے، پھر اپنی فوج کے حالات اور خیریت معلوم کرنے لگے۔ ان چند مجاہدین کی شہادت پر آپ کو زیادہ ہی تکلیف ہوئی جو مصر فتح کرنے کے لیے زیادہ بے چین تھے اور وہ وقت آنے سے پہلے موت نے انہیں اپنی آغوش میں لے لیا۔ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو اسی وقت سے یہ خطرہ لاحق ہوگیا کہ اگر آئندہ اسی طرح لڑائیوں کا سامنا کرنا پڑا اور قلت تعداد کے باعث ہمارا اسی طرح جانی نقصان ہوا تو ممکن ہے کہ اصل جنگ کا مقابلہ نہ کیا جا سکے اور منزل تک پہنچنے میں ہم ناکام رہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی تائید غیبی سے اس نقصان کی تلافی کر دی۔ بایں طور کہ راشدہ اور لخم کے جو عربی قبیلے کوہ حلال [2] کے دامن میں زندگی گزار رہے تھے وہ اسلامی فوج سے آملے اور عمرو رضی اللہ عنہ اپنا لشکر لے کر بلا کسی مزاحمت کے مغرب کی طرف روانہ ہوگئے۔ جب قواصر (قصاصین) پہنچے تو یہاں سے جنوب کی طرف مڑ گئے اور صبح ہوتے ہوتے ''التل الکبیر'' کے قریب وادی طمبلان پہنچ گئے۔ جنوب کی سمت میں مزید پیش قدمی کرتے ہوئے بلبیس پہنچے، النجوم الزاہرہ کے مؤلف کا کہنا ہے کہ عمرو رضی اللہ عنہ نہایت ہلکی و معمولی مزاحمتوں سے گزرتے ہوئے بلبیس آئے۔ [3]

---

[1] فتح مصر، صبحی ندا، ص:۲۰۔

[2] جولة فی عصر الخلفاء الراشدین، ص:۲۱۴۔

[3] النجوم الزاهرة: ۱/ ۷، ۸۔

۲: فتح بلبیس:

سیّدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اپنی جمعیت کے ساتھ جب بلبیس پہنچے تو رومی فوج نے کثیر تعداد میں وہاں آپ کا راستہ روکنا چاہا تاکہ بابلیون کے قلعہ تک مسلمان نہ پہنچ سکیں، اپنے منصوبہ کے مطابق رومی فوج یہیں لڑنا چاہتی تھی، لیکن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: تم اس وقت تک جلدی نہ کرو جب تک کہ ہم اپنی بات تمہارے سامنے رکھ نہ دیں تاکہ کل عذر ومعذرت کی کوئی بات نہ رہ جائے۔ تم اپنے پاس سے ابومریم اور ابومریام کو میرے پاس سفیر بنا کر بھیجو۔ چنانچہ وہ لوگ لڑنے سے رک گئے اور مطلوبہ دونوں سفیروں کو عمرو بن عاص کے پاس بھیجا آپ نے ان دونوں کو اسلام یا جزیہ دونوں میں سے کسی ایک کو ختیار کرنے کا حکم دیا اور یہ بھی سنایا کہ ہاجرہ یعنی اسماعیل علیہ السلام کی ماں کا مصر سے تعلق ہونے کی وجہ سے اہل مصر کے بارے میں ہمیں ہمارے رسول ﷺ کا یہ فرمان یاد ہے:

((إِنَّكُمْ سَتَفْتَحُوْنَ مِصْرَ ، وَهِيَ أَرْضٌ يُسَمّٰى فِيْهَا الْقِيْرَاطُ فَإِذَا فَتَحْتُمُوْهَا فَأَحْسِنُوْا إِلَى أَهْلِهَا فَإِنَّ لَهُمْ ذِمَّةً وَرَحْمَةً ـ أَوْ قَالَ: ذِمَّةً وَ صِهْرًا .)) [1]

''تم مصر فتح کرو گے، وہ ایسی سرزمین ہے کہ جہاں قیراط [2] کا رواج ہوگا جب تم اسے فتح کرو تو وہاں کے لوگوں سے حسن سلوک کرنا کیونکہ تم پر ان کا حق ہے اور رشتہ بھی۔ یا آپ نے فرمایا: اس لیے کہ ان کا حق بھی ہے اور سسرالی رشتہ بھی۔''

ان دونوں نے یہ سن کر کہا: یہ بہت دور کا رشتہ ہے اسے انبیاء ہی پورا کر سکتے ہیں، ہمیں جانے دیجیے اور ہم لوٹ کر آپ کو بتائیں گے۔ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھ جیسے لوگ دھوکا نہیں دیے جا سکتے، جاؤ میں تمہیں تین دن کی مہلت دیتا ہوں، اچھی طرح معاملہ پر غور کرلو۔ دونوں نے کہا: ایک دن کی اور مہلت دے دیں۔ آپ نے مزید ایک دن کا موقع دیا۔ دونوں لوٹ کر قبطیوں کے سردار مقوقس [3] اور شاہ روم کی طرف سے مصر کے حاکم ارطبون کے پاس آئے اور مسلمانوں کی بات ان کے سامنے رکھی، ارطبون نے ماننے سے انکار کر دیا اور جنگ کا پختہ ارادہ کر کے راتوں رات مسلمانوں کی فوج پر حملہ کر دیا۔ مسلمانوں نے اسے اس کے لشکر سمیت اسکندریہ تک شکست دی۔ اس جنگی کش مکش کے دوران میں ایک ایسا واقعہ پیش ایا جو مسلمانوں کی دانش مندی اور اخلاقی برتری کی دلیل ہے۔ واقعہ یوں ہے کہ جب بلبیس پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح نصیب فرمائی تو اس میں ''مقوقس'' کی لڑکی گرفتار ہوئی جس کا نام ''ارمانوسہ'' تھا، وہ اپنے باپ کی چہیتی بیٹی تھی، اس کا باپ قسطنین بن ہرقل سے اس کی شادی کرنا چاہتا تھا۔ یہ وہی قسطنین ہے جو معرکہ ذات الصواری میں رومی افواج کا قائد تھا، ارمانوسہ اس سے

---

[1] صحیح مسلم، فضائل الصحابة، حدیث نمبر ۲۲۷، ۲۵۴۳.

[2] وزن کا ایک پیمانہ ہے جس کا معیار ہر دور میں مختلف رہا ہے۔

[3] البداية والنهاية ۷/ ۱۰۰.

شادی کرنے پر راضی نہ تھی، اسی لیے وہ اپنی خادمہ ''ربارہ'' کے ساتھ سیر وتفریح کے بہانے بلبیس بھاگ آئی۔ بہرحال جب اسلامی فوج نے اسے گرفتار کیا تو عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے تمام صحابہ کرام کی ایک مجلس بلائی اور انہیں اللہ کا یہ فرمان سنایا:

﴿هَلْ جَزَآءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ ﴿٦٠﴾﴾ (الرحمن: ٦٠)

''احسان کا بدلہ احسان کے سوا کیا ہے۔''

اور اس آیت کے حوالے سے کہا کہ مقوقس نے ہمارے نبی ﷺ کے پاس ہدیہ بھیجا تھا، میری رائے ہے کہ اس لڑکی اور اس کے ساتھ جو دیگر خواتین اور اس کے خدمت گزار ہیں اور جو مال ہمیں ملا ہے سب کچھ مقوقس کے پاس بھیج دو۔ سب نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی رائے کو درست قرار دیا۔ [1] پھر عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے ارمانوسہ کو اس کے تمام جواہرات، دیگر خواتین اور خدمت گذاروں کے ساتھ نہایت عزت واحترام سے اس کے باپ کے پاس بھیج دیا، واپس ہوتے ہوئے اس کی خادمہ ربارہ نے ارمانوسہ سے کہا: ہم ہر طرف سے عربوں کے گھیرے میں ہیں۔ ارمانوسہ نے کہا: میں عربی خیمے میں جان اور عزت کو محفوظ سمجھتی ہوں، لیکن اپنے باپ کے قلعے میں اپنی جان محفوظ نہیں سمجھتی۔ [2] پھر جب وہ اپنے باپ کے پاس پہنچی تو وہ اس کے ساتھ مسلمانوں کا برتاؤ دیکھ کر وہ بہت خوش ہوا۔ [3]

۳: معرکہ ام دنین:

ابن عبدالحکم نے اپنی روایت میں ذکر کیا ہے کہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اپنی فوج لے کر آگے بڑھے اور تقریباً ایک مہینہ مسلسل لڑنے کے بعد بلبیس فتح کیا اور وہاں سے آگے بڑھے تو ''ام دنین'' آئے جس کا نام مقس تھا اور دریائے نیل پر واقع تھا۔ مسلمانوں نے اس کے اردگرد سخت لڑائی کی، سخت معرکہ آرائی کی وجہ سے عمرو رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ سے فوجی کمک کا مطالبہ کیا اور امیر المومنین نے چار ہزار فوج کو فوراً مدد کے لیے روانہ کر دیا۔ ہر ہزار پر ایسا مرد آہن امیر مقرر کیا جو تنہا ہزاروں کا مقام رکھتا تھا، اس چار ہزار پر جو چار لوگ امیر مقرر کیے گئے تھے وہ تھے: زبیر بن عوام، مقداد بن اسود، عبادہ بن صامت اور مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہم۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ چوتھے مسلمہ رضی اللہ عنہ کے بجائے خارجہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ تھے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فوج بھیجنے کے ساتھ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ تمہارے ساتھ بارہ ہزار مجاہدین ہیں، یہ تعداد کمی کی وجہ سے کبھی مغلوب نہیں ہوگی۔'' [4] رومی جنگجو قبطیوں کو ساتھ لے کر مسلمانوں کا مقابلہ کرنے نکلے، دونوں افواج میں گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے

---

[1] الدور السياسى فى صدر الاسلام، الصفوة، ص: ٤٣١ .

[2] فتح مصر ، صبحى ندا، ص:٢٤ . [3] فتح مصر ، صبحى ندا، ص:٢٤ .

[4] الدولة الإسلامية فى عصر الخلفاء الراشدين ، ص:٢١٨ .

اس معرکہ میں بالکل اسی طرح جنگی سوجھ بوجھ سے کام لیا جس طرح خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے عراق کی جنگوں میں لیا تھا۔ آپ نے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا، ایک حصہ کو جبل احمر کی کمین گاہ میں چھپا دیا اور دوسرے کے لیے ام دنین سے قریب دریائے نیل پر کمین گاہ بنائی اور اس میں چھپا دیا اور بقیہ فوج لے کر خود دشمن کے مقابلہ پر نکلے، جس وقت دونوں افواج میں لڑائی شباب پر تھی، پیچھے سے جبل احمر کی کمین گاہ میں چھپی ہوئی فوج نے رومیوں پر سخت حملہ کیا جس سے ان کا فوجی نظام درہم برہم ہوگیا اور وہ ام دنین کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے اور جب وہاں پہنچے تو اس کے قریب کمین گاہ میں چھپی ہوئی دوسری جماعت نے بھاگنے سے اس کا راستہ روک دیا، اس طرح رومی فوج مسلمانوں کی تینوں افواج کے بیچ پھنس گئی، اس کی جمعیت منتشر ہوگئی اور سب نے ہزیمت اٹھائی، صرف چند گنے چنے رومی بابلیون کے محفوظ قلعے میں بھاگ کر بچ سکے۔ چنانچہ مسلمانوں نے یہ معرکہ بڑی خوش اسلوبی سے سر کر لیا اور اللہ نے اپنے فضل و رحمت سے انہیں دشمنوں کے شر سے بچا لیا۔ یقیناً مسلمانوں کے اس ماہر قائد کو اس قدر مستحکم منصوبہ سازی میں اللہ کی توفیق و تائید حاصل تھی کہ جس نے دشمن کی قوت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ [1]

۴: معرکہ قلعہ بابلیون:

ام دنین فتح کرنے کے بعد عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اپنی فوج کے ساتھ قلعہ بابلیون کی طرف بڑھے اور اس کا زبردست محاصرہ کیا، یہ محاصرہ مسلسل سات مہینے جاری رہا۔ اس دوران میں مقوقس اپنے سفیروں کو مصالحت کی غرض سے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجتا رہا۔ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے مصالحت قبول کرنے کے لیے یہ شرط لگائی کہ اسلام لاؤ، جزیہ دو، یا پھر جنگ ہوگی۔ مقوقس نے جزیہ دینا منظور کر لیا اور اس سلسلہ میں ہرقل سے اجازت مانگی، لیکن ہرقل نے اسے ماننے سے انکار کر دیا اور مقوقس پر بہت غصے ہوا اسے کافی لعنت ملامت کی، اسے قسطنطنیہ طلب کیا اور پھر وہاں سے جلا وطن کر دیا اور جب قلعہ بابلیون کی فتح میں زیادہ تاخیر نظر آئی تو زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اب میں اپنی جان اللہ کے راستہ میں ہبہ کرنے جا رہا ہوں، مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اسی سے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائے گا۔ [2]

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ قلعہ بابلیون کا محاصرہ برقرار رکھے ہوئے تھے۔ ایک رات مجاہدین اسلام نے دیواروں سے قلعہ کے اندر چھلانگ لگا دی اور اندر گھس کر رومی فوج کے ساتھ گتھم گتھا ہوگئے۔ قلعہ کے اندر سب سے پہلے چھلانگ لگانے والے زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ تھے۔ انہوں نے سوق حمام کی طرف سے دیوار پر سیڑھی لگائی اور اوپر چڑھ گئے اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ جب مجھے اوپر اللہ اکبر کا نعرہ لگاتے ہوئے سننا تو قلعہ میں داخل ہونے کے لیے

---

[1] الدولة الإسلامية فی عصر الخلفاء الراشدين، ص:۲۱۹ .

[2] الفتوحات الإسلامية، د/ عبدالعزيز الشناوی، ص: ۹۱

دوڑ پڑنا۔ اچانک لوگوں نے زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو تلوار کے ساتھ قلعہ کے اوپر اللہ اکبر کا نعرہ لگاتے ہوئے دیکھا۔ آپ نے بلند آواز میں نعرۂ تکبیر پکارا اور قلعہ کے باہر تمام مسلمانوں نے بھی نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ فضا میں گونجتے ہوئے نعرۂ تکبیر کو سننا تھا کہ رومیوں کو یقین ہوگیا کہ مسلمان قلعہ کے اندر داخل ہو چکے ہیں، اس غلط فہمی میں وہ قلعہ چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ رسول اللہ ﷺ کے حواری زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کو لے کر قلعہ بابلیون کے دروازے پر جا پہنچے، اس کا دروازہ کھول دیا، سب اندر داخل ہونے میں کامیاب ہوگئے اور لڑتے لڑتے قلعہ بابلیون کو فتح کر لیا، لیکن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے انہیں اس شرط پر امان دے دی کہ رومی فوج اپنے ساتھ چند دنوں کی خوراک لے کر یہاں سے نکل جائے اور قلعہ بابلیون میں جو ذخیرہ اور جنگی اسلحہ ہے انہیں ہاتھ نہ لگائیں، کیونکہ وہ مسلمانوں کے اموال غنیمت ہیں۔ اس کے بعد ابوعبداللہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے قلعہ بابلیون کے گنبدوں اور بلند و مستحکم دیواروں کو توڑ دیا۔ ❶

۵: فتح اسکندریہ:

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھ فوجی قائدین ومجاہدین قلعہ بابلیون میں چند مہینے قیام فرما رہے تاکہ بھاری تعداد میں فوج ادھر ادھر سے آ کر یہاں جمع ہو جائے اور تب تک امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے اسکندریہ کی طرف لشکر کشی کی اجازت بھی مل جائے گی۔ چنانچہ جب دار الخلافہ سے اجازت مل گئی تو عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کا ایک مسلح و بہادر فوجی دستہ قلعہ میں چھوڑا اور مئی ۶۴۱ء موافق جمادی الاخری ۲۱ ہجری میں اپنی قیادت میں مسلمانوں کا لشکر لے کر بابلیون سے نکلے۔ آپ کے ساتھ قبطی سرداروں کی وہ جماعت بھی تھی جسے اس بات پر اطمینان حاصل تھا کہ کامیاب اسلامی فوج کی مدد کرنے ہی میں ہماری بھلائی پوشیدہ ہے۔ چنانچہ انہوں نے اسلامی فوج کے لیے راستے ہموار کیے، پل بنائے، بازار قائم کیے اور رومیوں سے مسلمانوں کی محاذ آرائی کے وقت مسلمانوں کے معاون ومددگار ثابت ہوئے۔ ❷

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اسکندریہ پر جنگی پیش قدمی کے لیے دریائے نیل کے (بائیں) شمالی ساحل سے گزرنے کو ترجیح دی، تاکہ گھوڑوں اور فوج کو پیش روی کے لیے صحرا کا وسیع علاقہ مل سکے اور دریائے نیل کے ڈیلٹا سے گزرنے کی صورت میں کثیر تعداد میں جو گہری نہریں رکاوٹ کا سبب بنتی ہیں ان سے بچ سکیں۔ اس کارروائی میں عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو کسی قابل ذکر مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ صرف مرفوط، یا عرب مؤرخین کے مطابق ''طرانہ'' میں معمولی مزاحمت ہوئی۔ ❸ اس کے بعد دریائے نیل عبور کر کے اس کے مشرقی ساحل پر آ گئے، جہاں

---

❶ الفتوحات الإسلامية، د/ عبدالعزيز الشناوى، ص: ۹۱ .

❷ الدولة الإسلامية فى عصر الخلفاء الراشدين، ص:۲۲٤ .

❸ الدولة الإسلامية فى عصر الخلفاء الراشدين، ص:۲۲٤ .

''نقیوش'' نام کا محفوظ و مضبوط شہر آباد تھا۔ ❶ اس کے قلعے مضبوط اور فصیلیں مستحکم تھیں، عمرو رضی اللہ عنہ نے سوچا کہ اگر اسے نظر انداز کر کے آگے گزر جاتے ہیں تو یہاں خطرہ باقی رہے گا۔ رومیوں نے اپنے قلعوں میں پناہ لینے کے بجائے انہیں خالی چھوڑ دیا اور آگے بڑھ کر کشتیوں میں سوار ہوگئے، تاکہ وہیں سے مسلمانوں کے خلاف جنگ لڑیں اور اپنے شہر کے قریب نہ آنے دیں، لیکن یہ چیز مجاہدین اسلام کے حق میں مفید ثابت ہوئی، انہوں نے اپنے تیروں اور برچھیوں سے رومیوں کو چھلنی کرنا شروع کر دیا اور دریا ہی میں انہیں پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔ وہ لوگ اپنی کشتیوں پر سوار ہوکر اسکندریہ کی طرف پیٹھ پھیر کر بھاگے اور جو رومی قلعوں میں بچ گئے تھے، انہوں نے بہت جلد اطاعت قبول کر لی اور پھر مسلمان فتح مند ہوکر شہر میں داخل ہوگئے۔ وہاں چند دن گزار کر اپنے اردگرد کے دشمنوں پر شکنجہ کستے اور مصالحت کرتے رہے۔ ❷ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک قائد شریک بن سمی رضی اللہ عنہ کو بھگوڑے رومیوں کا تعاقب کرنے کے لیے بھیجا، آپ نے اپنے ساتھ چھوٹا سا فوجی دستہ لے کر ان کا تعاقب کیا اور انہیں پا لیا۔ رومیوں نے دیکھا کہ یہ تھوڑے سے لوگ ہیں کیوں نہ انہیں گھیر کر ان کا کام تمام کر دیا جائے۔ شاید یہ سوچ ہی رہے تھے کہ شریک کی ایک ٹیلے کے پاس ان سے جھڑپ ہوگئی۔ بعد میں اس ٹیلے کی نسبت شریک کی طرف کی جانے لگی اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس آدمی بھیج کر مزید امدادی فوج کا مطالبہ کیا۔ کسی طرح رومیوں کو امدادی فوج کی آمد کی اطلاع مل گئی، اس لیے وہاں سے فرار اختیار کی، ❸ وہاں سے چھ میل کی دوری پر سُلطیس کے پاس جو دمنہور کے جنوب میں واقع ہے، عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور رومیوں کی فوج میں سخت لڑائی ہوئی۔ اس میں رومیوں نے شکست اٹھائی اور پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے۔ ❹

ان فتوحات کا تذکرہ کرتے ہوئے ہمیں مؤرخین پر حیرت ہوتی ہے اور افسوس کرنا پڑتا ہے کہ یہ اور اس طرح کے دیگر معرکے جن میں مسلمانوں نے اپنی مختصر سی فوجی قوت لے کر بڑی بڑی رومی افواج پر حملہ کیا جو تعداد اور اسلحہ ہر اعتبار سے مضبوط اور مسلمانوں پر بھاری تھے اور وہ معرکے جو کئی کئی دنوں تک جاری رہے، مسلم مؤرخین نے انہیں چند سطروں یا چند حروف میں سمیٹ دیا ہے۔ جب کہ ان میں سے بعض نے قادسیہ، یرموک یا نہاوند کی تاریخ لکھتے ہوئے دسیوں صفحات سیاہ کر ڈالے ہیں۔ ❺

انہی بڑے معرکوں میں سے ایک اہم معرکہ جس کو ہمارے مؤرخین نے نظر انداز کر دیا ہے اور جس کے بارے میں عربی تاریخی مصادر ایک پیاسے کو سیراب کرنے سے قاصر ہیں معرکہ ''کریون'' ہے۔ یہ بابلیون سے اسکندریہ تک پھیلے ہوئے قلعوں کی آخری کڑی تھی، رومی فوج کا کمانڈر تیودرو اس قلعہ میں پناہ گزین ہوگیا، اس میں مجاہدین اسلام اور اس کی فوج کے درمیان دس دنوں سے زیادہ لڑائی ہوئی، یہ معرکہ بھی معمولی نہ تھا لیکن

---

❶ الدولة الإسلامية فی عصر الخلفاء الراشدين، ص:۲۲۵.

❷ ایضًا ❸ ایضًا ❹ ایضًا ❺ ایضًا

ابن عبدالحکم کے ان چند کلمات کے علاوہ کسی نے اس کا ذکر تک نہیں کیا۔ وہ لکھتے ہیں: پھر کریون میں لڑے، دس دنوں سے زیادہ لڑائی چلتی رہی۔ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما مقدمۃ الجیش پر تھے اور عمرو رضی اللہ عنہ کے غلام ''وردان'' جنگ کا علم اٹھائے تھے۔ عمرو رضی اللہ عنہ نے اس دن نماز خوف ادا کی، پھر اللہ نے مسلمانوں کو فتح دی۔ اس معرکہ میں مجاہدین اسلام نے بہت سے رومی سپاہیوں کو قتل کیا اور پیچھے دھکیلتے ہوئے انہیں اسکندریہ تک پہنچا دیا۔ جنگ کا نقشہ کھینچتے ہوئے ابن عبدالحکم نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما اوران کے والد کے غلام وردان کی بہادری کا واقعہ بھی درج کیا ہے۔ [1]

جس وقت مسلمانوں نے اسکندریہ پر فتح کا پرچم لہرایا اس وقت اسے دارالحکومت کی حیثیت حاصل تھی اور قسطنطنیہ کے بعد بازنطینی رومی بادشاہت کا دوسرا بڑا شہر مانا جاتا تھا، نیز دنیا کا سب سے پہلا تجارتی شہر تھا، بازنطینی یہ بات اچھی طرح جان چکے تھے کہ اگر اس شہر پر مسلمانوں کا غلبہ ہوگیا تو اس کے بہت بھیانک نتائج سامنے آئیں گے۔ یہی غم انہیں کھائے جارہا تھا حتیٰ کہ پریشانی کے عالم میں ہرقل نے یہاں تک کہہ دیا کہ اگر اسکندریہ پر عرب غالب ہوگئے تو رومی بادشاہت کا سقوط اور اس کی ہلاکت یقینی ہے۔ [2] بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ اسکندریہ میں مسلمانوں سے لڑنے کے لیے اس نے بہ نفس نفیس تیاری کی تھی، لیکن جب تیاری مکمل کر چکا تو اسے مرگی کا دورہ پڑ گیا اور مرگیا اور اللہ مسلمانوں کی طرف سے اس کے لیے کافی ہوگیا۔ [3] ہرقل کے مرجانے کے بعد بیزنطی حکومت لڑکھڑانے لگی، تو اس کے دونوں بیٹوں، قسطنطین اور ہرقل دوم (ہرقلیانوس) نے مل کر اس کی باگ ڈور سنبھالی اور ماضی کی وراثت کو برقرار رکھنے کی خاطر ''ہرقلیانوس'' کی ماں ''مارٹینا'' ان دونوں کی شریک کار رہی، لیکن ہرقل کو مرے ہوئے ابھی پورے سو دن بھی نہ گزرے تھے کہ اس کا لڑکا قسطنطین بھی اس دنیا سے چل بسا۔ اس کے مرجانے کے بعد شکوک وشبہات کی انگلیاں ہرقلیانوس کی ماں مارٹینا کی طرف اٹھنے لگیں کہ شاید تنہا اپنے لڑکے کو بادشاہت کی گدی پر بٹھانے کے لیے اس نے ایسا کیا ہے، جس کے نتیجہ میں مارٹینا کے خلاف بغاوت کی آگ بھڑک اٹھی اور کئی مہینے شہر فتنوں کے شعلوں میں جلتا رہا، بالآخر ملک میں اس وقت امن بحال ہوا جب قسطنطین کا لڑکا کونسٹانس اپنے چچا ہرقلیانوس کی مشارکت سے بیزنطی بادشاہت کی قیادت کرنے لگا۔ [4]

اسکندریہ اپنی فصیلوں کی استواری، ضخامت، محل وقوع اور محافظوں کی کثرت کی وجہ سے دفاعی اعتبار سے اپنا منفرد مقام رکھتا تھا۔ اس کے شمال میں (بحر متوسط) بہتا تھا، جو اس وقت رومیوں ہی کے قبضہ میں تھا۔ جنوب میں بحیرۂ مریوط تھا، جس کا عبور کرنا بہت مشکل بلکہ ناممکن تھا، یہ قدیم زمانے میں دریائے نیل کی شاخوں میں سے ایک شاخ کا نام (نزعۃ الثعبان) تھا، مغرب سے اسکندریہ کو اپنی لپیٹ میں لیے تھا۔ صرف مشرق کی سمت باقی تھی

---

[1] الدولۃ الإسلامیۃ فی عصر الخلفاء الراشدین، حمدی شاھین، ص:۲۲۶۔ [2] ایضًا

[3] الدولۃ الإسلامیۃ فی عصر الخلفاء الراشدین، حمدی شاھین، ص:۲۲۶۔ بحوالہ ابن عبدالحکم

[4] ایضًا، ص:۲۲۷۔

جہاں سے ایک راستہ اسکندریہ کو جاتا تھا، وہ یہی راستہ تھا جو کریون سے اسکندریہ تک ملا ہوا تھا۔[1]

جب محاصرہ کئی مہینوں تک طویل ہوگیا تو عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے دل میں یہ اندیشے پیدا ہونے لگے کہ کہیں آپ کی فوج اکتا تو نہیں گئی یا دشمن سے مقابلہ کرنے کی اس میں ہمت نہیں رہی۔ اس لیے آپ نے چند فوجی دستے تیار کیے اور ڈیلٹائے نیل اور صعید کے گاؤں اور بستیوں میں انہیں ترکتازی کے لیے بھیجنے کا فیصلہ کیا، لیکن دوسری طرف یہ محاصرہ جوں جوں طویل ہوتا جارہا تھا خلیفہ راشد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی ناراض ہو رہے تھے اور اسلامی لشکر کی تیاریوں اور جنگی کارروائی کے بارے میں مختلف قسم کے شبہات و بدگمانیاں آپ کے دل میں پیدا ہو رہی تھیں۔ آپ سوچنے لگے تھے کہ شاید تاخیر کی وجہ اسلامی فوج کی عیش پرستی ہے۔[2] اس بات کو آپ نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے نام تحریر کیے ہوئے خط میں صراحت سے لکھا: حمد وصلاۃ کے بعد! میں حیران ہوں کہ اب تک تم مصر فتح نہیں کر سکے، حالانکہ دو سال سے لڑ رہے ہو۔ اس کی وجہ اس بات کے علاوہ کیا ہوسکتی ہے کہ تمہارے دلوں میں بزدلی پیدا ہوگئی ہے یا تم دنیا کی محبت میں اس طرح پھنس گئے ہو جس طرح تمہارا دشمن مبتلا ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی صرف اسی وقت مدد کرتا ہے جب ان کے دلوں میں سچی لگن ہو۔ میں نے چار مرد آہن (زبیر اور ان کے ساتھی) تمہاری مدد کے لیے بھیجے تھے اور تمہیں مطلع کیا تھا کہ میرے علم کے مطابق ان میں سے ہر ایک ہزار مردوں کے برابر ہے، یہ اور بات ہے کہ ان کو بھی دنیا کی محبت نے اسی طرح بدل دیا ہو جس طرح دوسروں کو بدل دیا ہے۔ جب تمہیں میرا یہ خط ملے فوراً لوگوں کو جمع کر کے تقریر کرو اور لوگوں کو ترغیب دو کہ سچی لگن اور پامردی سے لڑیں، ان چاروں مرد آہن کو فوج کے سامنے رکھو اور فوج کو حکم دو کہ تن واحد کی طرح دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ یہ حملہ جمعہ کے دن زوال آفتاب کے وقت ہو کیونکہ اس وقت اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے اور دعائیں قبول ہوتی ہیں، اس وقت لوگ اللہ کے سامنے گڑگڑائیں اور اس سے فتح کے لیے دعائیں مانگیں۔ جب عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس یہ خط آیا تو آپ نے لوگوں کو اکٹھا کیا اور انہیں خط پڑھ کر سنایا پھر چاروں بہادروں کو بلایا اور انہیں فوج کے آگے کیا اور لوگوں کو حکم دیا کہ غسل کر کے دو رکعت نماز پڑھ لیں، پھر خلوص وللّٰہیت سے اللہ کی طرف دست بدعا ہوں اور فتح کی درخواست کریں، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور اللہ نے انہیں فتح نصیب کی۔[3]

ایک روایت یہ بھی ہے کہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے مسلمہ بن مخلد انصاری رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ان لوگوں سے جنگ کے بارے میں مجھے مشورہ دو تو مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میری رائے ہے کہ آپ اصحاب رسول میں سے ایسے آدمی کو ڈھونڈیں جسے جنگی مہارت و تجربہ حاصل ہو اور اسے مسلمانوں کا قائد بنا کر لڑائی چھیڑ دیں، وہ براہ راست لڑے گا اور جنگ کے تقاضوں کو پورا کرے گا۔ عمرو رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اس لائق کون ہے؟ انہوں نے کہا: عبادہ بن صامت۔

[1] الدولة الإسلامية فی عصر الخلفاء الراشدين، حمدی شاهين، ص:۲۲۵ .

[2] ايضًا، ص: ۲۲۷ . [3] الدولة الإسلامية فی عصر الخلفاء الراشدين، ص:۲۲۸ .

عمرو رضی اللہ عنہ نے عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس بلایا، جب وہ آپ کے قریب آئے تو اپنے گھوڑے سے اترنا چاہا، عمرو رضی اللہ عنہ نے انہیں اترنے سے روک دیا اور کہا: مجھے اپنے نیزہ کی انی دو، عبادہ نے نیزہ آپ کی طرف بڑھایا۔ عمرو رضی اللہ عنہ نے اپنے سر سے عمامہ اتارا اور نیزے کی انی میں باندھ دیا اور بطور علم انہیں نیزہ واپس کر کے رومیوں سے لڑائی کے محاذ پر بھیج دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسی دن ان کے ہاتھوں اسکندریہ کو فتح کرایا۔ ❶

ایک اور روایت میں ہے کہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے ان رومیوں سے جنگ کے بارے میں کئی بار سوچا اور اس نتیجہ پر پہنچا کہ رومیوں کی آخری طاقت کی سرکشی کا سر وہی لوگ توڑ سکتے ہیں جنہوں نے ان کے پیشروؤں کا سر توڑا ہے، آپ کا اشارہ انصار کی طرف تھا۔ اس کے بعد آپ نے عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان کے ہاتھ میں علم دیا اور اللہ نے انہیں فتح نصیب کی۔ ❷

اور ابن عبدالحکم روایت کرتے ہیں کہ نو مہینے اسکندریہ کا محاصرہ جاری رہا اور ۲۰ ہجری میں ماہ محرم کے آغاز میں فتح ہوا۔ ❸ عیسوی سن کے مطابق ۲۱ دسمبر ۶۴۰ء میں، جب کہ بٹلر فتح مصر کی تاریخ لکھتے ہوئے اس تحقیق پر پہنچا ہے کہ شہر اسکندریہ کا محاصرہ جولائی ۶۴۰ء کے آخر میں شروع ہوا اور ۸ نومبر ۶۴۱ء مطابق ۷ ذی الحجہ ۲۱ ہجری میں وہاں کے باشندوں نے ہتھیار ڈال دیے۔ میرے خیال میں یہی تحقیق درست ہے، کیونکہ عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے نام جو خط آیا تھا اس میں لکھا تھا کہ ''تم دو سال سے لڑ رہے ہو۔'' اس حساب سے اگر دیکھا جائے تو دسمبر ۶۳۹ء جس میں عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے عریش پر چڑھائی کی تھی، اس وقت سے ۶۴۱ء تک جس میں اسکندریہ فتح ہوا، دو سال کی مدت لگ جاتی ہے۔

اسکندریہ فتح ہونے کے بعد عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے وہاں کے لوگوں کو نہ تو قتل کیا اور نہ ہی قیدی بنایا بلکہ انہیں بھی باشندگان بابلیون کی طرح امان دے کر جزیہ وصول کرنا منظور کر لیا۔ پھر جب وہاں فساد کے اندیشے ختم ہوگئے اور آپ کو اطمینان ہوگیا تو فوج کا ایک محافظ دستہ وہاں چھوڑ کر بقیہ دستوں کو مصر میں رومیوں کے دیگر قلعوں اور پناہ گاہوں کو فتح کرنے کے لیے ادھر ادھر پھیلا دیا، اس بحر متوسط کا پورا ساحلی علاقہ اور رشید و دمیاط جیسے اس کے بڑے بڑے شہروں پر فتح مکمل کر لی اور اپنے دائرہ اقتدار کو ڈیلٹائے مصر اور صعید تک وسیع کر دیا۔ ❹

۶: فتح برقہ وطرابلس:

مصر فتح کر لینے اور وہاں امن وامان قائم ہو جانے کے بعد عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ مغرب کی سمت بڑھے، تاکہ ادھر سے مفتوحہ علاقوں کے لیے کوئی خطرہ باقی نہ رہے، کیونکہ برقہ اور طرابلس میں روم کی کچھ فوج قلعہ بند تھی اور موقع ملنے پر لوگوں کے ورغلانے سے وہ مصر میں مسلمانوں پر دھاوا بول سکتے تھے، چنانچہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ

---

❶ الأنصار فی العصر الراشدی، ص:۲۲۸۔ ❷ ایضًا، ص:۲۱۲۔

❸ الدولة الإسلامية فی عصر الخلفاء الراشدين، ص:۲۲۹۔ ❹ ایضًا

۲۲ ہجری میں اپنی فوج لے کر برقہ کی طرف چلے۔ اسکندریہ سے برقہ تک کا راستہ نہایت سرسبز و شاداب اور گھنی آبادی والا تھا۔ اس لیے وہاں تک پہنچنے میں آپ کو دشمن کی کسی سازش کا سامنا نہیں کرنا پڑا اور جب وہاں پہنچے تو لوگوں نے جزیہ کی ادائیگی پر مصالحت کر لی۔ اس کے بعد برقہ کے لوگ خود بخود والی مصر کے پاس جاتے اور اپنا خراج جمع کر آتے تھے۔ مسلمانوں کی طرف سے کسی کو ان کے پاس جانے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ یہ لوگ مغرب میں سب سے زیادہ سادہ دل لوگ تھے، ان کے یہاں کوئی فتنہ و فساد نہ تھا۔

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ یہاں سے نکلے تو طرابلس کی طرف بڑھے، جو محفوظ و مضبوط قلعوں والا شہر تھا، وہاں رومی فوج کی بہت بڑی تعداد مقیم تھی۔ اس نے مسلمانوں کی آمد کی خبر سن کر اپنے قلعوں کے دروازے بند کر لیے اور مجبوراً مسلمانوں کے محاصرہ کو برداشت کرنے لگے۔ یہ محاصرہ ایک ماہ تک جاری رہا، لیکن مسلمانوں کو کوئی خاطر خواہ کامیابی نہ ملی۔ طرابلس کے عقب میں شہر سے متصل سمندر بہتا تھا اور سمندر و شہر کے درمیان کوئی فصیل قائم نہ تھی۔ مسلمانوں کی ایک جماعت کو یہ راز معلوم ہو گیا اور پیچھے سے سمندر کی طرف سے شہر میں داخل ہو گئی۔ انہوں نے زور سے نعرہ تکبیر بلند کیا، اب رومی فوج کے سامنے اپنی اپنی کشتیوں میں بھاگ کر پناہ لینے کے علاوہ کوئی اور راستہ نہ تھا، وہ جونہی بھاگے، پیچھے سے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے ان پر حملہ کر دیا ان میں سے اکثر تہ تیغ کر دیے گئے، الا یہ کہ جو کشتیوں سے بھاگ نکلے، شہر میں موجود سامان و جائداد کو مسلمانوں نے مال غنیمت کے طور پر حاصل کیا۔

طرابلس سے نمٹنے کے بعد عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اپنی فوج کو قرب وجوار کے علاقوں میں پھیلا دیا۔ آپ کا ارادہ تھا کہ مغرب کی سمت فتوحات مکمل کر کے تیونس اور افریقہ کا رخ کریں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس خط لکھا۔ جب کہ عمر رضی اللہ عنہ اسلامی لشکر کو نئے محاذ پر بھیجنے سے ہچکچاتے تھے اور خاص طور پر ایسی حالت میں جب کہ شام سے طرابلس تک تیزی سے فتوحات کے باعث مفتوحہ علاقوں کی طرف سے ابھی آپ بالکل مطمئن نہ ہوئے تھے۔ اس لیے آپ نے اسلامی لشکر کو طرابلس میں ٹھہر جانے کا حکم دیا۔ اس طرح عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اسلامی سلطنت کا دائرہ دور دراز علاقوں کی سرحدوں کو چھونے لگا۔ اسلامی سلطنت مشرق میں دریائے جیحون اور دریائے سندھ سے لے کر مغرب میں افریقہ کے صحراؤں تک اور شمال میں ایشیائے کوچک کے پہاڑوں اور آرمینیہ سے لے کر جنوب میں بحر الکاہل اور نوبہ تک ایک عالمی ملک کی شکل میں دنیا کے نقشہ پر نمودار ہوئی، جس میں مختلف اقوام، ادیان و ملل اور تہذیب و تمدن نے زندگی پائی اور سب نے اسلام کے سایۂ عدل و رحمت میں امن وسکون کی زندگی گزاری۔ وہ دین اسلام جس نے اپنے عقائد و عبادات اور تہذیب و تمدن کے مخالفین کو ہزاروں مخالفتوں کے باوجود اس دنیا میں مکمل حقوق عطا کیے اور ان کی زندگی کا پورا پورا احترام کیا۔ [1]

[1] الدولة الإسلامية فی عصر الخلفاء الراشدين، ص: ۲۳۱.

فوجی قائدین کے انتخاب کا فاروقی منشور

فوجی قائدین کے انتخاب کے لیے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کچھ امتیازی اوصاف کو معیار مقرر کرتے تھے۔ مثلاً:

۱: قائد تقویٰ شعار، عبادت گزار، اور شرعی احکامات کا عالم ہو

۲: قائد متحمل مزاج ہو جلد باز نہ ہو

۳: قائد جرأت مند، بہادر اور تیر انداز ہو

۴: قائد دور اندیش، ذہین اور تجربہ کار ہو

۵: قائد ہوشیار و ماہر ہو، اسے جنگی بصیرت حاصل ہو

۶: جذبۂ عمل کا اعتبار

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے خطوط میں اللہ تعالیٰ، قائدین لشکر اور افواج کے حقوق کا ذکر

اللہ تعالیٰ کے حقوق:

عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے قائدین اور لشکر کو اپنے خطوط اور نصائح میں حقوق اللہ کے التزام کی اہمیت کی طرف توجہ دلاتے تھے ان حقوق میں اہم ترین یہ ہیں:

۱: دشمن کے مقابلے میں صبر و ثبات کا مظاہرہ کرنا۔

۲: جنگ کا مقصد مذہب اسلام کی نصرت و سربلندی۔

۳: امانت داری برتنا۔

۴: دین الٰہی کی تائید میں غیر جانب داری۔

قائد کے حقوق:

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے خطوط، نصائح اور رہنمائیوں میں اسلامی فوج کے قائد کے کچھ حقوق بتائے ہیں۔ ان میں سے چند ایک یہ ہیں:

۱: امیر کی اطاعت۔

۲: تمام تر معاملات کو امیر کے فیصلہ پر چھوڑ دینا۔

۳: امیر کے حکم کی فرمانبرداری کرنے میں جلدی کرنا۔

۴: مال غنیمت تقسیم ہوتے وقت امیر کی تقسیم پر راضی رہنا۔

فوج کے حقوق:

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی توجیہات، خطوط اور نصائح میں ہمیں فوج کے چند اہم حقوق دیکھنے کو ملتے ہیں، ان کا بیان اس طرح ہے:

۱: جائزہ لینا اور خبر گیری کرنا۔

۲: افواج کو لے کر چلنے میں نرمی کرنا۔

۳: کوچ کے وقت فوج سے ملنا۔

۴: جنگ کے دوران ان کی غلطی نظر انداز کرنا۔

۵: اقامت اور کوچ کے وقت فوج پر پہرے دار مقرر کرنا۔

۶: فوج اتارنے کے لیے مناسب جگہ کا انتخاب۔

۷: فوج کے لیے سامان رسد اور گھوڑوں کے لیے چارہ کا انتظام۔

۸: فوج کو جنگ پر ابھارنا۔

۹: ثواب الٰہی اور شہادت کی فضیلت بیان کرنا۔

۱۰: حقوق اللہ کی ادائیگی پر زور دینا۔

۱۱: تجارت و زراعت جیسی تمام مصروفیات سے انہیں الگ رکھنا۔

آٹھواں باب

سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی زندگی کے آخری ایام

۱۔ فتنوں سے متعلق سیّدنا عمر اور حذیفہ رضی اللہ عنہما کے درمیان گفتگو

سیّدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے تھے۔ آپ نے پوچھا: فتنے کے باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث تم میں سے کس کو یاد ہے؟ میں نے کہا: مجھے یاد ہے اور حرف بحرف یاد ہے۔ آپ نے فرمایا: سناؤ! تم بڑے بہادر باپ کے بیٹے ہو، بہت ذہین فطین ہو۔ میں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

((فِتْنَةُ الرَّجُلِ فِيْ أَهْلِهِ وَمَالِهِ وَنَفْسِهِ وَوَلَدِهِ وَجَارِهِ يُكَفِّرُهَا الصِّيَامُ وَالصَّلَاةُ وَالصَّدَقَةُ وَالْأَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ .))

''آدمی گھربار، مال و دولت، اپنے اہل وعیال، پڑوسی اور اپنی ذات سے متعلق جس فتنہ میں گرفتار ہوتا ہے اس کے لیے نماز، روزہ، صدقات وخیرات اور امر بالمعروف (بھلائیوں کا حکم دینا) و نہی عن المنکر (برائیوں سے روکنا) کفارہ بن جاتے ہیں۔''

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں یہ (چھوٹے چھوٹے) فتنے نہیں پوچھتا بلکہ ان فتنوں کے بارے میں پوچھتا ہوں جو سمندر کی موجوں کی طرح ٹھاٹھیں مار رہے ہوں گے۔ میں نے کہا: اے امیر المومنین! آپ کو ان فتنوں سے کیا خوف ہے؟ آپ کے اور ان فتنوں کے درمیان تو ایک بند دروازہ ہے۔ آپ نے پوچھا: بھلا یہ دروازہ توڑ ڈالا جائے گا یا کھولا جائے گا؟ میں نے کہا: نہیں، بلکہ توڑ ڈالا جائے گا۔ آپ نے فرمایا: پھر تو وہ دروازہ کبھی بند نہ ہوگا؟ حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے راوی ابووائل کہتے ہیں، میں نے حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا عمر رضی اللہ عنہ اس دروازے کو جانتے تھے؟ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں، ایسے ہی جیسا کہ یقین ہے کہ آج کی رات کل کے دن سے پہلے ہے۔ (یقین کی وجہ یہ ہے کہ) میں نے ان سے ایک حدیث بیان کی تھی جو اٹکل پچو نہ تھی۔ ابووائل کہتے ہیں کہ حذیفہ رضی اللہ عنہ سے یہ پوچھنے میں ہم ڈرے کہ وہ دروازہ کون تھا، اس لیے ہم نے مسروق سے کہا کہ تم پوچھو۔ چنانچہ مسروق نے حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ وہ دروازہ خود عمر رضی اللہ عنہ تھے۔ [1]

۲: شوق شہادت:

زید بن اسلم اپنے باپ سے اور وہ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے دعا کی: ''اے اللہ! تو اپنے

[1] صحيح البخاری مع الفتح، الفتن، حديث نمبر ۷۰۹۶.

دین کی خاطر اپنے نبی کے شہر میں شہادت کی موت عطا فرما۔'' اور ایک روایت میں ہے کہ: ''اے اللہ! میری روح اس حالت میں پرواز کرے کہ تیرے راستے میں ہوں اور تیرے نبی کے شہر میں ہوں۔'' عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''پتہ نہیں میری یہ مراد کب پوری ہوگی؟'' پھر کہتے: ''جب اللہ چاہے گا مجھے ایسی ہی موت دے گا۔''[1]

۳: عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ کا خواب:

عوف بن مالک اشجعی رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور حکومت میں میں نے خواب دیکھا[2] کہ آسمان سے ایک رسی لٹک رہی ہے، لوگ آگے بڑھ بڑھ کر اسے پکڑنا چاہتے ہیں، لیکن عمر رضی اللہ عنہ سب لوگوں سے تین گز سبقت لے گئے اور اسے پکڑ لیا۔ میں نے سوچا اس کی کیا تعبیر ہوسکتی ہے؟ پھر خیال آیا کہ وہ اس دنیا میں اللہ کے خلفاء میں سے ایک خلیفہ ہوں گے، حق کے لیے کسی ملامت گر کی ملامت کی پروا نہیں کریں گے اور شہادت کی موت مریں گے۔ عوف کہتے ہیں کہ صبح ہوئی تو میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا اور واقعہ کہہ سنایا۔ انہوں نے کہا: اے لڑکے! جاؤ اور ابوحفص (عمر رضی اللہ عنہ) کو میرے پاس بلا لاؤ۔ جب وہ آئے تو آپ نے کہا: اے عوف! تم نے جس طرح خواب دیکھا ہے ان سے بیان کرو۔ جب میں خواب بیان کرتے ہوئے یہاں تک پہنچا کہ ''اس دنیا میں وہ اللہ کے خلفاء میں سے ایک خلیفہ ہوں گے'' تو عمر رضی اللہ عنہ بول پڑے کہ کیا سونے والا یہ سب دیکھ سکتا ہے؟ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اپنا خواب بتاتے رہو۔[3] پھر جب عمر رضی اللہ عنہ اپنے دور حکومت میں باب جابیہ پر آئے اور خطاب کر رہے تھے تو مجھے دوران خطاب میں بلا کر اپنے پاس بٹھا لیا، جب خطاب سے فارغ ہوئے تو کہا: اپنا خواب مجھے بتاؤ۔ میں نے کہا: کیا آپ نے مجھے اسے بیان کرنے سے روک نہیں دیا تھا؟ آپ نے کہا: اے فلاں! میں نے تمہیں دھوکا دیا تھا۔[4]

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ عوف رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا آپ نے اس خواب کا انکار نہیں کیا تھا؟ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں، بلکہ میں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سامنے شرمندہ ہونے کی وجہ سے ایسا کہا تھا۔ تم مجھے پورا خواب بتاؤ۔[5] جب میں پورا خواب بتا چکا تو آپ نے کہا: جہاں تک خلافت کی بات ہے تو تم دیکھ ہی رہے ہو کہ میں اس پر فائز ہوں اور جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ میں حق کے لیے کسی ملامت گر کی ملامت کی پروا نہیں کرتا، تو مجھے امید ہے کہ اس سلسلہ میں اللہ کو میرے موقف کی خبر ہوگی اور جہاں تک یہ بات ہے کہ میں شہادت کی موت مروں گا، تو کیسے ہوگی میری وہ شہادت جب کہ میں جزیرہ عرب میں ہوں۔[6]

[1] الطبقات الکبریٰ، ابن سعد ۳/ ۳۳۱ اس کی سند حسن ہے۔ تاریخ المدینۃ: ۳/ ۸۷۲.
[2] النهایة: ۲/ ۳۲۹.
[3] محض الصواب: ۳/ ۸۶۹.
[4] تاریخ المدینۃ: ۳/ ۹۶۸، ۸۶۹ اس کی سند میں عبدالرحمٰن بن مسعوری کو چھوڑ کر بقیہ سب راوی صحیح ہیں اور یہ سند حسن ہے۔
[5] الطبقات الکبری، ابن سعد: ۳/ ۳۳۱۔ محض الصواب: ۳/ ۳۶۸.
[6] محض الصواب: ۳/ ۸۶۹.

۴: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی وفات سے متعلق ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا خواب:

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے، انہوں نے کہا کہ: میں نے خواب دیکھا کہ عمدہ نسل کے بہت سارے گھوڑوں کو میں لیے ہوئے ہوں، لیکن سب یکے بعد دیگرے کمزور اور سست ہوتے چلے گئے، صرف ایک اپنی حالت پر باقی رہا۔ میں اسے لے کر ایک پہاڑ کے پاس آیا جس پر کھڑا ہونا ممکن نہ تھا، میں نے دیکھا کہ وہاں رسول اللہ ﷺ اور ان کے ساتھ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، وہ عمر رضی اللہ عنہ کو اشارہ کر کے اپنی طرف بلا رہے ہیں۔ راوی کہتا ہے میں نے کہا: آپ اس خواب کی اطلاع عمر رضی اللہ عنہ کے نام لکھ کر کیوں نہیں بھیج دیتے؟ انہوں نے کہا: میں ان کو ان کی موت کی خبر نہیں دینا چاہتا۔ ❶

۵: مدینہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی کا آخری خطبہ جمعہ:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ۲۱ ذی الحجہ ۲۳ ہجری کو اپنی زندگی کا جو آخری خطبہ جمعہ دیا تھا اس کے کچھ حصے کو عبدالرحمن ابن عوف رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا ہے، اس میں ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بارے میں اپنے خواب کو لوگوں سے بیان کیا اور خود ہی اس کی تعبیر بھی بتائی۔ خطبہ کے دوران کہا: میں نے ایک خواب دیکھا ہے اور میں اسے اپنی موت کا پیغام سمجھتا ہوں۔ میں نے دیکھا ہے کہ ایک مرغے نے مجھے دو ٹھونگیں ماری ہیں اور کچھ لوگ مجھ سے اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کی نامزدگی کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے دین، خلافت اور اسلامی شریعت کو ضائع نہیں کرے گا، پس اگر میں جلد ہی اس دنیا سے چل بسوں تو ان چھ افراد کی شورائیت سے خلافت نافذ ہوگی جن سے اللہ کے رسول ﷺ آخری دم تک خوش تھے۔ ❷

۶: زخمی ہونے سے قبل سیدنا عمر اور حذیفہ رضی اللہ عنہما کی ملاقات:

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی شہادت سے چار دن پہلے، یعنی ۲۳ ذی الحجہ بروز اتوار دو صحابہ یعنی حذیفہ بن یمان اور سہل بن حنیف رضی اللہ عنہما سے ملاقات کی۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ عراق میں دریائے دجلہ کے پانی سے سیراب کی جانے والی کھیتیوں اور سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ دریائے فرات کے پانی سے سیراب کی جانے والی کھیتیوں کا خراج متعین کرنے پر مقرر تھے۔ آپ نے ان دونوں سے کہا: تم دونوں نے کیسے خراج کا اندازہ مقرر کیا ہے؟ مجھے ڈر ہے کہ کہیں زمین کے خراج میں تم نے وہ اندازہ نہ مقرر کر لیا ہو جس کی اس میں صلاحیت نہیں؟ دونوں نے کہا: نہیں، بلکہ ہم نے اتنا ہی اندازہ لگایا ہے جتنی اس میں صلاحیت ہے۔ تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے صحیح سالم زندہ رکھا تو عراق کی بیواؤں کو اس حال میں چھوڑوں گا کہ وہ میرے بعد کسی کی محتاج نہ رہ جائیں گی۔ لیکن اللہ کا فیصلہ کچھ اور تھا اس گفتگو کے چار دن بعد آپ نے داعی اجل کو لبیک کہہ دیا۔ ❸

---

❶ الطبقات الکبریٰ، ابن سعد: ۳/ ۳۳۲ اس کی سند صحیح ہے۔

❷ الموسوعة الحديثية، مسند أحمد، حديث نمبر: ۸۹ اس کی سند صحیح ہے۔

❸ الخلفاء الراشدون، خالدی، ص:۸۲، صحيح البخاری، حديث نمبر ۳۷۰۰.

۷: مدینہ میں جنگی غلاموں کی رہائش پر فاروقی پابندی:

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ مفتوحہ علاقوں کے جنگی غلاموں کو دارالخلافہ مدینہ منورہ میں آنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ عراق اور فارس کے مجوسیوں اور شام ومصر کے نصاریٰ کو آپ مدینہ میں رہائش اختیار کرنے کی اس وقت تک اجازت نہ دیتے جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جائیں۔ دراصل آپ کا یہ موقف آپ کی بالغ نظری اور حکمت و دوراندیشی کی بہت بڑی دلیل ہے، بلاشبہ اس مغلوب وشکست خوردہ قوم کے دل میں اسلام کی کوئی جگہ نہیں ہوتی، وہ اسلام کے خلاف بغض و عداوت کو دل میں زندہ رکھتے اور اسلام ومسلمانوں کے خلاف مکروفریب اور سازشیں کرتے۔ اس لیے آپ نے مدینہ منورہ میں ان کی رہائش قطعاً ممنوع قرار دی تھی تاکہ مسلمان ان کے شر وفساد سے محفوظ رہیں۔ لیکن چند صحابہ کرام کے پاس انہی نصاریٰ اور مجوسیوں میں سے کچھ جنگی غلام تھے، انہوں نے آپ سے اصرار کیا کہ ہمارے ماتحت ان غلاموں کو مدینہ میں رہنے کی اجازت دے دیجیے تاکہ ہم اپنے کاروبار اور ضروریات میں ان سے خدمت لے سکیں، چنانچہ آپ نے بادل ناخواستہ انہیں مدینہ میں ٹھہرنے کی اجازت دے دی اور اس کا انجام وہی ہوا جس کی آپ کو توقع تھی اور جس سے آپ خطرہ محسوس کر رہے تھے۔ [1]

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت اور جدید قیادت کے لیے مجلس شوریٰ

ا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت:

عمرو بن میمون رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ جس دن سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ زخمی ہوئے میں فجر کی نماز میں صف بندی کیے کھڑا تھا، میرے اور عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما تھے۔ آپ جب دو صفوں کے بیچ سے گزرتے تو فرماتے: صفیں درست کر لو۔ جب صفیں درست ہو جاتیں تو آپ آگے بڑھتے اور تکبیر تحریمہ سے نماز شروع کرتے۔ عموماً سورۂ یوسف یا سورۂ نحل یا اسی طرح کی کوئی لمبی سورت پہلی رکعت میں تلاوت کرتے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ پہلی رکعت پا لیں۔ (آج آپ نے) اللہ اکبر کہہ کر نماز شروع ہی کی تھی کہ میں نے آپ کو کہتے ہوئے سنا: کتے نے مجھے مار ڈالا، یا کہا: کھا لیا۔ پھر یہ مجوسی مردود اپنا دو دھاری چھرا لے کر بھاگا، دائیں بائیں جو مسلمان بھی ملا اسے زخمی کرتا ہوا بھاگتا رہا، یہاں تک کہ تیرہ آدمیوں کو زخمی کر دیا، ان میں سے سات لوگ شہید ہو گئے۔ یہ حال دیکھ کر ایک مسلمان نے اس پر اپنا جبہ پھینک کر پھنسا لیا، جب اس نے سمجھا کہ اب میں پکڑ لیا جاؤں گا تو اس نے اپنے آپ کو ذبح کر لیا۔ ادھر عمر رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر ان کو امام بنا دیا (کہ نماز پوری کریں) جو لوگ عمر رضی اللہ عنہ کے قریب تھے، انہوں نے تو یہ سب حال دیکھا اور دور والے مقتدیوں کو یہ خبر ہی نہیں ہوئی، مگر قرأت میں انہوں نے جب عمر رضی اللہ عنہ کی آواز نہ سنی تو سبحان اللہ کہنے لگے۔ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ

[1] الخلفاء الراشدون: خالدی، ص: ۸۳.

نے جلدی سے ہلکی پھلکی نماز پوری کی۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو عمر رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا: دیکھو تو میرا قاتل کون ہے؟ کچھ دیر تک وہ گھومے (خبر لیتے رہے) پھر آئے اور کہنے لگے: مغیرہ کا غلام۔ عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: وہی کاریگر غلام؟ انہوں نے کہا: ہاں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ اسے غارت کرے، میں نے اس کے ساتھ بھلائی کرنے کا حکم دیا تھا۔ بہر حال اللہ کا شکر ہے، اس نے مجھے کسی ایسے شخص کے ہاتھ سے قتل نہیں کرایا جو خود کو مسلمان کہتا ہو۔ اے ابن عباس! تم اور تمہارے والد یہ چاہتے تھے کہ یہ مجوسی غلمٹے مدینہ میں خوب آباد ہوں۔ سیّدنا عباس رضی اللہ عنہ کے پاس بہت زیادہ غلام تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اگر آپ کہیں تو ان سب غلمٹوں کو قتل کرا دوں۔ عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: یہ کیا غلطی کر رہے ہو، جب وہ تمہاری عربی زبان بولنے لگے، تمہارے قبلے کی طرف نماز پڑھنے لگے اور تمہاری طرح حج کرنے لگے تو پھر کیوں کر قتل کر سکتے ہو؟ پھر عمر رضی اللہ عنہ اپنے گھر اٹھا کر لائے گئے، ہم بھی ان کے ساتھ گئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا مسلمانوں پر اس سے پہلے کوئی مصیبت ہی نہیں گزری۔ کوئی کہتا تھا: گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔ کوئی کہتا تھا: مجھ کو تو ڈر ہے (وہ جاں بر نہ ہوں گے)۔ پھر آپ کو کھجور کا شربت پلایا گیا۔ آپ نے اسے پیا تو پیٹ سے باہر نکل گیا، پھر دودھ لایا گیا، آپ نے اسے بھی نوش کیا، لیکن وہ بھی زخم سے باہر نکل پڑا۔ اب سب نے جان لیا کہ آپ بچنے والے نہیں، عمرو بن میمون کہتے ہیں کہ ہم ان کے پاس گئے، اور لوگ بھی آئے، سب ان کی تعریف کر رہے تھے...... آپ نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو بلایا اور کہا: عبداللہ! دیکھو کہ میرے اوپر قرض کتنا ہے؟ لوگوں نے حساب کیا تو چھیاسی ہزار درہم یا کم و بیش کچھ ایسا ہی قرض نکلا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر میری اولاد کا مال اس قرض کو کافی ہے تو ان کے مال میں سے یہ قرض ادا کر دینا، ورنہ (میری قوم) بنی عدی بن کعب سے سوال کرنا، اگر ان سے بھی یہ قرض ادا نہ ہو سکے تو قریش کے لوگوں سے مانگنا، بس قریش کے سوا اوروں سے نہ مانگنا۔ اس طرح میرا قرضہ ادا کر دینا۔ اور (اے عبداللہ) تم عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ عمر آپ کو سلام کہتا ہے، یہ نہ کہنا کہ امیر المومنین سلام کہتے ہیں۔ آج میں مسلمانوں کا امیر نہیں ہوں۔ پھر ان سے یہ کہنا کہ عمر آپ سے اجازت مانگتا ہے۔ اگر اجازت دیجیے تو وہ اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ حجرے میں دفن ہو۔ چنانچہ عبداللہ رضی اللہ عنہ گئے اور سلام کر کے اندر جانے کی اجازت مانگی، پھر اندر گئے تو دیکھا کہ وہ خود عمر رضی اللہ عنہ کے غم میں رو رہی تھیں۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: عمر بن خطاب آپ کو سلام کہتے ہیں اور آپ سے اپنے دونوں ساتھیوں کے پاس دفن کیے جانے کی اجازت چاہتے ہیں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: وہ جگہ تو میں نے اپنے لیے رکھی تھی مگر آج میں ان کو اپنی ذات پر مقدم رکھوں گی۔ جب عبداللہ رضی اللہ عنہ لوٹ کر آئے تو لوگوں نے عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: یہ عبداللہ آ گئے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھ کو ذرا اٹھاؤ۔ ایک شخص نے ان کو اٹھا کر اپنے اوپر ٹیک دے دی۔ آپ نے عبداللہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کہو، کیا خبر لائے ہو؟ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: وہی جو آپ کی آرزو تھی۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اجازت دے دی ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: الحمد للہ! میرے نزدیک کوئی چیز اس سے زیادہ اہم نہ

تھی اب جب میں مر جاؤں تو میرا جنازہ اٹھا کر لے جانا تو ان (عائشہ رضی اللہ عنہا) کو سلام کہنا اور کہنا: خطاب کا بیٹا عمر آپ سے اجازت چاہتا ہے۔ اگر وہ اس وقت بھی اجازت دیں تو میری لاش حجرے میں لے جانا اور دفن کر دینا، ورنہ مسلمانوں کے مقبرے (بقیع غرقد) میں دفن کر دینا۔ عمرو بن میمون کہتے ہیں کہ: جب آپ کی وفات ہوگئی تو ہم آپ کی میت لے کر نکلے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے (عائشہ رضی اللہ عنہا) کو سلام عرض کیا اور کہا: عمر، خطاب کا بیٹا آپ سے اجازت چاہتا ہے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: لے جاؤ، حجرے میں دفن کر دو۔ چنانچہ آپ حجرے میں اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ دفن کر دیے گئے۔ [1]

بعض دوسری روایات میں کچھ مزید تفصیلات ملتی ہیں جن کا ذکر عمرو بن میمون کی اس روایت میں نہیں ہے۔ مثلاً ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ سحری کے وقت زخمی کیے گئے۔ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے غلام ابولؤلؤ نے آپ کو خنجر مارا تھا، وہ ایک مجوسی غلام تھا۔ [2]

اور ابو رافع رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ابولؤلؤ، مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا مجوسی غلام تھا اور آٹا تیار کرنے والی چکی کا کاریگر تھا، مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اس سے روزانہ چار درہم وصول کرتے تھے۔ ابولؤلؤ عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملا اور کہا: اے امیر المومنین! مغیرہ نے مجھ پر محصول کافی گراں کر دیا ہے، آپ ان سے کہیں کہ کم کر دیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ سے ڈرو اور اپنے مالک کے ساتھ بھلائی کرو۔ اس سے یہ کہنے کے باوجود آپ کی نیت تھی کہ مغیرہ سے ملیں گے اور محصول کم کرنے کے لیے ان سے کہیں گے، لیکن غلام، عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بات پر سخت غصہ ہوگیا، اور کہا: میرے علاوہ پوری دنیا کے لیے آپ کا انصاف ہے؟ اور اسی وقت آپ کو قتل کرنے کی ٹھان لی۔ پھر اس نے ایک خنجر بنایا، جس کے بیچ میں دستہ اور دونوں طرف نیزے کے پھل تھے، اس کی دھار کو خوب تیز کیا، پھر اسے زہر آلود کیا اور ہرمزان کے پاس لایا اور اس سے کہا: اس خنجر کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ اس نے کہا: میرے خیال میں اس خنجر سے جس پر تم وار کرو گے اسے قتل ہی کر دو گے۔ پھر ابولؤلؤ، عمر رضی اللہ عنہ کی تاک میں رہنے لگا۔ ایک دن فجر کی نماز میں وہ عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے آ کر کھڑا ہوا، عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے معمول کے مطابق آج بھی نمازیوں سے کہا: اپنی اپنی صفیں درست کر لو۔ صفوں کی درستی سے فارغ ہو کر اللہ اکبر کہہ کر نماز شروع ہی کی تھی کہ اسی لمحہ ابولؤلؤ نے خنجر سے ایک وار آپ کے کندھے پر اور دوسرا وار پہلو پر کیا، پھر آپ زمین پر گر گئے۔ [3] عمرو بن میمون رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ جب آپ کو خنجر کی ضرب لگی تو میں نے آپ کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا:

﴿وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ قَدَرًا مَّقْدُورًا ﴿٣٨﴾﴾ (الاحزاب: ۳۸)

---

[1] صحیح البخاری، فضائل الصحابة، حدیث نمبر: ۳۷۰۰.

[2] صحیح التوثیق فی سیرة حیاة الفاروق، ص:۳۶۹.

[3] صحیح التوثیق فی سیرة حیاة الفاروق، ص:۳۶۹.

''اللہ تعالیٰ کے کام اندازے پر مقرر کیے ہوئے ہیں۔''

۲۔ اپنے بعد انتخاب خلیفہ کے لیے جدت طرازی:

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اپنی زندگی کے آخری لمحات تک امت مسلمہ کی وحدت اور اس کے بہترین مستقبل کی فکر دامن گیر تھی۔ حالانکہ آپ اس وقت کاری زخموں کی تکلیفوں سے دوچار تھے، بلاشبہ یہ یادگار لمحات ہیں اور ان لمحات میں عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا گہرا ایمان، سچا ایثار اور کامل اخلاص نمایاں طور پر نظر آ رہا ہے۔ [1] عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے موت وحیات کی کشمکش اور زندگی کے نازک ترین مرحلہ میں نئے خلیفہ کے انتخاب کے لیے ایسا جدید طریقہ ایجاد کیا جس کی ماقبل میں کوئی نظیر نہیں ملتی۔ انتخاب خلیفہ کے باب میں آپ کی یہ جدت طرازی اس بات کی غماز ہے کہ اسلامی سلطنت کو چلانے میں آپ کو عمیق سیاسی بصیرت کا ملکہ تھا۔ آپ سے پہلے رسول اللہ ﷺ اس دنیا سے رخصت ہوئے لیکن صریح لفظوں میں کسی کو اپنا خلیفہ نامزد نہیں کیا۔ پھر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خلافت کی باگ ڈور سنبھالی اور اس دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے ممتاز و بزرگ صحابہ سے مشورہ لینے کے بعد عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو امت مسلمہ کا خلیفہ نامزد کر دیا۔ لیکن جب عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے بستر مرگ پر تھے اور ان سے مطالبہ کیا گیا کہ اپنے بعد کسی کو خلیفہ نامزد کر دیں تو آپ نے کچھ دیر خاموشی سے غور وفکر کیا اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ وقت کا تقاضا ہے کہ نامزدگی کا کوئی دوسرا اصول وضع کیا جائے، جو اس تقاضا کو پورا کر سکے، کیونکہ جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی اس وقت تمام مسلمان ابوبکر رضی اللہ عنہ کی افضلیت اور اسلام لانے میں ان کی سبقت وقربانی کے معترف تھے، ان کی خلافت پر اختلاف رونما ہونے کا احتمال بہت ہی کم تھا۔ خاص طور سے اس لیے کہ نبی ﷺ نے اپنے قول و فعل سے امت محمدیہ کو یہ رہنمائی کر دی تھی کہ میرے بعد ابوبکر ہی میرے خلیفہ بننے کے زیادہ مستحق ہیں اور جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ کو خلافت کے لیے نامزد کیا تو آپ کو بخوبی اندازہ تھا کہ تمام صحابہ اس بات پر قانع و متفق ہو جائیں گے کہ عمر رضی اللہ عنہ ہی سب سے زیادہ قوی، باصلاحیت، افضل اور اس لائق ہیں کہ ذمہ داری کو نبھا سکیں۔ اس لیے ممتاز و بزرگ صحابہ سے مشورہ لینے کے بعد انہیں خلیفہ نامزد کر دیا اور کسی نے مخالفت نہیں کی اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بیعت خلافت پر سب کا اجماع ہو گیا۔ [2]

رہے عمر رضی اللہ عنہ، تو آپ نے نئے خلیفہ کے انتخاب کا یہ طریقہ ایجاد کیا کہ چھ صحابہ کی ایک مشاورتی کمیٹی تشکیل دی، وہ سب صحابہ بدری تھے، نبی ﷺ اپنی پوری زندگی کے آخری لمحات تک ان سے خوش تھے اور معمولی تفاوت کے ساتھ سب کے سب قائدانہ صلاحیت کے مالک تھے۔ آپ نے اس کمیٹی کے سامنے واضح کر دیا کہ انتخاب کا طریقہ کیا ہوگا، کتنے دنوں میں انتخاب کر لینا ضروری ہے اور یہ کہ نئے خلیفہ کے انتخاب کے لیے کتنے ووٹ کافی

[1] الخلیفۃ الفاروق عمر بن الخطاب/ العانی ص:١٦١.
[2] أولیات الفاروق، ص:١٢٢.

ہوں گے۔ نیز یہ بتا دیا کہ ووٹ برابر ہو جائیں تو فیصل اور مرجح کون ہوگا؟ اس کے ساتھ ساتھ آپ نے چند پاک طینت وتقویٰ شعار لوگوں کو مجلس شوریٰ کی نگرانی پر مقرر کر دیا کہ وہ ان لوگوں کی انتخابی کارروائی پر نظر رکھیں گے اور جو جماعت کی مخالفت کرے گا اسے سزا دیں گے۔ آپ نے ہنگامہ آرائی کے تمام دروازوں کو یہ کہہ کر بند کر دیا کہ اہل حل وعقد کی مجلس شوریٰ میں جو کچھ باتیں ہوں وہ باہر نہ جائیں اور نہ کوئی اندر جا کر انہیں سنے۔ [1]

اب مذکورہ چند جملوں میں مختصراً جن باتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ان کی تفصیل بتائی جا رہی ہے:

الف: مجلس شوریٰ کے اراکین اور ان کے نام:

یہ مجلس چھ ارکان پر مشتمل تھی، ان کے نام مندرجہ ذیل ہیں: عثمان بن عفان، علی بن ابی طالب، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، زبیر بن عوام اور طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہم۔ عمر رضی اللہ عنہ نے سعید بن زید بن نفیل رضی اللہ عنہ کو اس مجلس میں شامل نہیں کیا، حالانکہ آپ بھی عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ چونکہ وہ عمر رضی اللہ عنہ کے قبیلہ بنو عدی سے تعلق رکھتے تھے اس لیے انہیں شامل نہیں کیا۔ [2]

ب: خلیفہ کے انتخاب کا طریقہ:

آپ نے مجلس شوریٰ کے اراکین کو حکم دیا تھا کہ ان کے انتقال کے بعد کسی ایک کے گھر میں جمع ہو جائیں اور مشورہ کریں۔ اس مجلس میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو بھی بحیثیت مشیر کے شریک کر لیں، لیکن خلافت میں حصہ دار بننے کا انہیں کوئی حق نہ ہوگا۔ خلیفہ کے انتخاب تک صہیب رومی رضی اللہ عنہ لوگوں کی امامت کریں گے، مقداد بن اسود اور ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہما کو اس بات پر مامور کیا کہ انتخابی کارروائی کی نگرانی کریں۔ [3]

ج: انتخاب اور مشاورت کی مدت:

آپ نے انتخابی مدت تین دن مقرر کی تھی اور یہ مدت اپنے مقصد کے لیے کافی تھی کیونکہ انتخاب مدت میں زیادہ موقع دینا اختلاف کو ہوا دینے کے مترادف تھا۔ چنانچہ آپ نے سختی سے کہا: تین دن کے بعد چوتھا دن نہ آنے پائے کہ تمہارا امیر مقرر ہو جانا چاہیے۔ [4]

د: خلیفہ کے انتخاب کے لیے کتنے ووٹ کافی ہیں:

عام طور سے مشہور ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے شوریٰ کی چھ رکنی کمیٹی مقرر کرتے ہوئے انہیں حکم دیا کہ وہ سب یکجا ہوں اور باہم مشورہ کریں اور یہ تحدید کر دی کہ اگر ان میں سے پانچ کسی پر متفق ہو جائیں اور ایک انکاری ہو تو اس کی گردن مار دی جائے اور اگر چار لوگ کسی ایک پر متفق ہو جائیں اور دو انکار کریں تو ان دونوں کی گردن مار دی جائے۔ [5]

---

[1] اولیات الفاروق، ص:۱۲٤. [2] البدایة والنهایة: ۷/ ۱٤۲ ، یہ آپ کے بہنوئی بھی تھے۔(مترجم)

[3] أشهر مشاهیر الإسلام فی الحرب والسیاسة، ص:٦٤۸ .

[4] الطبقات الکبریٰ، ابن سعد: ۳/ ۳٦٤ . [5] تاریخ الطبری: ٥/ ۲۲٦ .

لیکن یہ روایت غیر مستند روایات میں سے ہے، اس کا تعلق ان غیر معقول اور انوکھی روایات سے ہے جنہیں ابو مخنف (رافضی) نے صحیح نصوص اور صحابہ کی بے داغ و پاک باز سیرتوں کے برخلاف ذکر کیا ہے۔ یہ روایت بالکل جھوٹی اور منکر ہے۔ کیونکہ عمر رضی اللہ عنہ ان لوگوں کے بارے میں ایسا کیوں کر کہہ سکتے ہیں جب کہ آپ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ یہ لوگ صحابہ کرام میں سب سے زیادہ پاک باز ہیں اور آپ ہی نے ان کی افضلیت اور مقام و مرتبہ کو دیکھتے ہوئے یہ عظیم کام سونپا تھا۔ [1]

ابن سعد کی روایت ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے انصار سے کہا: ان لوگوں کو تین دنوں کے لیے ایک گھر میں چھوڑ دو اگر کوئی بہتر نتیجہ لے کر نکلتے ہیں تو بہتر ہے ورنہ سب کی گردن مار دو۔ [2] یہ روایت بھی سنداً منقطع ہے، نیز اس کی سند میں سماک بن حرب ہے جو ضعیف ہے اور آخری عمر میں حافظہ خراب ہو گیا تھا۔ [3]

اس باب میں ابن سعد کی وہ روایت سب سے زیادہ صحیح ہے جس کے تمام راوی ثقہ ہیں، اس میں ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے صہیب رومی رضی اللہ عنہ سے کہا: تین دن لوگوں کی امامت کرو اور اس چھ نفری جماعت کو ایک گھر میں چھوڑ دو، یہ لوگ جسے خلیفہ منتخب کر لیں (اس کی اطاعت کرو) اور جو ان کی مخالفت کرے اسے قتل کر دو۔ [4]

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ اس اثر میں اس آدمی کو قتل کرنے کا حکم دیتے ہیں جو ان منتخب اراکین کے انتخاب کی مخالفت کرے، مسلمانوں کے اتحاد کو توڑے اور ان میں گروہ بندی پیدا کرے اور عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بات اس فرمان نبوی ﷺ کی موافقت میں کہی تھی:

((مَنْ أَتَاكُمْ وَأَمْرُكُمْ جَمِيعٌ عَلٰی رَجُلٍ وَّاحِدٍ ، يُرِيدُ أَنْ يَّشُقَّ عَصَاكُمْ أَوْ يُفَرِّقَ جَمَاعَتَكُمْ فَاقْتُلُوْهُ .)) [5]

”جو شخص تمہارے پاس آئے، اس حال میں کہ تم اپنے میں سے کسی ایک کی امارت پر متفق ہو چکے ہو اور وہ آ کر تمہارے اتحاد کو پارہ پارہ کرنا چاہتا ہو اور تمہاری جماعت کو گروہوں میں تقسیم کرنا چاہتا ہو تو اسے قتل کر دو۔“

ھ: اختلاف کے وقت فیصل کون ہو؟

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ نصیحت کی تھی کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ان چھ لوگوں کے ساتھ مجلس شوریٰ میں شریک ہوں گے، البتہ انہیں خلافت کے سلسلہ میں کوئی اختیار حاصل نہ ہوگا۔ اور ان سب سے کہا کہ اگر تین آدمی اپنے کسی ایک کو، اور تین اپنے کسی ایک کو خلافت کے لیے منتخب کر لیں تو عبداللہ بن عمر کو فیصل بنانا۔ جس کے حق میں وہ فیصلہ دے دیں اسے چاہیے کہ اپنے آدمی کو امیر منتخب کر لے اور اگر عبداللہ بن عمر کا فیصلہ منظور نہ ہو تو ان لوگوں

[1] مرویات أبی مخنف من تاریخ الطبری، د/ یحییٰ الیحیٰ، ص:۱۷۵ .
[2] الطبقات الکبریٰ: ۳/ ۳۴۲ .
[3] مرویات أبی مخنف من تاریخ الطبری، ص:۱۷۶ .
[4] الطبقات الکبریٰ ۳/ ۳۴۲ .
[5] صحیح مسلم: ۳۔ ۶۰/ ۱۸۵۲ .

کے ساتھ ہو جانا جن میں عبدالرحمٰن بن عوف ہوں گے، پھر عمر رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی نیکی اور تقویٰ شعاری کا ذکر کرتے ہوئے کہا: عبدالرحمٰن بن عوف کیا ہی بہتر رائے دینے والے ہیں، نیک اور ہدایت یاب ہیں، اللہ کی طرف سے ان کی محافظت ہو رہی ہے، تم ان کی باتیں مانو۔ ❶

و: پاک طینت وتقویٰ شعار جماعت کے ذریعے انتخابی کارروائی کی نگرانی اور ہنگامہ آرائی پر قدغن:

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کو بلوایا اور ان سے کہا: اے ابوطلحہ! اللہ نے تم لوگوں کے ذریعہ سے اسلام کو سربلند کیا، اپنے قبیلہ کے پچاس انصاری صحابہ کو ساتھ لے کر اس جماعت (مجلس شوریٰ) کی نگرانی کرو، یہاں تک کہ وہ لوگ اپنے میں سے کسی ایک کو منتخب کر لیں۔ ❷ اور مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ سے کہا: جب تم لوگ مجھے میری قبر میں رکھ دو تو اس چھ رکنی جماعت کو ایک گھر میں بند کر دینا، یہاں تک کہ وہ لوگ اپنے میں سے کسی ایک کو منتخب کر لیں۔ ❸ الغرض آپ زندگی کے آخری لمحات میں بھی جب کہ زخموں سے چور اور جان کنی کے عالم میں تھے، مسلمانوں کے معاملات کو بہتر سے بہتر بنانے سے غافل نہ ہوئے اور ایسے شورائی نظام کی بنیاد رکھی جسے آپ سے پہلے کسی نے انجام نہ دیا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ شورائی نظام کا ثبوت قرآن اور سنت میں موجود ہے، رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسلامی معاشرہ میں اس کا عملی نفاذ کیا ہے، اس لیے اصل دلیل کی رو سے عمر رضی اللہ عنہ کے عمل کو بدعت نہیں کہا جا سکتا ہے، البتہ آپ کی جدت طرازی یہ رہی کہ آپ نے شورائی نظام کو ایک اصولی شکل دے دی کہ اسی بنیاد پر خلیفہ کا انتخاب عمل میں آئے گا اور اصولی شکل یہ تھی کہ شورائیت کے لیے مخصوص تعداد میں مخصوص (اصحاب حل وعقد) لوگوں کو منتخب کیا۔ پس یہی جدت طرازی رسول اللہ ﷺ اور عہد صدیقی میں نہ تھی، بلکہ سب سے پہلے اسے عمر رضی اللہ عنہ نے انجام دیا اور یہ اقدام بہت ہی بہتر رہا کیونکہ اس وقت صحابہ کرام کے جو حالات تھے ان کے لیے اس سے بہتر اور کوئی مناسب طریقہ نہیں تھا۔ ❹

۳۔ اپنے بعد کے خلیفہ کے لیے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی وصیت:

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد امت مسلمہ کی قیادت کرنے والے خلیفہ کو کافی اہم وصیت کی، آپ نے فرمایا:

> ’’میں تمہیں اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنے کی وصیت کرتا ہوں جو یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔
>
> اولین مہاجرین کے ساتھ حسن سلوک کرنا، ان کی سبقت الی الاسلام کے حقوق کو پہچاننا، انصار کے ساتھ بھلائی کرنا، ان کی اچھائیوں کی قدر کرنا اور کوتاہیوں سے چشم پوشی کرنا، مفتوحہ ممالک کے باشندوں سے اچھا سلوک کرنا کیونکہ یہ دشمنوں کو دفع کرنے والے اور مال غنیمت جمع کرنے والے ہیں۔ صرف وہی کچھ لینا جو ان کی ضرورت سے زائد ہو، دیہات کے عرب باشندوں سے خوش

---

❶ تاریخ الطبری: ٥/ ٢٢٥.
❷ تاریخ الطبری ٥/ ٢٢٥.
❸ تاریخ الطبری ٥/ ٢٢٥.
❹ أولیات الفاروق، السیاسیة: ص١٢٧.

اخلاق سے پیش آنا کیونکہ یہی لوگ اصل عرب اور مادہ اسلام ہیں، ان کے مال داروں سے زکوٰۃ وصول کر کے ان کے محتاجوں میں تقسیم کر دینا، ذمیوں سے اچھا برتاؤ کرنا، ان کی طرف سے دفاع کرنا جب تک وہ خوشی خوشی یا زیردست بن کر مسلمانوں کو جزیہ دیتے رہیں، ان پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالنا، اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، گناہ کی پاداش میں اس کی پکڑ اور غصہ سے ڈرتے رہو، لوگوں کے معاملات میں اللہ سے ڈرتے رہو، لیکن اللہ کے معاملے میں لوگوں سے نہ ڈرو، رعایا کے ساتھ عدل و انصاف کرنا، ان کی ضروریات کی تکمیل میں لگے رہنا، سرحدوں کی حفاظت کرنا، مال داروں کو محتاجوں پر ترجیح نہ دینا، اسی میں ان شاء اللہ تمہارے دل کی سلامتی، گناہوں کی معافی اور انجام کی بہتری ہے، یہاں تک کہ اسی حالت میں تم اس ہستی (اللہ) تک پہنچ جاؤ جو تمہارے بھیدوں سے واقف ہے اور تمہارے اور تمہارے دل کے مابین حائل ہے۔ میرا حکم ہے کہ اللہ کے حقوق، حدود اور اس کے مجرموں کے تئیں ہمیشہ سخت رہنا، خواہ وہ قریبی ہوں یا اجنبی۔ اس سلسلہ میں کسی کے لیے تمہارے دل میں اس وقت تک کوئی نرم گوشہ نہ ہو جب تک کہ جرم کے مطابق اسے سزا نہ دے دو، رعایا کا ہر فرد تمہاری نگاہ میں یکساں ہو۔ حق کو حق دار تک پہنچانے میں کوئی تردد نہ کرو، اللہ کے دین کے لیے کسی ملامت گر کی ملامت کی پروا نہ کرنا۔ مومنوں کے جس مال کا اللہ نے تمہیں ذمہ دار بنایا ہے اس کی تقسیم میں جانب داری نہ کرنا کہ کسی پر ظلم و زیادتی کرنے لگو اور اس چیز سے اپنے آپ کو محروم کر لو جس کے سلسلہ میں اللہ نے تمہیں وسعت دی ہے۔ تم دنیا اور آخرت کے عظیم منصب پر فائز ہو، کشادگی اور اسباب دنیا کی فراوانی کے باوجود اگر تم نے دنیا میں عدل وانصاف اور پاک دامنی سے کام لیا تو اپنے ایمان کو مضبوط کیا اور اللہ کی رضا پائی اور اگر نفس پرستی کا تم پر غلبہ ہو گیا تو اللہ کے غیظ و غضب کو دعوت دی۔ ذمیوں پر خود یا کسی دوسرے کو ظلم کرنے کی قطعاً اجازت نہ دو۔ میں نے تمہیں جو کچھ نصیحتیں اور وصیتیں کیں ان کے ذریعہ سے اللہ کی رضا مندی اور آخرت کی بہتری تلاش کرو۔ میں نے تمہاری انہی چیزوں کی طرف رہنمائی کی ہے جس پر خود اپنے وجود اور اپنے لڑکے کو مائل کرتا ہوں۔ لہٰذا جو کچھ میں نے تمہیں نصیحت کی ہے اسے اگر تم نے اچھی طرح یاد کر لیا اور عمل پیرا ہوئے تو اپنی خوش قسمتی اور اچھے بدلے کا پورا پورا حصہ لیا اور اگر تم نے اسے قبول نہ کیا، اس کو کوئی اہمیت نہ دی اور اللہ کی مقررہ حدود پر رکنے پر اکتفا نہ کیا تو تمہاری ناقدری ہوگی اور اس میں تمہاری اپنی رائے کا دخل ہوگا۔ کیونکہ خواہشات سارے انسانوں کے درمیان مشترک ہیں اور تمام غلطیوں کی جڑ ابلیس ہے جو ہر مہلک چیز کی طرف بلاتا ہے، اس نے تم سے پہلے کی گزشتہ اقوام کو گمراہ کر دیا، انہیں جہنم میں داخل کرایا اور جہنم کتنی بری جگہ ہے، اور انسان کی یہ کتنی

بری کمائی ہے کہ اس کی قسمت میں اللہ کے دشمن کی دوستی آئے جو اللہ کی نافرمانیوں کی طرف ہمہ وقت دعوت دیتا ہے۔ حق پر جمے رہو، زندگی کی آخری سانس اسی پر بند ہو، اپنے آپ کو نصیحت کرتے رہو۔ اللہ کے واسطے مسلمانوں پر رحم کرنا، بڑوں کا احترام کرنا، چھوٹوں پر مہربانی کرنا اور علماء کی عزت وتوقیر کرنا، مسلمانوں کو مارنے اور ذلیل کرنے سے پرہیز کرنا، خود ان سے زیادہ مال فے نہ لینا، ورنہ انہیں ناراض کر دو گے۔ جب عطیات دینے کا وقت آ جائے تو انہیں واپس نہ لوٹاؤ ورنہ انہیں محتاج بنا دو گے۔ سرحدوں پر انہیں زیادہ دن نہ روکنا ورنہ خدشہ ہے کہ ان کی نسل ہی ختم ہو جائے۔ دولت صرف مالداروں کے ہاتھوں میں نہ گردش کرتی رہے، کمزوروں اور محتاجوں کے لیے اپنا دروازہ بند نہ رکھنا کہ طاقتور کمزور کو نگلنے لگے۔ یہ میری وصیت ہے اور اس پر اللہ کو گواہ بناتا ہوں اور تم کو السلام علیکم عرض کرتا ہوں۔'' [1]

اس وصیت کا ایک ایک کلمہ اس بات کی دلیل ہے کہ حکومت وسیاست کے تمام مسائل پر سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی گہری نظر تھی اور آپ کی حکومت ایک نظام اور بہترین طریقۂ عمل کی پابند تھی۔ [2] یہ وصیت انتہائی اہم امور پر مشتمل ہے۔ اسے ایک گرانقدر دستاویزی حیثیت حاصل ہونی چاہیے۔ اس لیے کہ اس میں ایک کامیاب حکومت کے ایسے بنیادی اصول وضوابط بتائے گئے ہیں جو دینی، سیاسی، فوجی، اقتصادی اور معاشرتی ہر پہلو سے مکمل ہیں۔ ان میں اہم ترین یہ ہیں:

ا: مذہبی پہلو:

مذہبی پہلو میں چند باتیں نمایاں ہیں، مثلاً:

ا: ہمہ وقت اللہ کے تقویٰ، ظاہر و باطن اور قول وعمل میں خشیت الٰہی کے شدید اہتمام کی وصیت کی گئی ہے۔ اس لیے کہ جس آدمی کے دل میں اللہ کا تقویٰ ہوگا اللہ تعالیٰ اس کو ہلاکتوں سے بچائے گا اور جس کے دل میں خشیت الٰہی ہوگی اس کی وہ حفاظت کرے گا اور گناہوں سے دور رکھے گا۔ چنانچہ کہا: ''میں تمہیں اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کی وصیت کرتا ہوں جو یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔'' اور ''اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، گناہوں کی پاداش میں اس کی پکڑ اور غصہ سے ڈرتے رہو۔'' اور کہا: ''لوگوں کے معاملات میں اللہ سے ڈرتے رہو۔''

ب: اس بات کی وصیت ہے کہ ''حدود الٰہی کی تنفیذ میں قریبی اور اجنبی میں کوئی تفریق نہ کرنا۔'' ''حق کو حق دار

---

[1] الطبقات، ابن سعد: ۳/ ۳۳۹، البیان والتبیین، جاحظ: ۲/ ۴۶، جمهرة خطب العرب: ۱/ ۲۶۳، الکامل فی التاریخ: ۲/ ۲۱۰، الخلیفة الفاروق عمر بن خطاب، عانی، ص:۱۷۱، ۱۷۲.

[2] الإدارة الإسلامية فی عصر عمر بن الخطاب، ص:۳۸۱.

تک پہنچانے میں کوئی تردد نہ کرو۔'' اور کہا: ''اللہ کے دین کے لیے کسی ملامت گر کی ملامت کی پروا نہ کرنا۔'' اس لیے کہ الٰہی حدود کی وجوبی تنفیذ پر شرعاً حکم آیا ہے، یہ دین کا ایک حصہ ہیں۔ اسلامی شریعت ہی حجت ہے، لوگوں کے اعمال و افعال کو اسی پر پرکھا جائے گا، شریعت سے غفلت برتنا گویا دین اور معاشرے کو تباہ و برباد کرنا ہے۔

ج: اس وصیت میں استقامت اختیار کرنے کی تعلیم دی گئی ہے، کیونکہ یہ چیز دین و دنیا کی ان اہم ضروریات میں سے ہے جسے سب سے پہلے حاکم وقت کو اپنے قول وعمل سے ثابت کرنا چاہیے، پھر یہ ذمہ داری رعایا کی ہے۔ ''اپنے آپ کو نصیحت کرتے رہو۔'' اور کہا: ''ان اعمال سے اللہ کی رضا مندی اور آخرت کی بھلائی کے طالب بنو۔''

۲: سیاسی پہلو:

ا: عدل وانصاف کو لازم پکڑنے کی نصیحت ہے، اس لیے کہ یہی حکومت کی بنیاد ہے۔ رعایا میں عدل وانصاف کی تنفیذ حکومت کی مضبوطی، رعب و دبدبہ اور سیاسی ومعاشرتی سنجیدگی عطا کرتی ہے۔ اس سے لوگوں کے دلوں میں ایک طرف حاکم کا خوف اور دوسری طرف اس کا احترام جاگزیں ہوتا ہے۔ نصیحت کرتے ہوئے آپ نے کہا: ''رعایا کے ساتھ عدل وانصاف کرنا۔'' اور کہا: ''رعایا کا ہر فرد تمھاری نگاہ میں یکساں ہو۔''

ب: اولین مہاجرین وانصار پر خصوصی توجہ کی نصیحت ہے، اس لیے کہ انھی لوگوں نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا، اسلامی عقیدہ اور اس کی بنیادوں پر جو سیاسی نظام وجود میں آیا اسے انھی کے کندھوں نے سہارا دیا۔ یہی اس کے پاسبان اور محافظ رہے۔ پس وہ اس خصوصی اعزاز کے مستحق ہیں۔ آپ نے نصیحت میں فرمایا: ''اولین مہاجرین کے ساتھ حسن سلوک کرنا، ان کے سبقت الی الاسلام کے حقوق پہچاننا، انصار کے ساتھ بھلائی کرنا، ان کی اچھائیوں کی قدر کرنا۔''

۳: فوجی پہلو:

ا: اس وصیت میں اسلامی فوج پر خصوصی توجہ دینے، اسے مناسب ڈھنگ سے تیار کرنے، ملکی امن وسلامتی کو برقرار رکھنے میں ان کے مؤثر کردار اور عظیم ذمہ داری کا انھیں احساس دلانے اور فوج کی تکمیلِ ضروریات کی اہمیت کو نمایاں جگہ دی گئی ہے۔ ''ان کی ضروریات کی تکمیل میں لگے رہنا اور سرحدوں کی حفاظت کرنا۔''

ب: حاکم وقت کو تعلیم دی گئی ہے کہ مجاہدین کو ان کے اہل وعیال سے دور سرحدوں پر لمبی مدت تک ٹھہرانے سے اجتناب کریں، اس لیے کہ اہل وعیال سے لمبی غیر حاضری کے نتیجے میں جنگجوؤں کو اکتاہٹ و بے چینی اور مقصد کے حصول میں ناکامی لاحق ہوسکتی ہے، چنانچہ مخصوص ایام میں متعینہ دنوں کے لیے انھیں چھٹی دینا ضروری ہے، تاکہ ایک طرف وہ آرام کرسکیں اور دوبارہ نئے عزم اور نئی قوت کے ساتھ میدان میں اتریں

اور دوسری طرف اپنی بیویوں سے تعلقات قائم کر کے قلبی سکون حاصل کریں اور افزائش نسل کا سلسلہ باقی رکھیں۔ آپ کی نصیحت میں یہ بات تھی کہ ''انہیں سرحدوں پر زیادہ دن نہ روکنا ورنہ خدشہ ہے کہ ان کی نسل ہی ختم ہو جائے۔'' اور کہا: ''مفتوحہ ممالک کے باشندوں کے ساتھ بھلائی کرنا کیونکہ وہ دشمنوں کو دفع کرنے والے ہیں۔''

ج: مال غنیمت اور عطیہ ووظیفہ میں ہر فوجی کا جتنا حق ہے اسے وقت پر دیتے رہنا ضروری ہے تاکہ اسے یہ احساس رہے کہ ہماری اور ہماری آل واولاد کی ایک مستقل آمدنی ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ دل لگا کر جہاد کرے گا اور مالی پریشانیوں سے بے فکر ہوگا۔ آپ نے نصیحت میں کہا ہے: ''خود ان سے زیادہ مال فے نہ لینا ورنہ انہیں ناراض کر دو گے، جب وہ عطیات لینے آئیں تو دے دینا ورنہ انہیں محتاج بنا دو گے۔''

۴: مالی واقتصادی پہلو:

ا: ملکی اموال کو لوگوں کے درمیان عدل وانصاف کے ترازو سے تقسیم کرنا لازم ہے اور ان تمام طریقوں کا تدارک کرنا ضروری ہے جن سے صرف کسی ایک طبقہ میں دولت سمٹ کر رہ جاتی ہو اور دوسرے لوگ محروم رہتے ہوں۔ یہی مفہوم ہے آپ کی اس وصیت کا کہ ''دولت صرف مال داروں کے ہاتھوں میں نہ گردش کرتی رہے۔''

ب: ذمی لوگ جب تک مقررہ جزیہ وخراج ملک کو دیتے رہیں ان پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالنا جائز نہیں۔ فرمایا: ''ان پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالنا۔''

ج: رعایا کے مالی حقوق کی ضمانت لی جائے، اس میں انتہا پسندی سے اجتناب کیا جائے۔ وصیت میں کہا گیا ہے کہ: ''مفتوحہ ممالک کے باشندوں سے وہی کچھ لینا جو ان کی ضرورت سے زائد ہو۔'' اور کہا: ''دیہات کے عرب باشندوں میں ان کے مال داروں سے زکوٰۃ لے کر انہی کے محتاجوں میں تقسیم کر دینا۔''[1]

۵: معاشرتی پہلو:

ا: رعایا کا اہتمام، اس کی خبر گیری، ضروریات کی تکمیل اور عطیات ووظائف سے ان کے مالی حقوق کی پوری پوری ادائیگی ضروری ہے۔ دوران وصیت میں آپ نے فرمایا تھا: ''جب عطیات دینے کا وقت آ جائے تو انہیں واپس نہ لوٹاؤ۔''

ب: ذاتی ترجیحات، طرف داری اور خواہشات کی پیروی سے اجتناب لازم ہے، کیونکہ اس سے رعایا کی کج روی، معاشرتی فساد اور انسانی تعلقات میں بے چینی وبگاڑ کا قوی اندیشہ ہے۔ اسی لیے آپ نے کہا

[1] الخليفة الفاروق عمر بن الخطاب ، عانی ، ص: ۱۷٤ ، ۱۷٥ .

تھا: ''مومنوں کے جس مال کا اللہ نے تمہیں ذمہ دار بنایا ہے اس کی تقسیم میں جانب داری نہ کرنا۔'' اور ''مال داروں کو محتاجوں پر ترجیح نہ دینا۔''

ج: رعایا کے چھوٹے بڑے ہر فرد کا احترام کرنا اور اس کے سامنے خاکساری برتنا۔ اس لیے کہ اس سے انسانی ومعاشرتی تعلقات میں بھلائی و برتری کا ظہور ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے رعایا کے دل میں اپنے قائد وحاکم کی محبت بڑھ جاتی ہے۔ آپ کا کہنا تھا: ''اللہ کے لیے مسلمانوں پر رحم کرنا، بڑوں کا احترام کرنا، چھوٹوں پر مہربانی کرنا اور علماء کی عزت وتوقیر کرنا۔''

د: رعایا کے سامنے کشادہ ظرفی کا ثبوت دینا۔ بایں طور کہ ان کی شکایات سنی جائیں، اور انہیں انصاف دلایا جائے۔ ورنہ رعایا کے تعلقات کے درمیان اضطراب رونما ہوگا اور معاشرہ مختلف قسم کی پیچیدگیوں میں الجھ کر رہ جائے گا۔ ''کمزوروں اور محتاجوں کے لیے اپنا دروازہ بند نہ رکھنا کہ طاقتور کمزور کو نگلنے لگے۔''

ھ: حق بات پر ڈٹے رہنا اور ہر حال میں معاشرہ میں حق کو عام کرنے کی پوری کوشش کرنا حاکم وقت کی ذمہ داری ہے۔ اس لیے کہ یہ ایسی معاشرتی ضرورت ہے جسے انسانی سماج میں نافذ کرنا قطعاً ضروری ہے۔ ''حق پر جمے رہو، زندگی کی آخری سانس اسی پر بند ہو۔'' اور کہا: ''رعایا کا ہر فرد تمہاری نگاہ میں یکساں ہو، حق کو حق دار تک پہنچانے میں کوئی تردد نہ کرو۔''

و: ظلم کی ہر شکل اور ہر نوعیت سے اجتناب لازم ہے، خاص طور سے ذمیوں کے ساتھ اس کی رعایت بہت ضروری ہے۔ اس لیے کہ اسلامی ملک میں بسنے والے مسلمان ہوں یا ذمی، سب کے ساتھ عدل وانصاف کرنا شرعی ذمہ داری ہے تاکہ پوری انسانیت اسلامی عدل کا سبق سیکھ سکے۔ آپ کی نصیحت تھی: ''ذمیوں پر خود یا کسی دوسرے کو ظلم کرنے کی قطعاً اجازت نہ دو۔''

ز: دیہاتی باشندوں کو نظر انداز کرنا قطعاً درست نہیں، ان کی دیکھ بھال اور ان پر توجہ دینا حکومتی ذمہ داری ہے۔ آپ نے نصیحت کرتے ہوئے کہا تھا: ''دیہات کے عرب باشندوں کے ساتھ بہتر سلوک کرنا، کیونکہ وہی اصل عرب اور مادۂ اسلام ہیں۔''[1]

ح: مذکورہ وصیت کے ساتھ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد کے خلیفہ کے لیے ایک وصیت یہ بھی کی تھی کہ ''میرا مقرر کیا ہوا کوئی بھی عامل آئندہ ایک سال سے زیادہ اپنے عہدہ پر باقی نہ رہے، البتہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو چار سال تک باقی رہنے دینا۔''[2]

---

[1] الخلیفة الفاروق عمر بن خطاب، العانی، ص: ۱۷۳۔۱۷۵ .

[2] عصر الخلفاة الراشدة، ص:۱۰۲ .

زندگی کے آخری لمحات

ابن عباس رضی اللہ عنہما، عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی زندگی کے آخری لمحات کے حالات ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں: حملہ کے بعد میں عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا اور کہا: اے امیر المومنین! جنت کی بشارت قبول کیجیے، جب لوگوں نے کفر کیا تو آپ اسلام لائے، جب لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کا ساتھ چھوڑا تو آپ نے آپ ﷺ کی معیت میں جہاد کیا اور جب رسول اللہ ﷺ اس دنیا سے رخصت ہوئے تو آپ سے خوش تھے، آپ کی خلافت پر کسی نے اختلاف نہ کیا اور اب آپ رخصت ہو رہے ہیں تو شہادت کی موت پا رہے ہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم نے کیا کہا؟ پھر دوبارہ کہو! میں نے اپنی بات پھر دہرائی۔ آپ کہنے لگے: قسم ہے اس ذات کی جس کے علاوہ کوئی حقیقی معبود نہیں! اگر میرے اختیار میں ہوتا تو میں قیامت کی ہولناکی سے نجات پانے کے لیے زمین کے سارے خزانے نچھاور کر دیتا۔ ❶

اور صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ آپ نے یہ بھی کہا کہ تم نے رسول اللہ ﷺ سے میری مصاحبت اور آپ کی رضامندی کے متعلق جو کچھ ذکر کیا ہے تو اللہ تعالیٰ کا مجھ پر احسان ہے جس سے اس نے مجھے نوازا اور جو میری بے چینی اور غم دیکھ رہے ہو وہ تمہاری اور تمہارے ساتھیوں کی وجہ سے ہے۔ اللہ کی قسم! اگر میرے پاس زمین بھر سونا ہوتو عذاب الٰہی کو دیکھنے سے پہلے اس سے نجات پانے کے لیے اسے فدیہ دے دوں۔ ❷

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ اللہ کے عذاب سے اس قدر لرزاں تھے باوجود یہ کہ نبی ﷺ انہیں اسی دنیا میں جنت کی بشارت دے چکے تھے اور خود آپ نے حکومت اسلامیہ کے قیام، عدل، زہد اور جہاد جیسے اعمال صالحہ کے لیے اپنی ساری توانائی صرف کر دی تھی، لہٰذا مقام عبرت ہے تمام مسلمانوں کے لیے کہ وہ اللہ کے سخت عذاب اور روز قیامت کی ہولناکیوں کو یاد کریں اور خوف کھائیں۔ ❸

آپ کی زندگی کے آخری لمحات کی منظر کشی عثمان رضی اللہ عنہ اس طرح کرتے ہیں: ''میں جان کنی کے وقت آخری لمحات میں عمر رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھا، ان کا سر ان کے فرزند عبداللہ کے زانو پر تھا۔ آپ نے اپنے بیٹے سے کہا: میرا رخسار زمین پر رکھ دو، عبداللہ نے کہا: کیا میرے زانو اور زمین میں کوئی فرق ہے؟ آپ نے فرمایا: تیری ماں نہ رہے، میرا رخسار زمین پر رکھ دے۔ آپ نے دوسری یا تیسری مرتبہ یہ بات کہی۔ پھر آپ نے اپنے دونوں پاؤں آپس میں ملا لیے۔ اس وقت آپ کو یہ کہتے ہوئے میں نے سنا کہ: ''بربادی ہے میری اور میری ماں کی اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے معاف نہ کیا۔'' آپ یہی بات دہراتے رہے یہاں تک کہ روح جسم سے جدا ہوگئی۔ ❹

---

❶ صحیح التوثیق فی سیرة وحیاة الفاروق، ص:٣٨٣.

❷ صحیح البخاری، مع الفتح، فضائل الصحابة، حدیث نمبر ٣٦٩٢.

❸ التاریخ الإسلامی: ١٩/ ٣٣. ❹ صحیح التوثیق فی سیرة وحیاة الفاروق، ص:٣٨٣.

یہ ہے امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خشیت الٰہی کی ایک مثال کہ دنیا ہی میں جنت کی بشارت مل جانے کے باوجود موت کے وقت زبان سے جو آخری کلمہ ادا کرتے ہیں اس میں کہتے ہیں کہ: ''اگر اللہ کی مغفرت سے محرومی ہوئی، اور اے نفس! تیری بربادی ہو۔'' آپ ایسی بات کیوں نہ کہتے جب کہ آپ کو اللہ کی معرفت حاصل تھی اور جس شخص کو جتنا زیادہ اللہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے اتنی ہی اللہ کی خشیت اس کے دل میں پنہاں ہوتی ہے۔ آپ کا اپنے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ سے اصرار کرنا کہ میرے رخسار کو زمین پر رکھ دو، یہ بھی اللہ کی تعظیم اور دعا کی جلد از جلد قبولیت کے لیے کسر نفسی کی ایک علامت تھی، جو ہمیں بتاتی ہے کہ آپ کا تعلق الٰہی کس قدر مضبوط اور معتمد تھا۔ ❶

۱: تاریخ وفات اور زندگی کے سال:

امام ذہبی لکھتے ہیں کہ ''۲۶ یا ۲۷ ذی الحجہ بروز بدھ ۲۳ ہجری میں عمر رضی اللہ عنہ نے جام شہادت نوش کیا، صحیح روایت کے مطابق اس وقت آپ کی عمر ۶۳ سال تھی۔ ❷ آپ کی مدت خلافت دس سال چھ مہینے اور کچھ دن ہے۔ ❸ جریر بجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھا، انہوں نے کہا: جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی اس وقت آپ تریسٹھ (۶۳) سال کے تھے اور جب ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو وہ تریسٹھ سال کے تھے اور جب عمر رضی اللہ عنہ شہید کیے گئے تو اس وقت ان کی عمر بھی تریسٹھ (۶۳) سال تھی۔ ❹

۲: غسل، نماز جنازہ اور تدفین:

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ''آپ غسل دیے گئے، کفنائے گئے اور نماز جنازہ پڑھی گئی۔ آپ شہید تھے۔'' ❺

علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ اگر کوئی شخص مظلومیت کی حالت میں قتل کر دیا جائے تو کیا وہ شہید کے حکم میں ہوگا کہ اسے غسل نہ دیا جائے یا عام میت کے حکم میں ہوگا کہ اسے غسل دیا جائے؟

پہلا قول:...... اس کو غسل دیا جائے گا۔ اس قول کی دلیل عمر رضی اللہ عنہ کا یہی مذکورہ واقعہ ہے۔ ❻

دوسرا قول:...... نہ غسل دیا جائے گا اور نہ اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ صحابہ نے جو کچھ کیا اس کا جواب یہ ہے کہ مظلوم مقتول سے قطع نظر وہ شہید بھی جو معرکہ جہاد میں لڑتے ہوئے زخمی ہوا اور اسے اتنا موقع مل جائے کہ کھا پی سکے یا کچھ دن تک زندہ رہے تو اسے غسل دیا جائے گا اور اس کی نماز جنازہ پڑھی

❶ التاریخ الإسلامی: ۱۹/ ٤٤. ٤٥ .

❷ محض الصواب: ۳/ ۸٤۰، التهذیب: ق، ۱۷۷، ب .

❸ سیر السلف، ابو القاسم أصفهانی، ۱/ ۱٦۰ .

❹ صحیح مسلم، فضائل الصحابة، حدیث نمبر: ۲۳۵۲، محض الصواب: ۳/ ۸٤۳ .

❺ الطبقات الکبرٰی، ابن سعد: ۳/ ۳٦٦، اس کی سند صحیح ہے۔

❻ الإنصاف، مرداوی: ۲/ ۵۰۳، محض الصواب: ۳/ ۸٤٤ .

جائے گی۔ پس اس تناظر میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ جب عمر رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ ہوا تو اس کے بعد آپ دیر تک زندہ رہے، اتنی دیر کہ طبیب نے آپ کو دودھ اور شربت پلایا، اسی لیے آپ کو غسل دلایا گیا اور آپ پر نماز جنازہ پڑھی گئی۔ ❶

۳: نماز جنازہ کس نے پڑھائی؟

امام ذہبی کا کہنا ہے کہ صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ ❷

اور ابن سعد کا کہنا ہے کہ علی بن حسین نے سعید بن مسیّب سے پوچھا: عمر رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ کس نے پڑھائی؟ انہوں نے جواب دیا: صہیب رضی اللہ عنہ نے۔ علی نے سعید سے پوچھا: کتنی تکبیریں کہیں؟ انہوں نے کہا: چار۔ پھر پوچھا: کہاں نماز جنازہ پڑھی گئی؟ انہوں نے کہا: قبر اور منبر رسول اللہ کے درمیان۔ ❸

ابن مسیّب کا کہنا ہے کہ: جب مسلمانوں نے دیکھا کہ عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے صہیب رضی اللہ عنہ فرض نمازوں میں ان کی امامت کرتے تھے تو انہوں نے نماز جنازہ پڑھانے کے لیے بھی صہیب رضی اللہ عنہ کو آگے بڑھایا، پھر انہوں نے نماز جنازہ پڑھائی۔ ❹

فاروقی تدبیر وسیاست کا ایک پہلو یہاں بھی دیکھا جا سکتا ہے کہ خلافت کی نامزدگی کے لیے جن چھ افراد کی مجلس شوریٰ بنائی تھی ان میں کسی کو اپنی جگہ امامت کا حق نہیں دیا تھا، تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ نماز کی امامت استحقاق خلافت کی علامت بن جائے اور عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کی نگاہ میں صہیب رضی اللہ عنہ کی قدر و منزلت مسلم تھی اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کے بارے میں فرمایا: ''صہیب کتنا اچھا آدمی ہے، اس کے دل میں اللہ کا ڈر ہے کہ وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتا۔'' ❺

۴: تدفین:

امام ذہبی کا قول ہے کہ ''عمر رضی اللہ عنہ کی تدفین حجرۂ نبویہ میں ہوئی۔'' ❻ اور ابن الجوزی نے جابر رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کی قبر میں عثمان، سعید بن زید، صہیب اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم اترے۔ ❼

اور ہشام بن عروہ سے روایت ہے کہ ولید بن عبدالملک ❽ کے زمانے میں جب نبی ﷺ اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی قبر پر دیوار گر گئی تھی تو لوگ اسے بنانے لگے، انہیں ایک پاؤں دکھائی دیا، وہ گھبرا گئے اور یہ گمان کرنے لگے کہ شاید یہ رسول اللہ ﷺ کا پاؤں ہے، کوئی اس کی شناخت نہیں کر پا رہا تھا، یہاں تک کہ عروہ نے کہا: اللہ

❶ محض الصواب: ۳/ ۸۴۵۔ ❷ ایضًا

❸ الطبقات الکبریٰ، ابن سعد: ۳/ ۳۶۶، اس کی سند میں خالد بن الیاس نامی متروک راوی ہیں۔

❹ الطبقات الکبریٰ، ابن سعد: ۳/ ۳۶۷، محض الصواب: ۳/ ۸۴۵۔

❺ الفتاویٰ: ۱۵/ ۱۴۰۔ ❻ محض الصواب: ۳/ ۸۴۶۔

❼ ابن مروان الاموی خلفاء بنی امیہ میں سے ہیں۔ ❽ صحیح البخاری، الجنائز: ۱۳۲۶۔

کی قسم! یہ نبی ﷺ کا پاؤں نہیں ہے، بلکہ عمر رضی اللہ عنہ کا ہے۔ ❶

اور تدفین سے متعلق یہ بات گزر چکی ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ تدفین کی اجازت طلبی کے لیے عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس اپنے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا، تو آپ نے اجازت دی تھی، جب کہ ہشام بن عروہ بن زبیر کہتے ہیں: صحابہ کرام میں سے اگر کوئی عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس یہ پیغام بھیجتا کہ حجرۂ نبویہ میں ہمیں تدفین کی اجازت دے دیں تو کہتی تھیں: اللہ کی قسم اس سلسلے میں کسی کو اپنے اوپر ترجیح نہ دوں گی۔ ❷ چنانچہ تمام علماء کا اتفاق ہے کہ مسجد نبوی سے متصل اس حجرہ نبویہ میں نبی کریم ﷺ، ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما مدفون ہیں۔ ❸

۵: عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کا فرمان:

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ اپنے تختے پر رکھے گئے، جنازہ اٹھائے جانے سے پہلے لوگوں نے آپ کو گھیر لیا، وہ سب آپ کے لیے دعائے خیر کرنے لگے، میں بھی ان لوگوں میں موجود تھا۔ اچانک ایک آدمی نے پیچھے سے میرا کندھا پکڑا جس سے میں گھبرا گیا، مڑ کر دیکھا تو وہ علی رضی اللہ عنہ تھے، کہنے لگے: عمر! اللہ تم پر رحم فرمائے، تم نے اپنے بعد کوئی ایسا شخص نہیں چھوڑا جسے دیکھ کر مجھے یہ تمنا ہوتی کہ اس جیسا عمل کرتے ہوئے اللہ سے ملوں۔ اللہ کی قسم! مجھے تو یہ یقین تھا کہ وہ آپ کو آپ کے دونوں ساتھیوں کے ساتھ رکھے گا۔ میرا یہ یقین اس وجہ سے تھا کہ میں رسول اللہ ﷺ کو کثرت سے یہ کہتے ہوئے سنتا تھا: میں گیا اور ابوبکر و عمر گئے، میں اور ابوبکر و عمر داخل ہوئے، میں اور ابوبکر و عمر باہر آئے۔ ❹

٦: مسلمانوں پر آپ کی شہادت کے اثرات:

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت مسلمانوں کے لیے ایک عظیم سانحہ تھی، کیونکہ کسی طویل بیماری کے بعد آپ کی وفات نہ ہوئی تھی، بلکہ یہ حادثہ اچانک پیش آیا تھا۔ یہ حادثہ اس وجہ سے اور بھی دل دوز ہوگیا کہ اس کا ظہور مسجد نبوی میں ہوا تھا اور اس وقت ہوا تھا جب سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کو فجر کی نماز پڑھا رہے تھے۔ اس حادثہ کے بعد مسلمانوں پر کیا گزری اس کا نقشہ عمرو بن میمون رحمہ اللہ اس طرح کھینچتے ہیں:

> ''مسلمانوں کے لیے یہ ایسا جانکاہ حادثہ تھا کہ ایسا لگتا تھا جیسے اس سے پہلے ایسی مصیبت ان پر کبھی نہ آئی ہو۔''

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زخم خوردہ ہونے کے بعد ابن عباس رضی اللہ عنہما مسلمانوں کے حالات کا جائزہ لینے نکلے تا کہ آپ کو مطلع کر دیں، جب لوٹ کر آئے تو کہنے لگے: جن لوگوں سے بھی میری ملاقات ہوئی، میں نے انہیں غم

---

❶ صحیح البخاری، الاعتصام: ٢٦٧١، ٦٨٩٧.

❷ محض الصواب: ٣/ ٨٤٧. ❸ ایضًا

❹ صحیح البخاری، فضائل الصحابة، حدیث نمبر ٣٤٨٢.

سے نڈھال روتا ہوا پایا، ایسا معلوم ہوتا تھا گویا ان کا اکلوتا بیٹا فوت ہوگیا ہے۔ [1]

چونکہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ رشد وہدایت کا ایک مینار تھے، حق اور باطل کے درمیان جدائی کرنے والے تھے، اس لیے فطری بات تھی کہ لوگ آپ کی وفات سے متاثر ہوتے۔ [2] لوگوں کے شدید رنج وغم کا یہ عالم تھا کہ احنف بن قیس کے بقول جب عمر رضی اللہ عنہ پر حملہ کیا گیا تو آپ نے صہیب رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ لوگوں کی امامت کریں اور تین دن ان کے کھانے پینے کا بندوبست کریں یہاں تک کہ مجلس شوریٰ کسی کو اپنا خلیفہ منتخب کرلے۔ چنانچہ جب دسترخوان پر کھانا رکھا گیا تو لوگوں نے (اظہار غم میں) کھانے کے لیے ہاتھ نہیں بڑھایا، عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: اے لوگو! جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی تو ہم نے کھانا پینا بند نہیں کیا اور جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو بھی ہم نے کھانا پینا بند نہیں کیا، پس آج بھی ضروری ہے کہ کھاؤ پیو، پھر آپ نے کھانا شروع کیا اور بعد میں لوگوں نے بھی کھایا۔ [3]

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے سامنے جب عمر رضی اللہ عنہ کا ذکر ہوتا تو آپ شدت غم سے اس قدر روتے کہ آنسوؤں سے زمین تر ہوجاتی، پھر فرماتے: عمر اسلام کا قلعہ تھے، لوگ اس میں داخل ہوتے تھے نکلتے تھے اور جب وہ وفات پاگئے تو قلعہ میں شگاف پڑ گیا اور لوگ اسلام سے نکلنے لگے۔ [4]

ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ آپ کے بارے میں کہا کرتے تھے: عمر کی وفات کے بعد اسلام کمزور ہو جائے گا اگر کائنات کا پورا خزانہ مل جائے اور عمر رضی اللہ عنہ کے بعد مجھے زندہ رہنا پڑے تو میں اسے ہرگز پسند نہ کروں گا۔ لوگوں نے کہا: کیوں؟ آپ نے جواب دیا: اگر آپ لوگ زندہ رہیں گے تو میری بات کی صداقت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ یہ بات میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ اگر عمر رضی اللہ عنہ کے بعد آنے والا خلیفہ نے آپ ہی کی طرح سخت مؤاخذہ کیا تو لوگ اس کی اطاعت نہیں کریں گے اور نہ اسے برداشت کریں گے اور اگر وہ کمزور پڑا تو لوگ اسے قتل کردیں گے۔ [5]

اہم دروس وعبر اور فوائد

۱: کافروں کے دلوں میں مومنوں کے خلاف عداوت وحسد کی آگ سے آگاہی:

کافروں کے دلوں میں مومنوں کے خلاف عداوت وحسد کی آگ ہمیشہ لگی رہتی ہے، اس کی واضح دلیل ابولؤلؤ مجوسی کے ہاتھوں عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت ہے۔ ہر دور اور ہر جگہ کفر اور کفار کی یہی فطرت رہی ہے۔ ان کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف بغض، حسد اور نفرت ہوتی ہے، ان کی روحیں مومنوں کو تکلیف پہنچانے اور

[1] العشرة المبشرون بالجنة، محمد صالح عوض، ص:٤٤.　[2] ایضًا

[3] محض الصواب: ۳/ ۸۵۵.

[4] الطبقات الكبرىٰ، ابن سعد: ۳/ ۲۸٤.

[5] البطقات الكبرىٰ: ۳/ ۲۸٤، العشرة المبشرون بالجنة، ص: ٤٤.

ہلاک و برباد کرنے کے لیے بے چین رہتی ہیں، ان کی بس ایک ہی خواہش ہوتی ہے کہ مسلمانوں سے ان کا مذہبی شعور چھین لیں اور انہیں اسلام سے کفر میں لوٹا دیں۔ ❶

اگر کوئی عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے واقعہ شہادت اور آپ کے قاتل بد بخت ابولؤلؤ کے حاقدانہ کردار کا بغور جائزہ لے تو دو اہم باتیں اس کے سامنے کھل کر آئیں گی جو اس کافر کے دل میں عمر رضی اللہ عنہ اور تمام مسلمانوں کے خلاف بغض، نفرت اور حسد کی طرف صاف صاف اشارہ کرتی ہیں:

ا: ابن سعد نے امام زہری تک بسند صحیح اپنی کتاب ''الطبقات الکبریٰ'' میں لکھا ہے۔ ❷ کہ ایک دن عمر رضی اللہ عنہ نے اس مجوسی سے کہا: میں نے سنا ہے کہ تم ایسی چکی بنانے کا دعویٰ کر رہے ہو جو ہوا سے چلے گی۔ مجوسی ترش رو ہو کر آپ کی طرف متوجہ ہوا اور کہا: میں آپ کے لیے ایسی چکی بناؤں گا جس کا چرچا ہر جگہ ہوگا۔ اس کی بات سن کر عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا: اس غلام نے مجھے دھمکی دی ہے۔

ب: جس وقت مجوسی نے عمر رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ کیا، اس وقت مزید تیرہ (۱۳) صحابہ پر بھی وار کیا، جن میں سے سات اسی وقت شہید ہو گئے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر حملہ کرنے کے بعد دو دھاری خنجر لے کر (ابولؤلؤ) مجوسی فرار ہوا، دائیں بائیں جو بھی ملتا اس پر وار کرتا رہا۔ یہاں تک کہ تیرہ (۱۳) لوگوں کو زخمی کر دیا، ان میں سات کی شہادت ہوگئی۔ ❸ پس بفرض محال (معاذ اللہ) مجوسی کے لیے مغیرہ رضی اللہ عنہ سے بروقت سفارش نہ کر کے عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر ظلم کیا تھا اور وہ ظالم تھے تو بقیہ تیرہ (۱۳) صحابہ کرام کا کیا قصور تھا، جن پر اس نے خنجر چلایا؟

بلا شبہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر کوئی ظلم نہ کیا تھا، صحیح بخاری میں ہے کہ جب عمر رضی اللہ عنہ پر حملہ ہوا تو آپ نے کہا: اے ابن عباس! دیکھو میرا قاتل کون ہے؟ وہ ادھر ادھر کچھ دیر گھومتے اور خبر لیتے رہے، پھر واپس لوٹے اور آپ کو بتایا کہ: مغیرہ کا غلام۔ آپ نے پوچھا: کیا وہی کاری گر۔ انہوں نے کہا: ہاں۔ آپ نے فرمایا: اللہ اس کو ہلاک کرے، میں نے اس کے ساتھ بھلائی کرنے کا حکم دیا تھا۔ شکر ہے اللہ تعالیٰ کا کہ اس نے کسی کلمہ گو کے ہاتھوں مجھے موت نہیں دی۔ ❹

اسی ابولؤلؤ مجوسی قاتل کے لیے اعدائے اسلام نے ایران میں گم نام فوجی کے طرز پر ایک یادگار مزار بنایا ہے، نجف کے عالم سید حسین موسوی لکھتے ہیں کہ ''ایران کے شہر کاشان میں، باغی فین کے علاقہ میں ایک گم نام فوجی کے طرز پر مزار پایا جاتا ہے، اس میں خلیفہ ثانی عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے قاتل ابولؤلؤ فیروز فارسی مجوسی کی وہمی قبر ہے، اس کو بابا شجاع الدین کا مزار کہا جاتا ہے۔ وہ لوگ ابولؤلؤ مجوسی کو بابا شجاع الدین کا لقب دیتے ہیں

---

❶ سیر الشہداء دروس و عبر، عبدالحمید السحسیبانی، ص:۳۶.

❷ الطبقات الکبریٰ: ۳/ ۳۴۵، اس کی سند صحیح ہے۔

❸ صحیح البخاری، فضائل الصحابۃ، حدیث نمبر: ۳۷۰۰. ❹ ایضًا

اس لیے کہ اس نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تھا۔ اس مزار کی دیواروں پر فارسی زبان میں لکھا ہوا ہے: ''مرگ بر ابوبکر، مرگ بر عمر، مرگ بر عثمان۔'' یہ مزار ایرانی شیعوں کی ایک اہم زیارت گاہ ہے۔ وہاں روپیوں پیسوں کے نذرانے چڑھائے جاتے ہیں، میں نے اس مزار کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ ایرانی وزارت مذہبی امور نے حکومتی خرچ پر اس میں تجدید و توسیع کی ہے۔ مزید برآں اس مزار کی تصویر پر ڈاک ٹکٹ جاری کیا ہے۔ [1]

۲: عاجزی وفروتنی اور خوف وخشیت الٰہی عمر رضی اللہ عنہ کا امتیازی وصف:

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دل پر خشیت الٰہی کا کتنا زبردست غلبہ تھا اس کا اندازہ آپ کے اس قول سے لگایا جا سکتا ہے جو آپ نے یہ معلوم ہونے کے بعد کہ آپ کا قاتل ابولؤلؤ مجوسی ہے، فرمایا:

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَجْعَلْ مَنِیَّتِیْ بِیَدِ رَجُلٍ یَدَّعِیْ الْاِسْلَامَ .)) [2]

''اللہ کا شکر ہے کہ جس نے میری موت ایسے آدمی کے ہاتھوں سے نہیں دی جو اسلام کا دعویٰ کر رہا ہو۔''

پس باوجود یہ کہ ہر قریبی و اجنبی، عربی اور عجمی آپ کے عدل و انصاف کا معترف تھا اور آپ خود عدل و انصاف کے لیے سب کچھ قربان کر دینے والے تھے، تاہم آخری دم تک آپ کو فکر دامن گیر تھی کہ کہیں مسلمانوں میں سے کسی پر کبھی میں نے ظلم نہ کیا ہو جس کا بدلہ آج اس نے میرے قتل کے ذریعہ سے لیا ہو اور وہ قیامت کے دن بھی اللہ کے سامنے مجھے رسوا کرے، جیسا کہ ابن شہاب زہری کی روایت ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَجْعَلْ قَاتِلِیْ یُحَاجُّنِیْ عِنْدَ اللّٰهِ بِسَجْدَةٍ سَجَدَهَا لَهٗ قَطُّ))

''اس اللہ واحد کا شکر ہے جس نے میرا قاتل کسی ایسے آدمی کو نہیں بنایا جس نے کبھی اس کے لیے سجدہ کیا ہو جو اپنے اس سجدہ کے ذریعہ سے بروز قیامت اللہ کے سامنے میرے خلاف حجت قائم کرے گا۔''

اور مبارک بن فضالہ کی روایت ہے کہ وہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ کے ذریعہ سے میرے خلاف حجت قائم کرے۔ [3]

یہ ہے ایک ربانی امام کی خشیت الٰہی اور انکساری کی تعجب خیز داستان کہ جس سے داعیان اسلام و مصلحین امت کو سبق سیکھنا چاہیے۔ تواضع و انکساری ہی ان کے تعارف کی سب سے بڑی علامت ہو، تاکہ ان کے کردار وعمل سے اللہ تعالیٰ دوسروں کو فائدہ پہنچائے، جیسا کہ عمر رضی اللہ عنہ کی ذات سے دوسروں کو فائدہ پہنچا اور سب کی زبان پر یہی جاری رہنا چاہیے کہ:

---

[1] لله، ثم للتاریخ، کشف الاسرار و تبرئة الأئمة الأطهار، ص:۹٤ .

[2] صحیح البخاری، فضائل الصحابه، حدیث نمبر:۳۷۰۰ .

[3] سیر الشهداء، دروس و عبر ص: ٤٠ .

واحسرتی واشقوتی
من یوم نشر کتابیه

''ہائے افسوس! ہائے میری بدبختی! جس دن ہمارا نامہ اعمال کھولا جائے گا۔''

واطول حزنی إن أکن
أوتیته بشمالیه

''ہائے میرا طویل غم! اگر میرا نامہ اعمال میرے بائیں ہاتھ میں دیا گیا۔''

وإذا سئلت عن الخطا
ماذا یکون جوابیه

''جب میری غلطیوں اور گناہوں کا حساب و کتاب ہوگا تو میرا کیا جواب ہوگا؟''

واحر قلبی أن یکون
مع القلوب القاسیه

''ہائے افسوس! میرے دل کی تپش، مبادا وہ سخت دلوں کے ساتھ نہ ہو۔''

کلا ولا قدمت لی
عملا لیوم حسابیه

''ہرگز نہیں (کہیں ایسا تو نہیں کہ) روز جزا کے لیے میں نے کچھ نہیں کیا۔''

بل إننی لشقاوتی
وقساوتی وعذابیه

بارزت بالزلات فی
أیام دهر خالیة

''بلکہ میں نے اپنی بدبختی، سنگ دلی اور خود کو عذاب کے حوالے کرنے کے لیے گذشتہ ایام اور عیش و مستی کے دنوں میں میں نے کھلے عام غلطیاں کیں۔''

من لیس یخفی عنه من
قبح المعاصی خافیه [1]

''اس ہستی کے سامنے جس کی نظروں سے کوئی بھی گناہ اور لغزش پوشیدہ نہیں ہے۔''

---

[1] الرقائق، محمد أحمد الراشد، ص:۱۲۱، ۱۲۲ .

۳: سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی تواضع اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا ایثار:

الف: عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی عظیم تواضع:...... واقعۂ شہادت میں آپ کی تواضع کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ آپ نے جان کنی کے وقت اپنے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ سے کہا: ام المومنین عائشہ کے پاس جاؤ اور کہو: عمر آپ کو سلام کہتا ہے، یہ نہ کہنا کہ امیر المومنین آپ کو سلام کہتے ہیں، اس لیے کہ اس وقت میں مومنوں کا امیر نہیں ہوں۔ ❶

اسی طرح جب عائشہ رضی اللہ عنہا نے عمر رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھیوں کے ساتھ دفن ہونے کی اجازت دے دی تو آپ نے اپنے بیٹے سے کہا: جب میں مر جاؤں تو مجھے اٹھا کر لے چلنا، پھر (باہر سے) ان (عائشہ رضی اللہ عنہا) کو میرا سلام کہنا اور کہنا کہ عمر بن خطاب اجازت مانگ رہا ہے۔ اگر وہ اجازت دے دیں تو مجھے حجرۂ نبویہ میں قبر میں اتارنا، ورنہ مسلمانوں کے قبرستان میں مجھے دفن کر دینا۔ ❷ اللہ کی کروڑ بار رحمتیں نازل ہوں عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر۔ اللہ ہمیں انہیں جیسا اخلاق وکردار اور تواضع عطا فرمائے اور اپنے متقی ومتواضع بندوں کو جس اجر وثواب سے نوازے گا اس سے بہتر اجر وثواب سے انہیں نواز دے۔ ”اِنَّ رَبِّی قَرِیۡبٌ مُّجِیۡبٌ“❸

ب: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا ایثار عظیم:...... سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ایثار عظیم کی دلیل یہ ہے کہ ان کی دلی تمنا تھی کہ اپنے شوہر نبی ﷺ کے پہلو اور اپنے والد محترم کے پاس دفن ہوں، لیکن جب عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے لیے التجا کی تو آپ نے انہیں اجازت دے دی اور اپنی ذات پر ان کو ترجیح دی اور کہا: میں اسے اپنے لیے چاہتی تھی لیکن آج میں عمر کے مطالبہ کو اپنی ذات پر ترجیح دیتی ہوں۔ ❹

۴: بستر مرگ پر بھی بھلائی کا حکم دیتے اور برائیوں سے روکتے رہے:

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ موت کے آلام وشدائد کو جھیلتے ہوئے بھی فریضہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے غافل نہ ہوئے۔ جب آپ پر حملہ ہوا تو آپ کی تعزیت میں اور آپ کو تسلی دینے کے لیے ایک نوجوان آپ کے پاس آیا اور کہا: اے امیر المومنین! بشارت قبول فرمایے، آپ نے رسول اللہ ﷺ کی صحبت پائی، پہلے اسلام لائے، پھر آپ حاکم بنائے گئے تو عدل وانصاف سے کام لیا اور اب شہادت کی موت مر رہے ہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر کہا: میں چاہتا ہوں کہ برابر برابر چھوٹ جاؤں، نہ مجھ پر کسی کا حق نکلے نہ میرا کسی پر۔ پھر وہ نوجوان واپس جانے لگا تو آپ نے دیکھا کہ اس کی ازار زمین پر گھسٹ رہی ہے۔ آپ نے کہا: اس نوجوان کو میرے پاس بلاؤ، وہ آیا تو آپ نے کہا: اے میرے عزیز! اپنی ازار اوپر کر لو، اس سے تمہارا کپڑا صاف اور تمہارا رب خوش رہے گا۔ ❺ اس

---

❶ صحیح البخاری مع الفتح، فضائل الصحابة، حدیث نمبر ۳۷۰۰. ❷ ایضًا

❷ سیر الشهداء، ص:۴۱.

❸ صحیح البخاری، فضائل الصحابة، حدیث نمبر ۳۷۰۰. ❹ ایضًا

طرح عالم موت میں بھی آپ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کیا۔ اسی لیے عمر بن شبہ کی روایت کے مطابق ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تعالیٰ عمر پر رحمت نازل کرے، عالم نزع میں بھی آپ حق بات کہنے سے غافل نہ ہوئے۔ ❶

اسی طرح زندگی کے آخری لمحات میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر خصوصی توجہ دینے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ جب آپ کی صاحبزادی حفصہ رضی اللہ عنہا آپ کی زیارت کو آئیں تو کہنے لگیں: ہائے رسول اللہ ﷺ کے ساتھی، ہائے رسول اللہ ﷺ کے خسر، ہائے امیرالمومنین۔ عمر رضی اللہ عنہ کو یہ سن کر برداشت نہ ہوا اور اپنے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ سے کہا: اے عبداللہ! مجھے بٹھاؤ، میں جو کچھ سن رہا ہوں، اب اس سے زیادہ برداشت نہیں کر سکتا۔ انہوں نے عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے سینے سے ٹیک دے کر بٹھا دیا۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ نے حفصہ رضی اللہ عنہا سے کہا: سن لو! اگر اب اس کے بعد تم نے میری خوبیوں کا ذکر کر کے نوحہ کیا تو اپنی وراثت سے تمہیں تمہارا مالی حق نہیں دوں گا۔ رہیں تمہاری آنکھیں تو میں انہیں آنسو بہانے سے نہیں روک پاؤں گا۔ ❷

اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ جب عمر رضی اللہ عنہ پر حملہ ہوا تو خبر ملتے ہی اُمّ المؤمنین حفصہ رضی اللہ عنہا چیخنے لگیں، عمر رضی اللہ عنہ نے فوراً حفصہ رضی اللہ عنہا کو مخاطب کر کے کہا: اے حفصہ! کیا تم نے رسول اللہ ﷺ کا فرمان نہیں سنا:

((اِنَّ الْمُعَوَّلَ عَلَیْهِ یُعَذَّبُ .))

''جس کی موت پر نوحہ کیا گیا وہ عذاب دیا جائے گا۔''

پھر صہیب رضی اللہ عنہ آئے اور روتے ہوئے کہا: ہائے عمر! آپ نے کہا: اے صہیب تیرا برا ہو، کیا تجھے یہ حدیث نہیں پہنچی: ''جس کی موت پر نوحہ کیا گیا وہ عذاب دیا جائے گا۔'' ❸

حق پر ثابت قدمی کی ایک زندہ مثال یہ دیکھیے کہ جب آپ پر حملہ ہوا اور آپ خون میں لت پت تھے، کسی نے کہا: عبداللہ بن عمر (اپنے بیٹے) کو خلیفہ بنا دیجیے آپ نے فرمایا: تو چاپلوسی کرتا ہے، اللہ کی رضا کے لیے تو نے یہ بات نہیں کہی۔ ❹

۵: منہ پر تعریف کرنے کا جواز بشرطیکہ موصوف کے فتنے میں واقع ہونے کا اندیشہ نہ ہو:

عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایسا ہی کچھ ہوا، چند صحابہ جنہیں یقین تھا کہ منہ پر تعریف کرنے سے عمر رضی اللہ عنہ فتنہ میں نہیں پڑیں گے، انہوں نے آ کر سامنے آپ کی تعریف کی، علماء میں عالم ربانی اور فقہائے اسلام میں بہت

---

❶ فتح الباری: ۷/ ٦٥، سیر الشهداء، ص: ٤٤ .

❷ مناقب أمیرالمومنین، ص: ۲۳۰، الحسبة، د/ فضل إلٰهی، ص: ۲۷ .

❸ صحیح مسلم، کتاب الجنائز: ۲۱/ ۹۲۷۔ مسند أحمد: ۱/ ۳۹ .

❹ سیر الشهدء، ص: ٤٣ .

بڑے فقیہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب سارے مسلمان مکہ میں ڈرے سہمے رہتے تھے تو کیا اس وقت اللہ کے رسول ﷺ نے آپ کے حق میں یہ دعا نہیں کی تھی کہ اللہ آپ کے ذریعہ سے دین اسلام اور مسلمانوں کو غالب کر دے؟ اور ایسا ہی ہوا کہ جب آپ اسلام لائے تو آپ کا اسلام معزز رہا اور مذہب اسلام کا غلبہ ہوا،...... اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعہ سے تمام مسلمانوں کے گھروں میں ان کے دین کو وسعت دی، روزیوں میں برکت دی اور اب آپ کی موت شہادت پر کر رہا ہے، پس قابل مبارک باد اور خوش قسمت ہیں آپ! ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ سب کچھ کہا، لیکن عمر رضی اللہ عنہ کے دل پر اس کا کچھ بھی اثر نہ ہوا اور نہ آپ خوش ہوئے، بلکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کو یہ کہتے ہوئے جواب دیا کہ ''بے شک جسے تم لوگ دھوکا دے دو وہ دھوکا میں پڑ گیا۔''❶

٦: عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے واقعہ شہادت کے بارے میں کعب احبار کے موقف کی حقیقت:

کعب احبار سے مراد کعب بن ماتع حمیری ہیں، ان کی کنیت ابو اسحق ہے، کعب احبار کے نام سے شہرت پائی ہے، نبی ﷺ کا زمانہ پایا ہے، اس وقت بڑے ہو چکے تھے، ١٢ ہجری میں عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اسلام لائے۔❷ اسلام لانے سے پہلے یمن کے ممتاز علمائے یہود میں سے تھے، اسلام لانے کے بعد صحابہ کرام سے کتاب وسنت کی تعلیمات سیکھیں، صحابہ اور دوسرے لوگوں نے ان سے امت محمدیہ سے پہلے کی امتوں کے بارے میں معلومات حاصل کیں، آپ شام چلے گئے تھے، حمص میں مقیم رہے اور وہیں وفات ہوئی۔❸

امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے قتل کی سازش میں کعب احبار کو بھی متہم کیا گیا ہے، چنانچہ طبری نے مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ایک روایت نقل کی ہے، جس میں عمر رضی اللہ عنہ کے قتل کی سازش میں ان کی شرکت کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ اس روایت میں ہے کہ: ''پھر عمر رضی اللہ عنہ لوٹ کر اپنے گھر آئے، دوسرے دن صبح ہوئی تو ان کے پاس کعب احبار آئے اور کہنے لگے: اے امیر المومنین! میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آئندہ تین دنوں میں آپ مر جائیں گے۔ آپ نے پوچھا: تمہیں کیسے معلوم ہے؟ انہوں نے کہا: میں نے اللہ کی کتاب تورات میں اسے پڑھا ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا یقیناً تم تورات میں عمر بن خطاب کا ذکر پاتے ہو؟ انہوں نے کہا: نہیں، بلکہ آپ کے اوصاف اور جسمانی حلیہ کو میں نے پڑھا ہے اور اس حساب سے اب آپ کی عمر ختم ہو رہی ہے۔ راوی کہتا ہے کہ یہ سن کر عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو نہ کوئی تکلیف ہوئی اور نہ کوئی غم۔ دوسرے دن پھر صبح کے وقت کعب احبار آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے: اے امیر المومنین! ایک دن تو ختم ہو چکا، اب صرف ایک دن اور ایک رات باقی ہے اور یہ رات بھی صرف صبح تک آپ کا ساتھ دے گی۔ راوی کا کہنا ہے کہ: تیسرے دن جب صبح ہوئی تو

❶ سیر الشہداء، دروس و عبر، ص:٤٥ .

❷ جولة تاريخية فی عصر الخلفاء الراشدين، محمد السيد الوكيل: ٢٩٤ .

❸ سير أعلام النبلاء: ٣/ ٤٨٩ـ ٤٩٤ .

آپ نماز فجر کے لیے نکلے، آپ کی عادت تھی کہ نماز شروع ہونے سے پہلے کچھ لوگوں کو صفیں درست کرنے کے لیے مکلّف کر رکھا تھا اور جب صف برابر ہو جاتی تو آپ آتے اور اللہ اکبر کہہ کر نماز شروع کرتے۔ چنانچہ آج بھی ایسا ہی کیا، (نماز شروع ہوئی تو) ابولؤلؤ مجوسی لوگوں میں گھس گیا، اس کے ہاتھ میں ایک خنجر تھا اس کے دوسرے تھے، پکڑنے کی جگہ درمیان میں بنائی گئی تھی۔ اسی خنجر سے اس نے عمر رضی اللہ عنہ پر چھ وار کیے۔ ایک ضرب تو زیر ناف لگی اور وہ اتنی کاری تھی کہ وہی جان لیوا ثابت ہوئی۔ ❶

اس روایت کو سامنے رکھتے ہوئے بعض جدید مفکرین نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قتل کی سازش میں کعب احبار برابر کے شریک تھے، مثلاً ڈاکٹر جمیل عبداللہ مصری نے اپنی کتاب ''اثر اهل الكتاب في الفتن والحروب الأهلية في القرن الأول الهجري'' میں، اسی طرح عبدالوہاب نجار نے ''الخلفاء الراشدون'' میں اور غازی محمد فریج نے اپنی کتاب ''النشاط السري اليهودي في الفكر والممارسة'' میں یہی بات لکھی ہے۔ ❷ لیکن ڈاکٹر احمد بن عبداللہ بن ابراہیم الزغیبی نے کعب احبار کی طرف منسوب کی جانے والی اس تہمت کا ردّ کیا ہے، فرماتے ہیں کہ: اس پیچیدہ واقعہ کے بارے میں میرا خیال یہ ہے کہ اس باب میں کعب احبار سے متعلق جو روایت امام طبری نے نقل کی ہے وہ کئی اسباب و وجوہ کی بنا پر صحیح نہیں ہے۔ ان میں چند اہم وجوہات یہ ہیں:

ا: اگر یہ واقعہ صحیح ہوتا تو عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ توقع کرنا بالکل بجا ہے کہ آپ صرف کعب کی بات پر اکتفا نہ کرتے بلکہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جیسے دوسرے لوگ جنہوں نے یہودیت چھوڑ کر اسلام قبول کیا تھا اور انہیں تورات کا بہترین علم تھا، آپ ان لوگوں کو اکٹھا کرتے اور اس واقعہ کے بارے میں ان سے پوچھتے، پھر حقیقت سامنے آنے کے بعد کعب رحمہ اللہ کی بے عزتی ہوتی، لوگوں کی نگاہ میں وہ جھوٹے مانے جاتے اور عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے بھی یہ بات واضح ہو جاتی کہ آپ کے قتل کی جو سازش کی گئی ہے کعب بھی اس میں شریک ہیں یا کم از کم انہیں اس کا علم ضرور ہے اور اس وقت عمر رضی اللہ عنہ بھی مختلف وسائل و ذرائع سے حقیقت کا پتہ چلاتے، سازش کرنے والوں کو سخت سزا دیتے، ان میں کعب کو بھی سزا ملتی۔ ایسے واقعہ میں ہر حال میں یہی توقع ہے چہ جائے کہ عمر رضی اللہ عنہ کی بات ہو، جو کمال دانائی، ذہن کی سرعت اور حقائق کی تہ تک پہنچنے میں کافی شہرت یافتہ تھے، لیکن ایسا کچھ بھی نہ ہوا، جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ واقعہ سراسر من گھڑت ہے۔ ❸

ب: اگر اس واقعہ کا ذکر تورات میں آیا ہوتا تو صرف کعب رحمہ اللہ ہی کو اس کا علم نہ ہوتا، بلکہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جیسے جن لوگوں کو بھی تورات کی معلومات تھیں وہ سب اسے جانتے۔ ❹

---

❶ تاريخ الطبرى: ٥/ ١٨٢ ، ١٨٣ . ❷ العنصرية اليهودية وآثارها فى المجتمع الإسلامى: ٢/ ٥١٨ ، ٥١٩ .
❸ الحديث والمحدثون ، أوعناية الأمة الإسلامية بالسنة ، محمد أبو زهو ، ص:١٨٢ . ❹ ايضًا ، ص:١٨٣ .

ج: اگر اس واقعہ کو صحیح مان لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ کعب اس سازش میں برابر کے شریک تھے اور اپنی ہی سازش کو خود عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے بیان کر دیا۔ حالانکہ یہ بات عقل اور واقع کے بالکل خلاف ہے، جو شخص کسی حادثہ کی سازش میں شریک ہوتا ہے وہ حادثہ پیش آ جانے کے بعد بھی اسے مکمل طور پر پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ حادثہ کار کے برے انجام سے خود کو محفوظ رکھ سکے۔ گویا حادثہ پیش آنے سے پہلے کسی سازش کا راز فاش کر دینا عقل مند کا نہیں بلکہ حد درجہ بے وقوف اور مغفل انسان کا کام ہے اور کعب ایسے نہ تھے، ان کی ذکاوت اور فہم وفراست بھی لوگوں میں مسلم تھی۔ [1]

د: تورات شریعتِ الٰہی کی کتاب ہے، لوگوں کی عمر کی تحدید سے اس کا کیا تعلق؟ اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے جو بھی کتابیں نازل فرمائیں ان کا مقصد لوگوں کو ہدایت یاب کرنا تھا، اس قسم کی واہی تباہی خبریں بیان کرنا نہیں۔ [2]

و: تورات اب بھی ہمارے درمیان موجود ہے، لیکن اس میں ایسا کوئی واقعہ قطعاً نہیں ہے۔ [3]

مذکورہ بالا چار اعتراضات کو ذکر کرنے کے بعد شیخ محمد ابو زہو فرماتے ہیں:

''ان تمام وجوہات پر غور کرنے کے بعد ہمارے سامنے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ واقعہ بالکل جھوٹا ہے، اس کے جھوٹ ہونے میں ذرہ برابر شک نہیں ہے اور کعب پر یہ تہمت لگانا کہ انہوں نے عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں اسلام کے ساتھ غداری کی، یا تورات کی طرف غلط بات منسوب کرنا یہ سب جھوٹی تہمتیں ہیں ان کی کوئی دلیل اور سند نہیں ہے۔'' [4]

ڈاکٹر محمد حسین ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''اس واقعہ کو ابن جریر طبری کا نقل کرنا اس کی صحت کی دلیل نہیں ہے، اس لیے کہ ابن جریر کے بارے میں ہر ذی علم یہ جانتا ہے کہ تمام روایات کے نقل کرنے میں وہ صحت کا التزام نہیں کرتے، اگر ان کی تفسیر کا تحقیقی مطالعہ کریں گے تو ایسی بہت سی باتیں ملیں گی جو صحیح نہیں ہیں۔ [5] یہی حال ان کی تاریخی روایات کا بھی ہے۔ تمام واقعات کے بارے میں یہ بات قطعی طور سے نہیں کہی جا سکتی کہ صحیح ہیں یا غلط، صرف طبری ہی نہیں، بلکہ تمام تاریخی کتابوں میں جو روایات منقول ہیں [6] ان کے بارے میں کسی کا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ اس میں ساری روایات صحیح اور ثابت ہیں۔ [7]

[1] الحديث والمحدثون، أوعناية الأمة الإسلامية بالسنة، محمد أبو زهو، ص:۱۸۲ .
[2] العنصرية اليهودية: ۲/ ۵۲۴ .
[3] العنصرية اليهودية: ۲/ ۵۲۴ . [4] الحديث والمحدثون، ص:۱۸۳ .
[5] العنصرية اليهودية: ۲/ ۵۲۵ . [6] العنصرية اليهودية: ۲/ ۵۲۵ .
[7] الاسرائيليات فی التفسير والحديث، ص:۹۹ .

پھر گفتگو جاری رکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

''کعب احبار کی دینداری، اخلاق و کردار، امانت و صداقت اور عموماً صحیح روایات کا اہتمام کرنے والوں کی طرف سے ان کی توثیق کی بنیاد پر ہم یہ بات یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں [1] کہ اس واقعہ کی ان کی طرف نسبت سراسر غلط ہے اور ہم انہیں عمر رضی اللہ عنہ کے قتل کی سازش یا سازش کرنے والوں کی جانکاری سے بالکل بری مانتے ہیں۔ اسی طرح ہم انہیں کذب و افترا پردازی سے پاک و صاف سمجھتے ہیں کہ انہوں نے اپنی بات کو مستند بنانے کے لیے تورات کے حوالے کا ڈھونگ رچایا ہوگا یا اسے اسرائیلی روایت کے قالب میں ڈھالا ہوگا۔ [2] اس مسئلہ میں کعب مظلوم ہیں، انہیں ہم ثقہ اور دیانت دار سمجھتے ہیں، آپ ایک عالم تھے، آپ کے نام کا غلط استعمال ہوا ہے اور آپ کی طرف ایسی روایات منسوب کر دی گئی ہیں جو سراسر خرافات اور جھوٹ ہیں، اعدائے اسلام انہیں عوام میں رواج دینا چاہتے ہیں اور نرے گنوار و جاہل لوگ انہیں قبول بھی کر لیتے ہیں۔'' [3]

ڈاکٹر محمد سید الوکیل لکھتے ہیں: اس واقعہ کی صداقت معلوم کرنے کے لیے ایک محقق کو سب سے پہلے عبیداللہ بن عمر کے موقف پر نگاہ ڈالنی چاہیے کہ ابھی انہوں نے اپنے باپ پر قاتلانہ حملہ کی تفصیلی خبر سنی ہی تھی کہ غصہ سے تلوار اٹھالی اور جنگی شیر کی طرح بپھر گئے، ہرمزان، جفینہ اور ابولؤلؤ کی چھوٹی بچی کو موت کے گھاٹ اتار دیا، آپ کا کیا خیال ہے کیا وہ ابولؤلؤ کی چھوٹی بچی کو قتل کر دیں گے اور کعب احبار کو جو مکمل شک و شبہ کے دائرے میں ہوں انہیں چھوڑ دیں گے؟ یقیناً اگر کوئی محقق اس واقعہ کی علمی تحقیق کرے گا تو یہ بات ماننے کے لیے ہرگز تیار نہ ہوگا۔ مزید برآں ایک بات اور بھی قابل توجہ ہے کہ جمہور مؤرخین نے اس واقعہ کو اپنی تاریخ میں جگہ دینا تو درکنار اس کی طرف اشارہ بھی نہیں کیا۔ چنانچہ ابن سعد نے الطبقات الکبریٰ میں پورا واقعہ تفصیل سے اور کافی دقت سے لکھا ہے، لیکن اس واقعہ کی طرف اشارہ تک نہیں کیا، کعب احبار کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جو بات لکھی ہے وہ یہ کہ کعب، عمر رضی اللہ عنہ کے گھر کے دروازے کے پاس کھڑے رو رہے تھے اور کہہ رہے تھے: اللہ کی قسم اگر امیر المومنین دل کی گہرائیوں سے اپنی موت کی تاخیر کے لیے اللہ سے دعا کرتے تو اللہ تعالیٰ موت مؤخر کر دیتا۔ [4] آپ کے قریب اس وقت گئے جب طبیب نے بتا دیا کہ اب آپ کی موت بالکل قریب ہے۔ آپ نے اس وقت کہا: کیا میں کہتا نہیں تھا کہ آپ شہادت کی موت مریں گے اور آپ کہتے تھے کہ بھلا جزیرہ عرب میں رہ کر یہ کہاں ممکن ہے۔ [5]

ابن سعد کے بعد، ابن عبدالبر نے الاستیعاب میں شہادت کا پورا واقعہ لکھا ہے، لیکن اس میں کعب احبار کے

---

[1] الإسرائیلیات فی التفسیر والحدیث، ص: ۹۶. [2] ایضًا، ص: ۹۹. [3] ایضًا، ص: ۹۹.
[4] الطبقات الکبریٰ: ۳/ ۳۶۱. [5] الطبقات الکبریٰ: ۳/ ۳۴۰.

اس واقعہ کو کہیں نہیں ذکر کیا۔❶ رہے حافظ ابن کثیر تو ان کا کہنا ہے کہ ابولؤلؤ نے منگل کی شام دھمکی دی تھی اور ۲۶ ذی الحجہ بدھ کی صبح اس نے حملہ کیا۔❷ گویا ابولؤلؤ کی دھمکی اور اس کی قاتلانہ کارروائی کے درمیان چند محدود گھڑیوں کا فاصلہ تھا، لہٰذا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کعب احبار عمر رضی اللہ عنہ کے پاس کیسے اور کب گئے؟ اور جا کر کہا کہ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آئندہ تین دنوں میں آپ مر جائیں گے۔ پھر کہتے ہیں کہ آج ایک دن گزر گیا، صرف دو دن اور باقی ہیں۔ پھر کہا: آج دو دن گزر گئے اب ایک دن اور ایک رات باقی ہے۔ اگر دھمکی شام کو دی اور صبح قاتلانہ کارروائی کر بیٹھا تو کعب کو یہ تین دن کہاں سے مل گئے؟ اس کے بعد سلسلہ وار متاخرین نے مثلاً سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں، عصامی نے "سمط النجوم العوالی" میں، شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ اوران کے صاحبزادے عبداللہ نے "مختصر سیرۃ الرسول" میں اور حسن ابراہیم حسن نے "تاریخ الإسلام السیاسی" میں عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے واقعہ شہادت کو ذکر کیا ہے لیکن کسی نے دور و نزدیک کسی اعتبار سے بھی کعب کا واقعہ نہیں چھیڑا۔ اگر اس کو جھوٹ تسلیم نہ کریں تو کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ محققین کے نزدیک اس واقعہ کا ذکر قطعاً اطمینان بخش نہیں ہے اور بعض لوگوں نے کعب کے خلاف لوگوں کے دلوں میں نفرت ڈالنے کے لیے یہ سازش کی ہے۔ یہی بات زیادہ سمجھ میں آتی ہے اور اسی پر دل کو اطمینان بھی حاصل ہوتا ہے۔ خاص طور سے اس لیے کہ وہ بہترین مسلمانوں میں سے تھے اور بہت سارے صحابہ کی نگاہوں میں ان کو بہت بڑا اعتماد حاصل تھا، یہاں تک کہ بعض صحابہ نے ان سے رسول اللہ ﷺ کی حدیث روایت کی ہے۔❸

۷: صحابہ اور اسلام کی طرف سے مدح و منقبت اور تعزیتی کلمات:

۱: سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی تدفین کے بعد عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کی تعلیم و تکریم کا اتنا اہتمام کیا کہ انہی کے بقول:

"میں اپنے حجرہ میں، جس میں رسول اللہ ﷺ اور میرے والد مدفون ہیں (بغیر کسی پردہ کے) داخل ہوتی تھی، لیکن جب وہاں ان دونوں کے ساتھ عمر رضی اللہ عنہ بھی مدفون ہوگئے تو اللہ کی قسم! میں جب بھی داخل ہوئی سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے لحاظ میں پردے ہی سے داخل ہوئی۔"❹

اور قاسم بن محمد رحمہ اللہ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا:

"جس نے ابن خطاب کو دیکھ لیا اسے معلوم ہے کہ وہ اسلام کو تقویت دینے کے لیے پیدا کیے گئے تھے، اللہ کی قسم! آپ بے حد واقف کار تھے، علم و ہنر میں یگانہ روزگار تھے، ہر فن و ضرورت کے مطابق افراد کو تیار کر دیا تھا۔"❺

❶ جولة عصر الخلفاء الراشدين، ص: ۲۹۶ .
❷ البداية والنهاية: ۷/ ۱۳۷ .
❸ جولة فی عصر الخلفاء الراشدين، ص: ۲۹۶ .
❹ محض الصواب: ۳/ ۸۵۲ .
❺ محض الصواب: ۳/ ۸۵۳ . اس کی سند کے تمام راوی ثقہ ہیں، صرف عبدالواحد بن ابی عوف ایسے صدوق ہیں جو کبھی کبھی غلطی کرتے ہیں۔

عروہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا:

''جب تم عمر رضی اللہ عنہ کا ذکر چھیڑتے ہو تو مجلس میں تازگی آ جاتی ہے۔'' ❶

ب: سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ عمر رضی اللہ عنہ کی وفات پر رو رہے تھے، لوگوں نے پوچھا: کیوں روتے ہو؟ انہوں نے کہا: اسلام کے نقصان پر۔ بے شک عمر رضی اللہ عنہ کی موت سے اسلام کی عمارت میں ایسا شگاف پڑ گیا ہے جو قیامت تک پر نہیں ہو سکتا۔ ❷

ت: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اگر عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا علم ترازو کے ایک پلڑے میں اور پوری روئے زمین والوں کا علم دوسرے پلڑے میں رکھ دیا جائے تو عمر رضی اللہ عنہ کا پلڑا بھاری ہو جائے گا۔ ❸

اور ایک مرتبہ کہا: میں سمجھتا ہوں کہ عمر کی موت سے علم کا ۹/۱۰ حصہ اس دنیا سے چلا گیا۔ ❹

اور فرمایا: ''عمر رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا نوید فتح، آپ کی ہجرت مسلمانوں کے لیے نصرت اور آپ کی حکومت خلق الٰہی کے لیے رحمت ثابت ہوئی۔'' ❺

ث: ابوطلحہ انصاری نے فرمایا کہ اہل عرب کا کوئی گھر ایسا نہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ کی موت سے اس کے دین و دنیا میں کمی نہ واقع ہوئی ہو۔ ❻

ج: حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اسلام کی مثال آگے بڑھنے والے کی طرح تھی جو مسلسل آگے ہی بڑھتا رہا، (عروج پر رہا) اور آپ کی شہادت کے بعد اس کی مثال پیچھے رہنے والے کی سی ہو گئی جو مسلسل پیچھے ہی ہوتا چلا گیا یعنی تنزلی کا شکار ہو گیا۔ ❼

ح: سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ ختم ہونے کے بعد عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے تو کہنے لگے: ''نماز جنازہ پڑھنے میں تو آپ لوگ مجھ سے سبقت لے گئے، لیکن آپ کی مدح و منقبت کرنے میں مجھ سے آگے نہیں نکل سکے۔ پھر کہا: اے عمر! تم کتنے بہترین مسلمان بھائی تھے، حق کے لیے بے مثال سخی اور باطل کے لیے بخیل، خوشی کے وقت خوش ہوتے تھے اور غضب کے وقت غضبناک، نہ بے جا تعریف کرتے تھے، نہ پیٹھ پیچھے کسی کو برا کہتے تھے، آپ پاک نظر و عالی ظرف تھے۔ ❽

---

❶ محض الصواب: ۳/ ۸۵۳ بحوالة مناقب أمير المؤمنين ، ص: ۲٤۹ .

❷ الطبقات الکبریٰ ، ابن سعد: ۳/ ۳۷۲ ، أنساب الإشراف الشيخان ، ص: ۳۸۷ .

❸ مصنف ابن أبي شيبة : ۱۲/ ۳۲ ، اس کی سند صحیح ہے۔

❹ المعجم الكبير ، الطبراني: ۹/ ۱۷۹ ، ۱۸۰ ، اس کی سند صحیح ہے۔

❺ معجم الكبير ، الطبراني: ۹/ ۱۷۸۔ اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں انقطاع ہے۔

❻ الطبقات الکبریٰ ، ابن سعد: ۳/ ۳۷٤ .

❼ الطبقات الکبریٰ ، ابن سعد: ۳/ ۳۷۳ ، اس کی سند صحیح ہے۔

❽ الطبقات الکبریٰ: ۳/ ۳٦۹ .

خ: سیّدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے کہ میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا پڑوسی تھا، میں نے ان سے بہتر کسی کو نہ دیکھا، آپ نے اپنی راتیں نماز کے لیے اور دن روزہ اور لوگوں کی ضروریات کی تکمیل کے لیے وقف کر دیے تھے۔ جب آپ کی وفات ہوگئی تو میں نے اللہ سے دعا کی کہ اے اللہ! مجھے عمر رضی اللہ عنہ کو خواب میں دکھا دے۔ چنانچہ میں نے خواب میں دیکھا کہ وہ مدینہ کے بازار سے جسم پر تلوار لٹکائے ہوئے واپس آرہے ہیں، میں نے انہیں سلام کیا اور انہوں نے میرے سلام کا جواب دیا۔ پھر میں نے ان سے خیریت پوچھی، تو آپ نے کہا: میں خیریت سے ہوں، میں نے پوچھا: آپ کو وہاں کیا ملا؟ انہوں نے کہا: اب جب کہ میں حساب دے چکا ہوں راحت میں ہوں، ورنہ اگر میرا رب رحیم نہ ہوتا تو میرا معاملہ الٹا ہونے والا تھا۔ [1]

د: معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

''نہ ابوبکر دنیا کے طلب گار ہوئے نہ دنیا ان کی طلب گار ہوئی۔ رہے عمر، تو ان کو دنیا نے چاہا لیکن انہوں نے اسے نہیں چاہا۔ اور رہے ہم (تو ہماری دنیا طلبی کا یہ حال ہے کہ) ہم دنیا میں دنیا کے لیے لوٹ پوٹ رہے ہیں۔'' [2]

ذ: ابن ابی حازم اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا کہ علی بن حسین رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک کیا مقام و مرتبہ تھا؟ انہوں نے کہا: جو مقام آج ہے، کہ وہ دونوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں بائیں مدفون ہیں۔ [3]

ر: شعبی سے روایت ہے کہ میں نے قبیصہ بن جابر کو فرماتے ہوئے سنا: میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہا ہوں۔ میں نے ان سے زیادہ قرآن کی تلاوت کرنے والا، دین کا علم و فہم رکھنے والا اور دینی مذاکرہ کرنے والا کسی کو نہیں دیکھا۔ [4]

ز: حسن بصری کا قول ہے کہ: اگر تم اپنی مجلس میں تازگی لانا چاہتے ہو تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عادات و خصائل اور کارناموں کا تذکرہ کرو۔ [5]

اور کہا: جس گھرانے میں عمر رضی اللہ عنہ کی کمی نہ محسوس کی گئی وہ گھرانہ برا گھرانہ ہے۔ [6]

س: علی بن عبداللہ بن عباس کا بیان ہے کہ: ایک مرتبہ میں سخت سردی کے دن عبدالملک بن مروان کے پاس

---

[1] تاریخ المدینۃ: ۳/ ۳٤۵ ، اس کی سند منقطع ہے۔ الحلیۃ: ۱/ ۵٤ .

[2] تاریخ الإسلام فی عہد الخلفاء الراشدین ، ذہبی ، ص: ۲٦۷ .

[3] محض الصواب: ۳/ ۹۰۸ .

[4] المعرفۃ والتاریخ ، فسوی: ۱/ ٤۵۷ ، اس کی سند میں مجالد بن سعد ایک راوی ہے، جس کا حافظہ آخری عمر میں کمزور ہوگیا تھا۔

[5] مناقب أمیرالمومنین ، ابن الجوزی ، ص: ۲۵۱ .

[6] الطبقات الکبریٰ ، ابن سعد: ۳/ ۳۷۲ .

گیا، دیکھا تو وہ ایک سائبان کے نیچے بیٹھے تھے، وہ نیچے سے سرخ و رو اون اور اوپر سے موٹا اون لگا ہوا تھا۔ اس کے اردگرد چار انگیٹھیاں جل رہی تھیں، [1] جب شدید سردی سے میرے دانتوں کے بجنے کی آواز سنی تو کہا: مجھے لگتا ہے کہ آج شدید سردی ہے۔ میں نے کہا: اللہ آپ کا بھلا کرے! شام والوں کو کیا معلوم کہ ان پر اس سے بھی زیادہ سخت سرد دن آ سکتا ہے۔ پھر دنیا کی چمک دمک کا ذکر کرتے ہوئے اس کی مذمت کی اور کہا: معاویہ یہاں چالیس سال رہے بیس سال امیر اور بیس سال خلیفہ بن کر رہے، واقعتاً ابن حنتمہ (یعنی عمر رضی اللہ عنہ) بہت زیرک اور دنیا کے کی سیاست سے واقف تھے۔ [2]

۸: عمر رضی اللہ عنہ کی مدح سرائی دور حاضر کے علماء و ادباء کی زبانی:

الف: ازہر یونیورسٹی مصر کے سابق شیخ الازہر ڈاکٹر محمد محمد الفحام کہتے ہیں: ''سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے کارنامے آپ کی سیاسی برتری کا لوہا منواتے ہیں، مختلف خدا داد صلاحیتوں اور ہمیشہ باقی رہنے والی بے مثال عبقریت کو نمایاں کرتے ہیں، جو آپ کی خلافت کی زندگی میں پیش آنے والے مشکلات و حوادث کی طرح ہماری زندگی کی مختلف مشکلات و حوادث سے نمٹنے میں ہمارے سامنے چراغ راہ بنتے ہیں۔'' [3]

ب: مصر کے ایک نامور ادیب عباس محمود عقاد کہتے ہیں: ''ناموران اسلام پر نقد و تبصرہ کے سلسلہ میں اس عظیم شخصیت (عمر فاروق) پر تنقید و تبصرہ کرنا میری زندگی کا مشکل ترین کام رہا ہے اور مزید خصوصیت یہ ہے کہ فرط تحقیق اور فرط اعجاب آپ کے خلاف یا آپ کے حق میں حکم لگانے میں ساتھ ساتھ رہتے ہیں۔ میری کتاب "عبقرية عمر" ان تاریخی کتابوں کے طرز پر عمر رضی اللہ عنہ کی سیرت اور آپ کے دور کی تاریخ کی کتاب نہیں ہے جس کا مقصد صرف واقعات و حوادث کو بیان کرنا ہوتا ہے، بلکہ یہ کتاب آپ کی صفت کی عکاس ہے۔ اس میں آپ کی حکومت کے مختلف مراحل پر تحقیقی تبصرہ ہے اور آپ کی عظمت و بڑائی کی خصوصیات اور نیز علم نفس، علم اخلاق اور زندگی کے حقائق میں ان خصوصیات سے استفادہ کرنے کا لائحہ عمل ہے۔

اس وقت ہم جس دور سے گزر رہے ہیں سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بالکل اسی جیسے دور کا آدمی شمار کیا جاتا ہے۔ اس لیے کہ آج بھی ظالمانہ قوت و اقتدار کی پوجا عام ہو چکی ہے اور کمزور عقیدہ کے بزدل لوگ یہ سمجھنے لگے ہیں کہ طاقت اور حق اکٹھے نہیں ہو سکتے، لہٰذا اگر ہم عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جیسے ایک عظیم اور طاقتور حاکم، قائد وسپہ سالار کو سمجھ لیں گے تو اس بنیاد پر ظالمانہ اقتدار وقوت کو توڑنے میں یقیناً کامیاب ہو جائیں گے۔ اس لیے کہ ہم نے ایک ایسی عظیم شخصیت کو سمجھا ہے جو بے حد طاقتور ہونے کے ساتھ مثالی عدل پرور اور بے انتہا

---

[1] محض الثواب، ص: ۳/ ۹۱۱ .

[2] محض الصواب: ۳/ ۹۱۱ ، مناقب امیر المومنین ، ص: ۲۵۲ .

[3] الإدارة فی الإسلام فی عهد عمر بن الخطاب ، ص: ۳۹۱ .

شفیق و مہربان تھی۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شخصیت کی معرفت موجودہ دور کی تباہی و بیماری کے لیے تریاق ہے کہ جس سے شفا کی آخری امید لگائے ہوئے ہر بیمار کو شفا مل سکتی ہے۔"[1]

ت: ڈاکٹر احمد شلبی کہتے ہیں: "سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی مدت خلافت میں جو نت نئے احوال و حوادث سے بھری ہوئی ہے، اجتہادی کارنامے آپ کی زندگی کے سب سے نمایاں پہلو ہیں۔ آپ نے دین کی حفاظت کی، جہاد کا پرچم بلند کیا، ممالک کو فتح کیا، عدل وانصاف کو رواج دیا، اسلامی تاریخ میں سب سے پہلے وزارت خزانہ کی بنیاد رکھی، ملکی دفاع اور سرحدوں کی حفاظت کے لیے منظّم فوجی نظام قائم کیا، فوج کی تنخواہیں مقرر کیں، وظائف جاری کیے، ہر شعبہ کے لیے رجسٹر تیار کرائے، گورنران، افسران اور قاضیوں کو عہدوں پر فائز کیا، زندگی کو بہتر اور ہموار بنانے کے لیے سکے جاری کیے، ڈاک کا نظام وضع کیا، محکمہ قائم کیا، ہجری تاریخ کی بنیادی ڈالی، مفتوحہ زمین کو ذمیوں کے ہاتھ میں باقی رکھا، اسلامی شہروں کی خاکہ بندی کی اور انہیں بسایا، لہٰذا حق کا تقاضا ہے کہ آپ کو امیر المومنین اور اسلامی سلطنت کا موسس کہا جائے۔"[2]

ث: علی علی منصور کا کہنا ہے کہ: "آج سے چودہ سو سال پہلے عدلیہ کے باب میں عمر رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے نام جو خطوط لکھے تھے وہ عدل وقضا اور منصفی کے محکموں کے لیے آج بھی دستور کی حیثیت رکھتے ہیں، وہ خطوط عدلیہ کی خودمختاری اور فوجداری کے قوانین کی کامل ترین شکل ہیں۔"[3]

ج: محمود شیت خطاب کا کہنا ہے: "اسلامی فتوحات کی وسعت کے اگرچہ کئی اسباب ہیں، لیکن ان میں اہم اور سرفہرست عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی منفرد اوصاف کی حامل قیادت کا حصہ ہے، جو آپ کے علاوہ پوری تاریخ میں نظر نہیں آتی اس کا وجود نادر ہے۔[4]

ح: ڈاکٹر صبحی محمصانی کا قول ہے کہ "خلیفہ راشد عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا دور ختم ہونے کے ساتھ ایک وسیع و مستحکم اسلامی سلطنت کے بانی کا دور ختم ہوجاتا ہے۔ آپ ایک فاتح قائد، باشعور و عالی ہمت امیر، ذمہ دار نگران، مہربان، نرم دل، انصاف پسند اور قوی حاکم تھے، آپ نے فرض منصبی کی ادائیگی اور سچائی و نیکی کی چوکھٹ پر خود کو قربان کردیا، اللہ کے برگزیدہ بندوں، صدیقین اور صالحین کی فہرست میں آپ نے بھی اپنا نام درج کروالیا، (ان شاء اللہ)۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا نام انسانی تہذیب وتمدن اور فقہ وبصیرت اور تمدن کی تاریخ میں ہمیشہ چمکتا ہوا باقی رہے گا۔"[5]

---

1. الإدارة فی الإسلام فی عهد عمر بن الخطاب، ص:۳۹۲ .
2. ایضًا، ص:۳۹۲، التاریخ الإسلامی: ۱/ ۶۰۹ .
3. الإدارة فی الاسلام فی عهد عمر بن الخطاب، ص:۳۹۲ .
4. ایضًا، ص: ۳۹۳ .
5. تراث الخلفاء الراشدین فی الفقه والقضاء، ص:٤٦، ٤٧ .

س: علی طنطاوی کہتے ہیں: ''عمر رضی اللہ عنہ کی سیرت وخصائص کے بارے میں جیسے جیسے میری معلومات میں اضافہ ہوتا گیا آپ کے ساتھ میری دلچسپی اور عقیدت بڑھتی گئی، میں نے مسلم اور غیر مسلم ہزاروں عظیم شخصیتوں کی سیرتوں کا مطالعہ کیا، تو دیکھا کہ کوئی فکر و دانائی میں بلند ہے، کوئی زبان و بیان میں، کسی کو اخلاقیات میں برتری حاصل ہے تو کسی کے نقوش و کارنامے سب سے اعلیٰ ہیں۔ گویا سب کی الگ الگ خصوصیات ہیں۔ لیکن جب میں نے عمر رضی اللہ عنہ کو پڑھا تو دیکھا کہ ہر چہار جانب سے ان پر عظمتوں کا تاج ہے۔ آپ بلندیٔ فکر کے حامل ہیں اور اخلاق و بیان کے بھی شہ سوار ہیں۔ اگر آپ نامور فقہائے امت وعلمائے اسلام کو شمار کرنا شروع کریں تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو سرفہرست پائیں گے، اگر خطباء و بلغاء کی فہرست دیکھیں تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا نام سب سے پہلے دیکھیں گے، اگر قانون دانی کے ماہروں، فوجی سپہ سالاروں کے ممتاز دانش وروں اور کامیاب حکمرانوں کے سرکردہ افراد کا ذکر چھیڑیں تو عمر رضی اللہ عنہ کو ہر گروہ میں پیش پیش اور ان کا امام پائیں گے اور اگر حکومت ومملکت آباد کرنے والے اور زمین میں اپنے آثار ونقوش چھوڑنے والے دنیا کے بڑے بڑے انسانوں کو تلاش کریں تو ان میں عمر رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر بلند مقام اور شرف وعظمت والا کوئی نظر نہ آئے گا۔ مزید برآں آپ اخلاق کے دھنی اور تواضع کے شاہکار تھے۔''[1]

۹: عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں بعض مستشرقین کے اقوال:

الف: ولیم میور اپنی کتاب ''الخلافہ'' میں لکھتا ہے: ''سادگی اور فرض منصبی کی ادائیگی عمر (رضی اللہ عنہ) کے اہم اصولوں میں شامل تھی، غیر جانبداری اور اخلاص آپ کی حکومت کی نمایاں خصوصیت تھی، آپ ذمہ داری کا پورا پورا لحاظ رکھتے تھے، عدل کا احساس ہمیشہ غالب رہتا تھا، افسران کے انتخاب میں کبھی بے جا طرف داری نہ کی، باوجود یہ کہ آپ اپنا درہ ہمیشہ ساتھ رکھتے اور مجرم کو بروقت سزا دیتے اور جس درہ کے بارے میں یہاں تک کہا گیا کہ دوسروں کی تلوار کے مقابلے میں عمر (رضی اللہ عنہ) کا درہ کافی ہوتا تھا، آپ نرم دل تھے، شفقت و مہربانی سے بھرپور آپ کے کارنامے رہے۔ اس کی مثال بیواؤں اور یتیموں پر آپ کی بے انتہا شفقت ہے۔''[2]

ب: برطانوی دائرۃ المعارف کی شہادت ہے کہ ''عمر (رضی اللہ عنہ) عقل مند اور دور اندیش حاکم تھے، آپ نے اسلام کے لیے بہت عظیم خدمات انجام دی ہیں۔''[3]

ت: واشنگٹن اِرونگ اپنی کتاب ''محمد اور ان کے خلفاء'' میں لکھتا ہے:

''عمر (رضی اللہ عنہ) کی اوّل تا آخر پوری زندگی اس بات کی دلیل ہے کہ آپ بڑی ذہنی صلاحیتوں کے

---

[1] أخبار عمر، ص: ٥.

[2]، [3] الفاروق عمر بن خطاب، محمد رشید، رضا، ص: ٥٤، ٥٥.

مالک تھے، استقامت وعدالت پر سختی سے کاربند تھے، آپ نے اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھی، نبی (ﷺ) کی تمناؤں کو پورا کیا اور مستحکم انداز میں انہیں نافذ کیا، ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کی مختصر سی مدت خلافت میں اپنے مشورہ اور نصیحتوں سے ان کی تائید کی اور اسلامی سلطنت کے زیر نگیں تمام مفتوحہ ممالک میں کامیاب اور پر حکمت نظام کے لیے نہایت مضبوط اصول وضع کیے، دور دراز ممالک میں فتح وغلبہ کے وقت اسلامی افواج کے محبوب نظر بڑے بڑے جرنیلوں اور قائدوں پر شفقت کا مضبوط ہاتھ رکھنا اور انہیں تمام تائیدات سے نوازنا آپ کی فرماں روائی کی معجزانہ صلاحیت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ آپ نے اپنی اخلاقی سادگی وتواضع کے اظہار، دنیوی چمک دمک اور عیش وعشرت کی تحقیر میں نبی (ﷺ) اور ابوبکر کو اپنے لیے نمونہ بنایا اور فاتح قائدین اور جرنیلوں کے نام خطوط لکھنے، نیز انہیں ہدایات وتعلیمات دینے میں انہیں دونوں کے نقش قدم پر چل کر دکھایا۔'' [1]

ج: ڈاکٹر مائیکل ہارٹ کا کہنا ہے کہ عمر (رضی اللہ عنہ) کے نقوش یقیناً اثر انداز ہونے والے ہیں۔ محمد (ﷺ) کے بعد اسلام کی نشر واشاعت میں آپ کی شخصیت کا اہم مرکزی کردار رہا۔ [2] آپ کی فتوحات کی تیز رفتاری کو اگر تسلیم نہ کیا جائے تو یہ شبہ ہوتا ہے کہ آج جتنے وسیع رقبہ میں اسلام موجود ہے اس حد تک اسلام کیسے پھیلا، جب کہ بیشتر علاقے جنہیں مسلمانوں نے فتح کیا تھا وہ آج بھی عرب ہیں اور ہم انہیں دیکھ سکتے ہیں۔ ایک بات جو بالکل واضح ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام کی نشر و اشاعت کے میدان میں محمد (ﷺ) ہی کا سب سے بڑا ہاتھ ہے، لیکن اس موقع پر اگر ہم عمر (رضی اللہ عنہ) کے دور حکومت اور ان کی زندہ قیادت سے چشم پوشی کرتے ہیں تو یہ ہماری صریح غلطی ہوگی۔'' [3]

الغرض خلیفہ راشد وعادل عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی وفات کو ذکر کرتے ہوئے گویا میں انسانی عظمت کی تاریخ کا ایک تابناک باب بند کر رہا ہوں، انسانی تاریخ نے آپ کو منفرد منہج کا منفرد آدمی شمار کیا ہے۔ آپ کی تگ و دو مال جمع کرنے کے لیے نہ تھی، شیطان کی چالیں آپ کو بہکا نہ سکیں، نہ ہی اقتدار کا نشہ آپ کو راہِ حق سے بھٹکا سکا اور نہ ہی اقرباء پروری وخاندان نوازی آپ کو ظالم بنانے میں کامیاب ہوئی، بلکہ آپ کی پوری کوشش یہ تھی کہ اسلام کو سر بلندی ملے اور سب سے بڑی تمنا یہ تھی کہ اسلامی شریعت کی قیادت ہو اور پوری رعایا عدل وانصاف کی نعمت سے مالا مال ہو۔ چنانچہ اللہ عزوجل کے فضل وکرم سے نہایت مختصر سی مدت میں یہ ساری چیزیں دیکھنے کو ملیں۔ [4]

---

[1] الفاروق عمر بن خطاب، محمد رشید، رضا، ص: ۵۵.

[2] ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مائل ہارٹ صاحب کو ابوبکر رضی اللہ عنہ کی سیرت سے اچھی طرح واقفیت نہیں ہے۔

[3] وفات نبوی کے بعد دور فاروقی ہی نہیں بلکہ دور صدیقی اور ان کی بیدار قیادت سے چشم پوشی کرنا بھی کھلی غلطی ہے۔

[4] جولة فی عصر الخلفاء الراشدین، ص:۲۹۷.

بابرکت و مہکتی ہوئی سیرت کا مطالعہ نئی نسل کے ایمانی قالب میں ان فاروقی عزائم کی روح پھونکتا ہے جو انسانی زندگی میں ماضی کے خوبصورت ایام کی شان وشوکت اور تازگی وخوشنمائی کو دوبارہ زندہ کرتے ہیں۔ آپ کی سیرت کا مطالعہ امت کے نوجوانوں کو راہنمائی کرتا ہے کہ اس دین کے آخری ایام اس وقت تک درست ہونے والے نہیں ہیں جب تک کہ ان اصولوں کو نہ زندہ کیا جائے جن کے ذریعہ اس دین کے اوائل ایام درست وکامیاب ہوتے تھے، آپ کی سیرت داعیان اسلام ومبلغین شریعت اور علمائے کرام کی مدد کرتی ہے کہ وہ خلافت راشدہ کے اصولوں کی پابندی کریں، اس کی منفرد ونمایاں خصوصیات، خلفائے راشدین کے اوصاف اور عالم انسانیت کو سدھارنے میں ان کے منہج کی معرفت حاصل کریں پھر یہی چیز امت مسلمہ کے لیے دوبارہ اس کی ماضی کی تہذیب واپس لانے میں معاون ثابت ہوگی۔

آخر میں اس کتاب کی تالیف سے فارغ ہوتے ہوئے میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ الٰہی میری اس حقیری سی کوشش کو شرف قبولیت عطا فرما اور اس سے استفادہ کرنے کے لیے اپنے بندوں کا سینہ کشادہ کردے اور اپنے احسان وکرم سے اس میں برکت عطا فرما، آمین

﴿مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَ مَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۲﴾ (فاطر: ۲)

’’اللہ تعالیٰ جو رحمت لوگوں کے لیے کھول دے سو اس کا کوئی بند کرنے والا نہیں اور جس کو بند کر دے سو اس کے بعد اس کا کوئی جاری کرنے والا نہیں، اور وہی غالب حکمت والا ہے۔‘‘

اللہ کے فضل وکرم اور جود وسخا کا صدق دل سے اعتراف کرتے ہوئے اس کے سامنے لرزاں دل وزبان سے دست بدعا ہوں، وہی احسان کرنے والا، عزت دینے والا، مددگار اور توفیق سے نوازنے والا ہے، ہر حال میں اس کا شکر گزار ہوں، اللہ کے اسمائے حسنیٰ اور اس کی صفات علیا کا واسطہ دے کر اللہ سے عرض کناں ہوں کہ اللہ مجھے اس عمل میں اپنی رضا کا طالب بنا، اسے اپنے بندوں کے لیے نفع بخش ثابت کر، ہر حرف کے بدلے مجھے بہتر بدلہ عطا فرما، اسے میری نیکیوں کے ترازو میں رکھنا اور اس حقیر کوشش کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں میرے جن احباب نے میری مدد کی ہے انہیں ثواب سے نواز دے، اپنے تمام قارئین بھائیوں سے بھی میری یہی درخواست ہے کہ اپنے اس بھائی کو اپنی نیک دعاؤں میں نہ بھولیں گے۔

﴿رَبِّ اَوْزِعْنِيْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْۤ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَ عَلٰى وَالِدَيَّ وَ اَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَ اَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۱۹﴾ (النمل: ۱۹)

”اے پروردگار! مجھے توفیق دے کہ میں تیری ان نعمتوں کا شکر بجالاؤں جو تو نے مجھ پر انعام کی ہیں اور میرے ماں باپ پر، اور میں ایسے نیک اعمال کرتا رہوں جن سے تو خوش رہے، مجھے اپنی رحمت سے نیک بندوں میں شامل لے۔“

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ أَشْهَدُ أَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ ، اَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوْبُ إِلَيْكَ
وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

خلیفۂ رسول ﷺ

سیّدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

شخصیّت اور کارنامے

پہلا باب

سیّدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ مکہ و مدینہ میں

(۱)

نام، نسب، کنیت، القاب، اوصاف، خاندان اور دور جاہلیت میں آپ کا مقام

ا۔ نام ونسب، کنیت اور القاب:

ا:......**نام و نسب**: عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبدمناف بن قصی بن کلاب۔ ❶ اس طرح عبدمناف پر آپ کا سلسلہ نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ نسب میں جا ملتا ہے۔ آپ کی والدہ اروی بنت کریز بن ربیعہ بن حبیب بن عبد شمس بن عبدمناف بن قصی ہیں۔ ❷

آپ کی نانی ام حکیم بیضاء بنت عبدالمطلب ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد عبداللہ کی سگی بہن تھیں، اور زبیر بن بکار کی روایت کے مطابق دونوں جڑواں پیدا ہوئے تھے۔ اس طرح عثمان رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بہن کے لڑکے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی والدہ کے ماموں زاد بھائی تھے۔ آپ کی والدہ نے اسلام قبول کیا اور آپ کی خلافت میں وفات پائی اور آپ ہی انہیں قبرستان لے گئے۔ ❸

آپ کے والد دور جاہلیت ہی میں وفات پا چکے تھے۔

۲:......**کنیت**: دور جاہلیت میں آپ کی کنیت ابوعمرو تھی، لیکن جب آپ کے زوجیت میں رقیہ بنت رسول اللہ آئیں اور ان کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام عبداللہ رکھا گیا اس وقت سے آپ نے ابوعبداللہ کی کنیت اختیار کی اور مسلمانوں نے اسی کنیت سے آپ کو یاد کرنا شروع کر دیا۔ ❹

۳:......**لقب**: عثمان رضی اللہ عنہ کو ذوالنورین کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا، علامہ بدرالدین عینی ❺ بخاری کی شرح میں لکھتے ہیں:

---

❶ الطبقات/ ابن سعد: ۳/ ۵۳۔ الاصابۃ: ٤/ ۳۷۷، رقم (٥٤٦٣).

❷ التمهيد والبيان فی مقتل الشهيد عثمان / محمد يحيىٰ الاندلسی ص: (۱۹)

❸ الخلافۃ الراشدة والدولة الأموية/ يحيىٰ اليحيى ص: ۳۸۸.

❹ التمهيد والبيان فی مقتل الشهيد عثمان ص: (۱۹)

❺ آپ کا نام محمود بن احمد بن موسیٰ عینی ہے ابو محمد آپ کی کنیت ہے۔ تاریخ، حدیث اور فقہ کے علماء میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ ۸۵۵ھ میں وفات پائی۔ دیکھیے: شذرات الذهب: ۷/ ۲۸٦۔ الضوء اللامع: ۱۰/ ۱۳۱۔

''اس لیے کہ آپ کے سوا کوئی ایسا نہیں ہے جس کی زوجیت میں نبی کی دو بیٹیاں آئی ہوں۔'' [1]

''مہلب بن ابی صفرہ [2] سے پوچھا گیا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کو ذوالنورین کیوں کہا گیا؟ تو انہوں نے فرمایا:

عبداللہ بن عمر بن ابان جعفی کہتے ہیں، مجھ سے میرے ماموں حسین الجعفی نے کہا: تمہیں معلوم ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کو ذوالنورین کیوں کہا گیا؟ میں نے عرض کیا: نہیں۔ فرمایا: جب سے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اس وقت سے لے کر قیامت تک عثمان رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی کی زوجیت میں نبی کی دو بیٹیاں نہیں آئیں۔ اسی لیے آپ کو ذوالنورین سے ملقب کیا گیا۔ [3]

بعض لوگوں نے یہ وجہ تسمیہ بیان کی ہے کہ آپ ہر رات نماز میں کثرت سے تلاوت قرآن کرتے تھے چوں کہ قرآن اور قیام لیل دونوں ہی نور ہیں اس لیے آپ کو ذوالنورین کہا گیا۔ [4]

۴:...... **ولادت**: آپ صحیح قول کے مطابق مکہ میں عام الفیل کے چھ سال بعد پیدا ہوئے۔ [5] بعض لوگوں نے مقام ولادت طائف قرار دیا ہے۔ آپ رسول اللہ ﷺ سے تقریباً پانچ سال چھوٹے تھے۔ [6]

۵:...... **پیدائشی اوصاف**: آپ کا قد درمیانہ تھا نہ پست قد تھے اور نہ بہت لمبے، چمڑا باریک تھا، گھنی اور لمبی داڑھی تھی، جوڑوں کی ہڈیاں بڑی تھیں۔ دونوں کندھوں کے درمیان فاصلہ بڑا تھا۔ سر میں گھنے بال تھے۔ داڑھی میں زرد خضاب لگاتے تھے۔

امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ درمیانہ قد حسین بالوں والے اور خوبصورت تھے، سر کے سامنے کے بال گر گئے تھے، دونوں قدموں کے درمیان اچھا فاصلہ تھا، [7] ناک اونچی تھی، پنڈلیاں ضخیم تھیں، بازو لمبے تھے، بال گھنگھریالے تھے، دانت انتہائی خوبصورت تھے۔ آپ کی زلفیں کانوں سے نیچے لٹکتی تھیں۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ آپ کا رنگ گندمی تھا، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ آپ گورے چٹے تھے۔ [8]

---

[1] مہلب بن ابی صفرہ الازدی العتکی، بہادر امراء میں سے ہیں۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ہندوستان پر حملہ کیا، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے عہد خلافت میں جزیرہ کے والی مقرر ہوئے، اور عبدالملک بن مروان کے عہد خلافت میں خوارج سے جنگ کی اور پھر ۷۹ھ میں عبدالملک کی طرف سے خراسان کے والی مقرر ہوئے آپ کی شہرت خوارج کے ساتھ جنگ سے وابستہ ہے۔ ۸۳ھ میں وفات پائی۔ دیکھیے: وفیات الاعیان: ۵/ ۳۵۰۔ سیر اعلام النبلاء: ٤/ ۳۸۳ .

[2] عمدة القاري: ١٦/ ٢٠١ .

[3] سنن الکبریٰ للبیهقی: ۷/ ۷۳۔ ڈاکٹر عاطف الماضیہ نے اسے حسن قرار دیا ہے۔

[4] عثمان بن عفان ذوالنورين / عباس العقاد، ص: ٧٩ .

[5] الإصابة: ٤/ ٣٧٧، ٥٤٦٤ .

[6] عثمان بن عفان / صادق عرجون ص: ٤٥ .

[7] تاريخ الطبري: ٥/ ٤٤٠ .

[8] صفوة الصفوة: ١/ ٢٩٥۔ صحيح التوثيق في سيرة و حياة ذي النورين ، ص: ١٥ .

۲۔خاندان

عثمان رضی اللہ عنہ نے کل آٹھ شادیاں کیں اور سب کی سب اسلام کے بعد کیں۔

بیویاں:

❀ **رقیه بنت رسول الله ﷺ:** ان کے بطن سے آپ کے فرزند عبداللہ بن عثمان پیدا ہوئے۔

❀ **ام کلثوم بنت رسول الله ﷺ:** رقیہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد آپ نے ان سے شادی کی۔

❀ **فاخته بنت غزوان:** یہ امیر عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ کی ہمشیر تھیں، ان کے بطن سے آپ کے فرزند عبداللہ الاصغر پیدا ہوئے۔

❀ **ام عمرو بنت جندب الازدية:** ان کے بطن سے آپ کی اولاد: عمرو، خالد، ابان، عمر اور مریم کی ولادت ہوئی۔

❀ **فاطمة بنت وليد بن عبد شمس بن مغيرة المخزومية:** ان کے بطن سے آپ کی اولاد: ولید، سعید، ام سعد کی ولادت ہوئی۔

❀ **ام البنين بنت عيينة بن حصن الفزاريه:** ان کے بطن سے آپ کے فرزند عبدالملک کی ولادت ہوئی۔

❀ **رملة بنت شيبة بن ربيعة الاموية:** ان کے بطن سے آپ کی اولاد: عائشہ، ام ابان، ام عمرو کی ولادت ہوئی۔ رملہ مشرف بہ اسلام ہوئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کا شرف حاصل کیا۔

❀ **نائلة بنت فرافصة الكلبية:** یہ نصرانی تھیں لیکن رخصتی سے قبل اسلام قبول کر لیا تھا اور اچھی مسلمان ثابت ہوئیں۔ [1]

بیٹے:

آپ کے کل نو بیٹے تھے:

۱۔عبداللہ	۲۔عبداللہ الاصغر	
۳۔عمرو	۴۔خالد	
۵۔ابان	۶۔عمر	
۷۔ولید	۸۔سعید	۹۔عبدالملک

---

[1] تاریخ الطبری: ۵/ ۴۴۱۔التمهيد والبيان فی مقتل الشهيد عثمان، ص: ۱۹۔ الامین ذوالنورین / محمود شاکر، ص ۳۶۴۔

بیٹیاں:

آپ کی کل سات بیٹیاں تھیں:

❀ **مریم:** ان کی والدہ ام عمرو بنت جندب تھیں۔

❀ **ام سعید:** ان کی والدہ فاطمہ بنت ولید بن عبد شمس مخزومیہ تھیں۔

❀ **عائشہ:** ان کی والدہ رملہ بنت شیبہ بن ربیعہ تھیں۔

❀ **مریم بنت عثمان:** ان کی والدہ نائلہ بنت فرافصہ تھیں۔

❀ **ام البنین:** ان کی والدہ ام ولد تھیں۔ [1]

بہنیں:

عثمان رضی اللہ عنہ کی صرف ایک حقیقی بہن تھی، جس کا نام آمنہ بنت عفان تھا۔

عثمان رضی اللہ عنہ کی ماں شریک تین بہنیں تھیں:

❀ **ام کلثوم بنت عقبۃ بن ابی مُعَیط** رضی اللہ عنہا: مکہ ہی میں مشرف بہ اسلام ہوئیں، مدینہ کی طرف ہجرت کی اور رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی۔ صلح حدیبیہ کے بعد یہ سب سے پہلی خاتون ہیں جنھوں نے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔

❀ **ام حکیم بنت عقبۃ**

❀ **ھند بنت عقبۃ** [2]

بھائی:

عثمان رضی اللہ عنہ کے ماں شریک تین بھائی تھے:

❀ **ولید بن عقبۃ بن ابی معیط** رضی اللہ عنہ.

❀ **عمارہ بن عقبہ:** تاخیر سے اسلام قبول کیا۔

❀ **خالد بن عقبہ.** [3]

۳۔ دور جاہلیت میں آپ کا مقام

دور جاہلیت میں عثمان رضی اللہ عنہ کا شمار اپنی قوم کے افضل ترین لوگوں میں ہوتا تھا۔ آپ جاہ وحشمت کے مالک، شیریں کلام، شرم وحیا کے پیکر اور مال دار تھے۔ قوم کے لوگ آپ سے بڑی محبت کرتے اور توقیر وتعظیم کا برتاؤ کرتے۔ جاہلیت میں بھی کبھی کسی بت کو سجدہ نہ کیا اور نہ برائی کا ارتکاب کیا۔ اسلام سے قبل شراب نہ پی۔ آپ کہا

---

[1] التمهيد والبيان ص: ۲۰ .
[2] الأمين ذوالنورين: ص (۳۵٤)
[3] الامين ذوالنورين: ص (۳۵٤)

کرتے تھے یہ عقل کو زائل کرتی ہے اور انسان کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بلند ترین عطیہ عقل ہے۔ انسان پر لازم ہے کہ وہ اس کے ذریعے سے بلندی کو حاصل کرے اس کو برباد کرنے کی کوشش نہ کرے۔ دور جاہلیت میں بھی لہو ولعب کی محفلیں اور گیت ورنگ آپ کو اپنی طرف مائل نہ کر سکے۔ عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنی ستر دیکھنا بھی گوارا نہ تھا۔ [1]

اللہ تعالیٰ عثمان رضی اللہ عنہ پر اپنی رحمتیں نچھاور فرمائے آپ نے اپنا تعارف ہمارے لیے آسان کر دیا ہے، آپ فرماتے ہیں:

''میں نے کبھی گیت نہیں گایا، نہ اس کی تمنا کی، اور جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی ہے اپنے دائیں ہاتھ سے اپنی شرمگاہ کو نہ چھوا، نہ جاہلیت میں اور نہ اسلام میں کبھی شراب نوش کی، اور جاہلیت و اسلام میں کبھی زنا کے قریب نہ گیا۔'' [2]

رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی شادی

سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام سے مسلمان انتہائی خوش ہوئے۔ آپ اور اہل ایمان کے درمیان محبت و اخوت ایمانی کا رشتہ مضبوط ہوا۔ رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شادی کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو عزت بخشی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رقیہ رضی اللہ عنہا کا عقد عتبہ بن ابی لہب اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا عقد عتیبہ بن ابی لہب سے کر رکھا تھا لیکن جب سورۃ المسد ﴿تَبَّتۡ يَدَآ اَبِيۡ لَهَبٍ﴾ نازل ہوئی تو ابولہب اور اس کی بیوی ام جمیل بنت حرب نے اپنے دونوں بیٹوں کو طلاق دینے کا حکم دے دیا اللہ کے فضل و کرم سے ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی۔ دونوں نے اپنے والدین کے حکم پر عمل کرتے ہوئے طلاق دے دی۔ [3]

عثمان رضی اللہ عنہ کو جب اس کی خبر ملی تو بے حد خوش ہوئے اور رقیہ رضی اللہ عنہا سے شادی کا پیغام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغام کو قبول کرتے ہوئے شادی کر دی، ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا نے رقیہ کو رخصت کیا۔ عثمان رضی اللہ عنہ قریش میں انتہائی خوبصورت تھے، اور رقیہ رضی اللہ عنہا حسن و جمال میں آپ سے کم نہ تھیں۔ رخصتی کے وقت لوگوں کی زبان پر یہ شعر تھا:

احسن زوجین رأھما انسان

رقیة و زوجھا عثمان [4]

''خوبصورت جوڑے جنھیں کسی انسان نے دیکھا رقیہ اور ان کے شوہر عثمان ہیں۔''

---

[1] موسوعة التاریخ الاسلامی: احمد شلبی (۱/ ۶۱۸)

[2] حلیة الأولیاء: ۱/ ۶۰، ۶۱۔ صحیح۔

[3] ذوالنورین عثمان بن عفان/ محمد رشید رضا صفحه (۱۲)

[4] انساب الاشراف صفحه (۸۹)

عبدالرحمٰن بن عثمان القرشی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی بیٹی کے گھر تشریف لے گئے، اس وقت وہ عثمان رضی اللہ عنہ کا سر دھلا رہی تھیں، اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بیٹی! ابوعبداللہ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو، یقیناً وہ میرے صحابی ہیں، اخلاق میں مجھ سے سب سے زیادہ مشابہ ہیں۔'' [1]

ابتلاء اور حبشہ کی طرف ہجرت

ابتلاء کی سنت الٰہی افراد و جماعت اور اقوام و ملل میں جاری ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں یہ سنت جاری رہی انہوں نے ان مصائب و آلام کا اس طرح مردانہ وار سامنا کیا جس سے دیو ہیکل پہاڑ عاجز آ جائیں۔ اللہ کی راہ میں انہوں نے اپنے مال و خون بہایا اور مشقتیں برداشت کیں، اعلیٰ حسب و نسب کے مسلمان بھی اس ابتلاء سے محفوظ نہ رہے۔ عثمان رضی اللہ عنہ بھی اپنے چچا حکم بن ابی العاص بن امیہ کے ہاتھوں اللہ کی راہ میں اذیت پہنچائے گئے۔ چچا نے آپ کو رسّی میں جکڑ دیا اور کہا: کیا تم نے اپنے باپ دادا کے دین کو چھوڑ کر نئے دین کو اختیار کر لیا ہے؟ میں تم کو اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا جب تک کہ تم اس دین سے پھر نہیں جاتے۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اللہ کی قسم! میں کبھی اس دین کو چھوڑ نہیں سکتا، جب حکم نے دین پر استقامت اور ان کی اپنے موقف میں صلابت دیکھی تو چھوڑ دیا۔ [2]

ایذا رسانی کا سلسلہ تمام مسلمانوں کے ساتھ شدت اختیار کر گیا اور حد سے تجاوز کر گیا، یاسر اور ان کی بیوی رضی اللہ عنہما قتل کر دیے گئے۔ اس صورت حال سے رسول اللہ ﷺ سخت پریشان ہوئے اور مسلمانوں کے سلسلہ میں فکرمند ہوئے کہ ان کے لیے جائے سکون کہاں ہے؟ پھر آپ ﷺ کو حبشہ کا خیال آیا اور مسلمانوں سے فرمایا:

((لو خرجتم إلى الحبشة فإن بها ملكا صالحا لا يظلم عنده احد .))

''اگر تم حبشہ چلے جاؤ تو بہتر ہوگا، وہاں صالح بادشاہ ہے اس کے یہاں کسی پر ظلم نہیں ہوتا ہے۔'' [3]

حبشہ کی طرف ہجرت کا آغاز ہوا اور رسول اللہ ﷺ الم زدہ ہوئے، آپ دیکھ رہے تھے کہ مسلمان چپکے چپکے مکہ سے نکل رہے ہیں [4] اور سمندری سفر کر رہے ہیں۔ بعض سواری پر اور بعض پیدل چل کر بحر احمر کے ساحل پر پہنچے پھر سب نے عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو اپنا امیر بنا لیا، اللہ کی مشیت سے انہیں دو کشتیاں مل گئیں اور نصف نصف دینار کے عوض سب سوار ہو گئے۔ جب قریش کو ان کے سلسلہ میں خبر ملی تو جلدی سے ساحل سمندر پہنچے لیکن دونوں کشتیاں روانہ ہو چکی تھیں۔ [5]

---

[1] الطبرانی، اس کے رواۃ ثقات ہیں، دیکھیے مجمع الزوائد، رقم: (١٤٥٠٠)

[2] التمهيد و البيان: صفحه ٢٢ . [3] الهجرة فى القرآن الكريم صفحه ٢٩٠۔ السيرة النبوية لابن هشام (١/ ٤١٣)

[4] دماء على قميص عثمان صفحه (١٥)۔ الطبقات: ١/ ٢٠٤ .

[5] الطبقات لابن سعد: ١/ ٢٠٤۔ تاريخ الطبرى: ٢/ ٦٩ .

حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا شرف پہلی اور دوسری مرتبہ جن نفوس کو حاصل ہوا ان میں عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما اور ان کی زوجہ محترمہ رقیہ رضی اللہ عنہا شامل ہیں۔

یہ لوگ رجب ۵ نبوی میں حبشہ پہنچے، وہاں انہیں امن وامان اور عبادت کی آزادی حاصل ہوئی، قرآن پاک نے ہجرت حبشہ کا ذکر کیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿ وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي اللَّهِ مِن بَعْدِ مَا ظُلِمُوا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۖ وَلَأَجْرُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ ۚ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴾ (النحل: ٤١)

''جن لوگوں نے ظلم برداشت کرنے کے بعد اللہ کی راہ میں ترک وطن کیا ہے ہم انہیں بہتر سے بہتر ٹھکانا دنیا میں عطا فرمائیں گے اور آخرت کا ثواب تو بہت ہی بڑا ہے کاش! لوگ اس سے واقف ہوتے۔''

اس امت میں عثمان رضی اللہ عنہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے اپنی بیوی کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی۔[1] رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((صحبهما الله ، إن عثمان لأول من هاجر إلى الله بأهله بعد لوط .))[2]

''ان دونوں کے ساتھ اللہ ہو، یقیناً عثمان لوط کے بعد پہلے شخص ہیں جنھوں نے اپنی بیوی کے ساتھ ہجرت کی ہے۔''

جب یہ افواہ پھیل گئی کہ مکہ والے اسلام لے آئے ہیں اور یہ بات مہاجرین حبشہ کو پہنچی تو وہ لوگ مکہ کے لیے روانہ ہو گئے اور جب مکہ سے قریب پہنچے تو انہیں معلوم ہوا کہ یہ خبر جھوٹی تھی چنانچہ بعض اہل مکہ کی ضمانت میں مکہ میں داخل ہوئے، ان واپس آنے والوں میں عثمان اور رقیہ رضی اللہ عنہما بھی تھے۔[3] اس کے بعد آپ نے مکہ میں اقامت اختیار کی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم فرمایا۔ آپ نے جب سے اسلام قبول فرمایا نبی کریم ﷺ کی صحبت کو لازم پکڑا صرف ہجرت کے وقت جدائی اختیار کی، اور وہ بھی نبی کریم ﷺ کی اجازت سے یا پھر ایسی مہم کے موقع پر جہاں آپ ہی موزوں تھے آپ کا بدل کوئی نہیں ہوسکتا تھا۔ دیگر خلفائے راشدین کی طرح اس سلسلہ میں آپ کی بھی حالت رہی، گویا کہ یہ خلفائے راشدین کی ان بنیادی خصوصیات میں ہے جس کی بنیاد پر یکے بعد دیگرے خلافت کے مستحق بنے۔[4] ذوالنورین رضی اللہ عنہ کا تعلق دعوت سے پہلے ہی سال سے مضبوط رہا۔ نبی کریم ﷺ کی زندگی کے خاص و عام امور آپ سے فوت نہ ہوئے یا آج کی اصطلاح میں یوں کہہ لیجیے کہ اسلامی سلطنت کی تاسیس کے اعمال میں سے کسی عمل سے آپ پیچھے نہ رہے۔[5]

---

[1] الصواعق المرسلة : ١/ ٣١٤ .

[2] المعرفة والتاريخ: (٣/ ٢٦٨) ضعيف الإسناد

[3] السيرة النبوية/ ابن هشام: (١/ ٤٠٢)

[4] عثمان بن عفان/ العقاد: صفحه (٨٠)

[5] عثمان بن عفان/ العقاد: صفحه (٧٨)

(۲)......عثمان رضی اللہ عنہ اور قرآن

سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن کے ساتھ اپنا تعلق مضبوط کیا۔ چنانچہ ابوعبدالرحمٰن السلمی بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کس طرح رسول اللہ ﷺ سے قرآن سیکھا تھا۔ آپ کے ایسے اقوال ہیں جو قرآن کے ساتھ والہانہ محبت پر دلالت کرتے ہیں۔ ابوعبدالرحمٰن السلمی سے روایت ہے: ہمیں جو لوگ قرآن پڑھاتے تھے جیسے عثمان بن عفان اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما وغیرہم یہ حضرات جب رسول اللہ ﷺ سے دس آیتیں سیکھ لیتے تو اس وقت تک آگے نہیں بڑھتے تھے جب تک ان میں جو علم و عمل ہے اس کو سیکھ نہ لیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ہم نے قرآن اور علم و عمل سب ایک ساتھ سیکھا ہے اسی لیے سورت کو حفظ کرنے میں ایک مدت لگ جاتی تھی۔ [1] اور یہ طرز عمل اس لیے اختیار کیا گیا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَ لِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝۲۹ ﴾

(ص: ۲۹)

''یہ بابرکت کتاب ہے جسے ہم نے آپ کی طرف اس لیے نازل فرمایا ہے کہ لوگ اس کی آیتوں پر غور و فکر کریں اور عقل منداس سے نصیحت حاصل کریں۔''

عثمان رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے آپ کا یہ ارشاد روایت کیا ہے:

((خیر کم من تعلم القرآن وعلمه .)) [2]

''تم میں سب سے بہتر وہ ہیں جو قرآن سیکھیں اور قرآن سکھائیں۔''

آپ نے قرآن کریم کو مکمل رسول اللہ ﷺ سے پڑھا، آپ کے مشہور تلامذہ میں سے ابوعبدالرحمٰن السلمی، مغیرہ بن ابی شہاب، ابوالاسود، زر بن حبیش ہیں۔ [3]

تاریخ نے قرآن کریم سے متعلق عثمان رضی اللہ عنہ کے بعض اقوال کو محفوظ کر رکھا ہے، مثال کے طور پر آپ فرماتے ہیں:

- اگر ہمارے دل پاک ہوں تو اللہ کے کلام سے آسودہ نہیں ہو سکتے۔ [4]
- یقیناً میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ کوئی یوں ہی دن گزر جائے اور میں قرآن کریم کو نہ دیکھوں۔ [5]
- مجھے دنیا کی تین چیزیں محبوب ہیں: بھوکوں کو آسودہ کرنا، ننگوں کو کپڑے پہنانا اور قرآن کی تلاوت کرنا۔ [6]

---

[1] الفتاوی: (۱۳/ ۱۷۷)

[2] البخاری: فضائل القرآن صفحه (۵۰۲۷)

[3] تاریخ الاسلام، عهد الخلفاء الراشدین/ الذهبی صفحه (۴۶۷)

[4] الفتاوی: ۱۱/ ۱۲۲۔ البدایة والنهایة: ۷/ ۲۲۵ .

[5] البدایة والنهایة: ۷/ ۲۲۵۔ فرائد الکلام صفحه: ۲۷۵ .

[6] ارشاد العباد الاستعداد لیوم المعاد صفحه: ۸۸ .

❀ چہار چیزیں ظاہر میں فضیلت ہیں لیکن باطن میں فریضہ ہیں۔ صالحین کی صحبت فضیلت ہے اوران کی اقتداء فریضہ ہے۔ تلاوت قرآن فضیلت ہے اوراس پر عمل پیرا ہونا فریضہ ہے۔ زیارت قبر فضیلت ہے اورموت کی تیاری فریضہ ہے۔ مریض کی عیادت فضیلت ہے اوراس سے وصیت حاصل کرنا فریضہ ہے۔ [1]

❀ سب سے زیادہ ضائع ہونے والی دس چیزیں ہیں:

۱۔ عالم جس سے سوال نہ کیا جائے

۲۔ علم جس پر عمل نہ کیا جائے

۳۔ صحیح رائے جسے قبول نہ کیا جائے

۴۔ اسلحہ جسے استعمال نہ کیا جائے

۵۔ مسجد جس میں نماز نہ ادا کی جائے

۶۔ مصحف جسے پڑھا نہ جائے

۷۔ مال جس میں سے خرچ نہ کیا جائے

۸۔ گھوڑا جس پر سواری نہ کی جائے

۹۔ زہد کا علم اس شخص کے اندر جو دنیا دار ہو

۱۰۔ طویل عمر جس میں انسان سفر آخرت کی تیاری نہ کرے [2]

آپ قرآن کے حافظ تھے، آپ کی گود قرآن سے خالی نہیں رہتی تھی، اس سلسلہ میں آپ سے دریافت کیا گیا تو فرمایا یہ بابرکت کتاب ہے اور بابرکت ذات کی طرف سے آئی ہے۔ [3]

کثرت تلاوت سے آپ کا مصحف آپ کی وفات سے قبل پھٹ چکا تھا۔ اور آپ کی زوجہ محترمہ نے محاصرہ کے دن بلوائیوں سے کہا تھا: ''خواہ انہیں قتل کر دو یا چھوڑ دو، اللہ کی قسم! یہ تورات کو ایک رکعت میں قرآن کے ذریعے سے زندہ کرتے ہیں۔'' [4]

یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ایک رات ایک رکعت میں قرآن پڑھ لیا اور رکعتیں نہ پڑھیں۔ [5]

---

[1] ارشاد العباد للإستعداد لیوم المعاد: صفحه ۹۰۔ فرائد الکلام: صفحه: ۲۷۸ .

[2] ایضًا، صفحه ۷۷۸ .

[3] البیان والتبیان فی مقتل الشهید عثمان : ۳/ ۱۷۷۔ فرائد الکلام: صفحه ۲۷۳ .

[4] البدایة والنهایة: ۷/ ۲۲۵ .

[5] الخلافة الراشدة والدولة الاموية: صفحه ۳۹۷۔ ایک رکعت میں پورا قرآن پڑھنے کے سلسلہ میں جو روایات بیان کی جاتی ہیں وہ غلو سے خالی نہیں ہیں۔ ایسی روایتیں صحیح نہیں ہیں، اور پھر رسول اللہ ﷺ نے تین دن سے کم میں قرآن ختم کرنے سے منع فرمایا لہٰذا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی امر رسول کی مخالفت نہیں کر سکتے۔ (مترجم)

(۳)...... مدینہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دائمی صحبت

قوی معاون جو عثمان رضی اللہ عنہ کی شخصیت میں اثر انداز ہوا اور آپ کی صلاحیتوں کو نکھارا، آپ کی طاقت میں جوش پیدا کیا اور نفس کی تہذیب کی وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت اور مدرسہ نبوت میں آپ کا تلمذ تھا، چنانچہ عثمان رضی اللہ عنہ نے اسلام لانے کے بعد مکہ میں اور ہجرت کے بعد مدینہ میں آپ کی صحبت کو لازم پکڑا۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے نفس کو منظم کیا، معلم بشریت اور ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں کہ جنھیں اللہ عزوجل نے اچھی طرح علم وادب سے سنوارا تھا مدرسہ نبوت کے مختلف علوم وفنون کے حلقوں میں تلمذ کے حریص رہے۔ سید الخلق صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن وسنت سیکھنے کا اہتمام کیا۔ عثمان رضی اللہ عنہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی وابستگی اور صحبت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''یقیناً جب اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا، اور آپ پر کتاب نازل فرمائی تو میں اللہ و رسول کی دعوت کو قبول کرنے اور ایمان لانے والوں میں سے تھا۔ میں نے پہلی دو ہجرتیں کیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا داماد ہونے کا شرف حاصل کیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ کو دیکھا۔'' [1]

عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآنی منہج پر تربیت پائی اور آپ کے مربی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رہے آپ کی تربیت کا نقطہ آغاز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات تھی۔ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رابطہ و ملاقات سے آپ کی زندگی میں عجیب انقلاب پیدا ہوا اور پھر اچانک ہدایت حاصل ہوئی، اور آپ دائرہ ظلمت سے نکل کر دائرہ نور میں پہنچ گئے۔ ایمان حاصل کیا اور کفر کی چادر اتار پھینکی اور اسلام اور اس کے بلند عقائد کی راہ میں مصائب و مشکلات کو برداشت کرنے پر ڈٹ گئے۔

عثمان رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت و تربیت کی برکت سے بلند ایمانی حوصلے ملتے تھے۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے زانوائے تلمذ تہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن وسنت، احکام تلاوت اور تزکیہ نفس کی تعلیم حاصل کی۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿قُلْ يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ تَعَالَوْا۟ إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا ٱللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِۦ شَيْـًٔا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّن دُونِ ٱللَّهِ ۚ فَإِن تَوَلَّوْا۟ فَقُولُوا۟ ٱشْهَدُوا۟ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ﴿٦٤﴾﴾ (آل عمران: ٦٤)

> ''آپ کہہ دیجیے کہ اے اہل کتاب ایسی انصاف والی بات کی طرف آؤ جو ہم میں تم میں برابر ہے، کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنائیں، نہ اللہ تعالیٰ کو

---

[1] فضائل الصحابة/ ابو عبداللہ احمد ابن حنبل (١/ ٥٩٧) إسناده صحيح۔

چھوڑ کر آپس میں ایک دوسرے کو ہی رب بنائیں، پس اگر وہ منہ پھیر لیں تو تم کہہ دو کہ گواہ رہو ہم تو مسلمان ہیں۔''

عثمان رضی اللہ عنہ نے جنگ و صلح میں رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں رہ کر ہدایت نبوی میں تبحر حاصل کیا، اور اس صحبت سے آپ کو جنگی امور میں تجربہ و مہارت اور علم و واقفیت اور نفوس کے طبائع و رجحانات کی معرفت حاصل ہوئی، آئندہ صفحات میں ان شاء اللہ ہم مدنی زندگی میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جہادی، سیاسی، اجتماعی اور اقتصادی میدان میں آپ کے مواقف و کردار کو بیان کریں گے۔

ا۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ میدان جہاد میں:

مدینہ میں سکونت پذیر ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اسلامی حکومت کے ستونوں کو مضبوط کرنا شروع کیا، چنانچہ مہاجرین و انصار کے مابین مواخاۃ کرائی، ہر مہاجر کے حصے میں کوئی انصاری آیا۔ عثمان رضی اللہ عنہ کے حصے میں اوس بن ثابت رضی اللہ عنہ آئے۔ [1]

پھر رسول اللہ ﷺ نے مسجد نبوی کی تعمیر فرمائی اور یہودیوں کے ساتھ معاہدے کیے۔ فوجی دستوں کی نقل و حرکت شروع ہوئی۔ نئے معاشرے میں اقتصادی، تعلیمی اور تربیتی تعمیر کا اہتمام فرمایا، عثمان رضی اللہ عنہ اسلامی حکومت کے ایک اہم ستون تھے مشورہ، رائے اور مال میں کوئی بخیلی نہیں کی، غزوۂ بدر کے علاوہ تمام غزوات میں شریک رہے۔ [2]

غزوۂ بدر میں:

جب مسلمان غزوۂ بدر کے لیے روانہ ہوئے اس وقت عثمان رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ رقیہ رضی اللہ عنہا چیچک کی بیماری میں مبتلا تھیں۔ لیکن اس کے باوجود جس وقت رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں سے قریش کے تجارتی قافلے کو چھیڑنے کے لیے نکلنے کا حکم دیا عثمان رضی اللہ عنہ نے اس حکم کی تعمیل میں جلدی کی لیکن رسول اللہ ﷺ نے انہیں منع کر دیا، اور رقیہ رضی اللہ عنہا کی تیمارداری کے لیے ان کو گھر پر محترمہ صابرہ و طاہرہ رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مدینہ میں رہے۔ جب مرض بڑھ گیا اور موت کے آثار نمودار ہوئے اس حالت میں رقیہ رضی اللہ عنہا کو جب کہ موت نے انہیں گھیر رکھا تھا اپنے والد محترم رسول اللہ ﷺ جو بدر میں مشغول تھے اور اپنی ہمشیر زینب رضی اللہ عنہا کی دیدار کے انتہائی شوق میں بے تاب تھیں، جو مکہ میں تھیں۔ عثمان رضی اللہ عنہ آنسوؤں کے ساتھ ان پر ٹکٹکی لگائے ہوئے تھے اور جیسے غم سے دل پھٹا جا رہا تھا۔ [3]

---

[1] الامین ذوالنورین / محمود شاکر ، صفحہ (٤٠)

[2] الخلفاء الراشدون/ عبدالوھاب النجار صفحہ (٢٦٩)

[3] نساء اھل البیت/ احمد خلیل جمعه (٤٩١-٥٠٤)

رقیہ رضی اللہ عنہا نے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت کے ساتھ موت کو لبیک کہا اور رفیق اعلیٰ سے جا ملیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار نہ ہو سکا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میدان بدر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ اعلائے کلمۃ اللہ میں مشغول تھے، جس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی لخت جگر رقیہ رضی اللہ عنہا کے جنازے میں شرکت نہ کر سکے۔ رقیہ رضی اللہ عنہا کی تجہیز و تکفین ہوئی، لوگ آپ کے پاک جسم کو کندھوں پر اٹھا کر قبرستان روانہ ہوئے، آپ کے شوہر عثمان رضی اللہ عنہ غمگین پیچھے پیچھے چلتے، جب جنازہ "بقیع" پہنچ گیا تو آپ کو وہاں دفن کر دیا گیا، لوگوں کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ آپ کو دفن کر کے جب لوگ واپس آرہے تھے تو زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی پر سوار ہو کر فتح و نصرت کا مژدہ جانفزا لے کر مدینہ پہنچے، اور لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سلامتی اور مشرکین کے قتل و قید کی خوشخبری سنا رہے تھے۔ مسلمانانِ مدینہ کے چہروں پر فتح و نصرت کی ان خبروں سے خوشی امڈ آئی، عثمان رضی اللہ عنہ بھی انھی لوگوں میں سے تھے لیکن رقیہ رضی اللہ عنہا کے فراق کا غم چھپا نہ سکے۔

مدینہ واپسی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات کی خبر ملی، آپ بقیع تشریف لے گئے، ان کی قبر پر کھڑے ہو کر آپ نے بخشش و غفران کی ان کے لیے دعا کی۔ [1]

عثمان رضی اللہ عنہ غزوہ بدر سے بزدلی یا راہ فرار اختیار کرتے ہوئے پیچھے نہیں ہوئے تھے جیسا کہ اہل بدعت کا زعم باطل ہے، اور نہ ان کے پیش نظر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت تھی، جو فضیلت اہل بدر کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں میدان بدر میں حاضری کی وجہ سے حاصل ہوئی وہ فضیلت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی حاصل ہوئی کیوں کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دوسروں کی طرح روانہ ہوئے تھے، لیکن خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لخت جگر رقیہ رضی اللہ عنہا کی تیمارداری کے لیے ان کو واپس کر دیا تھا، لہٰذا آپ کا بدر سے پیچھے رہنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرماں برداری میں تھا، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے حصہ مقرر کیا، اور اس طرح آپ اہل بدر کے ساتھ مال غنیمت، فضیلت اور اجر و ثواب میں شریک رہے۔ [2]

غزوۂ احد میں:

غزوہ احد کے اندر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ابتدائی مرحلہ میں فتح نصیب فرمائی، اور مسلمانوں کی تلواریں مشرکین کی گردن پر اپنا کام کرتی رہیں، مشرکین کو ہزیمت و شکست میں شک نہ رہا اور مشرکین کے پرچم بردار یکے بعد دیگرے ایک ایک کر کے قتل ہوتے رہے، اور پرچم سے قریب ہونے کی ہمت کسی میں باقی نہ رہی، اب مشرکین شکست خوردہ ہو چکے تھے اور خواتین جو گا گا کر دف بجا بجا کر ہمت دلا رہی تھیں سب کچھ چھوڑ کر آہ و بکا کرنے لگیں، اور دف وغیرہ پھینک کر خوفزدہ ہو کر پنڈلیاں کھولے ہوئے پہاڑ کی طرف بھاگ کھڑی

[1] دماء علی قمیص عثمان بن عفان، صفحہ (۲۰)

[2] کتاب الامامة والرد علی الرفضة/ الأصبهانی صفحہ (۳۰۲)

ہوئیں......لیکن اچانک معرکے کا توازن بگڑ گیا اوراس کا سبب یہ ہوا کہ جن تیراندازوں کو پہاڑ کے اوپر مقرر کیا گیا تھا اوران کی ڈیوٹی لگائی گئی تھی کہ معرکہ کا نتیجہ کچھ بھی ہو اپنی جگہ کو نہ چھوڑیں ان میں سے چند کے علاوہ بقیہ نے اپنی جگہ چھوڑ دی، اور پہاڑی سے اتر کر دوسروں کے ساتھ مال غنیمت جمع کرنے میں لگ گئے۔ تب تک خالد بن ولید نے جو قریشی شہسواروں کے قائد تھے موقع کو غنیمت جانتے ہوئے شہسواروں کو لے کر عکرمہ بن ابی جہل کے ساتھ پیچھے سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ اولاً جو پہاڑی پر تیراندازی باقی تھے جن میں عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ بھی تھے جو تیراندازوں کے امیر تھے، انہیں قتل کیا پھر جو مسلمان بالکل غافل تھے اور مال غنیمت جمع کرنے میں مشغول تھے خالد بن ولید نے ان پر دھاوا بول دیا، مسلمان اس اچانک حملے سے اضطرابی کیفیت میں مبتلا ہو گئے اوران کا ایک گروہ مدینہ کی طرف بھاگ کھڑا ہوا، انہی میں عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بھی تھے، یہ لوگ اس وقت تک واپس نہ ہو سکے جب تک کہ جنگ ختم نہ ہوئی، اور دوسرا گروہ نبی کریم ﷺ کی قتل کی افواہ سن کر حریان و پریشان ہو کر رہ گیا، اور تیسرا گروہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ڈٹا رہا۔ پہلے گروہ سے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں جو قیامت تک تلاوت کی جاتی رہیں گی:

﴿إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا ۖ وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿١٥٥﴾﴾ (آل عمران: ۱۵۵)

''تم میں سے جن لوگوں نے اس دن پیٹھ دکھائی، جس دن دونوں جماعتوں کی مڈ بھیڑ ہوئی تھی یہ لوگ اپنے بعض کرتوتوں کے باعث شیطان کے پھسلانے میں آ گئے لیکن یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کر دیا، اللہ تعالیٰ ہے بخشنے والا اور تحمل والا۔''

لیکن اہل بدعت اپنی خواہشات کے بندے ہوتے ہیں اور انہیں وہی نظر آتا ہے۔ انہیں میدان جنگ سے لوٹنے والوں میں صرف عثمان رضی اللہ عنہ ہی نظر آئے اس لیے وہ صرف آپ ہی کو مورد الزام ٹھہراتے ہیں حالاں کہ آپ اس میں تنہا نہ تھے آپ کے ساتھ دیگر صحابہ بھی تھے۔ [1] اور جب اللہ تعالیٰ نے ان سب کو معاف کر دیا تو پھر مسئلہ بالکل واضح ہو گیا کوئی التباس باقی نہیں رہا لہٰذا اس کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ پر انگلی نہیں اٹھائی جا سکتی۔ [2]

یہ کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نص قرآنی سے آپ کی معافی کا اعلان کر دیا، آپ کی جہادی زندگی مجموعی طور پر آپ کی شجاعت پر شاہد عدل ہے۔

غزوۂ غطفان میں:

رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو غطفان پر چڑھائی کی تیاری کا فرمان جاری کیا۔ چار سو افراد آپ ﷺ

[1] الامین ذوالنورین صفحہ (۴۹)

[2] ذوالنورین مع النبی ﷺ / د۔ عاطف لماضة صفحہ (۳۲)

کے ساتھ نکلے، ان کے ساتھ چند گھوڑے بھی تھے۔ آپ ﷺ نے مدینہ پر عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر فرمایا۔ ذوالقصہ مقام پر مسلمانوں نے غطفان کے ایک شخص جبار بن ثعلبہ کو گرفتار کر کے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا، اس شخص نے رسول اللہ ﷺ کو غطفان کی پوری تفصیل سے آگاہ کیا اور بتلایا کہ وہ لوگ آپ سے مقابلہ نہیں کر سکتے۔ آپ کے نکلنے کی خبر سن کر ہی وہ لوگ پہاڑوں کی چوٹیوں پر جا چھپے ہیں۔ میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کو اسلام کی دعوت پیش کی، اس نے اسلام قبول کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ کر دیا، آپ ﷺ کے مقابلہ میں کوئی بھی نہ آیا بخیر و عافیت آپ ﷺ مدینہ واپس ہو گئے، اس موقع پر کل گیارہ دن آپ ﷺ مدینہ سے باہر رہے۔[1]

غزوۂ ذات الرقاع میں:

رسول اللہ ﷺ کو یہ اطلاع ملی کہ غطفان سے ثعلبہ اور انمار کے لوگ مدینہ پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ آپ ﷺ چار سو صحابہ کو لے کر صرار پہنچ گئے اور روانگی سے قبل عثمان رضی اللہ عنہ کو مدینہ پر اپنا نائب مقرر فرمایا۔ غطفان کی ایک بڑی تعداد مسلمانوں کے مقابلہ میں نکلی لیکن جنگ نہ ہوئی، خوف و ہراس کا عالم رہا، رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو صلوٰۃ الخوف پڑھائی اور آخرکار واپس ہو گئے، اس موقع پر آپ پندرہ روز مدینہ سے باہر رہے۔[2]

بیعت الرضوان میں:

بیعت رضوان کے موقع پر جب رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ کے مقام پر نزول فرمایا اور آپ ﷺ نے سوچا کہ ایک خصوصی سفیر قریش کے پاس روانہ فرمائیں جو ان کے سامنے آپ ﷺ کے مقصد و موقف کی وضاحت کر دے کہ آپ ﷺ صلح و آشتی کا پیغام لے کر آئے ہیں قتال کا کوئی ارادہ نہیں، مقامات مقدسہ کے احترام کے آپ حریص ہیں، عمرہ کرنے آئے ہیں، عمرہ ادا کر کے مدینہ واپس ہو جائیں گے اس سلسلہ میں اولاً انتخاب خراش بن امیہ الخزاعی رضی اللہ عنہ کا ہوا، آپ ﷺ نے ثعلب نامی اونٹ پر سوار کر کے انہیں روانہ کیا، لیکن جب یہ مکہ پہنچے تو قریش نے ان کے اونٹ کو مار ڈالا اور خراش رضی اللہ عنہ کے قتل کے درپے ہوئے لیکن احابیش نے انہیں بچا لیا۔ خراش رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں واپس آ کر قریش کی رپورٹ پیش کی۔ آپ ﷺ نے دوسرا سفیر روانہ کرنے کا ارادہ فرمایا جو آپ کا پیغام قریش کو پہنچا سکے۔ آپ کی نظر انتخاب عمر رضی اللہ عنہ پر پڑی۔[3] لیکن آپ نے معذرت پیش کی اور عثمان رضی اللہ عنہ کو اس اہم مہم کے لیے منتخب کرنے کا مشورہ دیا،[4] اور اس سلسلہ

---

[1] الروض الأنف: ۳/ ۱۳۷۔ الطبقات/ ابن سعد: (۲/ ۳٤، ۳۵)

[2] الامین ذوالنورین/ محمود شاکر صفحہ (۵۲، ۵۳) یہ غزوہ ۷ھ میں پیش آیا تھا۔ دیکھیے: زاد المعاد: ۳/ ۲۵۰۔۳۵٤.

[3] غزوۃ الحدیبیۃ/ ابو فارس صفحہ (۷۳)

[4] المغازی/ محمد بن عمر الواقدی: (۲/ ٦۰۰)

میں واضح دلائل پیش کیے کیوں کہ ایسے شخص کے لیے جو دشمن کے پاس اتنی اہم مہم پر جا رہا ہو ضروری ہے کہ اس کی حفاظت وحمایت کے اسباب مہیا ہوں اور یہ چیز عمر رضی اللہ عنہ کو حاصل نہ تھی اسی لیے عثمان رضی اللہ عنہ کو اس مہم پر روانہ کرنے کا مشورہ دیا، عثمان رضی اللہ عنہ کا خاندان مکہ میں موجود تھا اور انہیں قوت حاصل تھی، وہ آپ کو مشرکین کی ایذا رسانی سے بچا سکتے تھے، اور اس طرح وہ آپ ﷺ کا پیغام قریش کو اچھی طرح پہنچا سکتے تھے۔[1] چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: مجھے اپنے سلسلہ میں قریش سے ڈر ہے۔ ان کے تئیں میری عداوت معروف ہے اور مکہ میں بنو عدی کا ایسا کوئی فرد نہیں جو ان کے مقابلے میں میری حمایت کر سکے، لیکن پھر بھی اگر آپ چاہتے ہیں تو میں ان کے پاس جانے کے لیے تیار ہوں۔[2] اس پر رسول اللہ ﷺ نے کچھ نہیں کہا۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ میں ایک ایسے شخص کی نشان دہی کرتا ہوں جو مکہ میں مجھ سے زیادہ معزز اور اس کے خاندان کے افراد زیادہ طاقتور ہیں وہ عثمان بن عفان ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے عثمان رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا: تم قریش کے پاس جاؤ اور انہیں بتاؤ کہ ہم کسی سے قتال کرنے نہیں آئے ہیں، ہم خانہ کعبہ کی زیارت اور اس کی حرمت کی تعظیم کے لیے آئے ہیں، ہمارے ساتھ ہدی کے جانور ہیں ہم انہیں ذبح کریں گے اور واپس ہو جائیں گے۔

عثمان رضی اللہ عنہ اس مہم پر روانہ ہوئے، بلدح مقام پر پہنچے تو قریش کے لوگ انہیں وہاں ملے، انہوں نے آپ سے سوال کیا کہاں جا رہے ہیں؟ فرمایا: مجھے رسول اللہ ﷺ نے تمہارے پاس بھیجا ہے۔ وہ تمہیں اللہ اور اسلام کی طرف دعوت دیتے ہیں، یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے دین کو ظاہر اور اپنے نبی کو غالب کر کے رہے گا۔ اگر یہ منظور نہیں ہے تو تم ان کا راستہ چھوڑ کر خاموش ہو جاؤ، دوسروں کو اس کے لیے چھوڑ دو، اگر وہ محمد ﷺ پر غالب آ گئے تو تمہارا مقصد پورا ہو گیا اور اگر محمد ﷺ غالب آ گئے تو پھر تمہیں اختیار ہوگا چاہے تم اس دین میں داخل ہو جاؤ جس میں لوگ داخل ہوئے ہیں یا پھر تم ان سے اس حالت میں قتال کرو جب کہ تمہاری تعداد زیادہ ہو اور قوت و طاقت حاصل ہو، کیوں کہ فی الحال جنگ نے تمہیں کمزور کر دیا ہے اور سورماؤں کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔

عثمان رضی اللہ عنہ اپنی گفتگو جاری رکھے ہوئے تھے جو کفار کو ناگوار گزر رہی تھی، وہ آپ کی باتوں کو یہ کہہ کر ٹالتے جاتے تھے کہ جو آپ کہہ رہے ہیں ہم نے سن لیا ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ وہ زبردستی مکہ میں داخل نہیں ہو سکتے، آپ واپس جائیں اور اپنے ساتھی سے کہہ دیں کہ وہ یہاں نہیں آسکتے۔ یہ موقف دیکھ کر ابان بن سعید بن العاص نے آپ کو خوش آمدید کہا اور پناہ دی اور کہا آپ اپنی مہم سے رکیں نہیں پھر وہ اپنے گھوڑے سے اترا اور عثمان کو اپنے ساتھ سوار کر لیا اس طرح عثمان رضی اللہ عنہ مکہ میں داخل ہوئے۔ فرداً فرداً سرداران قریش سے ملاقات کی۔ ابوسفیان بن حرب، صفوان بن امیہ وغیرہم جن سے بلدح میں ملاقات کی تھی، اور وہ لوگ جن سے صرف مکہ میں مقالات ہوئی

---

[1] المغازی: (۲/ ۶۰۰)

[2] ایضًا

سب ہی آپ کی بات کو یہ کہہ کر ٹالتے رہے کہ ''محمد کبھی مکہ میں داخل نہیں ہو سکتے۔'' ❶ مشرکین نے عثمان رضی اللہ عنہ سے پیش کش کی کہ وہ خانہ کعبہ کا طواف کر لیں، لیکن آپ نے انکار کر دیا۔ ❷

عثمان رضی اللہ عنہ نے مستضعفینِ مکہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچایا، اور جلد مشکلات سے نجات پانے کی بشارت سنائی۔ ❸ اور ان سے زبانی پیغام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیا جن میں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام بھیجا تھا اور یہ کہا تھا کہ جو ذات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حدیبیہ پہنچا سکتی ہے وہ اس بات پر قادر ہے کہ آپ کو مکہ کے اندر داخل کر دے۔ ❹

ابھی آپ مکہ ہی میں اپنی مہم میں لگے ہوئے تھے کہ مسلمانوں میں یہ افواہ گردش کرنے لگی کہ عثمان رضی اللہ عنہ قتل کر دیے گئے، ان حالات کے پیش نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو مشرکین سے قتال کے سلسلہ میں بیعت کی دعوت دی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعوت پر لبیک کہتے ہوئے آپ کے ہاتھوں پر موت کی بیعت کی۔ ❺ صرف جد بن قیس نے اپنی منافقت کی وجہ سے بیعت نہ کی۔ ❻

ایک روایت میں ہے کہ یہ بیعت صبر کی تھی۔ ❼ اور ایک روایت میں ہے کہ عدم فرار کی بیعت تھی۔ ❽ لیکن ان روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں کیوں کہ موت کی بیعت کا مطلب صبر و عدم فرار کی بیعت ہے۔ ❾

سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر ابوسنان عبداللہ بن وہب الاسدی رضی اللہ عنہ نے بیعت کی ❿ اس کے بعد تمام لوگوں نے بیعت کی۔ ⓫ سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر تین مرتبہ بیعت کی، شروع میں، درمیان میں اور آخر میں۔ ⓬

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دائیں ہاتھ کے متعلق فرمایا: ''یہ عثمان کا ہاتھ ہے'' اور پھر اپنے دوسرے ہاتھ پر مار کر عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے بیعت کی۔

فتح مکہ میں عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے سلسلہ میں عثمان رضی اللہ عنہ کی سفارش:

فتح موقع پر عبداللہ بن سعد بن ابی سرح عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر چھپ گیا آپ نے اس کو لے کر

❶ زادالمعاد: ۳/ ۲۹۰۔ السیرۃ النبویۃ/ ابن ھشام (۳/ ۳٤٤)
❷ زادالمعاد: (۳/ ۲۹۰) ❸ زادالمعاد: (۳/ ۲۹۰)
❹ غزوۃ الحدیبیۃ/ ابو فارس صفحه (۸۵) ❺ البخاری: ٤١٦٩ .
❻ السیرۃ النبویۃ فی ضوء المصادر الأصلیۃ صفحه (٤٨٦)
❼ البخاری: ٤١٦٩ . ❽ مسلم: ١٨٥٦ .
❾ السیرۃ النبویۃ فی ضوء المصادر الأصلیۃ صفحه (٤٨٦)
❿ السیرۃ النبویۃ فی ضوء المصادر الأصلیۃ صفحه (٤٨٦)
⓫ زاد المعاد: ۳/ ۲۹٦ .
⓬ صحیح السیرۃ النبویۃ صفحه (٤٠٤)

نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا اور عرض کیا یا رسول اللہ! عبداللہ سے بیعت لے لیجیے، آپ ﷺ نے سر مبارک اٹھایا اور اس کو تین مرتبہ انکار کی نگاہوں سے دیکھا اور پھر اس سے بیعت لے لی پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: کیا تم میں کوئی ایسا شخص نہیں تھا کہ مجھے بیعت سے ہاتھ کھینچتے ہوئے دیکھا ہوتا اور اس کی گردن قلم کر دیتا؟ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہمیں نہیں معلوم کہ آپ کے جی میں کیا ہے آپ نے کیوں نہیں اپنی آنکھوں سے اشارہ فرما دیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا نبی کے لیے آنکھوں کی خیانت مناسب نہیں۔ [1]

اور ایک روایت میں ہے کہ جب مکہ فتح ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے صرف چار اشخاص کے علاوہ سب کو امان دے دی، اور ان چار اشخاص کے سلسلہ میں فرمایا انہیں جہاں کہیں پاؤ قتل کر دو اگر چہ وہ خانہ کعبہ کا پردہ پکڑ کر لٹکے ہوئے ہوں: عکرمہ بن ابی جہل، عبداللہ بن خطل، مقیس بن حبابہ، عبداللہ بن سعد بن ابی سرح۔ [2]

عبداللہ بن خطل خانہ کعبہ کا پردہ تھامے ہوئے پکڑا گیا، سعید بن حارث اور عمار بن یاسر دونوں اس کی طرف لپکے اور سعید نے آگے بڑھ کر قتل کر دیا۔ اور عکرمہ بن ابی جہل بھاگ کھڑے ہوئے اور جا کر کشتی پر سوار ہو کر فرار اختیار کرنا چاہا، تیز و تند آندھی چلی، کشتی والوں نے کہا: صرف اللہ کو پکارو، یہاں تمہارے معبود کام آنے والے نہیں۔ عکرمہ نے کہا اللہ کی قسم! اگر سمندر میں اللہ کے سوا کوئی نہیں بچا سکتا تو خشکی میں بھی اس کے سوا کوئی نہیں بچا سکتا، اور دعا کی: اے اللہ! اگر تو نے مجھے بچا لیا تو میں محمد ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دے دوں گا، اور میں آپ ﷺ کو ضرور عفو و درگزر کرنے والا، کرم نواز پاؤں گا۔ اور پھر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا۔ اور عبداللہ بن سعد بن ابی سرح، عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر چھپ گئے اور جب رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو بیعت کی اور دعوت دی تو عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں لا کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اس روایت میں باقی حصہ گزشتہ روایت کی طرح ہے۔ [3]

غزوۂ تبوک میں:

۹ھ میں ہرقل نے اپنا سازشی رخ جزیرہ عرب کی طرف اس کو ہڑپنے اور اس پر عدوان و سرکشی کے برے ارادے سے پھیرا، اور اپنی فوج کو تیاری کرنے کا اور حملہ کے لیے اس کے فرمان کے انتظار کا حکم جاری کیا، یہ خبریں رسول اللہ ﷺ کو مدینہ میں پہنچیں۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو جہاد کی تیاری کا حکم فرمایا۔ سخت گرمی کا موسم تھا، جس میں پہاڑ بھی پگھل جائیں، اور ملک میں سخت خشک سالی تھی، اگر مسلمان ایمان کی قوت سے مہلک گرمی کا مقابلہ کرتے ہوئے دہکتے ہوئے صحرا پر سے گزرتے ہوئے جہاد کے لیے نکل پڑیں تو سامان

---

[1] الصارم المسلول علی شاتم الرسول ﷺ صفحہ (۱۰۹)

[2] اضواء البیان فی تاریخ القرآن/ صابر بن ابی سلیمان صفحہ (۷۹)

[3] اضواء البیان فی تاریخ القرآن صفحہ (۸۰).

جنگ اور جہاد کے اخراجات کہاں سے آئیں؟ ان حالات میں رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو چندہ پر ابھارا۔ آپ ﷺ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے ہر ایک نے اپنی وسعت بھر حصہ لیا اور چندہ جمع کیا۔ خواتین نے اپنے زیورات رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جہاد کے لیے پیش کیے، لیکن جو کچھ جمع ہوا ضروریات جہاد کے لیے کافی نہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی لمبی قطار پر نظر دوڑائی جو جذبہ جہاد سے سرشار تھے، اور فرمایا: کون ہے جو انہیں سامان جنگ فراہم کرے اور اللہ کی مغفرت حاصل کرے؟

جیسے ہی عثمان رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کا یہ اعلان سنا اللہ کی مغفرت و رضوان کی طرف آگے بڑھے، اور اس طرح کمر توڑ تنگی کے لیے عثمان رضی اللہ عنہ سخی مہیا ہو گئے۔ [1] آپ نے لشکر اسلام کی تمام ضروریات کو مہیا کیا، لگام و رسی بھی نہیں چھوڑی اس کا بھی انتظام فرمایا۔

ابن شہاب زہری رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے غزوہ تبوک میں لشکر اسلام کے لیے نو سو چالیس (۹۴۰) اونٹ اور ساٹھ گھوڑے فراہم کیے، ایک ہزار کی گنتی پوری کی اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر دس ہزار دینار (تقریباً ساڑھے پانچ کلو سونے کے سکے) نبی کریم ﷺ کی آغوش میں بکھیر دیے۔ رسول اللہ ﷺ انہیں الٹتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے:

((ما ضر عثمان ما عمل بعد الیوم .)) ''آج کے بعد عثمان جو بھی کریں انہیں ضرر نہ ہوگا۔'' [2]

اس غزوہ میں انفاق کرنے میں عثمان رضی اللہ عنہ سب سے آگے رہے۔ [3]

مدینہ میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی معاشرتی زندگی

ا۔ ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے شادی ۳ ھ:

ام کلثوم رضی اللہ عنہا اپنی کنیت سے معروف ہیں، ان کا نام معروف نہیں ہے، الا یہ کہ حاکم نے مصعب زبیری سے ان کا نام امیہ نقل کیا ہے۔ یہ عمر میں فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بڑی تھیں۔ [4]

سعید بن مسیّب رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ جب رقیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو گیا اور ادھر حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہ کے شوہر وفات پا گئے تو عمر رضی اللہ عنہ عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے کہا: کیا حفصہ سے شادی کرو گے؟ تو چونکہ آپ نے رسول اللہ ﷺ سے حفصہ رضی اللہ عنہا سے متعلق سن رکھا تھا اس لیے کوئی جواب نہ دیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تم اس سے بہتر چاہتے ہو؟ میں حفصہ سے شادی کر لیتا ہوں

---

[1] فتح الباری: ۷/ ٦٧۔ خلفاء الرسول، ص: ۲۵۰۔ العشرۃ المبشرون بالجنۃ/ محمد صالح عوض، ص (۵۳)

[2] سنن الترمذی: ۳۷۸۵۔ صحیح التوثیق صفحہ (۲٦)

[3] السیرۃ النبویۃ فی ضوء المصادر الأصلیۃ صفحہ (٦۱۵)

[4] الدوحۃ النبویۃ الشریفۃ، فاروق حمادۃ صفحہ (۴۵۔۴٦)

اور عثمان کی شادی حفصہ سے بہتر ام کلثوم سے کر دیتا ہوں۔ ❶

ام المومنین صدیقہ بنت صدیق رضی اللہ عنہ عثمان رضی اللہ عنہ سے ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی شادی کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں: جب رسول اللہ ﷺ نے ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی شادی عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دی تو ام ایمن رضی اللہ عنہا سے فرمایا: میری بیٹی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو تیار کر کے عثمان کے یہاں رخصت کرو اور دف بجاؤ، ام ایمن رضی اللہ عنہا نے ایسا ہی کیا۔ رسول اللہ ﷺ تین دن کے بعد ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: میری بیٹی اپنے شوہر کو کیسا پایا۔ ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے عرض کیا بہترین شوہر ہیں۔ ❷

۲۔ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی وفات:

سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا بیمار پڑیں اور ۹ ھ میں وفات پائی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور تدفین کے وقت ان کی قبر کے پاس بیٹھے۔ انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی قبر کے پاس بیٹھے ہوئے دیکھا، آپ کی دونوں آنکھیں اشکبار تھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم میں کون ہے جس نے آج رات بیوی سے مباشرت نہ کی ہو؟ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم ان کی قبر میں اترو۔ ❸

ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی جدائی سے عثمان رضی اللہ عنہ بے حد متاثر ہوئے اور بڑے ہی حزن و ملال کا شکار ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں دیکھا کہ غم میں نڈھال سر جھکائے جا رہے ہیں، آپ ﷺ ان سے قریب ہوئے اور فرمایا: اے عثمان! اگر میرے پاس تیسری بیٹی ہوتی تو تم سے شادی کر دیتا۔ ❹

یہ عثمان رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کی محبت کی دلیل ہے، اور نبی کریم ﷺ کے لیے عثمان رضی اللہ عنہ کی وفاداری اور توقیر کی دلیل ہے۔ نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد سے اس بدشگونی کی نفی ہوتی ہے جو ہمارے معاشرے میں ایسے موقع پر پائی جاتی ہے۔ اللہ کے حکم کو کوئی ٹالنے والا نہیں اس کا حکم نافذ ہو کر رہتا ہے، تقدیر الٰہی ہرگز نہیں ٹلتی۔ ❺

۳۔ اسلامی حکومت کی تعمیر میں اقتصادی تعاون:

عثمان رضی اللہ عنہ ان اغنیاء میں سے تھے جنھیں اللہ تعالیٰ نے مال و دولت سے نوازا تھا۔ آپ بہت بڑے تاجر تھے، مال و دولت کی انتہا نہ تھی، لیکن آپ نے اس مال و دولت کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی اطاعت میں لگا رکھا

❶ مستدرك حاكم (٤/ ٤٩)۔ الآثار لابی یوسف صفحه (١٩٥٧)
❷ السيرة النبوية/ ابو شهبة (٢/ ٢٣١)۔ دماء على قميص عثمان صفحه (٢٢)
❸ البخاري: كتاب الجنائز (١٣٤٢)
❹ مجمع الزوائد / الهيثمي: ٩/ ٨٣۔ شواہد کی بنا پر اس کی سند درجہ حسن کو پہنچتی ہے۔
❺ الخلفاء الراشدون اعمال و احداث / د۔ امين القضاة صفحه (٧٣)

تھا، ہر کار خیر میں سبقت کرتے اور بے دریغ خرچ کرتے، فقر و محتاجی کا ذرا بھی خوف نہ کھاتے، بطور مثال بعض مواقع کا یہاں ذکر کیا جا رہا ہے جس میں عثمان رضی اللہ عنہ نے بے دریغ اپنا مال خرچ کیا:

۱. **بئر رومہ:** ......جس وقت رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے وہاں میٹھے پانی کی بڑی قلت تھی، بئر رومہ کے علاوہ کوئی کنواں نہ تھا جہاں سے میٹھا پانی حاصل کیا جا سکے، اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((من یشتری بئر رومۃ فیجعل دلوہ مع دلاء المسلمین بخیر لہ فی الجنۃ .))[1]

''جو بئر رومہ کو خرید کر مسلمانوں کے لیے عام کر دے اس کو جنت میں اس سے بہتر ملے گا۔''

اور آپ ﷺ نے فرمایا:

((من حفر بئر رومۃ فلہ الجنۃ .))[2]

''جو بئر رومہ کو کھودے اس کے لیے جنت ہے۔''

مدینہ میں نبی کریم ﷺ کی آمد سے قبل رومہ کا پانی لوگ خرید کر پیا کرتے تھے۔ جب مہاجرین مدینہ پہنچے تو انہیں پانی کی ضرورت پڑی۔ بنی غفار میں سے ایک شخص کے پاس پانی کا ایک چشمہ تھا، جس کو رومہ کہا جاتا تھا، اور وہ ایک مشک ایک مد میں بیچتا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے اس سے کہا: ((تبیعھا بعین فی الجنۃ .)) کیا تم اس کو جنتی چشمے کے عوض بیچو گے؟'' اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے اور میری اولاد کے لیے اور کوئی ذریعے سے معاش نہیں ہے، یہ بات جب عثمان رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو انہوں نے اسے ۳۵ ہزار درہم میں خرید لیا، پھر نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا: کیا مجھے بھی وہی ملے گا جو آپ نے اس شخص کے لیے فرمایا تھا؟ آپ نے فرمایا: ہاں، عثمان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں نے اس کو مسلمانوں کے لیے عام کر دیا ہے۔[3]

یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ایک یہودی کا کنواں تھا جس کا پانی وہ مسلمانوں کو بیچتا تھا۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کو بیس ہزار درہم میں خرید کر غنی و فقیر اور مسافر سب کے لیے عام کر دیا۔[4]

۲. **مسجد نبوی کی توسیع:** ......جب رسول اللہ ﷺ نے مسجد نبوی کی تعمیر مدینہ میں فرمائی تو مسلمان پنج وقتہ نماز اور خطبہ جمعہ سننے کے لیے جمع ہونے لگے، جس کے اندر انہیں اوامر و نواہی دیے جاتے تھے، اور اسی مسجد میں دین کی تعلیم کرتے اور یہیں سے تیار ہو کر غزوات کے لیے روانہ ہوتے۔ اس طرح مسجد لوگوں

---

[1] صحیح النسائی للألبانی ۲/ ۷۶۶ .
[2] البخاری (۲۷۷۸)۔ تعلیقًا
[3] تحفہ الاحوذی بشرح الترمذی/ المبارکفوری صفحہ (۱۹۶)
[4] فتح الباری: (۵/ ۴۰۸)۔ الحکمۃ فی الدعوۃ الی اللہ صفحہ (۲۳۱)

کے لیے تنگ ہوگئی۔ نبی کریم ﷺ نے بعض صحابہ کو رغبت دلائی کہ مسجد کے بغل میں ایک قطعہ ارض خرید کر مسجد کے لیے وقف کر دے تاکہ مسجد کی توسیع کر دی جائے، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((من یشتری بقعة آل فلان فیزیدها فی المسجد بخیر له منها فی الجنة .))

"کون ہے جو فلاں کی زمین خرید کر مسجد میں اضافہ کر دے جس کو جنت میں اس سے بہترین جگہ ملے؟"

یہ عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے مال میں سے [1] پچیس یا بیس ہزار درہم دے کر خرید لیا، پھر وہ جگہ مسجد نبوی میں شامل کر دی گئی۔ [2]

اس طرح آپ نے مسلمانوں کے لیے وسعت پیدا کی۔ [3]

۳۔ **جیش عسرة اور سخی عثمان:** ...... جب رسول اللہ ﷺ نے غزوہ تبوک کی طرف کوچ کرنے کا ارادہ فرمایا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو فوج کی تیاری کے لیے مال خرچ کرنے کی رغبت دلائی جسے روم سے ٹکرانے کے لیے آپ ﷺ تیار کر رہے تھے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے حسب طاقت اس میں حصہ لیا اور بڑھ چڑھ کر مال دیے، لیکن عثمان رضی اللہ عنہ اس میدان میں سب سے سبقت لے گئے۔ [4] اس کی تفصیل غزوہ تبوک کے بیان میں آ چکی ہے۔

(۴)......سیّدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے سلسلہ میں احادیث نبویہ

۱:...... ((ان عثمان رجل حییٌّ .))

یحییٰ بن سعید سے روایت ہے کہ ان کے والد سعید بن العاص نے انہیں خبر دی کہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا اور عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ان کی چادر اوڑھے لیٹے ہوئے تھے، اتنے میں ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آنے کی اجازت طلب کی، آپ ﷺ نے انہیں اجازت دی، وہ آئے اور اپنی ضرورت پوری کر کے چلے گئے، پھر عمر رضی اللہ عنہ نے اجازت طلب کی، آپ ﷺ نے انہیں اجازت دی اور وہ اپنی ضرورت پوری کر کے چلے گئے، اور آپ ﷺ اسی حالت میں رہے۔ عثمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: پھر میں نے اجازت طلب کی تو آپ اٹھ کر بیٹھ گئے اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا اپنا کپڑا اسمیٹ لو، مجھے اجازت دی میں نے اپنی ضرورت پوری کی اور واپس ہوگیا، عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا بات ہے جب ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہ آئے تو آپ اس طرح اٹھ کر نہیں بیٹھے جیسا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کی آمد پر بیٹھے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إن عثمان رجل حییٌّ و انی خشیت ان اذنت له علی تلك الحال أن لا یبلغ الی فی حاجته .)) [5]

[1] صحیح سنن الترمذی للالبانی: ۳/ ۲۰۹۔ (۲۹۲۱)
[2] صحیح سنن النسائی: ۲/ ۷۶۶ .
[3] اعلام المسلمین/ خالد البیطار (۳/ ۴۱)
[4] الحکمة فی الدعوة الی الله صفحه (۲۳۱)
[5] مسلم: ۲۴۰۲ .

''یقیناً عثمان شرمیلے آدمی ہیں مجھے خوف ہوا کہ اگر اسی حالت میں انہیں آنے کی اجازت دے دوں تو وہ اپنی ضرورت مجھ سے نہ کہہ سکیں گے۔''

۲:......((الا استحی من رجل تستحی منه الملائكة .))

ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''رسول اللہ ﷺ میرے گھر میں لیٹے ہوئے تھے اور آپ کی دونوں رانیں یا پنڈلیاں کھلی ہوئی تھیں، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آنے کی اجازت طلب کی، آپ ﷺ نے انہیں اجازت دے دی اور آپ اسی حالت میں رہے، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ سے گفتگو کی اور چلے گئے، پھر عمر رضی اللہ عنہ نے آنے کی اجازت طلب کی، ان کو بھی آپ ﷺ نے اجازت دے دی اور آپ اسی حالت میں رہے انہوں نے بھی آپ سے گفتگو کی، پھر عثمان رضی اللہ عنہ نے آنے کی اجازت طلب کی تو رسول اللہ ﷺ اٹھ کر بیٹھ گئے اور اپنے کپڑے درست کر لیے۔ پھر آپ نے اجازت دی، عثمان رضی اللہ عنہ آئے اور آپ ﷺ سے گفتگو کی، جب عثمان رضی اللہ عنہ چلے گئے تو عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے تو آپ نے پروا نہ کی، پھر عمر رضی اللہ عنہ آئے تو آپ نے پروا نہ کی، پھر عثمان رضی اللہ عنہ آئے تو آپ اٹھ کر بیٹھ گئے اور اپنے کپڑے درست کر لیے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((الا استحی من رجل تستحی منه الملائكة .))[1]

''کیا میں ایسے شخص سے شرم نہ کروں جس سے فرشتے شرماتے ہیں۔''

علامہ مناوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''عثمان رضی اللہ عنہ کا مقام حیا کا مقام ہے اور حیاء سامنے والے کے اجلال و تعظیم اور اپنے نفس میں نقص کے تصور سے پیدا ہوتا ہے، تو گویا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے اوپر حق تعالیٰ کے اجلال کا غلبہ ہوا اور انہوں نے اپنے نفس میں نقص و تقصیر محسوس کیا، اور یہ دونوں چیزیں مقربین بارگاہ الٰہی کی بڑی خصلتوں میں سے ہیں۔ اس طرح عثمان رضی اللہ عنہ کا مرتبہ بلند ہوا۔ (اور اللہ کی خاص مخلوق) ملائکہ ان سے حیا کرنے لگے، جو اللہ سے محبت کرتا ہے اللہ کے اولیاء اس سے محبت کرتے ہیں اور جو اللہ سے ڈرتا ہے اس سے ہر چیز ڈرتی ہے۔''[2]

شہادت عثمان رضی اللہ عنہ سے متعلق رسول اللہ ﷺ کی پیشین گوئیاں:

۱:......((من نجا من ثلاث فقد نجا .))

عبداللہ بن بجالہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا:

((من نجا من ثلاث فقد نجا۔ ثلاث مرات ۔ موتی ، والدجال ، و قتل خليفة مصطبر بالحق معطيه .))[3]

---

[1] مسلم: ۲۴۰۱ . [2] فيض القدير/ المناوى: ٤/ ٣٠٢ .

[3] مسند احمد: ٤/ ٤١٩ ، ٥/ ٣٤٦ تحقیق احمد شاکر .

''جو تین فتنوں سے بچ گیا اس نے نجات پا لی، میری موت، دجال، حق پر قائم خلیفہ کا مظلومانہ قتل۔''

جس حق پر قائم خلیفہ کا مظلومانہ قتل ہوا وہ عثمان رضی اللہ عنہ ہیں، کیوں کہ قرائن اسی پر دلالت کرتے ہیں اس حدیث میں خلیفہ سے مقصود عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہیں۔

اس حدیث میں (اللہ بہتر جانتا ہے) اس بات کی طرف عظیم اشارہ ہے کہ اس فتنہ کے سلسلہ میں حسی و معنوی ہر اعتبار سے اپنے دامن کو بچائے رکھنا چاہیے حسی کا تعلق اس فتنہ کے زمانہ سے ہے، یعنی قتل اور قتل پر ابھارنے اور اکسانے سے اجتناب کیا جائے اور معنوی کا تعلق یوں کہ دور فتنہ کے بعد اس سلسلہ میں باطل طرز فکر نہ اختیار کی جائے اور ناحق گفتگو کی جائے۔ اس طرح یہ تمام امت کے لیے عام ہوگا، فتنے کے دور کے ساتھ خاص نہیں۔ ❶

۲:...... ((يقتل فيها هذا المقنع يومئذ مظلوما .))

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: رسول اللہ ﷺ نے ایک فتنہ کا ذکر کیا، اتنے میں ایک شخص کا گزر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((يقتل فيها هذا المقنع يومئذ مظلوما .))

''اس فتنے میں اس وقت یہ سر چھپائے ہوئے شخص مظلومانہ طور سے قتل ہوگا۔''

میں نے دیکھا وہ عثمان رضی اللہ عنہ تھے۔ ❷

۳:...... ((فإن ارادك المنافقون على خلعه فلا تخلعه .))

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عثمان رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا، جب وہ تشریف لائے تو آپ ﷺ ان کی طرف متوجہ ہوئے، جب ہم نے یہ دیکھا تو ہم خواتین ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو گئیں، ہم نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے عثمان رضی اللہ عنہ کے دونوں کندھوں کے درمیان دست مبارک رکھا اور آخری بات تین بار یہ فرمائی:

((يا عثمان إن الله عزوجل عسى أن يلبسك قميصا ، فإن ارادك المنافقون على خلعه فلا تخلعه حتى تلقاني .))

''اے عثمان امید ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں قمیص (خلافت) پہنائے گا۔ پس اگر منافقین اسے تم سے اتروانا چاہیں تو مت اتارنا یہاں تک کہ مجھ سے (جنت میں) ملنا۔'' ❸

---

❶ فتنه مقتل عثمان/ د. محمد عبدالله الغبان: ۱/ ٤٤ .

❷ فضائل الصحابة: (۱/ ٥٥١) إسناده حسن .

❸ فضائل الصحابة: ۱/ ٦٣١ ـ اسناده صحيح

٤:......((إن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم عهد إلى عهدا و اني صابر نفسي عليه .))

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میرے بعض صحابہ کو بلاؤ میں نے عرض کیا: ابوبکر رضی اللہ عنہ کو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، میں نے کہا: عثمان رضی اللہ عنہ کو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں۔ جب عثمان رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: تم یہاں سے ہٹ جاؤ، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے سرگوشیاں کرنے لگے، اور عثمان رضی اللہ عنہ کا رنگ بدلنے لگا، جب آپ گھر میں محصور کر دیے گئے، ہم نے عرض کیا: یا امیر المومنین! آپ ان سے قتال نہیں کریں گے؟ فرمایا: نہیں:

((ان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم عهد إلى عهدا واني صابر نفسي عليه .))[1]

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ایک عہد لیا ہے میں اس پر ڈٹا رہوں گا۔''

اس حدیث پاک سے عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شدت محبت اور اپنے بعد مصالح امت کا حرص واضح ہوتا ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان رضی اللہ عنہ کو بعض ان چیزوں کی خبر دی جو اس فتنہ سے متعلق تھیں یعنی فتنہ آپ کے قتل پر منتہی ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکمل طور پر اس کو راز میں رکھنے کا اہتمام فرمایا، ہم تک صرف اتنی ہی بات پہنچی جتنی فتنہ کے دوران میں عثمان رضی اللہ عنہ نے اس سوال کے جواب میں فرمایا کہ کیا آپ ان سے قتال نہیں کریں گے؟ تو آپ نے فرمایا:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ایک عہد لیا ہے میں اس پر ڈٹا رہوں گا۔''[2]

عثمان رضی اللہ عنہ کے اس قول سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فتنہ بھڑکنے کے وقت صحیح موقف کی طرف رہنمائی فرمائی، اور یہ اس لیے تاکہ فتنہ بڑھنے نہ پائے۔

(۵)...... ذوالنورین رضی اللہ عنہ عہد صدیقی اور عہد فاروقی میں

ا۔ مجلس شوریٰ کی رکنیت:

خلافت صدیقی میں عثمان رضی اللہ عنہ ان صحابہ اور اہل شوریٰ میں سے تھے جن کی رائے اہم ترین مسائل میں لی جاتی تھی۔ آپ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نزدیک مرتبہ میں دو میں سے دوسرے تھے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ عزیمت و شدائد کے لیے اور عثمان رضی اللہ عنہ رفق و بردباری کے لیے۔ عمر رضی اللہ عنہ خلافت صدیقی کے وزیر اور عثمان رضی اللہ عنہ جنرل سکریٹری تھے، ناموس اعظم اور کاتب اکبر تھے۔[3]

[1] فضائل الصحابة: ١/ ٦٠٥۔ اسناده صحيح [2] ایضًا

[3] عثمان بن عفان/ صادق عرجون صفحه (٥٨)

آپ کی رائے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے یہاں مقدم رہتی، چنانچہ جب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ارتداد کی تحریک کو کچل دیا تو روم پر چڑھائی کرنے اور مختلف اطراف میں مجاہدین کو روانہ کرنے کا ارادہ فرمایا، اور اس سلسلہ میں لوگوں سے مشورہ لینا شروع کیا، خردمندوں نے اپنی اپنی باتیں آپ کے سامنے رکھیں، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس سلسلہ میں مزید مشورہ طلب کرتے ہوئے فرمایا: آپ حضرات کی کیا رائے ہے؟ تو عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ اس امت کے خیرخواہ اور مشفق ہیں، لہٰذا آپ کسی بات کو عام مسلمانوں کے لیے مفید سمجھیں تو اس کو کر گزریے، یقیناً آپ پر کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا ہے۔ [1]

۲۔ دور صدیقی میں اقتصادی بحران اور عثمان رضی اللہ عنہ:

سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بارش رک گئی، لوگ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: بارش نازل نہیں ہوئی، فصلیں نہیں اگیں، لوگ سخت بحران و پریشانی کا شکار ہیں، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ لوگ جائیں اور صبر سے کام لیں، شام تک اللہ تعالیٰ تمہاری اس پریشانی کو دور فرما دے گا۔ اتنے میں عثمان رضی اللہ عنہ کا تجارتی قافلہ سو اونٹوں پر گندم لادے شام سے مدینہ پہنچ گیا۔ اس کی خبر سن کر لوگ عثمان رضی اللہ عنہ کے دروازے پر پہنچ گئے۔ عثمان رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ گھر سے باہر تشریف لائے اور فرمایا: آپ حضرات کیا چاہتے ہیں؟ لوگوں نے کہا: آپ جانتے ہیں یہ وقت قحط سالی کا ہے۔ بارش نازل نہیں ہوئی اور فصلیں نہیں اُگیں، لوگ انتہائی پریشانی کا شکار ہیں۔ ہمیں یہ اطلاع ملی ہے کہ آپ کے پاس گندم ہے، آپ اسے ہمیں فروخت کر دیں تاکہ ہم اسے فقراء و مساکین تک پہنچا دیں۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بہت خوب! اندر تشریف لائیں اور خرید لیں۔ تجار آپ کے گھر میں داخل ہوئے، دیکھا گندم رکھی ہوئی ہے۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے تاجروں سے کہا: آپ لوگ شام سے میری خرید و قیمت پر کتنا منافع دیں گے؟ انہوں نے کہا: دس کا بارہ دیں گے۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے اس سے زیادہ مل رہا ہے۔ تاجروں نے کہا: دس کا پندرہ لے لیجیے۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے اس سے زیادہ مل رہا ہے۔ تاجروں نے عرض کیا اے ابوعمرو مدینہ میں تو ہمارے علاوہ اور کوئی تاجر تو ہے نہیں، تو کون آپ کو زیادہ دے رہا ہے؟ عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ہمیں زیادہ دے رہا ہے۔ ایک درہم کا دس درہم دے رہا ہے کیا آپ حضرات اس سے زیادہ دے سکتے ہیں؟ لوگوں نے کہا: نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتا ہوں، اس غلے کو میں نے مسلمانوں کے فقراء پر صدقہ کر دیا ہے۔ [2]

---

[1] تاریخ دمشق/ ابن عساکر (۲/ ۶۳۔۶۵) ابوبکر الصدیق/ الصلابی صفحہ (۳۶٤)

[2] الرقة و البکاء/ ابن قدامة ، ص (۱۹۰)۔ الخلفاء الراشدون/ حسن ایوب ، ص (۱۹۱)۔ شهید الدار/ احمد الخروف ، ص (۲۱)

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک عثمان رضی اللہ عنہ کا انتہائی بلند مقام تھا، لوگ جب عمر رضی اللہ عنہ سے کچھ منوانا چاہتے تو عثمان اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا سہارا لیتے۔ دور فاروقی میں عثمان رضی اللہ عنہ کو ردیف کہا جاتا تھا۔ عربی میں ردیف شہسوار کے پیچھے سوار ہونے والے کو کہتے ہیں، اور عرب بادشاہ کے ہم نشین اور ثانی کو ردیف کہتے ہیں۔ جب ان دونوں سے کام نہیں بنتا تو تیسرے نمبر پر عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا سہارا لیتے۔ ❶

ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کو لے کر مدینہ سے نکلے اور مقام صرار پر پڑاؤ ڈال دیا۔ عثمان، عمر رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، کیا خبر ہے؟ کہاں کا ارادہ ہے؟ عمر "الصلاۃ جامعۃ" کے ذریعے سے اعلان کرنے یا پھر لوگوں کو اپنے عزم سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا: میں عراق پر حملہ کرنا چاہتا ہوں۔ ❷

جب عمر رضی اللہ عنہ نے مسند خلافت کو سنبھالا تو کبار صحابہ سے بیت المال سے وظیفہ لینے سے متعلق مشورہ لیا تو عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کھایئے اور کھلایئے۔ ❸

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں عثمان رضی اللہ عنہ کی حیثیت خلیفہ کے وزیر کی تھی۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ دور فاروقی میں آپ کا وہی مقام تھا جو خلافت صدیقی میں عمر رضی اللہ عنہ کا مقام تھا۔ اللہ رب العزت نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے عمر رضی اللہ عنہ کی وزارت سے وہ کام کیا جو اپنے خاص بندوں کے لیے کرتا ہے اور عمر رضی اللہ عنہ کے لیے عثمان رضی اللہ عنہ کی وزارت سے وہ کام کیا جو اپنے خاص بندوں کے لیے کرتا ہے۔

۳۔ امہات المومنین کے ساتھ حج:

جب ۱۳ھ میں عمر رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر جلوہ افروز ہوئے تو اس سال عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو امیر حج مقرر فرمایا۔ انہوں نے لوگوں کے ساتھ حج کیا، اور اسی طرح ۲۳ھ میں جو آخری حج عمر رضی اللہ عنہ نے کیا، عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ تھے۔ اس سال عمر رضی اللہ عنہ نے ازواج مطہرات کو حج کرنے کی اجازت دی، انہیں ہودج میں سوار کیا گیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ عثمان بن عفان اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا۔ عثمان رضی اللہ عنہما اپنی سواری پر سوار ازواج مطہرات کے آگے آگے چلتے اور کسی کو بھی ان کے قریب نہ آنے دیتے اور جہاں عمر رضی اللہ عنہ پڑاؤ ڈالتے وہاں ازواج مطہرات بھی منزل کرتیں، عثمان اور عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ انہیں گھاٹیوں میں اتارتے اور یہ دونوں گھاٹی کے بالکل کنارے رہتے اور کسی کو ان کے پاس سے گزرنے نہ دیتے۔ ❹

---

❶ تاریخ الطبری: ٤/ ٨٣۔ المرتضی/ ابو الحسن علی الندوی ص: (١٣١)

❷ عثمان بن عفان/ الخلیفة الشاکر الصابر ص: (٦٣) ❸ ایضًا

❹ طبقات ابن سعد (٣/ ١٣٤)۔ انساب الاشراف (١/ ٤٦٥ ، ٤٦٦)۔ مجلة البحوث الاسلامیة ، العدد العاشر ، ص ٢٦٣ .

دوسرا باب

ذوالنورین رضی اللہ عنہ کا استخلاف

(۱)......استخلاف سے متعلق فقہ عمری

رسول اللہ ﷺ نے جس وقت وفات پائی تھی اس وقت سب ہی ابوبکر رضی اللہ عنہ کی افضلیت اور اسبقیت کے معترف تھے۔ اس وقت اختلاف کا احتمال نادر تھا، اور خاص کر جب کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے قول وفعل سے امت کی رہنمائی فرمادی تھی کہ آپ کے بعد خلافت کے لیے ابوبکر رضی اللہ عنہ زیادہ مستحق ہیں۔ اور جس وقت صدیق نے عمر رضی اللہ عنہما کو خلافت کے لیے نامزد کیا وہ بخوبی جانتے تھے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو اس بات پر یقین و اطمینان حاصل ہے کہ آپ کے بعد خلافت کی ذمہ داری سنبھالنے کے لیے سب سے افضل وقوی عمر رضی اللہ عنہ ہیں، اسی لیے کبار صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کر کے عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں خلافت کی باگ ڈور دے دی، اور کسی نے بھی ان کی اس رائے کی مخالفت نہ کی، اور عمر رضی اللہ عنہ کی بیعت خلافت پر اجماع ہو گیا۔ [1]

لیکن جدید خلیفہ کے انتخاب کا طریقہ یہ اختیار کیا گیا کہ شوریٰ کو مخصوص تعداد میں محصور کر دیا گیا، اور چھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کے لیے خاص کر دیا گیا، جن میں سے ہر ایک خلافت کے لیے مناسب وموزوں تھا اگرچہ ان کے مابین تفاوت موجود تھا، اسی طرح آپ نے طریقہ انتخاب اور اس کی مدت کی تحدید فرمادی، اور ان دونوں کی تعداد کی بھی تعیین فرمادی جو خلیفہ کے انتخاب کے لیے کافی تھے۔ اس مجلس انتخاب کے لیے حکم (فیصل) اور اگر ووٹ برابر ہوں تو مرجح کی بھی تعیین فرمادی، اور مجلس انتخاب میں انتخابی کارروائی کی نگرانی، فتنہ وفساد کو روکنے اور جماعت کی مخالفت کرنے والے کو سزا دینے کے لیے اللہ کے لشکر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی ایک جماعت کو مقرر فرمایا تاکہ اہل حل وعقد کی مجلس میں جو انتخابی کارروائی ہو اس میں نہ تو کوئی داخل ہو سکے اور نہ سن سکے۔ [2]

گزشتہ اجمال کی تفصیل ملاحظہ ہو:

۱۔ مجلس شوریٰ کے افراد کی تعداد اور ان کے اسمائے گرامی:

ان کی تعداد کل چھ تھی اور وہ یہ حضرات تھے:

۱۔ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

۲۔ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

[1] اولیات الفاروق/ د. غالب عبدالکافی القرشی: صفحہ ۱۲۲۔

[2] اولیات الفاروق/ د. غالب عبدالکافی القرشی ، صفحہ ۱۲٤۔

۳۔ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ

۴۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

۵۔ زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ

۶۔ طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ

۲۔ طریقہ انتخاب خلیفہ:

انہیں حکم دیا کہ کسی ایک کے گھر میں جمع ہو جائیں، اور آپس میں مشورہ کریں، اور اپنے ساتھ مشیر کی حیثیت سے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو شامل کر لیں، ان کی حیثیت صرف مشیر کی ہوگی، خلافت کا استحقاق نہ ہوگا۔ مشورہ کی مدت میں لوگوں کی امامت صہیب رومی رضی اللہ عنہ کروائیں گے، چنانچہ ان سے آپ نے فرمایا: ان تین دنوں میں تم نماز کے امیر ہوگے۔ آپ نے ان افراد شوریٰ میں سے کسی کو امامت نہیں سونپی، کیوں کہ ایسی صورت میں عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے یہ خلافت کے لیے نامزدگی تصور ہوتی۔ [1] اور پھر مقداد بن اسود اور ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہما کو انتخابی کارروائی کا مراقب ونگراں مقرر فرمایا۔ [2]

۳۔ مدت انتخاب یا مشورہ:

عمر رضی اللہ عنہ نے تین دن کی مدت اس انتخاب ومشورہ کے لیے متعین فرمائی کیوں کہ اس سے زیادہ کی صورت میں اختلاف وسیع تر ہوتے، اسی لیے آپ نے ان سے کہا کہ چوتھا دن نہ آنے پائے الا یہ کہ امیر تم پر مقرر ہو۔ [3]

(۲)......شوریٰ کی ادارت میں عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا منہج

۱۔ مشاورت کے لیے مجلس شوریٰ کا اجتماع:

ابھی عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی تدفین سے لوگ فارغ ہی ہوئے تھے کہ شوریٰ اور اعلیٰ ریاستی کونسل کے ممبران نے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں اپنا اجتماع منعقد کرنے میں جلدی کی تاکہ عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد مسلمانوں کی زندگی میں جو عظیم ترین مسئلہ رونما ہوا ہے اس کا حل تلاش کریں، ممبران نے آپس میں گفت وشنید کی اور اپنی آراء وتجاویز پیش کیں، اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ایک کلمہ پر متفق ہو گئے جسے خاص و عام تمام مسلمانوں نے پسند کیا۔ اور بعض روایات کے مطابق یہ اجتماع ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہ کی بہن فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کے گھر میں منعقد ہوا تھا۔ [4]

---

[1] الخلافة و الخلفاء الراشدون/ البهنساوی ص (۲۱۳)

[2] اشهر مشاهير الاسلام فی الحرب والسياسة ص (٦٤٨)

[3] الطبقات لابن سعد: ۳/ ۳٦٤.

[4] عثمان بن عفان / صادق عرجون صفحه: ٦۲، ٦۳۔

۲۔عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ تنازل کی دعوت دیتے ہیں:

جب شوریٰ کے ممبران جمع ہو گئے تو عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ آپ حضرات اپنا معاملہ اپنے میں سے تین کے حوالہ کر دیں: زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا میں اپنا معاملہ علی رضی اللہ عنہ کے حوالہ کرتا ہوں [1] اور طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اپنا معاملہ عثمان رضی اللہ عنہ کے حوالہ کرتا ہوں اور سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اپنا معاملہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے حوالہ کرتا ہوں۔ اس تنازل سے مجوزہ امیدواروں کی تعداد تین ہوگئی، علی بن ابی طالب، عثمان بن عفان، عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم۔

اس کے بعد عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عثمان اور علی رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ حضرات میں سے جو بھی خلافت سے اپنی براءت ظاہر کرے گا ہم خلافت اسی کو دیں گے اور اللہ اس کا نگران ونگہبان ہوگا اور اسلام کے حقوق کی ذمہ داری اس پر لازم ہوگی۔ ہر شخص کو غور کرنا چاہیے کہ اس کے خیال میں کون افضل ہے۔ اس پر حضرات شیخین (عثمان وعلی رضی اللہ عنہما) خاموش ہو گئے۔ تو عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا آپ حضرات انتخاب کی ذمہ داری مجھ پر ڈالتے ہیں۔ اللہ گواہ ہے کہ میں آپ حضرات میں سے اسی کو منتخب کروں گا جو سب میں افضل ہوگا۔ ان حضرات نے فرمایا: جی ہاں۔ [2]

۳۔شوریٰ کی ادارت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے سپرد:

یک شنبہ کی صبح ممبران شوریٰ کے اجتماع کے اختتام کے فوراً بعد عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے ملاقات ومشاورت شروع کر دی، مسلسل تین دن تک اسی میں لگے رہے یہاں تک کہ چہار شنبہ ۴ محرم کی صبح نمودار ہوئی۔ یہ اس مدت کی انتہا تھی جسے عمر رضی اللہ عنہ نے مقرر کیا تھا۔ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے مشاورت کا آغاز علی رضی اللہ عنہ سے کیا اور فرمایا: اگر اس منصب خلافت کے لیے آپ کے ہاتھ پر بیعت نہ کروں تو بھلا بتائیے اس منصب خلافت کے لیے آپ کس کا نام تجویز فرمائیں گے؟ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عثمان رضی اللہ عنہ کا نام۔ پھر عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے کہا اگر اس مسند خلافت کے لیے آپ کے ہاتھ پر بیعت نہ کروں تو بتائیے اس منصب خلافت کے لیے آپ کس کا نام تجویز کریں گے؟ عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا نام۔ اس کے بعد عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس جا جا کر ان سے مشورہ طلب کیا۔ مدینہ میں کبار صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے جو بھی ملتا اس سے مشورہ طلب کرتے، فوجی قائدین وجرنیلوں اور جو بھی مدینہ آتا اس سے مشورہ کرتے یہاں تک کہ خواتین، بچوں اور غلاموں سے بھی ان کی رائے دریافت کرتے، اور اس مشاورت کا نتیجہ یہ رہا کہ بھاری اکثریت نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو خلافت کے لیے موزوں قرار دیا، جب کہ کچھ ہی لوگوں نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا نام پیش کیا، چنانچہ چہار شنبہ کی شب میں آپ اپنے بھانجے مسور بن

[1] البخاری: فضائل اصحاب النبی ﷺ (۳۷۰۰) [2] ایضًا

مخرمہ رضی اللہ عنہ کے گھر گئے۔ دروازے پر دستک دی تو وہ سو رہے تھے۔ دروازے پر زور سے مارا کہ وہ بیدار ہو گئے۔ فرمایا: میں دیکھتا ہوں کہ تم سو رہے تھے آج کی رات تو میں نے نیند کا سرمہ تک نہیں لگایا۔ ❶ جاؤ اور زبیر اور سعد رضی اللہ عنہ کو بلا لاؤ، وہ انہیں بلا لائے، آپ نے ان دونوں سے مشورہ کیا پھر مسور رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا: جاؤ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو بلا لاؤ، وہ انہیں بلا کر لائے آپ ان سے سرگوشی کرتے رہے یہاں تک کہ آدھی رات ہو گئی، پھر مسور رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو بلا لاؤ وہ انہیں بلا لائے اور آپ ان سے سرگوشی کرتے رہے یہاں تک کہ موذن نے اذان فجر دی۔ ❷

۴۔ عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت پر اتفاق:

بیعت کے دن (۴/محرم ۲۴ھ) فجر کی نماز کے بعد جب کہ وصیت کے مطابق صہیب رومی رضی اللہ عنہ ہی امامت کرتے تھے، عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عطا کردہ عمامہ باندھے ہوئے آگے بڑھے، ممبران شوریٰ منبر نبوی کے پاس تشریف فرما تھے، آپ نے مہاجرین وانصار اور فوجی قائدین اور جرنیلوں کو بلوایا ان میں شام کے امیر معاویہ بن ابی سفیان، حمص کے امیر عمیر بن سعد اور مصر کے امیر عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم اس وقت موجود تھے، جنھوں نے حج میں عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ شرکت کی تھی اور آپ کی معیت میں مدینہ پہنچے تھے۔ ❸

صحیح بخاری میں یہ واقعہ یوں بیان کیا گیا ہے:

> ''جب لوگ صبح کی نماز سے فارغ ہوئے اور ممبران شوریٰ منبر کے پاس جمع ہو گئے تو عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے مہاجرین وانصار میں سے جو حاضر تھے ان کو بلا بھیجا، اور اسی طرح سپہ سالاروں کو بلوایا جنھوں نے عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حج میں شرکت کی تھی جب سب لوگ جمع ہو گئے تو عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے خطبہ مسنونہ پڑھا، اور پھر فرمایا: حمد وصلوٰۃ کے بعد، اے علی میں نے لوگوں کے خیالات معلوم کیے، اور میں نے دیکھا وہ عثمان کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے، اس لیے آپ اپنے دل میں کوئی میل نہ پیدا کریں، پھر فرمایا: میں آپ (عثمان رضی اللہ عنہ) سے بیعت کرتا ہوں اللہ کی سنت اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دو خلفاء (ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما) کی سنت کے مطابق۔ چنانچہ پہلے آپ سے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے بیعت کی پھر سب لوگوں نے، مہاجرین، انصار، سپہ سالار اور تمام مسلمانوں نے۔ ❹

اور صاحب تمہید کی روایت کے مطابق عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی بیعت کے بعد سب سے پہلے جس نے

❶ الخلفاء الراشدون/ الخالدی ص: (۱۰۶۔۱۰۷) ❷ البخاری: کتاب الاحکام (۷۲۰۷)
❸ شهيد الدار عثمان بن عفان/ احمد الخروف ، ص: (۳۷)
❹ البخاری: کتاب الاحکام (۷۰۔ ۷۲)

عثمان رضی اللہ عنہ سے بیعت کی وہ علی رضی اللہ عنہ تھے۔ ❶

(۳)...... واقعہ شوریٰ سے متعلق رافضی اباطیل اور کذب بیانیاں

تاریخ رافضی کذب بیانیوں سے بھری پڑی ہے۔ شوریٰ اور عثمان رضی اللہ عنہ کی تولیت خلافت کا واقعہ بھی ان کی کذب بیانیوں اور اباطیل سے محفوظ نہ رہ سکا۔ مستشرقین ان کذب بیانیوں اور اباطیل کو لے اڑے اور وسیع پیمانے پر اس کی نشر و اشاعت کی۔ بہت سے جدید مورخین اور مفکرین ان کذب بیانیوں سے متاثر ہوئے، روایات کی جانچ پڑتال نہ کی اور ان روایات کی سند و متن کو میزان تحقیق پر نہ پرکھا، نتیجہ یہ ہوا کہ یہ اباطیل اور کذب بیانیاں مسلمانوں میں پھیل گئیں۔

مؤرخین نے شوریٰ اور عثمان رضی اللہ عنہ کی تولیت خلافت کو اہمیت دی اور اس میں اپنی کذب بیانی اور اباطیل کو شامل کیا۔ ان مورخین کی ایک اچھی خاصی تعداد نے اس موضوع پر کتابیں لکھیں، چنانچہ ابومخنف رافضی نے کتاب ''الشوریٰ'' لکھی، اسی طرح ابن عقدہ اور ابن بابویہ نے اس موضوع پر مستقل کتابیں تصنیف کیں۔ ❷

شوریٰ، بیعت عثمان رضی اللہ عنہ، اور تولیت خلافت کی تاریخ سے متعلق ابن سعد نے واقدی کی سند سے نو روایتیں نقل کی ہیں۔ ❸ اور ایک روایت عبداللہ بن موسیٰ کی سند سے عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت، چھ افراد پر مشتمل شوریٰ کی تعیین، خلافت ملنے کی صورت میں عثمان و علی رضی اللہ عنہما کو وصیت، اور اس سلسلے میں صہیب رضی اللہ عنہ کو عمر رضی اللہ عنہ کی وصیت سے متعلق نقل کی ہے۔ ❹

بلاذری نے مشاورت اور بیعت عثمان رضی اللہ عنہ کی خبریں ابومخنف ❺ ہشام کلبی، واقدی ❻ عبیداللہ بن موسیٰ ❼ سے نقل کی ہیں، اور طبری نے اس سلسلہ میں مختلف روایتوں پر اعتماد کیا ہے جس میں سے ابومخنف کی بھی روایت ہے۔ ❽ اور ابن ابی الحدید نے شوریٰ سے متعلق بعض واقعات احمد بن علی الجوہری کی سند سے نقل کیے ہیں۔ ❾ اور واقدی کی کتاب ''الشوریٰ'' سے نقل کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ❿ یہ تمام ترشیعی روایات متعدد جھوٹے امور پر مشتمل ہیں جن کی صحت کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ وہ امور یہ ہیں:

---

❶ التمهيد والبيان: ص (٢٦)

❷ الذريعة الى تصانيف الشيعة: (١٤/ ٢٤٦)

❸ الطبقات الكبرىٰ/ ابن سعد: (٣/ ٦٣، ٣/ ٦٧)

❹ ايضًا: (٣/ ٣٤٠)

❺ انساب الاشراف / البلاذری (٥/ ١٨، ١٩)

❻ ايضًا: (٥/ ١٨، ١٩)

❼ ايضًا: ٥/ ٦.

❽ اثر التشيع على الروايات التاريخية/ د۔ عبدالعزيز نور ص: ٣٢١.

❾ شرح نهج البلاغة: (٩/ ٤٩۔٥٨)

❿ ايضًا: ٩/ ١٥.

ا۔ مسلمانوں کے معاملہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین پر ناانصافی کا اتہام:

رافضی روایات نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو مسلمانوں کے معاملہ میں متہم کیا ہے، اور یہ باور کرایا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ اس بات پر راضی نہیں تھے کہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ خلیفہ کے انتخاب کی کارروائی چلائیں۔ ابومخنف رافضی، ہشام کلبی اور احمد جوہری نے یہ بیان کیا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے دونوں جانب ووٹ برابر ہونے کی صورت میں ترجیحی صلاحیت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو سونپ دی تھی جس سے علی رضی اللہ عنہ نے یہ محسوس کرلیا تھا کہ اب خلافت ان کے ہاتھ سے نکل گئی کیوں کہ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سسرالی رشتہ کی وجہ سے عثمان رضی اللہ عنہ کو ہی ترجیح دیں گے۔ [1] لیکن کیا یہ سچ ہے کہ دونوں میں رشتہ داری تھی۔

علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے عثمان اور عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے درمیان کسی قریبی نسبی رشتہ داری کی نفی کی ہے۔ فرماتے ہیں: عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نہ تو عثمان رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے نہ چچا زاد تھے اور نہ اصلاً آپ کے قبیلے سے ان کا تعلق تھا بلکہ یہ تو بنوزہرہ سے تھے اور عثمان رضی اللہ عنہ بنوامیہ سے، اور بنوزہرہ بنوامیہ کی بہ نسبت بنوہاشم کی طرف زیادہ مائل تھے۔ بنوزہرہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ننھیال تھی یہ سب آپ کے ماموں لگتے تھے، اور انہی میں سے عبدالرحمٰن بن عوف اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما تھے۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

((هذا خالی فلیرنی امرؤ خاله .)) [2]

''یہ میرے ماموں ہیں ان جیسا کوئی اپنا ماموں دکھائے۔''

اور اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجر سے مہاجر اور انصاری سے انصاری کی مواخاۃ اصلاً نہیں کرائی تھی بلکہ مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخاۃ کرائی تھی (کہ اس طرح ہی عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا عثمان رضی اللہ عنہ سے رشتہ ہوا ہو بلکہ) عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما کی مواخاۃ سعد بن ربیع انصاری رضی اللہ عنہ سے کرائی تھی۔ [3] اور اس مواخاۃ سے متعلق حدیث صحاح وسنن وغیرہ میں مشہور ومعروف ہے، اور اہل علم اس کو اچھی طرح جانتے ہیں [4] لیکن چونکہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ولید بن عقبہ بن ابی معیط رضی اللہ عنہ کی بہن ام کلثوم بنت عقبہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی تھی [5] جو بنوامیہ سے تھیں۔ اس رشتہ مصاہرت کی بنا پر شیعی روایات نے اتہامات کا طومار کھڑا کردیا، اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ پر ناانصافی اور عثمان رضی اللہ عنہ کو خلافت کے لیے ناحق ترجیح دینے کا اتہام باندھ دیا۔ اور ایک طرف جہاں یہ بھول گئے کہ نسب کی قوت مصاہرت کی قوت پر مقدم ہے وہیں دوسری طرف قرون اولیٰ کے مسلمانوں کے درمیان تعلقات کی حقیقت کو فراموش کردیا کہ ان کے تعلقات نسب ومصارت پر قائم نہیں تھے بلکہ ایمان وتقویٰ پر قائم تھے۔

---

[1] اثر التشیع علی الروایات التاریخیة ص: ۳۲۲.
[2] صحیح سنن الترمذی: (۳/ ۲۲۰) (۴۰۱۸)
[3] البخاری: کتاب مناقب الانصار (۳۷۸۰)
[4] منهاج السنة النبویة/ ابن تیمیة: ۶/ ۲۷۱-۲۷۲.
[5] الطبقات الکبریٰ: ۳/ ۱۲۷.

۲۔ اموی پارٹی اور ہاشمی پارٹی:

ابومخنف کی روایت سے اس بات کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ بیعت کے وقت بنو ہاشم اور بنو امیہ کے درمیان اختلاف اور سخت کلامی واقع ہوئی، حالاں کہ یہ بے بنیاد اور غلط بات ہے، صحیح یا ضعیف کسی بھی روایت میں اس کا سراغ نہیں ملتا۔ ❶

بعض مورخین نے شیعی اور رافضی روایات کے چکر میں آ کر ان روایات پر اپنے غلط تبصروں کی بنیاد رکھی، اور خلیفہ کی تعیین و انتخاب میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی مشاورت کی تصویر کشی قبائلی اختلاف کی شکل میں پیش کی، اور یہ باور کرانے کی سعی لاحاصل کی کہ لوگ دو پارٹیوں یعنی اموی پارٹی اور ہاشمی پارٹی میں تقسیم ہو گئے تھے، لیکن یہ تصویر کشی موہوم اور استنباط مردود ہے، اس کی کوئی دلیل نہیں۔ یہ تصور اس ماحول سے کوئی مطابقت نہیں رکھتا جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین زندگی بسر کر رہے تھے جہاں ایک مہاجر اپنے باپ، بھائی، چچا زاد اور خاندان والوں کے خلاف ایک انصاری کا ساتھ دیتا۔ اور ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے تصور سے بھی میل نہیں کھاتا جو دین کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے تھے۔ اور نہ ان چنندہ عشرہ مبشرہ کی صحیح معرفت سے میل کھاتا ہے۔ ان کے متعلق بہت سے واقعات جو مروی ہیں وہ اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ یہ حضرات اس سے کہیں زیادہ بلند تھے کہ وہ اپنے امور کو حل کرنے کے لیے اس طرح کا تنگ گوشہ اختیار کریں گے، یہاں معاملہ خاندان یا قبیلے کی نمائندگی کا نہیں تھا بلکہ ان کے اسلامی مقام و مرتبہ کی بنیاد پر ممبران شوریٰ کا انتخاب تھا۔ ❷

۳۔ علی رضی اللہ عنہ پر تہمت طرازی:

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ابن جریر وغیرہ کی طرح بہت سے مورخین نے نامعلوم اور مجہول لوگوں سے جو یہ نقل کیا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے کہا: تم نے مجھے دھوکا دیا ہے، اور تم نے عثمان رضی اللہ عنہ کو اس لیے خلیفہ مقرر کیا کہ وہ تمہارے سسرالی رشتے میں آتے ہیں اور تاکہ وہ اپنے امور میں روزانہ تم سے مشورہ لیتے رہیں...... یہاں تک کہ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے یہ آیت تلاوت کی:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ ۚ فَمَن نَّكَثَ فَإِنَّمَا يَنكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهِ ۖ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللَّهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿١٠﴾﴾

(الفتح: ۱۰)

''جو لوگ تجھ سے بیعت کرتے ہیں وہ یقیناً اللہ سے بیعت کرتے ہیں ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے، تو جو شخص عہد شکنی کرے وہ اپنے نفس پر ہی عہد شکنی کرتا ہے، اور جو شخص اس اقرار کو پورا کرے

❶ مرویات ابی مخنف فی تاریخ الطبری ص (۱۷۷، ۱۷۸)
❷ الخلفاء الراشدون/ أمين القضاة ص (۷۸، ۷۹)

جو اس نے اللہ کے ساتھ کیا ہے تو اسے عنقریب اللہ بہت بڑا اجر دے گا۔‘‘

یہ اور اس طرح کی دیگر روایات جو صحیح روایات کے خلاف ہیں یہ سب کی سب ان کے قائلین و ناقلین پر مردود ہیں۔ واللہ اعلم۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے متعلق ہمارا ایمان و یقین ان واہموں کے برعکس ہے جو روافض اور بے وقوف قصہ گو بیان کرتے ہیں، کہ جن کے پاس صحیح وضعیف اور غلط اور صحیح کی کوئی تمیز نہیں ہے۔ اللہ ہی صحیح کی توفیق دینے والا ہے۔ [1]

۴۔ عمرو بن العاص اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما پر تہمت طرازی:

ابو مخنف نے شوریٰ کی روایت میں عمرو بن العاص اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما سے متعلق بیان کیا ہے کہ یہ دونوں مشاورت کے وقت دروازے پر جا بیٹھے، اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کو وہاں سے بھگا دیا، اور کہا کیا تم یہ چاہتے ہو کہ بعد میں کہو کہ ہم بھی ممبران شوریٰ میں سے تھے؟

یہ انتہائی غلط بات ہے، عام لوگوں کے سلسلہ میں بھی یہ تصور نہیں کیا جا سکتا چہ جائیکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے بارے میں یہ سوچا جائے۔ لوگ، ممبران شوریٰ کون ہیں انہیں اچھی طرح جانتے اور پہچانتے تھے، اور یہ خبر ان کے درمیان مشہور و عام تھی کہ کوئی غیر متعلق شخص اس کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔

حقیقت میں ابو مخنف کی روایت میں تناقضات کی بھرمار ہے، غور وفکر کرنے اور صحیح اصولوں سے اس کا مقارنہ کرنے والوں کے لیے یہ بالکل واضح ہے، اور اس کے عجائب وغرائب مشہور ہیں، انہیں ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ ڈاکٹر یحییٰ الیحییٰ نے اس کی بعض مثالوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو اس روایت کے ابطال اور عدم اعتبار کے لیے کافی ہیں۔ [2] تنبیہ وتحذیر کی خاطر ان زہر آلودگیوں سے متعلق بعض اشارے ذکر کیے ہیں جو ہماری تاریخ وثقافتی میراث کے اندر پھیلی ہوئی ہیں اور مولفین ومورخین اور مفکرین کو متاثر کر رکھا ہے۔

۵۔ عثمان رضی اللہ عنہ کا خلافت کا زیادہ مستحق ہونا:

متعدد قطعی اور صحیح نصوص اور مشہور آثار وارد ہیں جو عثمان رضی اللہ عنہ کے خلافت کے سب سے زیادہ مستحق ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ [3]

ان نصوص میں سے بعض یہ ہیں:

۱:......اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَ لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَ

---

[1] البداية والنهاية: ۷/ ۱۵۲.
[2] مرویات ابی مخنف ص (۱۷۹)
[3] عقيدة اهل السنة والجماعة فى الصحابة (۲/ ۶۵۶)

لَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـــًٔا ۭ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴾ (النور: ۵۵)

''تم میں سے ان لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں اور نیک اعمال کیے ہیں اللہ تعالیٰ وعدہ فرما چکا ہے کہ انہیں ضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا، جیسے کہ ان لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا جو ان سے پہلے تھے، اور یقیناً ان کے لیے ان کے اس دین کو مضبوطی کے ساتھ محکم کر کے جما دے گا جسے ان کے لیے وہ پسند فرما چکا ہے، اور ان کے اس خوف وخطر کو وہ امن وامان سے بدل دے گا، وہ میری عبادت کریں گے، میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے، اس کے بعد بھی جو لوگ ناشکری اور کفر کریں وہ یقیناً فاسق ہیں۔''

یہ آیت کریمہ عثمان رضی اللہ عنہ کی استحقاق خلافت پر یوں دلیل ہے کہ آپ ان لوگوں میں سے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے زمین پر خلافت سے نوازا، اور غلبہ اور تمکنت عطا فرمائی، اور آپ نے اپنے ایام خلافت میں لوگوں کے درمیان اچھی سیرت پیش کی، عدل وانصاف کی حکومت کی، نماز وزکوٰۃ کو قائم کیا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیا، لہٰذا یہ آیت کریمہ آپ کی احقیت خلافت کی طرف واضح اشارہ ہے۔ [1]

۲:......ارشاد الٰہی ہے:

﴿ قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴾ (الفتح: ۱۶)

''آپ پیچھے چھوڑے ہوئے بدویوں سے کہہ دو کہ عن قریب تم سخت جنگجو قوم کی طرف بلائے جاؤ گے کہ تم ان سے لڑو گے یا وہ مسلمان ہو جائیں گے، پس اگر تم اطاعت کرو گے تو اللہ تمہیں بہت بہتر بدلہ دے گا، اور اگر تم نے منہ پھیر لیا جیسا کہ اس سے پہلے تم منہ پھیر چکے ہو تو وہ تمہیں دردناک عذاب دے گا۔''

اور حدیث رسول سے بھی یہی راہنمائی ملتی ہے:

۱:......سنن ابوداود میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((رای الـلیلة رجل صالح ان ابا بکر نیط برسول اللّٰہ ﷺ و نیط عمر بابی بکر ، و نیط عثمان بعمر .))

''رات ایک صالح شخص نے دیکھا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے ملائے گئے، اور عمر رضی اللہ عنہ

[1] عقیدة اھل السنة والجماعة فی الصحابة (۲/ ۶۵۶)

ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ملائے گئے، اور عثمان رضی اللہ عنہ عمر رضی اللہ عنہ سے ملائے گئے۔''

۲:.....ترمذی نے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((یـا عثـمـان إنه لعل الله یُقَمِّصُك قمیصا فإن ارادوك علی خلعه فلا تخلعه لهم .)) ❶

''اے عثمان! امید ہے اللہ تمہیں ایک قمیص پہنائے گا پس اگر لوگ تم سے اس قمیص کو اتروانا چاہیں تو اس قمیص کو ان کی وجہ سے مت اتارنا۔''

۶۔عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اجماع:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اسی طرح ان کے بعد ان کے نقش قدم پر چلنے والے اہل سنت والجماعت کا اس باب پر اجماع ہے کہ عثمان بن عفان، عمر رضی اللہ عنہما کے بعد خلافت نبوت کے سب سے زیادہ مستحق تھے، کسی نے بھی اس سے اختلاف نہیں کیا ہے بلکہ سب نے اس کو تسلیم کیا ہے، کیوں کہ آپ شیخین ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے بعد مطلقاً سب سے افضل ہیں۔عثمان کی عمر رضی اللہ عنہما کے بعد احقیت خلافت پر اجماع بہت سے علمائے حدیث وغیرہم نے نقل کیا ہے۔ ❷

۱۔ ابن ابی شیبہ نے حارثہ بن مضرب سے روایت کی ہے کہ میں نے عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں حج کیا تو لوگوں کو دیکھا کہ انہیں اس سلسلہ میں کوئی شک نہیں تھا کہ عمر رضی اللہ عنہ کے بعد ہونے والے خلیفہ عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔ ❸

۲۔ ابونعیم اصفہانی نے حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ کھڑا تھا، میرے گھٹنے عمر رضی اللہ عنہ کے گھٹنے سے لگ رہے تھے۔عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمہارا کیا خیال ہے لوگ کس کو امیر بنائیں گے؟ آپ نے فرمایا: لوگوں نے اپنا معاملہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے حوالے کر رکھا ہے۔ ❹

۳۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے شریک بن عبداللہ القاضی سے روایت نقل کی ہے، فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مسلمانوں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کیا، اگر وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے زیادہ افضل کسی کو سمجھ رہے ہوتے تو گویا انہوں نے دھوکا دیا۔ پھر ابوبکر نے عمر رضی اللہ عنہما کو خلیفہ مقرر کیا انہوں نے عدل وحق کو لوگوں میں نافذ کیا، پھر جب وہ اس دنیا سے رخصت ہونے لگے تو چھ افراد پر مشتمل شوریٰ بنا دی، وہ عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت پر جمع ہو گئے، اگر وہ عثمان رضی اللہ عنہ سے زیادہ افضل کسی کو سمجھتے ہوتے تو گویا انہوں نے ہم کو دھوکا دیا۔ ❺

---

❶ فضائل الصحابة (۱/ ۶۱۳) اسناده صحيح . ❷ عقيدة اهل السنة والجماعة: ۲/ ۶۶۵ .

❸ المصنَّف: ۱۴/ ۵۸۸ .

❹ كتاب الامامة والرد علی الرافضة ص: ۳۰۶ .

❺ ميزان الاعتدال فی نقد الرجال/ محمد بن عثمان الذهبی (۲/ ۲۷۳) (یعنی ایسا ہرگز نہیں ہوا ہے بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے اس لیے صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان کو خلیفہ مقرر کیا اور عمر رضی اللہ عنہ کے بعد سب سے افضل عثمان رضی اللہ عنہ تھے اس لیے ان کو خلیفہ بنایا گیا۔صحابہ رضی اللہ عنہم امت کو دھوکا دینے والے نہ تھے۔) (مترجم)

۴۔ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کیا ہے: لوگ جس طرح عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت پر متفق ہوئے کسی کی بیعت پر متفق نہ ہوئے۔ [1]

۵۔ ابو الحسن الاشعری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عمر رضی اللہ عنہ کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ کی امامت ان اصحاب شوریٰ کی قرار داد سے ثابت ہوئی جن کو عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے لیے مقرر کیا تھا، انہوں نے آپ کو منتخب کیا، اور آپ کی امامت سے راضی ہوئے، اور آپ کے فضل وعدل پر اجماع کیا۔ [2]

٦۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: مروی ہے کہ شوریٰ نے خلیفہ کے انتخاب کی مکمل ذمہ داری عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دی تھی کہ وہ مسلمانوں میں جو افضل ہے اس کو خلیفہ منتخب کرنے کی پوری کوشش کریں، تو انہوں نے ممبران شوریٰ اور دیگر حضرات جن تک پہنچ سکتے تھے ان سے اس سلسلہ میں گفتگو کر کے رائے معلوم کی تو سب ہی نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے حق میں رائے دی، یہاں تک کہ آپ نے علی رضی اللہ عنہ سے کہا: اگر میں آپ کو والی نہ بناؤں تو آپ اس منصب کے لیے کس کا نام پیش فرماتے ہیں؟ جواب میں علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما کا۔ اور عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا: اگر میں آپ کو والی نہ بناؤں تو آپ اس منصب کے لیے کس کا نام پیش فرماتے ہیں؟ فرمایا: علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا۔

بظاہر یہ اس وقت کا معاملہ ہے جب مسئلہ خلافت تین دن کے اندر محصور نہیں ہوا تھا اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے افضل ترین کو منتخب کرنے کے لیے اپنے آپ کو اس حق سے الگ نہیں کیا تھا۔

پھر عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ان دونوں یعنی عثمان وعلی رضی اللہ عنہما کے سلسلے میں لوگوں سے صلاح ومشورہ شروع کیا، خاص وعام سب کی رائے معلوم کرنے لگے، الگ الگ، ایک ساتھ، دو دو، تنہا تنہا، خلوت وجلوت میں سب سے ملے، یہاں تک کہ پردہ نشین خواتین کے پاس پہنچے، ان کی رائے بھی معلوم کی، مکاتب میں بچوں سے ملے ان سے بھی پوچھا، حتیٰ کہ ان تین دنوں کے دوران میں جو مسافر اور دیہات کے رہنے والے مدینہ پہنچے ان سے بھی رائے معلوم کی، تو کسی کو عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں اختلاف کرتے ہوئے نہیں پایا۔

اس طرح عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے تین دن اور تین رات پوری محنت کی، نیند بھر نہ سوئے، اپنا سارا وقت نماز، دعا، استخارہ اور لوگوں سے صلاح ومشورہ میں گزار دیا، اور کسی کو عثمان رضی اللہ عنہ پر کسی کو مقدم کرتے ہوئے نہیں پایا، یہاں تک کہ وہ رات آئی جس کے بعد عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کا چوتھا دن طلوع ہونے والا تھا، آپ اس رات اپنے بھانجے مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچے اور ان سے کہا: علی وعثمان کو بلا لاؤ، وہ بلا لائے۔ وہ دونوں عبدالرحمٰن بن

---

[1] منهاج السنة (٣/ ٦٦)۔ السنة / الخلال، ص (٣٢٠)

[2] الإبانة عن اصول الديانة، ص ٦٨ .

عوف رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان دونوں حضرات کو خبر دی کہ میں نے لوگوں سے دریافت کیا تو لوگ آپ دونوں کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے ہیں، پھر آپ نے ان دونوں حضرات سے عہد لیا کہ اگر ان کو والی بنایا جائے تو وہ عدل وانصاف کو قائم کریں گے اور اگر ان پر دوسرے کو والی بنایا گیا تو اس کی اطاعت کریں گے، پھر عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے وہ عمامہ زیب تن کیا جو انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا کیا تھا، اور تلوار لٹکائی، اور مسجد تشریف لائے۔ مہاجرین وانصار کے سربرآوردہ لوگوں کو بلا بھیجا اور "الصلاة جامعة" کے اعلان سے مسجد لوگوں سے بھر گئی اور تنگ ہوگئی، لوگ سمٹ سمٹ کر بیٹھے یہاں تک کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے بیٹھنے کی جگہ نہ ملی، لوگوں کے آخر میں جگہ ملی وہ بڑے شرمیلے تھے۔

پھر عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ منبر نبوی پر تشریف لائے، بڑی دیر تک کھڑے رہے طویل دعا کرتے رہے، لوگ سن نہ سکے پھر اپنی بات کا آغاز کرتے ہوئے فرمایا: لوگو! میں نے آپ حضرات سے خفیہ وعلانیہ تمہارے خلیفہ کے بارے میں دریافت کیا تو میں نے پایا کہ آپ حضرات ان دونوں کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے، یا علی یا عثمان۔ فرمایا: اے علی اٹھو، علی رضی اللہ عنہ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے پاس منبر کے نیچے جا کھڑے ہوئے۔ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے ان کا ہاتھ تھام کر فرمایا: کیا تم میرے ہاتھ پر اللہ کی کتاب، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے فعل کے مطابق حکومت کرنے کی بیعت کرتے ہو؟ علی رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں، لیکن اپنی وسعت وطاقت بھر۔ پھر عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے ان کا ہاتھ چھوڑ دیا، پھر فرمایا: اے عثمان اٹھو، وہ آپ کے پاس آکر کھڑے ہوئے ان کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: کیا تم میرے ہاتھ پر اللہ کی کتاب، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے فعل کے مطابق حکومت کرنے کی بیعت کرتے ہو؟ عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں۔ پھر آپ نے اپنا سر مسجد کی چھت کی طرف اٹھایا، آپ کے ہاتھ میں عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ تھا اور فرمایا: اے اللہ سن لے اور گواہ رہ! اے اللہ سن لے اور گواہ رہ! اے اللہ میری گردن پر جو ذمہ داری ڈالی گئی تھی میں نے اس کو عثمان کی گردن پر ڈال دی۔ اس کے بعد لوگوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کو منبر کے پاس گھیر لیا، اور بیعت کے لیے لوگوں کی بھیڑ لگ گئی۔ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹھنے کی جگہ منبر پر بیٹھے اور عثمان رضی اللہ عنہ کو منبر کے دوسرے زینہ پر بیٹھایا اور لوگ آ آ کر بیعت کرنے لگے، سب سے پہلے علی رضی اللہ عنہ نے بیعت کی۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے دوسرے نمبر پر بیعت کی۔ [1]

اجماع سے متعلق مذکورہ بیانات سے قطعی طور سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت خلافت باجماع صحابہ رضی اللہ عنہم پوری ہوئی اور کسی نے بھی اس سلسلہ میں اختلاف نہ کیا۔ [2]

---

[1] البداية والنهاية: ۷/ ۱۵۹۔۱۶۱ .

[2] عقيدة اهل السنة والجماعة فى الصحابة الكرام/ د. ناصربن على عايض الشيخ : (۲/ ٦۷۱)

۷۔ عثمان رضی اللہ عنہ پر علی رضی اللہ عنہ کو فوقیت دینے کا حکم:

اہل سنت کا یہ عقیدہ ہے کہ جو شخص علی رضی اللہ عنہ کو ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہ پر فوقیت و فضیلت دیتا ہے وہ گمراہ اور بدعتی ہے، اور جو شخص علی رضی اللہ عنہ کو عثمان رضی اللہ عنہ پر فوقیت و فضیلت دیتا ہے وہ غلطی پر ہے اس کو گمراہ و بدعتی قرار نہیں دیتے۔ [1] اگرچہ بعض اہل علم نے اس پر سخت نکیر کی ہے جو علی رضی اللہ عنہ کو عثمان رضی اللہ عنہ پر فوقیت دیتا ہے۔ فرماتے ہیں: جس نے علی رضی اللہ عنہ کو عثمان رضی اللہ عنہ پر فوقیت دی تو گویا اس نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس خیانت سے متہم کیا کہ انہوں نے امانت کو ادا نہ کرتے ہوئے علی رضی اللہ عنہ پر عثمان رضی اللہ عنہ کو ترجیح دے دی۔ [2]

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اہل سنت عثمان رضی اللہ عنہ کی فوقیت و فضیلت اور انہیں مقدم رکھنے پر قائم ہیں، لیکن جمہور اہل سنت کے نزدیک اس مسئلے کا تعلق اصول سے نہیں ہے کہ جس کے مخالف کو گمراہ قرار دیا جائے، بلکہ اصل مسئلہ خلافت کا ہے کہ جس کے مخالف کو گمراہ قرار دیا جائے گا۔ اہل سنت کا ایمان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفہ ابوبکر پھر عمر پھر عثمان اور پھر علی رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں، اور جو شخص ان خلفائے اربعہ میں سے کسی کی خلافت پر طعن کرے وہ اپنے گدھے سے زیادہ گمراہ ہے۔ [3]

عثمان پر علی رضی اللہ عنہما کی فوقیت وفضیلت سے متعلق اہل علم کے دو اقوال ہیں:

۱۔ یہ جائز نہیں ہے، لہٰذا جس نے علی کو عثمان رضی اللہ عنہما پر فوقیت دی وہ سنت سے خارج ہو کر بدعت کے دائرے میں داخل ہو گیا، کیوں کہ اس نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع کی مخالفت کی، اسی لیے کہا گیا ہے کہ جس نے عثمان رضی اللہ عنہ پر علی رضی اللہ عنہ کو فوقیت دی اور مقدم جانا اس نے مہاجرین وانصار پر اتہام لگایا۔
یہ قول بہت سے ائمہ سے مروی ہے انہی میں سے ایوب سختیانی، احمد بن حنبل اور دارقطنی رحمہم اللہ ہیں۔

۲۔ اس کو بدعتی نہیں کہا جائے گا کیوں کہ عثمان و علی رضی اللہ عنہ کے حالات ایک دوسرے سے قریب ہیں۔ [4]

(۴)...... عثمان رضی اللہ عنہ کا منہج حکومت

عثمان رضی اللہ عنہ سے جب لوگوں نے بیعت کر لی تو آپ نے قوم کو خطاب فرمایا اور اس خطاب کے اندر اپنے سیاسی منہج کو واضح کرتے ہوئے بتلایا کہ وہ اپنی حکومت میں کتاب و سنت اور شیخین ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی سیرت کا التزام کریں گے، اور یہ وضاحت فرمائی کہ وہ حلم و بردباری اور حکمت سے حکومت چلائیں گے الا یہ کہ کوئی اپنے اوپر شرعی حدود کو لازم کر لے۔ پھر آپ نے انہیں دنیا کی طرف مائل ہونے اور اس کے فتنے میں مبتلا ہونے سے

[1] مجموع الفتاوی: ۳/ ۱۰۱۔۱۰۲.

[2] حقبة من التاریخ/ عثمان الخمیس ص: (۶۶)

[3] مجموع الفتاوی: ۳/ ۱۰۱۔۱۰۲.

[4] مجموع الفتاوی: ٤/ ۲٦۷۔ (قول اوّل ہی راجح ہے کیوں کہ نصوص اسی کی موید ہیں۔) (مترجم)

آگاہ کیا تاکہ ان کے درمیان باہمی کشمکش، بغض اور حسد برپا نہ ہو جس سے امت اختلاف وافتراق کا شکار ہو جائے۔ عثمان رضی اللہ عنہ اپنی ناقدانہ بصیرت سے اس امت کے اندر خواہش پرستی کی وجہ سے رونما ہونے والے فتنوں کو پردے کے پیچھے دیکھ رہے تھے۔ ❶

آپ نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''اما بعد (حمد وصلوٰۃ کے بعد)! مجھے خلافت کا مکلّف کیا گیا ہے اور میں نے اسے قبول کر لیا ہے۔ خبردار میں بدعتی نہیں بلکہ متبع ہوں۔ آگاہ رہو تمہارے لیے مجھ پر کتاب وسنت کے بعد تین حقوق ہیں: اول یہ کہ میں اپنے سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کی ان چیزوں میں اتباع کروں جن پر تم نے اجماع کیا ہے اور طریقہ متعین کیا۔ اور تم اور اہل خیر نے جو طریقہ متعین کیا ہے وہ تمام لوگوں کے سامنے متعین کروں۔ اور دوسرے یہ کہ اپنے ہاتھ کو تم سے روکے رکھوں الا یہ کہ تم خود اپنے اوپر سزا کو لازم کر لو، یقیناً دنیا سرسبز وشاداب ہے اور لوگوں کی طرف لپکی ہے، اور بہت سے لوگ اس کی طرف مائل ہو چکے ہیں، لہٰذا تم دنیا کی طرف نہ مائل ہونا اور نہ اس پر اعتماد کرنا، دنیا قابل اعتماد نہیں ہے اور یاد رکھو! وہ کسی کو چھوڑنے والی نہیں ہے الا یہ کہ جو اس کو خود چھوڑ دے۔'' ❷

بعض حضرات کا یہ کہنا کہ ''عثمان رضی اللہ عنہ پہلا خطاب کرنے کے لیے جب کھڑے ہوئے تو کانپ اٹھے اور یہ نہ سمجھ سکے کہ کیا کہنا ہے یہاں تک کہ معذرت کرتے ہوئے فرمایا: لوگو! پہلی مرتبہ سواری پر سوار ہونا مشکل ہوتا ہے اگر زندگی رہی تو صحیح طریقے سے خطاب کروں گا۔'' اس بات کو العقد الفرید ❸ کے مصنف وغیرہ نے ذکر کیا ہے، لیکن اس کی سند صحیح نہیں ہے۔ ❹

الف:......والیان، عمال، سپہ سالاروں اور عام لوگوں کے نام عثمان رضی اللہ عنہ کے خطوط

سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ کے طرز حکومت کو اپناتے ہوئے ایک سال تک تمام عمال اور والیان کو اپنے منصب پر باقی رکھا کسی کو بھی معزول نہ کیا۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے والیان، عمال اور سپہ سالاروں کے نام جو خطوط تحریر کیے ہیں ان میں غور وفکر کرنے والے کو اس منہج کا پتہ چل جاتا ہے جس پر وہ چلنا اور امت کو چلانا چاہتے تھے۔ ❺

---

❶ تحقیق مواقف الصحابة فی الفتنة (۱/ ۳۹۲)

❸ تاریخ الطبری: ۵/ ٤٤٣.

❸ العقد الفرید کے مصنف ابن عبدربہ اندلسی ہیں۔ انہوں نے اس کتاب کے اندر اخبار وحکایات اور نوادر جمع کیے ہیں سند اور صحت کا اہتمام نہیں کیا ہے۔

❹ خلافة عثمان بن عفان / د۔ السلمی ص (۳٤-۳۵) مذکورہ روایت واقدی کی سند سے مروی ہے جو متروک راوی ہے۔

❺ تحقیق مواقف الصحابة فی الفتنة/ د. محمد امحزون: ۱/ ۳۹۳.

۱۔ تمام والیان و امرائے حکومت کے نام عثمان رضی اللہ عنہ کا پہلا خط:

''حمد و صلاۃ کے بعد! یقیناً اللہ تعالیٰ نے امراء و حکام کو حکم فرمایا ہے کہ وہ راعی (نگہبان) بنیں، ٹیکس وصول کرنے والا نہ بنیں۔ اس امت کے اولین لوگ راعی بنائے گئے تھے، ٹیکس وصول کرنے والے نہیں بنائے گئے تھے۔ قریب ہے کہ تمہارے امراء ٹیکس وصول کرنے والے بن جائیں اور راعی کی پوزیشن نہ سنبھال سکیں، اگر ایسا ہوا تو حیا، امانت اور وفا داری ختم ہو جائے گی۔ خبردار! معتدل اور بہترین سیرت یہ ہے کہ تم مسلمانوں کے مسائل میں غور و فکر کرو، ان کا جو حق ہے اس کو ادا کرو، اور ان پر جو حق ہے ان سے وصول کرو، پھر ذمیوں کے مسائل میں غور کرو، ان کا جو حق ہے اس کو ادا کرو، اور ان پر جو حق ہے ان سے وصول کرو۔ پھر دشمن کے سلسلہ میں غور و فکر کرو جس کے مقابلے میں تم ڈٹے ہو اور وفاداری سے ان پر فتح حاصل کرو۔'' ❶

۲۔ سپہ سالاروں کے نام عثمان رضی اللہ عنہ کا خط:

مختلف خطوط میں سپہ سالاروں کے نام پہلا خط جاری کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:

''حمد و صلوٰۃ کے بعد! یقیناً تم مسلمانوں کے پاسبان اور دفاع کرنے والے ہو۔ عمر رضی اللہ عنہ نے تمہارے لیے جو اصول و ضابطے مقرر کیے ہیں وہ ہم میں سے کسی پر مخفی نہیں بلکہ وہ ہمارے سامنے طے ہوئے تھے۔ خبردار میں یہ نہ سننے پاؤں کہ کسی نے اس میں کوئی تغیر و تبدل کیا ہے، ورنہ اللہ تمہیں بدل دے گا اور تمہاری جگہ دوسروں کو لا کھڑا کرے گا۔ تم دیکھو تمہیں کیا کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ نے جس چیز میں غور و فکر کرنے اور اس کو قائم رکھنے کی ذمہ داری میرے سر ڈالی ہے میں اس کو دیکھ رہا ہوں۔'' ❷

۳۔ خراج وصول کرنے والوں کے نام عثمان رضی اللہ عنہ کا خط:

خراج وصول کرنے والوں کے نام پہلا خط تحریر کرتے ہوئے فرمایا:

''حمد و صلوٰۃ کے بعد! اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا ہے اور حق ہی قبول فرماتا ہے۔ حق لو اور حق ادا کرو، امانت کا خیال رکھو، امانت کا خیال رکھو، اس پر قائم رہو، پہلے امانت ضائع کرنے والے نہ بنو، ایسی صورت میں تم بھی اپنے اس کرتوت کی وجہ سے اپنے بعد کے لوگوں کے شریک کار بنو گے۔ وفاداری کا خیال رکھو، وفاداری کا خیال رکھو، نہ یتیم پر ظلم کرو، اور نہ معاہد پر، کیوں کہ جو ان پر ظلم کرے گا اللہ اس کا مد مقابل ہوگا۔'' ❸

---

❶ تاریخ الطبری: ٥/ ٢٤٤. ❷ ایضًا

❸ تاریخ الطبری (٥/ ٢٤٤)

ب:......حکومت کا اصل ماخذ و مصدر

ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے یہ اعلان کیا کہ ان کی حکومت کا اصل ماخذ کتاب و سنت اور شیخین ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی اقتداء ہے، چنانچہ آپ نے فرمایا: خبردار ہو جاؤ، میں بدعتی نہیں بلکہ متبع ہوں، آگاہ ہو تمہارے لیے کتاب و سنت کے بعد تین حقوق ہیں: اول یہ ہے کہ میں ان کی اتباع کروں جو مجھ سے پہلے گزرے ہیں اور جس پر تم نے اجماع کیا ہے اور جو تم نے طریقہ متعین کیا ہے۔ [1]

اولین مصدر و ماخذ کتاب اللہ ہے:

ارشاد ربانی ہے:

﴿ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ۭ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَاۗىِٕنِيْنَ خَصِيْمًا ۝١٠٥ ﴾ (النساء: ١٠٥)

''یقیناً ہم نے تمہاری طرف حق کے ساتھ اپنی کتاب نازل فرمائی ہے تاکہ تم لوگوں میں اس چیز کے مطابق فیصلہ کرو جس سے اللہ نے تم کو شناسا کیا ہے اور خیانت کرنے والوں کے حمایتی نہ بنو۔''

دوسرا مصدر و ماخذ سنت مطہرہ:

سنت مطہرہ سے اسلامی دستور اپنے اصول اخذ کرتا ہے، اور اسی سنت مطہرہ ہی کی روشنی میں قرآنی احکام کی تنفیذی اور تطبیقی اصولوں کی معرفت ممکن ہے۔ [2]

شیخین ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی اقتدا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((اقتدوا بالذین من بعدی: ابی بکر و عمر .)) [3]

''میرے بعد ان دونوں ابوبکر و عمر کی اقتدا کرنا۔''

سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی حکومت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے معاشرہ میں شریعت سب پر مقدم تھی، حاکم و محکوم سب اس کے تابع تھے، اور خلیفہ کی اطاعت اللہ کی اطاعت کے ساتھ مقید تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((لا طاعة فی المعصية ، إنما الطاعة فی المعروف .)) [4]

''معصیت میں کسی کی اطاعت جائز نہیں، اطاعت تو صرف بھلائی کے کاموں میں ہے۔''

---

[1] تاریخ الطبری: ٥/ ٤٤٣ .
[2] فقه التمكين فی القرآن الكريم/ الصلابی ص (٤٣٢)
[3] صحیح الترمذی: ٣/ ٢٠٠ .
[4] البخاری: ٧١٤٥ .

عدل و مساوات:

اسلامی حکومت کے اہداف میں سے اسلامی نظام کے ایسے اصول وضوابط کو قائم کرنے کا اہتمام کرنا بھی ہے جو اسلامی معاشرہ کو قائم کرنے میں مدد و معاون ثابت ہوں۔ ان اہم اصول وضوابط میں سے ایک چیز عدل و مساوات ہے، چنانچہ سیّدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے مختلف صوبوں میں لوگوں کے نام یہ پیغام جاری کیا: بھلائی کا حکم دو برائی سے روکو، مومن اپنے آپ کو ذلیل نہ ہونے دے۔ ان شاء اللہ میں قوی کے خلاف ضعیف کے ساتھ ہوں اگر وہ مظلوم ہے۔ [1]

آپ کی سیاست عدل کی اعلیٰ شکلوں پر قائم تھی، چنانچہ آپ نے والی کوفہ ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ پر جو آپ کے ماں شریک بھائی تھے اس وقت حد جاری کی جب ان کی شراب نوشی کی شہادت لوگوں نے دی، اور پھر اس عہدے سے ان کو سبکدوش کر دیا، اور ان کی جگہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو والی مقرر فرما دیا، کیونکہ اہل کوفہ سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کی تولیت سے متفق نہ ہوئے۔

احتساب (امر بالمعروف و نہی عن المنکر):

امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے احتساب کا خود اہتمام فرمایا اور اس پر دوسروں کو بھی مامور کیا۔ آپ نے خود اس فریضہ کو مختلف مواقع پر ادا کیا۔

زعفرانی رنگ کا کپڑا پہننے پر اعتراض:

محمد بن جعفر کو جب زعفرانی رنگ کا لباس زیب تن کیے ہوئے پایا تو ان پر اعتراض کیا، چنانچہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے حج کے ارادہ سے مکہ کی طرف کوچ فرمایا: اور ادھر محمد بن جعفر رضی اللہ عنہ کی اہلیہ آ گئیں۔ انہوں نے ان کے ساتھ مدینہ میں شب باشی کی، اور پھر صبح حج کے لیے روانہ ہوئے، ان پر خوشبو کے اثرات تھے اور گاڑھے زعفرانی رنگ کی چادر زیب تن کیے ہوئے تھے، پھر اسی حالت میں مقام ملل پر جا کر قافلہ حج سے ملے، جب عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو اس حالت میں دیکھا تو ان کو ڈانٹا اور فرمایا: تم زعفرانی رنگ کا لباس پہنتے ہو حالاں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ [2]

فساد و برائی کا مرتکب اور ہتھیار اٹھانے والے کو مدینہ سے باہر نکال دینا:

جس کو فساد کا مرتکب پاتے یا ہتھیار اٹھائے ہوئے دیکھتے اس پر نکیر کرتے، اور مدینہ سے نکال باہر کر دیتے۔ سالم بن عبداللہ سے روایت ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کسی کو برائی کا مرتکب پاتے، یا لاٹھی یا اس سے بڑا کوئی

---

[1] تاریخ الطبری: ٤/ ٤١٤.

[2] مسند احمد (٥١٧) احمد شاکر نے فرمایا اس کی سند صحیح ہے۔ دیکھیے مسند احمد پر آپ کی تعلیق (٣٨٤/١)

ہتھیار اٹھائے ہوئے پاتے، تو اس کو مدینہ سے نکال باہر کر دیتے۔ ❶

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کی تحقیر کرنے والے کا مواخذہ:

آپ کے دور خلافت میں جب ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی تحقیر کی تو آپ نے اس شخص کی پٹائی کی اور جب آپ سے اس سلسلہ میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ہاں، کیوں نہ اس کی پٹائی کروں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنے چچا کے مقام دین کی تعظیم کریں اور میں ان کی تحقیر کی رخصت دوں، جس نے بھی ایسا کیا، یا اس فعل سے راضی ہوا اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی۔ ❷

شراب سے منع کرنا کیونکہ یہ ام الخبائث ہے:

سنن نسائی اور سنن بیہقی میں عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

((اجتنبوا الخمر فانها ام الخبائث .))

''شراب سے بچو یہ ام الخبائث ہے۔''

گزشتہ قوموں میں ایک شخص بڑا عابد و زاہد تھا، ایک عورت نے اس پر فریفتہ ہو کر اس کو گمراہ کر دیا، اس نے اس شخص کے پاس اپنی لونڈی کو بھیجا، اس نے آ کر اس عابد شخص سے کہا کہ وہ خاتون آپ کو گواہی کے لیے بلا رہی ہے، یہ شخص اس لونڈی کے ساتھ چل پڑا، جب اس کے قصر میں پہنچا تو جب دروازے سے گزرتا یہ لونڈی اس دروازے کو بند کرتی جاتی، یہاں تک کہ وہ ایک حسن و جمال کی پیکر خاتون کے پاس پہنچا اس کے پاس ایک لڑکا اور شراب کا مٹکا تھا، اس حسینہ نے اس عابد سے کہا کہ میں نے تمہیں شہادت کے لیے نہیں بلایا ہے، بلکہ تمہیں اس لیے بلایا ہے کہ تم یا تو مجھ سے صحبت کرو یا ایک پیالہ شراب نوش کر لو یا اس بچے کو قتل کر دو۔ (اس کے علاوہ تمہارے لیے کوئی چارہ نہیں، اس نے اسی میں عافیت سمجھی کہ شراب پی لی) اس نے کہا مجھے ایک پیالہ شراب دے دو جب اس نے اس کو ایک پیالہ شراب پلایا تو اس نے مزید مطالبہ کیا یہاں تک کہ اس کے ساتھ زنا بھی کیا، اور اس بچے کو قتل بھی کیا۔ لہٰذا لوگو! شراب سے بچو، اللہ کی قسم ایمان اور شراب نوشی دونوں اکٹھے نہیں ہو سکتے، دونوں میں سے کوئی ایک اس سے ضرور نکل باہر ہوں گے۔ ❸

(۵)......اہم شخصی اوصاف

سیّدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی شخصیت قائدانہ تھی اور آپ ربانی قائد کے اوصاف سے متصف تھے، ہم یہاں بعض کو اجمالاً اور بعض کو تفصیلاً ذکر کریں گے۔ آپ کے اہم ترین اوصاف یہ ہیں:

❶ تاریخ الطبری: ۵/ ۴۱۶۔ منقول از الحسبة فی العصر النبوی والعهدی و العهد الراشدی/ د۔ فضل الٰهی .

❷ تاریخ الطبری: ۵/ ۴۱۷ .

❸ سنن النسائی: کتاب الاشربة، موسوعة فقه عثمان ص (۵۲)

اللہ اور یوم آخرت پر عظیم ایمان، علم شرعی، اللہ پر اعتماد و یقین، قدوہ و اسوہ، صدق و صفا، کمال و شجاعت، مروت و زہد، حب نصیحت، تواضع، قبول نصیحت، حلم و بردباری، صبر، علو ہمت، حزم و دور اندیشی، قوی ارادہ، عدل، مشکلات کو حل کرنے کی قدرت و صلاحیت، تعلیم اور قائدین کو تیار کرنے کی صلاحیت و قدرت وغیرہ وغیرہ۔

ربانی قیادت کی جو صفات اللہ تعالیٰ نے آپ کے اندر ودیعت کر رکھی تھیں آپ نے ان کے ذریعے سے حکومت کی حفاظت فرمائی، اور مفتوحہ علاقوں میں رونما ہونے والی بغاوتوں کا قلع قمع کیا، اور پوری ثابت قدمی کے ساتھ اللہ کے فضل و توفیق سے اسے متعین اہداف کی طرف لے کر چلے۔

حلم و بردباری:

حلم و بردباری حکمت کے ارکان میں سے بنیادی رکن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں مختلف مقامات پر اپنے آپ کو اس صفت سے متصف قرار دیا ہے۔ بطور مثال ارشاد الٰہی ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا ۖ وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿١٥٥﴾﴾ (آل عمران: ۱۵۵)

''تم میں سے جن لوگوں نے اس دن پیٹھ دکھائی جس دن دونوں جماعتوں کی مڈبھیڑ ہوئی تھی، یہ لوگ اپنے بعض کرتوتوں کے باعث شیطان کے پھسلانے میں آگئے، لیکن یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کر دیا۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور تحمل والا ہے۔''

آپ حلم و بردباری اور عفو و درگزر میں مثالی درجہ کو پہنچے ہوئے تھے۔ خلیفہ راشد عثمان رضی اللہ عنہ اقوال و افعال اور احوال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء و پیروی کا سخت اہتمام کرتے تھے۔ آپ کے مختلف مواقف حلم اور ضبط نفس پر دلالت کرتے ہیں۔ واضح ترین موقف جو آپ کی بردباری پر واضح دلیل ہے وہ آپ کے محصور کیے جانے کا واقعہ ہے، جب کہ شرپسند آپ کو آپ کے گھر میں محصور کر کے آپ کے قتل کے درپے تھے، ان حالات میں آپ کے دفاع میں مہاجرین و انصار کی جو جماعت آپ کے پاس تھی آپ نے انہیں اپنے گھروں کو واپس چلے جانے کا حکم دے دیا، حالاں کہ وہ آپ کی حفاظت و دفاع کرنے پر قادر تھے۔ اللہ کی ملاقات کے شوق اور مسلمانوں کے خون کی حفاظت میں آپ کی بردباری نمایاں تھی۔ [1]

رواداری و عالی ظرفی:

عطاء بن فروخ سے روایت ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک شخص سے زمین خریدی، اس نے قیمت وصول کرنے میں تاخیر کی، آپ اس سے ملے اور کہا: تمہیں اپنا مال لینے میں کیا چیز مانع ہوئی؟ اس نے کہا: آپ نے مجھے دھوکا دیا ہے، جس سے بھی ملتا ہوں وہ مجھے ملامت کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا: کیا یہ چیز مانع ہوئی ہے؟ اس نے کہا:

[1] الكفاءة الإدارية في السياسة الشرعية/ د. عبدالله قادری، ص (٦٥)

ہاں۔ آپ نے فرمایا: تمہیں اختیار ہے خواہ اپنی زمین لے لو یا قیمت، پھر فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((ادخل الله الجنة رجلا كان سهلا مشتريا و بائعا، و قاضيا و مقتضيا .)) [1]

''اللہ تعالیٰ اس شخص کو جنت میں داخل کرے گا جو خرید و فروخت اور لینے و دینے میں سہل اور روادار ہو۔''

یہ بیع و شراء میں رواداری کی اعلیٰ ترین مثال ہے، اور جود و سخا اور دنیا سے بے اعتنائی جو عثمان رضی اللہ عنہ کی فطرت میں داخل تھی اس کی اعلیٰ دلیل ہے۔ وہ مکارم اخلاق کے فروغ کے لیے دنیا کو غلام بناتے تھے جس میں سے ایک آپ کا اہم ترین ایثار ہے۔ دنیا آپ کو اپنا غلام نہیں بنا سکتی تھی کہ آپ کو انانیت میں مبتلا کر دے اور آپ اپنے خاص مصالح کو ترجیح دینے لگیں اگرچہ لوگوں کا نقصان ہو۔ [2]

نرمی:

اللہ تعالیٰ نے اس بات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر احسان جتلایا ہے کہ اس نے آپ پر اور اپنے بندوں پر رحم کھاتے ہوئے نرمی کی صفت سے آپ کو متصف قرار دیا۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَٰتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَن سَبِيلِ اللَّهِ كَثِيرًا ﴾ (النساء: ١٦٠)

''اللہ کی رحمت کے باعث آپ ان پر نرم دل ہیں، اور اگر آپ بدزبان اور سخت دل ہوتے تو یہ سب آپ کے پاس سے چھٹ جاتے۔''

اس آیت کریمہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ نرمی کی صفت اللہ کی رحمت ہے اور وہ اپنے جس بندے کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے آپ پر اور آپ جن کی طرف مبعوث کیے گئے تھے ان پر رحم کھاتے ہوئے اس صفت سے متصف کیا تھا، اور اس آیت سے یہ بات سمجھی جاتی ہے کہ جو نرمی کی صفت سے متصف ہوتا ہے لوگ اس کو محبوب رکھتے ہیں اور اس کے گرویدہ ہوتے ہیں اور اس کے اوامر و نواہی کی لوگ پابندی کرتے ہیں۔ [3]

نرمی ان بہترین اور پاکیزہ صفات میں سے ہے جس سے عثمان رضی اللہ عنہ متصف تھے۔ آپ اپنی رعایا کے لیے انتہائی نرم اور امت کے لیے انتہائی شفیق و مہربان تھے، آپ کو ہر وقت یہ فکر دامن گیر رہتی تھی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی مصیبت زدہ ہو اور اس کی خبر نہ مل سکے، اور پھر آپ اس کی ضرورت پوری نہ کر سکیں۔ لوگوں کے حالات برابر معلوم کرتے رہتے تھے، کمزور کی مدد کرتے اور طاقتور سے حق وصول کرتے۔

عفو و درگزر:

عمران بن عبداللہ بن طلحہ سے روایت ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ صبح کی نماز کے لیے نکلے، اور اس دروازے سے

---

[1] مسند احمد (٤١٠) ۔ حسن لغيره .
[2] التاريخ الاسلامی: ١٧، ١٨/ ١٢٦ .
[3] الكفاءة الإدارية ص (٦٩)

مسجد میں داخل ہونے لگے جس سے عام طور پر داخل ہوتے تھے، اتنے میں دروازہ تنگ ہو گیا، فرمایا دیکھو کیا بات ہے؟ لوگوں نے دیکھا تو ایک شخص خنجر یا تلوار لیے دروازہ کے ساتھ چھپا تھا۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا یہ کیا بات ہے؟ اس شخص نے کہا: میں آپ کو قتل کرنے کے ارادہ سے کھڑا تھا۔ آپ نے فرمایا: سبحان اللہ! تم کس بات پر مجھے قتل کرنا چاہتے تھے؟ اس نے کہا: آپ کے عامل نے یمن میں مجھ پر ظلم کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: کیا تو نے اپنا معاملہ میرے پاس پیش کیا، اور پھر میں نے اپنے عامل سے تمہارا حق نہیں دلایا جس کی وجہ سے تو نے مجھے قتل کرنے کا ارادہ کیا؟ پھر لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا: آپ لوگ اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ لوگوں نے عرض کیا: امیر المومنین دشمن پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو قدرت بخشی ہے پکڑ میں آ چکا ہے (بدلہ لے لینا چاہیے)۔

عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بندے نے گناہ کا ارادہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے شر سے مجھے بچا لیا، جاؤ کوئی ضامن لے کر آؤ جو اس بات کی ضمانت دے کہ جب تک میری امارت ہے تم مدینہ میں داخل نہیں ہو گے، وہ اپنے لوگوں میں سے ایک شخص کو بطور ضامن لے آیا تو آپ نے اس کو چھوڑ دیا۔ [1]

یہ امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے عظیم تسامح اور شفقت و مہربانی ہے کہ آپ نے اس شخص کو معاف کر دیا جو آپ کو قتل کرنا چاہتا تھا پس قدرت کے باوجود اس عفو و درگزر کرنا آپ کے صفات کمال میں سے ہے۔ اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ نفس پرستی اور انانیت سے بالکل آزاد تھے، دنیا سے تعلق کم اور آخرت سے آپ کا تعلق گہرا تھا۔ اور یہ صفت عمل صالح ہونے کے ساتھ ساتھ جس سے آخرت میں درجات بلند ہوں گے، دنیا میں حکیمانہ سیاست بھی ہے، اگر یہ شخص جس نے آپ کو قتل کرنا چاہا تھی قتل کر دیا جاتا یا اس کو سزا دی جاتی تو اس سے فتنہ پیدا ہو سکتا تھا، اس کے قبیلے کے لوگوں کے سینوں میں عداوت و انتقام کی آگ بھڑک سکتی تھی، لیکن عفو و درگزر کی وجہ سے خود اس کے لوگ اس کو اس کے کیے پر سرزنش کریں گے، اور فتنہ اپنی جگہ پر بجھ جائے گا، اور عفو و درگزر کرنے والے کا مقام لوگوں کے دلوں میں بیٹھ جائے گا اور لوگ اس سے محبت کرنے لگیں گے۔ [2]

آپ کا تواضع:

ارشاد الٰہی ہے:

﴿ وَ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا وَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴾ (الفرقان: ٦٣)

"رحمٰن کے (سچے) بندے وہ ہیں جو زمین پر فروتنی کے ساتھ چلتے ہیں، اور جب بے علم لوگ ان سے باتیں کرنے لگتے ہیں تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ سلام ہے۔"

---

[1] التاریخ الاسلامی (١٧-١٨/ ٢٢) بحوالہ تاریخ المدینۃ المنورۃ، ص (١٠٢٧-١٠٢٨)

[2] التاریخ الاسلامی (١٧، ١٨/ ٢٢)

اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کی پہلی صفت تواضع قرار دی ہے، خلیفہ راشد عثمان رضی اللہ عنہ اس صفت سے متصف تھے اور آپ کے اندر یہ صفت آپ کے اخلاص وللّٰہیت کا نتیجہ تھی۔ چنانچہ عبداللہ رومی سے روایت ہے کہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ رات کو جب تہجد کے لیے اٹھتے تو وضو کا پانی خود لے لیتے تھے، آپ سے عرض کیا گیا: آپ کیوں زحمت کرتے ہیں خادم کو کہہ دیا کریں کافی ہے۔ فرمایا: نہیں رات ان کی ہے اس میں آرام کرتے ہیں۔ ❶

یہ عثمان رضی اللہ عنہ کے صفت رحمت سے متصف ہونے کی اعلیٰ مثال ہے۔ آپ درازی عمر اور بلند مقام پر فائز ہونے کے باوجود رات کو اپنی خدمت خود کرتے تھے، خادم کو بیدار نہیں کرتے تھے، خادم کو اللہ تعالیٰ نے مخدوم کے لیے مسخر کر دیا ہے، ایک مسلمان کو سوچنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے جس کو اس کے لیے مسخر کیا ہے وہ بھی اسی کی طرح انسان ہے، اس کی طاقت بھی اسی طرح محدود ہے، وہ جذبات واحساسات رکھتا ہے، اس کو چاہیے کہ اس کے جذبات کا خیال رکھے، اور اس کو مکمل نیند پوری کرنے کا موقع دے، اور کسی کام کے ذریعے سے اس کو مشقت میں مبتلا نہ کرے۔ ❷

عثمان رضی اللہ عنہ کے تواضع اور نبی کریم ﷺ کے چچا کے احترام کا یہ عالم تھا کہ اگر آپ سواری پر سوار جا رہے ہوں اور راستے میں عباس رضی اللہ عنہ مل جائیں تو ان کے احترام وتعظیم میں سواری سے اتر جاتے اور اس وقت تک سوار نہ ہوتے جب تک وہ چلے نہ جائیں۔ ❸

حیا وعفت:

حیا عثمان رضی اللہ عنہ کے مشہور ترین اخلاق میں سے ہے۔ حیا کی صفت کتنی بہترین اور شیریں ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو مزین فرمایا تھا، یہ آپ کے اندر خیر و برکت کا منبع اور شفقت ورحمت کا مصدر تھا۔ آپ سب سے زیادہ حیا دار تھے۔ ❹

ایک دن حسن بصری رحمہ اللہ نے عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کی حیا داری کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

”آپ گھر کے اندر ہوتے، دروازہ بند ہوتا پھر بھی اپنے کپڑے نہیں اتارتے تھے کہ پانی ڈال لیں، اور آپ کی حیا داری کا یہ عالم تھا کہ اپنی پیٹھ سیدھی نہیں کرتے تھے۔“ ❺

آپ کی حیا داری ہی تھی کہ جسے آپ کے اہلیہ کی لونڈی بنانہ روایت کرتی ہیں کہ جب آپ غسل سے فارغ ہوتے اور میں آپ کے کپڑے لے کر حاضر ہوتی تو فرماتے: میری طرف مت دیکھنا یہ تمہارے لیے حلال نہیں ہے۔ ❻

---

❶ فضائل الصحابة: (٧٤٢) اسناده صحيح
❷ التاريخ الاسلامى (١٧، ١٨/ ٦٢)
❸ التبيين فى انساب القرشيين ص (١٥٣)
❹ عثمان بن عفان / صادق عرجون ص (٤٨، ٤٩)
❺ صحيح التوثيق فى سيرة و حياة ذى النورين ص (٤٣)
❻ طبقات/ ابن سعد (٣/ ٥٩)

جود وسخا:

عثمان رضی اللہ عنہ امت اسلامیہ کے سخی ترین انسان تھے، آپ کی جود وسخا اور فیاضی کے مختلف مواقف اور واقعات اسلامی تاریخ کی پیشانی پر روشن نشان ہیں۔ اس سے قبل غزوہ تبوک کے موقع پر آپ کی فیاضی، بئر رومہ کو خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کرنا، عہد نبوی میں مسجد نبوی کی توسیع، اور عہد صدیقی میں غلے سے لدے ہوئے قافلے کو صدقہ کر دینے کے واقعات گزر چکے ہیں۔ آپ ہر جمعہ کو جب سے اسلام قبول کیا تھا اللہ کی راہ میں ایک غلام آزاد کرتے، آپ کے آزاد کردہ غلاموں کی تعداد تقریباً دو ہزار چار سو تک پہنچتی ہے۔ [1]

مروی ہے کہ طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کے ذمہ جو خود جود وسخا کے مالک تھے آپ کے پچاس ہزار تھے۔ ایک دن طلحہ رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا آپ کا مال حاضر ہے لے لیجیے۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: وہ تمہاری مروت کی خاطر تمہارے لیے ہے۔ [2]

شجاعت اور بہادری:

عثمان رضی اللہ عنہ انتہائی شجاع اور بہادر تھے، اس کی دلیل یہ ہے:

ا:...... آپ کا جہاد کے لیے نکلنا، اور تمام غزوات ومعرکوں میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شرکت کرنا۔ رہا مسئلہ غزوہ بدر میں عدم شرکت کا تو اس کے جواب میں ہم یہ عرض کر چکے ہیں کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے حکم سے تھا، اور آپ ﷺ نے آپ کو غزوۂ بدر میں شرکت کرنے والوں میں سے شمار کیا، اور مال غنیمت میں آپ کے لیے حصہ مقرر فرمایا، اور ان شاء اللہ اجر وثواب کے بھی مستحق بنے۔ پھر بھلا رسول اللہ ﷺ کی بات کے آگے کس کی بات ہوسکتی ہے۔

۲:...... صلح حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے سفیر کی حیثیت سے قریش کے پاس جانا۔ حدیبیہ کے موقع پر جس وقت رسول اللہ ﷺ نے آپ کو قریش کے پاس بحیثیت سفیر بھیجنا چاہا آپ نے برضا ورغبت آپ کے فرمان کو عملی جامہ پہنایا، حالاں کہ آپ کو بخوبی معلوم تھا کہ یہ مہم کس قدر خطرناک ہے لیکن آپ کی شجاعت و بہادری تھی کہ آپ نے انکار نہ کیا اور سراپا اطاعت بن گئے، یقیناً جو شخص ان سنگین حالات میں سفارت کو قبول کرے وہ انتہائی عظیم بہادر وشجاع اور نادر الوجود ہیرو ہی ہوسکتا ہے۔ یہ بات اپنی جگہ پر صحیح ہے کہ چوں کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا حکم تھا جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا تھا، اس لیے عثمان رضی اللہ عنہ میں بھی انکار کی تاب نہ تھی لیکن ساتھ ہی ساتھ اس واقعے میں آپ کی شجاعت و بہادری بھی عیاں ہے کیوں کہ عام آدمی اور بزدل شخص اس اہم ذمہ داری کو ان حالات میں قبول نہیں کرسکتا۔ [3]

---

[1] الصواعق المحرقة/ ابن حجر الهيثمي (۱/ ۳۲۷)

[2] البداية والنهاية (۷/ ۲۲۷)

[3] الامين ذوالنورين ص (۱۹٤، ۱۹۵، ۱۹٦)

نفس کی قربانی:

جب آپ کو آپ کے گھر میں محصور کر دیا گیا اور شر پسندوں نے آپ سے مطالبہ کیا کہ یا تو خلافت سے معزول ہو جائیں یا اپنے گورنروں اور عاملین کو معزول کر دیں، اور ان میں سے بعض کو ان کے حوالہ کر دیں ورنہ ہم ان کو قتل کریں گے۔ اس نازک وقت میں آپ اپنے موقف پر ڈٹے رہے، نفس کی قربانی قبول کر لی لیکن خلافت کو شر پسندوں کے ہاتھ میں کھلونا بننے سے محفوظ رکھا کہ وہ جس کو چاہیں معزول کریں اور جس کو چاہیں رکھیں، اور امت نے جس کو اس عظیم عہدے کے لیے منتخب کیا ہے اس سے یہ عہدہ چھین لیں، اور پھر یہ ہمیشہ کے لیے رسم و اصول بن جائے۔ [1] اس لیے آپ اپنے موقف پر ڈٹے رہے حالاں کہ محاصرین کی تلواروں میں آپ اپنی موت کا مشاہدہ فرما رہے تھے، جو شخص یہ موقف اختیار کرے وہ بہادر اور صاحب حق ہی ہو سکتا ہے۔ بزدل یا دنیادار انسان کبھی یہ موقف اختیار نہیں کر سکتا ہے کیوں کہ زندگی بزدلوں کے نزدیک پوری دنیا سے افضل و بہتر ہے۔ [2]

عثمان رضی اللہ عنہ کی یہ عظیم شجاعت، بے مثال عزیمت، اور عجیب اصرار، اللہ اور یوم آخرت پر قوی ایمان کا نتیجہ تھا جو آپ کے دل میں جاگزیں ہو چکا تھا، اور جس کی وجہ سے آپ اس دنیاوی زندگی کی ہر چیز حتیٰ کہ اپنی زندگی کو بھی حقیر جانتے تھے۔ [3]

صبر:

سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ صفت صبر سے متصف تھے، آپ کے ان مواقف میں سے جو اس صفت پر دلالت کرتے ہیں فتنہ کے دور میں آپ کا ثابت قدم رہنا ہے، اس وقت جب کہ آپ اور دیگر مسلمانوں پر مصائب و آلام کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے، اس کے مقابلے میں آپ نے جو موقف اختیار کیا وہ فدائیت و قربانی کی ایسی اعلیٰ مثال ہے جسے ایک فرد جماعتی وجود، امت کی کرامت اور مسلمانوں کے خون کی حفاظت کی راہ میں پیش کر سکتا ہے، اگر آپ کو اپنی جان عزیز ہوتی اور امت کا وجود پیش نظر نہ ہوتا تو آپ کے لیے یہ ممکن تھا کہ آپ اپنی جان کو بچا لیتے، اور اگر آپ خود غرض ہوتے اور صرف اپنی ذات کی فکر ہوتی اور ایثار و قربانی کے جذبات سے سرشار نہ ہوتے تو بلوائیوں کے مقابلے میں صحابہ کرام اور ابنائے مہاجرین و انصار کو اپنی حفاظت اور دفاع میں لگا دیتے، لیکن آپ نے امت کے اتحاد کو برقرار رکھنا چاہا اس لیے انتہائی صبر و ثبات اور احتساب کے ساتھ اپنی جان کی قربانی پیش کر دی، اور اعلان کیا کہ میں صبر جمیل کے ساتھ اس عظیم فتنے کا مقابلہ کروں گا۔ [4] اس طرح اس آیت کریمہ پر آپ کا

---

[1] الامین ذوالنورین ص (۱۹۷) [2] ایضًا

[3] جولة تاريخية في عصر الخلفاء الراشدين/ محمد الوكيل ص (۳۰٤)

[4] سيرة الشهداء / السختياني ص (٥٧، ٥٨)

مکمل عمل رہا:

﴿اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِیْمَانًا ۖ وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِیْلُ ﴿۱۷۳﴾﴾ (آل عمران: ۱۷۳)

''وہ لوگ کہ جب ان سے لوگوں نے کہا کہ کافروں نے تمہارے مقابلے پر لشکر جمع کر لیے ہیں تم ان سے خوف کھاؤ تو اس بات نے ان کا ایمان اور بڑھا دیا اور کہنے لگے ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے۔''

عثمان رضی اللہ عنہ قوی ایمان، اعلیٰ ظرف، موثر بصیرت اور عظیم صبر کے مالک تھے، اور اسی وجہ سے آپ نے امت کی خاطر اپنی جان قربان کردی، جو مسلمانوں کے نزدیک آپ کے عظیم ترین فضائل میں شمار ہوا۔ ❶

عبادت:

سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ بڑے ہی عبادت گزار تھے۔ مروی ہے کہ آپ نے حج کے ایام میں حجر اسود کے پاس ایک رکعت میں قرآن ختم کر دیا اور یہ آپ کی عادت تھی۔ ❷

سیّدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے اس آیت کریمہ:

﴿اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّیْلِ سَاجِدًا وَّ قَآئِمًا یَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَ یَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ؕ﴾ (الزمر: ۹)

''بھلا جو شخص راتوں کے اوقات سجدے اور قیام کی حالت میں (عبادت میں) گزارتا ہو، آخرت سے ڈرتا ہو اور اپنے رب کی رحمت کی امید رکھتا ہو۔''

کی تفسیر میں فرمایا کہ اس سے مراد عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔ ❸

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کریمہ:

﴿هَلْ یَسْتَوِیْ هُوَ ۙ وَ مَنْ یَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَ هُوَ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۷۶﴾﴾ (النحل: ۷۶)

''کیا یہ اور وہ جو عدل کا حکم دیتا ہے اور ہے بھی سیدھی راہ پر، برابر ہو سکتے ہیں؟''

کی تفسیر میں فرمایا کہ اس سے مقصود عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔'' ❹

❶ تحقیق مواقف الصحابة من الفتنة (۱/ ۴۷۲)

❷ الطبقات الکبریٰ (۳/ ۷۶)۔ تاریخ الاسلام عهد الخلفاء/ الذهبی (۴۷۶) یہ روایت مبالغہ سے خالی نہیں اور یہ ان احادیث نبویہ کے خلاف ہے جس میں رات دن یا تین دن سے قبل قرآن ختم کرنے سے روکا گیا ہے اور آگے جو ختم قرآن کے سلسلہ میں آپ کا معمول بیان کیا گیا ہے اس کے بھی منافی ہے۔ (مترجم)

❸ تفسیر ابن کثیر: ۴/ ۴۷۔ ❹ تفسیر ابن کثیر: ۲/ ۵۷۹۔

آپ کا معمول تھا کہ آپ جمعہ کی رات میں قرآن کی تلاوت شروع کرتے اور جمعرات کی رات میں ختم کر دیتے تھے۔❶ اور آپ برابر نفلی روزے رکھتے اور رات کے ابتدائی حصہ میں سوتے اور باقی رات قیام میں گزارتے تھے۔❷

خوف الٰہی، محاسبہ نفس اور رونا:

آپ نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا:

''لوگو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، یقیناً اللہ کا تقویٰ غنیمت ہے، اور عقل مند انسان وہ ہے جس نے اپنے نفس کو کنٹرول کیا، اور موت کے بعد آنے والی زندگی کے لیے عمل کیا، اور اللہ کے نور سے قبر کے لیے نور حاصل کیا، اور اس بات سے خوفزدہ ہوا کہ کہیں اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن اندھا نہ اٹھائے حالانکہ دنیا کے اندر وہ بینا رہا۔''❸

آپ سے یہ قول بھی مروی ہے:

''اگر میں جنت و جہنم کے درمیان کھڑا ہوں اور مجھے اس کا علم نہ ہو کہ دونوں میں سے کس کی طرف مجھے حکم دیا جائے گا تو اپنے انجام کو جاننے سے قبل میری یہ تمنا ہوگی کہ میں راکھ کا ڈھیر ہو جاؤں۔''

آپ جب آخرت کو یاد کرتے اور انشقاق قبر اور حساب و کتاب کے لیے وہاں سے نکلنے کا تصور کرتے تو آپ پر کپکپی طاری ہو جاتی تھی، اور آنسو جاری ہو جاتے تھے۔❹ چنانچہ آپ کے غلام ہانی سے روایت ہے: عثمان رضی اللہ عنہ قبر کے پاس کھڑے ہوتے تو اس قدر روتے کہ داڑھی تر ہو جاتی، جب آپ سے کہا جاتا کہ جنت و جہنم سے نہیں لیکن آپ اس قبر کو دیکھ کر روتے ہیں؟ تو فرماتے: قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے اگر انسان اس سے نجات پا گیا تو اس کے بعد کی منزلیں اس سے آسان ہیں، اور اگر اس سے نجات نہ ملی تو بعد کی منزلیں اس سے سخت ہیں۔ اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((واللّٰه ما رأیت منظرا إلا و القبر افظع منه .))

''اللہ کی قسم! قبر سے بڑھ کر بدترین منظر میں نے نہیں دیکھا۔''

اور آپ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب میّت کے دفن سے فارغ ہوتے تو وہاں ٹھہرتے اور پھر فرماتے:

((استغفروا لأخیکم وسلوا له بالتثبیت فإنه الآن یسأل .))❺

---

❶ علو الهمة (۳/ ۹۳)

❷ صفة الصفوة / امام ابن الجوزی (۱/ ۳۰۲)

❸ صحیح التوثیق فی سیرة و حیاة ذی النورین/ مجدی فتحی السید ، ص (۱۰۷)

❹ نظام الحکم فی عهد الخلفاء الراشدین / حمد محمد الصمد ، ص (۲۰۵)

❺ فضائل الصحابة ص (۷۷۳) اسناده حسن

''اپنے بھائی کے لیے مغفرت کی دعا کرو، اور اللہ سے اس کے لیے ثابت قدمی مانگو، یقیناً ابھی اس سے سوال ہونے والا ہے۔''

زہد:

امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ نے مال داری وثروت میں شہرت حاصل کی لیکن اس کے باوجود آپ زہد کے پیکر تھے، متعدد روایات اس کا بین ثبوت ہیں، چنانچہ حمید بن نعیم سے روایت ہے کہ عمر و عثمان رضی اللہ عنہما کو کھانے کی دعوت دی گئی، جب دونوں چلے تو عثمان رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ سے کہا ہم ایسے کھانے کی محفل میں شرکت کر رہے ہیں کہ میرا جی چاہتا ہے کہ ہم یہاں نہ آتے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیوں؟ فرمایا: مجھے خوف ہے کہ کہیں فخر و مباہات کے لیے یہ کھانے کی محفل نہ سجائی گئی ہو۔ [1]

اسلامی سخاوت کے میدان میں عثمان رضی اللہ عنہ کی فقاہت یہ تھی کہ سخاوت اسلام میں فخر ومباہات کی خاطر انواع واقسام کے زیادہ کھانے پیش کرنے کا نام نہیں، بلکہ مال کو بغیر اسراف کے اور کبر وغرور سے دور رہ کر منعم حقیقی کے شکر اور لوگوں کے ساتھ تواضع اور فروتنی اختیار کرتے ہوئے خرچ کرنے کا نام ہے۔ عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ نظریہ دنیاوی جاہ وحشمت سے بے نیازی پر مبنی ہے، اور اس بات کی دلیل ہے کہ آپ دنیا بیزار لوگوں میں سے تھے۔ [2]

وہ روایت بھی عثمان رضی اللہ عنہ کے زہد وتواضع کی دلیل ہے جسے امام احمد رحمہ اللہ نے میمون بن مہران کی حدیث سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں: مجھے ہمدانی نے بیان کیا کہ انہوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آپ خچر پر سوار ہیں، اور اپنے پیچھے اپنے غلام نائل کو سوار کیے ہوئے ہیں جب کہ آپ خلیفۃ المسلمین کے اعلیٰ منصب پر فائز تھے۔ [3]

شکر:

عثمان رضی اللہ عنہ زبان وقلب اور اعضاء سے اللہ تعالیٰ کا شکر کثرت سے ادا کرنے والے تھے، ایک دن آپ کو خبر دی گئی کہ کچھ لوگ غلط کام میں لگے ہیں، آپ ان کے تعاقب کے لیے نکلے، لیکن وہاں پہنچنے سے قبل وہ لوگ بھاگ لیے، اس پر عثمان رضی اللہ عنہ نے اس بات پر اللہ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ آپ کے ہاتھوں کوئی مسلم ذلیل نہیں ہوا، پھر ایک غلام آزاد کیا۔ [4]

لوگوں کی خبر گیری:

عثمان رضی اللہ عنہ لوگوں کی محبت سے سرشار اور انتہائی شفیق ورحیم تھے، لوگوں کے حالات برابر دریافت کرتے رہتے۔ ان کی مشکلات وپریشانیوں کو معلوم کرتے، غائب کی خبر گیری کر کے اطمینان حاصل کرتے اور حاضرین

---

[1] الزهد/ الإمام احمد ص (١٢٦)
[2] التاريخ الاسلامی ص (١٧، ١٨/ ٤٨)
[3] الزهد ص (١٢٧)
[4] علو الهمة (٥/ ٤٨١)

کے ساتھ ہمدردی و غمخواری کرتے، مریضوں کے حالات معلوم کرتے، چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے موسیٰ بن طلحہ سے روایت کی ہے کہ میں نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو دیکھا آپ منبر پر تشریف فرما تھے اور لوگوں سے ان کے احوال اور سامانوں کا نرخ معلوم کر رہے تھے۔ ❶

ابن سعد نے طبقات میں موسیٰ بن طلحہ سے روایت نقل کی ہے:

''میں عثمان رضی اللہ عنہ کو دیکھتا تھا کہ آپ جمعہ کے دن دو زرد جوڑے پہنے ہوئے تشریف لاتے، اور منبر پر بیٹھتے، پھر مؤذن اذان دیتا، پھر آپ بیان کرتے، اور لوگوں سے مسافرین، سفر سے واپس آنے والوں اور مریضوں کے احوال دریافت کرتے۔'' ❷

❶ فضائل الصحابة : (۸۱۲) اسناده صحیح

❷ الطبقات: ۳/ ۵۹ .

تیسرا باب

سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مال وقضا کے ادارے

(۱)...... مالی ادارہ

جب عثمان رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر جلوہ افروز ہوئے تو آپ نے عمر رضی اللہ عنہ کی مالی سیاست میں کوئی تغیر اور تبدیلی رونما نہ کی بلکہ اسی پر قائم رہے اگرچہ آپ نے اپنے دور خلافت میں مسلمانوں کو مال جمع کرنے، عمارتیں تعمیر کرنے اور آراضی کو اپنی ملکیت میں لانے کی آزادی دی اور اس سلسلہ میں مسلمانوں پر جو شدت عمر رضی اللہ عنہ کے یہاں تھی وہ ختم ہو گئی جو انہیں خوف زدہ رکھتی تھی اور ان کی بہت سی خواہشات کی تکمیل سے مانع تھی۔ عثمان رضی اللہ عنہ کا دور مسلمانوں کے لیے خوش حالی اور آسائش کا دور تھا۔[1]

۱۔ مالی سیاست، زمام حکومت سنبھالتے ہوئے جس کا اعلان عثمان رضی اللہ عنہ نے کیا:

سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے گورنروں کے نام، خراج وصول کرنے والوں کے نام اور رعایا کے نام خطوط تحریر کیے جس کی تفصیل اس سے قبل آپ کے منہج حکومت کے بیان میں ہم کر چکے ہیں۔ ان خطوط کی روشنی میں مالی سیاست کے عام عناصر جس کا اعلان تیسرے خلیفہ راشد عثمان رضی اللہ عنہ نے کیا، مندرجہ ذیل مبادی پر قائم تھے:

- عام اسلامی مالی سیاست کی تنفیذ
- خراج کی وصولی کا رعایا کی حفاظت وخبر گیری میں خلل انداز نہ ہونا
- مسلمانوں سے بیت المال کا حق وصول کرنا
- بیت المال سے مسلمانوں کے حق کو ادا کرنا
- ذمیوں پر ظلم نہ کرنا، ان سے بیت المال کا حق وصول کرنا اور ان کے حقوق ادا کرنا
- محصلین خراج کا امانت ووفا کی صفت سے متصف ہونا
- عوام کی خوش حالی کی وجہ سے رونما ہونے والے مالی انحرافات سے بچنا[2]

۲۔ عثمانی ارشادات لوگوں کے لیے زکوٰۃ کے قواعد واصول واضح کرتے ہیں:

سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''یہ تمہاری زکوٰۃ کا مہینہ ہے لہٰذا جس پر قرض ہو وہ اس کو ادا کر دے تاکہ تم اپنی

[1] مبادی إلاقتصادی الاسلامی / سعاد ابراهیم صالح ص (۲۱۷)
[2] السیاسة المالیة لعثمان / قطب ابراهیم ص (٦١)

زکوٰۃ نکال سکو اور جس کے پاس نصاب زکوٰۃ تک مال نہ ہو اس سے زکوٰۃ نہیں لی جائے گی الا یہ کہ وہ نفلی طور سے دے۔ اور جس سے زکوٰۃ لے لی گئی اس کو دوبارہ زکوٰۃ نہیں ادا کرنا ہے یہاں تک کہ آئندہ سال یہی مہینہ دوبارہ آجائے۔" ابراہیم بن سعد کا بیان ہے کہ اس سے مقصود ماہ رمضان ہے۔ ❶ اور ابوعبید کا بیان ہے کہ بعض آثار میں یہ بات وارد ہے کہ اس ماہ سے عثمان رضی اللہ عنہ کا مقصود ماہ محرم ہے۔ ❷

❀ ......قرض دیے ہوئے مال کی زکوٰۃ سے متعلق عثمان رضی اللہ عنہ کا فرمان:

سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے تھے:

"زکوٰۃ اس قرض دیے ہوئے مال میں واجب ہے جسے جب چاہو وصول کر لو، قرض دار مال دار ہو لیکن تم حیا اور شرم کی وجہ سے نہ مانگ سکو تو اس میں زکوٰۃ ہے۔" ❸

عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا:

"قرض کی زکوٰۃ ادا کرو اگر وہ مال دار کے ذمہ ہو۔" ❹

عثمان رضی اللہ عنہ کے ان دونوں اقوال سے واضح ہوتا ہے کہ زکوٰۃ قرض دیے ہوئے مال میں واجب ہے جب کہ قرض لینے والا مال دار ہو اور قرض خواہ اس کو وصول کر سکتا ہو، لیکن حیا مانع ہو یا کسی منفعت کے پیش نظر نہ کہہ سکتا ہو۔ ❺

❀ ......زکوٰۃ کی مد سے قرض لے کر مصالح عامہ پر خرچ کرنا:

عثمان رضی اللہ عنہ نے اموال زکوٰۃ لے کر جنگ میں اور دیگر مصالح عامہ پر خرچ کیا چنانچہ آپ نے زکوٰۃ کی مد سے لے کر جہاد پر خرچ کیا اس شرط کے ساتھ کہ جب بیت المال میں وسعت ہوگی تو واپس کر دیں گے اور خلیفہ کو یہ حق حاصل ہے کہ ایک مد سے قرض لے کر دوسری مد میں خرچ کرے، اس میں نہ تو دین کی مخالفت لازم آتی ہے اور نہ سنت میں تبدیل و تغیر، جب کہ اس بات کا عزم مصمم ہو کہ بعد میں لیے ہوئے مال کو واپس کر دیں گے۔ ❻ علماء کی ایک رائے تو یہ ہے کہ مصارف زکوٰۃ میں سے ایک مصرف فی سبیل اللہ ہے، غازی فی سبیل اللہ کو زکوٰۃ میں سے دیا جائے گا کیوں کہ جہاد کی وجہ سے وہ کام کاج کر کے اپنی روزی نہیں کما سکتا اور یہ بے کاری اور عدم عمل پر ہمت افزائی نہیں ہے کیوں کہ اس شخص نے ذاتی مصلحت پر اسلامی مصلحت کو ترجیح دی ہے اور ذاتی عمل کو اعلائے کلمۃ اللہ اور دین کی نشر و اشاعت کی خاطر چھوڑا ہے اور بعض علماء تو اس بات کے قائل ہیں کہ زکوٰۃ

---

❶ الاموال / ابو عبید ص (٥٣٤)
❷ ایضًا، ص (٥٣٥)
❸ الاموال / ابو عبید ص (٥٣٧)
❹ المنتخب من السنة (٦/ ٣٠١)
❺ السیاسة المالیة لعثمان بن عفان، ص (٧٩)
❻ ایضًا، ص (٨٠)

زکوٰۃ کو مصالح عامہ اور امت کی ضروریات پر خرچ کیا جا سکتا ہے۔ [1]

❀ ......فقراء و مسافرین کے کھانے پر زکوٰۃ سے خرچ کرنا:

عثمان رضی اللہ عنہ نے نئی سنت جاری کی، آپ رمضان میں مسجد کے اندر کھانے کا اہتمام کرتے اور فرماتے یہ مسجد میں عبادت میں لگے ہوئے اور مسافر و فقراء کے لیے ہے۔ [2]

عثمان رضی اللہ عنہ بیت المال سے مسلمانوں کی تکریم کرتے اور اس سلسلہ میں آپ رسول اللہ ﷺ کی اقتداء فرماتے جو انتہائی سخی تھے اور آپ سے زیادہ سخاوت کا مظاہرہ رمضان میں فرماتے۔ یہ سنت جو عثمان رضی اللہ عنہ نے جاری کی مسلمانوں کو اعتکاف پر رغبت دلائی کیوں کہ انہیں کھانا تیار ملتا اور اس کی فکر نہیں ہوتی نیز اس میں نبی کریم ﷺ کی سنت اعتکاف پر لوگوں کو ہمت افزائی اور ترغیب ہے۔ [3]

❀ ......زکوٰۃ کی مد سے مسافر خانوں کی تعمیر:

عثمان رضی اللہ عنہ کو یہ بات پہنچی کہ جب غلے کے تاجر کوفہ پہنچے تو ابو سمال الاسدی اور کوفہ کے کچھ لوگوں کی طرف سے یہ اعلان کیا گیا کہ جن کا کوفہ میں کوئی ٹھکانہ نہیں وہ ابو سمال کے یہاں ٹھہر سکتے ہیں تو عثمان رضی اللہ عنہ نے بعض مکانات کو خرید کر مسافر خانہ بنا دیا جس میں مسافر ٹھہرا کریں، انہی مکانات میں سے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مکان ہذیل میں تھا جہاں مسافرین مسجد کے آس پاس موجود مسافر خانے تنگ ہو جانے پر اقامت کیا کرتے تھے۔ [4]

❀ ......ہر غلام کو بیت المال سے عطیہ:

عثمان رضی اللہ عنہ نے جس چیز کا اضافہ کیا وہ یہ کہ کوفہ میں ہر غلام کے لیے بیت المال سے وظیفہ مقرر کیا [5] اور غالب خیال ہے کہ یہ زکوٰۃ کی مد سے تھا کیوں کہ غلاموں کو زکوٰۃ میں حصہ حاصل ہے جسے قرآن نے متعین فرمایا ہے چنانچہ مصارف زکوٰۃ کو بیان کرتے ہوئے، ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَ فِي الرِّقَابِ﴾ (التوبہ: ٦٠)

''اور گردن چھڑانے میں۔'' [6]

---

[1] السیاسة المالیة لعثمان بن عفان، ص (٨١)

[2] تاریخ الطبری (٥/ ٢٤٥)

[3] السیاسة المالیة لعثمان بن عفان، ص (٨٢، ٨٣)

[4] تاریخ الطبری (٥/ ٢٧٣)

[5] تاریخ الطبری (٥/ ٢٧٥)

[6] السیاسة المالیة لعثمان، ص (٨٤)

۳۔ مال غنیمت کا خمس:

جہاد کا آغاز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے شروع ہوا اور ابوبکر و عمر اور اسی طرح عثمان رضی اللہ عنہم کے دور میں جاری رہا جس کے نتیجے میں اسلام کی نشر و اشاعت ہوئی اور اسلامی سلطنت کو وسعت ملی۔ عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں فتوحات بہت زیادہ ہوئیں جس کی وجہ سے بہت زیادہ مال غنیمت بیت المال کو حاصل ہوا اور اسی میں سے خمس بھی تھا۔

درج ذیل بعض مسائل سے عہد عثمانی میں مال غنیمت کے خمس سے متعلق عام مالی سیاست کے نفاذ کا اظہار ہوتا ہے:

❀ ...... عہد عثمانی میں مال غنیمت میں بچوں کا حصہ نہیں مقرر کیا گیا:

تمیم بن مہری کا بیان ہے کہ میں دوسری مرتبہ فتح اسکندریہ میں شریک تھا لیکن مجھے مال غنیمت میں حصہ نہیں دیا گیا جس کی وجہ سے قریب تھا کہ میری قوم اور قریش کے درمیان اختلاف رونما ہو جائے، لیکن بعض لوگوں نے کہا اس سلسلہ میں بصرہ غفاری اور عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہما سے دریافت کر لیا جائے، دونوں صحابی رسول ہیں، جب ان دونوں سے اس سلسلہ میں دریافت کیا گیا تو ان دونوں نے کہا: اگر زیر ناف بال آ گئے ہیں تو پھر حصہ دیا جائے، چنانچہ بعض لوگوں نے میرا معائنہ کیا تو زیر ناف بال آ چکے تھے لہٰذا مجھے مال غنیمت میں حصہ دیا گیا۔ ❶

اس کا معنی یہ ہوا کہ بچے کا مال غنیمت میں حصہ نہیں ہے اور اسی طرح عورت کا بھی حصہ نہیں ہے، لیکن چوں کہ انہوں نے جنگ میں مسلمانوں کا تعاون کیا ہے اس لیے کچھ مال دیا جائے گا اور یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں نافذ العمل تھا۔ ❷

❀ ...... مقتول کا ساز و سامان قاتل کے لیے:

جنگ میں مقتول کے پاس جو اسلحہ اور سواری ہو اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ہے کہ وہ قاتل کا ہے چنانچہ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معرکہ حنین کے موقع پر فرمایا:

((من قتل قتیلا له بینة فله سلبه .)) ❸

"جس نے کفار کی فوج میں سے کسی کو قتل کیا اس کے لیے مقتول کا ساز و سامان ہے بشرطیکہ اس کے پاس اس کا ثبوت ہو۔"

اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ قاتل کو مقتول کے ساز و سامان کا حق اسی وقت حاصل ہوگا جب

❶ فتوح مصر و اخبارها ، ص: (۱۲۱) ❷ السیاسة المالیة لعثمان ، ص (۹۳)

❸ البخاری: کتاب المغازی (۴۳۲۲)

کہ وہ اس پر ثبوت فراہم کرے کہ اسی نے اس کو قتل کیا ہے۔ اگر دو آدمی کسی مقتول سے متعلق اختلاف کریں اور ہر ایک یہ کہے کہ میں نے اس کو قتل کیا ہے تو اس کا ساز و سامان اس کو ملے گا جو یہ ثبوت فراہم کرے کہ اسی نے اس کو قتل کیا ہے۔ [1]

❀ ......عہد عثمانی میں اسلامی فتوحات کے لیے مال کی فراہمی میں مالی سیاست کی کامیابی:

سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو جن چیلنجوں کا سامنا تھا ان میں سے بعض مفتوحہ علاقوں کی بغاوت تھی، لیکن عثمان رضی اللہ عنہ نے ان بغاوتوں پر قابو حاصل کیا اور انہیں دوبارہ اسلامی سلطنت کی ماتحتی قبول کرنے پر مجبور کیا۔ جدید فتوحات کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان فتوحات سے متعلق مالی سیاست کی تنفیذ یہ بتا رہی ہے کہ عہد عثمانی میں عام مالی سیاست نے اپنا مطلوب کردار ادا کیا ہے، خواہ اس کا تعلق ان فتوحات کے لیے مال کی فراہمی سے ہو یا بیت المال کو حاصل شدہ کثیر دولت سے ہو جو مال غنیمت سے، یا مفتوحہ علاقوں کے لوگوں میں سے جنھوں نے اسلام قبول کیا ان کی زکوٰۃ سے یا جو اہل کتاب اپنے دین پر باقی رہے ان سے جزیہ اور خراج سے حاصل ہوئی۔ [2]

۴۔ اہل کتاب جب تک جزیہ ادا کرتے رہیں وہ مسلمانوں کے ذمہ وحفاظت میں رہیں گے:

جب عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اسکندریہ کو فتح کیا اور جنگ کے دوران بطور مال غنیمت بہت سا مال و متاع حاصل ہوا تو عہد پر باقی رہنے والے لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: ہماری اور آپ کی مصالحت تھی اس وقت ان رومی چوروں نے ہمارے سامان اور چوپایوں پر قبضہ کر لیا تھا اور ہمارا یہ مال اس وقت آپ کے قبضہ میں آیا ہے۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو جنھوں نے اپنا مال پہچان لیا اور اس پر شہادت پیش کر دی ان کو واپس کر دیا۔ اور ان میں سے بعض لوگوں نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے عرض کیا: آپ نے ہمارے ساتھ جو کیا ہے یہ حلال نہ تھا، بلکہ ہمارا آپ پر حق تھا کہ آپ ہماری طرف سے قتال کرتے کیوں کہ ہم آپ کے ذمی ہیں اور ہم نے اس عہد و پیمان کو توڑا نہیں ہے اور جس نے توڑ دیا ہے اس کو اللہ اپنی رحمت سے دور کر دے۔ [3]

۵۔ اراضی کو حکومتی چراگاہ میں تحویل کرنے کی عثمانی سیاست:

یہ وہ اراضی تھی جو حکومت کے اونٹوں اور گھوڑوں کے چرنے کے لیے خاص کر دی گئی تھی۔ وادی نقیع کو رسول اللہ ﷺ نے گھوڑوں کے لیے خاص کر دیا تھا۔ [4] اس کا طول اسی (۸۰) کلو میٹر تھا جو مدینہ کے جنوب میں چالیس کلو میٹر پر شروع ہوتا تھا۔ [5] خلافت صدیقی اور فاروقی میں اس کی یہی حالت باقی رہی، اور

---

[1] السیاسة المالیة لعثمان ص (۹۳)   [2] ایضًا، ص (۹۹)

[3] صحیح سنن ابی داود / الالبانی (۲/ ۵۹۵)

[4] عصر الخلافة الراشدة ص (۲۲۵، ۲۲۶)

خلافت فاروقی میں اس طرح کی چراگاہوں میں کافی اضافہ ہوا کیوں کہ جہاد کے لیے حکومت کے گھوڑوں اور اونٹوں میں اضافہ ہوا چنانچہ آپ نے ''ربذہ'' کو زکوٰۃ کے جانوروں کے لیے خاص کر دیا اور وہاں اپنے غلام (ھنی) کو مقرر کیا اور انہیں حکم دیا کہ جن کے پاس معمولی اونٹ ہیں انہیں یہاں چرانے دینا البتہ مال داروں کو یہ موقع نہ دینا۔ اسی طرح آپ نے دیار بنی ثعلبہ میں ایک زمین کو چراگاہ کے لیے خاص کر دیا باوجودیکہ ان لوگوں نے اس پر بڑا احتجاج کیا، آپ نے ان کے جواب میں فرمایا:

''ملک اللہ کا ہے اور اللہ ہی کے مال کے لیے اس کی حفاظت کی جا رہی ہے۔''[1]

عہد عثمانی میں اسلامی سلطنت کی وسعت اور فتوحات میں اضافے کے سبب عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے پیش رو ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے منہج کو اختیار کیا۔ آپ نے چراگاہوں کی تخصیص مسلمانوں کے صدقات کی حفاظت و حمایت کے لیے کی، چنانچہ جب چرنے والے جانوروں میں اضافہ ہوا تو چراگاہوں میں بھی اضافہ کیا اور جو چیز ضرورت کے تحت جائز ہو تو ضرورت میں اضافے کی صورت میں اس میں اضافہ بھی جائز ہوگا۔[2]

۶۔ عہد عثمانی میں عام اخراجات کے انواع و اقسام:

- خلیفہ کے اخراجات
- بیت المال سے گورنروں کی تنخواہ
- بیت المال سے فوج کی تنخواہ
- بیت المال سے حج کے عام اخراجات
- بیت المال سے مسجد نبوی کی تعمیر نو
- بیت المال سے مسجد حرام کی توسیع
- پہلا بحری بیڑا بیت المال سے تیار کیا گیا
- بندرگاہ جدہ کی تعمیر پر خرچ
- بیت المال سے کنوؤں کی تعمیر
- بیت المال سے مؤذنوں پر خرچ
- اسلام کے بلند مقاصد و اہداف پر خرچ (تفصیل کے لیے دیکھیے: سیّدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، ص: ۱۸۶)

۷۔ عہد عثمانی میں عطیات کے نظام کا باقی و برقرار رہنا:

عہد عثمانی میں عطیات کا نظام جاری رہا، جیسا کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور میں جاری تھا، عطیات سے

[1] الطبقات (۳/ ۳۲۶) یہ اثر صحیح ہے۔
[2] نظام الخلافۃ فی الفکر الاسلامی / د۔ مصطفی حلمی ص (۷۸)

متعلق دین میں سبقت کو اساس قرار دیا اور کوفہ پر مقرر اپنے گورنر کو لکھا:

''امابعد! اس ملک کے فاتحین میں سابقین کو فوقیت دو اور ان کے بعد جنھوں نے یہاں نزول کیا ہے انہیں ان کے تابع رکھو الا یہ کہ وہ حق سے سست پڑ گئے ہوں اور حق چھوڑ بیٹھے ہوں اور بعد والے اس کو سنبھال لیے ہوں۔ ہر ایک کے مقام و مرتبے کی حفاظت کرو اور سب کے حقوق ادا کرو، لوگوں کی معرفت سے ہی عدل قائم ہوگا۔'' [1]

آپ کے دور خلافت میں جب اسلامی فتوحات میں وسعت ہوئی اور حکومت کے ذرائع آمدن میں اضافہ ہوا تو اس کے پیش نظر عثمان رضی اللہ عنہ نے مال گودام اور خزانے قائم کیے۔ [2]

مذکورہ اضافے کے نتیجے میں عطیات اور تنخواہوں میں اضافے ہوئے، چنانچہ فوجیوں کی تنخواہ میں ہر فرد کے لیے سو درہم کی مقدار میں اضافہ ہوا۔ آپ پہلے خلیفہ ہیں جس نے عطیات و تنخواہوں میں اضافے کیے اور بعد کے آنے والے خلفاء نے اضافے میں آپ کی اقتدا کی۔ [3]

حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''میں نے منادی کو اعلان کرتے ہوئے سنا لوگو! اپنے کپڑے لینے کے لیے نکلو، گھی اور شہد لینے کے لیے نکلو۔''

نیز فرماتے ہیں: ''فراوانی سے روزی مل رہی تھی، خیر کثیر تھا، آپ کے تعلقات استوار تھے، روئے زمین پر کوئی مسلمان کسی مسلمان سے خوف نہیں کھاتا تھا بلکہ ایک دوسرے سے محبت کرتے، ایک دوسرے کی مدد کرتے اور مانوس رہتے۔'' [4]

عثمان رضی اللہ عنہ اسلامی سرحدوں کی حفاظت کا بے حد اہتمام فرماتے، وہاں افواج کو مقرر فرماتے اور فوجی قائدین کو سرحدوں پر پہرہ دینے والے فوجیوں کے لیے تنخواہ اور عطیات جاری کرنے اور اس میں مزید اضافہ کرنے کا حکم فرماتے۔ [5]

۸۔ عثمان رضی اللہ عنہ کے اعزہ واقرباء اور بیت المال سے عطیات:

خوارج اور جہال کی طرف سے عثمان رضی اللہ عنہ پر یہ اتہام لگایا گیا کہ آپ بیت المال کا مال اپنے اقرباء و اعزہ میں لٹاتے رہے۔ اس اتہام کو روافض اور سبائی تحریک کے حاملین کے باطل پروپیگنڈوں سے تقویت ملی اور تاریخی کتابوں میں اسے جگہ مل گئی اور بعض مفکرین و مورخین نے اس باطل پروپیگنڈہ کو حقیقت تصور کر لیا حالاں کہ یہ

[1] تاریخ الطبری: (۵/ ۲۸۰)
[2] الادارۃ العسکریۃ فی الدولۃ الاسلامیۃ (۲/ ۶۸۳۶) النجوم الزاھرۃ (۱/ ۸۷)
[3] تاریخ الطبری: (۵/ ۲۴۵)
[4] مجمع الزوائد (۹/ ۹۳، ۹۴) فصل الخطاب فی مواقف الاصحاب ص (۵۲)
[5] فتوح مصر ص (۱۹۲) فتوح البلدان/ البلاذری (۱/ ۱۵۲، ۱۵۷)

باطل ہے، ثابت نہیں کیوں کہ یہ موضوع ومن گھڑت ہے اور اعزہ واقرباء کو عطیات سے متعلق جو روایات ثابت ہیں وہ آپ کے مناقب میں سے ہیں، مثالب میں سے انہیں تصور نہیں کیا جا سکتا ہے۔

عثمان رضی اللہ عنہ بہت بڑے مال دار اور دولت مند آدمی تھے صلہ رحمی میں بہت ہی آگے تھے ❶، صلہ رحمی میں بے دریغ اپنا مال خرچ کرتے تھے۔ شر پسند لوگوں نے اس کو ناپسند کیا اور آپ پر اتہام لگایا کہ آپ بیت المال سے صلہ رحمی کرتے ہیں اور اپنے اعزہ واقرباء پر خرچ کرتے ہیں۔

عثمان رضی اللہ عنہ نے اس اتہام کا جواب دیتے ہوئے فرمایا: لوگوں کا کہنا ہے کہ میں اپنے خاندان والوں سے محبت کرتا ہوں اور انہیں مال دیتا ہوں۔ واضح رہے ان کے ساتھ میری محبت انہیں جور وظلم پر نہیں ابھارتی بلکہ میں ان پر حقوق وواجبات کو عائد کرتا ہوں...... رہا میرا انہیں عطیہ دینا تو واضح رہے میں انہیں اپنے مال خاص سے عطا کرتا ہوں میں مسلمانوں کے مال کو نہ اپنے لیے جائز سمجھتا ہوں اور نہ کسی اور کے لیے، میں تو رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے ادوار میں بھی بڑے بڑے عطیے اپنے مال خاص سے لوگوں کو دیتا رہا ہوں اور کیا اب میں بخیل و حریص ہو گیا ہوں؟ کیا اب جب کہ میری عمر خاندان کی عمر سے تجاوز کر گئی ہے اور میری عمر ختم ہو چکی ہے اور اہل و عیال کے سلسلہ میں خواہشات کو الوداع کہہ چکا ہوں، ملحدین ایسی باتیں کہتے ہیں۔ ❷

عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی جائداد اور مال وزمین کو بنو امیہ کے درمیان تقسیم کر دیا اور اپنی اولاد کو اور لوگوں کے برابر ہی دیا چنانچہ بنو ابوالعاص سے تقسیم کرنا شروع کیا، آل حکم کو عطا کیا، ان کے مردوں کو دس دس ہزار عطا کیا اس طرح انہیں ایک لاکھ ملا اور بنو عثمان کو اسی کے مثل دیا۔ بنو عاص، بنو عیص اور بنو حرب میں تقسیم کیا۔ ❸

اس طرح کے یہ نصوص جو عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں مشہور ہیں اور اسی طرح احادیث صحیحہ جو آپ کے فضائل ومناقب میں وارد ہیں، اس بات پر واضح دلیل ہیں کہ عثمان رضی اللہ عنہ سے متعلق یہ پروپیگنڈہ کہ آپ بیت المال میں اسراف کرتے اور اپنے اعزہ واقرباء اور قصور ومحلات پر بے دریغ خرچ کرتے تھے، سراسر بے بنیاد ہے۔

عثمان رضی اللہ عنہ کے اس اتہام سے براءت کے باوجود بعض علماء کی رائے ہے کہ مال غنیمت میں ذوی القربیٰ کا حصہ امام وقت کے اقرباء کا حق ہے۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”ذوی القربیٰ کے حصے سے متعلق بعض فقہاء اس طرف گئے ہیں کہ یہ امام وقت کے قرابت داروں کا حق ہے جیسا کہ حسن بصری اور ابوثور رحمہما اللہ کا قول ہے اور نبی کریم ﷺ اسی امامت کے پیش نظر

❶ فصل الخطاب فی مواقف الاصحاب، ص(۸۲).

❷ تاریخ الطبری: (۵/ ۳۵۶)

❸ تاریخ الطبری (۵/ ۳۵۶)

اپنے قرابت داروں پر اس کو خرچ کرتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں ذوی القربیٰ سے مقصود آپ کے قرابت دار تھے اور آپ کی وفات کے بعد اس سے مقصود امام وقت اور آپ کے جانشین کے قرابت دار ہیں کیوں کہ امام وقت کی نصرت و تائید فرض ہے اور اس کے اعزہ و اقرباء جس طرح اس کی نصرت و تائید کر سکتے ہیں، دوسرے نہیں کر سکتے۔ عام طور سے عمر رضی اللہ عنہ کے بعد جن لوگوں نے زمام خلافت سنبھالی وہ اپنے بعض اقارب کو عہدے یا مال سے نوازتے رہے ہیں۔'' [1]

نیز علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عثمان رضی اللہ عنہ نے مال سے متعلق جو موقف اختیار کیا، اس کے تین مآخذ ہیں:

❀ آپ نے اپنے اقرباء کو عامل مقرر کیا اور عامل غناء و مال داری کے باوجود مستحقین میں سے ہے۔

❀ ذوی القربیٰ کا جو حصہ قرآن میں مذکور ہے اس سے مقصود امام وقت کے اقرباء ہیں۔

❀ عثمان رضی اللہ عنہ کے قرابت دار ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے اقرباء کی طرح تھوڑے نہیں تھے بلکہ آپ کا قبیلہ بہت بڑا تھا اس لیے آپ کو ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے مقابلے میں اپنے اقارب کو عہدے و مناصب عطا کرنے اور عطیات دینے کی زیادہ ضرورت پیش آئی، عثمان رضی اللہ عنہ نے خود اس سے استدلال کیا ہے۔ [2] (مزید تفصیل ملاحظہ ہو، سیرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، ص: ۱۹۳)

(۲)...... دار القضاء اور بعض فقہی اجتہادات

دار القضاء:

بعض کتب تواریخ نے عثمان رضی اللہ عنہ کے مآثر میں دار القضاء بنانا ذکر کیا ہے جیسا کہ ابن عساکر کی اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے جس میں عباس رضی اللہ عنہ کے غلام ابو صالح بیان کرتے ہیں کہ مجھے عباس رضی اللہ عنہ نے عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجا تو میں نے آپ کو دار القضاء میں پایا...... الخ۔

اگر یہ روایت صحیح ہے تو عثمان رضی اللہ عنہ پہلے خلیفہ ہیں جنھوں نے اسلام میں دار القضاء قائم کیا آپ سے قبل دونوں خلیفہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے سلسلہ میں یہ بات مشہور ہے کہ وہ قضاء کے لیے مسجد ہی میں تشریف رکھتے تھے۔ [3]

خلافت عثمانی میں مشہور ترین قاضی:

۱۔ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ (مدینہ)

۲۔ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ (دمشق)

۳۔ کعب بن سور رضی اللہ عنہ (بصرہ)

[1] منہاج السنة (۳/ ۱۸۷، ۱۸۸)

[2] منہاج السنة (۳/ ۲۳۷)، الدولة الامویة/ حمدی شاهین، ص (۱۶۳)

[3] أشهر مشاهير الاسلام (۴/ ۷۴۰)

۴۔ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ (بصرہ، گورنری کے ساتھ)

۵۔ شریح رحمہ اللہ (کوفہ)

۶۔ یعلٰی بن امیہ رضی اللہ عنہ (یمن)

۷۔ ثمامہ رضی اللہ عنہ (صنعا)

۸۔ عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ (مصر) [1]

قصاص، جنایات، حدود، تعزیرات، عبادات اور معاملات سے متعلق عثمان رضی اللہ عنہ نے فقہی احکامات چھوڑے ہیں جن کا اسلامی فقہی مدارس پر گہرا اثر رہا ہے یہاں بعض وہ احکام پیش کیے جاتے ہیں جنھیں عثمان رضی اللہ عنہ نے صادر کیا یا ان کا فتویٰ دیا ہے:

ا۔ قصاص، حدود اور تعزیر سے متعلق

❀ ...... پہلا مقدمہ جو عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش ہوا قتل کا مقدمہ تھا:

سب سے پہلا مقدمہ جس کا عثمان رضی اللہ عنہ نے فیصلہ کیا عبیداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا مقدمہ تھا۔ ہوا یوں کہ انہوں نے عمر رضی اللہ عنہ کے قاتل ابولولو کی بیٹی کو قتل کر دیا اور جفینہ نامی ایک نصرانی پر تلوار سے وار کیا اور اس کا قصہ تمام کر دیا اور اسی طرح ہرمزان کو بھی قتل کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ ان دونوں نے ابولولو کو عمر رضی اللہ عنہ کے قتل پر ابھارا تھا۔ واللہ اعلم۔ [2]

عمر رضی اللہ عنہ نے عبیداللہ رضی اللہ عنہ کو جیل میں بند کر دینے کا حکم جاری کیا تھا تاکہ آپ کے بعد آنے والا خلیفہ ان کے سلسلہ میں اپنا فیصلہ صادر کرے۔ جب عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے تو سب سے پہلا مقدمہ آپ کے سامنے عبیداللہ رضی اللہ عنہ کا مقدمہ تھا۔ علی رضی اللہ عنہ نے کہا ان کو چھوڑ دینا عدل نہیں انہیں قتل کر دینا چاہیے۔ بعض مہاجرین نے کہا: یہ کہاں کا انصاف ہے کہ کل باپ کا قتل ہوا اور آج بیٹا قتل کیا جائے؟ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا: امیر المومنین اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس قضیہ سے بری رکھا ہے یہ آپ کے عہد خلافت میں پیش نہیں آیا ہے اس کو چھوڑیے۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے ان مقتولین کی دیت اپنے مال سے ادا کی کیوں کہ ان کا معاملہ آپ کے حوالے تھا جب کہ بیت المال کے علاوہ ان کا کوئی وارث نہ تھا۔ امام وقت اس سلسلہ میں اصلاح کا خیال کرتا ہے۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے عبیداللہ رضی اللہ عنہ کو رہا کر دیا۔ [3]

❀ ...... جادوگر کی سزا:

سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا کی ایک لونڈی نے ان پر جادو کر دیا۔

---

[1] عصر الخلافة الراشدة ص (۱۵۹، ۱۶۰)

[2] البداية والنهاية (۷/ ۱۵٤)

[3] البداية والنهاية (۷/ ۱۵٤)

ام المومنین نے عبدالرحمٰن بن زید کو اسے قتل کرنے کا حکم دیا انہوں نے اسے قتل کر دیا۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے اس پر نکیر کی تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: آپ ام المومنین پر اس خاتون کے قتل پر کیوں نکیر کرتے ہیں جس نے ان پر جادو کیا اور اس نے اس کا اعتراف بھی کیا؟ اس پر عثمان رضی اللہ عنہ نے خاموشی اختیار کی۔ عثمان رضی اللہ عنہ کو اس کے قتل پر اعتراض نہ تھا بلکہ چوں کہ حدود کا قائم کرنا امام وقت کا حق ہے، اس کا کام ہے کہ اقامت حدود کا حکم جاری کرے چوں کہ خلیفہ کے حق کو ضائع کیا گیا تھا اس لیے عثمان رضی اللہ عنہ نے نکیر فرمائی تھی۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا مذکورہ قول اسی پر دلالت کرتا ہے یعنی اس سلسلہ میں فیصلہ واضح ہے اور اس کے مستحق قتل ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ [1]

❀ ...... جانور پر زیادتی:

اگر جانور پر کسی نے زیادتی کی تو وہ اس کی قیمت کا ضامن ہوگا چنانچہ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ایک شخص نے نادر شکاری کتے کو قتل کر دیا، اس کی قیمت آٹھ سو درہم مقرر کی گئی۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے اس شخص پر اس کی ادائیگی لازم قرار دی اور اسی طرح ایک شخص نے ایک دوسرے شکاری کتے کو قتل کر دیا تو اس پر بیس اونٹ کا جرمانہ عائد کیا۔ [2]

❀ ...... حملہ آور پر زیادتی:

اگر کوئی شخص کسی کے مال یا جان یا عزت پر حملہ کرے اور پھر وہ شخص جس پر حملہ کیا گیا ہے اس شخص کو قتل کر دے تو اس کا خون رائیگاں ہوگا۔ قصاص وغیرہ لاگو نہ ہوگا۔ علامہ ابن حزم نے محلّی میں روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کے ساتھ غیر مرد کو دیکھا تو اس کو قتل کر دیا یہ قضیہ عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کیا گیا آپ نے اس کے خون کو رائیگاں قرار دیا۔ [3]

❀ ...... شراب کی حد:

یہ بات معروف و معلوم ہے کہ جب آزاد شراب نوشی کا مرتکب ہوتا تو اس کو رسول اللہ ﷺ چالیس کوڑے لگاتے اور لوگ جوتے چپل اور کپڑے کے کنارے سے اس کی تذلیل کے لیے مارتے، یہی حالت عہد صدیقی میں بھی رہی اور یہی طریقہ عہد فاروقی کے ابتدائی دور میں رہا پھر عمر رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ لوگ اس سزا کو معمولی سمجھنے لگے ہیں تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشورے سے اس کی سزا اسّی (۸۰) کوڑے مقرر فرمائی لیکن عثمان رضی اللہ عنہ سے چالیس اور اسّی کوڑوں کی دونوں سزا ثابت ہے۔ اور یہ یوں ہی نفس پرستی کی بنیاد پر نہ تھا بلکہ آپ نے پینے والوں کی نوعیت میں تفریق کی بنیاد پر یہ طریقہ اختیار کیا تھا اگر کوئی پہلی بار اس جرم کا ارتکاب کر بیٹھتا تو اس کو چالیس کوڑے لگاتے اور جو اس کا عادی ہوتا اس کو اسّی (۸۰) کوڑے لگاتے۔ گویا آپ چالیس کوڑے حد کے طور پر

---

1. موسوعة فقه عثمان بن عفان ص (۱۶۹، ۱۷۰)
2. موسوعة فقه عثمان بن عفان ص (۱۰۲)
3. موسوعة فقه عثمان بن عفان ص (۱۰۳)

لگاتے اور چالیس تعزیری سزا کے طور پر لگاتے تھے۔ ❶

❀ ...... اخیافی (ماں شریک) بھائی ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ پر حد قائم کرنا:

حصین بن منذر سے روایت ہے: میں عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھا، ولید بن عقبہ کو حاضر کیا گیا، دو آدمیوں میں سے حمران نے گواہی دی کہ اس نے شراب پی ہے اور دوسرے نے گواہی دی کہ اس نے اسے شراب کی قے کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: شراب پیے بغیر اس کی قے نہیں کر سکتا، اس نے ضرور شراب پی ہے۔ فرمایا: علی اٹھو اور اسے کوڑے لگاؤ۔ علی رضی اللہ عنہ نے کہا: اے حسن! اس کو کوڑے لگا۔ اس پر حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''مشکلات کو وہی اٹھائے جو سہولیات سے مستفید ہوا ہے۔'' گویا کہ وہ ناراض تھے۔ پھر علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے عبداللہ بن جعفر تم اس کو کوڑے لگاؤ۔ عبداللہ بن جعفر نے اس کو کوڑے لگائے اور علی رضی اللہ عنہ شمار کرتے رہے جب چالیس کوڑے لگا چکے تو علی رضی اللہ عنہ نے کہا رک جاؤ پھر فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس کوڑے لگائے، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی چالیس ہی لگائے اور عمر رضی اللہ عنہ نے اسّی (۸۰) لگائے، سب ہی سنت ہے لیکن مجھے یہ یعنی چالیس ہی محبوب ہیں۔ ❷ (مزید تفصیل ملاحظہ ہو، سیرت عثمان: ۲۰۵)

۲۔ عبادات و معاملات میں اجتہادات

ا۔ جمعہ کے دن دوسری اذان کا اضافہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین من بعدی.)) ❸

''تم میری سنت اور میرے بعد خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑو۔''

یہ اضافہ خلفائے راشدین کی سنت میں سے ہے اور بلاشبہ عثمان رضی اللہ عنہ خلفائے راشدین میں سے ہیں۔ آپ نے اذان کے اضافے میں مصلحت سمجھی تاکہ لوگوں کو نماز جمعہ کے وقت کے قریب ہونے سے آگاہ کر دیا جائے کیوں کہ مدینہ کی آبادی پھیل چکی تھی مسجد کی اذان کی آواز کا پہنچنا ممکن نہ رہا تھا اس لیے آپ نے اس سلسلہ میں اجتہاد کیا اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ کی موافقت کی اور اس پر عمل جاری رہا کسی نے مخالفت نہیں کی یہاں تک کہ خلافت علی و معاویہ رضی اللہ عنہما اور خلافت بنو امیہ اور بنو عباس میں اس پر عمل ہوتا رہا اور آج تک اس پر عمل جاری ہے،

---

❶ موسوعة فقه عثمان بن عفان ص (۹۳)

❷ شرح النووی علی صحیح مسلم، کتاب الحدود (۱۱/ ۲۱۶)

❸ ابوداود/ السنة (٤٦٠٧)۔ الترمذی/ العلم (٢٦٧٦)

لہٰذا باجماع مسلمین یہ سنت ہے۔ ❶

۲۔ اسلام لانے کے بعد یومیہ غسل:

عثمان رضی اللہ عنہ نے جب سے اسلام قبول کیا اپنا معمول بنا لیا تھا کہ آپ یومیہ غسل فرماتے تھے۔ ❷ ایک دن آپ نے لوگوں کو صبح کی نماز پڑھائی بعد میں دیکھا کہ آپ کے کپڑوں میں احتلام کے آثار ہیں، فرمایا: واللہ میں بوڑھا ہو چکا ہوں مجھے جنابت لاحق ہوتی ہے اور پتہ بھی نہیں چلتا، پھر آپ نے نماز دہرائی ❸ لیکن مقتدیوں نے نماز نہیں دہرائی۔ ❹

۳۔ حج تمتع سے ممانعت:

عثمان رضی اللہ عنہ نے افضل پر عمل کی خاطر لوگوں کو تمتع وقران سے منع کر دیا تھا آپ افراد کو افضل سمجھتے تھے ورنہ آپ پر یہ مخفی نہیں تھا کہ انسان کو اس بات کا اختیار ہے کہ افراد، قران اور تمتع میں سے جس کو چاہے اختیار کرے، لیکن آپ افضل پر عمل کرانا چاہتے تھے۔ تمتع وقران کا ابطال مقصود نہیں تھا۔ چنانچہ مروان بن حکم سے مروی ہے کہ میں عثمان وعلی رضی اللہ عنہما کے پاس موجود تھا۔ عثمان رضی اللہ عنہ لوگوں کو تمتع وقران سے روک رہے تھے جب علی رضی اللہ عنہ نے یہ کیفیت دیکھی تو حج وعمرہ کا ایک ساتھ تلبیہ پکارا اور فرمایا: میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو کسی کے قول کی بنیاد پر نہیں چھوڑ سکتا۔ ❺ عثمان رضی اللہ عنہ نے علی رضی اللہ عنہ کے اس موقف پر نکیر نہیں فرمائی کیوں کہ علی رضی اللہ عنہ کو یہ خطرہ لاحق ہو گیا تھا کہ کہیں لوگ عثمان رضی اللہ عنہ کی اس ممانعت سے تمتع قران کو باطل نہ سمجھنے لگیں اس لیے آپ نے حج وعمرہ کا احرام باندھتے ہوئے فرمایا میں کسی کے قول کی بنیاد پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو نہیں چھوڑ سکتا تاکہ اس کے جواز وسنت کو واضح کر دیں بہرحال دونوں ہی مجتہد اور اجر کے مستحق ہیں۔ ❻

محرم کے لیے خشکی کا شکار کرنا اور اس شکار کو کھانا جائز نہیں اسی طرح خشکی کے اس شکار کو کھانا بھی جائز نہیں ہے جس کو اسی کی خاطر شکار کیا گیا ہو۔ عبدالرحمٰن بن حاطب سے روایت ہے کہ انہوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ عمرہ کیا جب مقام روحاء پر پہنچے تو ان کے لیے پرندے کا گوشت پیش کیا گیا، عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا آپ لوگ

---

❶ حقبة من التاريخ/ عثمان الخميس ص (۸۸) یہاں یہ کہنا کہ کسی نے مخالفت نہیں کی صحیح نہیں خود صحابہ میں سے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی نے اس کی مخالفت کی تھی۔ دیکھیے: فتح الباری۔ لہٰذا اس کو اجماعی مسئلہ کہنا صحیح نہیں ہے۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ جن حالات اور ظروف میں عثمان رضی اللہ عنہ نے اس اذان کا حکم دیا تھا ان حالات میں اس پر عمل کیا جائے گا لیکن دور حاضر میں یہ حالات نہیں رہے۔ لاؤڈ اسپیکر کی ایجاد اور مساجد کی کثرت نے اس کی ضرورت کو ختم کر دیا ہے لہٰذا اب اسی پر عمل ہوگا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی سنت رہی ہے۔ (مترجم)

❷ فضائل الصحابة (۷۵۶) اسناده حسن

❸ موسوعة فقه عثمان بن عفان ص (۱۹۰)

❹ ایضًا، ص (۱۹۲)

❺ البخاری/ كتاب الحج (۱۵۶۳)

❻ شهيد الدار عثمان بن عفان ص (۸۶)

کھائیں اور خود کھانا پسند نہیں کیا۔ اس پر عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا: جسے آپ نہیں کھائیں گے اسے ہم کیسے کھائیں؟ عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اس سلسلہ میں آپ لوگوں جیسا نہیں کیوں کہ یہ شکار میرے لیے کیا گیا ہے۔ ❶

عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایسا ہی واقعہ دوسری مرتبہ بھی پیش آیا جیسا کہ عبداللہ بن عامر بن ربیعہ کی روایت ہے: میں نے عثمان رضی اللہ عنہ کو مقام عرج میں دیکھا آپ حالت احرام میں تھے سخت گرمی کا دن تھا، آپ کا اپنا چہرہ ارجوانی چادر سے ڈھکے ہوئے تھے پھر آپ کے سامنے خشکی کے شکار کا گوشت پیش کیا گیا تو اپنے ساتھیوں سے فرمایا تم لوگ کھا لو۔ لوگوں نے عرض کیا آپ نہیں کھائیں گے؟ فرمایا: میں تمہاری طرح نہیں ہوں یہ میرے لیے شکار کیا گیا ہے۔ ❷

۴۔ خلع:

سیّدنا ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میرے اور میرے شوہر کے درمیان اختلاف ہو گیا میں نے کہا: آپ ہر چیز لے لیں اور میرا معاملہ صاف کر دیں۔ انہوں نے کہا: میں نے کر دیا۔ اللہ کی قسم انہوں نے میرا سب کچھ لے لیا یہاں تک کہ میرا بستر بھی نہیں چھوڑا۔ میں عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئی جب کہ آپ گھر میں محصور تھے۔ آپ نے فرمایا: (الشرط املك) شرط مقدم ہے تم ہر چیز لے لو یہاں تک کہ موباف بھی لے لو۔ ❸

۵۔ مدہوش کی طلاق:

عثمان رضی اللہ عنہ کا موقف تھا کہ مدہوش شخص کی باتوں کا اعتبار نہیں اس لیے اس کے عقد و فسخ اور اقرار کا اعتبار نہیں، اس کی طلاق واقع نہ ہوگی کیوں کہ وہ جو کہتا ہے اس کو سمجھتا نہیں اور جو کہتا ہے بلا قصد و ارادہ کہتا ہے اور بلا قصد و ارادہ کوئی چیز لازم نہیں آتی ❹ عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مدہوش اور مجنون کی طلاق کا اعتبار نہیں۔ ❺

۶۔ باپ کا عطیہ اولاد کے لیے:

جب باپ اپنی اولاد کو کوئی عطیہ دے تو اس کو چاہیے کہ اس پر گواہ بنا لے۔ جب گواہ بنا لیا تو یہ قبضہ تصور کیا جائے گا اور اس کے بعد اگر وہ چیز باپ کے پاس رہے تو کوئی بات نہیں۔ عثمان رضی اللہ عنہ سے یہ قول مروی ہے: جس نے اپنے چھوٹے بچے کو عطیہ دیا جو قبضہ نہیں کر سکتا لیکن باپ نے اس کا اعلان کر دیا اور اس پر گواہ رکھ لیا تو یہ جائز ہے اگرچہ باپ ہی کے قبضہ میں رہے۔ ❻

---

❶ موسوعة فقه عثمان بن عفان ص (۲۰)

❷ سنن الکبریٰ للبیهقی (۵/ ۱۹۱) موسوعة فقه عثمان بن عفان ص (۲۰)

❸ الطبقات (۸/ ۴۴۸) ❹ موسوعة فقه عثمان بن عفان ص (۵۳) الفتاوی (۱۴/ ۷۲)

❺ الفتاوی (۳۳/ ۶۱) موسوعة فقه عثمان بن عفان ص (۵۳)

❻ سنن البیهقی (۶/ ۱۷۰) موسوعة فقه عثمان بن عفان ، ص (۲۸۸)

لیکن اگر گواہ نہیں بنایا اور نہ بچے کے حوالہ کیا تو یہ عطیہ نافذ نہیں۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ اپنی اولاد کو عطیہ دیتے ہیں پھر اگر اولاد کا انتقال ہو جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ تو میرا مال ہے اور میرے قبضے میں ہے اور اگر خود اس کا انتقال ہوتا ہے تو کہتا ہے کہ میں نے اس کو ہبہ کر دیا ہے، ہبہ و عطیہ وہی ثابت ہوگا جو بچے کے قبضہ میں ہو۔[1]

۷۔ بے وقوف کے تصرف پر حکم امتناعی:

عثمان رضی اللہ عنہ بے وقوف کے تصرف پر حکم امتناعی کے حق میں تھے چنانچہ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما نے ساٹھ ہزار دینار میں ایک زمین خریدی، اس کی اطلاع علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو پہنچی، آپ کے خیال میں یہ زمین اتنی قیمت کے لائق نہ تھی اور عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے اس میں صریح دھوکا کھایا ہے، بلکہ بے وقوفوں کا سا تصرف کیا ہے۔ آپ نے یہ ارادہ ظاہر فرمایا کہ وہ امیر المومنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس جائیں گے اور عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کے تصرف پر حکم امتناعی نافذ کرا دیں گے۔ جب عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کو اس کی خبر ملی تو وہ جلدی سے زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے پاس گئے جو ماہر تاجر تھے اور عرض کیا میں نے اتنے میں یہ زمین خریدی ہے اور علی رضی اللہ عنہ کا ارادہ ہے کہ وہ عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر مجھ پر حکم امتناعی نافذ کرا دیں گے۔ زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا میں اس بیع میں تمہارا شریک ہوں۔ علی رضی اللہ عنہ عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا: میرے بھتیجے نے ایک بنجر زمین ساٹھ ہزار میں خرید لی ہے مجھے اگر وہ جوتے کے عوض ملے تو بھی نہ لوں لہٰذا آپ اس پر حکم امتناعی نافذ کر دیں اور زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا میں اس کا اس بیع میں شریک ہوں۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بھلا میں ایسے شخص کی بیع پر حکم امتناعی کیسے لگاؤں جس کے شریک زبیر ہوں۔[2] یعنی میں عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما پر ایسے تصرف کی وجہ سے بے وقوفی اور سفاہت کا حکم نہیں لگا سکتا جس تصرف میں زبیر شریک ہوں کیوں کہ زبیر رضی اللہ عنہ انتہائی ماہر تاجر ہیں ان سے ممکن نہیں کہ وہ بے وقوفی اور سفاہت کے تجارتی تصرف میں شریک ہوں۔[3]

۸۔ ذخیرہ اندوزی کی حرمت:

سیّدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ذخیرہ اندوزی سے روکتے اور منع کرتے تھے۔[4] بظاہر عثمان رضی اللہ عنہ اس سلسلہ میں اپنے پیش رو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے منہج پر قائم تھے خواہ غلہ میں ہو یا دوسری اشیاء میں، ان کے مابین تفریق کے قائل نہ تھے کیوں کہ آپ کی ممانعت عام تھی۔ خاص کر اس لیے کہ ذخیرہ اندوزی کی تحریم سے متعلق رسول اللہ ﷺ سے مروی بعض نصوص مطلق اور بعض مقید ہیں اور ان میں کوئی تعارض نہیں، اس لیے مطلق اپنے اطلاق پر باقی رہے گا۔[5] (مزید تفصیل دیکھیے، سیرت عثمان: ۲۱۷)

---

[1] الفتاوی: (۳۱/ ۱۵۴) [2] سنن البیهقی (۶/ ۶۱) [3] موسوعة فقه عثمان بن عفان ص (۱۱۹)
[4] موطا مالك (۲/ ۶۵۱) [5] موسوعة فقه عثمان بن عفان ص (۱۵)

چوتھا باب

عہد عثمانی کی فتوحات

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے قتل کی خبر سے اعدائے اسلام کے حوصلے بلند ہو گئے، خاص کر اہل روم و فارس میں اپنے گنوائے ہوئے ملکوں کو دوبارہ حاصل کرنے کی طمع پیدا ہوئی، چنانچہ یزدگرد شاہ فارس نے سمرقند کی راجدھانی ''فرغانہ'' میں اپنی پلاننگ شروع کی، اور رومی قائدین جو شام سے بھاگ کر قسطنطنیہ میں منتقل ہو چکے تھے وہ عہد عثمانی میں شام کو واپس لینے کا خواب دیکھنے لگے اور اس کے لیے منصوبہ تیار کرنے میں لگ گئے، مصر میں رومیوں کی بچی کھچی فوج اسکندریہ میں قلعہ بند ہو چکی تھی۔ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے اس پر چڑھائی کرنے کی اجازت طلب کی تھی۔ رومیوں نے منصوبہ بند طریقے پر اپنے آپ کو محفوظ کر رکھا تھا، دیواروں پر منجنیق نصب کر رکھے تھے۔ ہرقل نے بذات خود قتال میں حصہ لینے کا عزم کر رکھا تھا اور کوئی رومی اس سے پیچھے نہیں رہ سکتا تھا کیوں کہ اسکندریہ ان کی آخری پناہ گاہ تھی۔ [1]

عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں رومی اسکندریہ میں جمع ہوئے، اور دوبارہ قابض ہونے کے لیے منصوبہ بندی شروع کر دی، یہاں تک کہ انہوں نے معاہدہ مصالحت کو توڑ دیا اور روم کی بحری طاقت سے مدد لی۔ [2] چنانچہ تین سو بحری جہاز فوج اور اسلحہ کے ساتھ ان کی مدد کو پہنچ گئے۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے ان تمام حالات کا مقابلہ عزم و حوصلہ پر مبنی سیاست سے کیا جو درج ذیل طریقہ کار پر مشتمل تھا:

۱۔ باغی روم و فارس کو تابع کرنا اور اسلامی سلطنت کو ان ممالک پر دوبارہ غالب کرنا۔

۲۔ دشمنوں کی امدادی لائن کو منقطع کرنے کے لیے ان کے پیچھے واقع علاقوں میں جہاد و فتوحات کو جاری رکھنا۔

۳۔ اسلامی ممالک کی حمایت و حفاظت کے لیے مستقل عسکری مراکز قائم کرنا۔

۴۔ اسلامی فوج کی ضرورت کی خاطر بحری فوج تیار کرنا۔ [3]

(۱)...... مشرق کی فتوحات

فتوحات اہل کوفہ: آذربیجان ۲۴ھ:

اہل کوفہ کا مرکز جہاد ''رے'' اور ''آذربیجان'' تھا، ان دونوں مقامات پر دس ہزار مجاہدین مرابط تھے۔ چھ ہزار آذربیجان میں اور چار ہزار ''رے'' میں، کوفی احتیاطی فوج چالیس ہزار مجاہدین پر مشتمل تھی، ان میں سے ہر سال

[1] الخلافة و الخلفاء الراشدون ص (۲۲۱)
[2] جولة تاريخية فی عصر الخلفاء الراشدين ص (۳۲٤)
[3] الخلافة والخلفاء الراشدون ص (۲۲۲)

دس ہزار مجاہدین قتال کے لیے نکلتے، اس طرح ہر چار سال بعد ایک شخص کی جہاد میں شرکت کی باری آتی۔

جب امیر المومنین عثمان نے ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا تو آذربیجان کے لوگوں نے معاہدہ توڑ دیا، اور عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے جن باتوں پر مصالحت کی تھی اس سے مکر گئے، اور اپنے والی عتبہ بن فرقد کے خلاف بغاوت کر دی۔ اس صورت حال میں عثمان نے ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو فرمان جاری کیا کہ ان پر چڑھائی کرو، ولید رضی اللہ عنہ نے اپنے جرنیل سلمان بن ربیعہ باہلی کو تیار کیا، اور مقدمۃ الجیش کے طور پر ایک فوجی دستہ کے ساتھ روانہ کیا، اور پھر ولید خود مجاہدین کو لے کر نکلے، جب آذربیجان والوں کو اس نقل و حرکت کی اطلاع ملی تو وہ جلدی سے ولید سے آکر ملے، اور انہی شروط پر مصالحت کی پیش کش کی جن پر حذیفہ رضی اللہ عنہ سے کی تھی۔ ولید رضی اللہ عنہ نے اس پیش کش کو منظور کر لیا اور ان سے سمع و طاعت کا عہد لیا۔ ان کے گرد و نواح میں فوجی دستے روانہ کیے اور ان پر حملے کیے، چنانچہ عبداللہ بن شبیل احمسی کی قیادت میں چار ہزار مجاہدین کو ''موقان''، ''ببر'' اور ''طیلسان'' کی طرف روانہ کیا، بہت سا مال غنیمت اور قیدی ہاتھ آئے، لیکن وہ لوگ بچ گئے اور ان کی اچھی طرح گوشمالی نہ ہو سکی۔

پھر سلمان باہلی کو بارہ ہزار مجاہدین کے ساتھ آرمینیہ روانہ کیا انہوں نے زیر کیا اور وہ بہت زیادہ مال غنیمت کے ساتھ واپس ہوئے۔ اس کے بعد پھر ولید رضی اللہ عنہ کوفہ واپس ہو گئے۔ [1]

آذربیجان کے لوگ بار بار بغاوت کرتے رہے، چنانچہ آذربیجان کے حاکم اشعث بن قیس نے ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو صورت حال سے مطلع کیا۔ ولید نے کوفہ سے فوج روانہ کی اور اشعث نے باغیوں کا پیچھا کیا، اور ان کو شکست فاش دی۔ انہوں نے صلح کا مطالبہ کیا۔ چنانچہ اشعث نے ان سے پہلی صلح کی شرائط پر صلح کر لی۔ اشعث کو اندیشہ لاحق ہوا کہ کہیں یہ لوگ پھر شرارت نہ کریں، لہٰذا انہوں نے عربوں پر مشتمل مستقل فوج مقرر کی، ان کے وظیفے جاری کیے اور دیوان میں ان کے نام رجسٹرڈ کیے اور ان کے ذمہ لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دینے کی ذمہ داری سونپی۔ لیکن جب سعید بن العاص رضی اللہ عنہ حاکم مقرر ہوئے تو آذربیجان والوں نے پھر بغاوت کر دی، چنانچہ آپ نے جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کو ان کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا، آپ نے انہیں شکست دی اور ان کے سرغنہ کو قتل کر دیا۔ بعد ازیں جب وہاں کے اکثر لوگوں نے اسلام قبول کر لیا اور قرآن سیکھ لیا تو وہاں امن و استقرار پیدا ہو گیا۔

کوفہ پر ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی گورنری کے دور میں امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں فرمان جاری کیا کہ وہ ''رے'' پر ان کی بغاوت کے پیش نظر چڑھائی کر دیں، چنانچہ آپ نے قرظہ بن کعب انصاری کو ان کی طرف روانہ کیا انہوں نے دوبارہ اسے فتح کر لیا۔ [2]

---

[1] تاریخ الطبری (۵/ ۲٤٦)
[2] الخلافۃ والخلفاء الراشدون، ص (۲۲٤)

طبرستان پر ۳۰ھ میں سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کی چڑھائی:

۳۰ھ میں سعید بن العاص رضی اللہ عنہ خراسان پر چڑھائی کے لیے روانہ ہوئے، آپ کے ساتھ حذیفہ بن الیمان اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین بھی تھے۔ ان میں حسن، حسین، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمرو بن العاص اور عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہم اجمعین بھی تھے، اور بصرہ سے عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے خراسان کا رخ کیا، وہ سعید بن العاص رضی اللہ عنہ سے قبل پہنچ گئے اور ''ابرشہر'' میں قیام فرمایا: اس کی اطلاع سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کو مل گئی، لہٰذا انہوں نے ''قومیس'' میں قیام کیا جن سے صلح ہو چکی تھی۔ اور یہ وہی صلح تھی جو حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے نہاوند کے بعد ان سے کی تھی۔ وہاں سے آپ نے ''جرجان'' کا رخ کیا، اوران سے دو لاکھ پر مصالحت کر لی، پھر ''طمیسہ'' پہنچے، یہ سب طبرستان وجرجان کے علاقے تھے، یہ ساحل سمندر پر آباد شہر تھا اور جرجان کے حدود میں تھا۔ آپ نے ان سے قتال کیا یہاں تک کہ نماز خوف ادا کی۔ جب نماز کا وقت آیا تو سعید بن العاص رضی اللہ عنہ نے حذیفہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح خوف کی نماز ادا کی تھی۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے انہیں نماز خوف کی کیفیت بتلائی، تو انہوں نے لوگوں کو نماز خوف پڑھائی اور قتال جاری رکھا، اس دن سعید نے مشرکین میں سے ایک شخص کے کندھے پر ضرب لگائی تو تلوار کہنی کے نیچے سے نکل گئی آپ نے ان لوگوں کا محاصرہ کر لیا۔ ان لوگوں نے آپ سے امان طلب کی، آپ نے ان لوگوں کو اس شرط پر امان دے دی کہ ان میں سے ایک شخص کو قتل نہیں کریں گے۔ ان لوگوں نے قلعہ کھول دیا آپ نے ایک شخص کو چھوڑ کر ان کو قتل کر دیا، اور جو کچھ قلعہ میں تھا اس پر قبضہ کر لیا۔ بنو نہد کے ایک شخص کو ایک جامعہ دان ملا جس پر تالا لگا ہوا تھا، اس نے سمجھا اس میں جواہرات ہوں گے۔ سعید کو اس کی خبر ملی، آپ نے نہدی کو بلا بھیجا، وہ جامعہ دان (صندوق) کے ساتھ حاضر ہوا۔ اس کا تالا توڑا گیا تو اس کے اندر ایک اور جامہ دان (صندوق) نکلا، جب اس کو کھولا گیا تو اس میں سے ایک زرد کپڑے کا ٹکڑا ملا جس کے اندر کمیت وورد (زعفران) تھا۔ [1]

۳۲ھ میں ''باب'' اور ''بَلَنْجَر'' پر حملہ:

امیر المومنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ سلمان کو باب پر چڑھائی کے لیے روانہ کرو، اور عبدالرحمٰن بن ربیعہ کو جو باب پر مقرر تھے لکھا: لوگ تھک چکے ہیں لہٰذا رک جاؤ آگے نہ بڑھو، اور مسلمانوں کو جوکھم میں مت ڈالو مجھے خوف ہے کہ کہیں وہ اور آزمائش میں مبتلا نہ ہو جائیں، لیکن اس چیز نے عبدالرحمٰن کو ان کے عزائم سے نہ روکا، وہ بلنجر پر حملہ کرنے سے رک نہیں سکتے تھے، چنانچہ انہوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے نویں سال بلنجر پر حملہ کر دیا اور وہاں پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا اور اس پر منجنیق اور پتھر برسانے کے آلات نصب کر دیے، جو بھی اس سے قریب ہوتا یا تو اس کو زخمی کر دیتے یا قتل کر دیتے۔ [2] پھر ایک دن ترکوں نے

---

[1] تاریخ الطبری: (۵/ ۲۷۰).
[2] تاریخ الطبری: (۵/ ۳۰۸)

بلنجر والوں سے گٹھ جوڑ کیا بلنجر کے لوگ نکلے اور ان کے ساتھ ترک بھی آ کر مل گئے اور قتال کیا۔ عبدالرحمٰن بن ربیعہ نے جن کو ذوالنور کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا جام شہادت نوش کر لیا، اور مسلمان شکست خوردہ ہو گئے اور میدان کو چھوڑ دیا، جو لوگ سلمان بن ربیعہ کی طرف سے نکلے انہوں نے ان کی حفاظت کی یہاں تک کہ باب سے نکل گئے، اور جو لوگ خزر کے علاقے سے نکلے وہ لوگ جیلان اور جرجان پہنچ گئے، جہاں سلمان فارسی اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہما تھے۔ [1]

یزید بن معاویہ کا قتل:

عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں اہل کوفہ کئی سال تک بلنجر پر حملہ کرتے رہے، نہ تو کوئی عورت ان کی بیوہ ہوئی اور نہ ان حملوں کی وجہ سے کوئی بچہ یتیم ہوا، یہاں تک کہ خلافت عثمانی کے نویں سال حملہ سے دو روز قبل یزید بن معاویہ نے خواب دیکھا کہ ایک انتہائی خوبصورت ہرن ان کے خیمے کے پاس لایا گیا، ایسا خوبصورت ہرن انہوں نے کبھی نہیں دیکھا تھا، انہوں نے اس کو اپنے لحاف میں لپیٹ لیا، پھر ایک قبر لائی گئی اس پر چار افراد کھڑے تھے ایسی خوبصورت اور سیدھی قبر کبھی دیکھی نہیں گئی، پھر اس ہرن کو اس میں دفن کر دیا گیا۔

جب ترکوں پر لوگوں نے حملہ کیا تو ایک پتھر آ کر یزید کو لگا جس سے ان کا سر پھٹ گیا، ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ ان کے کپڑے خون سے آلودہ ہونے کے بجائے مزین ہو گئے ہیں، خود ہی وہ ہرن تھے جس کو خواب میں دیکھا تھا۔ [2]

یزید رحمہ اللہ بڑے نرم مزاج اور خوبصورت تھے، یہ خبر جب عثمان رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو فرمایا: انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔ کوفہ والے شکست خوردہ ہو گئے، اللہ ان کو معاف فرمائے اور فتح نصیب فرمائے۔ [3]

تمہاری سفیدی میں خون کی سرخی کتنی حسین ہے:

عمرو بن عتبہ سفید قبا پہنے ہوئے تھے، اور اس سے کہہ رہے تھے کہ تمہاری سفیدی میں خون کی سرخی کتنی حسین ہے۔ چنانچہ دشمن سے مڈبھیڑ کے وقت ان کو زخم لگا تو اپنی قبا کو ویسے ہی پایا جیسی خواہش ظاہر کی تھی اور شہید ہو گئے۔ [4]

کپڑوں پر خون کی چمک کتنی حسین لگتی ہے:

قرشع کہا کرتے تھے: کپڑوں پر خون کی چمک کتنی حسین لگتی ہے، چنانچہ مقابلہ کے دن پوری جواں مردی سے لڑے، یہاں تک کہ نیزوں سے آپ کا جسم پھاڑ دیا گیا، آپ کی قباء ایسی لگتی تھی کہ گویا سفید کپڑے پر سرخ بیل بوٹے بنائے گئے ہوں۔ لوگ مسلسل مقابلہ پر ڈٹے ہوئے تھے، یہاں تک کہ آپ زخمی ہو گئے، پھر آپ کے

---

[1] تاریخ الطبری: (۵/ ۳۰۹)
[2] ایضًا: (۵/ ۳۱۰)
[3] تاریخ الطبری: (۵/ ۳۱۱)
[4] تاریخ الطبری: (۵/ ۳۱۰)

قتل ہونے کے بعد لوگوں نے شکست کھائی۔ ❶ (مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: سیّدنا عثمان بن عفان، ص: ۲۳۴)

(۲)......شام کی فتوحات

حبیب بن مسلمہ فہری رضی اللہ عنہ کی فتوحات:

یہ بات گزر چکی ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور خلافت میں رومیوں نے شام میں مسلمانوں کے خلاف عظیم لشکر جمع کیا، اس وقت عثمان رضی اللہ عنہ نے کوفہ کے گورنر ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ وہ شام میں مسلمانوں کے لیے فوجی کمک روانہ کریں۔ ولید نے سلمان بن ربیعہ باہلی کی قیادت میں آٹھ ہزار فوج روانہ کی۔ چنانچہ روم کے مقابلے میں مسلمان غالب ہوئے بہت سوں کو قید کیا اور مال غنیمت حاصل کیا۔

روم وترک نے متحدہ پروگرام کے ساتھ ان مسلمانوں پر حملہ کرنا چاہا جنھوں نے شام سے آرمینیہ پر حملہ کیا تھا۔ اس وقت مسلم فوج کی قیادت حبیب بن مسلمہ فہری کے ہاتھ میں تھی جو دشمن کے مقابلے میں خفیہ تدابیر اختیار کرنے میں ماہر تھے۔ انہوں نے منصوبہ تیار کیا کہ راتوں رات رومی قائد ''موریان'' پر حملہ کریں، ان کی باتیں بیوی ام عبداللہ بن یزید کلبیہ نے سن لیں، اس نے آپ سے پوچھا کیا پروگرام ہے؟ آپ نے فرمایا: موریان کا خیمہ یا جنت، پھر آپ نے راتوں رات اچانک ان پر حملہ کر دیا اور غالب آ گئے، ''موریان'' کے خیمہ میں پہنچے تو دیکھا آپ کی بیوی ام عبداللہ آپ سے پہلے وہاں پہنچ چکی ہے۔ ❷

آرمینیہ اور آذربیجان کی سرزمین میں حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اپنی فتوحات اور جہاد کا سلسلہ جاری رکھا اور اسے مصالحت کے ذریعے سے یا بزور شمشیر فتح کر لیا۔ ❸ حبیب بن مسلمہ فہری رضی اللہ عنہ آرمینیہ میں برسر پیکار ممتاز ترین قائدین میں سے تھے۔ دشمن کی پوری فوج کا صفایا کیا اور بہت سے شہروں اور قلعوں کو فتح کیا۔ ❹ عراقی جزیرہ کے حدود کے قریب رومی سرزمین پر حملہ کیا اور وہاں شمشاط اور ملطیہ وغیرہ بہت سے قلعوں کو فتح کیا۔

بحری جنگ کی سب سے پہلی اجازت عثمان رضی اللہ عنہ نے دی:

امیر شام معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما برابر عمر رضی اللہ عنہ سے بحری جنگ کی اجازت پر اصرار کرتے رہے، اور یہ بیان کرتے رہے کہ روم حمص سے انتہائی قریب ہے، اور حمص کی بعض بستیوں میں ان کے کتوں کے بھونکنے کی آواز اور مرغ کی پکار سنائی دیتی ہے۔ یہاں تک کہ عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں یہ باتیں اثر انداز ہونے لگیں، آپ نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو تحریر فرمایا: سمندر اور اس میں سفر کرنے والے سواروں کی کیفیت وتفصیل لکھ کر بھیجو، میری طبیعت اس طرف مائل ہو رہی ہے، چنانچہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے جواب میں تحریر فرمایا: میں نے دیکھا بڑی مخلوق

---

❶ تاریخ الطبری (۵/ ۳۱۰)

❷ تاریخ الطبری (۵/ ۲۴۸) ❸ الدولة الاسلامیة فی عصر الخلفاء الراشدین/ حمدی شاهین ص (۲۵۲)

❹ حروب الاسلام فی الشام فی عهود خلفاء الراشدین / محمد احمد باشمیل ، ص (۵۷۷)

پر چھوٹی مخلوق سوار ہو رہی ہے، اگر وہ ٹھہر جائے تو دل پھٹ جائے، اور اگر حرکت میں آ جائے تو عقلوں کو حیران کر دے، اس کے اندر یقین میں کمی آتی ہے اور شک میں اضافہ ہوتا ہے، لوگ لکڑی کے اوپر کیڑے کی طرح ہوتے ہیں، اگر مائل ہو جائے تو ڈوب جائیں اور بچ جائیں تو خوش ہو جائیں۔

جب عمر رضی اللہ عنہ نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی یہ تحریر پڑھی تو معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا: ''سمندری جنگ کی اجازت نہیں، اس ذات کی قسم جس نے محمد ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا میں کبھی کسی مسلمان کو سمندر پر سوار نہ کروں گا۔ اللہ کی قسم ایک مسلمان میرے نزدیک روم کے مال و متاع سے زیادہ محبوب ہے، خبردار اب ایسا مطالبہ مجھ سے نہ کرنا۔ میں نے تم کو پیشگی بتلا دیا، علاء کو میری طرف سے جو لاحق ہوا وہ تمھیں بخوبی معلوم ہے، حالاں کہ اس سلسلہ میں میں نے پیشگی ان سے کچھ نہیں کہا تھا۔ [1]

عمر رضی اللہ عنہ کے اس نظریہ سے معاویہ رضی اللہ عنہ مطمئن نہ ہوئے، اور روم سے متعلق اپنی رائے پر قائم رہے اور اس کو فتح کرنے کی خواہش آپ کے اندر باقی رہی، چنانچہ جب عثمان رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر جلوہ افروز ہوئے تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس سلسلہ میں گفتگو شروع کی، اور عثمان رضی اللہ عنہ سے اس کی اجازت دینے پر اصرار کیا، عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کے جواب میں فرمایا: میں اس وقت موجود تھا، جب تم نے عمر رضی اللہ عنہ سے بحری جنگ کی اجازت طلب کی تھی اور انہوں نے اس کا تمھیں جو جواب دیا تھا۔

پھر دوبارہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ کو اس سلسلہ میں لکھا اور قبرص تک سمندری سفر کو آسان اور معمولی ظاہر کیا، اس کے جواب میں عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو لکھا کہ اگر تم اپنے ساتھ اپنی بیوی کو لے جاتے ہو تو اجازت ہے ورنہ نہیں۔ [2] اسی طرح عثمان رضی اللہ عنہ نے اجازت دیتے ہوئے یہ شرط لگائی کہ نہ تو اس مہم کے لیے لوگوں کا انتخاب جبراً کریں گے اور نہ قرعہ کے ذریعے سے، بلکہ لوگوں کو اختیار ہوگا کہ جو خود شریک ہونا چاہے اس کو اپنے ساتھ لے جائیں، اور اس کا خیال رکھیں۔ [3]

جب معاویہ رضی اللہ عنہ نے عثمان رضی اللہ عنہ کا خط پڑھا تو قبرص پر بحری چڑھائی کی تیاری شروع کر دی، اور ساحلی علاقوں کے لوگوں کو فرمان جاری کیا، کشتیاں درست کر لیں اور ''عکا'' کے ساحل کے قریب لائی گئیں تاکہ وہاں سے مسلمان قبرص کی طرف روانہ ہوں۔ [4]

قبرص کی جنگ:

معاویہ رضی اللہ عنہ نے غازیوں کے لیے کشتیاں تیار کیں اور ''عکا'' کی بندرگاہ کو روانگی کے لیے منتخب فرمایا،

---

[1] تاریخ الطبری (۵/ ۲۵۸)

[2] الادارة العسکریة فی الدولة الاسلامیة/ د. سلیمان بن صالح (۲/ ۵۳۸)

[3] تاریخ الطبری (۵/ ۲۶۰) [4] الادارة العسکریة فی الدولة الاسلامیة (۲/ ۵۳۸)

کشتیاں بڑی تعداد میں تھیں، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھ اپنی بیوی فاختہ بنت قرظہ کو بھی لیا، اسی طرح عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا کو اس غزوہ میں اپنے ساتھ رکھا۔ ❶

مسلمان شام سے روانہ ہوئے اور عکا کی بندرگاہ سے سوار ہو کر قبرص کا رخ کیا، اور وہاں پہنچ کر مسلمان ساحل پر اترے، ام حرام آگے بڑھ کر اپنی سواری پر سوار ہونے لگیں، اسی اثنا میں سواری بدک گئی اور ام حرام رضی اللہ عنہا زمین پر گر پڑیں، ان کی گردن ٹوٹ گئی اور وفات پا گئیں۔ ❷ ام حرام رضی اللہ عنہا کو دفن کرنے کے بعد جزیرہ قبرص میں مسلمانوں نے ان قربانیوں کا ایک نشان چھوڑا جو انھوں نے دین کی نشر و اشاعت کے لیے پیش کیں، آپ کی قبر وہاں نیک خاتون کی قبر سے معروف ہوئی۔ ❸

معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ ایک اجتماع کیا جن میں ابوایوب خالد بن زید انصاری، ابودرداء، ابوذر غفاری، عبادہ بن صامت، واثلہ بن اسقع، عبداللہ بن بشر مازنی، شداد بن اوس بن ثابت، مقداد بن اسود، کعب الاحبار اور جبیر بن نفیر حضرمی رضی اللہ عنہم شامل تھے۔ ❹

ان حضرات نے آپس میں مشورہ کیا اور اہل قبرص کو یہ پیغام بھیجا کہ اس جنگی مہم سے قبرص پر قبضہ کرنا ان کا مقصد نہیں، بلکہ انہیں اللہ کے دین کی طرف دعوت دینا اور شام میں اسلامی حدود کا تحفظ مقصود ہے ❺ کیونکہ بیزنطینی شام پر حملہ آور ہونے کے لیے قبرص کو جنگی اسٹیشن کے طور پر استعمال کرتے تھے، یہاں آرام کرتے اور وہاں سے رسد حاصل کرتے تھے۔ اس اعتبار سے یہ شام کے لیے خطرہ بنا ہوا تھا، اس کا اسی حالت میں باقی رہنا شام کے لیے خطرہ تھا، اگر مسلمان اس جزیرہ کو تابع کر کے اطمینان کی سانس نہ لیتے تو یہ ان کی پشت پر خنجر کی

❶ البدایة والنهایة (۷/ ۱۵۹)

❷ البدایة والنهایة (۷/ ۱۵۹) لیکن البدایہ والنہایہ کی عبارت اس کے خلاف ہے، جس کا ماحصل یہ ہے کہ فتح قبرص کے بعد جب وہاں سے واپسی ہونے لگی تو ام حرام رضی اللہ عنہا کے لیے خچر لایا گیا تاکہ وہ اس پر سوار ہو جائیں، آپ اس سے گر پڑیں اور گردن ٹوٹ گئی، پھر وفات پا گئیں، وہیں ان کی قبر ہے۔ یہاں مصنف کی عبارت اور البدایہ والنہایہ کے بیان کے مطابق ام احرام رضی اللہ عنہا کی وفات قبرص ہی میں ہوئی اور ان کو وہیں دفن کر دیا گیا، لیکن صحیح بخاری کی روایت اس کے خلاف ہے۔ صحیح بخاری میں ہے:

((فلما انصرفوا من غزوتهم قافلين فنزلوا الشام فقربت اليها دابة لتركبها فصرعت فماتت.))

(البخاري: حديث نمبر ۲۷۹۹/ ۲۸۰۰)

''جب قبرص کی جنگی مہم سے واپس ہوئے اور شام کے ساحل پر اترے تو ام حرام رضی اللہ عنہا کے لیے سواری پیش کی گئی وہ اس سے گر کر وفات پا گئیں۔''

اس روایت سے واضح ہے کہ ام حرام رضی اللہ عنہا کی وفات شام کے ساحل پر پہنچ کر ہوئی تھی، پس ایسی صورت میں قبرص کے بجائے شام میں آپ مدفون ہوئیں، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ اس حالت میں دلیل ہے کہ ثواب کے اعتبار سے جہاد سے لوٹنے والا جہاد میں جانے والے کے حکم میں ہے۔ (الفتح: ٦/ ٧٣) (مترجم)

❸ جولة تاريخية فى عصر الخلفاء الراشدين ص (۳۵۷)

❹ جولة تاريخية فى عصر الخلفاء الراشدين ص (۳۵۷) ❺ ایضاً

طرح باقی ہوتا اور اسلامی حدود کے لیے خطرہ بنا رہتا، لیکن قبرص والوں نے مجاہدین کے سامنے خود سپردگی نہ کی بلکہ اپنے صدر مقام میں قلعہ بند ہو گئے، مسلمانوں سے مقابلہ کے لیے نہ نکلے بلکہ رومیوں کے انتظار میں رہے تاکہ وہ ان کے وفاع کے لیے پہنچیں اور مسلمانوں کے حملے کو روکیں۔ [1]

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ قبرص کا مال غنیمت تقسیم کرتے ہیں:

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا: میں غزوہ حنین میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک تھا، لوگ آپ سے مال غنیمت کے متعلق گفتگو کر رہے تھے، آپ ﷺ نے اونٹ کا بال لیا اور فرمایا:

((ما لی مما افاء الله علیكم من هذه الغنائم الا الخمس والخمس مردود علیكم .))

''اللہ نے تمھیں جو مال غنیمت عطا کیا ہے اس میں سے میرا صرف خمس ہے اور وہ خمس بھی تم ہی پر لوٹا دیا جائے گا۔''

اے معاویہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، اور مال غنیمت کو صحیح طریقے سے تقسیم کرو اور کسی کو اس کے حق سے زیادہ مت دینا...... معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مال غنیمت کی تقسیم میں نے آپ کے سپرد کر دی ہے۔ شام میں آپ سے افضل اور زیادہ علم والا کوئی نہیں، آپ اس کو مستحقین میں تقسیم کر دیں اور اللہ کا تقویٰ اختیار کریں، چنانچہ عبادہ رضی اللہ عنہ نے مال غنیمت کو تقسیم کیا، اور ابودرداء اور ابوامامہ رضی اللہ عنہما نے اس سلسلہ میں آپ سے تعاون کیا۔ [1]

(۳)...... مصری محاذ کی فتوحات

اسکندریہ میں باغیوں کی سرکوبی:

اسکندریہ جب رومیوں کے ہاتھ سے نکل گیا اور مسلمان اس پر قابض ہو گئے تو یہ رومیوں پر بہت گراں گزرا وہ برابر اس کو اپنے قبضے میں لانے کی کوششیں کرتے رہے اور اسکندریہ کے باشندوں کو بغاوت پر ابھارنے لگے کیوں کہ رومیوں کا یہ عقیدہ بن چکا تھا کہ اسکندریہ کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد ان کے استقرار و وجود کو خطرہ ہے۔ [2]

رومیوں کا ورغلانا اور اشتعال دلانا اسکندریہ کے رومی باشندوں کی خواہشات نفس کے عین مطابق ثابت ہوا، اور اس طرح انہوں نے ان کی بغاوت کی دعوت قبول کر لی، اور قسطنطین بن ہرقل کو تحریر بھیجی جس میں مسلمانوں کی قلت تعداد اور اسکندریہ میں آباد رومیوں کی ذلت و رسوائی کا تذکرہ کیا۔ [3]

---

[1] الرياض النضرة فی مناقب العشرة ، لأبي جعفر أحمد الشهير بالمحب الطبري ، ص (٥٦١)

[2] الکامل/ ابن اثیر [3] جولة تاريخية ص (٣٣٥)

اس وقت عثمان رضی اللہ عنہ مصر سے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے ان کی جگہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کو مقرر کر چکے تھے۔ اسی دوران رومیوں کا کمانڈر ان چیف ''منویل خصی'' نے اسکندریہ کا رخ کیا تاکہ اس کو مسلمانوں سے واپس لے، اس کے ساتھ بہت بڑا لشکر تین سو کشتیوں میں پورے جنگی ساز و سامان کے ساتھ اسکندریہ پہنچا۔ [1]

اہل مصر کو خبر ملی کہ رومی فوج اسکندریہ پہنچ چکی ہے انہوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کو لکھا اور ان سے مطالبہ کیا کہ عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ کو واپس ان کی جگہ پر بحال کیا جائے تاکہ رومیوں کا مقابلہ کیا جا سکے، کیوں کہ انہیں اس کا طویل تجربہ ہے اور رومیوں کے دلوں میں عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی ہیبت سمائی ہوئی ہے۔ اہل مصر کے اس مطالبہ کو قبول کرتے ہوئے عثمان رضی اللہ عنہ نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو مصر کی امارت پر بحال کر دیا۔ [2]

منویل کی فوج نے اسکندریہ میں خوب لوٹ مار مچائی، اور اس کو زمین دوز کر کے اس کے ارد گرد بستیوں میں ظلم و فساد برپا کر دیا۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے انہیں ڈھیل دے دی تاکہ جس قدر فساد کرنا چاہیں کر لیں، اور مصریوں کے سامنے مسلم حکمرانوں اور رومی حکمرانوں کے درمیان فرق بھی سمجھ میں آجائے، نیز ان کے دلوں میں رومیوں کے سلسلہ میں غیظ و غضب بھر جائے اور ان کے سلسلہ میں ذرا بھی محبت و شفقت ان کے دلوں میں باقی نہ رہے۔ منویل اسکندریہ سے اپنے لشکر کے ساتھ نکلا، اور زیریں مصر کا رخ کیا۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے خاموشی اختیار کی، کوئی نقل و حرکت شروع نہ کی اور نہ کسی نے رومیوں کا مقابلہ کیا۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے بعض ساتھیوں کو اس صورت حال پر تشویش لاحق ہوئی، لیکن عمرو رضی اللہ عنہ کی رائے کچھ اور تھی، ان کی رائے تھی کہ رومی خود ان کا رخ کریں، کیوں کہ بلاشبہ اس دوران میں رومی مصریوں کا مال لوٹیں گے اور ان کے حق میں حماقتوں کا ارتکاب کریں گے جس کی وجہ سے مصریوں کے دلوں میں رومیوں کے خلاف بغض و عناد اور غیظ و غضب جنم لے گا، اور ایسی صورت میں جب مسلمان رومیوں کے مقابلے کے لیے اٹھیں گے تو مصری خود رومیوں کے خلاف ان کا تعاون کریں گے، چنانچہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اپنی اس سیاست کی تحدید کرتے ہوئے فرمایا: رومیوں کو چھوڑو، ان سے چھیڑ چھاڑ نہ کرو، یہاں تک کہ وہ خود میرے پاس آئیں اس طرح وہ خود آپس میں ذلت و خواری اٹھائیں۔ [3]

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا اندازہ صحیح ثابت ہوا۔ رومیوں نے دل کھول کر لوٹ مار اور فساد مچایا۔ مصری ان کی کارستانیوں سے چیخ اٹھے، اور اس انتظار میں لگ گئے جو انہیں ان مفسدین کے شر سے نجات دلائے۔ [4]

---

[1] جولة تاريخية ص (۳۳۵) [2] ايضاً

[3] جولة تاريخية ص (۳۳٦) عثمان بن عفان/ هيكل ص: (٦٧)

[4] ايضاً

منویل نقیوس پہنچا۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اس سے مقابلہ کے لیے تیار ہوئے، اور اپنی فوج کو ترتیب دیا، اور ان کے ساتھ اس سرکش دشمن کے مقابلہ کے لیے نکلے اور نقیوس قلعے کے پاس نیل کے ساحل پر دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں، طرفین سے اپنی اپنی بہادری کا مظاہرہ کرایا گیا، دونوں فریق نے ڈٹ کر دشمن کا مقابلہ کیا جس سے جنگ کی شدت اور اشتعال میں اضافہ ہوا۔ یہ صورت حال دیکھ کر عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ دشمن کی صفوں میں گھس گئے اور اپنے گھوڑے کو ان کے گھوڑوں کے درمیان گھسا دیا، اپنی تلوار ان کی تلواروں کے درمیان لہرائی، اور لوگوں کے سروں اور سورماؤں کی گردنوں کو کاٹتے چلے گئے ایک وقت آیا جب آپ کے گھوڑے کو تیر لگا اور وہ ڈھیر ہو گیا، اس وقت آپ زمین پر آ گئے اور پیادہ صفوں میں شامل ہو گئے۔ آپ کو اس حالت میں دیکھ کر مسلمان جنگ کے لیے شیروں کی طرح دل و جان سے ٹوٹ پڑے، تلواروں کی جھنکار ان کو خوف زدہ نہ کر سکی۔ [1]

مسلمانوں کے حملوں کے سامنے رومیوں کے عزائم پست ہو گئے اور ان کی قوتوں نے جواب دے دیا، وہ ان مسلم سورماؤں کے سامنے شکست خوردہ ہو گئے جو شہادت یا غنیمت کے طلب گار تھے، رومی اسکندریہ کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے تاکہ وہ اس کے مضبوط قلعوں اور بلند فصیلوں کے اندر اس موت سے بچ سکیں جو ان کا پیچھا کیے ہوئے تھی۔ [2]

رومیوں کی شکست دیکھ کر مصری نکل کھڑے ہوئے، اور مسلمانوں کے ان راستوں کو درست کرنے لگے جس کو دشمن نے تباہ و برباد کر دیا تھا، ان پلوں کی تعمیر کرنے لگے جس کو انہوں نے توڑ دیا تھا، اس دشمن پر مسلمانوں کی فتح دیکھ کر مصریوں نے اپنی خوشی کا اظہار کیا جس نے ان کی عزتوں کو لوٹا تھا، ان کے مال و جائداد کو برباد کیا تھا، اور مسلمانوں کے لیے اسلحے اور جنگی ساز و سامان فراہم کیا تھا۔ [3]

جب عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اسکندریہ پہنچے تو اس کا محاصرہ کر لیا، منجنیقیں نصب کر دیں، اور اسکندریہ کی فصیلوں پر گولہ باری کرتے رہے یہاں تک کہ وہ کمزور ہو گئیں، اور گولہ باری کی شدت جاری رکھی یہاں تک کہ اسکندریہ کے لوگوں کی ہمت پست ہو گئی اور فصیلیں ٹوٹ گئیں، اور اس محفوظ شہر نے اپنے دروازے ان کے سامنے کھول دیے، اور مسلمان اسکندریہ میں فاتحانہ طریقے سے داخل ہو گئے، اور رومیوں کو دل کھول کر قتل کیا عورتوں اور بچوں کو اسیر کیا، اور جو موت سے بچ نکلے وہ کشتیوں کی طرف بھاگے تاکہ اس طرح وہ اپنے مرکز کو واپس لوٹ جائیں، اس جنگ میں منویل قتل ہوا۔ مسلمان برابر قتل و قید کرتے رہے یہاں تک کہ شہر کے وسط میں پہنچ کر عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ نے ان کو اس وقت جنگ سے رک جانے کا حکم دیا جب کہ مقابلے کے لیے ان کے سامنے کوئی باقی نہ رہا۔ [4]

---

[1] جولة تاريخية ص (۳۳۸)
[2] البلاذری ص (٦٩)
[3] جولة تاريخية ص (۳۳۸)
[4] ایضاً

جب مسلمان جنگ سے فارغ ہوئے تو عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے شہر کے وسط میں جہاں قتال بند کیا تھا مسجد تعمیر کرنے کا حکم جاری کیا اور اس کا نام ''مسجد رحمت'' رکھا۔ ❶

اس قدیم دارالحکومت میں امن و امان بحال ہوا۔ مصریوں کے دلوں سے شکست کا احساس ختم ہوا، جو لوگ رومی حملے کے خوف سے بھاگ گئے تھے وہ واپس ہوئے اور قبطیوں کا بطریق بنیامین جو رومی حملے کی وجہ سے بھاگ گیا تھا اسکندریہ واپس آیا، اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے گزارش کرنے لگا کہ وہ قبطیوں سے کسی قسم کا مواخذہ نہ کریں کیوں کہ انہوں نے عہد و پیمان کی خلاف ورزی نہیں کی ہے، اسی طرح اس نے آپ سے گزارش کی کہ رومیوں سے مصالحت نہ کریں البتہ جب وہ مر جائے تو اس کو ''یحنس'' کنیسہ کے اندر دفن کرنے کی اجازت دے دیں۔ ❷

ہر چہار جانب سے مصری باشندے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، رومیوں کے ظلم و ستم سے نجات دلانے پر ان کا شکریہ ادا کرنے لگے، اور آپ سے مطالبہ کیا کہ جنگ میں ان کے جو مال و مویشی لوٹے گئے ہیں اسے انہیں واپس کر دیا جائے پھر انہوں نے اپنی وفاداری اور اطاعت کا اعلان کیا اور کہا: رومیوں نے ہمارے مال و مویشی لوٹ لیے ہیں، اور ہم نے آپ کی مخالفت نہیں کی ہے بلکہ مطیع رہے ہیں اس لیے ہمیں ہمارے مال و مویشی واپس دیے جائیں۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ان سے مطالبہ کیا کہ وہ لوگ اپنے اپنے دعویٰ پر دلیل و ثبوت قائم کریں، جس نے ثبوت فراہم کیا اور اپنا مال پہچان لیا اس کو اس کے مال و مویشی واپس کر دیے گئے۔ ❸

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اسکندریہ کی فصیل کو منہدم کر دیا، یہ واقعہ ۲۵ ھ کا ہے۔ فصیل کو منہدم کر دینے کے باوجود اسکندریہ چہار جانب سے محفوظ و مامون ہو گیا۔ اسکندریہ سے مشرق و جنوب پر مسلمانوں کا قبضہ تھا جب کہ مغرب کی طرف برقہ، زویلہ، اور مغربی طرابلس کو عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے فتح کر کے جزیہ پر مصالحت کے عوض اس جہت کو مامون بنا لیا تھا، البتہ شمال کی طرف رومی پڑتے تھے، لیکن اولاً وہ اس قدر شکست خوردہ ہو چکے تھے کہ دوبارہ اس طرف رخ کرنے کی ہمت نہیں کر سکتے تھے، کیوں کہ ان کا کوئی معین و مددگار یہاں باقی نہ رہا تھا، اور پھر مسلم فوجیں پوری بیدار مغزی اور اہتمام کے ساتھ سمندر کی نگرانی پر لگی ہوئی تھیں۔ ❹

فتح افریقہ:

برقہ، طرابلس اور لیبیا کے بقیہ علاقوں پر حملے سے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا مقصد ملک کو فتح کرنا اور لوگوں کے دلوں سے رومانی طاغوت کو زائل کرنا تھا، تا کہ لوگوں کے سامنے راستہ واضح ہو جائے اور دین کو اختیار کرنے کی

❶ جولة تاريخية ص (۳۳۸) ❷ ایضًا، ص (۳۴۵)
❸ جولة تاريخية ص (۳۴۵) ❹ جولة تاريخية ص (۳۴۱)

انہیں مکمل آزادی حاصل ہو۔ یہ بابرکت حملے اس علاقے کو روشنی عطا کرنے اور لوگوں کو بندوں کی غلامیوں سے نکال کر بندوں کے رب کی غلامی میں پہنچانے کا بنیادی سبب تھے جب کہ یہ پورا علاقہ بت پرستی کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا، لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر انسانوں ہی کو رب بنا لیا تھا۔ [1] عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کے افریقہ پر چڑھائی سے متعلق ڈاکٹر صالح مصطفیٰ رقم طراز ہیں:

> ''۲۶ھ مطابق ۶۴۶ء میں عمرو بن العاص مصر کی ولایت سے معزول ہوئے، اور عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہما کو وہاں کا والی مقرر کیا گیا۔ عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ شہسواروں کے دستے بھیجتے رہے، جس طرح عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کے دور میں تھا، یہ دستے افریقہ کے اطراف پر چھاپہ مارتے اور غنیمت حاصل کرتے۔'' [2]

یہ دستے افریقہ (تونس) کا رخ کرتے تاکہ مستقبل میں اس کی صورت حال سے واقفیت حاصل ہو اور اس کی فتح کا راستہ ہموار ہو۔ شہسواروں کے یہ رسالے اطلاعی دستوں کے مانند تھے جن کا مقصد دشمن سے متعلق تفصیلات فراہم کرنا ہوتا ہے۔ جب عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کے پاس افریقہ سے متعلق کافی معلومات جمع ہو گئیں، اس کا جغرافیائی موقع و محل، دخول و خروج کے راستے اور فوج و جنگی ساز و سامان کی تفصیلات مل گئیں تو اس وقت آپ نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو افریقہ سے متعلق ان اہم معلومات کی اطلاع بھیجی، اور اس کو فتح کرنے کی اجازت طلب کی، ان کی طلب قبول ہوئی اور دربار خلافت سے افریقہ کو فتح کرنے کی اجازت مل گئی۔

ڈاکٹر صالح مصطفیٰ فرماتے ہیں: جب عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ نے خلیفہ راشد عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے افریقہ پر چڑھائی کی اجازت طلب کی تو عثمان رضی اللہ عنہ نے صحابہ کو جمع کیا، اور اس سلسلہ میں ان سے مشورہ طلب کیا، تو ابوالاعور سعید بن زید رضی اللہ عنہ کے علاوہ تمام لوگوں نے افریقہ کو فتح کرنے کا مشورہ دیا۔ سعید بن زید رضی اللہ عنہ، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے موقف پر قائم تھے۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا اجماع ہو گیا تو عثمان رضی اللہ عنہ نے جہاد کا اعلان کیا، خلافت اسلامیہ کی راجدھانی مدینہ منورہ میں رضاکار مجاہدین کے استقبال کی تیاری مکمل کر لی گئی اور مجاہدین کی بھرتی اور پھر انہیں جنگی ساز و سامان سے لیس کر کے مصر کی طرف روانگی شروع کر دی گئی تاکہ وہ عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کی قیادت میں افریقہ پر چڑھائی کر سکیں، اور نمایاں طور سے اس حملہ کا اہتمام ظاہر ہوا۔ اکابرین صحابہ رضی اللہ عنہم، آل بیت کے نوجوانوں، اور مہاجرین و انصار کی اولاد نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اس معرکے میں حسن و حسین، ابن عباس، ابن جعفر وغیرہم رضی اللہ عنہم شریک ہوئے۔

صرف قبیلہ مہرہ سے چھ سو افراد، قبیلہ غنث سے سات سو اور قبیلہ میدعان سے سات سو مجاہدین نے شرکت

---

[1] الشرف والتسامی بحرکۃ الفتح الاسلامی/ الصلابی ص: (۱۸۹)

[2] لیبیا من الفتح العربی حتی انتقال الخلافۃ الفاطمیۃ الی مصر / د. صالح مصطفی مفتاح المزینی ، ص (۴۹)

کی۔ جب تیاری مکمل ہوگئی تو عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے مجاہدین کو خطاب فرمایا، جہاد کی رغبت دلائی اور فرمایا: تمہارے اوپر میں نے حارث بن حکم کو امیر مقرر کیا ہے اور جب تم سب عبداللہ بن سعد کے پاس پہنچ جاؤ تو تم سب عبداللہ بن سعد کی امارت میں کام کرنا، وہی تمہارے امیر ہوں گے۔ اب میں تمھیں اللہ کے حوالہ کرتا ہوں۔

روایت ہے کہ اس معرکے کے لیے عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک ہزار اونٹ فراہم کیے، اور نادار مسلمان مجاہدین کو ان پر سوار کیا۔ جب یہ اسلامی لشکر مصر پہنچا تو عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کے لشکر میں جا ملا، اور عبداللہ بن سعد کی قیادت میں بیس ہزار کا یہ لشکر فسطاط سے روانہ ہوا اور مصر و لیبیا کے حدود کو پار کرتے ہوئے برقہ پہنچا، وہاں عقبہ بن نافع فہری اپنے لشکر کے ساتھ آکر ان کے ساتھ مل گئے۔ اسلامی لشکر کو برقہ میں کسی طرح کی مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑا، کیوں کہ یہ ان شرائط پر قائم رہے جس پر انہوں نے مسلمانوں سے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے دور میں مصالحت کی تھی یہاں تک کہ وہاں خراج وصول کرنے والے کو جانے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی بلکہ وہ خود مناسب وقت میں مصر پہنچا دیا کرتے تھے۔ برقہ کے معاہدے پر قائم رہنے کے اس پس منظر میں عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا گیا کہ میں اپنے اس مقام پر ہوں اور مجھ پر انطابلس (برقہ) کے لوگوں کے علاوہ مصر کے کسی قبطی کا کوئی عہد و پیمان نہیں ہے۔ میرے ذمہ ان کا عہد و پیمان ہے اس کو پورا کیا جائے گا۔ اسی طرح عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما فرماتے تھے: اگر حجاز میں میری جائداد نہ ہوتی تو میں برقہ میں سکونت اختیار کر لیتا کیوں کہ اس سے بڑھ کر کوئی محفوظ اور پرسکون جگہ نہیں پاتا ہوں۔ [1]

اس طرح یہ بابرکت لشکر اسلام افریقہ کی طرف عقبہ بن نافع کے انضمام کے بعد روانہ ہوا۔ اس لشکر کے کمانڈر اِن چیف عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ برابر اطلاعی دستوں اور خبر رسانی کرنے والوں کو مختلف سمتوں میں روانہ کرتے رہے تاکہ راستوں کا انکشاف اور حفاظت ہو اور دشمن کی نقل و حرکت پر نگاہ رہے، دشمن کی کمین گاہوں اور اچانک حملوں سے حفاظت ہو سکے، ان اطلاعی دستوں کا فائدہ یہ ہوا کہ رومیوں کی بہت سی جنگی کشتیاں جو لیبیا کے ساحل پر طرابلس کی بندرگاہ میں ٹھہری تھیں مسلمانوں کے قبضہ میں آئیں اور اس میں لدا ہوا ساز و سامان مسلمانوں کو بطور غنیمت حاصل ہوا۔ سو سے زائد افراد قید کیے گئے، افریقہ کی فتح کی راہ میں یہ پہلا مال غنیمت تھا جو مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ [2]

عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ نے افریقہ کی طرف اپنا سفر جاری رکھا اور ہر سمت اطلاعی دستے اور جاسوس روانہ کرتے رہے یہاں تک کہ آپ کا لشکر امن و امان کے ساتھ سبیطلہ پہنچ گیا، اور وہاں اسلامی لشکر عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کی قیادت میں اور حاکم افریقہ جرجیر کا لشکر ایک دوسرے کے مقابلے میں آگئے۔ عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ اور جرجیر کے

---

[1] لیبیا من الفتح العربی حتی انتقال الخلافة الفاطمیة الی مصر ، ص (۳۹)

[2] الشرف و التسامی بحرکة الفتح الاسلامی ص (۱۹۱)

درمیان اتصال جاری رہا، خط و کتابت ہوتی رہی، جرجیر پر اسلام کی دعوت پیش کی گئی کہ اللہ کے حکم کو مانتے ہوئے اسلام میں داخل ہو جائے یا اسلام کی سیادت کو تسلیم کرتے ہوئے جزیہ ادا کرے اور اپنے دین پر قائم رہے، لیکن وہ اپنے کبر وغرور میں مبتلا رہا، ایک نہ مانی اس صورت حال میں مسلمانوں کو اس پر حملہ کرنا پڑا، دونوں کے درمیان جنگ شروع ہوگئی اور کئی دن تک گھمسان کی جنگ چلتی رہی، یہاں تک کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں مدینہ سے مدد پہنچی اور انہی کے ہاتھوں جرجیر متکبر کا خاتمہ ہوا۔ ❶

جب ساحل پر موجود رومیوں نے جرجیر اور سبیطلہ کے لوگوں کا انجام دیکھا تو ان کے دل بیٹھ گئے، اور وہ اکٹھا ہونے اور ایک دوسرے سے عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ سے جنگ کے بارے میں خط و کتابت کرنے لگے، لیکن سب خوفزدہ ہوگئے اور آخر کار ان لوگوں نے عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ سے مصالحتکی پیش کش اور تین سو قنطار سونا یا بعض روایات کے مطابق سو قنطار سونا سالانہ جزیہ دینے کا وعدہ کیا اور مسلمانوں کو واپس جانے کے لیے کہا۔ عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ نے اس پیش کش کو قبول کر لیا اور مال لے لیا۔ صلح کی شرائط میں سے ایک شرط یہ تھی کہ صلح سے قبل مسلمانوں کے ہاتھ جو کچھ آیا ہے وہ مسلمانوں کا ہے، اور صلح کے بعد جو کچھ لیا ہے وہ واپس کر دیا جائے گا۔ اس صلح کے بعد آپ مصر واپس ہوگئے، اس طرح آپ افریقہ میں ایک سال تین ماہ یا ایک سال ایک ماہ رہے۔ ❷

جب عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ طرابلس پہنچے تو وہاں کشتیاں تیار ملیں، ان پر لشکر کا ساز و سامان لاد دیا اور امن و سلامتی کے ساتھ مصر کا رخ کیا، اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو خمس وغیرہ مال روانہ فرمایا۔ راجح بات یہ ہے کہ جو کشتیاں آپ کو طرابلس میں تیار ملیں وہ کشتیاں مسلمانوں نے سوریہ اور اسکندریہ میں بطور غنیمت حاصل کی تھیں، کیوں کہ ''اِرشیبالد'' بیان کرتا ہے کہ اسکندریہ اور سوریہ میں کارخانوں پر صحیح وسالم حالت میں مسلمانوں کے قبضہ کی وجہ سے جو جنگی کشتیاں مسلمانوں کے ہاتھ آئیں، وہ یا تو تیار شکل میں تھیں یا ان کا تیار کرنا ان کے لیے سہل تھا۔ ❸

یاد رہے کہ یہ ایسی روایات ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ مصر واپس آنے کے بعد عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ نے پھر دوبارہ اس وقت افریقہ کا رخ کیا جب ۳۳ھ میں ان لوگوں نے مصالحت کے معاہدے کو توڑ دیا۔ آپ کو ان پر غلبہ حاصل ہوا، پھر آپ نے وہاں اسلامی نظام کو مستحکم کیا اور وہاں کے باشندوں کو اسلام یا جزیہ پر باقی رکھا۔ ❹

فتح افریقہ میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی جواں مردی:

کافی دنوں سے افریقہ سے مسلمانوں کی کوئی خبر نہ پہنچ سکی جس کی وجہ سے آپ فکر مند ہوئے، اور عبداللہ بن

---

❶ الشرف والتسامی بحرکة الفتح الاسلامی ص (۱۹۳)، البدایة والنهایة (۷/ ۱۵۸)
❷ الشرف و التسامی بحرکة الفتح الاسلامی ص (۱۹۳)
❸ لیبیا من الفتح العربی حتی انتقال الخلافة الفاطمیة الی مصر ، ص (٤٦)
❹ الشرف و التسامی بحرکة الفتح الاسلامی ص (۱۹۳)

زبیر رضی اللہ عنہما کو ایک دستہ کے ساتھ روانہ کیا تا کہ وہاں سے کچھ خبر لائیں۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے پوری مستعدی کے ساتھ سفر جاری رکھا اور مسلمانوں کے پاس افریقہ پہنچ گئے جب آپ وہاں پہنچے تو شور مچ گیا اور مسلمانوں نے تکبیر پکاری۔ جرجیر نے دریافت کیا یہ آواز کیسی ہے؟ اس کو بتایا گیا کہ مدینہ سے مسلمانوں کو کمک پہنچی ہے چنانچہ اس خبر سے وہ حواس باختہ ہو گیا۔

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے دیکھا کہ مسلمان صبح سے ظہر تک لڑتے ہیں، اور ظہر کی اذان ہوتے ہی فریقین اپنے اپنے خیموں میں واپس ہو جاتے ہیں پھر جنگ بند ہو جاتی ہے۔ دوسری صبح آپ نے جنگ میں شرکت کی تو عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کو لوگوں کے ساتھ نہیں پایا، لوگوں سے دریافت کیا تو پتہ چلا کہ جرجیر نے اعلان کر رکھا ہے کہ جو عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کو قتل کر دے اس کو ایک لاکھ دینار انعام دوں گا اور اپنی بیٹی سے اس کی شادی کروں گا، جس کی وجہ سے عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ اپنے لیے خطرہ محسوس کر رہے ہیں اور ظاہر نہیں ہو رہے ہیں۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور ان سے کہا: آپ یہ اعلان کرائیں کہ جو شخص جرجیر کا سر لے کر آئے گا اس کو ایک لاکھ دینار دیا جائے گا اور جرجیر کی بیٹی سے اس کی شادی کرا دی جائے گی، اور اس کے ملک پر اس کو گورنر بنا دیا جائے گا۔ عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا جس کا یہ اثر ہوا کہ جرجیر عبداللہ بن سعد سے زیادہ خوفزدہ ہوا اور اپنے لیے شدید خطرہ محسوس کرنے لگا۔

پھر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ سے کہا: موجودہ شکل میں جنگ طول کھینچے گی، یہ لوگ اپنے ملک میں ہیں اور برابر ان کو امداد ملتی رہتی ہے جب کہ ہم اپنے ملک اور مسلمانوں سے دور ہیں، لہٰذا میری رائے ہے کہ کل کچھ صالح افراد کو جنگ میں نہ شریک کر کے خیموں میں تیار رہنے دیں اور ہم دشمن کی صف میں گھس کر گھمسان کی جنگ کریں یہاں تک کہ وہ تھک ہار جائیں، اور جب فریقین اپنے خیموں میں واپس ہو جائیں تو جو لوگ جنگ میں شریک نہ ہو کر خیموں میں تیار بیٹھے تھے ہم ان کے ساتھ اچانک دشمن پر حملہ بول دیں، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس طرح ہمیں فتح و نصرت سے ہمکنار فرمائے۔

عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ نے اکابرین صحابہ کی ایک جماعت کو جمع کیا اور اس سلسلہ میں ان سے مشورہ لیا، تمام لوگوں نے اس رائے پر موافقت کی۔ دوسرے دن عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا۔ تمام بہادر مسلمانوں کو خیموں میں باقی رکھا اور ان کے گھوڑوں کو زین کس کر تیار رکھا، اور باقی لوگ رومیوں سے ظہر تک گھمسان کی جنگ لڑتے رہے۔ جب ظہر کی اذان ہوئی تو رومیوں نے اپنے خیموں کو واپس ہونا چاہا لیکن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے ان کو اس کا موقع نہ دیا اور ان سے شدید جنگ کرتے رہے یہاں تک کہ ان کو تھکا دیا، پھر طرفین اپنے اپنے خیموں کو واپس ہوئے اور اپنے ہتھیار اتار کر آرام کرنے لگے، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے ان تازہ دم مجاہدین کو جن کو خیموں میں باقی رکھا تھا ساتھ لیا اور اچانک رومیوں پر ٹوٹ پڑے اور ان کے اندر گھس کر یکبارگی حملہ بول دیا، ان

کو اسلحہ سنبھالنے کا موقع نہیں دیا۔ اس حلے میں جرجیر کو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے قتل کیا، رومیوں کو شکست فاش ہوئی، ان میں سے بہت سے لوگ قتل ہوئے اور جرجیر کی بیٹی کو قید کر لیا گیا۔

عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ نے شہر کا محاصرہ کر کے اس کو فتح کر لیا اس میں بہت سارا مال و متاع ہاتھ آیا۔ شہسوار کو تین ہزار دینار اور پیادہ کو ایک ہزار دینار غنیمت میں ملے۔ جب عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ نے سبیطلہ شہر فتح کر لیا تو ملک کے مختلف علاقوں میں اپنی فوجوں کو روانہ کیا۔ یہ فوجیں قفصہ پہنچ گئیں جہاں انہیں قیدی اور مال غنیمت ہاتھ آئے۔ اُجم قلعہ پر آپ نے فوج کشی کی، شہر کے لوگ قلعہ بند ہو گئے۔ آپ نے اس کا محاصرہ کر لیا اور امان کے ذریعے سے فتح کیا۔ افریقہ کے لوگوں نے آپ سے مصالحت کر لی جیسا کہ بات گزر چکی ہے۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو شاہ جرجیر کی بیٹی عطیہ میں ملی، اور ان کو عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ نے افریقہ کی فتح کی بشارت دے کر عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس روانہ کر دیا۔[1]

(۴)......ایک مصحف پر امت کو جمع کرنے کا عظیم کارنامہ

سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عظیم ترین مفاخر میں سے امت کو ایک مصحف پر جمع کرنا ہے۔ کتابت قرآن کے دو مراحل ہیں۔

پہلا مرحلہ......عہد نبوی میں:

یہ بات قطعی دلائل سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کا جو حصہ نازل ہوتا فوراً اس کو ضبط تحریر میں لانے کا حکم فرماتے۔ اور یہ بھی ثابت ہے کہ کتابت قرآن کے لیے کاتبین وحی مقرر تھے یہاں تک کہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کتابت قرآن کی وجہ سے کاتب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لقب سے معروف و مشہور تھے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں فضائل قرآن کے بیان میں ((باب کتاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم)) ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبین'' کے نام سے مستقل باب قائم کیا ہے اور اس میں دو حدیثیں روایت کی ہیں:

پہلی حدیث: ......ابوبکر رضی اللہ عنہ نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وحی لکھا کرتے تھے۔[2]

دوسری حدیث: ......براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آیت کریمہ......﴿لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ نازل ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((ادع لی زیدا و الیجی ء باللوح والدواۃ و الکتف او الکتف و الدواۃ))[3]

''زید کو بلاؤ، تختی اور دوات و شانہ یا شانہ اور دوات لے کر آجائیں۔''

---

[1] الکامل/ ابن اثیر (۳/ ۴۵، ۴۶)

[2] البخاری، کتاب فضائل القرآن، باب کتاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم (۴۹۸۲)

[3] البخاری ، کتاب فضائل القرآن، باب کتاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم (۴۹۹۰)

دوسرا مرحلہ......ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں:

معرکہ یمامہ میں حفاظ قرآن کی ایک کثیر تعداد نے جام شہادت نوش کیا جس کے نتیجے میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قرآن کو جمع کرایا[1] اور یہ عظیم ذمہ داری آپ نے صحابی جلیل زید ابن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کو سونپی، چنانچہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: معرکہ یمامہ کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے بلا بھیجا، میں پہنچا تو وہاں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ موجود تھے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عمر میرے پاس آئے اور کہا: معرکہ یمامہ میں بہت سے قراء قتل ہو گئے ہیں، اور مجھے خوف ہے کہ اگر دوسرے معرکوں میں اسی طرح قراءِ قرآن قتل ہوتے رہے تو قرآن کا بہت سا حصہ ضائع ہو جائے گا۔ میری رائے ہے کہ آپ جمع قرآن کا حکم جاری فرمائیں۔ اس پر میں (ابوبکر رضی اللہ عنہ) نے عمر سے کہا کہ میں ایسا کام کیسے کروں جو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا؟[2] عمر نے کہا: واللہ یہ کار خیر ہے، پھر برابر عمر مجھ سے اس کے لیے اصرار کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے میرا سینہ کھول دیا، جس کے لیے عمر کا سینہ کھولا تھا، اور اب میری بھی وہی رائے ہے جو عمر کی ہے۔ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا بیان ہے، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم عقل مند نوجوان آدمی ہو، تم پر کوئی اتہام نہیں اور تم رسول اللہ ﷺ کے لیے وحی لکھا کرتے تھے لہٰذا تم قرآن کو تلاش کر کے جمع کرو۔[3]

زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اللہ کی قسم اگر وہ مجھے کسی پہاڑ کو منتقل کرنے کا حکم فرماتے تو وہ میرے لیے جمع قرآن سے زیادہ مشکل نہ ہوتا، چنانچہ میں نے قرآن کو کھجور کی ٹہنیوں، پتھر کی سلوں، لوگوں کے سینوں، چمڑوں اور شانہ کی ہڈیوں سے جمع کیا، یہاں تک کہ سورۂ توبہ کی آخری آیات: ﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٢٨﴾﴾ (التوبة: ۱۲۸) سے آخری سورت تک صرف ابوخزیمہ انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس ملیں۔[4]

---

[1] حروب الردة و بناء الدولة الاسلامية/ احمد سعید ص (۱۴۵)

[2] یعنی ایک جلد میں کیسے جمع کروں جب کہ یہ کام رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا ہے۔

[3] یعنی تمہارے پاس اور دوسروں کے پاس جو نوشتے موجود ہیں اور لوگوں نے جو یاد کر رکھا ہے اس کی مدد سے قرآن کو ایک مصحف میں مدون کر دو۔

[4] چوں کہ جمع قرآن کے لیے یہ شرط رکھی گئی تھی کہ زبانی بھی ہو اور ضبط تحریر میں بھی ہو، اور یہ آیات ان دونوں شرائط کے ساتھ صرف ابو خزیمہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھیں۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ یہ آیات کسی اور صحابی کو یاد نہ تھیں یا کسی اور کے پاس ضبط تحریر میں نہ تھیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان دونوں شرطوں کے ساتھ صرف ابوخزیمہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھیں جن کی گواہی کو رسول اللہ ﷺ نے دو آدمیوں کی گواہی کے برابر قرار دے رکھا تھا۔ یہ بات واضح ہونی چاہیے کہ جمع قرآن کے لیے اصل وہ نوشتے تھے جو رسول اللہ ﷺ کے پاس محفوظ تھے، اور اس سے مزید دیگر صحابہ کے پاس جو نوشتے تھے اور سینوں میں محفوظ تھا اس سے مدد لی گئی اور اس طرح پورے کا پورا قرآن تواتر کے ساتھ ضبط تحریر میں لایا گیا۔ (مترجم)

یہ مصحف تیار کر کے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس محفوظ کر دیا گیا، وہ آپ کی زندگی میں آپ کے پاس رہا، پھر آپ کے بعد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی تحویل میں آ گیا اور آپ کی وفات کے بعد ام المومنین حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما کے پاس رہا۔[1]

زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو جمع قرآن کے لیے منتخب کرنے کے اہم اسباب:

۱۔ آپ نوجوان تھے، آپ کی عمر ابھی صرف ۲۱ سال تھی، اس لیے آپ اس کام کے لیے زیادہ سرگرم اور چاق و چوبند ہو سکتے تھے۔

۲۔ آپ عقل رسا کے مالک تھے، آپ کے اندر اس کی زیادہ اہلیت پائی جاتی تھی، آپ اس کام کی نزاکت کو زیادہ سمجھ سکتے تھے، اور اللہ تعالیٰ جسے عقل رسا عطا فرماتا ہے اس کے لیے خیر کے راستے آسان کر دیتا ہے۔

۳۔ آپ ثقہ اور قابل اعتماد تھے، ہر طرح کے شکوک وشبہات اور اتہامات سے پاک تھے۔ اس لیے لوگوں میں آپ کا عمل قابل قبول ہوگا، نفس مائل ہوں گے اور اس سے دل مطمئن ہوں گے۔

۴۔ آپ کاتب وحی رہ چکے تھے اس سلسلہ میں آپ کو پرانا تجربہ تھا، اور عملی طور سے یہ کام آپ کر چکے تھے یہ کوئی نیا کام نہ تھا۔[2]

۵۔ مزید برآں آپ ان چار ممتاز افراد میں سے تھے جنھوں نے عہد نبوی میں مکمل قرآن حفظ کر رکھا تھا۔ قتادہ سے روایت ہے: میں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کن لوگوں نے حفظ قرآن مکمل کر رکھا تھا؟ تو انھوں نے فرمایا: چار افراد نے جو سب کے سب انصار میں سے تھے: ابی بن کعب، معاذ بن جبل، زید بن ثابت اور ابوزید رضی اللہ عنہم۔[3]

تدوین قرآن کے سلسلہ میں زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے جو طریقہ کار اختیار فرمایا وہ یہ تھا کہ آپ اس وقت تک مصحف میں کوئی چیز تحریر نہ فرماتے جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ یہ تحریر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے عمل میں آئی ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے حفظ کر رکھا ہے۔ صرف حفظ پر اعتماد نہ کرتے جب تک کہ وہ تحریری شکل میں موجود نہ ہو، کیوں کہ صرف حفظ کی صورت میں وہم و خطا کا خطرہ موجود تھا، اور کسی سے کوئی تحریر اس وقت تک قبول نہ کرتے جب تک وہ دو گواہ نہ پیش کر دے کہ یہ تحریر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے عمل میں آئی ہے اور ان وجوہ واحرف میں سے ہے جس پر قرآن نازل ہوا ہے۔[4]

---

[1] البخاری (٤٩٨٦).

[2] التفوق والنجابة علی نهج الصحابة/ احمد العجمی ص (٧٣)

[3] سیر اعلام النبلاء (٢/ ٤٣١)

[4] التفوق و النجابة علی نهج الصحابة ص ٧٤.

اس نہج پر زید رضی اللہ عنہ پوری احتیاط اور انتہائی تلاش وجستجو اور باریک بینی کے ساتھ تدوین قرآن میں لگے رہے۔ ❶

عہد نبوی اور عہد صدیقی کی کتابت قرآنی میں فرق:

عہد نبوی اور عہد صدیقی کی کتابت میں یہ فرق تھا کہ عہد نبوی میں قرآن مختلف صحیفوں، تختیوں، کھجور کی ٹہنیوں، تنوں اور بانس اور دیگر اشیاء پر تحریر کیا گیا تھا، اس کی سورتیں ترتیب سے ایک لڑی میں نہیں جمع کی گئی تھیں لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور میں کتابت قرآن کے سلسلہ میں یہ اہتمام کیا گیا کہ قرآن کو صحیفوں میں لکھا گیا، ہر سورت کو صحیفے میں آیات کی اس ترتیب کے ساتھ مدون کیا گیا جو نبی کریم ﷺ سے صحابہ نے یاد کی تھی۔ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی ذمہ داری تھی کہ وہ نبی کریم ﷺ کے دور میں کتابت شدہ قرآن کو صحیفوں میں تحریر میں لائیں اور ہر سورت کی آیتوں کو صحیفے میں توقیفی ترتیب کے ساتھ مدون کریں۔ ❷

تیسرا مرحلہ......عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے عہد میں

عہد عثمانی میں قرآن کی جمع وتدوین کا سبب:

سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آرمینیہ اور آذربیجان میں اہل شام اور اہل عراق کی اسلامی فوجیں ایک ساتھ جنگ لڑ رہی تھیں، ان کے درمیان قرآن کی قراءت میں اختلاف رونما ہوا جس سے حذیفہ رضی اللہ عنہ بے حد پریشان ہوئے اور عثمان رضی اللہ عنہ سے عرض کیا: یہود ونصاری کی طرح کتاب الٰہی میں اختلاف رونما ہونے سے قبل اس امت کی خبر لیجیے۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا کو کہلا بھیجا کہ قرآن آپ ہمیں بھیج دیں، اس کے مختلف نسخے کرا کے ہم آپ کو واپس کر دیں گے۔ ام المومنین نے قرآن کو عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا۔ آپ نے زید بن ثابت، عبداللہ بن زبیر، سعید بن العاص اور عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام رضی اللہ عنہم کو حکم فرمایا اور انہوں نے اس کے مختلف نسخے تیار کیے۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے تینوں قریشی حضرات (عبداللہ، سعد، عبدالرحمٰن) سے فرمایا تھا کہ جب تمہارا قرآن کے کسی لفظ کے طرز تحریر میں زید بن ثابت سے اختلاف ہو تو اس کو قریش کی زبان میں لکھو کیوں کہ قرآن انہی کی زبان میں نازل ہوا ہے، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا، اور جب یہ حضرات قرآن کو مختلف مصاحف میں منتقل کر چکے تو عثمان رضی اللہ عنہ نے اصل صدیقی نسخہ ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا کو واپس کر دیا، اور پھر تیار کردہ مصاحف کا ایک ایک نسخہ خلافت اسلامیہ کے مختلف علاقوں کو بھیج دیا۔ اور اس کے علاوہ جو صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس ذاتی نسخے تھے اور انہوں نے اپنی یادداشت کے لیے اپنے اپنے ڈھنگ سے تحریر کر رکھے تھے انہیں جلا دینے کا حکم جاری کیا۔ ❸ (تاکہ بعد میں یہ چیز قرآن میں اختلاف کا سبب نہ ہو۔)

❶ الانشراح ورفع الضیق بسیرۃ ابی بکر الصدیق / الصلابی ، ص (۲۰۶).

❷ المدینۃ النبویۃ فجر الاسلام و العصر الراشدی (۲/ ۲۴۱) ❸ البخاری/ فضائل القرآن (۴۹۸۷)

ان مصاحف کی تعداد جنھیں عثمان رضی اللہ عنہ نے مختلف شہروں کو روانہ کیا:

جب عثمان رضی اللہ عنہ مصاحف کے جمع سے فارغ ہوئے تو چہار جانب ایک ایک مصحف ارسال فرمایا، اور انہیں حکم دیا کہ اس مصحف کے علاوہ دیگر مصاحف جو اس کے خلاف ہوں انہیں جلا دیا جائے۔ ان مصاحف کی تعداد کے سلسلہ میں جو آپ نے مختلف شہروں کو ارسال کیے تھے اختلاف پایا جاتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ان کی تعداد چار ہے اسی پر اکثر علماء نے اتفاق کیا ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ ان کی تعداد پانچ ہے، اور ایک قول ہے کہ ان کی تعداد چھ ہے۔ ایک قول کے مطابق سات اور ایک قول کے مطابق آٹھ ہے۔ چار کی صورت میں ایک نسخہ مدینہ میں رکھا، ایک شام روانہ کیا، ایک کوفہ اور ایک بصرہ ارسال فرمایا۔ پانچ کی صورت میں حسب سابق چار نسخے ارسال کیے اور پانچواں نسخہ مکہ مکرمہ روانہ کیا، اور چھ کی صورت میں حسب سابق پانچ نسخے ارسال کیے اور چھٹے نسخے سے متعلق اختلاف ہے کہ اپنے لیے رکھا یا یہ کہ بحرین روانہ کیا، اور سات کی صورت میں حسب سابق چھ نسخے ارسال کیے اور ساتواں نسخہ یمن روانہ کیا، اور آٹھ کی صورت میں حسب سابق سات نسخے ارسال کیے اور آٹھواں نسخہ اپنے لیے رکھا، اور اس میں تلاوت کرتے ہوئے آپ کی شہادت پیش آئی۔ [1]

اور عثمان رضی اللہ عنہ نے ہر مصحف کے ساتھ ایک قاری قرآن کو بھیجا جو صحیح اور متواتر قراءت کی رہنمائی کر سکے۔ چنانچہ مکی مصحف کے ساتھ عبداللہ بن سائب کو، شامی مصحف کے ساتھ مغیرہ بن شہاب کو، مصحف کوفی کے ساتھ ابوعبدالرحمٰن السلمی کو، بصری مصحف کے ساتھ عامر بن قیس کو بھیجا اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ مدینہ میں لوگ مدنی مصحف کے مطابق پڑھائیں۔ [2]

---

[1] اضواء البیان فی تاریخ القرآن ص (۷۷)
[2] ایضًا، ص (۷۸)

پانچواں باب

عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں صوبوں کا نظام

(۱)......اسلامی سلطنت کے صوبے

❀ مکہ مکرمہ
❀ مدینہ طیبہ
❀ بحرین اور یمامہ
❀ یمن وحضر موت
❀ شام
❀ آرمینیہ
❀ مصر
❀ بصرہ
❀ کوفہ

(۲)......گورنروں کے ساتھ عثمانی سیاست اور ان کے حقوق وفرائض

ا۔ گورنروں کی نگرانی اور ان کے اخبار پر اطلاع کے عثمانی اسلوب:

سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے گورنروں کی نگرانی اور ان کے احوال واخبار پر اطلاع کی خاطر مختلف اسلوب اختیار کیے:

❀ موسم حج میں حاضری
❀ مختلف شہروں اور صوبوں سے آنے والوں سے دریافت کرنا
❀ ہر مقام پر ایسے افراد کا موجود ہونا جو تحریری شکل میں خلیفہ کو حالات سے مطلع کرتے تھے
❀ صوبوں میں معاینہ کرنے والوں کو بھیجنا
❀ صوبوں کا خود سفر کرنا اور براہ راست وہاں کے حالات پر مطلع ہونا
❀ صوبوں سے وفود طلب کرنا تا کہ امراء اور گورنروں سے متعلق ان سے دریافت کریں
❀ گورنروں کو دارالخلافہ طلب کرنا اور ان سے وہاں کے حالات دریافت کرنا
❀ گورنروں کے ساتھ مراسلت، رعایا اور صوبوں کے حالات سے متعلق رپورٹ طلبی

۲۔ گورنروں کے حقوق:

خلفائے راشدین کے دور میں گورنروں کو مختلف حقوق حاصل تھے، بعض حقوق کا تعلق رعایا سے تھا اور بعض کا خلیفہ سے، اس کے ساتھ کچھ حقوق بیت المال سے متعلق انہیں حاصل تھے، ان ادبی واخلاقی اور مادی حقوق کا مقصد واجبات کی ادائیگی اور مصالح عامہ کی خدمت میں گورنروں سے تعاون کرنا تھا تا کہ وہ اپنی ذمہ داری کما حقہ

ادا کر سکیں۔ ان حقوق میں سے اہم ترین یہ تھے:

- اطاعت بشرطیکہ معصیت نہ ہو
- گورنروں کو نصیحت کرنا
- گورنر کو صحیح خبریں پہنچانا
- گورنر کے موقف میں اس کا بھرپور تعاون کرنا
- معزولی کے بعد ان کا احترام
- گورنروں کی تنخواہیں

۳۔ گورنروں کے فرائض:

سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے گورنروں کو جن کاموں کی تاکید کی تھی وہ درج ذیل ہیں:

- اقامت دین
- صوبہ میں امن وامان فراہم کرنا
- اللہ کی راہ میں جہاد
- معاہدوں کی تنفیذ
- لوگوں کے لیے راشن کا تحفظ
- عمال اور ملازمین کی تقرری
- ذمیوں کی نگہداشت
- صوبے کے اہل حل وعقد سے مشاورت
- صوبے کی عمرانی ضروریات میں غور وفکر
- صوبے کے باشندوں کی اجتماعی پوزیشن کا تحفظ
- گورنر کے اوقات عمل

(۳)......سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے گورنروں کی حقیقت

مورخین اکثر یہ بات ذکر کرتے ہیں کہ عثمان رضی اللہ عنہ اپنے قرابت داروں کے ساتھ بے جا محبت کرتے تھے، اور امور سلطنت میں ان لوگوں کا عمل دخل بڑھ گیا تھا جو بعد میں لوگوں کی ناراضی کا سبب بنا، چوں کہ آپ نے اپنے اقرباء کو امور سلطنت میں کھلی آزادی دے رکھی تھی جس کی وجہ سے لوگوں کی ناراضی آپ کے خلاف بھڑک اٹھی۔ [1]

[1] الدولة الاموية المفترى عليها ، ص (١٥٩)

آپ کے وہ اقرباء جن کو آپ نے گورنری کے منصب پر فائز کیا وہ یہ تھے:

(۱) معاویہ بن سفیان رضی اللہ عنہما (۲) عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ

(۳) ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ (۴) سعید بن العاص رضی اللہ عنہ

(۵) عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ

یہ کل پانچ افراد ہیں جن کو اپنے اقرباء میں سے عثمان رضی اللہ عنہ نے اس منصب پر فائز کیا۔ لوگوں کے گمان میں یہ آپ پر طعن وتشنیع کا سبب ہے۔ لہٰذا ہمارے لیے یہ ضروری ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے گورنروں کا جائزہ لیں کہ وہ کون لوگ ہیں جنھیں عثمان رضی اللہ عنہ نے اس منصب پر مقرر فرمایا چنانچہ وہ یہ ہیں:

(۱) ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ (۲) قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ (۳) جابر مزنی

(۴) حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ (۵) عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید رضی اللہ عنہما

(۶) ابوالاعور السلمی رضی اللہ عنہ (۷) حکیم بن سلامہ (۸) اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ

(۹) جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ (۱۰) عیینہ بن نہاس (۱۱) مالک بن حبیب

(۱۲) نسیر عجلی (۱۳) سائب بن اقرع (۱۴) سعید بن قیس

(۱۵) سلمان بن ربیعہ (۱۶) خُنَیس بن حبیش (۱۷) احنف بن قیس

(۱۸) عبدالرحمٰن بن ربیعہ (۱۹) یعلی بن منیّہ رضی اللہ عنہ (۲۰) عبداللہ بن عمرو حضرمی

(۲۱) علی بن ربیعہ بن عبدالعزیٰ

یہ سب عثمان رضی اللہ عنہ کے گورنر ہیں۔

(۴)......ابوذر غفاری اور عثمان رضی اللہ عنہما کے مابین تعلقات کی حقیقت

خلاصہ:

عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے معاندین ان پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ انہوں نے ابوذر رضی اللہ عنہ کو ''ربذہ'' کی طرف جلا وطن کر دیا، اور بعض مورخین اس زعم میں مبتلا ہیں کہ عبداللہ بن سبا ملک شام میں ابوذر رضی اللہ عنہ سے ملا اور انہیں زہد وقناعت، فقراء کی ہمدردی اور ضرورت سے زائد مال دوسروں میں تقسیم کر دینے پر رغبت دلائی، اور ان کو معاویہ رضی اللہ عنہ پر تنقید کرنے پر ابھارا۔ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے ابن سبا کو پکڑ کر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کیا، اور کہا: اللہ کی قسم اسی شخص نے ابوذر رضی اللہ عنہ کو تمہارے پاس بھیجا تھا، لہٰذا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ابوذر رضی اللہ عنہ کو شام سے نکال دیا۔ [1]

[1] المدینۃ المنورۃ فجر الاسلام (۲/ ۲۱۶، ۲۱۷)

اور احمد امین نے ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ اور مزدک فارسی کی رائے میں موافقت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے، اور وجہ تشبیہ یہ بیان کی ہے کہ ابن سبا یمن میں تھا اور عراق میں چکر لگایا کرتا تھا، اور اسلام سے قبل یمن و عراق میں فارسی موجود تھے، اس لیے اس کا بہت ہی قریبی احتمال ہے کہ اس نے یہ نظریہ عراق کے مزدکیوں سے حاصل کیا ہو، اور ابوذر رضی اللہ عنہ نے حسن نیت سے اس نظریہ کو اختیار کر لیا ہو۔ ❶

لیکن صحیح بات یہ ہے کہ ابوذر رضی اللہ عنہ سے متعلق جو کہا گیا ہے اور جس کی وجہ سے عثمان رضی اللہ عنہ پر طعن و تشنیع کی جاتی ہے سب باطل ہے، اس کی بنیاد کسی صحیح روایت پر نہیں ہے اسی طرح ابوذر رضی اللہ عنہ اور ابن سبا کے مابین اتصال سے متعلق جو کچھ بیان کیا گیا ہے، سب بالکل غلط ہے۔ ❷

صحیح بات یہ ہے کہ ابوذر رضی اللہ عنہ نے اپنی پسند سے ''ربذہ'' میں اقامت کو اختیار کیا تھا، اور اس کا سبب فہم آیت میں آپ کا وہ موقف تھا جس میں آپ نے تمام صحابہ سے مخالفت کی تھی، اور اپنی رائے پر مصر تھے، اور کسی نے بھی اس پر آپ کی موافقت نہ کی، آخر کار آپ نے خود ہی ربذہ ❸ میں اقامت پذیر ہونے کا مطالبہ کیا، آپ رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں وہاں بکثرت جایا کرتے تھے۔ آپ کو جبراً وہاں جلا وطن نہیں کیا گیا تھا اور نہ وہاں اقامت کرنے کے لیے آپ کو مجبور کیا گیا تھا، اور نہ خلیفہ راشد عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنی رائے سے باز آنے کا حکم دیا، کیونکہ اس رائے کی معقول توجیہ ہو سکتی ہے، لیکن مسلمانوں کے لیے اس کا قبول کرنا لازم نہیں۔ ❹

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے متعلق صحیح ترین بات وہ ہے جو بخاری نے اپنی صحیح میں زید بن وہب سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ ربذہ سے میرا گزر ہوا، میں نے وہاں ابوذر رضی اللہ عنہ کو پایا، میں نے ان سے دریافت کیا: آپ اس مقام پر کیوں اقامت پذیر ہیں؟ فرمایا: میں شام میں تھا میرے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان اس آیت سے متعلق اختلاف رونما ہوا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۗ وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٣٤﴾﴾ (التوبہ: ٣٤)

''اے ایمان والو! اکثر احبار و رہبان لوگوں کا مال ناحق کھا جاتے ہیں، اور اللہ کی راہ سے روک دیتے ہیں، اور جو لوگ سونے چاندی کا خزانہ رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، انہیں دردناک عذاب کی خبر پہنچا دیجیے۔''

---

❶ فجر الاسلام ص (١١٠)
❷ المدینۃ المنورۃ فجر الاسلام (٢/ ٢١٧)
❸ مکہ اور عراق کے راستہ میں ایک مقام کا نام ہے۔
❹ المدینۃ المنورۃ فجر الاسلام (٢/ ٢١٧)

معاویہ نے کہا: یہ آیت اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی ہے، میں نے کہا: ہمارے اور ان کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اس سلسلہ میں ہمارے اور ان کے درمیان کچھ باتیں ہوئیں اور انہوں نے عثمان رضی اللہ عنہ سے اس کی شکایت کی۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے بذریعے سے خط مجھے مدینہ آنے کا حکم دیا، لہٰذا میں مدینہ آ گیا، میں مدینہ پہنچا تو لوگوں نے مجھے اس طرح گھیر لیا جیسے انہوں نے اس سے قبل مجھے نہیں دیکھا تھا، میں نے یہ صورتحال عثمان رضی اللہ عنہ سے بیان کی، تو انہوں نے فرمایا: اگر تم چاہو تو مدینہ سے کسی قریبی علاقہ میں اقامت پذیر ہو جاؤ۔ لہٰذا میں نے اس مقام کو اختیار کیا۔ اگر مجھ پر حبشی کو بھی امیر مقرر کر دیا جائے تو میں اس کو سنوں گا اور اطاعت کروں گا۔ [1]

ابوذر رضی اللہ عنہ کی وفات اور آپ کے بچوں کو عثمان رضی اللہ عنہ کا اپنے بچوں میں ضم کر لینا:

غزوہ تبوک میں رسول اللہ ﷺ سے لوگوں نے عرض کیا: ابوذر رضی اللہ عنہ پیچھے رہ گئے، ان کے اونٹ نے انہیں پیچھے رکھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: چھوڑو! اگر اس کے اندر خیر ہوگی تو اللہ تعالیٰ تم سے ملا دے گا، اور اگر ایسا نہیں تو اللہ نے تمھیں اس سے بچا لیا۔ ابوذر رضی اللہ عنہ نے اپنے اونٹ پر انتظار کیا، لیکن جب دیکھا کہ وہ آگے نہیں بڑھ رہا ہے تو اپنا ساز و سامان اس سے اتارا، اور اپنی پیٹھ پر لاد کر رسول اللہ ﷺ کے پیچھے پیدل چل دیے۔ رسول اللہ ﷺ نے اثنائے سفر میں ایک منزل پر قیام فرمایا، مسلمانوں میں سے ایک شخص نے کسی کو آتے ہوئے دیکھا، آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کرے ابوذر ہوں، جب لوگوں نے غور کیا تو کہا: یا رسول اللہ! اللہ کی قسم وہ تو ابوذر ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ تنہا چلیں گے، تنہا ہی مریں گے، اور تنہا ہی اٹھائے جائیں گے۔ [2]

زمانہ گزرا، عثمان رضی اللہ عنہ کا عہد خلافت آیا، ابوذر رضی اللہ عنہ نے ربذہ میں سکونت اختیار کی، اور جب وفات کا وقت آیا تو اپنی بیوی اور غلام کو وصیت کی کہ جب میں وفات پا جاؤں تو مجھے غسل دینا اور کفن پہنا کر میرا جنازہ اٹھا کر بیچ راستے میں رکھ دینا، اور جو پہلا قافلہ گزرے اس سے کہنا یہ ابوذر کا جنازہ ہے۔ جب آپ کی وفات ہو گئی تو آپ کے ساتھ ایسا ہی کیا گیا۔ ایک قافلہ کا گزر اس راستہ سے ہوا، قریب تھا کہ قافلہ آپ کو کچل دیتا، اتنے میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قافلے سے آگے بڑھے اور دریافت کیا: یہ کیا ہے؟ انہیں بتایا گیا کہ یہ ابوذر رضی اللہ عنہ کا جنازہ ہے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ رونے لگے اور کہا: رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا تھا: اللہ تعالیٰ ابوذر پر رحم فرمائے، یہ تنہا چلیں گے، تنہا وفات پائیں گے اور تنہا اٹھائے جائیں گے۔ [3] پھر ان لوگوں نے ان کی نماز جنازہ پڑھی اور دفن کیا، اور ان کے بال بچوں کو لے کر مکہ روانہ ہوئے، اور انہیں عثمان رضی اللہ عنہ کے حوالہ کر دیا، اور عثمان رضی اللہ عنہ نے ابوذر رضی اللہ عنہ کی بیٹی کو اپنے بچوں میں شامل کر لیا۔ [4] اور ایک روایت میں ہے...... ''ہم نے ان کی بچی کو اپنے ساتھ

---

[1] البخاری: الزکوٰۃ، باب ماادی زکاتہ (۱۴۰۶) [2] السیرۃ النبوۃ/ ابن ھشام (۴/ ۱۷۸)

[3] السیرۃ النبویۃ/ ابن ھشام (۴/ ۴۷۸) اس کی سند میں بریدہ بن سفیان اسلمی کو امام بخاری اور نسائی نے ضعیف قرار دیا ہے۔ (مترجم)

[4] التمهید والبیان فی مقتل الشهید عثمان ص (۸۷-۸۸)

لے جانا چاہا، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: امیر المومنین قریب میں ہیں، ہم ان سے مشورہ کر لیں۔ ہم مکہ آئے اور امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر دی، آپ نے فرمایا: اللہ ابوذر پر رحم فرمائے اور ربذہ میں ان کی سکونت کو معاف فرمائے، پھر آپ نے ان کے بچوں کو اپنے بچوں میں شامل کر لیا، پھر آپ مدینہ روانہ ہو گئے اور ہم عراق روانہ ہو گئے۔ [1]

[1] تاریخ الطبری ص (۵/ ۳۱٤)

چھٹا باب

فتنہ قتل عثمان رضی اللہ عنہ کے اسباب

(۱)......فتنہ قتل عثمان رضی اللہ عنہ کے واقعات
جنگ جمل وصفین وغیرہ کے حالات کی تحقیق کی اہمیت،
اس کے وقوع پذیر ہونے سے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خبر دینے کی حکمتیں

فتنہ قتل عثمان رضی اللہ عنہ اور اس کے نتیجہ میں جنگ جمل وصفین کے حالات کی تحقیق کی اہمیت:

اکثر سلف اور علمائے امت سے یہی منقول ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے باہمی اختلافات کی تفاصیل میں بحث وکرید سے توقف کیا جائے، اور اس کو اللہ کے حوالے چھوڑ کر ان کے لیے اللہ کی رضا کی دعا کی جائے اور یہ اعتقاد رکھا جائے کہ یہ سب مجتہد تھے اور ان شاء اللہ اجر کے مستحق ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن وتشنیع اور زبان درازی سے پرہیز کیا جائے کیوں کہ اس سے شریعت پر طعن لازم آتا ہے اس وجہ سے کہ وہی اس شریعت کے حاملین ہیں، اور انہی کے واسطے سے یہ دین ہم تک پہنچا ہے، چنانچہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے اہل صفین سے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: اس خون سے اللہ تعالیٰ نے میرے ہاتھوں کو پاک رکھا ہے تو میں اپنی زبان کو اس سے ملوث کرنا پسند نہیں کرتا۔ [1] اور بعض اسلاف سے اس سلسلہ میں دریافت کیا گیا تو جواب میں یہ آیت کریمہ پیش کر دی:

﴿تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۖ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ ۖ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٣٤﴾﴾ (البقرۃ: ۱۳۴)

''یہ جماعت تو گزر چکی جو انہوں نے کیا وہ ان کے لیے ہے اور جو تم کرو گے وہ تمہارے لیے ہے ان کے اعمال کے بارے میں تم نہیں پوچھے جاؤ گے۔''

اس ممانعت کی ایک وجہ ہے اور وہ ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن وتشنیع کا خوف، تاکہ اس سے اللہ کا غضب حاصل نہ ہو، اور جب یہ سبب زائل ہو جائے تو پھر بظاہر اس میں کوئی حرج نہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان رونما ہونے والے اختلافات سے متعلق ایسی تحقیق جس سے ان پر مطلقاً طعن وتشنیع لازم نہ آئے، تو پھر کوئی حرج نہیں کہ اس کے اسباب ودوافع، تفصیلات ونتائج، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد کے معاشرہ پر اس کے اثرات کے

[1] حلیۃ الاولیاء (۹/ ۱۱۴)، عون المعبود (۱۲/ ۲۷۴)

متعلق بحث وتحقیق کی جائے۔ چنانچہ ابن کثیر اور طبری وغیرہ نے اسلامی تاریخ کے اس نازک دور سے متعلق بہت کچھ تحریر کیا، اور اس فتنہ سے متعلق بہت سے امور وقضایا کی تفصیلات بیان کی ہیں، جب کہ ان میں سے کچھ علماء تو وہ ہیں جنھوں نے طرفین یا طرفین میں سے کسی ایک کو مورد الزام ٹھہرایا اور ان روایات اور نصوص پر اعتماد کیا جس میں صحیح اور غلط سب گڈمڈ ہیں۔ ❶

ایسے اسباب و وجوہ آج پائے جاتے ہیں جو اہل سنت کے علماء وطلبہ کو اس فتنہ کی گہرائیوں میں غوطہ زنی اور اس کی تفصیلات میں بحث وتحقیق کی دعوت دیتے ہیں، من جملہ ان اسباب کے یہ ہیں:

دور حاضر کی وہ تالیفات جو صحابہ وتابعین کے درمیان فتنہ کے واقعات پر مشتمل ہیں وہ تین طرح کی ہیں:

ا:......وہ کتب ومولفات جن کے مصنّفین کی تربیت اسلامی تاریخ سے بغض وعناد سے پر ہے اور وہ مغربی افکار کے سائے میں پلے بڑھے اور یا وہ اسلامی تاریخ سے جاہل ہیں، ان لوگوں نے اسلامی تاریخ میں کوئی اچھی چیز نہیں دیکھی، پھر صحابہ وتابعین پر زبان طعن وتشنیع دراز کی اور ان دشمنان اسلام کے اہداف کی خدمت کی جنھوں نے اس فتنہ اور اس کی تفصیلات پر ریسرچ کر کے اس کی ایسی تفسیر پیش کی ہے جو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اسلام کو اس کے اصول میں مطعون قرار دیتی ہے، اور ان واقعات کو جاہ ومنصب اور کرسی کے حصول کے لیے سیاسی جنگ قرار دیتی ہے، جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے ایمان وتقویٰ اور صدق مع اللہ سے عاری اور طالب دنیا اور لیڈری کے شوقین نظر آتے ہیں۔ ریاست وقیادت کی خاطر اس کی پروا نہیں کہ لوگوں کے خون بہیں، ان کی جانیں ضائع ہوں، برسر بازاران کی عزتیں نیلام ہوں، اور حرمتیں پامال ہوں۔ اس بہتان عظیم کی زمام کار جس نے سنبھالی اس میں سرفہرست طٰہٰ حسین ہے، اس نے اپنی ناپاک کتاب ''الفتنۃ الکبریٰ'' ❷ میں یہی کچھ کیا ہے۔ حقیقت میں یہ کتاب مسلم نوجوان کی عقلوں کے لیے اسم بامسمّٰی عظیم فتنہ ہے۔ طٰہٰ حسین نے اس کتاب کے اندر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر زبان طعن وتشنیع دراز کی ہے، ان کی نیتوں سے متعلق شکوک پیدا کیے ہیں، اور اعدائے اسلام کی خدمت کی خاطر ان پر ناپاک اتہامات لگائے ہیں۔ ❸

طٰہٰ حسین کے منہج سے بہت سے لوگ متاثر ہوئے۔ بظاہر ان حضرات نے ان تاریخی روایات پر کلی اعتماد کیا جسے طبری اور ابن عساکر جیسے مورخین نے جمع کر دیا ہے، جس میں جھوٹ و سچ، غلط وصحیح سب گڈمڈ ہے، انہوں نے ان مورخین کے منہج کا خیال کیے بغیر ان سے روایتیں نقل کر لیں جو بہت بڑی غلطی ہے۔ ❹

---

❶ احداث واحادیث فتنۃ الھرج/ د۔ عبدالعزیز دخان ص (۷۹)

❷ دیکھئے: الفتنۃ الکبریٰ (عثمان) علی و بنوہ .

❸ احداث و احادیث فتنۃ الھرج ص (۸۰)

❹ ایضاً

اسی طرح یہ حضرات اپنی تالیفات میں رافضی فکر اور اسلامی تاریخ سے متعلق شیعی تالیفات سے متاثر ہیں۔ ❶ روافض نے اپنی تالیفات میں اسلامی تاریخ کا جنازہ نکالا ہے، جیسا کہ کلبی ❷ ابومخنف ❸ اور نصر بن مزاحم المنقری ❹ کی روایات میں ہے۔ واضح رہے کہ یہ بات تاریخ طبری میں بھی پائی جاتی ہے، لیکن طبری نے ان روایات کو سند کے ساتھ ذکر کیا ہے تاکہ اہل علم پر ان روایات کی حقیقت مخفی نہ رہے۔ ❺ اسی طرح مسعودی کی مروج الذہب اور یعقوبی کی تاریخ اس طرح کی روایات سے بھری پڑی ہیں۔ علامہ محبّ الدین خطیب رحمہ اللہ نے العواصم من القواصم کی تعلیق میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ تاریخ کی تدوین کا آغاز خلافت بنو امیہ کے بعد ہوا ہے، اور رافضیت کی چادر تلے باطنی اور شعوبی ہاتھوں کا خیر کے نقوش کو مٹانے اور روشن صفحاتِ تاریخ کو سیاہ کرنے میں عظیم کردار رہا ہے۔ ❻

یہ مکر وجعل سازی اس شخص پر منکشف ہو جاتی ہے جو ابن العربی کی کتاب العواصم من القواصم کا مطالعہ، علامہ محبّ الدین خطیب کی تعلیقات کے ساتھ کرتا ہے۔ رافضی علماء نے بشریت کی تاریخ میں افضل ترین لوگوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر سب وشتم سے ہزاروں صفحات سیاہ کر رکھے ہیں، اور مسلمانوں کی تاریخ کو مسخ کرنے کے لیے اپنا پورا وقت اور ساری کوشش صرف کر دی ہے۔ ❼

یہ رافضی مواد جس سے کتب تواریخ بھری پڑی ہیں آپ کو شیعی کتب حدیث مثلاً الکافی، البحار، اور علماء شیعہ کی لکھی ہوئی قدیم کتب مثلاً ''احقاق حق'' اور جدید کتب مثلاً ''کتاب الغدیر'' میں ملیں گی۔ اور اعدائے اسلام مستشرقین وغیرہ نے اسلام کے خلاف جو کچھ لکھا ہے یہی شیعی روایات وکتب ان کا مرجع رہی ہیں، روحانی حیثیت سے شکست خوردہ نسل جب آئی تو اس نے اپنے لیے یورپ کو اپنا قدوہ واسوہ بنایا اور جو کچھ استشراقی قلموں نے

❶ احداث واحادیث فتنة الهرج ص (۸۰)

❷ یہ محمد بن سائب کلبی ہے ابن حبان کہتے ہیں کہ یہ ان سبائیوں میں سے تھا جو اس بات کے قائل ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ نے وفات نہیں پائی ہے، اور وہ دوبارہ دنیا میں لوٹ کر آئیں گے۔ اس کی وفات ۱۴۶ھ میں ہوئی۔ دیکھیے: میزان الاعتدال للذهبی (۳/ ۵۵۸) الجرح و التعدیل لابن ابی حاتم (۷/ ۲۷۰۔۲۷۱)

❸ یہ لوط بن یحییٰ بن سعید بن مخنف الازدی ہے۔ کوفیوں میں سے تھا۔ ابن عدی کہتے ہیں: یہ کٹر شیعی تھا، مورخ تھا، ۱۵۷ھ میں وفات ہوئی، اس کی بہت سی تصنیفات ہیں مثلاً: الردة، الجمل، صفین وغیرہ۔

❹ یہ نصر بن مزاحم بن سیار المنقری الکوفی ہے۔ امام ذہبی فرماتے ہیں: یہ کٹر رافضی تھا، محدثین نے اس کو متروک قرار دیا ہے، اس کی وفات ۲۱۲ھ میں ہوئی اس کی تصنیفات میں وقعة صفین مطبوع ہے، اور الجمل، مقتل الحسین بھی اس کی تالیفات میں سے ہیں۔ دیکھیے: میزان الاعتدال (۴/ ۲۵۳)

❺ اصول مذهب الشيعة الامامية/ ناصر الغفاری (۳/ ۱۴۵۷)

❻ ایضاً

❼ اصول مذهب الشيعة الامامية/ ناصر الغفاری (۳/ ۱۴۵۹)

تحریر کیا تھا ان مغربیت زدہ حضرات نے اسے ہضم کیا اور اسی کو اپنی اصل واساس قرار دے کر ان کے افکار و شبہات کو اسلامی ممالک میں پھیلانے میں لگ گئے۔ مسلمانوں کے افکار و ثقافت پر اس کا بہت برا اثر پڑا۔ ان تمام برائیوں کی اصل رفض رہی، مستشرقین کے آراء وافکار اور تشیع کے ساتھ ان کے تعلق کا تحقیقی مطالعہ اہم ترین موضوع ہے، اور وہ تحقیق و بحث کا مستحق ہے۔ علامہ ابن حزم (ت ۴۵۶ھ) کے دور سے ہی روافض کے شبہات واکاذیب اور اسلام و مسلمانوں کے خلاف ان کی افتراپردازیوں سے دشمن کافر نے استفادہ شروع کر دیا تھا۔ ❶

ب:......بعض معاصر علمائے امت کی تصنیفات جو بالجملہ مفید ہیں ❷ لیکن واقعات کو پیش کرنے کا طریقہ اور بعض صحابہ و تابعین کے مواقف کی تفسیر میں بہت زیادہ ناانصافی ہے مثلاً ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ کی کتاب ''خلافت وملوکیت'' ❸ اور محمد ابوزہرہ رحمہ اللہ کی کتاب ''تاریخ الامم الاسلامیۃ'' اور ''الامام زید بن علی''۔ یہ کتابیں بعض صحابہ پر حملوں اور بنوامیہ پر طعن و تشنیع سے بھری ہیں، انہیں خصائل حمیدہ اور عمل صالح سے عاری قرار دیا گیا ہے۔ ❹ ظاہر ہوتا ہے کہ ان علماء نے تاریخی روایات کی تحقیق سے کام نہیں لیا، اور رافضی و شیعی روایات کو اختیار کر لیا، انہی پر اپنی تحقیق و تجزیہ کی بنیاد رکھی۔ اللہ انہیں اور ہمیں معاف فرمائے۔

ج:......وہ تالیفات جس کے مولفین نے تاریخی روایات کے نقد کے سلسلہ میں علمائے جرح و تعدیل کا منہج اختیار کیا ہے، اور صحیح وضعیف میں تمیز کی خاطر سند و متن کے سلسلہ میں انہیں محدثین کے اصولوں پر جانچا ہے، یہ تالیفات قابل قدر اور بہترین کوشش ہیں۔ اس طرح ان کتابوں سے اس باطل کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے اور ان تاریخی واقعات کی صحیح تفسیر سامنے آسکتی ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضل و ایمان اور جہاد سے متعارض نہیں۔ ❺

(۲)......فتنہ قتل عثمان رضی اللہ عنہ کے اسباب

امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عثمان رضی اللہ عنہ بارہ سال تک امیر المومنین رہے، شروع کے چھ سال آپ پر کسی کو کوئی اعتراض نہ تھا، آپ قریش کے نزدیک عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے زیادہ محبوب تھے کیوں کہ عمر رضی اللہ عنہ ان پر سخت تھے اور عثمان رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ نرم تھے اور صلہ رحمی کرتے تھے۔ پھر اس کے بعد فتنہ شروع ہوا۔ مسلم مورخین نے عہد عثمانی کے نصف ثانی (۳۰ ـــ ۳۵ھ) میں رونما ہونے والے واقعات کو فتنہ سے تعبیر کیا ہے جس کے نتیجہ میں

---

❶ اصول مذهب الشيعه الامامية الاثنى عشرية (۳/ ۱۴۵۹)

❷ یہ کسی حیثیت سے بھی مفید نہیں ہیں بلکہ شیعی کتب سے بھی زیادہ مضر ہیں اور اعدائے اسلام اور روافض کے لیے بہترین ہتھیار کا کام دیتی ہیں جو اہل سنت کے خلاف استعمال کرتے ہیں کیوں کہ ان کے مصنفین اپنے آپ کو اہل سنت کہتے ہیں۔ (مترجم)

❸ اس کتاب کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے حافظ صلاح الدین یوسف کی کتاب ''خلافت وملوکیت کی تاریخی و شرعی حیثیت'' کا مطالعہ ضروری ہے۔ (مترجم)

❹ احداث و احاديث فتنة الهرج ص (۸۱) ❺ ایضاً

عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت پیش آئی۔ [1] مسلمانوں کے درمیان ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے دور خلافت میں اور عثمان رضی اللہ عنہ کے شروع میں کوئی اختلاف نہ تھا، پھر آپ کے آخری دور میں کچھ ایسے حالات پیدا ہوئے کہ اختلاف رونما ہوا، فتنہ پرور اٹھے اور عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا، اور اس کے بعد مسلمانوں میں اختلاف برپا ہو گیا۔ [2]

۱۔ جاہلی عصبیت:

ابن خلدون کا بیان ہے: جب فتوحات تکمیل کو پہنچیں، ملت اسلامیہ کے لیے سلطنت مکمل ہو گئی، عرب سرحدی شہروں بصرہ، کوفہ، شام و مصر میں سکونت پذیر ہو گئے، اور جب رسول اللہ ﷺ کی صحبت اور آپ کے اخلاق و عادات کی اقتداء سے سرفراز ہونے والے مہاجرین، انصار، قریش اور اہل حجاز رہے جب کہ باقی عرب بنو بکر، عبدالقیس، ربیعہ، ازد، کندہ، تمیم، قضاعہ وغیرہ میں سے قلیل افراد کے علاوہ کو صحبت کا یہ مقام نہ مل سکا، لیکن اسلامی فتوحات میں ان لوگوں نے کارہائے نمایاں انجام دیے تھے اور اس کو اپنی خصوصیات شمار کرتے تھے، نیز اپنے فضلاء بزرگ یعنی سابقون اولون کی فضیلت کے معترف تھے اور ان کے حق کو سمجھتے تھے، نبوت و وحی اور فرشتوں کے نزول کے سلسلہ میں ایک طرح کی حیرت و تعجب کا شکار تھے، لہٰذا جب یہ سیلاب رواں رکا اور تھوڑی غفلت طاری ہوئی، دشمن ذلیل ہوا سلطنت پھیل گئی اور جاہلی رگیں پھڑک رہی تھیں اور دیکھا کہ مہاجرین و انصار اور قریش و دیگر لوگ ان پر قیادت کر رہے ہیں تو ان نفوس نے اسے قبول کرنے سے انکار کیا، اور یہ سب کچھ عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں پیش آیا آپ کے گورنروں پر طعن و تشنیع شروع ہوا، بات بات پر ان پر تنقیدیں ہونے لگیں، ان کی اطاعت سے گریز کرنے لگے، ان کی معزولی و تبدیلی کا مطالبہ ہونے لگا اور عثمان رضی اللہ عنہ پر نکیر کرنے لگے۔ ان کے متبعین میں یہ بات پھیل گئی پھر وہ اپنے اپنے مقام پر ظلم کی باتیں کرنے لگے اور اس کی خبریں مدینہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پہنچیں شکوک و شبہات کو عام ہونے کا موقع ملا اور عثمان رضی اللہ عنہ کی معزولی کی باتیں عام ہو گئیں۔ اس صورت حال میں عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے بعض امراء کو معزول کر دیا، اور صورت حال کا صحیح جائزہ لینے کے لیے لوگوں کو صوبوں میں روانہ کیا تاکہ صحیح رپورٹ پیش کریں...... یہ لوگ جائزہ لے کر واپس ہوئے اور یہ رپورٹ پیش کی کہ صورت حال بالکل صحیح ہے، افواہیں غلط ہیں، کوئی قابل اعتراض چیز نہیں دیکھی گئی، اور عوام و خواص کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہے۔ [3]

۲۔ اسلامی فتوحات کا رک جانا:

عثمان رضی اللہ عنہ کے آخری دور میں طبعی اور بشری رکاوٹوں کے سامنے اسلامی فتوحات کا سلسلہ رک گیا اور آگے نہ بڑھا خواہ فارس کی سمت میں ہو یا شام کی سمت میں یا افریقہ (تونس) کی جہت میں، جس کے نتیجہ میں مال غنیمت

[1] طبقات ابن سعد (۱/ ۳۹-۴۷)، البدایۃ والنہایۃ (۷/ ۱۴۴-۱۴۹)، الخلفاء الراشدون، الخالدی، ص (۱۱۲)

[2] مجموع الفتاوی (۱۳/ ۲۰)

[3] تاریخ ابن خلدون (۲/ ۴۷۷)

کی آمدنی بند ہوگئی۔ دیہاتی یہ سوال کرنے لگے کہ مال غنیمت کیا ہوا اور مفتوحہ زمینیں کدھر گئیں؟ انہیں یہ لوگ اپنا حق سمجھتے تھے۔ [1] اور یہ باطل افواہیں لوگوں میں پھیلیں اور عثمان رضی اللہ عنہ کو متہم قرار دیا گیا کہ وہ ان مفتوحہ زمینوں میں اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق تصرف کر رہے ہیں، اور جس کو چاہتے ہیں جاگیر عطا کر دیتے ہیں، اس پروپیگنڈہ کا دیہاتیوں پر زبردست اثر ہوا کیوں کہ ان کے پاس کوئی کام نہ تھا، اپنے اوقات کا ایک حصہ کھانے پینے اور سونے میں خرچ کرتے تھے اور ایک حصہ ملکی سیاست پر تبصرہ اور عثمان رضی اللہ عنہ کے تصرفات سے متعلق سبائیوں کی پھیلائی ہوئی افواہوں میں صرف کرتے۔ اس صورت کا احساس و ادراک عثمان رضی اللہ عنہ کے گورنر عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو ہوا، چنانچہ عثمان رضی اللہ عنہ نے اس سلسلے میں اپنے گورنروں سے مشورہ طلب کیا۔ آپ اپنے گورنروں سے برابر مشورہ کرتے رہتے تھے، اور انہیں حکم دیتے کہ وہ اس سلسلہ میں پوری کوشش کریں، اور اپنے مشوروں سے مطلع کرتے رہیں۔ تو عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے آپ کو مشورہ دیا کہ لوگوں کو جہاد کا حکم دیں اور انہیں جہاد میں اس قدر مشغول کر دیں کہ انہیں سر کھجانے کا موقع نہ رہے۔ [2]

فکر و نظر کے اس ماحول میں وہ افراد جو غزوات کے عادی تھے اور دین کو کچھ زیادہ نہیں سمجھا تھا اور اس کی فہم و بصیرت سے عاری رہے، ان سے ہر برائی کی توقع کی جا سکتی ہے ان دیہاتیوں کو کوئی بھی بھڑکا سکتا ہے، اور پھر فتنہ و فساد برپا کرنے کے لیے وہ بھڑک سکتے ہیں، اور بالفعل ایسا ہی ہوا، چنانچہ فتوحات کے رک جانے کی وجہ سے ان دیہاتیوں نے فتنہ برپا کرنے میں حصہ لیا، اور اس کے پھوٹ پڑنے کا سبب بنے۔ [3]

۳۔ پرہیزگاری و ورع کا غلط مفہوم:

شریعت اسلامیہ میں ورع اور پرہیزگاری اچھی چیز ہے، ورع کہتے ہیں کہ انسان غیر مباح کام میں واقع ہونے کے خوف سے مباح کام کو چھوڑ دے۔ چنانچہ ورع درحقیقت اللہ کی محبت میں اور اللہ کی خاطر مباحات سے رک جانے کا نام ہے۔ ورع ایک انفرادی چیز ہے، اس کے لیے یہ تو درست ہے کہ اپنے نفس سے اس کا مطالبہ کرے لیکن اس کے لیے یہ مناسب نہیں کہ دوسروں سے اس کا مطالبہ کرنے اور انہیں ایسا کرنے پر مجبور کرے، سب سے خطرناک ورع جاہلی ورع ہے جس میں مباح کو حرام یا فرض قرار دے دیا جائے، اس بیماری میں عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف فتنہ برپا کرنے والے گرفتار ہوئے۔ [4] اعدائے اسلام نے ان کے ان احساسات کا استغلال کیا اور ان کے اندر اس کی پھونک ماردی، چنانچہ عثمان رضی اللہ عنہ نے جو مباحات اور مصالح اختیار کیے اسے جاہلوں نے اسلام سے بغاوت اور سنت سابقہ میں تغیر و تبدیلی تصور کیا، اور ان کی نگاہوں میں یہ مسائل سنگین نظر آئے، پھر

[1] تحقیق مواقف الصحابة فی الفتنة (۱/ ۳۴۴)
[2] تاریخ الطبری (۲/ ۳۴۰)
[3] تحقیق مواقف الصحابة فی الفتنة ص (۳۵۳)
[4] الاساس فی السنة (۴/ ۱۶۷۶)

انہوں نے خلیفہ راشد عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کو حلال کر لیا، یا اس طرح کے لوگوں کا بھرپور ساتھ دیا اور ہمیشہ کے لیے مسلمانوں پر فتنہ کا دروازہ وا کر دیا، اس جاہلی ورع و پرہیز گاری کا مشاہدہ آج ہم بعض مسلمانوں کے تصرفات میں کر رہے ہیں جو اسلامی احکام کو اپنے خواہشات و تصورات یا عادات و تقالید کے موافق ڈھالنا چاہتے ہیں۔ [1]

۴۔ جاہ طلبی:

صحابہ کی اولاد میں کچھ لوگ ایسے تھے جو اپنے آپ کو حکومت و سلطنت کا زیادہ مستحق سمجھتے تھے لیکن ان کے سامنے اس کے راستے بند تھے، عام طور سے ایسے لوگ جب اپنی امنگوں کی تکمیل کے لیے کوئی راستہ نہیں پاتے ہیں تو ہر انقلابی کارروائی میں اپنے آپ کو داخل کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں، پس ایسے افراد کا علاج انتہائی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ [2]

۵۔ کینہ وروں کی سازش:

اسلام میں وہ منافقین داخل ہوئے جو اپنے مقاصد میں ناکام رہے تھے ان کے اندر بغض و کینہ، چالاکی و مکاری بھری تھی، انہوں نے نقطۂ ضعف کو معلوم کر لیا جس سے وہ فتنہ برپا کرنے میں کامیاب ہو سکتے تھے، اور پھر انہیں کچھ ان کی بات سننے والے مل گئے جس کے نتیجہ میں جو کچھ ہونا تھا ہوا۔ [3]

اس سے قبل ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ یہود و نصاریٰ اور فارسی یہ سب اسلام اور اسلامی سلطنت سے خار کھائے ہوئے بغض و حسد میں ڈوبے تھے، یہاں اس فہرست میں ان لوگوں کا اضافہ کر لیجیے جنھیں کسی جرم کے ارتکاب میں سزا دی گئی تھی یا ان پر حد جاری کی گئی تھی اور خلیفہ یا اس کے گورنروں نے ان کی گرفت کی تھی، خاص کر بصرہ و کوفہ اور مصر و مدینہ میں بہرحال اس صورت حال میں اس سے حاقدین یہود و نصاریٰ اور فارسیوں اور جرائم پیشہ لوگوں نے فائدہ اٹھایا، اور لوگوں کو بھڑکایا جن میں اکثریت ان بدوؤں کی تھی جنھیں دین کا صحیح فہم و بصیرت حاصل نہ تھی۔ ان لوگوں کی ایک ایسی جماعت تیار ہو گئی جن سے جو لوگ بھی ملے اور گفتگو کی انہوں نے انہیں شر پسند ہی قرار دیا، اور ان کے یہ اوصاف بیان کیے: صوبوں کے فسادی لوگ، قبائل کے جھگڑالو لوگ، چشموں پر رہنے والے اور مدینہ کے غلام، [4] عرب کے بے وقوف، [5] ادنیٰ درجہ کے گئے گزرے لوگ، شرارت پر متفق [6] بے وقوف، فقہ و بصیرت سے عاری [7] کمینے، قبائل کے اوباش، [8] سنگ دل وحشی، قبائل کے فسادی اور رذیل لوگ، نیچے درجے کے کمینے [9] شیطان کے آلہ کار۔ [10]

1. احداث و احادیث فتنۃ الھرج ص (۵۱۷) 2. الاساس فی السنۃ (۴/ ۱۶۷۶) 3. ایضًا (۴/ ۱۶۷۶)
4. دراسات فی عہد النبوۃ و الخلافۃ الراشدۃ ص (۳۹۲) 5. ایضاً
6. الطبقات (۳/ ۷۱) 7. دراسات فی عہد النبوۃ و الخلافۃ الراشدۃ ص (۳۹۲)
8. شذرات الذھب (۱/ ۴۰) 9. شرح صحیح مسلم (۱۵/ ۱۴۸، ۱۴۹)
10. تاریخ الطبری (۵/ ۳۲۷)

تاریخی مراجع اور مصادر میں عبداللہ بن سبا یہودی کا نام ان شر پسند حاقدین کے ساتھ مذکور ہے کہ یہ یہودی تھا پھر اسلام ظاہر کیا، کسی نے اس کے عزائم و مقاصد کو نہیں ٹٹولا، اور پھر یہ شخص اسلامی شہروں میں مسلمانوں کی طرح چکر لگاتا رہا۔❶ ان شاء اللہ عنقریب اس سے متعلق مستقل طور پر تفصیل بیان ہوگی۔

۶۔ عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف اعتراضات و بغاوت کی آگ بھڑکانے کی محکم تدبیر:

مختلف ملے جلے اسباب وعوامل کے نتیجہ میں معاشرہ افواہوں اور الٹی سیدھی باتوں کو قبول کرنے کے لیے تیار تھا، اور زمین اس کے لیے سازگار تھی اور معاشرہ خلاف ورزیاں اخذ کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا، فتنہ برپا کرنے والے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بہانے امراء اور گورنروں پر تنقید وطعن پر متفق ہو چکے تھے، اور لوگوں کو اپنا ہم نوا بنا لیا تھا اور خود عثمان رضی اللہ عنہ پر خلیفہ ہونے کی حیثیت سے طعن و تشنیع شروع ہو چکا تھا، اگر ہم ان اتہامات اور دعووں کو جمع کریں جو خلیفہ کے خلاف پھیلائے گئے تھے تو انہیں پانچ خانوں میں جمع کر سکتے ہیں:

۱۔ خلافت سے قبل کے ذاتی مواقف: بعض غزوات اور مواقع سے غائب رہنا۔

۲۔ مالی سیاست: عطیے اور چراگاہیں۔

۳۔ انتظامی واداری سیاست: اقرباء کی تولیت، طریقہ تولیت۔

۴۔ ذاتی یا مصالح امت کے پیش نظر اجتہادات: منیٰ میں اتمام صلاۃ، جمع قرآن، مسجد نبوی میں توسیع۔

۵۔ بعض صحابہ کے ساتھ آپ کا معاملہ: عمار، ابوذر، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم۔❷

ان تمام اتہامات کے سلسلہ میں عثمان رضی اللہ عنہ کے موقف کی وضاحت ہم اپنے مقام پر کر چکے ہیں، اب صرف عمار رضی اللہ عنہ کے سلسلہ میں وضاحت باقی ہے ان شاء اللہ اس سلسلہ میں گفتگو آرہی ہے۔ عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف تنقید و مطاعن کو بیان کرنے میں مبالغہ آرائی سے کام لیا گیا، خواہ آپ کے دور میں ہو جب کہ آپ نے ان کا مسکت جواب دیا تھا اور خواہ بعد کے ادوار میں راویان اور مصنّفین کے یہاں ہو، لیکن یہ صحیح نہیں ہیں اور یہ اس حد کو نہیں پہنچتی ہیں کہ خلیفہ کے قتل کا سبب ثابت ہوں۔❸

تاریخ طبری وغیرہ کتب تاریخ میں مکتوب اور مجہول اور ضعیف اخباریوں اور رافضیوں کی سند طریق سے مروی مذکورہ اعتراضات خلفاء وائمہ کی سیرتوں سے متعلق حقائق کے خلاف عظیم مصیبت ثابت ہوئے ہیں۔ خاص طور سے اضطرابات وفتن کے ادوار میں، اور افسوس کی بات ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کی سیرت کو اس سلسلہ میں حظ وافر ملا ہے۔ آپ کی روشن سیرت کو داغدار کر کے اور اس کو مسخ کر کے لوگوں کو آپ کے خلاف برانگیختہ کرنے کی پوری کوشش کی گئی ہے۔ عثمان رضی اللہ عنہ کو بذات خود اس کا علم ہو گیا تھا، اس لیے آپ نے اپنے امراء اور گورنروں کے نام

---

❶ دراسات فی عهد النبوة و الخلافة الراشدة، ص (۳۹۳) ❷ ایضًا، ص (۳۹٤)

❸ دراسات فی عهد النبوة و الخلافة الراشدة ص (٤٠٠)

تحریر فرمایا: حمد وصلاۃ کے بعد معلوم ہو رعیت انتشار کا شکار ہے، حرص میں لگ چکی ہے اور اس کے تین اسباب ہیں: ترجیح دی جانے والی دنیا، تیز رفتار باطل افکار ونظریات اور سینوں میں چھپا ہوا کینہ وحسد۔ ❶

امام ابن العربی رحمہ اللہ ان تمام اعتراضات سے متعلق فرماتے ہیں: ظالموں نے کذابوں کی روایتوں کے سہارے یہ کہا کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت میں مظالم ومنکرات کا ارتکاب کیا حالاں کہ یہ سب کا سب سند ومتن دونوں اعتبار سے باطل ہے۔ ❷

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے وضاحت کی ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ معصوم نہ تھے، فرماتے ہیں: قاعدہ کلیہ ہے کہ ہم نبی کریم ﷺ کے بعد کسی کو معصوم نہیں مانتے، بلکہ خلفاء اور دیگر لوگوں سے غلطیاں اور گناہ صادر ہو سکتے ہیں، وہ اس سے توبہ کرتے ہیں اور ان کی ڈھیر ساری نیکیاں اور ابتلاء ومصائب ان کے لیے کفارۂ سیئات ثابت ہوتے ہیں، اور ان کے علاوہ امور بھی ان کے لیے کفارہ ہو سکتے ہیں تو جو کچھ عثمان رضی اللہ عنہ سے متعلق منقول ہے وہ غلط ہے یا گناہ، عثمان رضی اللہ عنہ کو اسباب مغفرت مختلف شکلوں میں حاصل ہیں۔ آپ کی طاعت اور نیکیاں، نبی کریم ﷺ کی شہادت، بلکہ مصیبت کے ساتھ جنت کی بشارت ❸ اور پھر آپ نے ان تمام اعتراضات سے جو آپ پر اٹھائے گئے توبہ کی اور بہت بڑی آزمائش سے دوچار ہوئے۔ جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کی خطاؤں کو معاف کر دیا، اور صبر کا دامن تھامے رکھا یہاں تک کہ آپ مظلوم شہید ہوئے۔ اور یہ سب سے عظیم چیز ہے جس سے اللہ خطائیں معاف کر دیتا ہے۔ ❹

۷۔ لوگوں کو برانگیختہ کرنے والے وسائل واسلوب اختیار کرنا:

لوگوں کو برانگیختہ کرنے والے وسائل میں سب سے اہم اسلوب سنسنی خیز افواہوں کی اشاعت تھی۔ پھر لوگوں کو آپ کے خلاف بھڑکانا، اور براہ راست لوگوں کے سامنے خلیفہ سے مناظرہ ومجادلہ پر اتر آنا اور گورنروں کے خلاف طعن وتشنیع اور اعتراضات کی بھرمار تھی۔ اسی طرح اکابرین صحابہ ام المومنین عائشہ، علی، طلحہ، زبیر رضی اللہ عنہم کے نام منسوب جعلی اور من گھڑت خطوط پھیلانا اور پھر یہ اشاعت کرنا کہ علی رضی اللہ عنہ خلافت کے زیادہ حق دار ہیں، آپ رسول اللہ ﷺ کے بعد آپ کے وصی ہیں، بصرہ کوفہ اور مصر میں خلیفہ مخالف تنظیم قائم کرنا، اور ہر شہر میں چار چار جماعتیں تشکیل دینا جو اس بات کی دلیل ہے کہ پہلے سے اس کی منصوبہ بند تدبیر کی گئی تھی، اور مدینہ والوں کو باور کرایا کہ یہ لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دعوت پر مدینہ آئے ہیں۔ اور پھر حالات کو اس قدر کشیدہ کیا کہ قتل کی شکل میں نتیجہ ظاہر ہوا۔ ان وسائل کے ساتھ ساتھ انہوں نے مختلف نعرے استعمال کیے مثلاً تکبیر، اور یہ کہ ان کا یہ

---

❶ التمهيد والبيان ص (٦٤) ❷ العواصم من القواصم ص (٦١-٦٣)

❸ مسلم ، فضائل الصحابة (٤/ ١٨٦٧-١٨٦٩)

❹ ذوالنورين عثمان بن عفان/ محمد مال الله ص (٦٣)

جہاد ظلم کے خلاف ہے، وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کر رہے ہیں، گورنروں کی تبدیلی اور معزولیت کا مطالبہ، اس مطالبہ نے ترقی کرتے ہوئے خلیفہ کی برطرفی کی شکل اختیار کر لی، پھر ان کی جرأت اس قدر بڑھی کہ خلیفہ کو قتل کرنے میں تیزی دکھائی، خاص کر جب انہیں یہ خبر ملی کہ خلیفہ کی نصرت کے لیے صوبوں سے کمک پہنچ رہی ہے، خلیفہ پر گرفت کے جذبات بھڑکے، اور کسی بھی طرح خلیفہ کو قتل کرنے کا شوق بڑھا۔ [1]

۸۔ فتنے برپا کرنے میں سبائیوں کا اثر اور فتنہ کی تحریک میں عبداللہ بن سبا کا کردار

عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری سالوں میں مذکورہ تبدیلی کے اسباب وعوامل کے نتیجہ میں اسلامی معاشرہ کے افق پر اضطراب کے آثار رونما ہونا شروع ہوئے۔ بعض یہود اس موقع کے انتظار میں تھے اور انہوں نے فتنہ کے اسباب وعوامل کو اختیار کیا، اور اسلام کا لبادہ اور تقیہ کی چادر اوڑھ کر میدان میں اتر آئے، انہی میں سے عبداللہ بن سبا تھا جس کا لقب ابن السوداء تھا، جس طرح ابن سبا کے کردار کے سلسلہ میں مبالغہ آرائی صحیح نہیں ہے، جیسا کہ بعض لوگوں نے کیا ہے، [2] اسی طرح اس کے کردار سے متعلق تشکیک بھی جائز نہیں۔ فتنہ برپا کرنے میں اس نے جو کردار ادا کیا ہے اس کو معمولی قرار نہیں دیا جا سکتا، فتنہ کے اسباب واعوامل میں اس کا کردار اہم ترین اور انتہائی خطرناک رہا ہے، اگرچہ وہ فضا فتنہ کے لیے سازگار تھی اور دیگر اسباب وعوامل نے اس کا ساتھ دیا تھا۔ ابن سبا ایسے افکار وعقائد لے کر آیا جس کو اس نے خود سے گھڑا، اور بدباطن یہودیت سے اخذ کیا، اور پھر اسلامی معاشرہ میں اپنے مقاصد کی برآری کے لیے اس کی ترویج واشاعت کرنے لگا۔ اس کا مقصد اسلامی معاشرہ کی وحدت کو پارہ پارہ کرنا، فتنہ کی آگ بھڑکانا اور مسلمانوں کے درمیان اختلاف وانتشار کا بیج بونا تھا، یہ ان جملہ عوامل واسباب میں سے تھے جس کے نتیجہ میں عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل ہوا، اور امت مختلف فرقوں اور پارٹیوں میں بٹ گئی۔ [3]

اس کے کرتوتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ اس نے سچائی کی ترجمانی دعووں کو اساس بنایا اور اس پر اپنے فاسد مبادی کی بنیاد قائم کی، جو سادہ لوح، غالی اور باطل افکار وخواہشات کے حاملین کے درمیان خوب پھیلے، اس نے پر پیچ راستہ اختیار کیا، اور اپنے مریدوں کو دھوکہ دیا، اور وہ اس کے افکار ونظریات سے متفق ہو گئے، اس شخص نے قرآن کا سہارا لیا اور اپنے زعم فاسد کے مطابق اس کی تاویل شروع کی، چنانچہ اس نے کہا: لوگوں پر تعجب ہے کہ وہ یہ تو جانتے ہیں کہ عیسیٰ (علیہ السلام) قرب قیامت میں دنیا میں لوٹ کر آئیں گے، لیکن محمد ﷺ کی رجعت کی تکذیب کرتے ہیں، حالاں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَادُّكَ إِلَىٰ مَعَادٍ﴾ (القصص : ۸۵)

---

[1] دراسات فی عہد النبوۃ و الخلافۃ الراشدۃ ص (۴۰۲)

[2] دیکھیے: سعید افغانی کی کتاب: عائشۃ والسیاسۃ

[3] تحقیق مواقف الصحابۃ (۱/ ۳۲۷)

''بے شک جس اللہ نے آپ پر قرآن نازل کیا ہے وہ آپ کو دوبارہ پہلی جگہ لانے والا ہے۔''

لہٰذا محمد صلی اللہ علیہ وسلم عیسیٰ علیہ السلام کی بہ نسبت رجعت کے زیادہ حقدار ہیں۔ [1]

اسی طرح اس نے دوسرے قیاس فاسد کا سہارا لیا اور علی رضی اللہ عنہ کے لیے وصیت کے اثبات کا دعویٰ کرتے ہوئے کہا: ''ہزار انبیاء گزرے ہیں اور ہر نبی نے اپنا ایک وصی چھوڑا ہے، اور علی رضی اللہ عنہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی ہیں۔''

نیز کہا: ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں، اور علی رضی اللہ عنہ خاتم الاوصیاء ہیں۔'' [2]

جب اس کے متبعین کے اندر یہ چیزیں جاگزیں ہوگئیں تو وہ اپنے منصوبہ ومقصد کی طرف آگے بڑھا اور وہ مقصد عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کا تھا اور یہ بعض لوگوں کی خواہشات کے عین موافق ثابت ہوا۔ اس نے لوگوں سے کہنا شروع کیا کہ بھلا بتاؤ اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کو نافذ نہ ہونے دے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی کی کرسی پر کود کر بیٹھ جائے، اور خلافت کو اپنے ہاتھ میں لے لے؟ پھر یہ کہنا شروع کیا کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے بغیر حق کے خلافت لی ہے، ان کا یہ حق نہ تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی موجود ہیں، لہٰذا تم اس سلسلہ میں اٹھو اور ان کو حرکت دلاؤ، اپنے امراء وافسران پر طعن وتنقید شروع کرو، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ظاہر کرو، لوگوں کو اپنی طرف مائل کرو اور انہیں اس کی دعوت دو۔ [3]

عبداللہ بن سبا نے اپنے داعیان کو پوری خلافت میں پھیلا دیا، اور صوبوں کے ان حضرات سے خط وکتابت شروع کی جن کے دل ودماغ کو اپنے زہر سے مسموم کر چکا تھا، پھر ان سب نے خاموش دعوت شروع کی، اور بظاہر امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی ادائیگی کا نام لیا۔ دوسرے شہروں اور صوبوں کو خطوط بھیجتے اور اس میں اپنے صوبوں اور شہروں کے امراء وافسران کے من گھڑت عیوب ونقائص تحریر کرتے، ہر صوبے وشہر میں موجود سبائی دوسرے صوبے اور شہروں کو اس طرح کے خطوط ارسال کرتے، اور پھر ان خطوط کو پڑھ کر لوگوں کو سناتے، یہاں

---

[1] تاریخ الطبری (۵/ ۳۴۷) اس آیت کریمہ کی صحیح تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کے مولد مکہ جہاں سے نکلنے پر آپ مجبور کر دیے گئے تھے، وہاں واپس فاتحانہ طور پر پہنچائے گا، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی یہی تفسیر بیان فرمائی ہے، جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے۔ دیکھیے: صحیح بخاری حدیث نمبر (۴۷۷۳) اور بعض مفسرین نے اس سے مراد قیامت لی ہے۔ دیکھیے: فتح الباری (۸/ ۳۶۹) رجعت شیعوں کے بنیادی عقائد میں سے ہے، وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ قرب قیامت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور علی، حسن و حسین رضی اللہ عنہم دوبارہ دنیا میں واپس آئیں گے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سے بدلہ دلائیں گے۔ (العیاذ باللہ) اس گمراہ کن باطل عقیدہ کا بانی عبداللہ بن سبا ہے جیسا کہ شیعی کتب نے اعتراف کیا ہے۔ (مترجم)

[2] تاریخ الطبری (۵/ ۳۴۷) وصایت کا عقیدہ شیعوں کے عقائد میں سے ہے یعنی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کی وصیت کی تھی، حالاں کہ ایسی کسی وصیت کا کوئی ثبوت نہیں اگر ایسی کوئی وصیت ہوتی تو علی رضی اللہ عنہ اور اہل بیت اس کو مسلمانوں کے سامنے پیش کرتے اور مسلسل تین خلفاء کے ہاتھوں پر بیعت کر کے کتمان حق نہ کرتے۔ درحقیقت یہ بھی عبداللہ بن سبا کا من گھڑت عقیدہ ہے۔ (مترجم)

[3] تاریخ الطبری (۵/ ۳۴۸)

تک کہ مدینہ کو بھی انہوں نے اپنی لپیٹ میں لے لیا، اور پوری خلافت میں اس کو پھیلا دیا۔ ان کے ظاہر و باطن میں فرق تھا۔ ہر صوبے و شہر کے لوگ جب ان خطوط کو سنتے تو یہی کہتے کہ بھائی ہم تو عافیت میں ہیں، ان مصائب سے ہم بچے ہوئے ہیں جن میں یہ لوگ مبتلا ہیں، البتہ مدینہ کی کیفیت اس سے مختلف تھی کیوں کہ وہاں تمام صوبوں سے اس طرح کے خطوط پہنچ رہے تھے، اس لیے وہ کہتے کہ ہم ان مصیبتوں سے عافیت میں ہیں جس میں دیگر تمام لوگ مبتلا ہیں۔ ❶

اس تاریخی نص سے اس اسلوب کا پتہ چلتا ہے جو ابن سبا نے اختیار کیا تھا۔ اس نے لوگوں کی نگاہوں میں دو صحابہ کرام کے درمیان اختلاف بٹھانا چاہا، جس میں سے ایک کو مظلوم اور حق کا مارا قرار دیا وہ علی رضی اللہ عنہ تھے، اور دوسرے کو ظالم و غاصب قرار دیا وہ عثمان رضی اللہ عنہ تھے۔ اور پھر لوگوں کو گورنروں اور افسران کے خلاف امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے نام سے بھڑکانے کی کوشش کی، خاص کر کوفہ میں۔ یہ لوگ معمولی معمولی باتوں پر اپنے گورنروں اور افسران کے خلاف بھڑک اٹھتے۔ ابن سبا نے اپنی کامل ہوشیاری سے اپنی اس تحریک میں دیہاتیوں پر توجہ مرکوز رکھی، کیوں کہ اپنے عزائم کی تکمیل کے لیے ان کے اندر خام مادہ پایا، اور پھر قراء کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے نام سے گمراہ کیا، اور ان میں سے جو لالچی اور اقتدار کے بھوکے تھے انہیں عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف من گھڑت اور غلط پروپیگنڈہ اور افواہوں کے ذریعے سے گمراہ کیا مثلاً اقرباء پروری، بیت المال کے مال کو قرابت داروں پر بے دریغ خرچ کرنا، اپنے لیے چراگاہوں کو خاص کر لینا وغیرہ اتہامات جس کے ذریعے سے عوام کو عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بھڑکایا۔ پھر اس نے اور پیروکاروں کو اس بات پر ابھارا کہ وہ اپنے اپنے شہروں اور صوبوں کے سلسلہ میں دوسرے صوبے اور شہروں کو بری اور پریشان کن خبریں تحریر کر کے ارسال کریں تاکہ اس طرح لوگ یہ خیال کر لیں کہ دوسرے لوگ بہت برے حالات میں ہیں، اس سے بری حالت نہیں ہو سکتی ہے۔ پھر اس کا فائدہ سبائی تحریک کے حاملین کو ہوگا کیوں کہ لوگوں کی طرف سے اس کی تصدیق سے ان کو یہ موقع ملے گا کہ وہ اسلامی معاشرہ کے اندر فتنہ کی آگ بھڑکا سکیں۔ ❷

عثمان رضی اللہ عنہ نے اس سازش کو محسوس کر لیا کہ صوبوں میں سازش رچی جا رہی ہے، چنانچہ فرمایا: ''فتنہ کی چکی چلنے والی ہے، عثمان کے لیے خوشخبری ہے اگر وہ مر جائے اور اس چکی کو حرکت نہ دے۔'' ❸

ابن سبا نے اپنا مرکز مصر کو بنایا، اور وہاں سے عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف اپنی تحریک کو منظم کرنا شروع کیا، اور فتنہ

---

❶ تاریخ الطبری (۵/ ۳۴۸)

❷ الدولة الاموية/ يوسف العش ص (۱٦۸)، تحقيق مواقف الصحابة (۱/ ۳۳۰)

❸ تاریخ الطبری (۵/ ۳۵۰)

کو بھڑکانے کے لیے لوگوں کو مدینہ کی طرف خروج کرنے پر ابھارنا شروع کیا، اس دعویٰ کے ساتھ کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے خلافت ناحق لی ہے، اور رسول اللہ ﷺ کے وصی علی رضی اللہ عنہ کی کرسی پر غاصبانہ قبضہ کرلیا ہے۔ [1]

پھر انہیں جعلی خطوط سے دھوکا دیا کہ یہ اکابرین صحابہ کی طرف سے خطوط آئے ہیں یہاں تک کہ جب یہ دیہاتی مدینہ پہنچے اور صحابہ سے ملے تو ان کی طرف سے کوئی حوصلہ افزائی نہیں ہوئی، بلکہ انہوں نے ان خطوط سے انکار کیا جو عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بھڑکانے کے لیے پیش کیے گئے تھے۔ [2] ان لوگوں نے دیکھا کہ عثمان رضی اللہ عنہ لوگوں کے حقوق ادا کرتے ہیں اور سب کے قدر داں ہیں۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے، جو باتیں آپ کی طرف منسوب کی گئی تھیں، اس سے متعلق ان سے مناظرہ کیا، اور ان کی افتراء پردازیوں کا پردہ چاک کیا، اور اپنی کارروائیوں کی صداقت واضح کی، یہاں تک کہ ان آئے ہوئے دیہاتیوں میں ایک شخص مالک اشترنخعی نے کہا: شاید ان کے اور تمہارے ساتھ جعل سازی کی گئی ہے۔ [3]

امام ذہبی رحمہ اللہ نے عبداللہ بن سبا کو مصر میں فتنہ کو برانگیختہ کرنے والا، گورنروں اور افسران پھر عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف غم وغصہ اور اختلاف و بغاوت کا بیج بونے والا قرار دیا ہے۔ [4]

اس تحریک میں ابن سبا تنہا نہ تھا بلکہ وہاں سازشوں اور فسادیوں کا ایک نیٹ ورک کام کر رہا تھا اور مکر و فریب، جعل سازی، دھوکا دہی کے اسالیب اور بدوؤں اور قراء کی بھرتی کا ایک جال بچھایا گیا تھا۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بلوائیوں کے ٹوٹ پڑنے کے اسباب میں سے عبداللہ بن سبا کا ظہور، اس کا مصر جانا اور لوگوں کے درمیان اپنی من گھڑت باتوں کو پھیلانا تھا، جس کی وجہ سے بہت سے مصری فتنہ میں پڑ گئے۔ [5]

سبائیوں کی یہ تحریک انتہائی منظّم تھی، ان کے منصوبے اس بات کی شہادت دیتے ہیں، یہ اپنے افکار و نظریات کی نشر و اشاعت میں انتہائی مہارت رکھتے تھے، فسادیوں اور عوام الناس کے درمیان پروپیگنڈہ اور اثر انداز ہونے کے مالک تھے، اور مختلف علاقوں میں اپنی تحریک کے فرعی مراکز قائم کرنے میں بڑے تیز تھے، خواہ بصرہ ہو یا کوفہ یا مصر ہر جگہ ان کے مراکز تھے۔ قبائلی عصبیتوں کو ابھارتے اور بدوؤں، غلاموں اور موالی کے درمیان غم وغصہ ابھارنے پر پوری قدرت رکھتے تھے، اور ان کے ارادوں اور ان کی زندگیوں کے حساس مواضع کا انہیں پورا پتہ تھا۔ [6]

---

[1] تحقیق مواقف الصحابۃ (۱/ ۳۳۰)، تاریخ الطبری (۵/ ۳۴۸)

[2] تحقیق مواقف الصحابۃ (۱/ ۳۳۰)، تاریخ الطبری (۵/ ۳۶۵) [3] ایضًا (۱/ ۳۳۱)

[4] تحقیق مواقف الصحابۃ (۱/ ۳۳۸) [5] البدایۃ والنہایۃ (۷/ ۱۶۷۔۱۶۸)

[6] تحقیق مواقف الصحابۃ فی الفتنۃ (۱/ ۳۳۹)

ساتواں باب

سیّدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا قتل

(۱)......فتنہ کا اشتعال

جھوٹے حاقد وفسادی، ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو کوفہ کی ولایت سے برطرف کرانے میں کامیاب ہو گئے، اور عثمان رضی اللہ عنہ نے سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا نیا گورنر مقرر فرما دیا۔ سعید رضی اللہ عنہ کوفہ پہنچ کر منبر پر تشریف لائے اور خطاب فرمایا: حمد وصلاۃ کے بعد، اللہ کی قسم میں تمہارے پاس گورنر بنا کر بھیجا گیا ہوں حالاں کہ یہ مجھے ناپسند ہے، لیکن جب امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ نے مجھے حکم دیا تو میرے پاس تسلیم وتنفیذ کے علاوہ کوئی چارہ نہ رہا۔ خبردار! فتنہ وفساد تمہارے درمیان سر اٹھا چکا ہے، اللہ کی قسم میں اس کو ختم کر کے رہوں گا، الا یہ کہ وہ غالب آ جائے، آج میں اپنے نفس کا رہنما ہوں۔ ❶

سعید رضی اللہ عنہ نے کوفہ کے حالات کا جائزہ لیا، تفصیلات حاصل کیں، اور لوگوں کی توجہات کو پہچانا، کوفہ کے اندر فتنہ وفساد کے گھر کرنے، مکر وفریب اور جعل سازی میں خوارج، حاقدین، فسادی اور اعدائے اسلام کی قوت اور پھر رائے عامہ پر فسادیوں، رذیلوں اور بدوؤں کے غلبہ کا اندازہ لگایا۔ ❷

سعید بن العاص رضی اللہ عنہ نے عثمان رضی اللہ عنہ کو خط لکھ کر کوفہ کے ناگفتہ بہ حالات سے باخبر کیا، اس خط میں آپ نے تحریر کیا: ''کوفیوں کا معاملہ مضطرب ہے، فضل وسبقت اور شرف والے مغلوب ہیں، اور اس شہر پر رذیلوں اور بدوؤں کا غلبہ ہے۔ شرف وسبقت والوں کو نظر انداز کیا جاتا ہے، ان کی کوئی حیثیت نہیں......''

اس خط کا عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب تحریر کیا، اور ان سے مطالبہ کیا کہ لوگوں کی پوزیشن کو نئی ترتیب دیں اور سبقت و جہاد کی بنیاد پر ان کی درجہ بندی کریں، علم وصدق اور جہاد والوں کو دوسروں پر مقدم رکھیں۔ اور اس خط کے اندر آپ نے لکھا: سبقت و جہاد کے حاملین کو فضیلت وفوقیت دو، جن ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ نے اس ملک پر فتح عطا کی ہے اور فتح کے بعد جو بدو وہاں آ کر آباد ہوئے ہیں، انہیں مجاہدین سابقین کے بعد رکھو، الا یہ کہ سابقین الی الاسلام جہاد وحق سے تھک چکے ہوں اور اسے چھوڑ کر بیٹھ گئے ہوں اور بعد والوں نے اس کو سنبھال لیا ہو۔ ہر انسان کے مقام ومرتبہ کی حفاظت کرو، اور ہر ایک کو ان کا حق دو، لوگوں کی معرفت ہی سے ان کے درمیان حق قائم ہو گا۔ ❸

---

❶ تاریخ الطبری (۵/ ۲۸۰)
❷ الخلفاء الراشدون/ الخالدی ص (۱۲۲)
❸ تاریخ الطبری (۵/ ۲۸۰)

سعید رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کی ان توجیہات وتعلیمات کی تنفیذ کی، اور اپنی کارکردگی سے خلیفہ کو باخبر کیا۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے مدینہ میں اہل حل وعقد کو جمع کیا اور انہیں کوفہ کی صورت حال اور وہاں فتنہ وفساد کے جڑ پکڑنے اور اس کے مقابلہ کے لیے سعید رضی اللہ عنہ کی کارروائی کی اطلاع دی۔ لوگوں نے آپ کی تائید کرتے ہوئے کہا: آپ نے جو کچھ کیا اچھا کیا، آپ فسادیوں کی کوئی امداد نہ کریں، لوگوں پر انہیں مقدم نہ کریں، اور جس منصب کے وہ اہل نہیں وہ منصب انہیں نہ دیں، کیوں کہ جو شخص جس منصب کا اہل نہیں اگر وہ منصب اسے مل گیا تو وہ اسے قائم نہیں کرسکتا، اسے برباد کردے گا۔

عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: اے مدینہ والو! لوگ فتنہ وفساد برپا کرنے کے لیے حرکت میں آچکے ہیں، اس کے مقابلہ کے لیے تیار ہوجاؤ اور حق کو مضبوطی سے تھام لو، میں اس کی خبریں اول بہ اول آپ لوگوں کو دیتا رہوں گا۔ [1]

ا۔ فسادی سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کی مجلس میں فساد مچاتے ہیں:

۳۳ھ میں ایک دن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ اپنی عام مجلس میں تشریف فرما تھے، اور آپ کے پاس لوگ موجود تھے، آپس میں گفتگو چل رہی تھی، بعض سبائی خوارج بھی وہاں مجلس میں پہنچ گئے اور وہاں فتنہ کی آگ بھڑکانا چاہی۔

سعید بن العاص رضی اللہ عنہ اور خنیس بن جبش اسدی کے درمیان گفتگو چل رہی تھی، کسی مسئلہ میں اختلاف ہوگیا۔ وہاں فسادی خارجیوں کے ساتھ ان کے ہم نوا افراد موجود تھے، جن میں سے جندب الازدی جس کا چور بیٹا ایک معاملہ میں قتل ہوا تھا، اشتر نخعی، ابن الکواء اور صعصعہ بن صوحان تھے۔ ان کو ان فسادیوں نے غنیمت سمجھا اور خنیس اسدی کی اسی محفل میں پٹائی شروع کردی، اور جب اس کا باپ اپنے بیٹے کو بچانے کے لیے بڑھا تو اس کی بھی پٹائی کردی، یہاں تک کہ باپ بیٹے دونوں بیہوش ہوگئے۔ اس خبر کو سن کر بنو اسد کے لوگ اپنے لوگوں کا بدلہ لینے پہنچے، قریب تھا کہ فریقین میں جنگ چھڑ جائے لیکن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ صورت حال کو کنٹرول کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ [2]

عثمان رضی اللہ عنہ کو جب اس حادثہ کی اطلاع ملی تو آپ نے سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اس معاملہ کو حکمت سے نمٹانے کی کوشش کریں اور فسادیوں کا ناطقہ حتی الوسع بند کردیں۔

جب یہ خوارج اپنے گھروں کو لوٹے تو سعید رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ، اہل کوفہ اور ان کے شرفاء کے خلاف افتراء اور افواہیں پھیلانی شروع کردیں۔ کوفہ والے ان سے تنگ آگئے اور سعید رضی اللہ عنہ سے مطالبہ کیا کہ ان کو سزا دی جائے، انہوں نے کہا: عثمان رضی اللہ عنہ نے مجھے اس سے منع کیا ہے اگر آپ حضرات یہ چاہتے ہیں تو عثمان رضی اللہ عنہ کو لکھیں۔ کوفہ کے شریفوں اور صالحین نے عثمان رضی اللہ عنہ کو ان لوگوں کے بارے میں لکھا، اور ان سے مطالبہ کیا کہ ان فسادیوں کو کوفہ سے نکال باہر کیا جائے کیوں کہ یہ فسادی اور تخریب کار ہیں۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کے اس مطالبہ پر

[1] تاریخ الطبری (۵/ ۲۸۱)
[2] تاریخ الطبری (۵/ ۳۲۳)

سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ انہیں کوفہ سے جلا وطن کر دو۔ یہ کل تیرہ (۱۳) افراد تھے۔ سعید بن العاص رضی اللہ عنہ نے انہیں عثمان رضی اللہ عنہ کے حکم کے مطابق شام کی طرف معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا، اور عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کے متعلق معاویہ رضی اللہ عنہ کو خط تحریر کیا کہ کوفہ والوں نے کچھ لوگوں کو تمہارے پاس بھیجا ہے جنھوں نے وہاں فتنہ برپا کیا تھا، لہٰذا تم انہیں خوف دلاؤ، ڈراؤ اور ان کی تادیب کرو، اور اگر ان سے خیر محسوس کرو تو اسے ان سے قبول کرو۔ [1]

واضح رہے کہ جن حضرات کو شام کی طرف جلا وطن کیا گیا تھا ان میں یہ لوگ تھے:

اشتر نخعی، جندب ازدی، صعصعہ بن صوحان، کمیل بن زیاد، عمیر بن ضابی، ابن الکواء۔ [2]

۲۔ فسادی معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس جلا وطنی گزارتے ہیں:

یہ لوگ جب معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے تو آپ نے انہیں ایک کنیسہ میں رکھا، جس کا نام کنیسہ مریم تھا۔ جو کچھ عراق میں ان کو ملتا تھا، یہاں بھی وہ انہیں ملتا رہا، معاویہ رضی اللہ عنہ صبح و شام کا کھانا ان کے ساتھ کھاتے رہے، ایک دن آپ نے ان سے کہا: تم عرب ہو اور تمہارے پاس دانت اور زبان ہے۔ اسلام کے ذریعے سے تمھیں شرف و منزلت ملی ہے۔ دوسری قوموں پر غلبہ حاصل ہوا، اور ان کا مرتبہ اور میراث تمھیں ملی ہے۔ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تم قریش کو ناپسند کرتے ہو، اگر قریش نہ ہوتے تو تم اسی طرح ذلیل ہوتے جیسے تم پہلے ذلیل تھے۔ [3]

عثمان رضی اللہ عنہ اچھی طرح جانتے تھے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نہ حل ہونے والے مشکل امور کو سلجھانے والے ہیں۔ آپ فصیح و بلیغ تھے، آپ انتہائی حلم و بردباری اور صبر کے مالک تھے، ذکاوت، ہوشیاری اور چالاکی اور سیاسی بصیرت آپ کو حاصل تھی، جس سے فتنوں کا مقابلہ کر سکتے تھے، اور یہی وجہ تھی کہ جب کوئی مشکل قضیہ پیش آتا تو اسے اپنے باپ ابن ابی سفیان کے حوالہ کر دیتے تاکہ وہ اس کو حل کریں، چنانچہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان حضرات کو مطمئن کرنے کی پوری کوشش کی۔ اولاً ان کی تکریم کی، ان کے ساتھ مل بیٹھے، اور ان پر حکم لگانے سے قبل ان کے سرائر کو پہنچے اور جب اجنبیت دور ہوگئی اور تکلف ختم ہو گیا تو آپ نے یہ محسوس کیا کہ قبائلی عصبیت ان کو حرکت دے رہی ہے اور حکومت و سلطنت کی شہوت ان کو بھڑکاتی ہے لہٰذا ضروری ہے کہ انہیں دو طرح سے لگام دی جائے:

- عرب کے عزوشرف میں اسلام کا اثر۔
- اسلام کی نشر و اشاعت میں قریش کا کردار۔

اگر ان کی ذہنی ساخت میں اسلام کا اثر رہا ہے تو پھر انہیں اس گفتگو کا خیال رکھنا چاہیے۔ اس کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے سامنے عرب کی صورت حال رکھی کہ کس طرح وہ اسلام کی بدولت ایک امت قرار پائے، جو ایک امام کے تابع ہیں اور کس طرح وہ لوگ لاقانونیت، خونریزی اور بدبودار قبائلی عصبیت کو ترک کر

---

[1] تاریخ الطبری (۵/ ۳۲٤) [2] الخلفاء الراشدون ص (۱۳۱)

[3] تاریخ الطبری (۵/ ۳۲٤)

چکے ہیں۔ [1]

معاویہ رضی اللہ عنہ نے گفتگو جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

''تمہارے ائمہ آج تک تمہارے لیے ڈھال ہیں لہٰذا تم اپنی ڈھال سے انحراف اختیار نہ کرو، تمہارے ائمہ آج تمہارے لیے ظلم پر صبر کرتے ہیں اور تم سے مشقت برداشت کرتے ہیں، اللہ کی قسم یا تو تم اپنی حرکت سے باز آؤ گے یا پھر اللہ تعالیٰ تم پر ایسے لوگوں کو مسلط کرے گا جو تمھیں عذاب میں مبتلا کریں گے، پھر تم صبر نہ کرسکو گے پھر اپنی زندگی اور اپنی موت کے بعد تمہاری وجہ سے رعیت پر آنے والی مصیبت کے جرم میں تم شریک رہو گے۔''

ان میں سے ایک شخص نے کہا:

''آپ نے جو قریش سے متعلق بات کی تو اس کے تعلق سے عرض ہے کہ نہ تو عربوں میں ان کی اکثریت ہے، اور نہ جاہلیت میں وہ زیادہ طاقت ور رہے ہیں کہ آپ ہمیں ان کا خوف دلا رہے ہیں، اور جو آپ نے ڈھال کے متعلق ذکر کیا ہے تو ڈھال جب ٹوٹ جائے گی تو پھر ہمارے لیے خاص ہو جائے گی۔''

یہ سن کر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اب میں تمھیں پہچان گیا، اور میں جان گیا کہ کسی کم عقل نے تمھیں اس پر ابھارا ہے۔ تم اپنی جماعت کے خطیب ہو لیکن تمھیں عقل نہیں، میں تمہارے سامنے اسلام کی عظمت کو پیش کرتا ہوں اور اسے یاد دلاتا ہوں اور تم جاہلیت کا مجھ سے ذکر کرتے ہو؟ میں نے تم کو نصیحت کی اور تم یہ زعم رکھتے ہو کہ وہ ڈھال جو تمہاری حفاظت کرتی ہے وہ ٹوٹ جائے گی اور جو ٹوٹ جائے وہ ڈھال نہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں رسوا کرے جنھوں نے تمہارے معاملے کو بڑا تصور کیا، تمہاری خلیفہ تک بات پہنچائی۔'' [2]

اس گفتگو سے معاویہ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہو گیا کہ معمولی اشارے سے یہ لوگ مطمئن نہیں ہو سکتے لہٰذا ضروری ہے کہ ان کے سامنے قریش کی حقیقت تفصیل سے بیان کی جائے۔ فرمایا:

''سمجھ لو اور مجھے امید نہیں کہ تم سمجھتے ہو، قریش کو جاہلیت اور اسلام میں صرف اللہ رب العزت نے عزت بخشی، دوسرے عربوں کے مقابلہ میں نہ تو ان کی تعداد زیادہ تھی اور نہ ان کے مقابلہ میں وہ زیادہ طاقت ور تھے، لیکن حسب میں سب سے مکرم اور نسب میں سب سے خالص، شان و شوکت میں سب سے عظیم ترین اور مروت میں کامل ترین تھے۔ جاہلیت میں جب کہ لوگ ایک دوسرے کو

---

[1] معاویة بن ابی سفیان/ منیر الغضبان ص (۱۰۱)

[2] تاریخ الطبری (۵/ ۳۲٤)

کھائے جا رہے تھے، صرف اللہ نے ان کی حفاظت فرمائی، جس کو وہ عزت عطا کرے اسے ذلیل نہیں کیا جا سکتا اور جس کو وہ بلند کرے اسے کوئی نیچا نہیں کر سکتا، کیا تم کسی ایسے عرب یا عجم کو یا کالے یا گورے کو جانتے ہو جس پر اس کے ملک میں مصیبت نہ ٹوٹی ہو، اور اسے اس کے ملک سے بے دخل نہ کر دیا گیا ہو؟ لیکن صرف قریش کو یہ مقام حاصل رہا ہے، کہ جس نے بھی ان کے ساتھ چال کرنی چاہی اللہ نے اس کو ذلیل کیا، یہاں تک کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا کی ذلت اور آخرت کے برے انجام سے بچانا چاہا تو ان کے لیے خیر خلق محمد ﷺ کو چن لیا، اور ان کے لیے صحابہ کو چنا، ان میں بہتر قریش رہے، پھر اس سلطنت کو ان پر قائم کیا، اور اس خلافت کو ان میں رکھی، اور یہ انہی کے ذریعے سے قائم رہ سکتی ہے اور اللہ ان کی حفاظت اس وقت تک کرتا رہے گا جب تک وہ اس کے دین پر قائم رہیں گے۔ اور اللہ نے ان کی حفاظت جاہلیت میں ان بادشاہوں سے کی جو تمھیں ذلیل کرتے تھے۔ تم پر اور تمہارے ساتھیوں پر آفت ہے۔ کاش تمہارے سوا کسی اور نے بات کی ہوتی، لیکن تم نے شروع کر دی۔ اے صعصعہ! تمہاری بستی بدترین عربی بستی ہے، اس کے پودے انتہائی بدبودار، اس کی وادیاں انتہائی گہری، اور سب سے زیادہ شر پسند، اس کے پڑوسی سب سے زیادہ کمینے۔ اس میں کبھی کوئی شریف یا رذیل آباد نہ ہوا مگر اسے برا بھلا کہا گیا، اس پر عیب لگے، عرب میں سب سے بدترین لقب والے، سب سے کمینہ رشتہ والے اور قوموں کے اجنبی قرار پائے، تم فارسیوں کے نوکر چاکر تھے، یہاں تک کہ تمھیں نبی ﷺ کی دعوت پہنچی، لیکن افسوس تو اس دعوت سے محروم رہا، تو عمان میں اجنبیت کی زندگی گزارتا رہا، بحرین میں سکونت اختیار نہ کر سکا کہ تجھے نبی ﷺ کی دعوت کا شرف حاصل ہو جائے، تو اپنی قوم کا بدترین شخص ہے، یہاں تک کہ جب اسلام نے تجھے نمایاں کیا اور لوگوں کے ساتھ تجھے ملایا اور ان قوموں پر تجھے غلبہ دیا جو تم پر غالب تھیں تو اب تو اللہ کے دین میں کجی پیدا کرنا چاہتا ہے اور ذلت و ملامت کی طرف جا رہا ہے، تمہاری اس حرکت سے قریش کا کچھ بگڑنے والا نہیں، اس سے انہیں کچھ نقصان نہیں پہنچ سکتا، یہ انہیں ان کی ذمہ داریوں کی ادائیگی سے روک نہیں سکتا۔ شیطان تم سے غافل نہیں، اس نے شر کے ساتھ تمہاری قوم کے درمیان تمھیں پہچان لیا ہے، تمہارے ذریعے سے لوگوں کو دھوکا دیا، وہ تمھیں پچھاڑ کے رہے گا، وہ خوب جانتا ہے کہ وہ تمہارے ذریعے سے اللہ کی قضا و قدر کو پھیر نہیں سکتا، اور اللہ کو اس کے ارادے سے باز نہیں رکھ سکتا اور تم شر کے ذریعے سے کسی امر کو حاصل نہیں کرو گے مگر اللہ اس سے زیادہ شر اور رسوائی تمہارے اوپر مسلط کر دے گا۔"

پھر آپ کھڑے ہوئے اور انہیں چھوڑ کر چلے گئے وہ آپس میں ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے اور ان

کے دل چھوٹے ہو گئے۔ [1] اس طرح معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی پوری فکری، سیاسی اور ثقافتی صلاحیت ان کو مطمئن کرنے کے لیے صرف کر دی۔

۳۔ کوفہ کے فسادیوں سے متعلق معاویہ رضی اللہ عنہ کا خط امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کے نام:

معاویہ رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کو خط تحریر کرتے ہوئے فرمایا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ کے بندے عثمان امیر المومنین کے نام معاویہ بن ابی سفیان کی طرف سے۔ حمد وصلاۃ کے بعد: امیر المومنین آپ نے میرے پاس ایسے لوگوں کو بھیجا ہے جو شیطانوں کی زبان اور ان کی املا سے بات کرتے ہیں، یہ لوگوں پر اپنے زعم کے مطابق قرآن کے راستہ سے داخل ہوتے ہیں، اور لوگوں کو شکوک وشبہات میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ اور سب لوگ ان کے عزائم سے واقف نہیں۔ یہ امت میں افتراق ڈالنا چاہتے ہیں اور فتنہ کو قریب کر رہے ہیں۔ اسلام ان پر گراں گزر رہا ہے، شیطان کا جادو ان کے دلوں میں گھر کر چکا ہے، اور کوفہ کے جو لوگ ان کے ساتھ رہتے تھے ان میں بہت سے لوگوں کو برباد کر چکے ہیں، مجھے خطرہ ہے کہ یہ لوگ شام والوں کے درمیان سکونت پذیر رہے تو انہیں اپنے جادو اور فسق وفجور سے برباد کر دیں گے، لہٰذا آپ انہیں ان کے شہر کو لوٹا دیں، ان کا گھر ان کے شہر میں ہی رہے جہاں ان کا نفاق طلوع ہوا ہے۔" [2]

۴۔ عثمان رضی اللہ عنہ کا خط کوفہ میں خروج کرنے والوں کے نام:

عثمان رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں خروج کرنے والوں کے نام خط تحریر کیا، اور اس کے اندر آپ نے سعید بن العاص رحمہ اللہ کی معزولی اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی تولیت سے متعلق ان کے مطالبہ کو پورا کرنے کی حکمت کو واضح کیا۔ یہ خط اہم ہدایات پر مشتمل ہے۔ ان فتنوں کے مقابلہ کے سلسلے میں عثمان رضی اللہ عنہ کے طریقہ کو واضح کرتا ہے، اور اشتعال انگیزی کو حتی الوسع مؤخر کرنے کی آپ کی کوشش کو بیان کرتا ہے۔ باوجودیکہ آپ کو اس بات کا یقینی علم تھا کہ یہ فتنے آنے والے ہیں اور آپ کے اندر ان کے مقابلہ کی طاقت نہیں ہے۔ یہ آپ نے رسول اللہ ﷺ سے سنا اور سیکھا تھا۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے اس خط میں ان سے کہا: میں نے تم پر اس کو امیر بنایا ہے جس کو تم نے اختیار کیا ہے اور تم کو سعید سے نجات دے دی۔ اللہ کی قسم! میں تمہارے لیے اپنی عزت بچھا دوں گا، اور اپنا صبر بھرپور خرچ کروں گا، اور اپنی طاقت بھر تمہاری بھلائی چاہوں گا، تم جو پسند کرو، مجھ سے طلب کرو بشرطیکہ اللہ کی نافرمانی اس میں نہ ہو میں تمہیں دوں گا اور جس چیز کو تم ناپسند کرو بشرطیکہ اللہ کی نافرمانی نہ ہو میں تمہیں اس سے معاف کر دوں گا، اور جب پسند کرو گے پورا کروں گا تاکہ تمہارے پاس میرے خلاف کوئی حجت نہ ہو۔ اسی طرح کے خطوط آپ نے

[1] تاریخ الطبری (۵/ ۳۲۶)
[2] تاریخ الطبری (۵/ ۳۳۱)

دیگر صوبوں کو بھی روانہ کیے۔ [1]

اللہ تعالیٰ امیر المومنین عثمان سے راضی ہو جا، آپ کس قدر صالح اور انشراح صدر کے مالک تھے۔ سبائیوں اور حقادین خوارج نے کس قدر آپ پر ظلم ڈھایا، اور آپ پر کذب وافتراء باندھا۔ [2]

(۲)......فتنہ کے ساتھ تعامل میں عثمانی سیاست

ا۔ بلوائیوں کے مدینہ پہنچنے کے بعد، سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ ان کی صفوں کو پھاڑتے ہیں:

عثمان رضی اللہ عنہ انتہائی بیدار مغز تھے، چنانچہ اپنے محکمہ اطلاعات کے ذریعے سے ان بلوائیوں کے بارے میں تحقیقات کرتے ہیں۔ آپ نے ان دو مسلمانوں کو ان کی صفوں میں داخل کر دیا جن کو اس سے قبل خلیفہ کی طرف سے سزا مل چکی تھی تاکہ ان بلوائیوں کو اطمینان رہے، اور ان کے بارے میں شک وشبہ نہ کریں۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے ان دو آدمیوں کو روانہ کیا جس میں ایک مخزومی اور دوسرے زہری تھے۔ آپ نے ان سے کہا: جاؤ دیکھو یہ کیا ارادہ رکھتے ہیں، اور ان کی پوری تفصیلات معلوم کرو، واضح رہے کہ ان دونوں کو عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے تادیبی سزا مل چکی تھی لیکن اب حق کے لیے یہ ڈٹ گئے تھے اور اپنے اندر اس کی وجہ سے کینہ وبغض نہیں رکھا تھا۔

جب بلوائیوں نے ان دونوں کو دیکھا تو ان پر اعتماد کر لیا اور اپنے پورے ارادے کی تفصیل ان دونوں سے بیان کر دی، ان دونوں نے ان سے دریافت کیا کہ مدینہ والوں میں سے کون تمہارے ساتھ ہیں؟ انہوں نے کہا: تین اشخاص۔ ان دونوں نے کہا: کیا ان کے علاوہ اور کوئی؟ انہوں نے کہا: اور کوئی نہیں۔ ان دونوں نے ان سے کہا: تم کیسے کرنا چاہتے ہو؟ ان لوگوں نے ان دونوں سے اپنی سازش اور مجوزہ منصوبہ کی پوری تفصیل بیان کر دی، اور کہا ہم یہ چاہتے ہیں کہ عثمان کے سامنے وہ باتیں پیش کریں جو ہم نے لوگوں کے ذہن ودماغ میں بٹھا رکھی ہیں اور پھر جب ہم واپس ہوں تو لوگوں سے کہیں کہ ہم نے عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے ان باتوں کو پیش کیا تو نہ تو وہ نکلے اور نہ ان باتوں سے تائب ہوئے، پھر ہم حج کے بہانے مدینہ واپس آئیں اور ان کا محاصرہ کر کے ان کو معزول کر دیں اور اگر نہ مانیں تو ان کو قتل کر دیں۔ یہ دونوں آدمی ساری معلومات حاصل کر کے عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس واپس پہنچے اور انہیں مطلع کیا۔ تفصیلات سن کر عثمان رضی اللہ عنہ ہنس پڑے اور فرمایا: اے اللہ! تو انہیں سلامت رکھ! اگر تو نے ان کو سلامت نہ رکھا تو بدبختی کا شکار ہو جائیں گے۔ پھر آپ نے کوفیوں اور بصریوں کو بلوایا اور اعلان کرایا "الصلاۃ جامعۃ" یہ لوگ آپ کے پاس منبر سے قریب تھے، اور صحابہ کرام اعلان سن کر مسجد میں جمع ہو گئے اور ان کو گھیر لیا۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے اللہ کی حمد وثنا کے بعد مدینہ والوں کو ان کے سلسلہ میں معلوم شدہ تفصیلات بتلائیں کہ یہ کس لیے آئے ہیں، اور ان کے ارادے کیا ہیں، اور بتلایا کہ یہ لوگ آپ کے خلاف خروج کرنے کے لیے اپنے

[1] تاریخ الطبری (۵/ ۳۴۳)
[2] الخلفاء الراشدون / الخالدی ، ص (۱۴۳)

اعتراضات کو مؤکد، اور پھر خلیفہ کی برطرفی یا قتل چاہتے ہیں اور پھر وہ دونوں اشخاص جن سے سبائیوں نے اپنی تفصیلات بیان کی تھیں کھڑے ہوئے اور لوگوں کے سامنے شہادت دی۔ تمام مسلمانوں نے یک زبان ہو کر کہا: امیر المومنین! انہیں قتل کر دیجیے کیوں کہ یہ امیر المومنین کے خلاف خروج کرنا چاہتے ہیں اور مسلمانوں کے درمیان اختلاف ڈالنا چاہتے ہیں۔

عثمان رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کے اس مطالبہ کو رد کر دیا، کیوں کہ یہ لوگ بظاہر مسلمان، اوران کی رعیت میں سے تھے، آپ یہ پسند نہیں کر سکتے تھے کہ لوگ یہ کہیں کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے مخالف مسلمانوں کو قتل کر دیا، اس لیے عثمان رضی اللہ عنہ نے اس مطالبہ کو یہ کہتے ہوئے رد کر دیا:

> ''ہم انہیں قتل نہیں کریں گے بلکہ ان سے درگزر کریں گے، اور اپنی طاقت بھر ان کی رہنمائی کریں گے کسی بھی مسلمان کو ہم قتل نہیں کریں گے، اِلا یہ کہ وہ ایسی حد کا ارتکاب کرے جو قتل کو واجب کرتی ہو یا کوئی مرتد اور کافر ہو جائے۔''[1]

۲۔ باغیوں پر حجت قائم کرنا:

پھر عثمان رضی اللہ عنہ نے سبائیوں کو دعوت دی کہ وہ اپنے اعتراضات اور جو غلطیاں اور زیادتیاں محسوس کرتے ہیں پیش کریں، اور یہ اجلاس صحابہ کرام اور مسلمانوں کے سامنے مسجد میں منعقد ہوا۔ سبائیوں نے اپنی بات رکھی اور اپنے زعم کے مطابق ان غلطیوں کو پیش کیا جس کا ارتکاب عثمان رضی اللہ عنہ نے کیا تھا۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کی وضاحت کی اور اپنے دلائل پیش کیے اور انصاف پسند مسلمان اس صراحت واحتساب اور وضاحت کو سماعت کر رہے تھے۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کے ایک ایک اعتراض کو پیش کر کے اس کی حقیقت واضح کی اور اپنے عمل و ترجیحات کا دفاع کیا اور مسجد میں بیٹھے ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شہادت پیش کی۔[2]

- فرمایا: یہ کہتے ہیں کہ میں نے سفر میں قصر کے بجائے پوری نماز پڑھی جب کہ مجھ سے قبل نہ رسول اللہ ﷺ اور نہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے سفر میں پوری نماز پڑھی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مکہ میں میرے اہل وعیال رہتے ہیں پس میں مکہ کے اندر اپنے اہل وعیال میں مقیم ہوتا ہوں، مسافر نہیں رہتا ہوں، کیا بات ایسی نہیں ہے؟ صحابہ نے کہا: ہاں ضرور بات ایسی ہی ہے۔
- ان لوگوں کا کہنا ہے کہ میں نے چراگاہیں خاص کر لی ہیں، اور مسلمانوں پر تنگی پیدا کر دی ہے، اور وسیع زمین کو میں نے اپنے اونٹوں کو چرنے کے لیے خاص کر لیا ہے۔ حالاں کہ مجھ سے قبل بھی زکوٰۃ و جہاد کے اونٹوں کے چرنے کے لیے چراگاہیں خاص کی گئی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے چراگاہیں خاص کی ہیں، اور جب زکوٰۃ و جہاد کے اونٹ زیادہ ہوئے تو میں نے چراگاہوں میں اضافہ کیا ہے، پھر بھی

---

[1] تاریخ الطبری (۵/ ۳۵۴۔۳۵۵)
[2] الخلفاء الراشدون/ الخالدی ص (۱۵۴۔۱۵۵)

میں نے مسلم فقراء کے جانوروں کو اس میں چرنے پر پابندی نہیں عائد کی ہے اور میں نے اپنے جانوروں کے لیے کوئی چراگاہ مخصوص نہیں کی ہے۔ جب میں نے زمام خلافت سنبھالی اس وقت میرے پاس سب سے زیادہ اونٹ اور بکریاں تھیں، میں نے سب خرچ کر دیا اس وقت میرے پاس نہ کوئی بکری ہے نہ اونٹنی، صرف میرے پاس دو اونٹ ہیں جن کو حج کے لیے چھوڑ رکھا ہے۔ کیا یہ حقیقت نہیں ہے؟ صحابہ نے کہا: ہاں ضرور بات ایسی ہی ہے۔

❀ ان کا کہنا ہے کہ میں نے قرآن کا صرف ایک نسخہ باقی رکھا، باقی کو نذر آتش کر دیا، اور لوگوں کو ایک مصحف پر جمع کر دیا۔ خبردار قرآن اللہ کا کلام ہے وہ اللہ کے پاس سے نازل ہوا ہے، وہ ایک ہے، میں نے اس کے سوا کچھ نہیں کیا کہ لوگوں کو ایک قرآن پر جمع کر دیا، انھیں اس کے بارے میں اختلاف کرنے سے روک دیا ہے، اور میں نے اپنے اس فعل میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فعل کی اتباع کی ہے جب کہ آپ نے قرآن جمع کرایا تھا، کیا بات ایسی نہیں ہے؟ صحابہ نے کہا، ضرور بات ایسی ہی ہے۔

❀ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ میں نے حکم بن العاص کو مدینہ واپس بلا لیا ہے جب کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں طائف کی طرف جلا وطن کر دیا تھا۔ لیکن حکم بن العاص مکی ہیں، وہ مدینہ کے رہنے والے نہیں، رسول اللہ ﷺ نے ان کو مکہ سے طائف روانہ کیا تھا اور آپ نے ہی جب ان سے خوش ہو گئے تو مکہ واپس بلا لیا تھا کیا بات ایسی نہیں ہے؟ صحابہ نے کہا: ہاں ضرور بات ایسی ہی ہے۔

❀ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ میں نے نوخیز عمر والوں کو عامل اور کم سن نوجوانوں کو والی مقرر کیا ہے، میں نے صرف فاضل باصلاحیت اور پسندیدہ لوگوں کو ہی والی مقرر کیا ہے، یہ لوگ انہی کی رعایا میں سے ہیں، ان سے ان کے متعلق پوچھ لو، یاد رہے کہ مجھ سے پہلے والوں نے ان سے نوخیز اور کم سن لوگوں کو ولایت سونپی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اسامہ بن زید کو ولایت بخشی حالاں کہ وہ ان سے کم سن تھے جن کو میں نے والی مقرر کیا ہے۔ لوگوں نے اس سے سخت بات رسول اللہ ﷺ سے کہی تھی جو لوگوں نے مجھ سے کہی ہے، کیا بات ایسی نہیں ہے؟ لوگوں نے کہا: ہاں ضرور بات ایسی ہی ہے، یقیناً یہ لوگ لوگوں پر ایسا عیب لگاتے ہیں جس کی تفسیر و توضیح نہیں کرتے۔

❀ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ جب میں نے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو مال فے دیا تو اس کو مال غنیمت کے خمس کا خمس دیا جس کی مقدار ایک لاکھ تھی، یہ اس وقت ہوا جب افریقہ (تونس) پر اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمائی، یہ اس کے جہاد کا بدلہ تھا۔ میں نے اس سے کہہ رکھا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ تیرے ہاتھوں پر افریقہ فتح فرمائے گا تو میں اس سے حاصل ہونے والے مال غنیمت کے خمس کا خمس تجھ کو دوں گا، اور مجھ سے قبل ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ایسا کر چکے ہیں، اس کے باوجود جب مجاہدین کے لشکر نے مجھ سے کہا کہ ہم اس کو ناپسند کرتے

ہیں کہ آپ ان کو خمس کا خمس دیں حالاں کہ انہیں اعتراض اور انکار کا کوئی حق نہیں، تو میں نے عبداللہ بن سعد سے اس کو واپس لے لیا اور اسے مجاہدین کے لشکر پر تقسیم کر دیا، اس میں سے ابن سعد نے کچھ بھی نہیں لیا، کیا بات ایسی نہیں ہے؟ صحابہ نے کہا: ہاں ضرور بات ایسی ہی ہے۔

❀ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ میں اپنے گھر والوں کو ترجیح دیتا ہوں اور انہیں عطا کرتا ہوں۔ پس واضح ہو کہ ان کی محبت مجھے اس بات پر آمادہ نہیں کرتی کہ میں دوسروں پر ظلم و زیادتی پر اتر آؤں، بلکہ ان پر حقوق عائد کرتا ہوں، اور ان سے حقوق وصول کرتا ہوں، اور رہا معاملہ ان کو عطا کرنے کا تو میں انہیں اپنے مال خاص سے عطا کرتا ہوں، مسلمانوں کے مال میں سے نہیں دیتا ہوں، میں تو مسلمانوں کا مال اپنی ذات کے لیے بھی حلال نہیں سمجھتا اور نہ کسی دوسرے کے لیے۔ میں تو رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے دور میں اپنے مال خاص سے بڑے بڑے قیمتی و مرغوب عطیے دیتا رہا ہوں، جب کہ اس وقت مجھے مال کی طمع و لالچ تھی، کیا آج جب کہ میری عمر دراز ہو چکی ہے، اور عمر کی آخری منزل طے کر رہا ہوں اور اپنا سارا مال و متاع اپنے اہل و عیال اور اقرباء میں تقسیم کر دیا ہے، الحاد پرست لوگ ایسی باتیں کر رہے ہیں؟ میں نے صوبوں میں سے کسی صوبے سے کوئی مال نہیں وصول کیا ہے، بلکہ میں نے ان صوبوں کو مال واپس دیا ہے۔ مدینہ میں لوگ صرف مال غنیمت کا خمس بھیجتے رہے ہیں اور مسلمانوں نے ہی اس خمس کی تقسیم کی ذمہ داری سنبھالی ہے، اور اس کے مستحقین تک پہنچایا ہے۔ اللہ کی قسم! اس خمس میں سے ایک پیسہ بھی میں نے نہیں لیا ہے۔ میں اپنے مال ہی سے کھاتا ہوں اور اپنے مال ہی سے اپنے اہل و عیال اور قرابت داروں کو دیتا ہوں۔

❀ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ میں نے مفتوحہ زمینیں مخصوص لوگوں کو دی ہیں حالانکہ ان مفتوحہ زمینوں کو فتح کرنے میں مہاجرین و انصار وغیرہم مجاہدین شریک رہے ہیں۔ لیکن معلوم ہونا چاہیے کہ جب میں نے ان فاتحین کے درمیان مفتوحہ زمینوں کو تقسیم کیا تو ان میں کچھ لوگوں نے وہاں سکونت اختیار کر لی اور کچھ لوگ مدینہ اور اپنے دیگر مقامات کو واپس چلے آئے اور زمینیں باقی رکھیں یا بیچ ڈالیں اور اس کی قیمت لے لی۔

اس طرح عثمان رضی اللہ عنہ نے ان اہم اعتراضات کو پیش کیا جو ان کے خلاف اٹھائے گئے تھے، اور توضیح پیش کی اور صحیح صورت حال کو بیان کیا۔ [1]

آپ اس محکم دفاع میں جس کے ذریعے سے عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنا دفاع کیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ گفتگو و مذاکرہ کیا اس میں ایک زہریلی تنقید ملاحظہ فرمائیں گے جو عثمان رضی اللہ عنہ پر کی جا رہی تھی۔ اور جو ناشائستہ باتیں سبائی پھیلا رہے تھے اور جن باطل و بے بنیاد باتوں کی ترویج کر رہے تھے آپ نے اختصار و اجمال کے

[1] العواصم من القواصم ص (۶۱-۱۱۱) تاریخ الطبری (۵/ ۳۵۵-۳۵۶) الخلفاء الراشدون/ الخالدی ص (۱۵۸) الفتنۃ/ احمد عرموش (۱۰-۱۴)

ساتھ اعتراضات کو بیان کیا، لیکن فسادیوں کو ہدایت اور راست مطلوب نہیں تھی، آپ کا ان کے ساتھ مناقشہ اور مناظرہ، ایک مخلص انسان کا اس شخص کے ساتھ مناظرہ و مناقشہ تھا جو اس کے خلاف مصیبت برپا کرنا چاہتا ہو اور اس کی لغزشوں کو لے کر اپنے مقاصد پورا کرنا چاہتا ہو، اور لوگوں کے دلوں میں اس کے خلاف اعراض برپا کرنا چاہتا ہو، پس جس کی یہ حالت ہو اس کو حجت و برہان مطمئن نہیں کر سکتی اور دلیل سے اس کو ہدایت نہیں مل سکتی، اور اللہ جس کو گمراہی پر لگا دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ ❶

آپ کی گفتگو اور توضیح، فتنہ کے لیڈران نے سنی جو منبر کے بغل میں تھے جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور مسلمانوں نے سنی۔ مسلمان، عثمان رضی اللہ عنہ کی گفتگو و توضیح سے متاثر ہوئے اور آپ کی باتوں کی تصدیق کی اور ان کے اندر آپ کی محبت میں اضافہ ہوا مگر سبائی جو فتنہ و افتراق کے داعی تھے اس سے متاثر نہ ہوئے، اور اپنے موقف سے باز نہ آئے کیونکہ وہ حق کے متلاشی اور خیر کے خوگر نہ تھے، ان کا مقصد اسلام اور مسلمانوں کے لیے سازش اور فتنہ برپا کرنا تھا۔ صحابہ کرام اور مسلمانوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کو ان سبائیوں اور قائدین فتنہ کو قتل کرنے کا مشورہ دیا کیونکہ ان کی کذب بیانی و جعل سازی اور بغض و دشمنی ظاہر ہو چکی تھی۔ بلکہ ان کے قتل پر لوگوں نے اصرار کیا تاکہ ان کے شر سے مسلمانوں کو نجات مل جائے، اور عالم اسلام میں استقرار اور امن و امان قائم ہو اور اس فتنہ کا خاتمہ ہو جائے جسے یہ لوگ اور ان کے پیروکار برپا کر رہے تھے۔ لیکن عثمان رضی اللہ عنہ کی رائے دوسری تھی، آپ دوسرا حل چاہتے تھے، اسی لیے آپ نے ان کو چھوڑ دیا اور ان کے عدم قتل کو ترجیح دی اور مصر اور کوفہ و بصرہ سے آئے ہوئے سبائیوں کے خلاف آپ نے کوئی کارروائی نہیں کی، حالاں کہ آپ ان کے منصوبوں اور ارادوں سے بخوبی واقف تھے اور انہیں مدینہ سے اپنے اپنے شہروں کو جانے دیا۔ ❷

۳۔ باغیوں کے بعض مطالبات کو پورا کرنا:

یقیناً بعض والیان کی معزولی اور بعض کی تولیت و تقرری سے متعلق باغیوں کے بعض مطالبات کو پورا کرنا حق و عدل کے قیام اور صورت حال کے علاج کے لیے کافی تھا بشرطیکہ معاملات اپنی طبعی حالت میں ہوتے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان مطالبات اور شکایات سے مقصود جاہلی عصبیت بھڑکانا تھا تاکہ مسلمانوں کے درمیان فتنہ برپا کیا جائے اور ان کی وحدت کو پارہ پارہ کیا جائے، چنانچہ وہی ہوا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے سلسلہ میں خبر دی تھی۔ ❸

۴۔ ربانی علماء سے مشورہ کرنا:

آپ علماء صحابہ، علی، طلحہ، زبیر، محمد بن مسلمہ، ابن عمر، عبداللہ بن سلام وغیرہم رضی اللہ عنہم سے مشورہ کرتے، علماء

❶ تاریخ الجدل/ محمد ابوزھرہ ص (۹۸۔۹۹)

❷ الخلفاء الراشدون/ الخالدی ص (۱۵۸۔۱۵۹) ❸ خلافة عثمان/ السلمی ص (۷۸)

ہی امان کی ڈاٹ، سنگین حالات اور تاریک فتنوں میں جائے پناہ ہیں، کیوں کہ یہی سب سے زیادہ حالات کی بصیرت رکھنے والے اور اس کے انجام کی معرفت رکھنے والے ہوتے ہیں، تو جو ان کی طرف پناہ لے اس کو فہم سلیم، نظر صحیح اور واضح شرعی موقف حاصل ہوگا۔ [1]

(۳)...... مدینہ پر فسادیوں کا قبضہ

ا۔ صوبوں سے فسادیوں کی آمد:

فسادی آپس میں عثمان رضی اللہ عنہ پر حملہ کرنے، اور خلافت سے معزول کرنے، بصورت دیگر قتل سے متعلق عملی منصوبہ کو بروئے کار لانے پر متفق ہوئے، اور یہ رائے پاس کی کہ وہ اپنے تینوں مراکز کوفہ، بصرہ اور مصر سے موسم حج میں روانہ ہوں، حجاج کے ساتھ حاجیوں کی شکل میں نکلیں، اور ایک دوسرے سے یہ اعلان واظہار کریں کہ وہ حج کے لیے جا رہے ہیں، اور جب مدینہ پہنچ جائیں تو حجاج کا ساتھ چھوڑ دیں، وہ مناسک حج کی ادائیگی کے لیے مکہ چلے جائیں، اور مدینہ والوں کے حج میں مشغول ہونے سے مدینہ خالی ہوگا، اس موقع کو غنیمت سمجھیں اور عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کرلیں تاکہ ان کو معزول یا قتل کیا جاسکے۔ [2]

شوال ۳۵ھ میں فسادی مدینہ کے قریب پہنچ گئے۔ [3] مصر سے باغی لوگ چار فرقوں میں نکلے، ہر فرقہ کا ایک امیر تھا، اور پھر ان چاروں امراء پر ایک امیر تھا اور ان کے ساتھ ان کا شیطان عبداللہ بن سبا تھا۔ چاروں فرقوں کے امراء یہ تھے: عبدالرحمٰن بن عدیس بلوی، کنانہ بن بشر تجیبی، سودان بن حمران سکونی، قتیرہ بن فلان سکونی اور ان کا امیر الامراء غافقی بن حرب عکی تھا، اور ان سب کی تعداد ایک ہزار تھی۔

اسی طرح کوفہ سے باغی ایک ہزار کی تعداد میں نکلے، یہ چار فرقوں پر مشتمل تھے۔ ان فرقوں کے امراء یہ تھے: زید بن صوحان عبدی، اشتر نخعی، زیاد بن نضر حارثی، عبداللہ بن اصم اور ان کوفی باغیوں کا امیر الامراء عمرو بن اصم تھا۔

اور بصرہ سے باغی ایک ہزار کی تعداد میں نکلے، یہ بھی چار فرقوں پر مشتمل تھے اور ان فرقوں کے امراء یہ تھے: حکیم بن جبلہ عبدی، ذریح بن عباد عبدی، بشر بن شریح قیسی، ابن محرش بن عبدالحنفی، اور ان بصری باغیوں کا امیر الامراء حرقوص بن زہیر سعدی تھا۔

عبداللہ بن سبا ان باغیوں کے ساتھ شاداں وفرحاں تھا، اس کو اپنے یہودی و شیطانی منصوبہ کی کامیابی کا مکمل یقین تھا۔ مصر کے باغی علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے جب کہ کوفی باغی زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ

---

[1] احداث و احادیث فتنۃ الھرج ص (۷۲۸)

[2] العواصم من القواصم ص (۱۳۸)

[3] الخلفاء الراشدون/ الخالدی ص (۱۵۹)

کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے، اور بصری باغی طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے۔[1] اور اس طرح وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان اختلاف و انتشار برپا کرنا چاہتے تھے۔ امام آجری رحمہ اللہ کی یہی تحقیق ہے، فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے علی بن ابی طالب، طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم کو ان باغیوں سے محفوظ رکھا، ان لوگوں نے انہیں خلیفہ بنانے کی بات اس لیے کی تھی تاکہ لوگوں کو دھوکا دیں، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین افتراق پیدا کر دیں لیکن اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو ان کے شر سے محفوظ رکھا۔[2]

ان باغیوں کے مدینہ پہنچنے سے قبل عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کی آمد کی خبر پہنچ گئی، اس وقت آپ مدینہ سے باہر ایک بستی میں تھے، جب باغیوں کو پتہ چلا کہ آپ وہاں موجود ہیں تو وہ لوگ اس بستی کی طرف متوجہ ہوئے۔ آپ ان سے ملے۔ روایات نے اس بستی کی صراحت نہیں کی ہے کہ وہ کون سی بستی تھی۔ ان کی آمد چہارشنبہ ذوالقعدہ کی چاندرات کو ہوئی۔[3] سب سے پہلے مصری پہنچے انہوں نے عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا: قرآن منگائیں آپ نے قرآن منگایا۔ ان لوگوں نے کہا: ساتویں یعنی سورۂ یونس کھولیے، وہ لوگ سورہ یونس کو ساتویں کہتے تھے۔ آپ نے سورہ یونس کی تلاوت فرمائی جب اس آیت پر پہنچے:

﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ۭ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ۝﴾ (یونس: ۵۹)

''آپ کہیے کہ یہ تو بتاؤ کہ اللہ نے تمہارے لیے جو کچھ رزق بھیجا تھا پھر تم نے اس کا کچھ حصہ حرام اور کچھ حلال قرار دے لیا، آپ پوچھیے کہ کیا تم کو اللہ نے حکم دیا تھا یا اللہ پر افتراء ہی کرتے ہو؟''

ان لوگوں نے آپ سے کہا: رک جائیے! بھلا بتلائیے یہ چراگاہیں جو آپ نے مخصوص کر لی ہیں، کیا اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے یا آپ اللہ پر افتراء باندھ رہے ہیں؟

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آگے چلو یہ آیت فلاں فلاں موقع پر نازل ہوئی ہے۔ رہا چراگاہوں کا مسئلہ تو مجھ سے قبل عمر رضی اللہ عنہ نے زکوۃ کے اونٹوں کے لیے چراگاہیں مخصوص کی تھیں، اور جب میں خلیفہ ہوا اور زکوۃ کے اونٹوں میں اضافہ ہوا تو میں نے چراگاہوں میں اسی اعتبار سے اضافہ کر دیا۔

اس طرح یہ باغی ہر ہر آیت پر آپ سے مواخذہ کرتے رہے، اور آپ انہیں وضاحت سے سمجھاتے رہے کہ یہ آیت فلاں فلاں موضوع کے تحت نازل ہوئی ہے۔ پھر ان لوگوں نے آپ سے عہد لیا، اور اپنی شرطیں رکھیں اور امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے ان سے یہ شرط رکھی کہ ان کی شرائط پوری کرنے کی صورت میں وہ مسلمانوں کے اتحاد کو

---

[1] تاریخ الطبری (۵/ ۳۵۷)

[2] استشهاد عثمان و وقعة الجمل/ خالد الغيث ص (۱۱۸)

[3] فتنة مقتل عثمان/ د. محمد الغبان (۱/ ۱۲۸)

پارہ پارہ نہیں کریں گے اور نہ مسلمانوں کی جماعت سے اختلاف کریں گے۔ پھر یہ سب راضی خوشی واپس ہو گئے۔ ❶

۲۔ مصر کے باغیوں سے مذاکرات کے لیے عثمان رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ کو روانہ کرتے ہیں:

یہ باغی شہادت سے تقریباً ڈیڑھ ماہ قبل ذی مروہ میں اترے۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے علی رضی اللہ عنہ اور ایک دوسرے شخص کو ان سے مذاکرات کے لیے بھیجا، اس دوسرے شخص کا نام روایات میں مذکور نہیں۔ علی رضی اللہ عنہ ان سے جا کر ملے اور ان سے کہا: اللہ کی کتاب کے مطابق تمہارے مطالبات پورے کیے جائیں گے بشرطیکہ اپنے تمام اعتراضات سے باز آ جاؤ، انہوں نے اس سے موافقت کی۔ ❷

اور ایک روایت میں ہے کہ دو یا تین مرتبہ طرفین سے سخت کلامی ہوئی اور پھر ان لوگوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی اور امیر المومنین کے سفیر، تمہارے اوپر اللہ کی کتاب پیش کر رہے ہیں قبول کر لو چنانچہ انہوں نے قبول کر لیا۔ ❸ پانچ نکتوں پر مصالحت ہوگئی۔ جلا وطن کو واپس کیا جائے گا، محروم کو عطا کیا جائے گا، فے اور مال غنیمت کو تقسیم کیا جائے گا، تقسیم میں عدل و انصاف کیا جائے گا، امانت وقوت سے متصف لوگوں کو عامل و افسر بنایا جائے گا۔

اس کو ایک دستاویز میں تحریر کیا گیا، اور یہ شرط رکھی گئی کہ عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو بصرہ پر دوبارہ گورنر مقرر کیا جائے اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو کوفہ پر بحیثیت گورنر باقی رکھا جائے۔ ❹

اس طرح عثمان رضی اللہ عنہ نے ہر وفد سے الگ الگ مصالحت کی، اور پھر یہ سب اپنے اپنے وطن کو واپس ہو گئے۔ ❺

۳۔ بلوائیوں کے پیچھے نماز سے متعلق عثمان رضی اللہ عنہ کی رائے:

صحیح روایات کے اندر، محاصرہ کے آغاز کی کیفیت اور اس کے وقوع کی تفصیل مذکور نہیں ہے۔ شاید محاصرہ سے قبل کے واقعات سے محاصرہ کے آغاز پر روشنی پڑتی ہو جس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک دن عثمان رضی اللہ عنہ لوگوں سے خطاب کر رہے تھے، دوران خطبہ میں اعین ❻ نامی ایک شخص نے آپ کی بات کاٹتے ہوئے کہا: اے نعثل ❼ تم نے تو دین کو بدل ڈالا ہے۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا: یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا یہ اعین ہے۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''بلکہ تو نے اے غلام!'' لوگ اس کو پکڑنے کے لیے آگے بڑھے لیکن بنولیث کے ایک شخص نے اس کو ان لوگوں سے بچا کر گھر میں داخل کر دیا۔ ❽

---

❶ فتنة مقتل عثمان / د. محمد الغبان (۱/ ۱۲۸)

❷ تاریخ دمشق ترجمة عثمان ص (۳۲۸)، تاریخ خلیفة ص (۱۶۹۔۱۷۰)

❸ فتنة مقتل عثمان (۱/ ۱۲۹) ❹ ایضاً ❺ ایضاً

❻ اس کا پورا نام أعین بن ضبعیة بن ناجیة بن غفال التمیمی الحنظلی الذرمی ہے۔

❼ عثمان رضی اللہ عنہ کی تنقیص کے لیے سبائی باغیوں نے آپ کو یہ لقب دے رکھا تھا۔ نعثل کے معنی ''بے وقوف بڈھا'' کے ہیں۔

❽ فتنة مقتل عثمان (۱/ ۱۴۳)، تاریخ دمشق ترجمة عثمان ص (۲۴۷) اسناده حسن

پھر باغیوں کی دوبارہ واپسی ہوئی، محاصرہ کے شدت اختیار کرنے سے قبل عثمان رضی اللہ عنہ نماز کے لیے نکل سکتے تھے، اور کوئی بھی ان کے پاس آ سکتا تھا، لیکن پھر آپ کو فرض نماز کے لیے بھی نکلنے سے روک دیا گیا، (1) اور باغی لیڈران کا ایک شخص لوگوں کو نماز پڑھانے لگا، عبیداللہ بن عدی بن خیار نے اس کے پیچھے نماز پڑھنے میں حرج محسوس کیا، انہوں نے عثمان رضی اللہ عنہ سے اس سلسلہ میں مشورہ کیا تو آپ نے اس کے پیچھے نماز پڑھنے کا مشورہ دیا، اور فرمایا: نماز سب سے بہترین چیز ہے جسے لوگ کرتے ہیں جب لوگ اچھائی کریں تو تم بھی ان کے ساتھ اچھائی کرو اور جب لوگ برائی کریں تو تم ان کی برائی سے بچو۔ (2)

۴۔ امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ اور محاصرین کے درمیان مذاکرات:

جب مکمل محاصرہ ہو گیا اور باغیوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کو گھیر لیا تو آپ سے مطالبہ کیا کہ خلافت سے معزول ہو جائیں ورنہ وہ انہیں قتل کر دیں گے۔ (3) عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کے اس مطالبہ کو رد کرتے ہوئے معزولی سے انکار کر دیا، اور فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جو لباس مجھے پہنایا ہے اس کو اتار نہیں سکتا۔ (4) اس سے آپ کا اشارہ اس وصیت کی طرف تھا جو رسول اللہ ﷺ نے آپ کو کی تھی۔ صورت حال کے پیش نظر مختصر سے صحابہ رضی اللہ عنہم کی رائے اس کے برعکس تھی جب کہ بعض نے آپ کو معزولی کا مشورہ دیا، انہی میں سے مغیرہ بن اخنس رضی اللہ عنہ تھے لیکن عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کو رد کر دیا۔ (5)

۵۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، عثمان رضی اللہ عنہ کو منصب خلافت سے عدم تنازل پر ابھارتے ہیں:

محاصرہ کے دوران میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: دیکھ رہے ہو یہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں؟ یہ لوگ کہہ رہے ہیں خلافت سے دست بردار ہو جاؤ اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے آپ سے کہا: اگر آپ خلافت سے دست بردار ہو جائیں تو کیا آپ ہمیشہ ہمیش دنیا میں زندہ رہیں گے؟ عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں، ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: اگر آپ خلافت سے دست بردار نہ ہوں تو کیا یہ لوگ آپ کو قتل سے زیادہ کچھ کر سکتے ہیں؟ عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: کیا یہ لوگ آپ کے لیے جنت یا جہنم کے مالک ہیں؟ عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تو آپ اس قمیص کو نہ اتاریں جسے اللہ تعالیٰ نے آپ کو پہنایا ہے، ورنہ یہ سنت قرار پا جائے گی کہ جب بھی لوگ اپنے خلیفہ یا امام کو ناپسند کریں گے اس کو قتل کر دیں گے۔ (6)

(1) تاریخ دمشق ترجمة عثمان ص (٣٤٢-٢٤١) اسناده حسن
(2) البخاری ، كتاب الصلاة ص (١٩٢)
(3) الطبقات/ ابن سعد (٣/ ٦٦)، تاریخ خليفة بن الخياط ص (١٧١)
(4) التمهيد ص (٤٦-٤٧)
(5) فتنة مقتل عثمان (١/ ١٤٧)
(6) فضائل الصحابة (١/ ٤٧٣) اسناده صحيح

اللہ تعالیٰ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے راضی ہو آپ کس قدر دور اندیش تھے۔ آپ نہیں چاہتے تھے کہ امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ، خلفاء کے لیے سنت سیئہ جاری کریں۔ عثمان رضی اللہ عنہ ایسا کبھی نہیں کر سکتے تھے۔ اگر امیر المومنین ان سبائی باغیوں کے مطالبہ پر خلافت سے تنازل اختیار کر لیتے تو خلفاء اقتدار پسندوں اور خود غرضوں کے ہاتھ میں کھلونا بن جاتے، اور ایسی صورت میں خلیفہ کا وقار مجروح ہو جاتا، اور لوگوں کے دلوں میں اس کی ہیبت ختم ہو جاتی۔ امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عمر اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے مشورہ سے اپنے بعد آنے والے خلفاء کے لیے سنت حسنہ جاری کر دی۔ صبر و احتساب سے کام لیا، نہ تو خلافت سے دست بردار ہوئے اور نہ مسلمانوں کا خون بہایا۔ [1]

۶۔ باغیوں کا آپ کو قتل کی دھمکی:

عثمان رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں تھے اور باغی آپ کے گھر کا محاصرہ کیے ہوئے تھے۔ ایک روز آپ اپنے گھر کے دروازے کے پاس آئے تو آپ نے باغیوں کی طرف سے قتل کی دھمکی سنی، آپ دروازے کے پاس سے ہٹ کر اندر گھر میں ان لوگوں کے پاس گئے جو آپ کے ساتھ گھر میں تھے۔ اس وقت آپ کا رنگ بدلا ہوا تھا فرمایا: یہ لوگ ابھی مجھے قتل کی دھمکی دے رہے ہیں، لوگوں نے عرض کیا: امیر المومنین اللہ آپ کے لیے کافی ہے۔ آپ نے فرمایا: یہ لوگ مجھے کس بنیاد پر قتل کریں گے؟ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

((لا یحل دم امرئ مسلم الا فی احدی ثلاث: رجل کفر بعد ایمانہ ، او زنی بعد إحصانہ ، اوقتل نفسا بغیر نفس .))

''کسی مسلمان کا خون حلال نہیں الا یہ کہ تین باتوں میں سے کوئی ایک بات پائی جائے۔ ایمان کے بعد کافر ہو جائے یا شادی کے بعد زنا کر لے یا کسی جان کو بغیر بدلہ کے قتل کیا ہو۔''

اللہ کی قسم میں کبھی زنا کے قریب نہیں گیا، نہ جاہلیت میں اور نہ حالت اسلام میں، اور جب سے اللہ تعالیٰ نے مجھے ہدایت دی ہے کبھی یہ تمنا نہیں کی کہ میرے لیے میرے دین کا بدل ہو، اور نہ کسی کو میں نے قتل کیا ہے، تو آخر یہ لوگ کیوں مجھے قتل کریں گے؟ [2]

پھر آپ محاصرہ کرنے والے باغیوں کی طرف متوجہ ہوئے، اور ان کے جوش بغاوت کو ٹھنڈا کرنا چاہا اور امام وقت کے خلاف بغاوت سے ان کا رخ موڑنا چاہا، اس سلسلہ میں آپ نے ان کے اعتراضات کی تردید اور حقائق کا اظہار کرنا چاہا، شاید دھوکا کھائے ہوئے لوگوں کو ہوش آجائے اور رشد و ہدایت کی طرف پلٹ آئیں۔ آپ نے ان سے کہا کہ ایک شخص کو میرے پاس بھیجو میں اس سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں، ان باغیوں نے ایک نوجوان کو

---

[1] الخلفاء الراشدون/ الخالدی ص (۱۷۹)

[2] المسند (۱/ ۶۳) احمد شاکر نے کہا: اس کی سند صحیح ہے۔ ص (۴۵۲)

اپنے میں سے بھیج دیا جس کا نام صعصعہ بن صوحان تھا۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا کہ وہ ان کے خلاف جو ان کے اعتراضات ہیں وہ پیش کرے۔ [1]

۷۔ عثمان رضی اللہ عنہ کا لوگوں کو اپنے فضائل یاد دلانا:

ان لوگوں کی تردید کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اپنے مقام و مرتبہ اور بعض فضائل یاد دلائے۔ پس جو لوگ ان فضائل کو جانتے تھے یا رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا، ان سے اپیل کی کہ وہ دیگر لوگوں سے اس کو بیان کریں، چنانچہ آپ نے فرمایا: میں ان حضرات کو اللہ کی قسم دلا کر پوچھتا ہوں جو حرا کے دن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حاضر تھے، اور جب پہاڑ ہلنے لگا تھا تو کیا اللہ کے رسول ﷺ نے قدم سے اس کو مارتے ہوئے نہیں فرمایا تھا: اے حرا تو ٹھہر جا! تیرے اوپر یا تو نبی ہے یا صدیق یا شہید، اور میں اس وقت آپ کے ساتھ تھا؟ تو لوگوں نے اس کی شہادت دی۔

پھر فرمایا: میں ان حضرات کو اللہ کی قسم دلا کر پوچھتا ہوں جو بیعت رضوان میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حاضر تھے کہ کیا رسول اللہ ﷺ نے جب مجھے مشرکین کے پاس بھیج دیا، اور صحابہ سے بیعت لی تو آپ نے اپنے ایک ہاتھ کو میرا ہاتھ قرار نہیں دیا کہ یہ میرا ہاتھ ہے اور یہ عثمان کا ہاتھ ہے، اور پھر میری طرف سے بیعت کی؟ تو لوگوں نے اس کی بھی شہادت دی۔

پھر فرمایا: میں ان حضرات کو اللہ کی قسم دلا کر پوچھتا ہوں جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حاضر تھے کیا رسول اللہ ﷺ نے نہیں فرمایا: جو اس گھر کو مسجد میں شامل کر کے اس کو وسیع کر دے اللہ اس کے عوض اس کو جنت میں گھر دے گا تو میں نے اس گھر کو اپنے مال سے خرید کر مسجد کی توسیع کر دی۔ لوگوں نے اس کی بھی شہادت دی۔

پھر فرمایا: میں ان حضرات کو اللہ کی قسم دلا کر پوچھتا ہوں جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، کیا بئر رومہ ایک یہودی کی ملکیت نہ تھا، جو اس کا پانی بیچتا تھا؟ اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کون ہے جو اس کنویں کو خرید کر اس کا پانی ہر راہ چلنے والے کے لیے عام کر دے؟ تو میں نے اپنے مال سے اس کو خرید کر اس کو عام کر دیا؟ لوگوں نے اس کی بھی شہادت دی۔ [2]

ابو ثور فہمی سے روایت ہے کہ میں عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس گیا، اور ان کے پاس رہا، پھر وہاں سے نکلا تو دیکھا مصری لوٹ رہے ہیں، پھر میں عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس واپس گیا اور ان کو اس کی خبر دی۔ آپ نے دریافت کیا: تم نے ان لوگوں کو کس حالت میں دیکھا؟ میں نے عرض کیا: میں نے ان کے چہروں میں برائی اور بدنیتی محسوس کیا، اور ابن عدیس بلوائیوں کا سرغنہ ہے، پھر ابن عدیس منبر رسول ﷺ پر چڑھا، اور خطبہ دیا اور لوگوں کو جمعہ کی نماز

---

[1] فتنة مقتل عثمان (۱/ ۱۵۰)

[2] المسند (۱/ ۵۹) علامہ احمد شاکر رحمہ اللہ نے کہا اس کی سند صحیح ہے، ص (۴۲۰)

پڑھائی، اور خطبہ کے دوران عثمان رضی اللہ عنہ کی تنقیص و گستاخی کی، پھر میں عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس واپس گیا، اور جو کچھ اس نے خطبہ میں کہا تھا اس سے مطلع کیا۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم ابن عدیس نے جھوٹ کہا اگر اس نے ایسی باتیں نہ کی ہوتیں تو میں بیان نہ کرتا۔ میں اسلام قبول کرنے والوں میں چوتھا فرد ہوں، رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیٹی میری زوجیت میں دی، پھر جب اس کا انتقال ہو گیا تو دوسری بیٹی میری زوجیت میں دے دی۔ میں نے نہ تو جاہلیت میں اور نہ اسلام میں کبھی زنا اور چوری کا ارتکاب کیا، اور جب سے اسلام قبول کیا ہے نہ کبھی گانا گایا، نہ اس کی تمنا و خواہش کی، اور جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی ہے اپنے ہاتھ سے کبھی اپنی شرمگاہ کو نہیں چھوا۔ اور جب سے میں نے اسلام قبول کیا ہے جمعہ کو ایک غلام آزاد کرتا رہا ہوں الا یہ کہ کسی جمعہ کو غلام نہ ملے، تو دوسرے جمعہ کو اس کے عوض دو غلام آزاد کرتا ہوں۔ [1]

جب عثمان رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ باغی آپ کے قتل پر مصر ہیں تو آپ نے انہیں اس سے روکا، اور اس فعل بد کے انجام سے خبردار کیا، اور روشن دان سے ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: لوگو! مجھے قتل نہ کرو، مجھے رضامند کر لو، اللہ کی قسم اگر تم نے مجھے قتل کر دیا تو کبھی ایک ساتھ مل کر قتال نہ کر سکو گے، اور نہ کبھی دشمن سے جہاد کر سکو گے اور تم آپس میں اختلاف کر کے اس طرح گتھم گتھا ہو گے، پھر آپ نے اپنی انگلیوں کو ایک دوسرے میں ڈال کر بتایا۔ [2]

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: لوگو! مجھے قتل نہ کرو میں تمہارا والی اور مسلمان بھائی ہوں۔ اللہ کی قسم میں اپنی طاقت بھر اصلاح و بھلائی ہی چاہتا ہوں، خواہ صحیح کیا ہوں یا مجھ سے غلطی ہوئی ہو، اگر تم لوگوں نے مجھے قتل کر دیا تو کبھی ایک ساتھ مل کر نماز نہ پڑھ سکو گے، اور نہ مل کر دشمن سے جنگ کر سکو گے، اور مال غنیمت تمہارے درمیان تقسیم نہ ہو گا۔ [3]

نیز فرمایا: اللہ کی قسم! اگر ان لوگوں نے مجھے قتل کر دیا تو میرے بعد آپس میں کبھی پیار و محبت سے نہ رہ سکیں گے اور میرے بعد کبھی دشمن سے قتال نہ کر سکیں گے۔ [4]

اور وہی ہوا جس سے آپ نے خبردار کیا تھا، آپ کے قتل کے بعد وہ سب کچھ ہوا جو آپ نے فرمایا تھا، اس سلسلہ میں حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ کی قسم اگر لوگ ایک ساتھ نماز پڑھتے ہیں تو ان کے دل مختلف ہوتے ہیں۔ [5]

---

[1] المعرفة و التاريخ (٢/ ٤٨٨)، خلافة عثمان بن عفان/ السلمی ص (٩١)

[2] الطبقات (٣/ ٧١) تاريخ ابن خياط ص (١٧١) اسناده صحيح

[3] الطبقات (٣/ ٦٧-٦٨) فتنة مقتل عثمان (١/ ١٥٦)

[4] تاريخ ابن خياط ص (١٧١) فتنة مقتل عثمان (١/ ١٥٧) اسناده حسن۔

[5] فتنة مقتل عثمان (١/ ١٥٧)

عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے صحابہ رضی اللہ عنہم کا دفاع کرنا اور آپ کا انکار

سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنے پاس بلایا اور ان سے محاصرہ کرنے والے باغیوں اور ان کی طرف سے قتل کی دھمکی کے سلسلہ میں مشورہ کیا۔ اس موقع پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا موقف یہ تھا:

ا۔ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ:

ابن عساکر نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جناب علی رضی اللہ عنہ نے عثمان رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا کہ ''میرے ساتھ پانچ سو زرہ پوش موجود ہیں، آپ مجھے اجازت دیں میں ان لوگوں کو آپ سے مار بھگاؤں گا، آپ نے کوئی ایسا کام نہیں کیا ہے جس سے آپ کا خون حلال ہو۔''

عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے، میں یہ نہیں چاہتا کہ میری خاطر خون بہایا جائے۔'' [1]

۲۔ زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ:

ابو حبیبہ [2] سے روایت ہے کہ زبیر رضی اللہ عنہ نے مجھے عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا جب کہ آپ محصور تھے، میں آپ کے پاس گرم دن میں آیا، آپ اس وقت کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے اور آپ کے پاس حسن بن علی، ابو ہریرہ، عبداللہ ابن عمر، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم موجود تھے۔ میں نے آپ کے سامنے عرض کیا: مجھے زبیر بن العوام نے آپ کے پاس بھیجا ہے وہ آپ کو سلام کہہ رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں: ''میں آپ کی اطاعت میں ہوں، اور میں نے اپنی بیعت کو نہ بدلا ہے اور نہ توڑا ہے، اگر آپ چاہیں تو میں بھی آپ کے پاس گھر میں آجاؤں اور آپ کے پاس موجود افراد میں شامل ہو جاؤں، اور اگر چاہیں تو میں اپنے گھر میں رہوں، مجھ سے بنو عمرو بن عوف نے وعدہ کیا ہے کہ وہ صبح میرے دروازے پر ہوں گے اور پھر میں جو حکم انہیں دوں گا کر گزریں گے۔''

جب عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ پیغام سنا تو فرمایا: اللہ اکبر! اللہ کا شکر ہے اس نے میرے بھائی کو محفوظ رکھا۔ ان کو سلام پہنچا دو، پھر ان سے کہو کہ تم مجھے زیادہ محبوب ہو اور اللہ سے مجھے امید ہے کہ وہ تمہارے ذریعے سے اس فتنہ کو دور کر دے۔

جب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ پیغام پڑھا تو کھڑے ہوئے اور فرمایا: کیا میں تمھیں اس بات کی خبر نہ دے دوں جسے میرے ان دونوں کانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے؟ لوگوں نے کہا: ضرور بیان کریں۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

---

[1] تاریخ دمشق ص (۴۰۳)

[2] ابو حبیبہ زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کے غلام ہیں، زبیر رضی اللہ عنہ سے انہوں نے احادیث روایت کی ہے، اور عثمان رضی اللہ عنہ کے محاصرہ کے وقت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث سنی ہے۔

نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میرے بعد فتنے اور ناگفتہ بہ امور رونما ہوں گے۔ ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ اس سے نجات کی جگہ کہاں ہوگی؟ فرمایا: امین اور اس کی جماعت کے ساتھ۔ پھر آپ نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ فرمایا۔ یہ سن کر لوگ کھڑے ہوئے اور عثمان رضی اللہ عنہ سے عرض کیا: اب ہمیں بصیرت حاصل ہوگئی، ہمیں آپ ان باغیوں سے جہاد کی اجازت دیں؟ آپ نے فرمایا: میں اس کو تاکید کرتا ہوں جس پر میری اطاعت فرض ہے کہ وہ قتال نہ کرے۔ [1]

۳۔ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ:

سیّدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ محاصرہ کے دوران عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور عرض کیا: آپ امام عام ہیں، اور اس وقت آپ کی جو صورت حال ہے وہ سبھی دیکھ رہے ہیں اس لیے میں آپ کے سامنے تین پیش کش رکھتا ہوں، آپ ان میں سے کوئی ایک قبول فرمالیں: آپ نکلیں اور ان سے قتال کریں، آپ کے ساتھ افراد وقوت موجود ہے، آپ حق پر ہیں اور یہ لوگ باطل پر ہیں، یا پھر اس دروازے کے علاوہ جس پر باغی کھڑے ہیں، دوسرا دروازہ کھول کر سواری پر سوار ہوکر مکہ چلے جائیں وہاں یہ لوگ آپ کا خون حلال نہ کرسکیں گے، یا پھر شام چلے جائیں وہاں شامی ہیں وہاں معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں۔

یہ پیش کش سن کر فرمایا: تمہاری پہلی پیش کش کہ میں نکل کر ان سے قتال کروں، تو میں رسول اللہ ﷺ کے بعد آپ کی امت میں سب سے پہلا خون بہانے والا نہیں ہوسکتا۔ رہی دوسری پیش کش کہ میں مکہ چلا جاؤں اور اس طرح وہ میرا خون حلال نہ کرسکیں گے تو میں نے رسول اللہ ﷺ سے فرماتے ہوئے سنا کہ قریش کا ایک شخص مکہ میں الحاد کرے گا اس پر دنیا کا آدھا عذاب ہوگا، میں وہ شخص ہونا نہیں چاہتا۔ اور رہی تمہاری تیسری پیش کش کہ میں شام چلا جاؤں وہاں شامی ہیں اور وہاں معاویہ ہیں تو میں دار ہجرت اور رسول اللہ ﷺ کے پڑوس کو چھوڑ نہیں سکتا۔ [2]

۴۔ حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما:

حسن بن علی رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور عرض کیا: کیا میں اپنی تلوار سونت لوں؟ فرمایا: نہیں، اگر تم نے ایسا کیا تو میں اللہ کے حضور تمہارے خون سے اپنی براءت کا اظہار کرتا ہوں۔ تم اپنی تلوار میان میں ڈالو اور اپنے والد کے پاس چلے جاؤ۔ [3]

۵۔ عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما:

جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دیکھا کہ سنگین صورت حال پیدا ہوگئی ہے اور بغاوت کا سیلاب حد سے تجاوز کر

---

[1] فضائل الصحابۃ (۱/ ۵۱۱۔۵۱۲) اسنادہ صحیح۔
[2] البدایۃ والنہایۃ (۷/ ۲۱۱)
[3] فتنۃ مقتل عثمان (۱/ ۱۶۲) المصنف/ ابن ابی شیبۃ (۱۵/ ۲۲۴)

چکا ہے تو بعض صحابہ نے عثمان رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیے بغیر دفاع کا عزم کر لیا اور بعض حضرات قتال کے لیے مکمل تیاری کے ساتھ گھر میں داخل ہوئے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی انہی میں سے تھے۔ آپ تلوار لٹکائے، زرہ پہنے ہوئے عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ گھر میں تھے تاکہ آپ کے دفاع میں قتال کریں لیکن عثمان رضی اللہ عنہ نے اس خوف سے گھر سے نکل جانے کا حکم دیا کہ کہیں باغیوں کے ساتھ قتال نہ کر بیٹھیں اور پھر قتل کر دیے جائیں۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما دوبارہ پھر تلوار لٹکائے اور زرہ پہنے حاضر ہوئے۔ ❶

٦۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ:

جناب ابوہریرہ، عثمان رضی اللہ عنہما کے پاس یہ کہتے ہوئے حاضر ہوئے اے امیر المومنین! قتال اچھا ہے۔ ان سے عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے ابوہریرہ! کیا تمھیں یہ پسند ہے کہ تم تمام لوگوں کو اور مجھے بھی قتل کر دو؟ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! اگر تم نے ایک شخص کو بھی قتل کیا تو گویا تمام لوگوں کو قتل کر دیا۔ یہ سن کر ابوہریرہ رضی اللہ عنہ واپس ہو گئے اور قتال نہ کیا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ تلوار لٹکائے ہوئے رہے یہاں تک کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں منع کر دیا۔ ❷ (مزید تفصیل ملاحظہ ہو، سیرت عثمان: ٤٧٥)

٧۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عثمان رضی اللہ عنہ کو مکہ پہنچانے کی پیش کش:

جب بعض صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے دیکھا کہ عثمان رضی اللہ عنہ باغیوں کے ساتھ عدم قتال کے موقف پر مصر ہیں اور باغی آپ کو قتل کرنے پر مصر ہیں تو ان کے سامنے آپ کی حمایت کے لیے اس کے علاوہ کوئی چارہ نہ رہا کہ انہوں نے آپ سے اس بات کی پیش کش کی کہ وہ مکہ روانہ ہو جائیں اور یہ لوگ اس سلسلہ میں آپ سے پورا تعاون کریں گے، چنانچہ عبداللہ بن زبیر، مغیرہ بن شعبہ، اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم کے سلسلہ میں مروی ہے کہ ان حضرات نے الگ الگ یہ پیش کش آپ کے سامنے رکھی، لیکن عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سب کی پیش کش کو رد کر دیا۔ ❸

امہات المومنین اور بعض صحابیات کا موقف

١۔ ام المومنین ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا:

ان واقعات کے اندر ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا موقف، پرخطر مواقف میں سے تھا، اس قدر پرخطر تھا کہ قریب تھا کہ آپ کو قتل کر دیا جاتا چنانچہ جب عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کر لیا گیا اور آپ پر پانی بند کر دیا گیا تو عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے پڑوسی عمرو بن حزم انصاری رضی اللہ عنہ کے بیٹے کو علی رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا کہ ان لوگوں نے ہم پر پانی بند کر دیا ہے اگر آپ لوگ پانی بھیج سکتے ہیں تو بھیجیں اور اسی طرح آپ نے طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما اور ام المومنین عائشہ اور دیگر ازواج

---

❶ فتنة مقتل عثمان (١/ ١٦٣)
❷ تاريخ خليفة بن خياط ص (١٦٤)
❸ فتنة مقتل عثمان (١/ ١٦٦)

مطہراتؓ کو یہ پیغام بھیجا۔ سب سے پہلے علی اور ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اس پر لبیک کہا۔ ❶

۲۔ام المومنین صفیہ رضی اللہ عنہا:

ام المومنین صفیہ رضی اللہ عنہا نے بھی وہی کیا جو ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے کیا چنانچہ کنانہ بن عدی العبشمی سے روایت ہے کہ میں ام المومنین صفیہ رضی اللہ عنہا کو لے کر جا رہا تھا تاکہ وہ عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے دفاع کریں، راستے میں اشترنخعی ملا، اس نے آپ کے خچر کے چہرے پر ضرب لگائی اور وہ بدک پڑا اور ام المومنین گرنے لگیں۔ ام المومنین نے فرمایا: مجھے چھوڑو یہ مجھے رسوا نہیں کر سکتا۔ پھر آپ نے اپنے گھر سے عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر پر ایک لکڑی رکھ دی اور اس کے ذریعے سے کھانا اور پانی پہنچاتی رہیں۔ ❷

۳۔ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا:

ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ جو حادثہ پیش آیا اس کا لوگوں پر بڑا گہرا اثر ہوا چنانچہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا باغیوں پر غیظ وغضب میں بھری ہوئی مدینہ سے نکل پڑیں، اس موقع پر مروان بن الحکم رضی اللہ عنہ پہنچے اور عرض کیا ام المومنین! اگر آپ مدینہ میں رہتیں تو لوگ ان (عثمان رضی اللہ عنہ) کا خیال رکھتے۔ فرمایا: کیا تم چاہتے ہو کہ میرے ساتھ بھی وہی سلوک کیا جائے جو ام حبیبہ کے ساتھ کیا گیا ہے پھر مجھے ان سے بچانے والا کوئی نہ ہو؟ نہیں اللہ کی قسم! میں یہ عار برداشت نہیں کر سکتی۔ ❸ میں نہیں جانتی کہ ان لوگوں کا معاملہ کہاں تک پہنچتا ہے۔ ❹ اور آپ نے یہ سمجھا کہ ان کے مدینہ سے چلے جانے سے باغیوں کا یہ مجمع چھٹ جائے گا جیسا کہ آگے آنے والی روایت سے واضح ہوتا ہے۔

امہات المومنین رضی اللہ عنہن نے مدینہ سے بھاگنے کے لیے حج کی تیاری کی لیکن امہات المومنین کا مدینہ سے نکلنا صرف فتنہ کے ملابسات سے بچنا اور محض بھاگنا نہ تھا بلکہ عثمان رضی اللہ عنہ کو ان بلوائیوں کے ہاتھوں سے بچانے کی ایک کوشش تھی، انہی بلوائیوں میں سے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی محمد بن ابی بکر بھی تھے، ام المومنین نے بڑی کوشش کی کہ وہ اس کو بھی اپنے ساتھ حج پر لے جائیں، لیکن ہر چند کوشش کے باوجود اس نے انکار کیا۔ ام المومنین کی یہ کوشش اور محمد بن ابی بکر کا انکار ملفت للنظر تھا کہ حنظلہ بن ربیع الکاتب رضی اللہ عنہ ❺ کو ام المومنین کے ساتھ جانے سے محمد کے انکار سے حیرانی ہوئی اور آپ نے اس انکار اور باغیوں کی متابعت کے درمیان موازنہ کرتے ہوئے فرمایا: اے محمد! تجھ کو ام المومنین بلا رہی ہیں اور تو ان کی بات نہیں مانتا اور یہ عرب

❶ دور المرأة السياسی/ أسماء محمد ص (۳۴۰)

❷ سیر اعلام النبلاء (۲/ ۲۳۷)، الطبقات/ ابن سعد (۸/ ۱۲۸)

❸ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس تعبیر سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ باغیوں نے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ جو گستاخی کی تھی وہ انتہائی المناک تھی۔

❹ تاریخ الطبری (۵/ ۴۰۱)

❺ یہ حنظلہ بن ربیع تمیمی رضی اللہ عنہ ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے کاتب تھے وحی لکھا کرتے تھے جس کی وجہ سے ان کا نام الکاتب پڑ گیا۔

کے فاسد لوگ تجھے حرام کام کی طرف بلاتے ہیں اوران کی بات مان رہا ہے۔ پھر بھی محمد نے انکار کیا۔ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اللہ کی قسم اگر میری استطاعت ہوتی کہ میں وہ کام کروں جس سے اللہ تعالیٰ ان کی نقل و حرکت سے انہیں محروم کر دے تو میں ضرور کرتی۔ ❶

ام المومنین رضی اللہ عنہا کا بھائی کے ساتھ پوری کوشش کے بعد یہ فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ انہوں نے اس طرح مدینہ سے نکل کر اس بات کی کوشش کی تھی کہ باغی عثمان رضی اللہ عنہ سے ہٹ جائیں اور رائے عامہ ان باغیوں کے خلاف ہو جائے۔ جس وقت سے آپ نے مکہ جانے کا سوچا تھا اس وقت سے آپ کے پیش نظر یہی تھا۔ امام ابن العربی نے اسی کو ثابت کیا ہے، فرماتے ہیں: مروی ہے کہ امہات المومنین اور صحابہ کا مدینہ سے نکل جانا اس شور و ہنگامہ کو ختم کرنے کے لیے تھا کہ اس طرح لوگ اپنی ماؤں امہات المومنین کی طرف رجوع ہوں گے، نبی کریم ﷺ کی حرمت کا خیال رکھیں گے ❷ اور ان امہات المومنین کی باتوں کو کان لگا کر سنیں گے جب کہ اکثر لوگ ہر چہار جانب سے ان کی باتوں کو سننے کے لیے آیا کرتے تھے۔ ❸

یعنی ان کا مدینہ سے خروج، بلوائیوں کے اس مجمع کو منتشر کرنے کی ایک کوشش تھی کیوں کہ یہ بات معروف تھی کہ لوگ ان کی رائے وفتویٰ کی تلاش میں ہوتے ہیں اور امہات المومنین کے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ یہ لوگ اس حد کو پہنچ جائیں گے کہ خلیفہ کو قتل کر ڈالیں گے۔ ❹

عثمان رضی اللہ عنہ کا آخری خطاب

عثمان رضی اللہ عنہ کا مسلمانوں کے ساتھ آخری عام اجتماع محاصرہ کے چند ہفتے بعد ہوا، آپ نے لوگوں کو بلایا، سب جمع ہو گئے، سبائی اور مدینہ کے لوگ سب ہی جمع ہوئے۔ لوگوں میں آگے آگے علی، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم تھے، جب سب آپ کے سامنے بیٹھ گئے تو آپ نے انہیں خطاب فرمایا:

> ''اللہ تعالیٰ نے تمھیں دنیا عطا کی ہے تاکہ اس کے ذریعے سے آخرت طلب کرو، اس نے اس لیے دنیا تمھیں نہیں دی ہے کہ تم اسی کے ہو کے رہ جاؤ، یقیناً دنیا فنا ہو جائے گی اور آخرت باقی رہے گی، یہ فانی دنیا تمھیں دھوکے میں نہ ڈالے اور باقی رہنے والی آخرت سے غافل نہ کر دے۔ باقی رہنے والی چیز کو فانی پر ترجیح دو۔ یقیناً دنیا ختم ہونے والی ہے۔ سب کو اللہ کے پاس جانا ہے، اللہ کا تقویٰ اختیار کرو یقیناً تقویٰ اللہ کی پکڑ اور اس کے انتقام سے بچاؤ اور ڈھال ہے۔ جماعت کو لازم پکڑو، ٹولیوں میں مت بٹو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:
>
> ﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا ۠ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ

❶ تاریخ الطبری (٥/ ٤٠١)
❷ العواصم من القواصم ص (١٥٦)
❸ دورالمرأة السياسى ص (٣٤٢)
❹ دورالمرأة السياسى ص (٣٤٣)

اَعۡدَآءً فَاَلَّفَ بَيۡنَ قُلُوۡبِكُمۡ فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِهٖۤ اِخۡوَانًا ۚ وَكُنۡتُمۡ عَلٰى شَفَا حُفۡرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنۡقَذَكُمۡ مِّنۡهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمۡ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمۡ تَهۡتَدُوۡنَ ﴿۱۰۳﴾

(آل عمران : ۱۰۳)

''اور اللہ تعالیٰ کی رسی کو سب مل کر مضبوط تھام لو اور پھوٹ نہ ڈالو اور اللہ تعالیٰ کی اس وقت کی نعمت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی پس تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پہنچ چکے تھے تو اس نے تمھیں بچا لیا۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح تمہارے لیے اپنی نشانیاں بیان کرتا ہے تاکہ تم ہدایت پاؤ۔''

پھر آپ نے مسلمانوں سے فرمایا: مدینہ والو! میں تمھیں الوداع کہتے ہوئے اللہ کے سپرد کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں کہ وہ میرے بعد تم پر اچھی خلافت لائے۔ اللہ کی قسم! آج کے بعد میں کسی کے پاس نہیں جاؤں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ میرے بارے میں اپنا فیصلہ پورا کر دے۔ میں ان خوارج (باغیوں) کو اپنے دروازے کے پیچھے چھوڑ دوں گا، ان کا کوئی مطالبہ پورا نہیں کروں گا کہ وہ لوگ اسے تمہارے خلاف دین یا دنیا میں حجت بنا لیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہی اس سلسلہ میں جو پسند کرے گا کرے گا۔''

پھر آپ نے مدینہ والوں کو اپنے گھروں کو واپس ہو جانے کا حکم دے دیا اور قسم دلائی، لوگ لوٹ گئے، حسن، محمد اور ابن زبیر اور ان جیسے نوجوان رہ گئے اور اپنے آباء کے حکم سے عثمان رضی اللہ عنہ کے دروازے پر بیٹھ کر پہرہ دینے لگے اور بہت سے لوگ ان کے ساتھ مل گئے۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے گھر کو لازم پکڑ لیا یہاں تک کہ موت کا وقت آ گیا۔ ❶

شہادت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ:

۱۔ محاصرہ کا آخری دن اور خواب: ...... محاصرہ کے آخری دن جس دن آپ کا قتل ہوا آپ اس رات سوئے اور صبح لوگوں سے بیان کرنے لگے کہ یہ لوگ آج مجھے قتل کر دیں گے۔ ❷ پھر آپ نے فرمایا: میں نے خواب میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا اور آپ کے ساتھ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما تھے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے عثمان! ہمارے ساتھ افطاری کرنا۔ آپ نے صبح روزہ رکھا اور پھر اسی دن آپ قتل کر دیے گئے۔ ❸

۲۔ قتل کی تفصیلات: ...... باغیوں نے گھر پر دھاوا بول دیا، ان کے مقابلہ میں حسن بن علی، عبداللہ بن

---

❶ تاریخ الطبری (۵/ ۳۹۹۔۴۰۰)

❷ الطبقات/ ابن سعد (۳/ ۷۵)، فتنة مقتل عثمان (۱/ ۱۷۲)

❸ الطبقات (۳/ ۷۵) یہ حسن لغیرہ ہے۔ فتنة مقتل عثمان (۱/ ۱۷۵)

زبیر، محمد بن طلحہ، مروان بن حکم، سعید بن العاص رضی اللہ عنہم اور ان کے ساتھ جو ابنائے صحابہ تھے ڈٹ گئے اور قتال شروع ہوگیا۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے آواز لگائی: اللہ! اللہ! تم لوگ میری نصرت سے آزاد ہو۔ لیکن ان نوجوانوں نے بات نہ مانی، عثمان رضی اللہ عنہ کے غلام نصرت کے لیے پہنچے، آپ نے انہیں روک دیا، بلکہ یہ اعلان کر دیا کہ جو اپنا ہاتھ روک لے، وہ آزاد ہے۔ [1]

عثمان رضی اللہ عنہ نے پوری وضاحت اور اصرار اور سختی سے کہا اور آپ خلیفہ تھے آپ کی اطاعت واجب تھی: میں ہر اس شخص پر لازم قرار دیتا ہوں جو یہ سمجھتا ہے کہ میری سمع و طاعت اس پر واجب ہے کہ وہ اپنا ہاتھ اور اسلحہ روک لے۔ [2]

آپ نے ایسا اس لیے کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے شہادت کی خبر پر آپ کو مکمل یقین تھا کہ وہ شہید کیے جائیں گے، اس لیے آپ نے چاہا کہ ان کے سبب خون نہ بہایا جائے اور مسلمانوں کے درمیان فتنہ کا سبب نہ بنیں۔ [3]

مغیرہ بن اخنس بن شریق حج میں تھے۔ حج کے بعد حجاج کی ایک جماعت کے ساتھ جلدی مدینہ روانہ ہوئے اور عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس قتل سے پہلے پہنچ گئے اور گھر میں پہنچ کر دفاع میں ڈٹ گئے اور عثمان رضی اللہ عنہ سے عرض کیا: امیر المومنین! اگر ہم نے آپ کو چھوڑ دیا تو کل کے دن اللہ کے حضور کیا عذر پیش کریں گے حالاں کہ ہم اس کی طاقت رکھتے ہیں کہ مرتے دم تک ان کو آپ تک پہنچنے نہ دیں؟

باغی آگے بڑھے اور دروازہ اور سائبان کو آگ لگا دی، گھر میں جو لوگ تھے بھڑک اٹھے اس وقت عثمان رضی اللہ عنہ نماز میں تھے آپ نے انہیں روکا، لیکن مغیرہ بن اخنس، حسن بن علی، محمد بن طلحہ، سعید بن العاص، مروان بن الحکم اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہم نے ڈٹ کر قتال کیا، عثمان رضی اللہ عنہ بار بار انہیں قتال سے رک جانے کا حکم دیتے اور پھر نماز میں لگ جاتے آپ نے سورۂ طٰہٰ شروع کی:

﴿طٰهٰ ۝١ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ۝٢ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۝٣﴾

(طٰہٰ: ۱۔۳)

''طٰہٰ، ہم نے یہ قرآن تجھ پر اس لیے نہیں اتارا کہ تو مشقت میں پڑ جائے بلکہ اس کی نصیحت کے لیے جو اللہ سے ڈرتا ہے۔''

آپ سریع القراءت تھے، اس ہنگامہ سے آپ پریشانی میں مبتلا نہیں ہوئے، اپنی قراءت میں لگے رہے، نہ غلطی کی نہ اٹکے یہاں تک کہ باغیوں کے پہنچنے سے قبل سورت کے آخر تک تلاوت مکمل کی پھر بیٹھے اور یہ آیت تلاوت کی:

---

[1] الدولۃ الاسلامیۃ فی عصر الخلفاء الراشدین ص (۲۸۲)، البدایۃ والنہایۃ (۷/ ۱۹۰)

[2] العواصم من القواصم ص (۱۳۳) [3] الدولۃ الاسلامیۃ فی عصر الخلفاء الراشدین ص (۲۸۳)

﴿قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝۱۳۷﴾ (آل عمران : ۱۳۷)

''تم سے پہلے بھی ایسے واقعات گزر چکے ہیں سو زمین میں چل پھر کر دیکھ لو کہ (آسمانی تعلیم کے) جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔''

اس دن قریش کے چار نوجوان زخمی ہوئے: حسن بن علی، عبداللہ بن زبیر، محمد بن حاطب، مروان بن الحکم رضی اللہ عنہم۔ ❶ اور مغیرہ بن اخنس، نیار بن عبداللہ اسلمی ❷ اور زیاد فہری قتل ہوئے۔ عثمان رضی اللہ عنہ دفاع کرنے والوں کو عدم قتال پر مطمئن کرنے میں کامیاب ہو گئے اور انہیں گھر سے باہر چلے جانے کا حکم دے دیا اور پھر آپ کے اور باغیوں کے درمیان راستہ صاف ہو گیا، گھر میں صرف عثمان رضی اللہ عنہ اور آپ کے اہل خانہ بچے اور دفاع کرنے والا کوئی نہ رہا اور گھر کا دروازہ کھول دیا گیا۔ ❸

گھر سے جب دفاع کرنے والے نکل گئے تو آپ نے قرآن کھولا اور تلاوت شروع کر دی۔ اس وقت آپ روزہ سے تھے، اسی دوران باغیوں میں سے ایک شخص جس کا نام روایات میں مذکور نہیں، آپ کے پاس پہنچا جب آپ نے اس کو دیکھا تو فرمایا: میرے اور تمہارے درمیان اللہ کی کتاب ہے۔ ❹ یہ سن کر وہ شخص واپس چلا گیا، اس کا واپس ہونا تھا کہ ایک دوسرا شخص داخل ہوا، وہ بنی سدوس کا فرد تھا اس کو الموت الاسود (کالی موت) کہا جاتا تھا اس نے تلوار سے مارنے سے قبل آپ کا گلا دبوچ لیا۔ اس کا کہنا ہے کہ اللہ کی قسم! ان کے گلے سے ملائم کوئی چیز میں نے نہیں دیکھی۔ میں نے ان کا گلا دبایا تو میں نے ان کی جان کو جسم میں ادھر سے ادھر جن کی طرح بھاگتے ہوئے پایا، ❺ پھر اس نے آپ کو تلوار سے مارا آپ نے اپنے ہاتھ سے تلوار کو روکا آپ کا ہاتھ کٹ گیا۔ اس موقع پر آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم یہ پہلی ہتھیلی ہے جس نے مفصلات کو ضبط تحریر کیا۔ ❻

آپ کاتبین وحی میں سے تھے، آپ پہلے شخص ہیں جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کی املاء سے مصحف لکھا، آپ کو اس حال میں قتل کیا گیا کہ مصحف آپ کے سامنے تھا، ہاتھ کٹتے ہی مصحف پر خون کے چھینٹے پڑ گئے اور خون کے چھینٹے اس آیت پر پڑے:

﴿فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۱۳۷﴾ (البقرۃ : ۱۳۷)

❶ فتنة مقتل عثمان (۱/ ۱۶۹) روایت صحیح ہے۔ تاریخ الطبری (۵/ ۴۰۴)
❷ الخلفاء الراشدون/ الخالدی ص (۱۸۴ـ۱۸۵)، البدایة والنهایة (۷/ ۱۹۶)
❸ فتنة مقتل عثمان (۱/ ۱۸۸) ❹ تاریخ الطبری (۵/ ۴۰۵ـ۴۰۶)
❺ تاریخ ابن خیاط ص (۱۷۴ـ۱۷۵) إسناده صحیح او حسن
❻ تاریخ الطبری (۵/ ۳۹۸)

ایک روایت میں ہے کہ جس نے سب سے پہلے آپ پر وار کیا اس کا نام رومان یمانی تھا اس نے لاٹھی سے آپ کو مارا اور جب باغی آپ کو قتل کرنے کے لیے پہنچے تو آپ نے یہ اشعار پڑھے:

اری الموت لا یبقی عزیزا و لم یدع

لعاد ملاذا فی البلاد و مرتقی

''موت کسی طاقتور سے طاقتور کو بھی نہیں چھوڑتی، اور نہ دنیا میں دوبارہ آنے کا موقع دیتی ہے۔''

نیز فرمایا:

یبیت اهل الحصن و الحصن مغلق

و یاتی الجبال فی شماریخها العلی [1]

''قلعہ والے تو قلعہ بند ہو کر رات گزارتے ہیں اور بلند ہمت والے ہی پہاڑوں کی چوٹیوں پر پہنچتے ہیں۔''

جب باغیوں نے آپ کو گھیر لیا تو آپ کی بیوی نائلہ بنت فرافصہ نے کہا: خواہ ان کو قتل کرو یا چھوڑ دو، یہ ایک رکعت میں پوری رات گزار دیتے تھے اور اس میں پورا قرآن پڑھ لیتے تھے۔ [2]

نائلہ نے اپنے شوہر عثمان رضی اللہ عنہ سے دفاع کیا آپ کو اپنے جسم سے ڈھانپ لیا اور اپنے ہاتھ سے تلوار روکی۔ سودان بن حمران نے عمداً ان کی انگلیوں پر وار کیا اور آپ کی انگلیاں کٹ گئیں وہ پیچھے ہٹیں تو ان کی سرین پر مارا۔ [3]

عثمان رضی اللہ عنہ کے ایک غلام نے جب یہ صورت حال دیکھی تو عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل سے پریشان ہو گیا، اس کا نام نجیح تھا، اس سے برداشت نہ ہوا اور سودان بن حمران پر حملہ کر کے اس کو قتل کر دیا اور جب قتیرہ بن فلان سکونی نے دیکھا کہ نجیح نے حمران کو قتل کر دیا ہے تو اس نے نجیح پر وار کر کے قتل کر دیا اور پھر عثمان رضی اللہ عنہ کے دوسرے غلام صبیح نے قتیرہ کو قتل کر دیا اس طرح گھر میں چار قتل ہوئے دو شہید اور دو مجرم۔ شہیدوں میں عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور آپ کے غلام نجیح تھے اور مجرموں میں سودان سکونی اور قتیرہ سکونی تھے۔

جب سبائی عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے میں کامیاب ہو گئے تو سبائیوں کے منادی نے اعلان کیا: ایسا نہیں ہو سکتا کہ اس شخص کا خون ہمارے لیے حلال ہو اور مال حرام ہو، معلوم ہونا چاہیے کہ اس کا مال ہمارے لیے حلال ہے لہٰذا گھر میں جو کچھ ہے لوٹ لو، اس کے بعد سبائیوں نے گھر میں فساد برپا کر دیا جو کچھ گھر میں تھا سب لوٹ لیا، عورتوں کے زیور تک اتروا لیے، سبائیوں کا ایک فرد کلثوم تجیبی عثمان رضی اللہ عنہ کی بیوی نائلہ کی طرف جھپٹا اور ان کے

---

[1] فتنة مقتل عثمان (۱/ ۱۹۱)، البداية والنهاية (۷/ ۱۹۲)

[2] الطبقات (۳/ ۷۶)، فتنة مقتل عثمان (۱/ ۱۹۱)

[3] تاریخ الطبری (۵/ ۴۰۶-۴۰۷)

جسم سے چادر چھین لی اوران کے سرین پر مارا اور کہا: تیری ماں برباد، کتنی بڑی تیری سرین ہے'' عثمان رضی اللہ عنہ کے ایک غلام صبیح نے اس کی یہ حرکت دیکھی اوراس کے یہ ناشائستہ کلمات نائلہ کے حق میں سنے تو تلوار اٹھائی اوراس کو قتل کر دیا۔ [1] پھر ایک سبائی نے اس غلام پر حملہ کر کے قتل کر دیا۔

جب سبائی امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کا گھر لوٹ چکے تو اعلان کیا: بیت المال کو مت چھوڑو، خبردار کوئی تم سے پہلے وہاں نہ پہنچنے پائے، اس میں جو کچھ ہو اس کو لے لو، بیت المال کے محافظین نے ان کی یہ باتیں سنیں اور بیت المال میں غلے کی صرف دو بوریاں تھیں، محافظین نے آپس میں کہا: یہ لوگ دنیا کے بھوکے ہیں لہٰذا اپنی جانوں کو بچاؤ، سبائی بیت المال پر ٹوٹ پڑے اوراس میں جو کچھ تھا اس کو لوٹ لیا۔ [2]

قتل کی تاریخ، شہادت کے وقت آپ کی عمر، نماز جنازہ اور تدفین:

۱۔ قتل کی تاریخ: ......عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے سن کی تحدید میں بلاشبہ اجماع ہے اس سلسلہ میں کوئی اختلاف نہیں کہ آپ کا قتل ۳۵ھ میں ہوا، صرف مصعب بن عبداللہ سے مروی ہے کہ آپ کا قتل ۳۶ھ میں پیش آیا۔ [3] لیکن یہ قول شاذ اور اجماع کے خلاف ہے، قول اول کے قائلین جم غفیر ہیں۔ عبداللہ بن عمرو بن عثمان، عامر بن شراحیل شعبی، نافع مولیٰ ابن عمر، مخرمہ بن سلیمان وغیرہ بہت سے لوگوں کا یہی کہنا ہے۔ [4]

مہینے کی تعیین میں مورخین کا کوئی اختلاف نہیں کہ آپ ذوالحجہ میں قتل ہوئے، البتہ دن اور وقت کی تحدید میں اختلاف ہے، لیکن میرے نزدیک علماء کے اقوال میں سے جو راجح ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ کو جام شہادت نوش فرمایا۔ [5] رہا دن کی تحدید کہ کون سا دن تھا؟ تو اس سلسلہ میں تین اقوال وارد ہیں اوران اقوال میں سے جو قول میرے نزدیک راجح ہے وہ جمہور کا قول ہے کہ یہ دن جمعہ کا دن تھا، کیوں کہ یہ جمہور کا قول ہے اوراس کے برخلاف کوئی قول اس سے قوی نہیں ہے۔ [6] اور آپ کا قتل صبح کے وقت پیش آیا جمہور کی یہی رائے ہے اوراس کے برخلاف اس سے قوی تر کوئی قول نہیں ہے۔ [7]

۲۔ شہادت کے وقت آپ کی عمر: ......شہادت کے وقت آپ کی عمر کے سلسلہ میں روایات میں اختلاف ہے اور یہ اختلاف قدیم ہے۔ یہاں تک کہ امام طبری رحمہ اللہ کہتے ہیں: آپ کی مدت حیات کی تحدید میں ہم سے قبل سلف کا اختلاف ہے۔ [8]

میرا میلان اس طرف ہے کہ آپ کی عمر شہادت کے وقت ۸۲ سال تھی، یہی جمہور کا قول ہے اور مختلف

---

[1] تاریخ الطبری (۵/ ۴۰۷)
[2] ایضاً
[3] تاریخ الطبری (۵/ ۴۳۵۔۴۳۶)
[4] فتنة مقتل عثمان (۱/ ۱۹۳۔۱۹۴)
[5] تاریخ الطبری (۵/ ۴۳۵)
[6] تاریخ الطبری (۵/ ۴۳۶)
[7] تاریخ الطبری (۵/ ۴۳۷)
[8] تاریخ الطبری (۵/ ۴۳۸)

اسباب سے یہ راجح قرار پاتا ہے:

- آپ کے سن ولادت کا سن شہادت سے مقارنہ کیا جائے تو اسی قول کی تائید ہوتی ہے۔ آپ کی ولادت عام الفیل کے چھ سال بعد ہوئی اور شہادت ۳۵ھ میں ہوئی آپ کی ولادت کی تاریخ کی شہادت کی تاریخ سے تفریق کرنے سے شہادت کے وقت آپ کی عمر کا پتہ چل جاتا ہے کہ ۸۲ سال تھی۔
- یہی جمہور کا قول ہے اور اس کے خلاف کوئی قوی ترین قول نہیں ہے۔ [1]

۳۔ نماز جنازہ اور تدفین: ......صحابہ کی ایک جماعت نے قتل ہی کے روز آپ کو غسل وکفن دیا اور آپ کا جنازہ اٹھایا، ان میں سے حکیم بن حزام، حویطب بن عبدالعزیٰ، ابوالجہم بن حذیفہ، نیار بن مسلم اسلمی، جبیر بن مطعم، زبیر بن عوام، علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم تھے اور آپ کے اصحاب وخواتین کی ایک جماعت تھی ان میں سے آپ کی دو بیویاں نائلہ اور ام البنین بنت عتبہ بن حصین تھیں اور بچے تھے۔ آپ کی نماز جنازہ جبیر بن مطعم نے پڑھائی ہے۔ زبیر بن عوام، حکیم بن حزام، مروان بن حکم اور مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہم کا نام بھی اس سلسلہ میں مروی ہے۔ [2] لیکن میرے نزدیک راجح یہ ہے کہ آپ کی نماز جنازہ زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اور آپ کو دفن کیا، عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کی وصیت کی تھی۔ [3]

آپ کو رات میں دفن کیا گیا۔ ابن سعد اور ذہبی کی روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے، ان دونوں نے ذکر کیا ہے کہ آپ کو مغرب وعشاء کے مابین دفن کیا گیا۔ [4] رہی طبرانی کی روایت جس میں عبدالملک بن الماجشون کہتے ہیں کہ میں نے امام مالک کو کہتے ہوئے سنا کہ جب عثمان رضی اللہ عنہ قتل ہوئے تو تین دن تک بنوفلاں کے گھورے پر پڑے رہے۔ [5] تو یہ روایت سند کے اعتبار سے ضعیف اور متن کے اعتبار سے باطل ہے اس کی سند میں دو علّتیں ہیں:

- عبدالملک بن ماجشون ضعیف ہے یہ امام مالک رحمہ اللہ سے مناکیر روایت کرتا ہے۔
- یہ روایت مرسل ہے کیوں کہ امام مالک رحمہ اللہ قتل عثمان رضی اللہ عنہ کے وقت موجود نہ تھے کیوں کہ آپ کی ولادت ۹۳ھ میں ہوئی ہے۔ [6]

رہا اس روایت کا متن، تو وہ باطل ہے اس سلسلہ میں ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جو لوگ کہتے ہیں کہ آپ تین دن تک گھورے پر پڑے رہے تو یہ محض جھوٹ ہے، موضوع اور بہتان ہے، یہ ان لوگوں کی پیداوار ہے جن کو

---

[1] فتنة مقتل عثمان (١/ ٢٠٤)　[2] البداية والنهاية (٧/ ١٩٩)

[3] الموسوعة الحديثية مسند الامام احمد (١/ ٥٥٥)، اس کے رجال ثقات ہیں لیکن سند منقطع ہے۔

[4] الطبقات (٣/ ٧٨)، تاريخ الاسلام (عهد الخلفاء) (١/ ٤٨)

[5] المعجم الكبير (١/ ٧٨)، استشهاد عثمان ص (١٩٤)

[6] تهذيب التهذيب/ ابن حجر (٦/ ٤٠٨)

حیا نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو بدر کے دن کفار قریش کے مقتولین کو کنویں میں ڈالنے کا حکم فرمایا تھا اور پھر ان کے اوپر مٹی ڈال دی تھی حالاں کہ وہ اللہ کی بدترین مخلوق تھے، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو قریظہ کے مقتولین کے لیے خندق کھودنے کا حکم فرمایا تھا اور وہ ان لوگوں میں بدترین لوگ تھے، جنھیں زمین میں دفن کیا گیا، مومن ہو یا کافر اس کو دفن کرنا مسلمانوں پر فرض ہے۔ تو حیا مند انسان کے لیے کیسے جائز ہے کہ وہ علی رضی اللہ عنہ (جو امام وقت تھے) اور مدینہ میں موجود صحابہ کی طرف منسوب کرے کہ انہوں نے ایک میّت کو تین دن تک گھورے پر پھینکے رکھا دفن نہیں کیا۔ [1]

کسی انسان کی عقل میں جو رفض سے محفوظ ہو، یہ بات گھس نہیں سکتی کہ ان حضرات صحابہ نے تین دن تک اپنے امام کو بغیر دفن کے چھوڑے رکھا۔ باغی جو عثمان رضی اللہ عنہ کے محاصرہ قتل کے لیے آئے تھے ان کی قوت کچھ بھی رہی ہو کیوں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی صفت بیان کی ہے اللہ کے بارے میں کسی ملامت گر کی ملامت سے نہیں ڈرتے تھے، یہ روایتیں جنھوں نے اسلامی تاریخ کو مسخ کیا ہے روافض کی دسیسہ کاریوں کا نتیجہ ہیں۔ [2]

٤۔ عثمان رضی اللہ عنہ کے خون سے محمد بن ابی بکر کی براءت: ......عثمان رضی اللہ عنہ کا قاتل ایک مصری شخص تھا روایات میں اس کا نام مذکور نہیں۔ روایات میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ اصل میں سدوسی تھا، کالے رنگ کا تھا، کالے پن کی وجہ سے اس کا لقب جبلہ تھا نیز اس کو ''الموت الاسود'' (کالی موت) کا لقب بھی دیا گیا ہے اور محبّ الدین خطیب کی تحقیق یہ ہے کہ عبداللہ بن سبا قاتل تھا چنانچہ کہتے ہیں کہ یہ ثابت ہے کہ عبداللہ بن سبا فسطاط سے مدینہ آتے وقت مصری باغیوں کے ساتھ تھا۔ ہر کردار میں جو اس نے ادا کیا اس کی یہی کوشش رہی کہ وہ پردہ کے پیچھے رہے، عین ممکن ہے ''الموت الاسود'' اسی کا اسم مستعار ہو اور اس کے ذریعے سے اپنی طرف اشارہ مقصود ہوتا کہ اسلام کو منہدم کرنے کے لیے اپنی دسیسہ کاریوں کو بروئے کار لا سکے۔ [3]

اور اس تحقیق پر یہ شہادت ہے کہ عبداللہ بن سبا کالا تھا، علی رضی اللہ عنہ سے صحیح سند سے ثابت ہے کہ آپ نے اس کو خبث اور کالے پن سے متصف کیا چنانچہ آپ نے اس سے متعلق فرمایا: "الخبیث الاسود" (خبیث کالا) [4]

عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے سلسلہ میں محمد بن ابی بکر کو متہم کرنا باطل ہے کیوں کہ اس سلسلہ میں روایات ضعیف ہیں اور متن شاذ ہیں کیوں کہ صحیح روایات کے خلاف ہیں اس لیے کہ صحیح روایات میں یہ بیان ہوا ہے کہ آپ کا قاتل ایک مصری شخص ہے۔ [5] اور ڈاکٹر یحییٰ الیحیٰی نے کئی اسباب ذکر کیے ہیں جس سے عثمان رضی اللہ عنہ کے خون سے

---

[1] الفصل (٤/ ٢٣٩ـ٢٤٠) [2] عقیدۃ اھل السنۃ (٣/ ١٠٩١)

[3] العواصم من القواصم بحوالہ فتنۃ مقتل عثمان (١/ ٢٠٧)

[4] لسان المیزان (٣/ ٢٩٠) [5] فتنۃ مقتل عثمان (١/ ٢٠٩)

محمد بن ابی بکر کی براءت راجح قرار پاتی ہے، من جملہ ان اسباب کے یہ ہیں:

ا۔ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص کے مطالبہ کے لیے بصرہ تشریف لے گئیں اگر آپ کا بھائی بھی انہی قاتلین میں سے ہوتا تو کبھی بعد میں اس کے قتل پر غمگین نہ ہوتیں۔ اس کی تفصیل ان شاء اللہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے متعلق تفصیل کے وقت آئے گی۔

ب۔ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ پر علی رضی اللہ عنہ کی لعنت اور ان سے براءت کا اظہار اس بات کا متقاضی ہے کہ آپ انہیں اپنے سے قریب نہ کرتے اور نہ ان کو کوئی عہدہ عطا کرتے لیکن آپ نے محمد بن ابی بکر کو مصر کا گورنر مقرر کیا اگر وہ قاتلین میں سے ہوتے تو آپ ایسا نہ کرتے۔

ج۔ ابن عساکر نے اپنی سند سے محمد بن طلحہ بن مصرف سے روایت کی ہے کہ میں نے ام المومنین صفیہ بنت حی رضی اللہ عنہا کے غلام کنانہ سے سنا کہ میں عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے موقع پر موجود تھا، اس وقت میری عمر چودہ سال تھی۔ ام المومنین صفیہ رضی اللہ عنہا نے ان سے دریافت کیا کیا محمد بن ابی بکر کا ہاتھ عثمان رضی اللہ عنہ کے خون سے آلودہ ہوا، انہوں نے کہا: اللہ کی پناہ وہ داخل تو ہوئے لیکن عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: بھتیجے تو میرا ساتھی (قاتل) نہیں۔ وہ باہر آ گئے۔ اور ان کا ہاتھ آپ کے خون سے آلودہ نہ ہوا۔ [1]

شہادت عثمان رضی اللہ عنہ سے متعلق صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال
اہل بیت کی طرف سے مدح سرائی اور آپ کے خون سے ان کی براءت

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا:

❀ ...... فاطمہ بنت عبدالرحمٰن یشکریہ اپنی والدہ سے روایت کرتی ہیں کہ ان کو ان کے چچا نے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا انہوں نے جا کر عرض کیا: آپ کا ایک بیٹا آپ کو سلام کہتا ہے اور آپ سے عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق دریافت کرتا ہے جن کے بارے میں لوگ بہت سی باتیں کر رہے ہیں تو ام المومنین نے فرمایا: اللہ کی اس پر لعنت ہو جو عثمان رضی اللہ عنہ پر لعنت کرے۔ اللہ کی قسم وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری طرف اپنی پیٹھ ٹیکے ہوئے تھے اور جبریل علیہ السلام قرآن کی وحی لے کر آپ کے پاس آئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے کہہ رہے تھے: عثمان لکھو۔ اور اللہ تعالیٰ یہ مقام اسی کو عطا کرتا ہے جو اللہ و رسول کے نزدیک مکرم و معزز ہو۔ [2]

❀ ...... مسروق روایت کرتے ہیں کہ جب عثمان رضی اللہ عنہ قتل ہو گئے تو عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا تم لوگ عثمان رضی اللہ عنہ سے

---

[1] مرویات ابی مخنف فی تاریخ الطبری ص (۲۴۳)

[2] المسند (۶/ ۲۵۰ـ۲۶۱)، تحقیق مواقف الصحابة (۱/ ۳۷۸)، البداية والنهاية (۷/ ۲۱۹)

ایسے دور رہے جیسے صاف کپڑا میل سے دور رہتا ہے، پھر ان سے قریب ہوئے تو انہیں بھیڑ کی طرح ذبح کر دیا۔
مسروق نے کہا: یہ آپ کا کام ہے آپ نے لوگوں کے نام خطوط لکھ کر خروج کرنے کا حکم دیا۔ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: نہیں اس ذات کی قسم جس پر مومن ایمان رکھتے ہیں اور جس کے ساتھ کافر کفر کرتے ہیں، اب تک میں نے کوئی تحریر نہیں لکھی ہے۔ [1]

سبائیوں کی کذب بیانی اس سے قبل گزر چکی ہے کہ صوبوں کے لوگوں کے نام جعلی خطوط ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے روانہ کرتے تھے۔

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ:

علی رضی اللہ عنہ اور آل بیت آپ کی تعظیم کرتے اور ان کے حق کے معترف تھے۔

❀ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنے والے سب سے پہلے علی رضی اللہ عنہ تھے۔ [2] قیس بن عباد سے روایت ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کا ذکر آیا تو علی رضی اللہ عنہ کو میں نے یہ فرماتے ہوئے سنا: آپ وہ شخص ہیں جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((الا استحی ممن تستحی منه الملائكة .)) [3]

''کیا میں اس شخص سے حیا نہ کروں جس سے فرشتے حیا کرتے ہیں۔''

❀ آپ نے عثمان رضی اللہ عنہ کے جنتی ہونے کی شہادت دی۔ نزال بن سبرہ سے روایت ہے کہ میں نے علی رضی اللہ عنہ سے عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: وہ تو ملاء اعلیٰ میں ذوالنورین کے نام سے پکارے جاتے ہیں۔ آپ رسول اللہ ﷺ کے داماد تھے آپ کی زوجیت میں رسول اللہ ﷺ کی دو بیٹیاں آئیں، آپ ﷺ نے آپ کے لیے جنت میں گھر کی ضمانت دی۔ [4]

❀ آپ عثمان رضی اللہ عنہ کی امامت و خلافت کے معترف اور آپ کے اطاعت گزار تھے، آپ کے کسی امر کی مخالفت نہیں کرتے تھے۔ ابن ابی شیبہ نے اپنی سند سے محمد بن حنفیہ کے واسطے سے علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں: اگر عثمان وادی ضرار جانے کا مجھے حکم دیں تو میں آپ کی بات سنوں گا اور اطاعت کروں گا۔ [5] اس میں عثمان رضی اللہ عنہ کی اطاعت واتباع کی انتہا کی دلیل ہے۔ [6]

---

[1] فتنة مقتل عثمان (۱/ ۳۹۱)، تاريخ خليفة ص (۱۷۶) اسناده صحيح

[2] البخاری، كتاب فضائل الصحابة (۳۷۰۰) [3] مسلم، كتاب فضائل الصحابة (۲٤۰۱)

[4] العقيدة فی اهل البيت بين الافراط والتفريط ص (۲۲۷) المختصر من كتاب الموافقة بين اهل البيت و الصحابة للزمخشری مخطوطة، مكتبة المخطوطات بالجامعة الاسلامية۔ آخر میں دارالحدیث کے ذریعے سے اس مخطوطہ کی طباعت ہوئی۔

[5] السنة/ الخلال (۱/ ۳۲۵) ص (٤۱٦) اسناده صحيح

[6] العقيدة فی اهل البيت بين الافراط و التفريط ص (۲۲۷)

❀ جب عثمان رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشورہ واجماع کے بعد ایک قراءت پر لوگوں کو جمع کیا تو علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو ذمہ داری عثمان رضی اللہ عنہ پر ڈالی گئی اگر مجھ پر ڈالی جاتی تو میں وہی کرتا جو عثمان رضی اللہ عنہ نے کیا ہے۔ ❶

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما:

امام احمد نے اپنی سند سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ اگر سب لوگ عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل پر جمع ہوتے تو ان پر اسی طرح پتھر برسائے جاتے جس طرح قوم لوط پر پتھر برسائے گئے تھے۔ ❷ اور آپ عثمان رضی اللہ عنہ کی مدح اور ان کی تنقیص کرنے والوں کی مذمت میں فرماتے ہیں: ابوعمرو پر اللہ رحم فرمائے اللہ کی قسم آپ اقارب پر سب سے زیادہ نوازش کرنے والے، نیکو کاروں میں سب سے افضل، بوقت سحر کثرت سے عبادت کرنے والے، جہنم کے ذکر کے وقت بہت زیادہ آنسو بہانے والے، ہر فیاضی کے وقت اٹھ کھڑے ہونے والے، ہر عطیہ کی طرف سبقت کرنے والے، انتہائی محبوب، خوددار اور وفادار تھے، آپ لشکر تبوک کو تیار کرنے والے اور رسول اللہ ﷺ کے داماد تھے۔ جو آپ پر لعنت کرے اللہ تعالیٰ اس پر قیامت تک لعنت کرنے والوں کی لعنت نازل فرمائے۔ ❸

زید بن علی رحمہ اللہ:

ابن عساکر نے اپنی سند سے سدی سے روایت کی ہے کہ میں آپ (یعنی زید رحمہ اللہ) کے پاس آیا اس وقت آپ کوفہ کے محلوں میں سے ایک محلے بارق میں تھے، میں نے عرض کیا آپ ہمارے سردار اور ہمارے حاکم ہیں، آپ ابوبکر وعمر کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ فرمایا: ان دونوں سے ولاء و محبت رکھو اور فرماتے تھے کہ ابوبکر وعمر اور عثمان سے براءت علی سے براءت ہے اور علی سے براءت ابوبکر وعمر اور عثمان سے براءت ہے۔ ❹ (مزید تفصیل ملاحظہ ہو، سیرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ: ۵۱۰)

فتنہ قتل سے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال

انس بن مالک رضی اللہ عنہ:

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے کہا گیا: علی وعثمان رضی اللہ عنہما کی محبت ایک دل میں جمع نہیں ہوسکتی، تو انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لوگ جھوٹ کہتے ہیں ان دونوں کی محبت ہمارے دلوں میں ایک ساتھ جمع ہے۔ ❺

---

❶ السنن/ البیهقی (۲/ ۴۲) ❷ فضائل الصحابة (۱/ ۵۶۳) رقم (۷۴۶)

❸ العقيدة فى اهل البيت، ص (۲۳۴)، مروج الذهب/ المسعودى (۳/ ۶۴)

❹ العقيدة فى اهل البيت (۳۳۵) و تهذيب تاريخ دمشق ص (۶/ ۱۲)

❺ تحقيق مواقف الصحابة (۲/ ۲۵)، تهذيب التهذيب/ ابن حجر (۷/ ۱۴۱)

حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ:

خالد بن ربیع سے روایت ہے کہ جب حذیفہ رضی اللہ عنہ کی بیماری کی خبر آئی تو ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ کچھ لوگوں کے ساتھ مدائن روانہ ہوئے پھر جب عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کا ذکر کیا گیا تو حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے اللہ میں وہاں موجود نہ تھا، نہ میں نے قتل کیا اور نہ میں اس سے راضی ہوں۔ ❶

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ:

ابومریم سے روایت ہے فرماتے ہیں جس دن عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل ہوا اس دن ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا آپ کی دو چوٹیاں تھیں ان دونوں کو پکڑ کر فرمارہے تھے اللہ کی قسم! عثمان کو ناحق قتل کیا گیا ہے۔ ❷

ابوبکرہ رضی اللہ عنہ:

علامہ ابن کثیر روایت کرتے ہیں کہ ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں آسمان سے زمین پر پھینک دیا جاؤں یہ میرے لیے اس سے بہتر ہے کہ میں عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں شریک کیا جاؤں۔ ❸

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ:

ابوعثمان نہدی سے روایت ہے کہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل ہدایت ہوتی تو امت اس کے ذریعے سے دودھ دوہتی لیکن یہ ضلالت تھی جس کی وجہ سے امت کو خون دوہنا پڑا۔ ❹

سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ:

ابن عساکر اپنی سند سے سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: یقیناً اسلام مضبوط قلعہ میں محفوظ تھا، لوگوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کر کے اسلام میں دراڑ پیدا کر دی اور اس میں نشتر لگا دیا وہ لوگ اس دراڑ کو پر نہ سکے یا قیامت تک وہ اس دراڑ کو پر نہیں کر سکتے۔ مدینہ والوں میں خلافت تھی انہوں نے اس کو مدینہ سے نکال دیا اور یہ ان میں لوٹ نہیں سکتی۔ ❺

عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما:

ابونعیم نے معرفۃ الصحابہ میں اپنی سند سے عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا: عثمان بن عفان ذوالنورین رضی اللہ عنہ مظلوم قتل ہوئے، آپ کو دہرا اجر دیا گیا۔ ❻

---

❶ تحقیق مواقف الصحابة (۲/ ۲۷)

❷ ایضًا (۲/ ۳۱)، تاریخ دمشق ص (٤٩٣) ❸ ایضًا

❹ تاریخ المدینة (٤/ ١٢٤٥)

❺ تاریخ دمشق ص (۳۲۸)، تحقیق مواقف الصحابة (۲/ ۳۱)

❻ معرفة الصحابة (۱/ ٢٤٥)، المعجم الکبیر (۱/ ٤٦)

عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ:

آپ نے فرمایا: عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل نہ کرو اگر تم نے ایسا کیا تو کبھی ایک ساتھ نماز نہ پڑھ سکو گے۔ ❶ اور ایک روایت میں ہے: اللہ کی قسم تم خون عثمان کو ایک سینگی بھر بھی بہاؤ گے تو اللہ سے دور ہو جاؤ گے۔ ❷

حسن بن علی رضی اللہ عنہما:

طلق بن خشاف سے روایت ہے کہ ہم مدینہ گئے، ہمارے ساتھ قرط بن خیثمہ تھے ہم حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے ملے، آپ سے قرط نے کہا: امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کو کیوں قتل کیا گیا؟ فرمایا: مظلوم قتل ہوئے۔ ❸

سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ:

یزید بن ابی عبیدہ سے روایت ہے کہ جب عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل ہوا تو سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ جو بدری صحابی ہیں، مدینہ چھوڑ کر ربذہ چلے گئے اور موت سے کچھ دن قبل تک وہیں رہے۔ ❹

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما:

ابو حازم سے روایت ہے کہ میں عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کے پاس تھا آپ نے عثمان رضی اللہ عنہ کا تذکرہ فرمایا، آپ کے فضائل ومناقب اور قرابت کا ذکر اس طرح کیا کہ وہ شیشہ سے بھی صاف وستھرا تھا پھر علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کیا، آپ کے فضائل وسبقت وقرابت کا ذکر اس طرح کیا کہ وہ شیشہ سے بھی صاف وستھرا تھا۔ پھر فرمایا جو شخص ان دونوں کا تذکرہ کرے اس کو اس طرح ان کا تذکرہ کرنا چاہیے ورنہ نہ کرے۔ ❺ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: عثمان رضی اللہ عنہ کو برا بھلا نہ کہو، ہم انہیں اپنے بہترین لوگوں میں شمار کرتے تھے۔ ❻

دوسرے فتنوں کے برپا ہونے میں قتل عثمان رضی اللہ عنہ کا اثر

قتل عثمان رضی اللہ عنہ کا فتنہ دوسرے بہت سے فتنوں کے برپا ہونے کا سبب ثابت ہوا اور اس کا پرتو ان فتنوں پر پڑا جو اس کے بعد پیدا ہوئے۔ لوگوں کے دل بدل گئے، جھوٹ عام ہوا، عقیدہ وشریعت میں اسلام سے انحراف کا آغاز ہوا۔ ❼

عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل لوگوں کے درمیان فتنوں کے برپا ہونے میں عظیم ترین سبب قرار پایا، اور اس کے سبب

❶ معرفة الصحابة (۱/ ۲٤٥)، المعجم الكبير (۱/ ٤٦)

❷ تحقيق مواقف الصحابة (۳/ ۳٤) فضائل الصحابة، اسناده حسن

❸ الطبقات (۳/ ۸۱) ❹ تاريخ المدينة (٤/ ۱٤٥)

❺ تحقيق مواقف الصحابة (۱/ ۳۷۹)

❻ تحقيق مواقف الصحابة (۲/ ۳۷۹)، فضائل الصحابة، اسناده صحيح۔

❼ احداث و احاديث فتنة الهرج ص (٥٩٠)

سے امت آج تک افتراق و اختلاف کا شکار ہے۔ ❶ دلوں میں افتراق رونما ہوا، بڑی مصیبتیں ہوئیں، شر پسند غالب آئے خیر پسند ذلیل ہوئے، فتنہ میں ان لوگوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا جو اس سے عاجز تھے، اور خیر وصلاح سے وہ لوگ عاجز آ گئے جن کی فطرت و عادت خیر وفلاح کی آماجگاہ تھی۔ لوگوں نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے بیعت کی آپ اس وقت خلافت کے سبب سے زیادہ مستحق تھے اور جو باقی تھے ان میں افضل تھے، لیکن دلوں میں افتراق و اختلاف پیدا ہو چکا تھا، فتنہ کی آگ بھڑک اٹھی تھی لہٰذا اتفاق پیدا نہ ہوا جماعت منظّم نہ ہوئی، خلیفہ اور امت کے اچھے لوگ چاہتے ہوئے بھی اپنے مقاصد خیر کو پورا نہ کر سکے اور فتنہ و افتراق میں بہت سی قومیں داخل ہو گئیں۔ ❷

عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری سالوں میں آہستہ آہستہ اسلامی فتوحات میں ضعف پیدا ہونا شروع ہوا، جب سبائی فتنے نے اسلامی شہروں اور مرکز خلافت کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تو عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے وقت اسلامی فتوحات کا سلسلہ بند ہو گیا اور یہ سلسلہ بند رہا بلکہ بعض مقامات پر مسلمانوں کو پیچھے ہٹنا پڑا یہاں تک کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا آغاز ہوا اور عالم اسلام کے اندر استقرار پیدا ہوا، امن و امان بحال ہوا اور پھر مشرق و مغرب اور شمال میں اسلامی فتوحات کا سلسلہ پورے آب و تاب سے شروع ہوا۔ ❸

❶ مجموع الفتاوی (۲۵/ ۱٦۲)
❷ ایضًا
❸ احداث و احادیث فتنۃ الھرج ص (۵۹۱)

خلاصہ

۱۔ امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ اپنی قوم میں افضل ترین لوگوں میں سے تھے۔ بڑی جاہ وحشمت کے مالک، مالدار، شرم وحیا کے پتلے، شیریں کلام تھے، آپ کی قوم آپ سے بڑی محبت کرتی تھی اور آپ کی تعظیم، توقیر اور احترام کرتی تھی۔ جاہلیت میں کسی بت کو کبھی سجدہ نہ کیا، زنا اور فحش کاری کے قریب نہ گئے، جاہلیت میں بھی شراب نہ پی۔

۲۔ جس وقت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کو اسلام کی دعوت دی اس وقت آپ کی عمر چونتیس (۳۴) برس تھی۔ اسلام قبول کرنے میں آپ نے کوئی لیت ولعل نہ کیا، بلکہ فوراً ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دعوت کو قبول کرنے میں سبقت کی اور سابقین اولین میں شمار ہوئے۔

۳۔ مسلمان آپ کے اسلام سے بے حد خوش ہوئے، آپ اور ان کے درمیان محبت اور اسلامی اخوت کا رشتہ مضبوط ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو رسول اللہ ﷺ کی دختر نیک اختر رقیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ شادی سے مشرف ہونے کی توفیق دی۔

۴۔ ابتلاء وآزمائش کی سنت افراد و جماعت، اقوام و امم اور ممالک و دول میں الٰہی سنت رہی ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی یہ الٰہی سنت جاری رہی، ان نفوس نے اس ابتلاء وآزمائش کو برداشت کیا جس سے اونچے پہاڑ بھی عاجز آجائیں۔ اللہ کی راہ میں اپنے مال وخون کو صرف کیا۔ جہد ومشقت انتہاء کو پہنچ گئی اس ابتلاء سے معزز مسلمان بھی نہ بچے۔ عثمان رضی اللہ عنہ بھی اللہ کی راہ میں ستائے گئے اور اپنے چچا حکم بن ابی العاص کے ہاتھوں اذیتیں اٹھائیں۔

۵۔ جب سے عثمان رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا رسول اللہ ﷺ کو لازم پکڑا، کبھی آپ سے جدا نہ ہوئے الا یہ کہ آپ ﷺ نے آپ کو کسی مہم پر روانہ کیا ہو جو کسی اور کے بس کا کام نہ ہو یا آپ ہی کی اجازت سے ہجرت حبشہ کی۔ رسول اللہ ﷺ کی صحبت کو لازم پکڑنے میں آپ دیگر خلفائے راشدین کی طرح تھے گویا کہ اس صحبت کا التزام ان نفوس قدسیہ کا ایسا خاصہ تھا جس کے لیے اس ذات نے ان کو منتخب فرمایا تھا جس نے انہیں یکے بعد دیگرے خلافت کے لیے منتخب فرمایا تھا۔

۶۔ ذوالنورین رضی اللہ عنہ کا تعلق اس عظیم دعوت کے ساتھ سال اول سے انتہائی مضبوط تھا، نبی کریم ﷺ کی زندگی میں نبوت کی خاص وعام خبروں میں سے کوئی خبر آپ سے مخفی نہ رہنے پائی اور نہ اس کے بعد شیخین ابوبکر و

عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں خلافت کی کوئی خبر آپ سے مخفی رہنے پائی اور بالفاظ دیگر آج کی اصطلاح میں اسلامی سلطنت کی تاسیس کے اعمال میں سے کوئی عمل آپ سے دور نہ رہنے پایا۔

۷۔ عثمان رضی اللہ عنہ اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جس تربیتی منہج پر تربیت پائی تھی وہ رب العالمین کی طرف سے نازل ہونے والے قرآن سے ماخوذ تھا۔

۸۔ جو چیز آپ کی شخصیت پر اثر انداز ہوئی، آپ کی وہبی صلاحیت وقابلیت کو صیقل کیا اور آپ کی طاقت کو جوش دیا اور آپ کے نفس کی تہذیب کی وہ رسول اللہ ﷺ کی صحبت اور مدرسہ نبوت میں آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرنا تھا۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے مکہ میں اسلام لانے کے بعد ہی سے آپ کی صحبت کو لازم پکڑا اور اسی طرح ہجرت کے بعد مدینہ میں آپ کی صحبت سے چمٹے رہے، اپنے نفس کو منظّم کیا، مدرسہ نبوت میں علوم ومعارف کے مختلف فروع واقسام کے حلقوں میں اس معلم انسانیت وہادی بشریت کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرنے کے حریص رہے جس کو اللہ نے اچھی طرح ادب سکھایا تھا۔

۹۔ عثمان رضی اللہ عنہ معرکہ بدر سے بچتے ہوئے اور بھاگتے ہوئے پیچھے نہیں رہے تھے جیسا کہ اہل بدعت کا زعم ہے جو آپ پر طعنہ زنی کرتے ہیں۔ آپ کو رسول اللہ ﷺ کی مخالفت مقصود نہ تھی کیوں کہ اہل بدر کو بدر میں حاضری کی جو فضیلت حاصل ہوئی وہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت واتباع کے نتیجہ میں حاصل ہوئی، عثمان رضی اللہ عنہ بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلے تھے، لیکن رسول اللہ ﷺ نے ہی انہیں اپنی بیٹی رقیہ رضی اللہ عنہا کی خبر گیری کے لیے لوٹا دیا اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت میں پیچھے رہ جانے کی وجہ سے مال غنیمت میں رسول اللہ ﷺ نے ان کا بھی حصہ لگایا اور فضل واجر میں ان کو شریک رکھا کیوں کہ اللہ ورسول ﷺ کی اطاعت اور فرماں برداری ہی میں وہ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے۔

۱۰۔ محبّ طبری نے بیان کیا ہے کہ حدیبیہ کے موقع پر عثمان رضی اللہ عنہ کی کئی خصوصیتیں سامنے آئیں: رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بیعت کرتے ہوئے عثمان رضی اللہ عنہ کی عدم موجودگی میں اپنے ہاتھ کو عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ قرار دیا۔ رسول اللہ ﷺ کا پیغام مکہ میں قیدی مسلمانوں کو پہنچایا۔ اس موقع پر ترک طواف سے متعلق رسول اللہ ﷺ نے آپ کی موافقت کی۔

۱۱۔ فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے سلسلہ میں آپ کی سفارش کو قبول کیا۔

۱۲۔ مدینہ میں عثمان رضی اللہ عنہ کی اجتماعی زندگی کے واقعات میں سے رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے بعد ام کلثوم بنت رسول اللہ ﷺ سے آپ کی شادی، اور عبداللہ بن عثمان رضی اللہ عنہما کی وفات، پھر ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی وفات ہے۔

۱۳۔ حکومت کی تعمیر وترقی میں آپ کے تعاون میں سے بئر رومہ کو بیس ہزار درہم میں خرید کر امیر وغریب اور

مسافر سب کے لیے وقف کر دینا تھا۔ مسجد نبوی کی توسیع اور لشکر تبوک پر بھاری خرچ کیا۔

۱۴۔ عثمان رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں بے شمار احادیث وارد ہیں ان میں کچھ وہ احادیث ہیں جو دوسروں کے ساتھ آپ کی فضیلت پر مشتمل ہیں اور کچھ وہ ہیں جن میں صرف آپ کی فضیلت بیان ہوئی ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اس فتنہ کی بھی خبر دی تھی جس میں عثمان رضی اللہ عنہ قتل ہوئے۔

۱۵۔ عثمان رضی اللہ عنہ عہد صدیقی میں ان صحابہ اور اہل شوریٰ میں تھے جن کی رائے اہم اور بنیادی مسائل میں لی جاتی تھی۔ آپ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نزدیک مرتبہ میں دو میں سے دوسرے تھے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ عزم و حزم اور شدائد کے لیے اور عثمان رضی اللہ عنہ رفق و نرمی اور صبر و حلم کے لیے مشہور تھے۔ عمر رضی اللہ عنہ خلافت صدیقی کے وزیر اور عثمان رضی اللہ عنہ جنرل سکریٹری، ناموس اعظم اور کاتب اکبر تھے۔

۱۶۔ عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک آپ کا بڑا اونچا مقام و مرتبہ تھا، لوگوں کو جب عمر رضی اللہ عنہ سے کچھ سوال کرنا ہوتا تو عثمان بن عفان اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما کا سہارا لیتے۔ (عثمان رضی اللہ عنہ کو ردیف کہا جاتا تھا۔ ردیف عربی زبان میں نائب کو کہا جاتا ہے، صدر مملکت کے بعد لوگ انھی سے امیدیں وابستہ رکھتے ہیں) اور جب یہ دونوں نہ کر سکتے تو ان کے ساتھ عباس رضی اللہ عنہ کو بھی شریک کر لیتے تھے۔

۱۷۔ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے افضل ترین اعمال میں شوریٰ کے وقت اپنے آپ کو خلافت سے الگ کر لینا اور اس شخص کا انتخاب کرنا ہے جس کا اصحاب حل وعقد نے مشورہ دیا اور اس سلسلہ میں عثمان رضی اللہ عنہ پر امت کو متفق کرنے میں اپنے فرائض منصبی کو بحسن وخوبی ادا کیا۔

۱۸۔ شوریٰ اور عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے سلسلہ میں روافض اور شیعوں نے باطل اور جھوٹی روایتوں کو تاریخ اسلامی میں بھر دیا ہے اور مستشرقین نے اس کو لے کر اس کی خوب نشر و اشاعت کی اور بہت سے مورخین اور جدید مفکرین اس سے متاثر ہوئے ان روایتوں کو پرکھنے اور ان کی سند و متن کی تحقیق کرنے کی زحمت نہ کی پھر یہ جھوٹی روایات مسلمانوں میں پھیل گئیں۔

۱۹۔ بے شمار دلائل ہیں جو بتاتے ہیں کہ عثمان رضی اللہ عنہ خلافت کے زیادہ مستحق تھے، اور متمسکین کتاب وسنت کے نزدیک اس سلسلہ میں کوئی نزاع اور اختلاف نہیں ہے۔ آپ کی خلافت پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اسی طرح صحابہ کرام کے بعد آنے والے اہل سنت الجماعت (جنھوں نے صحابہ کا راستہ اختیار کیا ہے) کا اس بات پر اجماع ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بعد خلافت نبوت کے سب سے زیادہ مستحق عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے۔

۲۰۔ جب عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت خلافت ہوئی تو آپ نے لوگوں کو خطاب فرمایا اور اپنے سیاسی منہج کا اعلان فرمایا اور یہ واضح کیا کہ وہ کتاب وسنت اور شیخین کی سیرت کا التزام کریں گے اور اس طرف بھی اپنے خطاب میں اشارہ فرمایا کہ وہ علم وحکمت کے ساتھ حکومت کریں گے الا یہ کہ لوگ خود اپنے اوپر حدود کو عائد کر لیں۔

آپس میں تنافس، تباغض اور تحاسد کے خوف سے لوگوں کو دنیا کی طرف جھکنے اور اس کے فتنے میں مبتلا ہونے سے ڈرایا تا کہ امت افتراق اور اختلاف کا شکار نہ ہو۔

۲۱۔ ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی شخصیت قائدانہ شخصیت تھی۔ آپ ربانی قائد کے درج ذیل اوصاف سے متصف تھے: علم، تعلیم، توجیہ کی قدرت، حلم، دریا دلی، نرمی، عفو ودرگزر، تواضع، حیا، عفت، کرم، شجاعت، عزم وحزم، صبر، عدل، عبادت، خوف، بکاء، محاسبہ، زہد، شکر، لوگوں کی خبر گیری، اختیارات کی تحدید، باصلاحیت افراد سے استفادہ۔

۲۲۔ خلفائے راشدین کی صفات کی معرفت اور ان کی اقتداء کی کوشش ان ربانی قائدین کی صفات میں سے ہیں جو امت کی قیادت ثابت قدمی کے ساتھ متعین اہداف کی طرف کر سکتے ہیں۔

۲۳۔ عثمان رضی اللہ عنہ کی مالی سیاست درج ذیل عام بنیادوں پر قائم ہوئی: عام اسلامی مالی سیاست کا نفاذ، رعایت کو وصولی مال میں خلل انداز نہ ہونے دینا، مسلمانوں سے بیت المال کے حق کو وصول کرنا اور ذمیوں سے بیت المال کے حق کو وصول کرنا ان کے حقوق کو ادا کرنا، ان پر ظلم نہ کرنا، عاملین خراج کا امانت و وفاداری کی صفت سے متصف ہونا، عوام کے پاس مال و دولت اور نعمتوں کی فراوانی کے نتیجے میں پیدا ہونے والے ہر طرح کے مالی انحرافات کو ختم کرنا۔

۲۴۔ عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں عام اخراجات یہ تھے: گورنروں کی تنخواہیں، فوجیوں کی تنخواہیں، حج کے اخراجات، مسجد نبوی کی توسیع و ترمیم، مسجد حرام کی توسیع، پہلے اسلامی بیڑے کی تیاری، ساحل کو شعیبہ سے جدہ منتقل کرنا، کنوؤں کی کھدائی، موذنوں کے اخراجات وغیرہ۔

۲۵۔ فسادیوں اور خوارج کی طرف سے عثمان رضی اللہ عنہ پر بیت المال میں اسراف اور اپنے اعزہ واقرباء کو زیادہ دینے کا اتہام باندھا گیا اور اس اتہام کے سہارے سبائیوں نے باطل پروپیگنڈہ مہم چلائی اور روافض آج تک آپ کے خلاف اس کو منوانے میں لگے ہیں۔ یہ اتہامات تاریخی کتابوں میں آ گئے، اور مفکرین و مورخین نے ان کو حقائق کی حیثیت سے استعمال کیا حالاں کہ یہ باطل ومن گھڑت ہیں ان کا سرے سے ثبوت ہی نہیں۔

۲۶۔ ذوالنورین رضی اللہ عنہ کا دور دور راشدی کا امتداد ہے جس کی اہمیت عہد نبوی سے متصل وقریب ہونے کی وجہ سے نمایاں ہے۔ دور راشدی عام طور سے اور شعبہ قضا خاص طور سے عہد نبوی کے قضاء کا امتداد ہے۔ عہد نبوی میں ثابت شدہ قضاء کی اس دور میں مکمل محافظت اور نص ومعنی کی مکمل تنفیذ کی گئی تھی۔

۲۷۔ فتوحات کے سلسلہ میں عثمان رضی اللہ عنہ کے منصوبہ میں عزم وحوصلہ نمایاں تھا۔ درج ذیل امور سے اس کا اظہار ہوتا ہے:

فارس و روم کے باغیوں کو تابع کرنا، ان ممالک پر اسلام کی حکومت و پکڑ کو بحال کرنا، ان سے امداد کو روکنے کے لیے ان کے پیچھے ممالک میں جہاد و فتوحات کو جاری رکھنا، اسلامی شہروں کی حفاظت کے لیے فوجی مراکز قائم کرنا، بحری فوجی طاقت تیار کرنا کیوں کہ اسلامی لشکر کو اس کی ضرورت تھی۔

۲۸۔ عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اسلامی فوجی چھاؤنیاں اور سرحدی فوجی مراکز صوبوں کے صدر مقام ہوا کرتے تھے۔ عراق کی فوجی چھاؤنی کوفہ و بصرہ میں تھی، اور شام کی فوجی چھاؤنی مکمل شام معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماتحت ہونے کے بعد دمشق میں تھی، اور مصر کی فوجی چھاؤنی فسطاط میں قائم تھی۔ یہ فوجی چھاؤنیاں ایک طرف اسلامی سلطنت کی حفاظت کرتی تھیں تو دوسری طرف اسلامی فتوحات کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے تھیں اور اسلام کی نشر و اشاعت میں لگی تھیں۔

۲۹۔ عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں مشہور جرنیل اور سپہ سالار یہ لوگ تھے:

احنف بن قیس، سلیمان بن ربیعہ، عبدالرحمٰن بن ربیعہ، حبیب بن مسلمہ

۳۰۔ ذات صواری کا معرکہ عسکری تجربہ، جنگی ساز و سامان اور نفری قوت پر عقیدہ صحیحہ کی بالادستی کا مظہر تھا۔ رومی قدیم زمانے سے سمندر کا گہرا تجربہ رکھتے تھے اور ان کے پاس سمندری جنگوں کا طویل تجربہ تھا اور مسلمان سمندری جنگ اور سمندری سفر کے سلسلہ میں ناتجربہ کار اور نئے تھے۔

۳۱۔ عثمان رضی اللہ عنہ کی فتوحات میں اہم ترین دروس و عبر اور فوائد میں سے: اہل ایمان کے لیے نصرت و غلبہ کے سلسلہ میں الٰہی وعدہ کا پورا ہونا، جنگی اور سیاسی فنون میں ترقی، مسلمانوں کا سمندر کا سفر کرنا، اعداء سے متعلق معلومات جمع کرنا اور دشمن کے مقابلہ میں اتفاق و اتحاد کا حریص رہنا ہے۔

۳۲۔ عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جمع قرآن کے واقعہ سے یہ حقیقت آشکارا ہوتی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اختلاف سے ممانعت کی آیات کا کس حد تک فہم رکھتے تھے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اختلاف سے منع فرمایا اور اس سے ہوشیار کیا ہے۔ ان آیات کے فہم کی گہرائی کا ہی یہ اثر تھا کہ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جب قراءت قرآن میں اختلاف کو سنا تو کانپ اٹھے اور فوراً مدینہ پہنچے اور جو کچھ دیکھا اور سنا اس کی خبر عثمان رضی اللہ عنہ کو پہنچائی۔ اور مختصر سی مدت میں عثمان رضی اللہ عنہ نے اس مسئلہ کو ختم کیا اور اختلاف کا دروازہ بند کر دیا۔

۳۳۔ مسلمانوں کے دلوں کو جوڑنے اور ان کی صفوں کو متحد کرنے کے اسباب کو اختیار کرنا عظیم ترین جہاد ہے اور یہ اقدام مسلمانوں کے اعزاز اور ان کی سلطنت کو قائم کرنے اور شریعت الٰہی کے نفاذ کے سلسلہ میں انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ عثمان رضی اللہ عنہ کا امت کو ایک مصحف پر جمع کرنے میں خلفائے راشدین کی فقہ انتہائی حسین اور واضح شکل میں نمایاں ہے۔

۳۴۔ عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اسلامی ریاستیں اور صوبے یہ تھے: مکہ، مدینہ، بحرین، یمامہ، یمن،

حضرموت، شام، آرمینیہ، مصر، بصرہ، کوفہ

۳۵۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے عمال و افسران کی نگرانی اور ان کی خبروں پر مطلع ہونے کے لیے مختلف اسالیب اختیار کیے، ان میں سے بعض یہ ہیں: موسم حج میں حاضر ہونا، صوبوں اور شہروں سے آنے والوں سے سوال دریافت کرنا، جانچ پڑتال کرنے والوں کو صوبوں اور ریاستوں میں بھیجنا، گورنروں کو طلب کرنا اور ان سے سوال کرنا وغیرہ۔

۳۶۔ عہد راشدی میں امراء اور گورنروں کے حقوق یہ تھے: غیر معصیت میں ان کی اطاعت کرنا، ان کی خیر خواہی کا حق ادا کرنا، ان تک صحیح خبریں پہنچانا، معزولی کے بعد ان کا احترام کرنا، ان کی تنخواہیں دینا۔

۳۷۔ عہد راشدی میں امراء اور گورنروں کے فرائض یہ تھے: امور دین کی اقامت، لوگوں کو امن و امان بہم پہنچانا، اللہ کی راہ میں جہاد کرنا، لوگوں کے لیے اشیائے خورونوش کی حفاظت میں پوری کوشش صرف کرنا، عمال اور وظیفہ دینے والے مقرر کرنا، ذمیوں کا خیال رکھنا، اور اپنے صوبے میں اہل رائے سے مشورہ لینا، صوبے کی تعمیری ضرورت پر غور وفکر کرنا، اور صوبوں کے باشندوں کے معاشرتی اور اجتماعی احوال کا خیال رکھنا۔

۳۸۔ عثمان رضی اللہ عنہ قابل اقتداء خلیفہ راشد ہیں، آپ کے افعال اور کارروائیاں اس امت کے دستوری ریکارڈ ہیں، عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد والوں کے لیے قرابت داروں کو قریب کرنے سے احتراز کرنے کی طرح ڈالی لیکن عثمان رضی اللہ عنہ نے قربت داروں کو قریب کرنے کی طرح ڈالی بشرطیکہ انتظامی صلاحیت و قابلیت کے حامل ہوں اور عثمان رضی اللہ عنہ پر جو اعتراضات کیے گئے وہ مباح کے دائرے سے خارج نہیں۔

۳۹۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے قرابت داروں میں سے جن والیوں اور گورنروں کو مقرر کیا انہوں نے اپنے صوبوں اور ریاستوں کے انتظام و انصرام میں اپنی قابلیت و صلاحیت ثابت کر کے دکھائی اور ان کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ نے بہت سے ممالک پر فتح عطا کی اور انہوں نے رعیت میں عدل و احسان کا طریقہ اختیار کیا، ان میں وہ حضرات بھی تھے جو یہ منصب عہد صدیقی اور عہد فاروقی میں سنبھال چکے تھے۔

۴۰۔ جب بھی اسلامی تاریخ کے اس دور کا مطالعہ کیا جائے گا تو جو شخص بھی صحیح تاریخی وقائع کی طرف رجوع کرے گا اور ان حضرات کی سیرتوں کا جائزہ لے گا جن سے عثمان رضی اللہ عنہ نے ملکی انتظام و انصرام میں کام لیا ہے تو وہ پسندیدگی اور فخر کا اعلان کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اسلامی دعوت کی تاریخ میں ان کے جہاد کا کتنا خوشگوار اثر ہوا اور ان کے حسن انتظام و انصرام کے عظیم نتائج اس امت کی خوش حالی اور سعادت مندی کی شکل میں ظاہر ہوئے۔

۴۱۔ بہت سے مؤلفین و مصنّفین نے دور عثمانی سے متعلق غیر منصفانہ اور غیر تحقیقی تحریروں میں عثمان رضی اللہ عنہ کو نہیں بخشا ان میں سے اکثر لوگ ضعیف اور رافضی روایات سے متاثر ہوئے اور عثمان رضی اللہ عنہ پر ظالمانہ اور باطل حکم

لگایا، جسے طٰہٰ حسین اپنی کتاب "الفتنة الکبریٰ" میں، راضی عبدالرحیم اپنی کتاب "النظم الاسلامیة" میں، محمد ریس نے اپنی کتاب "النظریات السیاسیة" میں، علی حسین خربوطلی نے اپنی "کتاب الاسلام و الخلافة" میں، ابوالاعلیٰ مودودی نے اپنی کتاب ''خلافت وملوکیت'' میں، سید قطب نے اپنی کتاب "العدالة الاجتماعیة" میں، وغیرہم۔ یقیناً عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ مظلوم ہیں۔ آپ کے اولین معاندین نے افتراء پردازی کی اور متاخرین نے انصاف سے کام نہ کیا۔

۴۲۔ تاریخی حقیقت کہتی ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو جلا وطن نہیں کیا بلکہ انھوں نے خود اجازت طلب کی اور آپ نے ان کو اجازت دے دی۔ عثمان رضی اللہ عنہ کے اعداء نے یہ پروپیگنڈہ کیا کہ آپ نے ان کو جلا وطن کر دیا تھا۔

۴۳۔ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ دور و نزدیک کہیں سے بھی عبداللہ بن سبا یہودی کے افکار و نظریات سے متاثر نہیں ہوئے۔ آپ نے مقام ربذہ میں وفات تک سکونت اختیار کی اور کسی فتنے میں شریک نہیں ہوئے۔

۴۴۔ فتنہ قتل عثمان رضی اللہ عنہ کے مختلف اسباب ہیں: خوش حالی اور معاشرہ پر اس کا اثر، عہد عثمانی میں معاشرتی تبدیلی، عثمان رضی اللہ عنہ کا عمر رضی اللہ عنہ کے بعد آنا، اکابر صحابہ کا مدینہ سے منتقل ہو جانا، جاہلی عصبیت، فتوحات کا رک جانا، زہد و ورع کا غلط مفہوم، اقتدار پسندوں کی امنگیں، حاقدین کی سازش، عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف اعتراضات کو ہوا دینے کی منظم اور محکم تدبیر، لوگوں کو برانگیختہ کرنے والے وسائل و اسالیب کو اختیار کرنا، عبداللہ بن سبا کا کردار۔

۴۵۔ فتنہ کی چنگاری کوفہ سے اٹھی، ان فسادیوں کو شام کی طرف شہر بدر کیا گیا، پھر الجزیرہ میں عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید رضی اللہ عنہما کے پاس ٹھہرے اور یزید بن قیس کے ساتھ خط و کتابت کے بعد یہ لوگ کوفہ لوٹ آئے۔

۴۶۔ فتنہ کے ساتھ تعامل کے سلسلہ میں عثمانی سیاست حلم و صبر، عدم استعجال اور عدل پر قائم تھی۔ آپ نے اس کے مقابلہ میں متعدد اسلوب اختیار کیے: تحقیق و جانچ کے لیے کمیٹیاں تشکیل دے کر روانہ کرنا، صوبوں کے باشندگان کے نام ہر مسلمان کے لیے عام اعلان کی شکل میں خطوط بھیجنا، صوبوں کے والیان اور گورنروں سے مشورے کرنا، باغیوں پر حجت قائم کرنا اور ان کے بعض مطالبات کو قبول کرنا۔

۴۷۔ فتنہ کے ساتھ تعامل کے سلسلہ میں جو بھی عثمان رضی اللہ عنہ کے طرز عمل میں غور و فکر کرے گا وہ اس سے بعض ایسے اصول وضوابط مستنبط کر سکتا ہے جو فتنوں کا مقابلہ کرنے میں مسلمانوں کے لیے مفید ثابت ہوں گے۔ انھی اصول وضوابط میں سے چند یہ ہیں: تحقیق و توثیق، عدل و انصاف کا التزام، حلم و صبر، نفع بخش چیز کا حریص ہونا، مسلمانوں کے درمیان اختلاف ڈالنے والے امور کو نظر انداز کرنا، خاموشی اختیار کرنا اور کثرت کلام سے پرہیز کرنا، ربانی علماء سے مشورہ کرنا، فتنوں سے متعلق احادیث نبویہ سے رہنمائی حاصل کرنا۔

۴۸۔ محققین کے سامنے یہ حقیقت آشکارا ہوتی ہے کہ کچھ اسباب تھے جس کی وجہ سے عثمان رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دفاع میں قتال کرنے سے روک دیا تھا۔ وہ اسباب یہ تھے: رسول اللہ ﷺ کی اس وصیت پر عمل جو آپ نے عثمان رضی اللہ عنہ کو چپکے سے کی تھی اور جس کو عثمان رضی اللہ عنہ نے محاصرہ کے دنوں میں بیان کیا اور بتلایا کہ یہ ان کے ساتھ معاہدہ ہے اور اس پر وہ صابر ہیں۔ آپ نے یہ ناپسند کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد امت میں آپ پہلے شخص ہوں جو مسلمانوں کا خون بہائیں۔ آپ کو اس حقیقت کا علم تھا کہ باغی صرف انہی کو قتل کرنا چاہتے ہیں لہٰذا آپ نے مسلمانوں کے ذریعے سے بچاؤ کو ناپسند کیا، اور یہ پسند کیا کہ اپنی جان دے کر مسلمانوں کی جانوں کو بچالیں۔ آپ کو اس کا علم تھا کہ اس فتنہ میں قتل ہوں گے اور رسول اللہ ﷺ نے آپ کو اس کی خبر اس وقت دی تھی جب آپ کو مصیبت کے ساتھ جنت کی خوشخبری دی تھی اور یہ کہ وہ حق پر ثابت رہ کر فتنہ میں قتل ہوں گے۔ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی وصیت پر عمل جب کہ انہوں نے آپ سے کہا تھا کہ دفاع سے رک جائیں یہ آپ کے لیے بلیغ حجت ہے۔

۴۹۔ عثمان رضی اللہ عنہ کا قاتل ایک مصری شخص ہے۔ روایات میں اس کے نام کی وضاحت نہیں، محمد بن ابی بکر پر جو قتل عثمان کا اتہام ہے وہ باطل ہے اس سلسلہ کی روایات ضعیف ہیں اور اس کے متن شاذ ہیں کیوں کہ وہ صحیح روایات کے مخالف ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قاتل مصری شخص ہے۔

۵۰۔ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خون عثمان رضی اللہ عنہ سے بری ہیں، صحیح اخبار، وقائع اور تواریخ اس بات پر شاہد ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف لوگوں کو بھڑکانے یا فتنہ میں شرکت کرنے سے بری ہیں جیسا کہ ہم نے اس سلسلہ میں صحیح روایات پیش کی ہیں۔

۵۱۔ عثمان رضی اللہ عنہ بیدار مغز تھے، باغیوں کی سازشوں اور ان کے اغراض و مقاصد سے آپ غافل نہ رہے بلکہ آپ ان کی صفوں کو پھاڑنے اور ان کے منصوبوں کو معلوم کرنے میں کامیاب رہے اور بڑی شجاعت سے ان کا مقابلہ کیا اور اس بات کو ناپسند کیا کہ مسلمانوں میں سب سے پہلے تلوار کھینچنے والے بنیں اور امت کی خاطر اپنی جان قربان کر دی، قربانی و ایثار کی یہ بلندی ہے۔

۵۲۔ قتل عثمان رضی اللہ عنہ کا فتنہ دوسرے بہت سے فتنوں کے وجود کا سبب بنا اور اپنے بعد کے فتنوں پر اپنا سایہ ڈالا، لوگوں کے دل بدل گئے، کذب ظاہر ہوا، عقیدہ و شریعت میں اسلام سے انحراف شروع ہوا۔

۵۳۔ دوسروں پر ناحق ظلم و زیادتی دنیا و آخرت میں ہلاکت کے اسباب میں سے ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَ تِلْكَ الْقُرٰۤى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَ جَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ۝۵۹﴾

(الکھف: ۵۹)

"یہ ہیں وہ بستیاں جنھیں ہم نے ان کے مظالم کی بنا پر غارت کر دیا اور ان کی تباہی کی بھی ہم نے ایک میعاد مقرر کر رکھی تھی۔"

عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کرنے والے باغیوں کے احوال کا جو جائزہ لے گا اس کے سامنے یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں نہیں بخشا بلکہ ان کو ذلیل و رسوا کیا اور ان سے اس طرح انتقام لیا کہ ان میں سے کوئی نہ بچ سکا۔

۵۴۔ اس مصیبت کا مسلمانوں کے نفوس پر گہرا اثر پڑا، ان کی عقلیں غائب ہوگئیں، حزن وغم نے انہیں گھیر لیا، ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، ان کی زبانیں عثمان رضی اللہ عنہ کی مدح وثنا میں لگ گئیں اور ان کے لیے رحمت کی دعائیں کرنے لگے۔ حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین پر مرثیہ کہا، رلانے والے غم ناک قصائد کے ذریعے سے آپ کے قتل پر مصائب و آلام کا کثرت سے ذکر کیا اور قاتلین کی ہجو کی، جس کو تاریخ نے ہمارے لیے محفوظ کر لیا، راتوں نے اسے مہمل قرار نہ دیا اور زمانے کی رکاوٹیں اور صدیوں کی دیواریں اسے ہم سے دور نہ کر سکیں۔

۵۵۔ یہ ہیں وہ حقائق جن کی جمع وترتیب اور تحقیق وتحلیل کی اللہ نے مجھے توفیق بخشی جس پر اس کتاب (عثمان بن عثمان رضی اللہ عنہ شخصیت اور کارنامے) کی فصلیں شامل ہیں۔ اس میں جو درست ہو وہ محض اللہ کا مجھ پر فضل ہے اس کا شکر واحسان ہے، اور جو اس میں غلطی ہو تو میں اللہ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں۔ اللہ و رسول ﷺ اس سے بری ہیں۔ میرے لیے یہ کافی ہے کہ میں ان حقائق و براہین اور دلائل کو بیان کرنے کا حریص رہا ہوں جو خلیفہ راشد عثمان رضی اللہ عنہ کی حقیقت واضح کرتی ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ وہ میرے مسلم بھائیوں کو اس کتاب سے نفع پہنچائے اور قارئین اپنی دعاؤں میں مجھے یاد رکھیں، ان شاء اللہ غیاب میں ایک بھائی کی دعا دوسرے کے حق میں مقبول ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر اپنی کتاب کو ختم کرتا ہوں:

﴿وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴿١٠﴾﴾

(الحشر: ١٠)

"اور (ان کے لیے) جو ان کے بعد آئیں جو کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ایمانداروں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ اور دشمنی نہ ڈال اے ہمارے رب بے شک تو شفقت ومہربانی کرنے والا ہے۔"

اور شاعر کہتا ہے:

إن تجد عيبا فسد الخللا
جل من لا عيب فيه و علا

''تمھیں کوئی عیب ملے تو اسے دور کرلو۔ اللہ جل وعلا ہی بے عیب ہے۔''

اور شاعر کا قول ہے:

اطلب العلم ولا تكسل فما
ابعد الخير على اهل الكسل

''علم حاصل کرو، کاہلی مت کرو، کاہلی کرنے والوں سے بھلائی بہت دور ہوتی ہے۔''

احتفل للفقه في الدين ولا
تشتغل بمال و حول

''تفقہ فی الدین کی فکر کرو، دین سے روکنے والی چیزوں اور دنیاوی مال ودولت میں نہ پھنسو۔''

واهجر النوم وحصله فمن
يعرف المعروف يحقر ما بذل

''جاگو اور اسے حاصل کرو، جو اچھائی کی قدر جانتا ہے اس کے لیے سب کچھ خرچ کر دیتا ہے۔''

ولا تقل قد ذهبت اربابه
كل من سار على الدرب و صل

''یہ نہ کہو کہ تفقہ فی الدین والے چلے گئے۔ جو چلتا رہتا ہے منزل مقصود تک پہنچ جاتا ہے۔''

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ أَشْهَدُ أَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ ، اَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوْبُ إِلَيْكَ
وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

خلیفۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

سیدنا علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ

شخصیت اور کارنامے

پہلا باب:

سیّدنا علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ مکہ میں

(۱)
نام ونسب، کنیت، اوصاف اور خاندان

نام ونسب، کنیت اور لقب:

نام ونسب: ...... آپ کا نام اور نسب یہ ہے:

''علی بن ابی طالب (عبد مناف [1]) بن عبدالمطلب [2] بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لؤی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔ [3]

آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی تھے۔ آپ کے دادا عبدالمطلب بن ہاشم پر آپ کا نسب خاندان نبوت سے مل جاتا ہے۔ عبدالمطلب کے صاحبزادے ابوطالب، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد عبداللہ کے حقیقی بھائی تھے، آپ کی ولادت کے وقت آپ کی ماں نے اپنے باپ اسد بن ہاشم کے نام پر آپ کا نام ''اسد'' رکھا تھا، اسی لیے غزوۂ خیبر کے موقع پر آپ نے رجزیہ اشعار پڑھتے ہوئے کہا تھا:

أَنَا الَّذِيْ سَمَّتْنِي أُمِّي حَيْدَرَة ۔۔۔ كَلَيْثِ غَابَاتٍ كَرِيْهِ الْمَنْظَرَة

''میں وہ شخص ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدرہ [4] رکھا ہے، جیسے جنگل کا ببر شیر کہ جسے خوف سے کوئی دیکھنے کو تیار نہ ہو۔''

جب آپ کی ماں نے آپ کا یہ نام رکھا تھا اس وقت ابوطالب گھر میں موجود نہ تھے، جب آئے تو آپ کو یہ نام پسند نہ آیا اور آپ کا نام علی رکھ دیا۔ [5]

کنیت: ...... آپ کی کنیت ابوالحسن ہے۔ یہ نسبت آپ کے بڑے صاحبزادے حسن رضی اللہ عنہ کی طرف ہے جو کہ فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بطن سے پیدا ہوئے۔ آپ کی کنیت ابوتراب بھی ہے، اس کنیت سے آپ کو

---

[1] ابوطالب کا نام عبد مناف ہے۔

[2] عبدالمطلب کا نام شیبۃ الحمد ہے۔ الاستیعاب (۳/ ۱۰۸۹)

[3] الطبقات الکبریٰ (۳/ ۱۹) صفة الصفوة (۱/ ۳۰۸) البداية والنهاية (۷/ ۳۳۳) الإصابة (۱/ ۵۰۷) الاستيعاب (۱/ ۱۰۸۹) المنتظم (۵/ ۶۶) المعجم الكبير للطبرانی (۱/ ۵۰).

[4] حیدرہ شیر کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔

[5] الرياض النضرة فی مناقب العشرة، ص: ۶۱۷.

نبی کریم ﷺ نے نوازا تھا، جب آپ کو ابوتراب کہہ کر پکارا جاتا تھا تو آپ بہت خوش ہوتے تھے، اس کنیت کی وجہ یہ تھی کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر آئے تو علی رضی اللہ عنہ کو گھر پر نہ پایا، آپ نے پوچھا: "تمھارے سسرزاد (شوہر) کہاں ہے؟ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ایک معاملہ پر میرے اور ان کے درمیان اَن بَن ہوگئی، وہ مجھ سے ناراض ہوکر یہاں سے چلے گئے، میرے پاس قیلولہ بھی نہیں کیا۔ آپ ﷺ نے ایک آدمی سے کہا: دیکھو وہ کہاں گئے، وہ صاحب تلاش کرکے لوٹے تو بتایا کہ اے اللہ کے رسول! وہ مسجد میں سو رہے ہیں، اللہ کے رسول ﷺ مسجد میں تشریف لائے، دیکھا تو وہ بے خبر سو رہے ہیں اور نصف چادر زمین پر ہے، اور جسم پر مٹی لگی ہوئی ہے۔ آپ ﷺ علی رضی اللہ عنہ کے جسم سے مٹی جھاڑنے لگے اور کہا:

((قُمْ أَبَا تُرَاب .)) [1] ...... "اے ابوتراب! اٹھ جاؤ۔"

اور صحیح بخاری کی روایت ہے کہ واللہ نبی کریم ﷺ ہی نے آپ کو اس کنیت سے نوازا ہے۔ [2]

آپ کی ایک کنیت ابوالحسن والحسین، اور ابوالقاسم، ہاشمی ہے۔ [3] نیز ابوالسبطین ایک کنیت ہے۔ [4]

لقب: ...... آپ کا لقب امیر المومنین اور چوتھے خلیفۂ راشد ہیں۔ [5]

پیدائش:

اس سلسلے میں روایات متعدد ومختلف ہیں کہ آپ کی پیدائش کس سن میں ہوئی، چنانچہ حسن بصری کے نزدیک آپ کی ولادت بعثت نبوی سے پندرہ یا سولہ برس پہلے ہوئی۔ [6] جبکہ ابن اسحاق رحمہ اللہ کے نزدیک آپ کی ولادت بعثت نبوی سے دس برس پہلے ہوئی۔ [7] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے دوسرے قول کو راجح قرار دیا ہے۔ [8] اور الباقر محمد بن علی نے اس سلسلے میں دو اقوال نقل کیے ہیں: ایک تو ابن اسحاق کی تحقیق کے مطابق کہ جسے حافظ ابن حجر نے بھی راجح مانا ہے، یعنی بعثت نبوی سے دس برس پہلے۔ [9] دوسرا یہ کہ آپ کی ولادت بعثت نبوی کے پانچ سال پہلے ہوئی۔ [10] میرا رجحان حافظ ابن حجر اور ابن اسحاق کے قول کی طرف ہے یعنی صحیح تحقیق کے مطابق آپ کی ولادت بعثت نبوی

---

[1] صحیح مسلم، حدیث نمبر (۲۴۰۹).
[2] صحیح البخاری، حدیث نمبر (۴۴۱، ۳۷۰۳، ۳۲۸۰).
[3] البدایة والنهایة (۷/ ۲۲۳)
[4] اسد الغابة (۴/ ۱۶) سبطین سے مراد حسن اور حسین ہیں۔
[5] تاریخ الإسلام/ الذهبی، ص (۲۷۶) البدایة والنهایة (۷/ ۲۲۳) خلاصة تهذیب الکمال (۲/ ۲۵۰).
[6] المعجم الکبیر للطبرانی (۱/ ۵۴) رقم (۱۶۳) اس کی سند مرسل ہے۔
[7] السیرة النبویة (۱/ ۲۶۲) اس کی سند مذکور نہیں ہے۔
[8] الاصابة (۲/ ۵۰۱)
[9] المعجم الکبیر للطبرانی (۱/ ۵۳) (رقم (۱۶۵) اس کی سند حسن ہے۔
[10] المعجم الکبیر للطبرانی (۱/ ۵۳) (رقم (۱۶۶) محمد الباقر تک اس کی سند حسن ہے، لیکن انھوں نے مرسلاً روایت کیا ہے۔

سے دس برس پہلے ہوئی۔ ❶ اور فاکہی ❷ نے لکھا ہے کہ بنو ہاشم میں علی سب سے پہلے ایسے شخص ہیں جو خانۂ کعبہ میں پیدا ہوئے۔ اور امام حاکم نے لکھا ہے کہ بے شمار اخبار و آثار دلالت کرتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ خانۂ کعبہ میں پیدا ہوئے۔ ❸

والد:

ابو طالب کوئی صاحب ثروت اور دولت مند آدمی نہ تھے، لیکن وہ اپنے بھتیجے کو اپنے فرزند سے زیادہ عزیز رکھتے تھے، کہیں جاتے تو اپنے ساتھ لے جاتے، یہ ابو طالب ہی تھے جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کی ان کے دادا کے بعد پرورش و خبر گیری کی ذمہ داری لی اور ہمیشہ ان کی حمایت کی اور ساتھ دیا۔ ❹

والدہ:

آپ جلیل القدر فاضلہ اور بزرگ صحابیہ ہیں، آپ کا نام و نسب فاطمہ بنت اسد بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی الہاشمیہ ہے۔ ہاشمی خاندان کی آپ ایسی پہلی خاتون ہیں جن کے بطن سے ایک ہاشمی پیدا ہوا۔ ❺ آپ کو اس وقت نبی ﷺ کی پرورش و خبر گیری کا شرف حاصل رہا، جب عبدالمطلب کی وصیت کی بنا پر آپ ﷺ اپنے چچا ابو طالب کی کفالت میں آئے۔

بھائی:

ابو طالب کے چار لڑکے تھے، ایک طالب (جن کے نام سے آپ کی کنیت ابو طالب تھی) دوسرے عقیل، تیسرے جعفر اور چوتھے علی، اور دو صاحبزادیاں تھیں، ام ہانی اور جمانہ اور یہ سب فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھے، ان تمام بھائی بہنوں میں دس دس سال کا فرق تھا، چنانچہ طالب عقیل سے دس سال بڑے تھے اور ایسے ہی جعفر علی سے دس سال بڑے تھے۔

بیویاں اور اولاد:

۱: **فاطمہ بنت رسول اللہ** ﷺ: ان کے بطن سے (۱) حسن اور (۲) حسین رضی اللہ عنہما پیدا ہوئے، اور صاحبزادیوں میں (۳) زینب الکبریٰ اور (۴) ام کلثوم الکبریٰ تھیں۔

۲: **خولہ بنت جعفر بن قیس بن مسلمہ**: ان کے بطن سے (۵) محمد الاکبر المعروف بہ محمد بن حنفیہ پیدا ہوئے۔

۳: **لیلٰی بنت مسعود بن خالد التمیمی**: ان کے بطن سے (۶) عبیداللہ اور (۷) ابوبکر پیدا ہوئے۔

---

❶ فتح الباری (۷/ ۱۷٤) الإصابة (۲/ ٥۰۷).
❷ صاحب اخبار مکہ، بتحقیق عبدالملک بن دہیش یہ روایت سنداً صحیح نہیں، اس لیے ضعیف ہے۔
❸ المستدرك على الصحيحين (۳/ ٤۸۳) بلا سند. روایت ضعیف ہے۔
❹ السيرة النبوية/ ابن هشام (۱/ ۷۹)، المرتضٰی (۲٤).
❺ فضائل الصحابة (۲/ ٦۸٥).

۴: **ام البنین بنت حزام** ❶ **بن خالد بن جعفر بن ربیعہ**: ان سے (۸) عباس الاکبر، (۹) عثمان، (۱۰) جعفر الاکبر، اور (۱۱) عبداللہ کی ولادت ہوئی۔

۵: **اسماء بنت عمیس الخثعمیہ**: ان سے (۱۲) یحییٰ اور (۱۳) عون پیدا ہوئے۔ ❷

۶: **صہباء**❸: ان کے بطن سے (۱۴) عمر الاکبر اور (۱۵) رقیہ پیدا ہوئیں۔

۷: **امامہ** ❹ بنت العاص بن الربیع رضی اللہ عنہا سے (۱۶) محمد الاوسط پیدا ہوئے۔

۸: **ام سعید بنت عروہ بن مسعود ثقفی**: ان کے بطن سے دو صاحبزادیاں (۱۷) ام الحسن اور (۱۸) رملہ الکبریٰ پیدا ہوئیں۔

امہات الاولاد:

(لونڈیوں) سے (۱۹) محمد اصغر، (۲۰) ام ہانی، (۲۱) میمونہ، (۲۲) زینب الصغریٰ، (۲۳) رملہ الصغریٰ، (۲۴) ام کلثوم الصغریٰ، (۲۵) فاطمہ، (۲۶) امامہ، (۲۷) خدیجہ، (۲۸) ام الکرام، (۲۹) ام سلمہ، (۳۰) ام جعفر، (۳۱) جمانہ اور (۳۲) اور نفیسہ کی ولادت ہوئی۔

محیّاۃ بنت امرؤالقیس سے ایک (۳۳) بچی کی ولادت ہوئی، جو بچپن ہی میں فوت ہوگئی، ابن سعد کا بیان ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کی اولاد میں ان سب کے علاوہ اور کسی کی صحت ہمارے نزدیک مسلم نہیں ہے۔ ❺

اس طرح علی رضی اللہ عنہ کی کل اولاد میں چودہ (۱۴) لڑکے اور (۱۹) لڑکیاں اور بعض روایت کے مطابق (۱۷) لڑکیاں تھیں اور آپ کی نسل کل پانچ اولاد یعنی حسن، حسین، محمد بن الحنفیہ، عباس بن الکلابیہ، اور عمرو بن التغلبیہ سے باقی رہی۔ ❻ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نیز ان کی اولاد حسن، حسین رضی اللہ عنہما اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی زندگی پر ان شاء اللہ آئندہ صفحات میں روشنی ڈالی جاتی رہے گی۔

جسمانی اوصاف:

ابن عبدالبر اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ میں نے کیا خوب ان کے اوصاف لکھے دیکھے ہیں کہ ان کا قد درمیانہ مگر قدرے ٹھگنا تھا، آنکھیں بڑی بڑی اور سیاہ تھیں، چہرہ خوبصورتی میں چودھویں کے چاند جیسا تھا، پیٹ توندیلا اور

---

❶ البدایة والنهایة (۷/ ۳۳۲).

❷ البدایة والنهایة (۷/ ۳۳۲).

❸ ان کا نام ام حبیب بنت ربیعہ بن بجیر ہے، دور صدیقی میں معرکۂ عین التمر میں قیدی بنا کر لائی گئی تھیں۔

❹ ان کی ماں کا نام زینب ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی تھیں۔

❺ الطبقات الکبریٰ (۳/ ۲۰).

❻ الطبقات (۳/ ۱۹، ۲۰) البدایة والنهایة (۷/ ۳۳۱۔ ۳۳۳) منهج علی بن ابی طالب فی الدعوة إلی الله/ سلیمان العید ص (۲۹/ ۳۰، ۳۱).

کندھے کی ہڈی چوڑی تھی، ہتھیلیاں سخت تھیں، گردن مثل ایک چاندی کی صراحی تھی، ان کی چاند پر بال نہیں تھے، مگر گدی اور سر پیچھے کی طرف بالوں سے بھرا ہوا تھا، داڑھی بڑی تھی، دونوں طرف کی ہڈیاں شیر کے کندھے کی ہڈیوں جیسی مضبوط تھیں، کلائی اور بازوں میں فرق نہیں تھا، یعنی دونوں ایک سے تھے، ٹھوس اور مضبوط تھے، چلنے میں آگے کو جھک کر چلتے تھے، جب کسی کی کلائی پکڑ لیتے تو اس شخص کا گلا گھٹ جاتا اور وہ سانس نہیں لے سکتا تھا، رنگ میں گندم گوں تھے، کلائی اور ہاتھ سخت تھے۔ جب جنگ کے لیے نکلتے تو پورے اطمینان قلب کے ساتھ تیز رفتاری سے چلتے۔ نہایت طاقتور بہادر تھے۔ [1]

قبول اسلام:

اللہ تعالیٰ نے علی بن ابی طالب کے حق میں جو خصوصی انعام، اور خیر و برکت مقدر کر رکھا تھا، اس کا ظاہری سبب یہ ہوا کہ قریش سخت تنگ حالی کی مصیبت سے دوچار ہوئے، اور ابوطالب کثیر العیال تھے، اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے چچا عباس سے جو خوشحال لوگوں میں سے تھے، کہا: چچا! آپ کے بھائی ابوطالب کثیر العیال ہیں اور آپ کو معلوم ہے کہ لوگ کس طرح مصیبتوں سے دوچار ہیں، چلیے ان کا کچھ بوجھ ہلکا کریں، ان کے بال بچوں میں سے ایک کی پرورش میں اپنے ذمہ لیتا ہوں، اور ایک آپ اپنے ذمہ لے لیں، عباس نے کہا: ٹھیک ہے۔

چنانچہ دونوں ابوطالب کی خدمت میں پہنچے اور کہا: ہم دونوں اس لیے آئے ہیں کہ جب تک یہ تنگی اور سختی کا زمانہ ہے، اور جس میں سب ہی گرفتار ہیں، اس وقت تک ہم آپ کے بال بچوں کا کچھ بوجھ اپنے ذمہ لے کر آپ کی پریشانیوں کو ہلکا کریں، ابوطالب نے ان دونوں سے کہا: عقیل کو میرے پاس چھوڑ دو، باقی کے بارے میں جس طرح چاہو فیصلہ کرلو، چنانچہ آپ ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ کی ذمہ داری خود لی، اور جعفر کی کفالت عباس رضی اللہ عنہ نے قبول فرمائی، علی رضی اللہ عنہ اس وقت سے رسول اللہ ﷺ سے وابستہ رہے، یہاں تک کہ وہ وقت آیا جب آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے نبی بنا کر مبعوث کیا اور علی بن ابی طالب نے آپ ﷺ کا اتباع کیا، آپ کی صداقت پر ایمان لائے، اور تصدیق کی، جبکہ جعفر عباس رضی اللہ عنہ کی کفالت میں رہے یہاں تک کہ اسلام لیے آئے، اور کفالت کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ [2]

(۲)......قبولِ اسلام اور ہجرت سے قبل مکہ کے اہم کارنامے

نبی کریم ﷺ پر علی رضی اللہ عنہ کی فدائیت و جاں نثاری:

جب قریش کے لوگ دار الندوہ میں اکٹھا ہوئے اور نبی کریم ﷺ کے قتل اور آپ کے صفایا کرنے پر متفق ہوگئے تو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو اس سازش سے آگاہ کر دیا اور رسول اللہ ﷺ اللہ کی مخلوق میں سب سے بڑے حکیم و دانا تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے سوچا کہ جو لوگ آپ کو قتل کرنے آئے ہیں ایسا کیوں نہ ہو کہ وہ

---

[1] الاستیعاب فی معرفة الأصحاب (۳/ ۱۱۲۳)

[2] السیرة النبویة / ابن هشام (۱/ ۲٤٦).

آپ کے نکلنے کا انتظار کرتے رہیں، اور بستر ہی دیکھتے رہ جائیں، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ آج رات وہ میرے بستر پر رات گزاریں، دشمن خانۂ نبوی کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور نبی کی تاک میں گھات لگائے بیٹھا ہے کہ آپ کب نکلیں اور وہ آپ کو قتل کر دے، آپ غور کریں کہ ایسے وقت میں بستر نبوی پر سونے کی جرأت کون کر سکتا ہے؟ اور کون ہے جو یہ جاننے کے باوجود کہ ہم دشمن کے نرغے میں ہیں اور بستر رسول پر جو بھی رہے گا بلا تفریق اسے قتل کر دیا جائے گا، پھر بھی وہ جان جوکھوں میں ڈالے گا؟ بلاشبہ کوئی بہت بڑا جرأت مند بہادر ہی اسے کر سکتا ہے؟ [1] علی رضی اللہ عنہ کو نبی کریم ﷺ اپنے بستر پر چھوڑتے ہوئے یہ حکم دے گئے کہ ابھی کچھ دن مکہ میں ٹھہرے رہو تاکہ دشمنان مکہ کی جو امانتیں آپ ﷺ کے پاس رکھی ہوئی ہیں، انھیں صحیح سالم ان تک پہنچا دو، یقیناً یہ کمال عدل اور ادائیگی امانت کی بہت بڑی دلیل ہے۔ [2]

ہجرت:

جب صبح ہوئی تو علی رضی اللہ عنہ اپنے بستر سے اٹھے، محاصرہ کرنے والوں نے آپ کو پہچان لیا اور انھیں یقین ہو گیا کہ رسول (ﷺ) خود کو بچا لے گئے، تو انھوں نے علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: تمھارا ساتھی کہاں گیا؟ آپ نے جواب دیا: میں نہیں جانتا، کیا میں ان کی نگرانی کر رہا تھا؟ تم لوگوں نے انھیں نکل جانے کو کہا تو وہ نکل گئے۔ علی رضی اللہ عنہ کے اس جرأت مندانہ جواب سے وہ سب سکتے میں آ گئے اور کڑی نگرانی کے باوجود درمیان سے نبی کے نکل جانے پر غصے سے تلملا اٹھے، ان کی آنکھوں پر پردہ پڑ گیا تھا، وہ آپ کو دیکھ نہ سکے تھے، بالآخر علی رضی اللہ عنہ کو جھڑکنے اور مارنے لگے، گھسیٹ کر مسجد حرام تک لے گئے، ایک گھنٹہ قید میں رکھا اور پھر چھوڑ دیا۔ [3]

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے اللہ کے راستہ میں سب مصائب کو برداشت کیا، ان کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کی سلامتی ونجات کی خوشی ہر مصیبت پر بھاری رہی، آپ پیچھے نہیں ہٹے، اور نہ ہی رسول کی پناہ گاہ کے بارے میں کسی کو مطلع کیا، پھر آپ مکہ کی آبادی میں چلے گئے، اور گلیوں وگزرگاہوں پر چل چل کر لوگوں کو وہ امانتیں واپس دے رہے تھے جسے واپس کرنے کی خاطر رسول اللہ ﷺ نے ان کو اپنے پیچھے چھوڑا تھا، چنانچہ جس کی جو امانت تھی آپ نے اس تک اسے پہنچا دیا۔ اس طرح رسول ﷺ کے ذمہ سے امانتوں کا بوجھ ہٹ گیا اور پھر تین دن مکہ میں گزارنے کے بعد علی رضی اللہ عنہ سفر ہجرت کی تیاری میں لگ گئے، تاکہ جلد ہی رسول ﷺ کے ساتھ ہو جائیں۔ [4]

بہر حال آپ نے ہجرت کا سفر جاری رکھا، دن میں روپوش رہتے اور جب رات اپنی سیاہ چادر پھیلاتی تو سفر شروع کر دیتے، اس طرح چلتے چلتے مدینہ پہنچ گئے، چلنے سے دونوں پاؤں پھٹ چکے تھے۔ [5]

---

[1] الحکمة فی الدعوة إلی الله / القحطانی ص (۲۳۵).

[2] الطبقات الکبریٰ (۳/ ۲۲) تاریخ الخلفاء / السیوطی ص (۱٦٦).

[3] تاریخ الطبری (۲/ ۳۷٤).

[4] تاریخ الطبری (۲/ ۳۸۲) البدایة والنهایة (۷/ ۳۳۵) جولة تاریخیة ص (٤۲٤). [5] الکامل (۲/ ۱۰٦).

دوران سفر آپ نے کافی تکلیف اٹھائی، کوئی سواری نہ تھی جس پر سوار ہو جاتے، دن میں چل نہ سکتے تھے کہ سخت گرمی پڑتی تھی، رات میں چلتے بھی تو وہ بھی دہشت بھری تاریکی اور تنہائی کا خوف، مزید براں پاپیادہ اور کوئی مونس وہمسفر نہیں، ہم بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ کتنا پرپیچ راستہ، کلفتوں بھرا سفر اور مجسم غم والم کی تنہائی رہی ہوگی، لیکن ان تمام رکاوٹوں اور صعوبتوں کو بس ایک ہی شعور واحساس نے آسان بنا دیا تھا کہ میں سب کچھ محض اللہ کی رضا کے لیے کر رہا ہوں اور بالآخر عنقریب رسول ﷺ سے جاملوں گا، مدینہ میں آپ کا پڑوسی بن کر امن و اطمینان سے لطف اندوز ہوں گا، چنانچہ برابر راستہ طے کرتے رہے اور مدینہ پہنچ کر بنوعمرو بن عوف کے یہاں ہو کر کلثوم بن الہدم کے یہاں گئے جہاں اللہ کے رسول ﷺ قیام پذیر تھے۔[1]

اس طرح امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی روداد ہجرت، قربانی، فدائیت، صبر وتحمل اور شجاعت و بے باکی کی ایک زندہ مثال ہے۔ قدومِ مدینہ کے وقت قبا میں اقامت کے دوران آپ نے ایک بیوہ عورت کو دیکھا جس کے گھر کافی رات گزرنے کے بعد ایک آدمی آتا ہے اور دروازہ کھٹکھٹاتا ہے، وہ گھر سے باہر نکلتی ہے، آنے والا شخص اپنے ساتھ لائی ہوئی کوئی چیز اسے دیتا ہے اور وہ اسے لے لیتی ہے واقعہ کی تفصیل بزبان علی رضی اللہ عنہ سنئے: میں اجنبی بن کر خفیہ طریقے سے اس شخص کے بارے میں جاننا چاہا، میں نے عورت سے پوچھا: اے اللہ کی بندی! وہ کون ہے جو تمھارے پاس ہر رات آتا ہے، تمھارا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے اور تم باہر آتی ہو، پھر وہ تمھیں کوئی چیز دیتا ہے، میں نہیں جانتا وہ کیا چیز ہوتی ہے؟ حالانکہ تم ایک بیوہ عورت ہو، اس نے جواب دیا: وہ سہل بن حنیف بن وہب ہیں، انھیں میرے بارے میں معلوم ہے کہ میں بیوہ ہوں، جب شام ہوتی ہے تو اپنی قوم کے بتوں کی خبر لیتے ہیں، انھیں توڑ دیتے ہیں، اور پھر میرے پاس لاتے ہیں اور کہتے ہیں لو انھیں ایندھن بنا لو، علی رضی اللہ عنہ یہ سن کر اسی دن سے سہل بن حنیف سے کافی متاثر ہوئے اور انھیں اپنا قریبی بنائے لیا، یہاں تک کہ آپ کے پاس ہی عراق میں ان کی وفات ہوئی۔[2]

اس واقعہ میں ہمہ وقت چاق و چوبند اور بیدار مغز رہنے کی تصویر جھلک رہی ہے، جو ہر مسلمان کے اندر موجود ہونی چاہیے اور اسے اپنے گردو پیش کی خبر رکھنی چاہیے، غافل نہیں ہونا چاہیے۔

(۳)......سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی قرآنی زندگی اور آپ پر اس کے اثرات

علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک قرآن کی عظمت واہمیت:

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے تلاوت، حفظ، فہم اور عمل کے ذریعے سے قرآن کے سائے میں اپنی زندگی گزاری اور کہتے تھے:

''جس نے قرآن پڑھا، پھر مر گیا اور جہنم میں داخل کیا گیا تو یہ اللہ کی آیتوں کا مذاق اڑانے والوں

---

[1] طبقات ابن سعد (۳/ ۲۲) سیرۃ ابن ھشام (۲/ ۱۲۹) ابن ہشام نے اس کو بلاسند نقل کیا ہے۔

[2] محمد رسول اللہ ﷺ / صادق عرجون (۲/ ۴۲۱)

میں سے تھا۔'' [1]

اور کہتے تھے:

''قرآن پڑھنے والوں کے لیے بشارت ہے، یہ لوگ اللہ کے رسول ﷺ کی نگاہ میں سب سے زیادہ محبوب تھے۔'' [2]

اور فرمایا کرتے تھے:

''میرے خیال میں وہ شخص عقل مند نہیں ہے، جو سورۂ بقرہ کی آخری تین آیتوں کی تلاوت کیے بغیر سو جائے۔'' [3]

آپ کے بارے میں نازل ہونے والی قرآنی آیات:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ ۫ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ ۭ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ ۝ يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَ الْجُلُوْدُ ۝ وَ لَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ۝ كُلَّمَاۤ اَرَادُوْۤا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا ۗ وَ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝ اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّ لُؤْلُؤًا ۭ وَ لِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ۝ ﴾ (الحج: ١٩-٢٣)

''یہ دو جھگڑنے والے ہیں، جنھوں نے اپنے رب کے بارے میں جھگڑا کیا، تو وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا، ان کے لیے آگ کے کپڑے کاٹے جا چکے، ان کے سروں کے اوپر سے کھولتا ہوا پانی ڈالا جائے گا۔ اس کے ساتھ پگھلا دیا جائے گا جو کچھ ان کے پیٹوں میں ہے اور چمڑے بھی۔ اور انھی کے لیے لوہے کے ہتھوڑے ہیں۔ جب کبھی ارادہ کریں گے کہ سخت گھٹن کی وجہ سے اس سے نکلیں، اس میں لوٹا دیے جائیں گے اور چکھو جلنے کا عذاب۔ بے شک اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں، انھیں اس میں کچھ سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اور موتی بھی اور ان کا لباس اس میں ریشم ہوگا۔''

اس آیت کے بارے میں علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ قیامت کے دن میں سب سے پہلے (یعنی مجاہدین میں سے) اپنے رب کے سامنے دوزانوں فیصلہ کے لیے بیٹھوں گا۔ قیس بن عبادہ نے بیان کیا کہ ﴿ هٰذٰنِ

[1] المستطرف (١/ ٢٩) فرائد الکلام ص (٣٧٥).

[2] التبیان فی آداب حملة القرآن ص (١٤٦) فرائد الکلام ص (٣٩٠).

[3] التبیان فی آداب حملة القرآن ص (٢٦٦).

﴿ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّهِمْ ﴾ انھیں حضرات حمزہ، علی، عبیدہ، یا ابوعبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہم کے بارے میں نازل ہوئی؟ بیان کیا کہ یہ وہی ہیں جو بدر کی لڑائی میں مبارزت کے لیے تنہا تنہا نکلے تھے۔ حمزہ، علی، عبیدہ یا ابوعبیدہ ابن الحارث رضی اللہ عنہم (مسلمانوں کی طرف سے) اور شیبہ بن ربیعہ، عتبہ اور ولید بن عتبہ (کفار قریش کی طرف سے)۔[1]

امت محمدیہ کے لیے آپ نہایت شفیق ثابت ہوئے:

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ؕ ذٰلِكَ خَیْرٌ لَّكُمْ وَ اَطْهَرُ ؕ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ⑫ ﴾ (المجادلة: ۱۲)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم رسول سے سرگوشی کرو تو اپنی سرگوشی سے پہلے کچھ صدقہ پیش کرو، یہ تمھارے لیے زیادہ اچھا اور زیادہ پاکیزہ ہے، پھر اگر نہ پاؤ تو یقیناً اللہ بے حد بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔''

تو نبی کریم ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ سے کہا: ''مُرْهُمْ اَنْ یَّتَصَدَّقُوْا'' ان سے کہو صدقہ دیں۔ علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کتنا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''بِدِیْنَارٍ'' ایک دینار۔ علی رضی اللہ عنہ نے کہا: ان کے پاس اتنی طاقت نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''فَنِصْفُ دِیْنَارٍ'' تو نصف دینار۔ علی رضی اللہ عنہ نے کہا: ان کے پاس اتنی بھی طاقت نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تب کتنا؟ علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ایک جو کے برابر سونا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے یہ سن کر علی سے کہا: ''اِنَّكَ لَزَهِیْدٌ'' تم بہت کم کرنے والے ہو، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ؕ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَ تَابَ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ ﴾ (المجادلة: ۱۳)

''کیا تم اس سے ڈر گئے کہ اپنی سرگوشی سے پہلے کچھ صدقے پیش کرو، سو جب تم نے ایسا نہیں کیا اور اللہ نے تم پر مہربانی فرمائی تو تم نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو اور اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔''

پھر علی رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے، میری وجہ سے اللہ نے اس امت کے لیے یہ آسانی پیدا کی۔[2]

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک قرآن مجید سے مسائل مستنبط کرنے کے اصول و مبادی

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کو قرآن اور علوم قرآن کا گہرا علم تھا اور آپ کا یہ عقیدہ تھا کہ قرآن میں ضمناً یا صراحتاً

[1] بخاری، رقم الحدیث: ۳۹٦۵.

[2] سنن الترمذی، حدیث نمبر (۳۲۹۷) امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث ''حسن غریب'' ہے۔ امام البانی نے ''ضعیف موارد الظمآن إلی زوائد ابن حبان'' ص (۱۲۷، ۱۲۸) پر اسے ضعیف کہا ہے۔

تمام تر شرعی احکامات موجود ہیں، اسی لیے اکثر کہا کرتے تھے: ''اللہ تعالیٰ کسی چیز کو بھولنے والا نہیں ہے'' ❶ اور شرعی حکم بتاتے ہوئے عموماً قرآن سے استدلال کرتے اور آیت کریمہ پڑھ کر سناتے، چنانچہ مسائل کے استنباط کے لیے آپ نے جو معیار مقرر کیا تھا وہ یہ تھا:

۱۔ قرآن کے ظاہری معنی پر عمل کرنا
۲۔ مجمل آیت کو مفسر پر محمول کرنا
۳۔ مطلق کو مقید پر محمول کرنا
۴۔ ناسخ و منسوخ کا علم
۵۔ لغت عرب پر گہری نظر
۶۔ قرآن کی ایک نص کو دوسری نص سے سمجھنا
۷۔ مشکل آیات کے بارے میں استفسار کرنا
۸۔ سبب نزول کا علم
۹۔ عام حکم کی تخصیص
۱۰۔ اہل عرب اور ان کے مضافات کے باشندوں کے عادات و خصائل سے واقفیت
۱۱۔ قوت فہم اور معلومات کی وسعت (تفصیل ملاحظہ ہو: سیّدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، ص: ۱۱۳)

علی رضی اللہ عنہ سے منقول چند آیات کی تفسیریں

(۱) امام ثوری حبیب بن ابی صامت سے اور وہ ابوطفیل سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ابن الکواء کو علی رضی اللہ عنہ سے پوچھتے ہوئے سنا کہ اللہ کے ارشاد: ﴿وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ①﴾ سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا: ہوائیں۔ پھر ﴿فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ②﴾ کے بارے میں پوچھا تو فرمایا: کشتیاں اور ﴿فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا ③﴾ کے بارے میں پوچھا تو فرمایا: اس سے فرشتے مراد ہیں۔ ❶

(۲) **فرمان الٰہی:** ﴿فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ⑮﴾ (التکویر: ۱۵):

سعید بن منصور نے بسند حسن علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: اس سے وہ ستارے مراد ہیں، جو رات میں چھپ جاتے ہیں اور دن میں پیچھے ہٹ جاتے ہیں، پھر نظر نہیں آتے۔ ❷

(۳) **بندۂ صالح کی وفات پر زمین کا رونا:** ...... سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ جب کوئی نیک بندہ مر جاتا ہے تو اس کی سجدہ گاہ اور زمین و آسمان میں اس کے عمل اٹھائے جانے کی جگہیں اس کے لیے روتی ہیں۔ پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی:

﴿فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَ الْاَرْضُ وَ مَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ ㉙﴾ (الدخان: ۲۹)

''پھر نہ ان پر آسمان و زمین روئے اور نہ وہ مہلت پانے والے ہوئے۔''

---

❶ الخلافة الراشدة/ یحییٰ الیحیی ص (۴۸۶).
❷ ایضًا، ص (۴۸۷) الفتح (۸/ ۵۶۳).

(٤) قلبی خشوع اور مسلمانوں کے لیے دل میں نرم گوشہ رکھنا:...... سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ اللہ کے اس فرمان کی کیا تفسیر ہے:

﴿ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ ﴾ (المؤمنون : ٢)

''وہی جو اپنی نماز میں عاجزی کرنے والے ہیں۔''

آپ نے فرمایا: خشوع دل میں ہوتا ہے، تم اپنے دل میں مسلمان بھائی کے لیے نرم گوشہ رکھو اور نماز میں ادھر ادھر متوجہ نہ ہو۔ [1] (مزید تفصیل ملاحظہ ہو، سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، ص: ۱۲۴)

(۴)...... رسول اللہ ﷺ کی صحبت

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ مکہ کے ان باشندوں میں سے ایک فرد تھے، جنھوں نے اپنے ناخواندہ معاشرے میں پڑھنا اور لکھنا سیکھا تھا، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کو بچپن ہی سے علم سے محبت اور والہانہ لگاؤ تھا۔ اللہ نے آپ کو عہد طفولت ہی سے اس بات کی توفیق بھی دی کہ خانۂ رسول ﷺ میں پرورش پائیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں آپ کی تربیت ہوئی، اور آپ ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہوجانے کے بعد ان پر خصوصی توجہ بھی کی، اس طرح رسول اللہ ﷺ کی اعلیٰ ترین راہنما شخصیت نے علی رضی اللہ عنہ کی شخصیت کو سنوارا، ان کی صلاحیتوں کو نکھارا اور طاقتوں کو بروئے کار لائے، نفس کو مہذب بنایا، دل کو پاک اور عقل کو روشن کیا اور ان کی روح کو تازگی بخشی۔

آپ مکہ اور مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں رہے، اور اس بات کے لیے کوشاں رہے کہ قرآنی تعلیمات پر آپ صحابہ کی تربیت کرنے والے نبی مکرم ﷺ کے ہاتھوں تربیت پائیں، اس لیے کہ آپ کی شخصیت مذہبی تربیت کا سرچشمہ تھی، جس سے علی رضی اللہ عنہ نے اپنے علم، تربیت اور ثقافت کو سیراب کیا تھا اور ادھر ہر نئے پیش آنے والے واقعات وحوادث کے متعلق نبی کریم ﷺ پر قرآنی آیات تھوڑی تھوڑی کر کے نازل ہو رہی تھیں۔ آپ انھیں اپنے صحابہ کو پڑھ کر سناتے تھے، جو اس کے معانی کو سمجھ سکیں، ان کی گہرائی تک پہنچ سکیں اور ان پر عمل پیرا ہوسکیں۔ آپ کے اس طریقۂ تربیت کا صحابہ کے دل و دماغ پر گہرا اثر پڑتا تھا۔ چنانچہ علی رضی اللہ عنہ بھی ان صحابہ میں سے ایک تھے جو رسول اللہ ﷺ کے ذریعے سے قرآنی تربیت سے بھرپور متاثر ہوئے، اور نبوی تعلیمات وتوجیہات کا جام نوش کیا، آپ نے اسلام لانے کے بعد سے قرآن حفظ کرنے، اسے سمجھنے اور اس میں غور کرنے کا اہتمام کیا اور رسول ﷺ کی صحبت میں رہے، جو آیتیں آپ ﷺ پر نازل ہوتیں، آپ انھیں یاد کر لیتے، اس طرح آپ پورے قرآن کے حافظ ہوگئے۔ رسول اللہ ﷺ کی صحبت وتربیت کی برکت سے آپ خیر کثیر کے مالک بن گئے اور بعد میں خلفائے راشدین میں سے ہوئے۔ آپ ہمیشہ اس بات پر حریص رہے کہ جنگ و صلح دونوں حالتوں میں نبی کریم ﷺ کی سنت کو سیکھا جائے۔

---

[1] الزهد/ ابن المبارك ص (٤٠٣) اثر نمبر (١١٤٨).

چنانچہ اسی تڑپ کے باعث بعد میں آپ وسیع علم اور سنت نبوی کی عمیق معرفت کے مالک بن گئے، دین اسلام کی روح اور اس کے مقاصد و اسرار کو نبی کریم ﷺ سے سیکھا اور عملی زندگی میں برتا۔ درحقیقت دونوں کا تعلق قلبی لگاؤ اور حقیقی محبت پر قائم تھا اور جب معلم و شاگرد کا رشتہ قلبی تعلق پر قائم ہو تو اس سے ایک ممتاز و خوشگوار فضا قائم ہوتی ہے اور تبھی اس کے بہترین علمی و ثقافتی نتائج سامنے آتے ہیں۔

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ بحیثیت شاگرد رسول اللہ ﷺ سے بہت محبت کرنے والے تھے، ہمیشہ رسول اللہ ﷺ کے لیے فکرمند رہے، آپ کی حفاظت کے لیے اپنی جان کو خطرے میں ڈالا اور آپ کی دعوت کو عام کرنے کے لیے ہمہ وقت خود کو قربان کرنے کے لیے تیار رہے۔

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے تمام تر افعال اطاعت نبوی ﷺ کی اہمیت اور اتباع سنت کی عظمت کے اسی واضح تصور میں ڈوبے ہوتے تھے، آپ سنت نبوی کا خاص اہتمام کرتے اور اسے قبول کرنے اور روایت کرنے میں تحقیق و تنقیح اور جستجو کرتے، آپ کا قول ہے کہ جب میں تمھیں اللہ کے رسول کی کوئی حدیث بتاؤں تو آسمان سے پھینک دیا جانا مجھے اس بات سے زیادہ محبوب ہے کہ آپ ﷺ کی طرف جھوٹ بات منسوب کروں۔ [1]

اور فرمایا:

''جب میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے بذات خود کوئی حدیث سنی تو اللہ تعالیٰ نے جتنا چاہا مجھے اس سے فائدہ پہنچایا اور جب کسی شخص نے آپ ﷺ کی حدیث مجھ سے بیان کیا تو میں نے اس سے قسم لی، اگر وہ قسم اُٹھا لیتا تو میں اس کی روایت کو مان لیتا۔'' [2]

آپ ان تمام کاموں سے برسرپیکار رہتے، جو اتباع نبوی کے خلاف ہوں، چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا: اگر دین کا دارومدار عقل اور رائے پر ہوتا تو موزے کے نچلے حصہ کا مسح کرنا اوپر کے حصے پر مسح کرنے سے بہتر ہوتا۔ [3]

ا۔ طریقۂ نبوی ﷺ کے التزام کی رغبت دلانا:

آپ تمام لوگوں کو نبی کریم ﷺ کی طرز زندگی اپنانے کی رغبت دلاتے تھے، چنانچہ مقام ربذہ پر خطبہ دیتے ہوئے آپ نے فرمایا:

''اپنے دین کو لازم پکڑو، اپنے نبی کریم ﷺ کے بتائے ہوئے راستے پر چلو، آپ کی سنتوں کا اتباع کرو، قرآن کی متشابہات سے بچو، جسے قرآن معروف کہے اسے مان لو اور جسے منکر کہے اسے چھوڑ دو۔'' [4]

جب خوارج کی جنگ سے واپس ہوئے تو اپنے ساتھیوں کے درمیان بڑا بلیغ، نفع بخش اور خیر کثیر پر مشتمل خطبہ دیا، اس میں آپ نے طریقۂ نبوی ﷺ کے التزام پر بہت زور دیا اور فرمایا:

---

[1] فتح الباري (٦/ ١٥٨).
[2] سنن ابن ماجه، حديث نمبر (١٣٩٥).
[3] ابو داؤد (١٦٢).
[4] معجم البلدان: ٣/ ٢٤.

''اپنے نبی کریم ﷺ کے طریقے کو اپناؤ، وہی سب سے افضل طریقہ ہے، آپ کی سنتوں پر عمل کرو، وہی سب سے افضل سنت ہے۔'' ❶

آپ کے ایام خلافت میں نمودار ہونے والے داخلی فتنے آپ کو خیر کی طرف دعوت دینے اور برائیوں و بدعات سے روکنے کے راستے میں کبھی رکاوٹ نہ بن سکے۔ ❷ اس سلسلے میں آپ نے فرمایا:

''سب سے بہتر کام ثابت شدہ پختہ امور ہیں اور سب سے بدترین کام ایجاد کردہ بدعتیں ہیں، دین میں نکالی ہوئی ہر نئی چیز بدعت ہے، اس کا ایجاد کرنے والا بدعتی ہے، جس نے بدعت ایجاد کیا وہ برباد ہوا، کسی بدعتی نے اگر کوئی بدعت نکالی تو اس کے بالمقابل اس نے کسی سنت کو ضرور چھوڑا۔'' ❸

۲۔ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ اور اتباع نبوی:

آپ نبی اکرم ﷺ کے اتباع کے شیدائی تھے۔ آپ کی عملی زندگی میں اس کی زندہ مثالیں موجود ہیں، یہاں بطور نمونہ چند مثالیں ذکر کی جارہی ہیں، کہ جن میں آپ ہر چھوٹی اور بڑی سنت کے اتباع پر فریفتہ نظر آتے ہیں:

سواری پر سوار ہونے کی دعا:...... امام عبدالرزاق سے روایت ہے کہ جس شخص نے علی رضی اللہ عنہ کو سواری پر سوار ہوتے دیکھا اس نے مجھے بتایا کہ جب آپ اپنا قدم رکاب میں رکھا تو کہا: ''بِسْمِ اللّٰهِ'' اور جب برابر بیٹھ گئے تو کہا: '' اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ'' پھر کہا:

((سُبْحَانَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَ مَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِيْنَ ، وَاِنَّا اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ))

''تمام تعریف اس اللہ کے لیے جس نے اس سواری کو میرے لیے مسخر کیا، ہم اس کے ساتھ کسی کو شریک کرنے والے نہیں ہیں اور ہم اپنے رب کی طرف ضرور پلٹنے والے ہیں۔''

پھر تین مرتبہ '' اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ'' اور تین مرتبہ ''اَللّٰهُ اَكْبَرُ'' کہا اور پھر آپ نے یہ دعا پڑھی:

((اَللّٰهُمَّ لَا إِلٰهَ إِلَّا اَنْتَ ، ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْلِيْ اِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ .))

پھر آپ ہنسنے لگے، آپ سے پوچھا گیا: اے امیر المومنین کیوں ہنس رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: جس طرح میں نے کیا ہے اسی طرح رسول اللہ ﷺ کو کرتے دیکھا تھا اور جو میں نے پڑھا ہے رسول اللہ ﷺ نے وہی پڑھا تھا، پھر آپ ﷺ ہنسنے لگے تھے، ہم نے پوچھا تھا اے اللہ کے رسول ﷺ آپ ہنس کیوں رہے ہیں؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا:

((اَلْعَبْدُ أَوْ قَالَ: عَجِبْتُ لِلْعَبْدِ اِذَا قَالَ: لَا إِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْلِيْ اِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّا اَنْتَ ، يَعْلَمُ اَنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّا هُوَ .)) ❹

---

❶ البداية والنهاية (۷/ ۳۱۹).

❷ البداية والنهاية (۷/ ۳۱۹).

❸ البداية والنهاية (۷/ ۲۶۲).

❹ مسند أحمد، حديث نمبر (۹۳۰) اس کی سند حسن لغیرہ ہے۔

''بندہ یا فرمایا: میں بندہ کی اس ادا سے خوش ہوجاتا ہوں، جب وہ کہتا ہے کہ ''اے اللہ تیرے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں، میں نے اپنی ذات پر ظلم کیا ہے تو مجھے بخش دے، تیرے علاوہ کوئی گناہوں کو بخشنے والا نہیں،'' وہ جانتا ہے کہ گناہ کو صرف اللہ ہی بخش سکتا ہے۔''

کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر پانی پینا:...... عطاء بن سائب، زادان سے روایت کرتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہوکر پانی پیا، لوگ آپ کی طرف دیکھنے لگے، جیسے وہ ناپسند کر رہے ہوں، آپ نے فرمایا: کیا دیکھ رہے ہو؟ اگر میں کھڑے ہوکر پیوں تو رسول اللہ ﷺ کو کھڑے ہوکر پیتے دیکھا ہے اور اگر بیٹھ کر پیوں تو رسول اللہ ﷺ کو بیٹھ کر پیتے ہوئے دیکھا ہے۔[1]

نبوی وضو کی تعلیم:...... عبد خیر سے روایت ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے ہمیں نبی کریم ﷺ کے وضو کا طریقہ بتایا، غلام نے آپ کے دونوں ہتھیلیوں پر پانی ڈالا، آپ نے دونوں کو خوب اچھی طرح دھولیا، پھر آپ نے اپنا ہاتھ پانی کے برتن میں ڈالا اور کلی کیا، ناک میں پانی چڑھا کر جھاڑا اور تین مرتبہ چہرہ دھلا، تین تین مرتبہ کہنیوں تک ہاتھ دھوئے، پھر اپنا ہاتھ پانی کے برتن میں ڈالا، پانی کم تھا اس لیے برتن کے پیندے تک پانی میں ہاتھ لے گئے اور باہر لائے۔ پھر دوسرے ہاتھ پر مسح کیا، پھر دونوں ہتھیلیوں سے سر کا ایک بار مسح کیا، پھر دونو ں پیروں کو ٹخنوں سمیت تین تین بار دھویا، پھر ایک چلو پانی ہاتھ میں لیا، اسے نوش کیا اور فرمایا: رسول اللہ ﷺ اسی طرح وضو کرتے تھے۔[2]

رسول اللہ ﷺ کی طرف سے علی رضی اللہ عنہ کو چند چیزوں کی ممانعت:...... عبداللہ بن حنین اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے سونے کی انگوٹھی، ریشم اور زرد رنگ کا کپڑا پہننے سے اور رکوع کی حالت میں تلاوت قرآن سے منع فرمایا۔ آپ نے مجھے زرد ریشم کا دھاری دار جوڑا عطا کیا، میں اسے پہن کر باہر نکلا، آپ نے دیکھ کر فرمایا:

((يَا عَلِيُّ! اِنِّي لَمْ أَكْسُكْهَا لِتَلْبِسَهَا .))

''اے علی! میں نے تمھیں اس لیے نہیں دیا تھا کہ خود پہنو۔''

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں اسے لے کر فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا اور اس کا ایک سرا ان کے ہاتھ میں دیا، فاطمہ نے اسے پکڑا اور وہ اسے لپیٹنا چاہتی تھیں، لیکن میں نے اسے دو ٹکڑوں میں پھاڑ دیا، فاطمہ کہنے لگیں، اے ابوطالب کے بیٹے! تم نے یہ کیا کیا؟ علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا: اللہ کے رسول ﷺ نے مجھے اس کو پہننے سے منع فرمایا ہے، تم خود اسے پہنو اور اپنی سہیلیوں کو پہناؤ۔[3]

---

[1] مسند أحمد، حديث نمبر (١١٢٨) اس کی سند حسن ہے۔ بوقت ضرورت کھڑے ہوکر پینا جائز ہے۔ (مترجم)
[2] مسند أحمد/ الموسوعة الحديثية حديث نمبر (٨٧٦) یہ حدیث صحیح لغیرہ ہے۔
[3] مسند أحمد/ الموسوعة الحديثية، حديث نمبر (١٣٦٥) اس کی سند حسن ہے۔

گناہ اور مغفرت: ...... سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ أَذْنَبَ فِي الدُّنْيَا فَعُوْقِبَ بِهِ ، فَاللّٰهُ اَعْدَلُ مِنْ أَنْ يُثْنِي عُقُوْبَتَهُ عَلَى عَبْدِهِ ، وَ مَنْ أَذْنَبَ ذَنْبًا فِي الدُّنْيَا فَسَتَرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ ، وَ عَفَا عَنْهُ فَاللّٰهُ أَكْرَمُ مِنْ أَنْ يَعُوْدَ فِي شَيْءٍ قَدْ عَفَا عَنْهُ .)) ❶

''جس نے دنیا میں کوئی گناہ کیا اور اس کی شرعی سزا دے دی گئی تو اللہ کے عدل کے خلاف ہے، یہ بات کہ وہ اپنے بندے کو دوبارہ سزا دے، اور اگر کسی بندے نے دنیا میں گناہ کیا، پھر اللہ نے اس کی پردہ پوشی کر دی اور معاف کر دیا تو اللہ کے کرم کے خلاف ہے، یہ بات کہ وہ دوبارہ اس چیز پر مواخذہ کرے جس کو معاف کر چکا ہے۔''

مخلوق کی اطاعت صرف نیکی کے کاموں میں ہے: ...... علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر روانہ کیا اور اس پر ایک امیر مقرر کر دیا، اس نے آگ کا الاؤ روشن کیا اور کہا: تم لوگ اس میں داخل ہو جاؤ، کچھ لوگوں نے اطاعت کرتے ہوئے داخل ہونے کا ارادہ کر لیا اور کچھ لوگوں نے کہا: ہم ایسا نہیں کریں گے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس واقعہ کا ذکر ہوا، تو جن لوگوں نے داخل ہونے کا ارادہ کر لیا تھا، ان سے فرمایا: ((لَوْ دَخَلْتُمُوْهَا لَمْ تَزَالُوْا فِيْهَا إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ......)) ''اگر تم لوگ اس میں داخل ہو جاتے تو قیامت تک اسی میں رہتے۔'' جب کہ دوسرے لوگوں کی تعریف کیا اور فرمایا:

((لَا طَاعَةَ فِي مَعْصِيَةِ اللّٰهِ ، إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوْفِ .)) ❷

''اللہ کی معصیت میں کسی انسان کی اطاعت جائز نہیں، مخلوق کی اطاعت صرف نیکی کے کاموں میں جائز ہے۔''

یہ حدیث واضح کرتی ہے کہ حکام کی اطاعت مطلق اور بے قید نہیں ہے، بلکہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے ساتھ مقید ہے۔ مطلق اطاعت صرف اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے۔

ایک صدی کے بعد آج کا کوئی آدمی باقی نہیں رہے گا: ...... ابو مسعود عقبہ بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو آپ نے ان سے پوچھا: کیا تم ہی کہتے ہو کہ جب لوگوں پر سو سال گزر جائیں گے تو زمین پر کوئی آنکھ دیکھتی ہوئی نظر نہ آئے گی؟ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((لَا يَأْتِي عَلَى النَّاسِ مِائَةُ سَنَةٍ وَعَلَى الْاَرْضِ عَيْنٌ تَطْرُفُ مِمَّنْ هُوَ حَيٌّ الْيَوْمَ ، وَاللّٰهِ اِنَّ رَخَاءَ هٰذِهِ الْاُمَّةِ بَعْدَ مَائَةِ عَامٍ .)) ❸

❶ مسند أحمد / الموسوعة الحديثية ، حديث نمبر (۷۱۰) اس کی سند حسن ہے۔

❷ مسند أحمد / الموسوعة الحديثية ، ح (۷۲٤) اس کی سند صحیح ہے۔ ❸ ایضًا ، ح (۷۱٤) اس کی سند قوی ہے۔

علی رضی اللہ عنہ کے اس قول کا مطلب اس حدیث کی تردید ہرگز نہیں ہے بلکہ یہ بتلانا مقصود ہے کہ اگرچہ صحابہ کا دور ختم ہو جائے گا وہ باقی نہ رہیں گے، لیکن امت زوال پذیر نہ ہوگی بلکہ اسلامی دعوت دنیا میں پھیلے گی مسلمانوں کو عروج و غلبہ حاصل رہے گا۔ (مترجم)

''آج جو لوگ باحیات ہیں ایک سو سال گزر جانے کے بعد ان میں سے کوئی زندہ نہیں رہے گا۔ اللہ کی قسم! اس امت کے لیے خوش حالی سو سال کے بعد ہے۔''

مجھے راز کی ایسی کوئی بات نہیں بتائی جسے لوگوں سے پوشیدہ رکھا ہو:......

ابو الطفیل سے روایت ہے کہ ہم نے علی رضی اللہ عنہ سے کہا، ایسی رازداری کی بات بتایئے جسے رسول اللہ ﷺ نے صرف آپ کو بتایا ہو، آپ نے فرمایا: مجھے آپ ﷺ نے رازداری کی کوئی ایسی بات نہیں بتائی، جسے دوسرے لوگوں سے پوشیدہ رکھا ہو، البتہ آپ ﷺ کو میں نے فرماتے ہوئے سنا:

((لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ ، وَ لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ آوَى مُحْدِثًا ، وَ لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ لَعَنَ وَالِدَيْهِ ، وَلَعَنَ اللّٰهُ مَنْ غَيَّرَ تُخُوْمَ الْأَرْضِ .))[1]

''اللہ کی لعنت ہے اس شخص پر جس نے غیر اللہ کے لیے ذبح کیا اور اللہ کی لعنت ہے اس شخص پر جس نے کسی بدعتی کو پناہ دیا، اور اللہ کی لعنت ہے اس شخص پر جس نے اپنے والدین پر لعنت بھیجی اور اللہ کی لعنت ہے اس شخص پر جس نے زمین کے نشانات کو بدلا۔

اس حدیث میں اللہ کی لعنت کا مطلب ہے کہ اس کی رحمت سے دوری اور ''غیر اللہ'' کے لیے ذبح کرنے کا مطلب ہے، اللہ کے علاوہ ہر مخلوق حتی کہ اگر کسی نبی، فرشتے یا جنات کے لیے ذبیحہ کیا تو یہ سب اسی حکم میں شامل ہیں، اگر اسلام کی نگاہ میں یہ چیزیں معمولی ہوتیں تو ان پر اس قدر سخت وعید نہ ہوتی کہ وہ رسول اللہ کی لعنت کا مستحق ہو۔

سیّدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے احادیث روایت کرنے والے لوگ:

آپ اپنی دور خلافت میں تمام صحابہ سے زیادہ سنت کا علم رکھتے تھے، انھیں ایام میں ایک مرتبہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے علی رضی اللہ عنہ کا تذکرہ ہوا تو کہنے لگیں: اس وقت جتنے صحابہ باحیات ہیں ان میں علی رضی اللہ عنہ کو سنت کا سب سے زیادہ علم ہے۔[2] لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے باوجود آپ سے کل صرف پانچ سو پچاسی احادیث مروی ہیں، جو کہ بعض دیگر صحابہ کی مرویات کے بالمقابل بہت کم ہیں۔

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے صحابہ تابعین اور آپ کے اہل خانہ کے علاوہ بے شمار لوگوں نے روایتیں نقل کی ہیں، یہاں چند مشہور صحابہ کا ذکر کیا جاتا ہے، جنھوں نے آپ سے حدیثیں اخذ کی ہیں:

۱:......ابو امامہ ایاس بن ثعلبہ انصاری رضی اللہ عنہ

---

[1] مسند أحمد / حدیث نمبر (۸۵۵) اس کی سند قوی ہے۔ یہ حدیث صحیح مسلم کی حدیث ہے دیکھئے: صحیح مسلم / کتاب الأضاحی / باب تحریم الذبح لغیر اللہ (۱۹۷۸) (مترجم)

[2] الطبقات / ابن سعد (۲/ ۳۳۸) .

۲:......رسول اللہ ﷺ کے غلام ابورافع القبطی رضی اللہ عنہ

۳:......ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ

۴:......جابر بن عبداللہ بن عمر بن حرام بن کعب بن غنم بن کعب انصاری السلمی رضی اللہ عنہ

۵:......جابر بن سمرہ بن جنادہ بن جندب العامری السوائی رضی اللہ عنہ

۶:......زید بن ارقم بن زید بن قیس بن نعمان رضی اللہ عنہ

۷:......عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب

۸:......عبداللہ بن عمر بن خطاب القرشی، العدوی

۹:......عبداللہ بن مسعود بن غافل بن وائل الھذلی رضی اللہ عنہ

۱۰:......عمرو بن حریث بن عثمان القرشی مخزومی

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے آپ کے اہل بیت:

۱:......آپ کے فرزند ارجمند اور نواسۂ رسول حسن بن علی رضی اللہ عنہما

۲:......دوسرے فرزند اور نواسۂ رسول یعنی حسین بن علی رضی اللہ عنہما

۳:......آپ کے فرزند محمد بن علی بن ابی طالب

۴:......آپ کے پوتے محمد بن عمر بن علی بن ابی طالب

۵:......دوسرے پوتے علی بن حسین بن علی بن ابی طالب

۶:......آپ کے بھانجے جعدہ بن ہبیرہ بن ابی وہب بن عمرو بن عائذ بن عمران بن مخزوم

۷:......آپ کی باندی ام موسیٰ

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے مشہور تابعین:

۱:......قاضی ابوالاسود الدؤلی البصری

۲:......فقیہ شریعت ابوبردہ بن ابوموسیٰ اشعری

۳:......حافظ قرآن ابوعبدالرحمٰن السلمی عبداللہ بن حبیب بن ربیعہ الکوفی

۴:......ابومریم زید بن حبیش بن حبانہ بن اوس الاسدی

۵:......قبیلہ قضاعہ سے تعلق رکھنے والے ابوسلیمان زید بن وہب الجہنی

۶:......ابوامیہ بن سوید بن غفلۃ بن عوسجہ بن عامر

۷:......شریح بن ہانی بن یزید بن نہیک الحارثی، المذحجی ابن المقدام الکوفی

۸:......عامر بن شرحبیل بن عبد

۹:......ابو عماری عبد خیر بن یزید

۱۰:......عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ

۱۱:......عبیدۃ السلمانی

۱۲:......ابو العالیہ عبداللہ بن سلمہ المرادی الکوفی

۱۳:......عبداللہ بن شقیق العقیلی

۱۴:......علقمہ بن قیس النخعی

۱۵:......ابو یحییٰ عمیر بن سعید النخعی الصہبانی الکوفی

۱۶:......ہانی بن ہانی الہمدانی الکوفی

۱۷:......یزید بن شریک بن طارق التیمی الکوفی

(۵)......ہجرت مدینہ سے غزوۂ احزاب تک سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے اہم کارنامے

رسول اللہ اکرم ﷺ جب مدینہ پہنچ گئے اور استقرار واطمینان کی سانس لی تو اس کے بعد اسلامی مملکت کی بنیادیں استوار کرنے کی تیاری کرنے لگے، چنانچہ مہاجرین وانصار کے درمیان مؤاخاۃ (بھائی چارگی) قائم کی، پھر مسجد کی بنیاد رکھی، پڑوس کے یہودیوں سے امن کا معاہدہ کیا، قرب و جواب میں سرایا اور خفیہ دستے بھیجنے لگے، اور ایک نئے معاشرے کی اقتصادی، تعلیمی اور تربیتی تعمیر وترقی میں لگ گئے، اور علی رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ رہے، آپ کے احکامات کو عملی جامہ پہناتے اور آپ کی ہدایت رہنمائی پر عمل کرتے رہے۔

ا۔ مدینہ میں مؤاخاۃ (بھائی چارہ):

رسول اکرم ﷺ نے علی بن ابی طالب اور سہل بن حنیف رضی اللہ عنہما کے درمیان مؤاخاۃ کا رشتہ قائم کیا۔ [1]

اس ضمن میں بعض علما نے یہ بحث چھیڑی ہے کہ کیا مکہ میں بھی ان مہاجرین کے درمیان کوئی مؤاخاۃ قائم ہوئی تھی، چنانچہ بلاذری نے اشارہ کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہجرت سے پہلے مکہ میں راہ حق میں مر مٹنے کے جذبہ کو پروان چڑھانے اور ایک دوسرے کی غمخواری کے لیے مسلمانوں میں باہمی مؤاخاۃ کا تعلق قائم کیا تھا، چنانچہ سیّدنا حمزہ اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کے درمیان، ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے درمیان، عثمان بن عفان اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما کے درمیان، زبیر بن عوام اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے درمیان، عبیدہ بن حارث اور بلال حبشی رضی اللہ عنہما کے درمیان، مصعب بن عمیر اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما کے درمیان، ابوعبیدہ بن جراح اور سالم مولیٰ ابوحذیفہ رضی اللہ عنہما کے درمیان، سعید بن زید بن عمرو بن نفیل اور طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہما کے درمیان اور اپنے اور علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے درمیان مؤاخاہ قائم کی تھی۔ [2]

---

[1] الکاشف للذھبی (۳/ ۲۱۸). [2] انساب الأشراف (۱/ ۲۷۰).

۲۔ مہمات وسرایا:

رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں جونہی مدینہ میں مسلمانوں کو استقرار حاصل ہوا، انھوں نے فوجی مہمات شروع کر دیں، جن کا مقصد یہ تھا کہ اندرونی و بیرونی سطح پر اسلامی حکومت کا دبدبہ قائم ہو سکے، بعض دیگر قبائل عرب بھی اسلام میں داخل ہو جائیں، اعراب (بدویوں) کا مخالفانہ کردار ڈھیلا ہو جائے اور مستقبل میں بڑے بڑے غزوات اور تحریک فتوحات نیز قائدین پیدا کرنے والے عملی میدانوں کے لیے صحابہ کو جنگی مہارت کی تربیت دی جائے، چنانچہ ان مہمات میں علی رضی اللہ عنہ نے شرکت فرمائی۔

❀ غزوہ عشیرہ ❀ غزوۂ بدر اولیٰ

❀ غزوۂ بدر

۳۔ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے شادی:

یہ فاطمہ بنت امام المتقین سید ولد آدم رسول اللہ ﷺ ہیں۔ ماں کا نام خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا ہے۔[1] نبی اکرم ﷺ کو نبوت ملنے سے قبل جب کہ آپ کی عمر پینتیس (۳۵) سال تھی فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ولادت ہوئی۔[2] ۲ھ میں غزوۂ بدر کے بعد اللہ کے رسول ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ سے فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی کر دی۔ آپ کے بطن سے حسن، حسین رضی اللہ عنہما اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی ولادت ہوئی، وفات نبوی کے چھ مہینے بعد آپ کی بھی وفات ہوگئی۔[3]

۱۔ مہر اور شادی کا سامان: ...... سیّدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کے پاس فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے نکاح کا پیغام آنے لگا تو میری لونڈی نے مجھ سے کہا: کیا آپ کو معلوم ہے کہ فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ کے لیے آپ کے پاس نکاح کا پیغام آنے لگا ہے، میں نے کہا: نہیں، میں نہیں جانتا۔ اس نے کہا: یقیناً ان کے لیے شادی کا پیغام آنے لگا ہے، آپ کیوں نہیں رسول اللہ ﷺ کے پاس اس ارادہ سے جاتے کہ وہ آپ سے ان کا نکاح کر دیں، میں نے کہا: میرے پاس ہے ہی کیا کہ جس سے نکاح کروں، اس نے کہا: اگر آپ رسول ﷺ کے پاس جائیں گے تو مجھے یقین ہے کہ وہ رشتہ آپ سے کر دیں گے، وہ مسلسل مجھے امید دلاتی رہی یہاں تک کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا لیکن آپ کی ہیبت و جلال کی وجہ سے بات نہ کر سکا، لیکن آپ ﷺ خود گویا ہوئے اور پوچھا: کیسے آنا ہوا؟ کیا کوئی ضرورت ہے؟ میں خاموش رہا، آپ نے فرمایا: شاید تم فاطمہ کے متعلق پیغام دینے آئے ہو؟ میں نے عرض کیا، ہاں۔ پھر آپ نے پوچھا: کیا تمھارے پاس ادائیگی مہر کے لیے کچھ ہے؟ میں نے کہا: کچھ نہیں ہے، اے اللہ کے رسول! آپ نے پوچھا: میں نے تمھیں جو

---

[1] أسد الغابة (٥/ ٥٢٠)، الإصابة (٤/ ٣٦٥). [2] طبقات ابن سعد (٨/ ٢٦).

[3] حلية الاولياء (٢/ ٣٩) سير اعلام النبلاء (٢/ ١١٨، ١٣٤)، العقيدة فى اهل البيت بين الافراط و التفريط، د۔سليمان السحيمى (١٣٢).

زرہ دی تھی اس کا کیا کیا؟ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں علی کی جان ہے وہ حطمی (کشادہ) زرہ تھی، اور اس قیمت چار سو درہم تھی۔ میں نے کہا: وہ میرے پاس ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے فاطمہ کی شادی تم سے کر دی، اسے بطور مہر فاطمہ کے پاس بھیجو، پس یہی فاطمہ بنت رسول ﷺ کا حق مہر تھا۔ ❶ پھر اللہ کے رسول ﷺ نے ایک چادر ایک مشکیزہ ایک چمڑے کا تکیہ جس میں اذخر بھری ہوئی تھی دے کر فاطمہ رضی اللہ عنہا کو رخصت کیا۔ ❷

اور شیعی روایات میں آیا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، پھر میں نے اپنی زرہ لی اور اسے لے کر بازار میں گیا اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ چار سو درہم میں فروخت کر دیا، جب میں نے دراہم اپنے ہاتھ میں لے لیے اور انھوں نے زرہ مجھ سے لے لی، تو کہنے لگے: اے ابوالحسن! کیا اس خرید وفروخت سے میں زرّہ اوران دراہم کا تم سے زیادہ حق دار کوئی نہیں ہے؟ میں نے کہا: ہاں ضرور۔ پھر کہا: لو یہ زرہ میری طرف سے تمھارے لیے ہدیہ ہے، چنانچہ میں نے دراہم اور زرّہ دونوں لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے سامنے رکھ دیے۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے جو کچھ کہا تھا، وہ بتا دیا، آپ ﷺ نے ان کے لیے خیر و برکت کی دعا فرمائی۔ ❸

۲۔ شادی:......اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میں فاطمہ بنت رسول ﷺ کے رخصتی میں موجود تھی، صبح ہوئی تو اللہ کے رسول ﷺ گھر کے دروازے پر آئے اور کہا: ((يَا أُمَّ أَيْمَنَ! أُدْعِي لِيْ أَخِي)) ''اے ام ایمن میرے بھائی کو آواز دو'' میں کہنے لگی: وہ تمھارے بھائی ہیں اور ان سے آپ اپنی بچی کا نکاح کر رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ((نَعَمْ! يَا أُمَّ أَيْمَنَ)) ''ہاں، اے ام ایمن'' وہ کہتی ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ باہر نکلے، آپ ﷺ ان کے جسم پر پانی کا چھینٹے مارے، اور ان کے لیے دعا خیر کی، پھر فرمایا: ((أُدْعُوا لِيْ فَاطِمَةَ)) ''فاطمہ کو میرے پاس بلاؤ'' اسماء رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ وہ آئیں اور شرم سے ان کے قدم آگے نہیں بڑھ رہے تھے، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''دھیان سے سنو! میں نے تمھارا نکاح ایسے شخص سے کر دیا ہے جو میرے اہل بیت میں میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہے۔'' پھر آپ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا پر بھی پانی کے چھینٹے مارے، اور ان کے لیے دعائے خیر فرمائی، پھر لوٹ کر جانے لگے کہ اتنے میں آپ کی نظر سامنے ہی ایک سائے پر پڑی، پوچھنے لگے: ((مَنْ هٰذَا)) ''یہ کون ہے؟'' میں بول پڑی کہ میں ہوں، آپ نے کہا: کون اسماء؟ میں نے کہا: جی ہاں، آپ نے کہا: اسماء بنت عمیس ہو؟ میں نے کہا: جی ہاں، آپ نے کہا: ((جِئْتِ فِيْ زَفَافِ بِنْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ تَكْرِمَةً لَّهُ؟)) ''کیا تو رسول اللہ ﷺ کے اعزاز و اکرام میں بنت رسول کی رخصتی میں آئی تھیں؟'' میں نے کہا: ہاں۔ پھر آپ نے میرے لیے دعا فرمائی۔ ❹

---

❶ دلائل النبوة/ البيهقي (۳/ ۱۶۰) اس کی سند حسن ہے۔
❷ صحيح السيرة النبوية ص (٦٦٧) مسند فاطمة الزهراء/ السيوطی، تحقيق فواد احمد زمرلی ص (۱۸۹).
❸ كشف الغمة / أربلی (۱/ ۳۵۹) بحار الانوار/ المجلسی ص (۲۹) بحواله الشيعة و اهل البيت ص (۱۳۷، ۱۳۸).
❹ فضائل الصحابة (۲/ ۹۵۳) حديث نمبر (۳۴۲).

۳۔ ولیمہ: ......سیّدنا بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ جب جناب علی رضی اللہ عنہ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو پیغام نکاح دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّهُ لَابُدَّ لِلْعُرْسِ مِنْ وَلِيْمَةٍ .))...... ''شادی کے لیے ولیمہ ضروری ہے۔''

راوی کا بیان ہے کہ سعد نے کہا: میرے پاس ایک دنبہ ہے، پھر چند صحابہ کی جماعت نے مل کر کئی صاع مکئی کا آٹا جمع کیا اور جب شب زفاف آئی تو آپ نے فرمایا: اے علی! مجھ سے ملاقات کرنے سے پہلے تم کوئی اقدام مت کرنا، پھر آپ نے پانی منگوایا اور اس سے وضو کیا، پھر اسے علی رضی اللہ عنہ پر انڈیل دیا، اور یہ دعا دی:

((اَللّٰهُمَّ بَارِكْ فِيْهِمَا وَ بَارِكْ عَلَيْهِمَا وَبَارِكَ فِيْ شِبْلِهِمَا .)) ❶

''اے اللہ! ان دونوں میں برکت عطا فرما اور ان سے جو بہادر اولاد ہو اس میں بھی خیر و برکت دے دے۔''

آپ کی اولاد یعنی حسن اور حسین رضی اللہ عنہما

حسن بن علی بن ابی طالب الہاشمی رضی اللہ عنہما، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے، دنیا میں آپ کے پھول، جنت کے دو نوجوان سرداروں میں سے ایک تھے، آپ کی ماں سیّدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا ہیں، باختلاف روایات آپ کی ولادت ۳ھ کے نصف رمضان یا شعبان میں ہوئی اور بعض روایات میں ولادت کی تاریخ ۴ھ یا ۵ھ بتائی گئی ہے۔ ❷ میں نے اپنی تحقیق کے مطابق اپنی ''کتاب السیرۃ النبویۃ'' میں ۴ھ کو معتبر مانا ہے۔ آپ کی وفات ۵۰ھ میں ہوئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا نام حسن رکھا، علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب حسن کی ولادت ہوئی تو میں نے ان کا نام ''حرب'' رکھا، اور جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو کہا: ''اَرُوْنِي ابْنِي مَا سَمَّيْتُمُوْهُ'' میرا بیٹا مجھے دکھاؤ تم نے اس کا نام کیا رکھا؟ میں نے کہا: حرب۔ آپ نے فرمایا: نہیں بلکہ اس کا نام ''حسن'' ہے۔ ❸

حسین بن علی رضی اللہ عنہما:

آپ کا نام و نسب ابوعبداللہ حسین بن علی بن ابی طالب ہے، آپ چمن زار رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے شگفتہ پھول اور آپ کے نواسے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لخت جگر سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لڑکے ہیں، آپ کی ولادت ۴ھ میں ہوئی، سن ولادت کے سلسلہ میں دیگر اقوال بھی ہیں اور ماہ محرم ۶۱ھ میں بمقام کربلا عاشوراء کے دن شہادت کی موت پائی۔ ❹

سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک عبیداللہ بن زیاد ❺ کے پاس لایا گیا اور ایک طشت میں رکھ دیا گیا تو وہ اس پر لکڑی سے کریدنے لگا اور آپ کے حسن و خوبصورتی کے بارے میں بھی

---

❶ المعجم الكبير / الطبراني، حديث نمبر (۱۱۵۳).

❷ فضائل الصحابة ، حديث نمبر (۲/ ۹۶)۔ حلية الأولياء (۲/ ۳۵).

❸ صحيح البخاري/ الادب، حديث نمبر (۲۸).

❹ البداية والنهاية (۸/ ۳۳۱، ۳۳۴).

❺ عبیداللہ ۶۷ ہجری میں قتل ہوا۔ الإعلام (۴/ ۱۹۳)

کچھ کہا: اس پر انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حسین رسول اللہ ﷺ کے سب سے زیادہ مشابہ تھے، انھوں نے وسمہ ❶ کا خضاب استعمال کر رکھا تھا۔ ❷

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ غزوۂ احد میں:

اس غزوہ میں علی رضی اللہ عنہ نے اپنے بے باک شجاعت کا مظاہرہ کیا، جب آپ ﷺ کے بارے میں یہ خبر پھیل گئی کہ آپ شہید کر دیے گئے اور علی رضی اللہ عنہ کو آپ نظر نہ آئے تو آپؓ نے سوچا کہ رسول اللہ ﷺ کے بغیر زندگی میں لطف ہی کیا ہے۔ پھر آپ اٹھے اور تلوار کی میان توڑ دیا اور دشمن پر پل پڑے، مسلمانوں نے آپ کے لیے راستہ خالی کر دیا، اچانک آپ کی نگاہ رسول اللہ ﷺ پر پڑی۔ ❸ آپ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہو گئے اور جانباز بہادروں کی طرح آپ کی طرف سے دفاع کیا، اس جنگ میں آپ کو سولہ (۱۶) ضربیں آئیں۔

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ (غزوۂ بنونضیر) میں:

محقق مؤرخین کا خیال ہے کہ غزوۂ بنونضیر، غزوۂ احد کے بعد ربیع الاول ۴ھ میں ہوا، اور امام ابن القیم رحمہ اللہ نے محمد بن شہاب زہری وغیرہ مورخین کے اس قول کی تردید کی ہے کہ غزوۂ بنونضیر غزوۂ بدر کے چھ مہینے بعد ہوا، آپ فرماتے ہیں: یہ ان کا وہم ہے، یا ان کی طرف غلط نسبت کر دی گئی ہے، صحیح بات یہ ہے کہ غزوۂ بنونضیر، غزوۂ احد ہی کے بعد ہے۔ غزوۂ بدر کے بعد جو غزوہ ہے وہ غزوۂ بنوقینقاع ہے، اور پھر غزوۂ بنوقریظہ غزوۂ خندق کے بعد اور غزوۂ خیبر غزوۂ حدیبیہ کے بعد ہے۔ ❹ ابن العربی اور ابن کثیر کی بھی یہی رائے ہے۔ ❺

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ (غزوہ حمراء الاسد):

دراصل یہ غزوہ، غزوۂ احد کی تکمیل اور اس کی آخری کڑی ہے، پندرہ شوال ۳ھ کی شنبہ کی شام کو مسلمان غزوۂ احد سے لوٹ کر گھروں کو واپس آئے تھے اور ابھی رات گزار کر فجر کی نماز کے لیے باہر نکلے ہی تھے کہ موذن رسول نے جلد سے جلد دشمنوں کو دور بھگانے کی فوراً تیار کا اعلان کیا، اور کہا کہ اس مہم میں صرف وہی لوگ شریک ہوں، جنھوں نے غزوۂ احد میں شرکت کی ہو، چنانچہ شرکائے اُحد اگرچہ زخم خوردہ اور تھکن سے چور تھے تاہم اعلان نبوی پر لبیک کہا، اس مہم میں آپ ﷺ پیش پیش تھے۔ آپ نے عبداللہ بن ابی کو اپنے ساتھ چلنے کی اجازت نہ دی اور نہ جابر بن عبداللہ بن عمرو بن حزام رضی اللہ عنہما کے علاوہ کسی دوسرے غیر شرکاء کو شرکت کی اجازت دی، انھیں اجازت اس وجہ سے دی تھی کہ ان کے باپ غزوۂ احد میں شہید ہو گئے تھے اور بدر واُحد میں خود اس لیے شرکت نہ کر سکے تھے کہ گھر پر اپنی جواں سال بہنوں کی دیکھ بھال کر رہے تھے، بہرحال آپ ﷺ نے مہم کو آگے بڑھایا، اور مسلمانوں کا لشکر

❶ وسمہ ایک پودا ہے جو یمن میں پایا جاتا ہے اس کے پتوں سے بالوں کو خضاب کیا جاتا ہے۔
❷ صحیح البخاری، حدیث نمبر (۳۷۴۸)۔ ❸ شرح النووی، صحیح مسلم (۱۲/ ۱۴۸)۔
❹ زاد المعاد (۳/ ۲۴۹)۔
❺ أحکام القرآن/ ابن العربی (۴/ ۱۷۶۵) حدیث القرآن عن الغزوات (۱/ ۲۴۵)۔

حرکت میں آ گیا، اللہ کے رسول ﷺ پیش پیش ہیں اور سیّدنا علی رضی اللہ عنہ غزوۂ احد کا پرچم یہاں بھی اٹھائے ہوئے ہیں، پھر مسلمانوں کا لشکر رسول اکرم ﷺ کی قیادت میں حمراء الاسد تک پہنچتا ہے، جو کہ مدینہ سے تیرہ میل کے فاصلے پر ہے، وہاں مسلمانوں نے اپنے کجاوے اتار دیے، مسلمانوں کی اس جرأت مندانہ اور بہادرانہ حرکت کو دیکھ کر یہودیوں اور منافقوں کا دل خوف سے دہل گیا اور انھیں یقین ہو گیا کہ مسلمانوں کی روحانی قوت بہت بلند اور مضبوط ہے اور اگر یہ شکست خوردہ ہوتے تو قریش کا پیچھا نہ کرتے۔ [1]

(٦)......غزوۂ احزاب سے لے کر وفات نبوی تک سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے اہم کارنامے

غزوۂ احزاب میں:

غزوۂ احزاب میں امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کا موقف نہایت شاندار اور شجاعت مندانہ تھا اور اس کا اصل محرک وہ عقیدہ تھا جو آپ ﷺ کے صحابہ کے دلوں میں راسخ تھا اور وہ اس کی دعوت دیتے تھے، اس کے راستے میں قربان ہو جانے کو ترجیح دیتے تھے، جو اس کا مخالف ہوتا اس سے لاتعلق رہتے۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ علی رضی اللہ عنہ مسلمانوں کی ایک جمعیت لے کر نکلے تاکہ اس جگہ پر قبضہ کر لیں جہاں سے ان سواروں نے گھوڑوں کو گزارا، سوار سامنے سے دوڑے چلے آ رہے تھے، عمرو بن عبدہ ود جنگ بدر میں لڑا تھا اور زخمی ہو گیا تھا، اس لیے جنگ احد میں غائب تھا، لیکن جنگ خندق کے موقع پر ایک امتیازی نشان لگا کر آیا تھا تاکہ اسے پہچانا جا سکے، جب وہ اس کے ساتھی رکے تو اس نے پکار کر کہا کہ کون مقابلے پر آتا ہے؟ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ مقابلے پر آئے اور اس سے کہا: عمرو! دیکھو تم نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا کہ اگر کوئی قریشی مجھے کسی بھی دو چیزوں کی دعوت دے گا تو میں قبول کر لوں گا۔ عمرو نے جواب دیا: بے شک علی رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا پھر میں تجھے اللہ، اس کے رسول کی طرف اور اسلام کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ عمرو نے کہا: مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ پھر علی رضی اللہ عنہ نے کہا: پھر میں تجھے قتال کی دعوت دیتا ہوں۔ اس نے کہا: برادرزادہ! یہ کیوں؟ اللہ کی قسم میں تو تمھیں قتل نہیں کرنا چاہتا، علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: مگر اللہ کی قسم! میں تجھے قتل کرنا پسند کروں گا، اب عمرو غضب ناک ہوا اور گھوڑے سے اچھل کر نیچے اتر آیا، پہلے تلوار گھوڑے کے پاؤں پر ماری، جس سے کونچیں کٹ گئیں، پھر اس کے منہ پر مکا رسید کیا تاکہ پیچھے ہٹ جائے، پھر علی رضی اللہ عنہ کی طرف بڑھا، دونوں میں لڑائی ہوئی، آخر علی رضی اللہ عنہ نے اس کا خاتمہ کر دیا اور باقی سوار شکست کھا کر خندق سے گزرتے ہوئے بھاگ گئے۔ [2]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے امام بیہقی کی دلائل النبوۃ کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس سلسلے میں عمرو بن ود اور علی رضی اللہ عنہ کے درمیان اشعار کا تبادلہ ہوا، چنانچہ جب عمرو مقابلے کے لیے نکلا تو یہ شعر کہا:

---

[1] تاریخ الإسلام، المغازی / الذهبی ص (٢٢٦) علی بن أبی طالب / أحمد سید الرفاعی ص (١/ ١٠).

[2] السیرة النبویة۔ ابن هشام: ٣/ ٢٤٨ .

وَلَقَدْ بُحِحْتُ مِنَ النِّدَاءِ لِجَمْعِهِمْ: هَلْ مِنْ مُبَارِزْ

''میں ان (مسلمانوں) کے لشکر کو یہ کہہ کر پکارتے ہوئے نازاں ہوں کہ کیا ہے کوئی مقابلہ کرنے والا۔''

وَوَقَفْتُ إِذْ جَبُنَ الْمُشَجَّعُ مَوْقُوفُ لِقِرْنِ الْمُنَاجِزْ

''اچھے اچھے دلیر وحوصلہ مند بہادر جب بزدل ہوئے تو میں نے ٹکر لینے والے جانباز کا کردار نبھایا۔''

وَلِذَاكَ إِنِّي لَمْ أَزَلْ مُتَسَرِّعاً قَبْلَ الْهَزَاهِزْ

''اسی لیے میں ہمیشہ آفتوں بھری جنگ کی طرف پیش پیش رہتا ہوں۔''

إِنَّ الشُّجَاعَةَ فِي الْفَتَى وَالْجُودَ مِنْ خَيْرِ الْغَرَائِزْ

''بلاشبہ ایک نوجوان میں شجاعت اور سخاوت اس کی سب سے عمدہ خصلت ہے۔''

اور جب علی رضی اللہ عنہ مقابلے میں اترے تو کہا:

لَا تَعْجَلَنَّ فَقَدْ أَتَاكَ مُجِيبُ صَوْتِكَ غَيْرُ حَاجِزْ

''جلدی نہ کرو (گھبراؤ نہیں) تمھاری للکار کا جواب دینے والا سامنے حاضر ہے۔''

فِي نِيَّةٍ وَبَصِيرَةٍ وَالصِّدْقُ مُنْجِي كُلِّ فَائِزْ

''مضبوط ارادے اور پورے ہوش وحواس کے ساتھ اور صداقت ہی ہر کامیاب ہونے والے کے لیے، ذریعے سے نجات ہے۔''

إِنِّي لَأَرْجُو أَنْ أُقِيمَ عَلَيْكَ نَائِحَةَ الْجَنَائِزْ

''مجھے امید ہے کہ میت پر بین کرنے والیوں کو تمھارے بھی قتل پر لا جمع کروں گا۔''

مِنْ ضَرْبَةٍ نَجْلَاءَ يَبْقَىٰ ذِكْرُهَا عِنْدَ الْهَزَاهِزْ

''ایسی زبردست مار کے ذریعے سے کہ جنگوں کے وقت اس کا تذکرہ ہوا کرے گا۔''

سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ جب سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے عمرو بن ودّ کو قتل کر دیا تو آپ نے یہ اشعار پڑھے:

أَعَلَيَّ تَقْتَحِمُ الْفَوَارِسُ هٰكَذَا عَنِّي وَعَنْهُمْ أَخَّرُوا أَصْحَابِي

''کیا بہادر کہے جانے والے شہ سوار مجھ پر اس طرح دھاوا بولیں گے، جب کہ میرے دیگر ساتھیوں کو انھوں نے مجھ سے اور اپنے سے دور کھڑا کر رکھا ہے۔''

اَلْيَوْمَ يَمْنَعُنِي الْفِرَارُ حَفِيظَتِي وَمُصَمِّمٌ فِي الرَّأْسِ لَيْسَ بِنَابِي [1]

''آج مجھے میری غیرت اور ایک ہی وار میں سر کے اندر تک گھس جانے والی تلوار، بھاگنے سے روک رہی ہیں۔''

[1] السيرة النبيوية / ابن هشام (٣/ ٢٤٨).

پھر عمرو بن عبدود کے مارے جانے سے عکرمہ شکست کھا کر اور اپنا نیزہ چھوڑ کر بھاگ گیا، اس کے بارے میں حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے یہ اشعار کہے:

فَرَّ وَأَلْقَى لَنَا رُمْحَهُ لَعَلَّكَ عِكْرِمُ لَمْ تَفْعَلِ

''ہمارے واسطے اپنا نیزہ ڈال کر وہ (عکرمہ) فرار ہو گیا، اے عکرمہ! شاید تو نے ایسا نہیں کیا ہوگا۔''

وَوَلَّيْتَ تَعْدُو كَعَدْوِ الظَّلِيمِ مَا إِنْ يَحُورُ عَنِ الْمِعْدَلِ

''اور تو پیٹھ دکھا کر اس طرح بھاگا جیسے نر شتر مرغ بھاگتا ہے اور اپنے نشانہ سے مڑتا نہیں۔''

وَلَمْ تَلْوِ ظَهْرَكَ مُسْتَانِسًا كَأَنَّ قَفَاكَ قَفَا فُرْعُلِ

''تو شوق سے اس طرح بھاگتا رہا کبھی پیٹھ نہیں پھیری گویا تیری گدی بجّو کی گدی ہے جو مڑتی نہیں۔''

بہر حال جب عمرو بن عبدود قتل کر دیا گیا تو مشرکوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہلوایا کہ ہم عمرو کی لاش کو دس ہزار کے بدلے خریدنا چاہتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں اس کی لاش دے دو، وہ لاش خبیث ہے اور اس کا معاوضہ بھی خبیث و ناپاک ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے ان سے کچھ بھی نہیں لیا، حالانکہ اس وقت مسلمان سخت ترین معاشی تنگی سے گزر رہے تھے، لیکن چونکہ حلال حلال ہے اور حرام حرام ہے، اس لیے اسے ہاتھ نہ لگایا، یہ ہے حلال اور حرام کی تمیز کا اسلامی معیار، پس تقویٰ سے لبریز اس زندگی کا آج کے ان مسلمانوں کی زندگی سے کیا موازنہ کیا جا سکتا ہے جو سود خوری اور دیگر حرام خوری کے لیے مختلف حیلے اور بہانے ایجاد کرتے رہتے ہیں؟ [1]

غزوۂ بنو قریظہ میں:

غزوۂ بنو قریظہ میں علی رضی اللہ عنہ بطور مقدمۃ الجیش اس وقت تک علمبردار رسول رہے جب تک کہ بنو قریظہ کے بارے میں سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے اپنا فیصلہ نہیں سنایا۔ ابن ہشام اس کی تفصیل یوں بیان کرتے ہیں کہ مسلمان بنو قریظہ کا محاصرہ کیے ہوئے تھے، علی رضی اللہ عنہ نے پکار کر کہا: اے ایمان کے لشکر! علی اور زبیر بن عوام آگے بڑھے اور علی نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں وہ مزہ چکھنا چاہتا ہوں جو حمزہ رضی اللہ عنہ نے چکھا تھا، یا پھر اس قلعہ کو فتح کر کے رہوں گا۔ اب بنو قریظہ نے کہا: اے محمد (ﷺ)! ہم سعد بن معاذ کے حکم پر اترتے ہیں۔ [2]

اس طرح اللہ تعالیٰ نے اس متقی اور صاف دل انسان جسے اعلائے کلمۃ اللہ کے راستے میں بہادری دکھانے اور قربان ہو جانے کی توفیق دی تھی، (یعنی علی رضی اللہ عنہ کی) آواز سے دشمنان دین وعقیدہ کے دلوں میں رعب اور دہشت طاری کر دی، اسی طرح اپنے گروہ سے علی رضی اللہ عنہ کا خطاب بھی قابل غور ہے کہ آپ نے اسے اے ایمان کے لشکر جیسے محبوب ترین نام سے پکارا، جس سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو مخاطب کیا کرتا ہے، درحقیقت یہ ایمانی نداء تھی

[1] البداية والنهاية (٤/ ١٠٦).
[2] معين السيرة / الشامي ص (٩٤).

جس میں عقیدہ کی صداقت، عمل کی درستگی اور جہاد فی سبیل اللہ کی تصویر جھلک رہی ہے۔ [1]

جب بنوقریظہ کے بارے میں سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ ہوا کہ ان کے جنگ جو قتل کر دیے جائیں، عورتیں اور بچے قید کر لیے جائیں، اور ان کے مال و جائداد کو تقسیم کر دیا جائے [2] تو جنگجوؤں کو قتل کرنے میں جناب علی اور زبیر بن عوام رضی اللہ عنہما پیش پیش تھے۔ [3]

صلح حدیبیہ اور بیعت رضوان میں:

غزوۂ حدیبیہ میں صلح کی بات آنے سے پہلے چند غلام مکہ سے چل کر رسول اللہ ﷺ سے آ ملے، جب ان کے مالکوں کو اس کی اطلاع ملی تو انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس خط لکھا کہ ان غلاموں کو ہمارے حوالے کر دیں، لیکن آپ ﷺ نے اس سے انکار کر دیا اور کہا: ((یَا مَعْشَرَ قُرَیْشٍ لَتَنْتَهُنَّ أَوْ لَیَبْعَثَنَّ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ مَن یَّضْرِبُ رِقَابَكُمْ بِالسَّیْفِ عَلَی الدِّیْنِ قَدِ امْتَحَنَ اللّٰهُ قَلْبَهُ عَلَی الْإِیْمَانِ)) اے قریش کے لوگو! تم اپنی حرکت سے باز آ جاؤ ورنہ اس بات کے لیے تیار رہو کہ اللہ تعالیٰ تم پر ضرور بالضرور ایسے شخص کو مسلط کرے گا جو صرف اسلام کی خاطر تلوار سے تمھاری گردنیں مارے گا، اللہ نے اس کے دل کی ایمانی صداقت کو اچھی طرح آزما لیا ہے۔ صحابہ کرام نے حسرت سے پوچھا: اے اللہ کے رسول ﷺ وہ کون ہے؟ دراصل ان میں ہر ایک یہی امید لگائے تھا کہ وہی اس عظیم ترین بشارت نبوی سے فائز ہو، آپ ﷺ نے فرمایا: ''هُوَ خَاصِفُ النَّعْلِ'' وہ جو کہ جوتے میں پیوند لگانے والے ہیں، آپ کی مراد علی رضی اللہ عنہ تھے، جن کو آپ نے اپنا جوتا پیوند کاری کے لیے دیا تھا۔ [4]

جب مسلمانوں اور مشرکین قریش کے درمیان صلح پر اتفاق ہوا تو صلح نامہ تحریر کرنے کی سعادت علی رضی اللہ عنہ کو ملی، چنانچہ آپ نے جب صلح نامہ لکھتے ہوئے ''محمد رسول اللہ ﷺ'' لکھا، تو مشرکوں نے اعتراض کیا کہ محمد کے ساتھ ''رسول اللہ'' نہ لکھا جائے، کیونکہ اگر ہم آپ کو رسول اللہ مانتے تو آپ سے جنگ نہ کرتے، آپ ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اُمْحه'' اسے مٹا دو۔ علی رضی اللہ عنہ نے کہا میں نہیں مٹا سکتا ہوں لیکن آپ ﷺ نے اپنے ہاتھوں سے اسے مٹا دیا، اور اس بات پر مصالحت ہوئی کہ آئندہ سال آپ (ﷺ) اپنے ساتھیوں کے ساتھ تین دنوں کے لیے مکہ میں داخل ہو سکتے ہیں بشرطیکہ ان کی تلواریں میان میں ہوں۔ [5] صاف ظاہر ہے کہ علی رضی اللہ عنہ محض عظمت

---

[1] صحیح البخاری حدیث نمبر (١٤٢١)، السیرة النبویة/ ابن هشام (٣/ ٢٦٣).

[2] الخلیفتان عثمان وعلی بین السنة والشیعة/ أنور عین ص (٧٨).

[3] السیرة / ابن هشام (٣/ ٢٦٣) صحیح البخاری، حدیث نمبر (٤١٢). أمتاع الأسماع/ المقریزی (١/ ٢٤٧).

[4] مرویات غزوة الحدیبیة/ حافظ الحکمی۔ حدیث اپنی مجموعی اسانید کے ساتھ صحیح ہے دیکھئے: خلافة علی بن أبی طالب/ عبدالحمید علی ناصر، ص (٣٠)

[5] صحیح مسلم (٣/ ١٤٠٩) خصائص علي / النسائی، تحقیق أحمد البلوشی ص: (٢٠٣).

ومحبت رسول کی دفاع میں ''رسول اللہ'' کا لفظ مٹانے کو تیار نہ تھے۔ ❶

غزوۂ خیبر میں:

خیبر ایک یہودی نوآبادیاتی کالونی تھی جس کے متعدد مضبوط قلعے تھے اور یہ یہودیوں کا جنگی مورچہ تھا، یہی نہیں بلکہ جزیرۃ العرب میں جوان کی چھاؤنیاں تھیں ان میں آخری چھاؤنی یہی تھی، یہودی، مسلمانوں کے خلاف مدینہ کے یہودیوں اور دوسرے علاقے کے دشمنوں سے مل کر سازش کررہے تھے کہ مدینہ پر حملہ کریں، رسول اللہ کی خواہش تھی کہ ان یہودیوں کی آئے دن کی سازشوں اور حملہ کے خطرات سے ہمیشہ کے لیے مطمئن ہوجائیں، خیبر، مدینہ کے شمال مشرق میں ستر میل (۷۰) کی مسافت پر ہے۔ ❷ رسول اللہ ﷺ اپنی فوج لے کر خیبر کی طرف روانہ ہوئے، مجاہدین کی کل تعداد چودہ سو، (۱۴۰۰) تھی آپ ﷺ نے خیبر کے قلعوں پر حملہ کی ٹھان لی اور ایک ایک قلعہ فتح ہوتا رہا، اس وقت علی رضی اللہ عنہ آشوب چشم میں مبتلا تھے۔ ❸ آپ ﷺ نے فرمایا: ((لَأُعْطِيَنَّ هٰذِهِ الرَّايَةَ غَدًا رَجُلًا يَفْتَحُ اللّٰهُ عَلَى يَدَيْهِ ، يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ ، وَيُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ .)) کل جھنڈا اسی شخص کے ہاتھ میں ہوگا جو اللہ کے رسول سے محبت کرتا ہے، اور اللہ اور اس کا رسول اسے پسند کرتا ہے، چنانچہ صحابہ نے اس فکر وتمنا میں رات بڑی بے چینی سے گزاری کہ معلوم نہیں کون اس کا حق دار ہوگا، صبح ہوئی سب آپ ﷺ کے پاس آئے، اور ہر ایک اس سرفرازی کے لیے منتظر رہا، آپ ﷺ نے فرمایا: ((أَيْنَ عَلِيُّ بْنُ أَبِيْ طَالِبٍ .)) ''علی بن ابی طالب کہاں ہیں؟'' صحابہ نے بتایا کہ ان کی آنکھوں میں تکلیف ہے، لیکن انھیں بلایا گیا اور وہ آئے، آپ ﷺ نے ان کی دونوں آنکھوں میں لعاب دہن لگادیا اور ان کے لیے دعا فرمائی، جس سے ان کی تکلیف ایسے دُور ہوگئی گویا کبھی تھی ہی نہیں۔ آپ ﷺ نے ان کے ہاتھ میں علَم دیا۔ علی رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا: کیا میں اس وقت تک ان سے قتال کروں جب تک کہ وہ ہماری طرح مسلمان نہ ہوجائیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

> ((اُنْفُذْ عَلَى رِسْلِكَ حَتَّى تَنْزِلَ بِسَاحَتِهِمْ ، ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى الإِسْلَامِ ، وَأَخْبِرْهُمْ بِمَا يَجِبُ عَلَيْهِمْ مِنْ حَقِّ اللّٰهِ فِيْهِ ، فَوَاللّٰهِ لَأَنْ يَهْدِيَ اللّٰهُ بِكَ رَجُلًا وَاحِدًا خَيْرٌ لَّكَ مِنْ أَنْ يَكُوْنَ لَكَ حُمْرُ النَّعَمِ .)) ❹

> ''تم اپنی مہم پر اطمینان سے گامزن ہوجاؤ، اور ان کے مقابلہ میں اتر کر انھیں اسلام کی دعوت دو اور انھیں بتاؤ کہ اللہ کا ان پر کیا حق ہے واللہ اگر تمھارے ہاتھ پر ایک آدمی بھی ہدایت پاجائے تو تمھارے

---

❶ الانتصار للصحب والآل/ الرحیلی ص: (۲۶۲تا۲۷۴) .

❷ المرتضٰی للندوی (۵۲) .

❸ المرتضیٰ للندوی ص (۵۲)، اردو ایڈیشن(۷۸، ۷۹) .

❹ صحیح مسلم ، حدیث نمبر (۲۴۰۶) .

لیے بے شمار سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔''

چنانچہ آپ نے قدم آگے بڑھایا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں خیبر فتح کیا۔

اس غزوہ میں علی رضی اللہ عنہ نے بہادری کے جوہر دکھائے اور یہودیوں کے سورما مرحب سے ٹکر لی، مرحب جب ان اشعار کو پڑھتے ہوئے آگے بڑھا:

قَدْ عَلِمَتْ خَيْبَرُ أَنِّي مَرْحَبُ ... شَاكِي السِّلَاحِ بَطَلٌ مُجَرَّبُ

إِذَا الْحُرُوْبُ أَقْبَلَتْ تَلَهَّبُ

''خیبر کو معلوم ہے کہ میں مرحب ہوں، ہتھیار پوش، بہادر اور تجربہ کار! جب جنگ و پیکار شعلہ زن ہو''

اس وقت علی رضی اللہ عنہ جواباً یہ اشعار پڑھے اور آگے بڑھے۔

أَنَا الَّذِي سَمَّتْنِي أُمِّي حَيْدَرَة ... كَلَيْثِ غَابَاتٍ كَرِيْهِ الْمَنْظَرَة

أَوْفِيْهِمْ بِالصَّاعِ كَيْلَ السَّنْدَرَة

''میں وہ شخص ہوں کہ میرا نام میرے ماں نے حیدر (شیر) رکھا ہے، جنگل کے شیر کی طرح خوفناک، انھیں صاع کے بدلے نیزے کی ناپ پوری کروں گا۔''

پھر آپ نے مرحب کے سر پر زبردست وار کیا، اسے قتل کر دیا، اور آپ کے ہاتھوں فتح حاصل ہوئی۔ [1]

(مزید تفصیل ملاحظہ ہو، سیّدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، ص: ۱۹۴، از ڈاکٹر محمد الصلابی)

حجۃ الوداع میں:

حجۃ الوداع میں سیّدنا علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے آکر مل گئے، آپ ﷺ نے قربانی کے دن اپنے دست مبارک سے (۶۳) اونٹ نحر کیے۔ ۶۳ کا عدد آپ ﷺ کی عمر کے مطابق تھا۔ ۶۳ اونٹ نحر کرنے کے بعد آپ ﷺ رک گئے اور سو (۱۰۰) میں جو باقی رہ گئے تھے، وہ علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیے کہ وہ آپ کی طرف سے ذبح کریں، چنانچہ علی رضی اللہ عنہ نے اس کی تکمیل کی اور عدد مکمل کر دیا۔ [2]

نبی اکرم ﷺ کو نہلانے اور دفن کرنے کا شرف سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے حق میں:

نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کو غسل دلانے میں فضل بن عباس اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم وغیرہ کے ساتھ جنابِ علی رضی اللہ عنہ بھی شریک رہے۔ [3] علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو غسل دیا،

---

[1] صحيح مسلم (۳/ ۱٤٤١) حديث نمبر (۱۸۰۷).

[2] المرتضیٰ للندوی ص (۵۷) صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ اپنے ہاتھ سے سات اونٹ نحر کیے۔ حدیث نمبر (۱۷۱۲) اور گوشت کے تقسیم کی ذمہ داری سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو سونپی۔ حدیث نمبر (۱۷۱۸)

[3] سنن ابی داؤد حدیث نمبر (۳۲۰۹) مرسل بروایت شعبی امام البانی نے أحکام الجنائز ص (۵۱) پر اسے صحیح کہا ہے۔

دیکھنے لگا کہ شاید میت کو موت کے وقت بسا اوقات جونجاست وغیرہ نکل آتی ہے، آپ کو بھی ہو، لیکن میں نے کچھ نہ دیکھا، آپ زندگی اور موت دونوں حالتوں میں پاک صاف تھے ❶ اور فرمایا: اے پاک ذات! آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں، آپ زندگی اور موت دونوں حالتوں میں پاکیزہ رہے۔ ❷ آپ ان لوگوں میں سے ایک تھے جو جسدِ رسول اللہ ﷺ کی تدفین کے لیے آپ کی قبر میں اترے، اس میں شرکت کرنے والوں میں آپ کے علاوہ فضل بن عباس، قثم بن عباس اور رسول اللہ ﷺ کے غلام شقران رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ ❸

آپ ﷺ نے اپنی مرض الموت میں جو وصیت نامہ لکھوانے کا ارادہ کیا تھا اس کی حقیقت:

سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب رسول ﷺ کی وفات کا وقت قریب ہوا تو گھر میں بہت سے صحابہ کرام موجود تھے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((هَلُمُّوْا أَكْتُبُ لَكُمْ كِتَاباً لَا تَضِلُّوْا بَعْدَهُ)) ''لاؤ میں تمھارے لیے ایک دستاویز لکھ دوں، اگر تم اس پر چلتے رہے تو پھر تم گمراہ نہ ہوسکو گے۔'' اس پر بعض لوگوں نے کہا: کہ آپ ﷺ پر بیماری کی سختی ہورہی ہے، تمھارے پاس قرآن موجود ہے۔

ہمارے لیے تو اللہ کی کتاب بس کافی ہے پھر گھر والوں میں جھگڑا ہونے لگا، بعض نے تو یہ کہا کہ آپ ﷺ کو کوئی چیز لکھنے کی دے دو کہ اس پر آپ ہدایت لکھوادیں اور تم اس کے بعد گمراہ نہ ہوسکو، بعض لوگوں نے اس کے خلاف دوسری رائے پر اصرار کیا، جب شوروغل اور نزاع زیادہ ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''قُوْمُوْا'' یہاں سے جاؤ۔ عبیداللہ نے بیان کیا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما (اس کے بعد) کہتے تھے: مصیبت سب سے بڑی یہ تھی کہ لوگوں نے اختلاف اور شور کرکے آپ ﷺ کو وہ ہدایت نہیں لکھنے دی۔ ❹

دوسری روایت میں یوں ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جمعرات کے دن کا ذکر کیا اور فرمایا: ''معلوم بھی ہے جمعرات کے دن کیا ہوا تھا'' رسول اللہ ﷺ کے مرض میں تیزی پیدا ہوئی تھی، اس وقت آپ نے فرمایا: ((اِئْتُـوْنِيْ بِكَتِفٍ وَدَوَاةٍ أَكْتُبُ لَكُمْ كِتَابًا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَهُ أَبَداً)) ''شانہ و دوات لاؤ میں تمھارے لیے وصیت نامہ لکھ دوں کہ تم اس پر چلو گے تو اس کے بعد پھر تم کبھی گمراہ نہ ہوگے'' لیکن یہ سن کر وہاں اختلاف پیدا ہوگیا حالانکہ نبی کریم ﷺ کے سامنے نزاع نہ ہونا چاہیے تھا۔ بعض لوگوں نے کہا کہیں آپ ﷺ شدت مرض کی وجہ سے بے معنی کلام تو نہیں فرما رہے ہیں؟ بات سمجھنے کی غرض سے آپ سے دوبارہ استفسار کرلو، تو آپ ﷺ سے صحابہ پوچھنے لگے، آپ نے فرمایا: ((دَعُـوْنِيْ فَالَّذِيْ أَنَا فِيْهِ خَيرٌ مِمَّا تَدْعُوْنَنِيْ إِلَيْهِ)) ''یہاں شوروغل نہ کرو، جس کام میں مشغول ہوں وہ اس سے بہتر ہے جس کے لیے تم کہہ رہے ہو'' اس کے بعد آپ ﷺ نے

---

❶ سنن ابن ماجه (١/ ٣٦٢) حديث نمبر (١٤٦٧) امام البانی نے احکام الجنائز ص (٥٠) پر اسے صحیح کہا ہے۔

❷ السيرة النبوية / ابن هشام (٤ / ٣٢١).

❸ السيرة النبوية / ابن هشام (٤ / ٣٢١).

❹ صحيح البخاری، حديث نمبر (٤٤٣٢).

صحابہ کو تین چیزوں کی وصیت کی، فرمایا: ((أَخْرِجُوا الْمُشْرِكِيْنَ مِنْ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ وَأَجِيْزُوْا الْوَفْدَ بِنَحْوِ مَاكُنْتُ أُجِيْزُهُمْ .)) ''مشرکین کو جزیرۂ عرب سے نکال دو، وفد (جو قبائل کے تمھارے پاس آئیں) ان کی اس طرح خاطر کیا کرنا جس طرح میں کرتا آیا ہوں'' اور تیسری بات (ابن عباس نے یا سعید نے) بیان نہیں کی، یا (سعید بن جبیر یا سلیمان نے کہا) میں تیسری بات بھول گیا۔ [1]

اس حدیث اور اس کے مضمون پر مشتمل دیگر احادیث میں صحابہ کرام کے اختلاف اور شور وشغب کے متعلق جو کچھ مذکور ہے اور جسے روافض اپنے طعن و تشنیع کا ہدف بناتے ہیں درحقیقت اس سے ان پر کوئی طعن و تشنیع لازم نہیں آتا، بلکہ ان کے تمام تر اعتراضات یکسر فاسد وباطل ہیں، متقدمین علماء نے اس سے متعلق ان کے چند اہم اعتراضات کی تردید کی ہے اور ان کے شبہات کا ازالہ کیا ہے۔

۱: بلاشبہ صحابہ کے درمیان اختلاف رہا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کی بات سمجھنے اور اس کا معنی متعین کرنے میں ان کی آراء مختلف رہیں۔ حکم نبوی سے سرتابی کی وجہ سے اختلاف کبھی نہ رہا۔ امام قرطبی فرماتے ہیں کہ صحابہ میں اختلاف کی وجہ یہ تھی کہ انھوں نے اجتہاد کیا اور نیک نیتی سے اجتہاد کیا، اس اجتہاد میں دونوں فریق حق پر رہے یا ایک درست رائے تک پہنچے اور دوسرا اس سے قاصر رہا ایسی صورت میں درست رائے تک جس کی رسائی نہ ہوسکی وہ گناہ گار نہ ہوگا بلکہ وہ بھی نیک نیتی سے اجتہاد کی بنا پر ثواب کا مستحق ہوگا۔ آگے فرماتے ہیں: وصیت نامہ کے بارے میں اختلاف ہوجانے پر اللہ کے رسول ﷺ نے کسی کی کوئی سرزنش نہیں کی اور نہ ہی برا بھلا کہا، بلکہ سب سے کہا: ((دَعُوْنِيْ فَالَّذِيْ أَنَا فِيْهِ خَيْرٌ مِمَّا تَدْعُوْنَنِيْ إِلَيْهِ)) ''(یہاں شور وغل نہ کرو) جس کام میں مشغول ہوں وہ اس سے بہتر ہے جس کے لیے تم کہہ رہے ہو۔'' یہ واقعہ ایسے ہی ہے جیسے کہ غزوۂ احزاب کے موقع پر پیش آیا۔ آپ ﷺ نے صحابہ سے کہا: ((لَا يُصَلِّيَنَّ أَحَدٌ الْعَصْرَ إِلَّا فِيْ بَنِيْ قُرَيْظَةَ)) [2] ''تم لوگ بنو قریظہ کے پاس پہنچ کر ہی عصر کی نماز پڑھو۔'' چنانچہ ان میں سے کچھ لوگوں نے بنو قریظہ پہنچنے سے پہلے ہی اس خوف سے نماز پڑھ لی کہ نماز کا وقت نہ ختم ہوجائے۔ اور کچھ لوگوں نے کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں وہاں پہنچ کر ہی نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے اس لیے ہم وہیں پڑھیں گے۔ لیکن اس اختلاف کے باوجود کسی نے کسی کو برا بھلا نہیں کہا۔ [3]

۲: روافض کا ایک اعتراض یہ ہے کہ اس موقع پر صحابہ کا آپس میں اختلاف اور اس کے نتیجہ میں نبی کریم ﷺ کے وصیت نامے کا وجود میں نہ آنا۔ دو ایسی چیزیں تھیں جن کی وجہ سے پوری امت مسلمہ فساد کا شکار ہوئی اور وہ معصوم نہ رہ سکی۔

---

[1] صحیح البخاری، حدیث نمبر (٤٤٣١) .

[2] صحیح البخاری، حدیث نمبر: (٤١١٩) . [3] المفہم لما اشکل من تلخیص کتاب مسلم (٤/ ٥٥٩) .

روافض کا یہ اعتراض یکسر باطل ہے، کیونکہ اس کا لازمی مفہوم یہ ہوا کہ نبی کریم ﷺ نے ایسی بعض باتوں کی تبلیغ نہیں کی جس سے امت گمراہی سے محفوظ رہ سکتی تھی اور اپنے پاس محض صحابہ کے اختلاف کو دیکھ کر اللہ کی شریعت کو چھپا لیا اور اسی پر موت ہوگئی حالانکہ یہ مفہوم قرآن مجید کی اس آیت کریمہ کے صریح مخالف ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلرَّسُولُ بَلِّغْ مَآ أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ ۖ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُۥ ۚ وَٱللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ ٱلنَّاسِ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَهْدِى ٱلْقَوْمَ ٱلْكَٰفِرِينَ ﴿٦٧﴾ ﴾ (المائدہ : ٦٧)

"اے رسول! پہنچا دے جو کچھ تیری طرف تیرے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے اور اگر تو نے نہ کیا تو تو نے اس کا پیغام نہیں پہنچایا اور اللہ تجھے لوگوں سے بچائے گا۔ بے شک اللہ کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔"

چونکہ آپ ﷺ اس خیانت سے بالکل پاک تھے، اور تزکیۂ الٰہی ﴿ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِٱلْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴾ (التوبۃ : ١٢٨) [1] کے بموجب ایسی تہمتوں سے بالکل بری تھے، اس لیے اللہ نے آپ کے قلبی رجحان کو یوں تعبیر کیا کہ آپ (ﷺ) اپنی امت پر حریص ہیں، یعنی امت کی ہدایت اور اس کے دنیوی و اخروی نفع رسانی کے لیے خواہش مند ہیں۔ [2] تمام مسلمانوں کو اس بات پر یقین ہے، اور جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان کی رمق ہوگی اسے بھی شک نہ ہوگا کہ نبی کریم ﷺ نے اللہ کے تمام تر پیغامات کو پہنچا دیا، اور وہ اپنی امت کی خیر خواہی کے ہمیشہ خواہش مند تھے جیسے کہ آپ کی مجاہدانہ زندگی، قربانیاں اور ترغیب و تشجیع کے اقوال و واقعات اس پر دلالت کرتے ہیں، تو جب آپ ﷺ کی یہ دیانت داری اور خیر خواہی ہر خاص و عام کے نزدیک مسلّم ہے تو ہمیں اس بات پر یقین کرنا چاہیے کہ اگر وہ وصیت نامہ اتنا اہم ہوتا جس سے پوری امت گمراہی سے بچ جاتی اور قیامت تک کے لیے اس میں کوئی اختلاف واقع نہ ہوتا، تو عقلاً اور نصاً کسی اعتبار سے یہ بات ہرگز سمجھ میں نہیں آتی کہ آپ ﷺ اسے اپنی زندگی کے اس تنگ وقت تک کے لیے موخر کیے رہتے اور اگر موخر بھی کیا تھا تو محض چند صحابہ کے اختلاف کی وجہ سے اسے بیان نہ کرتے۔ [3] ایسا کبھی تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ آپ ﷺ اپنے رب کے فرمان کی تبلیغ چھوڑ دیں اور اگر بالفرض یہ تسلیم کر لیا جائے کہ کسی مصلحت کی وجہ سے آپ نے اس وقت نہیں لکھوایا، تو بعد میں اسے لکھوانے سے کون سی چیز مانع رہی کیونکہ اس کے بعد مزید چند دنوں یعنی دوشنبہ تک آپ باحیات رہے، جیسا کہ صحیحین وغیرہ میں انس رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے۔ [4] جب کہ بالاتفاق وصیت نامہ لکھوانے کا واقعہ جمعرات کا ہے۔ [5] اور اس پر بھی روافض اور

---

[1] ترجمہ: تمھارے پاس ایک ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں، جو تمھاری جنس سے ہیں جن کو تمھاری مضرت کی بات بہت گراں گزرتی ہے، جو تمھاری منفعت کے بڑی خواہش مند رہتے ہیں۔ ایمان والوں کے ساتھ بڑے ہی شفیق اور مہربان ہیں۔

[2] تفسیر ابن کثیر (٢/ ٤٠٤)۔

[3] مختصر تحفۃ الاثنا عشریۃ (٢٥١)، الإنتصار للصحب والآل (٢٢٨، ٢٢٩)۔

[4] صحیح البخاری (٤٤٤٨)، صحیح مسلم (٤١٩)۔ [5] الإنتصار للصحب والآل (٣٢٩)۔

اہل سنت سب متفق ہیں کہ پھر اپنی وفات تک آپ ﷺ نے کچھ نہیں لکھوایا، پس یقینی طور پر ہمیں ماننا پڑے گا کہ جس چیز کو آپ ﷺ لکھوانا چاہتے تھے، وہ کوئی ایسی چیز نہ تھی جس کی تبلیغ کے لیے آپ مامور رہے ہوں، کیونکہ قرآن کے بیان کے مطابق اللہ نے اس واقعہ سے قبل حجۃ الوداع کے موقع پر ہی دین کے مکمل ہونے کا اعلان کر دیا تھا:

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ﴾ (المائدۃ : ۳)

''آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمھارے لیے اسلام کو دین کی حیثیت سے پسند کر لیا۔''

امام بن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''وصیت نامہ لکھوانے کا حکم الٰہی ہوتا تو آپ ﷺ اسے لکھواتے یا اسی وقت بتاتے، اگر ایسی بات ہوتی تو آپ اس کی بجا آوری سے ہرگز باز نہ آتے، آپ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے متعلق متوقع نزاع کے ازالہ کی مصلحت سے کچھ لکھوانا چاہا تھا، لیکن جب آپ کو اندازہ ہو گیا کہ اختلاف ہونا ہی ہے تو آپ ﷺ خاموش ہو گئے۔''[1]

ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

''اس تحریر یا وصیت نامہ کا واقعہ جیسے اللہ کے رسول اللہ ﷺ لکھوانا چاہتے تھے، بڑی وضاحت سے صحیحین میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے یوں مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی مرض الموت میں فرمایا: ((اُدْعِـي لِيْ أَبَاكِ وَأَخَاكِ حَتّٰى اَكْتُبَ كِتَابًا ، فَإِنِّيْ أَخَافُ أَنْ يَتَمَنّٰى مُتَمَنٍّ وَيَقُوْلَ قَـائِلٌ : أَنَا أَوْلٰى ، وَيَابَى اللّٰهُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ إِلَّا أَبَابَكْرٍ)) ''اپنے باپ اور بھائی کو میرے پاس بلاؤ تاکہ میں وصیت لکھ دوں، مجھے ڈر ہے کہ حریص اس کی آرزو کریں گے اور کچھ کہنے والے یہ بھی کہیں گے کہ خلافت کا حق دار میں زیادہ ہوں، مگر ابوبکر کی خلافت کے سوا نہ ہی اللہ کسی کی خلافت کو تسلیم کرے گا اور نہ مسلمان۔''[2]

اس کے بعد چند روایات لکھتے ہیں اور فرماتے: نبی کریم ﷺ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے جس رائے کا اظہار کیا اس کے تئیں وصیت لکھوانے کا عزم کر لیا تھا، لیکن جب آپ نے دیکھا کہ بعض لوگوں کے ذہنوں میں ابوبکر کی خلافت کے متعلق شک حائل ہو گیا ہے؟ تو سوچا کہ وصیت نامہ اس شک کو زائل نہیں کر سکتا، لہٰذا وصیت نامہ لکھوانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ مزید آپ ﷺ کو اس بات کا بھی علم

---

[1] منهاج السنة (٦/ ٣١٦)

[2] صحيح بخاری (٥٦٦٦ ، ٧٢١٧) و صحيح مسلم (٢٣٨٧) .

ویقین ہو چکا تھا کہ اللہ تعالیٰ میری ہی خواہش اور عزم کے مطابق مسلمانوں کو ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر متفق کرے گا، جیسا کہ آپ نے فرمایا: ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے سوا نہ ہی اللہ کسی کی خلافت کو تسلیم کرے گا، نہ مسلمان۔'' [1]

حدیث کا جو آخری ٹکڑا ہے کہ ((لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِيْ)) میرے بعد گمراہ نہ ہوگے، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے اس کی توجیہ میں فرمایا کہ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جس چیز کو لکھا جانا تھا اس کا تعلق دین سے نہ تھا تو آپ ﷺ نے اس کے بارے میں یہ کیوں فرمایا: ((لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِيْ)) یعنی میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہوگے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ گمراہی کا لفظ مختلف مقامات پر مختلف معانی کے لیے مستعمل ہے، یہاں مراد یہ ہے کہ نظام مملکت چلانے میں غلطی نہ کروگے، یعنی جزیرہ عرب سے مشرکین کو نکالنے، وفود کی خاطر و مدارات کرنے، اور لشکر اسامہ کو روانہ کرنے میں میری سیاست پرکاربند ہوگئے اور پھر آپ ﷺ کی وفات کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام اجمعین نے ایسا ہی کیا، یہاں ''ضلالت'' کا معنی دین سے گمراہی نہیں ہے۔ [2]

۳۔ حدیث کے آخر میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ سب سے بڑی مصیبت یہ تھی کہ لوگوں نے شور وشغب کر کے آپ ﷺ کو کچھ لکھنے نہ دیا۔ [3] اس قول کی تشریح میں ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اس وصیت کے لکھنے میں جو چیز حائل ہوئی وہ بڑی مصیبت تھی، لیکن ان کے حق میں مصیبت تھی جنھوں نے خلافت صدیقی کے بارے میں شک کیا اور یہ مسئلہ ان پر مشتبہ ہوگیا۔ اگر کوئی وصیت نامہ ہوتا تو یقیناً اس کا شک زائل ہوجاتا اور مصیبت دور ہوجاتی، رہا وہ شخص جسے کامل یقین ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت برحق اور مکمل ہے الحمدللہ ایسے شخص کے لیے کوئی مصیبت نہیں۔'' [4]

اس مفہوم کی توضیح وتائید اس بات سے ہوتی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بات اس وقت کہی جب خوارج وروافض جیسے اہل بدعت اور نفس پرستوں کا ظہور ہوگیا، ابن تیمیہ [5] اور ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی صراحت کی ہے۔ [6]

۴: مذکورہ حدیث کی روشنی میں بعض روافض کا یہ دعویٰ ہے کہ آپ اس وصیت نامہ میں علی رضی اللہ عنہ کو خلافت کے لیے نامزد کرنا چاہتے تھے، لیکن یہ دعویٰ بھی باطل ہے۔ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس دعویٰ کے جواب میں فرماتے ہیں:

''جسے یہ وہم ہو کہ یہ وصیت نامہ علی رضی اللہ عنہ کے خلافت کے بارے میں لکھا جانا تھا، وہ علمائے اہل سنت والجماعت، اور علمائے شیعہ دونوں کے عقیدہ کے مطابق بالاتفاق گمراہ اور جاہل ہے، اہل سنت تو اس پر متفق ہی ہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفۂ اول، اور سب سے افضل تھے اور شیعان علی جو کہ علی رضی اللہ عنہ کو امامت کا اولین مستحق قرار دیتے

---

[1] منهاج السنة (٦/ ٢٣ ـ ٢٥) .
[2] مختصر التحفة الاثنا عشرية ص (٢٥١) .
[3] صحيح البخاري (٤٤٣٢) .
[4] منهاج السنة (٦/ ٢٥) .
[5] منهاج السنة (٦/ ٣١٦) .
[6] فتح الباري (١/ ٢٠٩) .

ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس واقعہ سے بہت پہلے بالکل واضح اور معروف طریقے سے آپ کو امامت کے لیے نامزد کیا جا چکا ہے، ایسی صورت میں آپ کے استحقاق کے اثبات کے لیے کسی وصیت نامے کی کوئی ضرورت ہی نہیں رہتی۔'' ❶

۵۔ اس حدیث کے حوالے سے روافض عمر رضی اللہ عنہ پر طعن کرتے ہیں، ان کا کہنا ہے عمر (رضی اللہ عنہ) نے ''أَھَجَرَ'' کہہ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بے معنی کلام کرنے کی تہمت لگائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات نہ سنی، اور کہا کہ ہمارے لیے اللہ کی کتاب کافی ہے اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ''أَھَجَرَ'' کے لفظ کے نسبت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف کرنا یکسر غلط اور باطل ہے۔ یہ بات اس موقع پر جو لوگ حاضر تھے ان میں سے کس نے کہی تھی؟ صحیحین کی روایات سے اس کے قائل کی تعیین نہیں ہوتی، کیونکہ اس کے الفاظ ((فَقَالُوْا: مَاشَأْنُہٗ أَھَجَرَ)) میں قائل کے لیے جمع کا صیغہ استعمال ہوا ہے، لہٰذا عمر رضی اللہ عنہ کو اس کا قائل نہیں مانا جاسکتا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''میرے خیال میں ایک تیسرا احتمال راجح ہے جسے قرطبی نے ذکر کیا ہے۔ وہ یہ کہ ایسی بات کسی ایسے شخص نے کہی ہوگی جو نومسلم رہا ہوگا، اور وہ پہلے سے جانتا رہا ہوگا جو شخص سخت مصیبت اور الجھن سے دوچار ہوتا ہے وہ اس وقت میں اپنا اصلی مقصد اچھی طرح سے تحریر نہیں کروا پاتا۔'' ❷

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''یہ کہاں سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ بات عمر رضی اللہ عنہ نے کہی تھی جب کہ اکثر روایات میں قائل کے لیے جمع کا صیغہ ''قَالُوْا'' وارد ہوا ہے۔'' ❸

درحقیقت اس سلسلے میں روایات جو صحیح اور ثابت ہیں اس میں یہ کلمہ صیغۂ استفہام کے ساتھ یعنی ''أَھَجَرَ'' وارد ہے اور جن روایات میں ''ھَجَرَ'' یا ''یَھْجُرُ'' کے الفاظ ہیں، وہ روایات محدثین وشارحین حدیث مثلاً قاضی عیاض، ❹ قرطبی، ❺ نووی، ❻ اور ابن حجر ❼ وغیرہ کے نزدیک مرجوح ہیں۔

ان محدثین نے صراحتاً یہ بات لکھی ہے کہ حاضرین مجلس میں سے جب کسی نے کہا کہ نہ لکھو ❽ تو ''أَھَجَرَ'' کے قائل نے استفہام انکاری کا یہ صیغہ استعمال کیا۔ ❾

امام قرطبی رحمہ اللہ نے تبلیغ دین اور دیگر تمام احوال میں غلطیوں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت اور اس پر صحابہ کے اتفاق کے دلائل کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ ناممکن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت بیماری کی حالت میں آپ

---

❶ منهاج السنة (٦/ ٢٥) الانتصار للصحب والال ص (٢٨١، ٢٨٢، ٢٨٣).

❷ فتح الباري (٨/ ١٣٣).
❸ مختصر التحفه والاثنا عشرية ص (٢٥٠).

❹ الشفاء (٢/ ٨٨٦).
❺ المفهم (٤/ ٥٥٩).

❻ شرح صحيح مسلم (١/ ٩٣).
❼ فتح الباري (٨/ ١٣٣).

❽ الانتصار للصحب والآل ص: (٢٨٨).
❾ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بے اختیار کلام نہیں کر رہے۔ (مترجم)

کے قول کی صداقت میں کسی شک کی بنا پر انھوں نے یہ بات کہی ہو، بلکہ جب قلم اور دوات لانے والے نے لانے میں تردد کیا اور اس سے پیچھے ہٹا، تو انھیں میں سے بعض لوگوں نے انکار وتوبیخ کے طور پر یہ بات کہی، گویا ان کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ تم لکھنے کا سامان کیوں نہیں لاتے، کیا سمجھتے ہو کہ آپ ﷺ غیر اختیاری بات نہیں کریں گے، تردد نہ کرو، اور سامان کتابت حاضر کرو، آپ ﷺ ہر حال میں حق کہیں گے، بے معنی کلام نہیں کریں گے۔ ❶ تو یہ واضح دلیل ہے کہ تمام صحابہ نبی کریم ﷺ سے ہذیان گوئی کے وقوع کو بالکل ناممکن سمجھتے تھے، اسی وجہ سے جنھوں نے یہ جملہ استعمال کیا لازمی انکار کے لیے استعمال کیا، تاکہ مخالف کے لیے کس طرح سے شک وشبہہ کی گنجائش نہ نکلے اور اسی مفہوم سے روافض کا دعویٰ بھی باطل ہو جاتا ہے ❷

٦: روافض کا یہ دعویٰ کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ کہہ کر ''تمھارے پاس اللہ کی کتاب ہے، ہمیں اللہ کی کتاب کافی ہے'' رسول اللہ ﷺ سے معارضہ کیا، اور وصیت نامہ لکھوانے سے متعلق نبی کریم ﷺ کے حکم کی تعمیل نہیں کی۔ اس بے بنیاد تہمت کا جواب یہ ہے کہ جنابِ عمر رضی اللہ عنہ اور آپ کے ہم خیال دیگر صحابہ کے سمجھ میں یہ بات آئی کہ وصیت نامہ تحریر کروانے کے متعلق آپ ﷺ کا حکم وجوبی نہیں ہے بلکہ مستقبل میں خلافت کے متعلق بہترین اقدام کی طرف رہنمائی مقصود ہے، اس لیے انھوں نے مخالفت کی، قاضی عیاض، ❸ قرطبی، ❹ نووی، ❺ اور ابن حجر ❻ وغیرہ اسی بات پر قائل ہیں اور آپ ﷺ کے بعد کے عمل سے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اسی اجتہاد کی تصدیق وتوثیق بھی ہوئی، نبی کریم ﷺ نے اس مرض سے شفا پانے کے بعد پھر کچھ نہ لکھوایا، اگر اس کا لکھانا، واجب ہوتا تو صحابہ کا اختلاف اس راستہ میں رکاوٹ نہ بنتا، کیونکہ کسی مخالف کی مخالفت سے آپ ﷺ اسلام کی تبلیغ سے رک جانے والے نہ تھے، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اس واقعہ کو بھی عمر رضی اللہ عنہ کے ''موافقات شرع'' میں شمار کیا جاتا ہے۔ ❼

اسی طرح عمر رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ ''ہمارے لیے اللہ کی کتاب کافی ہے'' درحقیقت اس شخص کی مخالفت ہے جو آپ سے حجت کر رہا تھا نہ کہ اس میں رسول اللہ ﷺ کے کسی حکم کی مخالفت ہے، کیونکہ آپ کے الفاظ ہیں: ((عِنْدَكُمْ كِتَابُ اللّٰهِ)) گویا آپ کے مخاطب کئی لوگ تھے جو آپ کی رائے کی مخالفت کر رہے تھے۔ عمر رضی اللہ عنہ گہری نظر اور درست رائے کے مالک تھے، چونکہ غور وفکر کے بعد آپ اس نتیجہ پر پہنچے کہ آپ ﷺ کا فرمان فوری طوری سے واجب العمل کا متقاضی نہیں ہے اس لیے آپ نے ایک قوی اور شرعاً راجح مصلحت کو مقدم کرتے ہوئے

❶ المفهم (٤/ ٥٥٩).
❷ الانتصار للصحب والآل ص: ٢٨٩).
❸ الشفاء (٢/ ٨٨٧).
❹ المفهم (٢/ ٥٥٩).
❺ شرح النووی (١١/ ٩١).
❻ فتح الباري (١/ ٢٠٩).
❼ فتح الباري (١/ ٢٠٩).

وصیت نامہ کی تحریر پر زور دینے سے منع کیا اور وہ مصلحت یہ تھی کہ مرض کی شدت میں آپ ﷺ سے کچھ لکھوانا آپ ﷺ پر شفقت اور محبت کے خلاف اور ایک نامناسب عمل ہے آپ نے رسول اللہ ﷺ کے مرض کی شدت کو جن الفاظ میں تعبیر کیا ہے وہ آپ کے اجتہاد کے برمحل اور درست ہونے کی قوی دلیل ہے۔ آپ نے فرمایا تھا: ((إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَدْ غَلَبَهُ الْوَجَعُ .)) یعنی آپ ﷺ سخت تکلیف سے دوچار ہیں، لہٰذا مناسب نہیں ہے کہ ایسی حالت میں آپ ﷺ کو مزید پریشانی اور تکلیف میں ڈالا جائے، [1] ساتھ ہی آپ کے ذہن میں یہ آیت کریمہ بھی گردش کر رہی تھی۔

﴿مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ﴾ (الأنعام : ٣٨)......

''ہم نے کتاب میں کسی چیز کی کمی نہیں چھوڑی۔''

اور ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾ (النحل : ٨٩)

''اور ہم نے تجھ پر یہ کتاب نازل کی، اس حال میں کہ ہر چیز کا واضح بیان ہے۔''

علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: شارحین حدیث نے عمر رضی اللہ عنہ کی اس رائے کو بالاتفاق ان کے تفقہ فی الدین کے دلائل، مناقب وفضائل اور دقت نظری میں شمار کیا ہے۔ [2] نیز واضح رہے کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ وصیت نامے کی عدم تحریر پر زور دینے میں ایک مجتہد تھے اور ''مجتهد في الدين'' کی غلط رائے بہر حال قابل عفو ہے، بلکہ قول رسول اللہ ﷺ: ((إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ)) [3] کے مطابق اسے ثواب بھی ملتا ہے۔ تو آپ کو اس سلسلے میں کیوں متہم کیا جاتا ہے، جب کہ آپ نے رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں اجتہاد کیا لیکن آپ ﷺ نے ان کی نہ کوئی مذمت کی، نہ گناہ گار کہا، بلکہ اپنے عمل سے اس کی موافقت ہی کی، بہر حال اس واقعہ کے سہارے روافض صحابہ کے خلاف جو بھی بدزبانی اور طعن کرتے ہیں وہ سب غلط ہے، اور اس سے ان کی حقیقت سامنے آ جاتی ہے۔ [4]

---

[1] الشفاء (٢/ ٨٨٨).

[2] شرح النووی (١١/ ٩٠) الانتصار للصحب والال، ص (٢٨٩-٢٩١)

[4] صحيح البخاری، حدیث نمبر (٧٣٥٢) ترجمہ: جب کوئی حاکم فیصلہ دیتے وقت اجتہاد کرے، اور درست رائے کو پہنچ جائے تو اسے دوہرا اجر ملے گا اور جب فیصلہ کیا اور اجتہاد میں غلطی کر گیا تو اسے ایک اجر ملے گا۔ (مترجم)

[5] الانتصار للصحب والآل (٢٩٤، ٢٩٥).

دوسرا باب:

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ خلفائے راشدین کے عہد میں

(۱)......عہد صدیقی میں

سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر جنابِ علی رضی اللہ عنہ کی بیعت:

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر بیعت کرنے سے علی اور زبیر بن عوام رضی اللہ عنہما کے پیچھے رہ جانے کے سلسلے میں بہت سی غیر مستند روایات وارد ہیں، صحیح سندوں سے جو روایات ثابت ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ علی اور زبیر رضی اللہ عنہما نے پہلے مرحلے ہی میں بیعت کر لی تھی، چنانچہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا کہ جب اللہ کے رسول ﷺ کی وفات ہوگئی تو انصار کے خطباء اٹھے ...... پھر سقیفۂ بنی ساعدہ میں بیعت خلافت کی کارروائی کو تفصیل سے ذکر کیا۔[1] پھر کہا کہ بالآخر نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر بیعت کرکے وہاں سے نکلے اور جب ابوبکر رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں منبر پر تشریف لے گئے لوگوں پر نگاہ ڈالی، ان میں علی رضی اللہ عنہ نظر نہ آئے آپ نے علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں لوگوں سے دریافت کیا، چنانچہ کچھ انصاری صحابہ باہر گئے اور علی رضی اللہ عنہ کو بلا کر لے آئے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا: اے اللہ کے رسول (ﷺ) کے چچازاد بھائی، اور داماد! کیا تم مسلمانوں کی جماعت میں انتشار ڈالنا چاہتے ہو؟ انھوں نے جواب دیا: اے خلیفۂ رسول (ﷺ) آپ ہمیں ملامت وشرمندہ نہ کریں، پھر ان کے ہاتھوں پر بیعت کی، پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے زبیر بن عوام (رضی اللہ عنہ) کو نہیں دیکھا تو ان کے بارے میں بھی دریافت کیا، صحابہ گئے اور ان کو بھی لے کر آئے، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: اے رسول اللہ (ﷺ) کی پھوپھی کے بیٹے اور آپ ﷺ کے حواری! کیا تم مسلمانوں کی جماعت میں انتشار ڈالنا چاہتے ہو؟ انھوں نے بھی جواب دیا: اے خلیفۂ رسول (ﷺ) آپ ہمیں ملامت وشرمندہ نہ کریں، چنانچہ انھوں نے بھی بیعت کی۔[2]

اپنی ذات پر سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ترجیح وافضیلت خود علی رضی اللہ عنہ کی زبانی:

اس سلسلے میں صراحت سے علی رضی اللہ عنہ سے متعدد آثار وروایات ثابت ہیں:

---

[1] مجمع الزوائد (۵/ ۱۶۳) اس کی سند کے رجال صحیح کے رجال ہیں البدایة والنهایة (۵/ ۲۸۱) حافظ ابن کثیر نے کہا اس کی سند صحیح اور محفوظ ہے۔

[2] المستدرك (۳/ ۷٦) السنن الکبریٰ (۸/ ۱۴۳) دو صحیح سندوں سے۔

۱۔ محمد بن الحنفیہ رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ میں نے اپنے باپ (علی رضی اللہ عنہ) سے پوچھا: اللہ کے رسول ﷺ کے بعد لوگوں میں سب سے افضل کون ہے؟ انھوں نے جواب دیا: ابوبکر رضی اللہ عنہ۔ میں نے پوچھا: پھر کون؟ انھوں نے جواب دیا: عمر رضی اللہ عنہ، چونکہ میں ڈر رہا تھا کہ اس کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ کا نام نہ لے لیں، اس لیے میں نے کہا: پھر آپ ہیں؟ انھوں نے کہا: میں مسلمانوں کا ایک فرد ہوں۔ ❶

۲: ایک مرتبہ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا میں تمھیں نبی کریم ﷺ کے بعد اس امت کے افضل ترین شخص کے متعلق نہ بتاؤں؟ وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔ پھر فرمایا: کیا ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کے بعد اس امت کے سب سے افضل ترین فرد کی خبر نہ دوں؟ وہ عمر (رضی اللہ عنہ) ہیں۔ ❷

۳: سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر میں نے کسی سے ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما پر مجھے فوقیت دیتے ہوئے اور افضل کہتے ہوئے سنا تو اس پر تہمت کی حد جاری کروں گا۔ ❸

سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امامت میں علی رضی اللہ عنہ کا نماز پڑھنا اور ان کے ہدیے و تحفے قبول کرنا:

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کو صدق دل سے تسلیم کرتے تھے۔ معاملات و مسائل میں ان کے شریک کار ہوتے، ان کے ہدایا و تحائف قبول فرماتے، شکایتوں کو ان کے پاس لیجاتے اور ان کے پیچھے نماز پڑھتے تھے، آپ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے سچی عقیدت رکھتے تھے، وہ جس کو ناپسند کرتے یہ بھی اسے ناپسند کرتے تھے۔ ❹ اس حقیقت کا اعتراف یعقوبی جیسے متعصب شیعہ مورخ نے بھی کیا ہے، جو کہ خلفائے راشدین کا دیگر اصحاب نبی کریم ﷺ اور تابعین و تبع تابعین وغیرہ کا ایک بڑا حریف ہے، چنانچہ خلافت صدیقی کے تذکرے میں لکھتا ہے: ''جب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رومیوں سے محاذ آرائی کا ارادہ کیا تو اصحاب رسول ﷺ سے اس سلسلہ میں مشورہ کیا، لیکن وہ لوگ آگے پیچھے ہونے لگے، پھر انھوں نے علی رضی اللہ عنہ سے مشورہ لیا، آپ نے مشورہ دیا کہ جنگ لڑی جائے، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا اگر میں یہ اقدام کردوں تو کامیابی کی امید ہے؟ علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: آپ کو خیر کی مبارکباد ہے، چنانچہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو جمع کیا، پھر خطبہ دیا اور سب کو حکم دیا کہ رومیوں سے جنگ لڑنے کے لیے تیاری کریں۔''

دوسری راویت میں ہے کہ آپ نے علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیسے اور کس وجہ سے آپ خیر کی مبارکباد دے رہے ہیں؟ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اس مبارکباد کی اساس نبی کریم ﷺ کی ذات ہے، میں نے آپ ﷺ کو بشارت دیتے ہوئے سنا تھا، پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے ابوالحسن، اللہ آپ کو شاداں رکھے! تم نے مجھے یہ سنا کر بہت خوش کردیا۔ یعقوبی آگے لکھتا ہے:

---

❶ صحیح البخاری فضائل الصحابة (۳٦۷۱).

❷ مسند أحمد (۱/ ۱۰٦، ۱۱۰) احمد شاکر نے اس حدیث کی زیادہ تر اسناد کو صحیح کہا ہے۔

❸ فضائل الصحابة (۱/ ۸۳) اس کی سند میں ضعف ہے۔

❹ الشیعة وأهل البیت/ احسان الٰهی ظهیر ص (٦۹).

''ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی خلافت میں جن لوگوں سے معاملہ فہمی میں تعاون ومشورہ لیتے تھے ان میں علی بن ابی طالب، عمر بن خطاب، معاذ بن جبل، ابی بن کعب، زید بن ثابت اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم اجمعین پیش پیش تھے۔'' ❶

تو دیگر بزرگ صحابہ سے پہلے علی رضی اللہ عنہ کا تذکرہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ وہ باہم خوشگوار میل ملاپ رکھتے تھے اور علی رضی اللہ عنہ کو مشورہ اور قضاء وغیرہ میں پیش پیش رکھتے۔ ❷ چنانچہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس یہ تحریر بھیجی کہ عرب کے ایک علاقے میں انھیں ایک ایسا آدمی ملا ہے جو عورتوں کی طرح نکاح کرتا ہے۔ (یعنی ہم جنس پرستی کرتا ہے) تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس سلسلے میں اصحاب رسول ﷺ سے مشورہ لیا، ان میں علی رضی اللہ عنہ بھی تھے، آپ کا مشورہ یہ تھا کہ یہ ایسا گناہ ہے جسے روئے زمین پر ایک امت (قوم لوط) کے علاوہ کسی نے نہیں کیا اور اللہ نے اسے جو سزا دیا وہ آپ سب لوگ جانتے ہو، میری رائے ہے کہ اسے آگ میں جلا دیا جائے، پھر تمام صحابہ اسی رائے پر متفق ہوگئے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسے جلانے کا حکم دے دیا۔ ❸

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ، ابوبکر رضی اللہ عنہ کے احکام پر بصد شوق عمل بھی کرتے تھے، ایک مرتبہ کافروں کا ایک وفد مدینہ آیا، اس وقت بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم مرتدین وباغیوں کی سرکوبی اور ان سے جنگ کے لیے مدینہ سے باہر گئے ہوئے تھے۔ کافروں کے دلوں میں کچھ شیطنت آسکتی تھی کہ اس وقت یہاں مسلمان تھوڑے اور کمزور ہیں، پس ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھانپ لیا کہ اسلامی دارالحکومت اور مسلمانوں کے لیے یہ لوگ خطرہ ہیں، اس لیے آپ نے شہر مدینہ پر پہرہ لگا دیا، اور علی، زبیر، طلحہ، اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کو پہرے دار جماعتوں کا صدر بنا دیا، جب تک یہ لوگ ان کافروں سے مامون نہ ہوگئے اپنی ذمہ داری نبھاتے رہے۔ ❹

سیّدنا علی اور ابوبکر رضی اللہ عنہما کے درمیان کامل اعتماد، اخوت، ہمدردی وغمگساری ہی کا نتیجہ تھا کہ علی رضی اللہ عنہ سید اہل بیت اور نواسۂ رسول (ﷺ) کے باپ ہوتے ہوئے بھائیوں اور دوستوں کی طرح ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہدایا و تحائف قبول کرتے تھے، چنانچہ معرکۂ عین التمر میں ''صہباء'' نامی گرفتار شدہ لونڈی کو ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف سے بطور ہدیہ قبول کیا اور اس کے بطن سے آپ کو عمر اور رقیہ نام کی دو اولادیں ہوئیں۔ ❺

میراث نبوی ﷺ کے متعلق ابوبکر صدیق اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا معاملہ:

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ فاطمہ اور عباس رضی اللہ عنہما ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور رسول اللہ کی میراث کا

❶ تاريخ اليعقوبى (٢/ ١٣٢/ ١٣٨) بحواله الشيعه وأهل البيت ص (٧٠).
❷ الشيعة و أهل البيت ص (٧٠).
❸ المغنى مع الشرح الكبير (١٢/ ٢٢٠) المختصر من كتاب الموافقة ص (٥١).
❹ تاريخ طبرى (٤/ ٦٤) بحواله الشيعه وأهل البيت ص (٧١).
❺ الطبقات / ابن سعد (٣/ ٢٠) البداية والنهاية (٧/ ٣٣١، ٣٣٣).

مطالبہ کرنے لگے، وہ دونوں رسول اللہ ﷺ کی فدک کی زمین اور خیبر کا حصہ طلب کر رہے تھے۔ ان دونوں سے ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے ہوئے سنا ہے:

((لَا نُوْرِثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ إِنَّمَا يَأْكُلُ آلُ مُحَمَّدٍ مِنْ هٰذَا الْمَالِ .)) ❶

''ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا، جو کچھ ہم چھوڑیں وہ سب صدقہ ہے۔ بلاشبہ آل محمد اسی مال میں سے اپنا خرچ پورا کرے گی۔''

دوسری روایت میں ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ میں ایسی کوئی بات چھوڑ نہیں سکتا جو رسول اللہ ﷺ کرتے تھے، میں ڈرتا ہوں کہ اگر آپ کے کسی کام کو چھوڑ دوں تو ہلاک نہ ہو جاؤں۔ ❷ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوگئی تو آپ کی بیویوں نے چاہا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجیں، تاکہ ان سے اپنی میراث طلب کریں، لیکن عائشہ رضی اللہ عنہا نے انھیں یاد دلایا کہ کیا آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا تھا:

((لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ .)) ❸

''ہماری وراثت تقسیم نہیں ہوتی، ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔''

ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((لَا يَقْتَسِمُ وَرَثَتِيْ دِيْنَارًا، مَا تَرَكْتُ بَعْدَ نَفَقَةِ نِسَائِيْ وَمُؤْنَةِ عَامِلِيْ فَهُوَ صَدَقَةٌ .)) ❹

''میرا ورثہ دینار کی شکل میں تقسیم نہ ہوگا، میں نے اپنی بیویوں کے اخراجات اور اپنے عاملوں کی اجرت کے بعد جو کچھ چھوڑا ہے وہ سب صدقہ ہے۔''

پس میراث نبوی کے متعلق ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ جو بھی برتاؤ کیا انھیں فرامین نبوی کی پیروی، اور ارشاد نبوی کی بجا آوری میں کیا اور اسی لیے آپ یہ حوالہ دیتے رہے کہ میں ایسی کوئی بات چھوڑ نہیں سکتا جو رسول ﷺ کرتے تھے، میں بھی وہی کروں گا۔ ❺ اور یہ کہ واللہ! میں ایسی کوئی بات نہ ہونے دوں گا، بلکہ جسے میں نے رسول ﷺ کو کرتے دیکھا ہوگا وہ میں بھی کروں گا۔ ❻

چنانچہ جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حدیث نبوی ﷺ سے دلیل دی، اور اسے واضح کیا تو فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے اس سلسلے میں حجت و مطالبہ چھوڑ دیا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ حق اور فرمان نبی کریم ﷺ کے

---

❶ صحيح البخاری، حديث نمبر (٦٧٢٦).
❷ صحيح مسلم، حديث نمبر (١٧٥٩).
❸ صحيح البخاری، حديث نمبر (٦٧٣٠)، صحيح مسلم (١٧٥٨).
❹ صحيح البخاری (٣٠٩٦).
❺ صحيح مسلم، حديث نمبر (١٧٥٨).
❻ صحيح البخاری حديث نمبر: (٦٧٢٦).

لیے سرِ تسلیم خم کر دینے والی خاتون تھیں۔ امام ابن قتیبہ ❶ فرماتے ہیں:

''میراث نبی کے متعلق فاطمہ رضی اللہ عنہا کا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے جھگڑنا کوئی معیوب بات نہیں ہے، کیونکہ انھیں اس سلسلے میں نبی کریم ﷺ کے فرمان کا علم نہ تھا، وہ یہی جانتی تھیں کہ جس طرح اولادیں اپنے باپوں کی جائداد کی وارث ہوتی ہیں میں بھی اسی طرح اپنے ابا کے جائداد کی وارث ہوں، لیکن جب انھیں حدیث رسول ﷺ سنائی گئی تو وہ اپنے مطالبہ سے باز آ گئیں۔'' ❷

میراث نبوی کے واقعہ کو روافض نے کافی رنگ و روغن لگا کر پیش کیا ہے، صاف سیدھی بات اور واضح و صحیح نصوصِ شریعت سے ہٹ کر اس واقعہ میں خوب خوب مبالغہ آرائی کی ہے اور اس معاملہ کو خلافت سے جوڑتے ہوئے صحابہ کرام اور آل بیت (رضی اللہ عنہم اجمعین) کے درمیان اسے اختلاف کی اصل وجہ قرار دیا ہے، اور تمام صحابہ کرام پر یہ تہمت لگائی ہے کہ انھوں نے اہل بیت (رضی اللہ عنہم اجمعین) پر ظلم کیا، خاص طور سے (ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) نے کہ انھوں نے اہل بیت سے خلافت کو غصب کر لیا، ان کے اموال اور حقوق کو ان دونوں نے چھین لیا، روافض اپنے عقیدہ و بیان کے مطابق فدک کی زمین اور فاطمہ کی وراثت سے محرومی کے واقعہ کو اس بات کے لیے سب سے اہم مسئلہ قرار دیتے ہیں کہ ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) نے خلافت کو غصب کیا اور پھر صحابہ دیگر خلفاء کے ہاتھوں خلافت کو یکے بعد دیگرے منتقل کرتے رہے، ان سب کا مقصد یہ تھا کہ مبادا لوگ نبی کریم ﷺ کی وراثت اہل بیت کے ہاتھوں میں ہونے کی وجہ سے ان کی طرف مائل نہ ہو جائیں اور پھر ان کے ہاتھوں پر بیعت کر کے ہمیں خلافت سے بے دخل کر دیں۔ ❸

لیکن حقیقت یہ ہے کہ جو شخص اس مسئلہ میں روافض کی مستند ترین کتابوں کا مطالعہ کرے گا وہ اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ ان کی تمام تر تحریریں رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث کے انکار کے لیے کوشاں ہیں:

((نَحْنُ مَعَاشَرُ الْاَنْبِيَاءِ لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ .)) ❹

''ہم انبیاء کی جماعت کا کوئی وارث نہیں ہوتا، ہم جو کچھ چھوڑ کر جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔''

اس حدیث کی ابطال و تردید کے لیے کوشاں روافض کے چند دلائل کو یہاں ذکر کیا جا رہا ہے:

یہ حدیث ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کی من گھڑت ہے:

الحلّی کا کہنا ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ابوبکر کی من گھڑت بات یعنی: "مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ" کو ماننے سے انکار کر دیا۔ مزید لکھتا ہے:

''ابوبکر نے اس سلسلے میں ایسی روایت کا سہارا لیا جس کے وہ تنہا ناقل ہیں۔'' ❺

---

❶ شذرات الذهب (٢/ ١٦٩).

❷ تاويل مختلف الحديث ص: (٩/ ١). ❸ العقيدة فى أهل البيت بين الإفراط والتفريط ص: (٤٣٥).

❹ صحيح مسلم حديث نمبر (١٧٥٨).

❺ منهاج الكرامة مع منهاج السنة (٤/ ١٩٣) بحواله العقيدة فى أهل البيت، ص (٤٤٣).

مجلسی صراحت سے یہ لکھنے کے بعد کہ ابوبکر و عمر (رضی اللہ عنہما) نے فدک کی زمین کو غصب کر لیا، لکھتا ہے:

''اپنی اسی حرکت کو جائز کرنے کے لیے انھوں نے یہ خبیث اور جھوٹی روایت گھڑ لی کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے: نَحْنُ مَعَاشَرُ الْاَنْبِیَاءِ لَا نُوْرَثُ مَا تَرَکْنَاہُ صَدَقَةٌ .''❶

اور خمینی اس سلسلے میں اپنا موقف اس طرح بیان کرتا ہے:

''میں کہتا ہوں کہ اس مسئلہ میں جو حدیث نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کی جاتی ہے وہ قطعاً صحیح نہیں ہے۔ اسے ذریت نبوی ﷺ کو نیست و نابود کرنے کے لیے بیان کیا گیا ہے۔''❷

ان تہمتوں کے جواب میں ہم عرض کریں گے یہ سب باتیں خالص جھوٹ اور واضح افترا پردازیاں ہیں، اس روایت کو نقل کرنے والے تنہا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی نہیں ہیں، بلکہ فرمان نبوی ((لَا نُوْرَثُ مَا تَرَکْنَاہُ فَهُوَ صَدَقَةٌ)) کو آپ ﷺ سے عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، سعد، عبدالرحمٰن بن عوف، عباس بن عبدالمطلب، ازواج مطہرات، ابو ہریرہ اور حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہم اجمعین نے بھی روایت کیا ہے۔❸

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''صحاح اور مسانید کی کتابوں میں ان لوگوں سے یہ روایت ثابت اور مشہور ہے، حدیث سے واقفیت رکھنے والے علماء اسے اچھی طرح جانتے ہیں، ایسی صورت میں کسی کا یہ کہنا کہ اس روایت کو صرف ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نے نقل کیا ہے، اس کی جہالت کی انتہا اور صریح تہمت تراشی ہے۔''❹

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس حدیث کے راویوں کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''روافض کا گمان غلط ہے اگر تنہا ابوبکر (رضی اللہ عنہ) ہی اس روایت کو بیان کرتے تو بھی روئے زمین کے باشندوں کے لیے ضروری تھا کہ آپ کی روایت کو تسلیم کریں اور ان کی بات مانیں۔''❺

اس موضوع پر ایک مایہ ناز کتاب ''العقیدة فی أهل البیت بین الافراط والتفریط'' کے مولف ڈاکٹر سلیمان بن رجاء السحیمی فرماتے ہیں:

''ہماری بات کی تائید خود روافض کی ان اہم ترین کتابوں سے ہوتی ہے، جن میں انھوں نے اپنے عقیدہ کے مطابق پانچویں امام معصوم، امام جعفر الصادق سے یہ روایت نقل کی ہے، جسے کلینی، صفار اور مفید وغیرہ نے اپنی کتابوں میں اس طرح لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَطْلُبُ فِيهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللّٰهُ بِهِ طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ ، وَالْعُلَمَاءُ

---

❶ حق الیقین ص (۱۹۱) بحوالہ العقیدة فی أهل البیت، ص (۴۴۳).

❷ کشف الأسرار / الخمینی (ص۱۳۔۱۳۳). ❸ العقیدة فی أهل البیت، ص (۴۴۳).

❹ منهاج السنة / ابن تیمیه (۴/ ۱۹۹). ❺ البداية والنهاية (۵/ ۲۵۰).

أُمَنَاءُ ، وَالْأَتْقِيَاءُ حُصُوْنٌ ، وَالْأَوْصِيَاءُ سَادَةٌ وَفَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ عَلَى سَائِرِ النُّجُومِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ ، وَإِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ لَمْ يُوَرِّثُوْا دِيْنَارًا وَلَا دِرْهَمًا وَلٰكِن وَرَّثُوا الْعِلْمَ ، فَمَنْ أَخَذَ مِنْهُ أَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ .)) ❶

''جو شخص علم کی تلاش میں باہر نکلا، اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان کر دے گا، علماء قوم کے امانت دار ہیں، پرہیز گار قوم کے قلعے ہیں اوصیاء قوم کے سردار ہیں، عالم کی فضیلت عابد پر ایسے ہی ہے جیسے چودھویں رات کے چاند کو تمام ستاروں پر، علماء انبیاء کے وراث ہیں، انبیاء نے وارثت میں درہم و دینار نہیں چھوڑا، البتہ علم کو وراثت میں چھوڑا، جس نے وہ علم سیکھ لیا، وہ پورا حصہ پالیا۔''

ایک روایت میں اس طرح ہے:

((إِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ ، وَذٰلِكَ أَنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوْا دِرْهَمًا وَلَا دِيْنَارًا ، وَإِنَّمَا أَوْرَثُوْا أَحَادِيْثَ مِنْ أَحَادِيْثِهِمْ .))❷

''بے شک علما انبیاء کے وارث ہیں، اس طرح کہ انبیاء وراثت میں درہم و دینار نہیں چھوڑتے انھوں نے اپنے اقوال واحادیث کو وارثت میں چھوڑا ہے۔''

امام جعفر صادق نے پوچھا: اے اللہ کے رسول ﷺ میں آپ سے وارثت میں کیا پاؤں گا ؟ آپ نے فرمایا: وہی جو انبیاء نے چھوڑا ہے۔ (یعنی علم)

- یہ حدیث آیت میراث: ﴿يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيٓ أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۚ﴾❸ (النساء : ۱۱) کے خلاف ہے۔ روافض کا دعویٰ ہے کہ اللہ نے آیت میراث کا حکم صرف امت کے لیے خاص کر کے آپ ﷺ کی ذات کو اس سے مستثنیٰ نہیں کیا۔❹ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ خطاب ان تمام حضرات کو شامل ہے جو اس خطاب سے مقصود ہیں، لیکن اس سے یہ لازم اور ضروری نہیں ہوتا کہ نبی کریم ﷺ بھی اس کے مخاطب ہوں،❺ اس لیے کہ آپ ﷺ کو تمام احکام میں عام انسانوں پر قیاس کرنا درست نہیں ہے، آپ ﷺ تو مومنوں کے لیے ان کی جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں، آپ کے لیے زکوٰۃ وصدقات کو اللہ تعالیٰ نے خاص طور سے حرام کر دیا جب کہ آپ کے امتی اس سے مستثنیٰ ہیں۔ آپ ﷺ کی کچھ امتیازات اور خصوصیات ہیں جو دوسروں کی نہیں ہیں، انھیں خصوصیات میں سے یہ بات

---

❶ الکافی / الکلینی (۱/ ۳۲، ۳٤).

❷ الکافی / الکلینی (۱/ ۳۲، ۳٤) بصائر الدرجات / الصفار ص (۱۰/ ۱۱) الاختصاص المفید ص (٤) دیکھئے: علم الیقین للکاشانی (۲/ ۷٤۷، ۷٤۸) بحوالہ العقیدہ لا ھل البیت ص (٤٤٤).

❸ اللہ تمھیں تمھاری اولاد کے بارے میں حکم کرتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دولڑکیوں کے برابر ہے''

❹ منہاج الکرامۃ مع منہاج السنۃ (٤/ ۱۹٤). ❺ منہاج السنۃ (٤/ ۱۹٤، ۱۹۵).

بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام کا کوئی وارث نہیں ہوتا، اس حکم کی تخصیص ان کے لیے درحقیقت اللہ کی طرف سے ایک حفاظت کا انتظام ہے تاکہ کوئی شخص ان کی نبوت کو یہ کہہ کر داغ دار نہ کر سکے کہ انبیاء نے دنیا طلب کی اور اسے اپنے وارثوں کے لیے چھوڑ گئے اور دوسرے انسان چونکہ نبی نہیں ہیں کہ ان کی نبوت داغ دار ہونے کا اندیشہ ہو اس لیے انہیں کوئی ممانعت نہ ہوئی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو امی بنا کر، لکھنے اور شعر گوئی سے محفوظ رکھ کر آپ کی نبوت کو اعتراضات و اشکالات سے پاک کیا، جبکہ دوسرے لوگوں کو اس پاکیزگی کی ضرورت نہ تھی۔ [1]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ روافض کے استدلال کی تردید اس طرح کرتے ہیں: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ ایسی خصوصیات ملیں جن میں دوسرے انبیاء علیہم السلام آپ کے شریک نہیں رہے، لہٰذا اگر یہ مان لیا جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دیگر انبیاء کے وارث ہوتے ہیں۔ حالانکہ ایسی بات نہیں ہے تو بھی صحابہ کرام اور ان میں خاص طور سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جو حدیث بیان کی ہے وہ اس تخصیص کی وضاحت ہے کہ یہ حکم صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے دوسرے انبیاء کے لیے نہیں۔ [2] اس طرح روافض کا یہ دعویٰ یکسر باطل ہو جاتا ہے کہ یہ حدیث آیت میراث کے خلاف ہے۔

یہ حدیث دیگر دو آیات کے بھی خلاف ہے:

ا: ﴿ وَ وَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ ﴾ (النمل: ١٦)

"اور سلیمان داؤد کا وارث بنا۔"

۲: اور زکریا علیہ السلام کے بارے میں اللہ نے فرمایا:

﴿ وَ اِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَّرَآءِيْ وَ كَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۙ۝۵ يَّرِثُنِيْ وَ يَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖۗ وَ اجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ۝۶ ﴾ (مریم: ۵-٦)

"اور بے شک میں اپنے پیچھے قرابت داروں سے ڈرتا ہوں اور میری بیوی شروع سے بانجھ ہے، سو مجھے اپنے پاس سے ایک وارث عطا کر۔ جو میرا وارث بنے اور آل یعقوب کا وارث بنے اور اے میرے رب! اسے پسند کیا ہوا بنا۔"

روافض کا استدلال یہ ہے کہ میراث کا مطلب ہے جائداد و اموال کا ترکہ اور مذکورہ آیات کی تفسیر میں کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہاں مال نہیں علم کی وراثت مراد ہے۔ [3]

روافض کی اس دلیل اور استدلال کا جواب یہ ہے کہ "میراث" کا کلمہ اسم جنس ہے اور اس کے ماتحت مختلف انواع ہیں، پس میراث کا لفظ علم، نبوت، بادشاہت اور منتقل ہونے والی دیگر چیزوں کی وراثت کے لیے بھی مستعمل

---

[1] منهاج السنة (٤/ ١٩٤، ١٩٥) العقيدة فى أهل البيت ص (٤٤٥). [2] البداية والنهاية (٥/ ٢٥٤).

[3] منهاج الكرامة ص (١٠٩) بحواله العقيده فى أهل البيت، اورالطرائف/ ابن طاووس ص (٣٤٧).

ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا﴾ (فاطر: ۳۲)

''پھر ہم نے اس کتاب کے وارث اپنے وہ بندے بنائے جنھیں ہم نے چن لیا۔''

اور فرمایا:

﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝﴾

(المؤمنون: ۱۰-۱۱)

''یہی لوگ ہیں جو وارث ہیں۔ جو فردوس کے وارث ہوں گے، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔''

ان کے علاوہ بھی کئی آیات ہیں جن میں انھیں معنوں میں وارث اور میراث کا لفظ وارد ہے۔ بہرحال مذکورہ دلائل کی روشنی میں جب میراث کا لفظ صرف مال و جائداد کے لیے خاص نہیں رہا، تو اللہ کے فرمان ﴿وَ وَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ﴾ اور ﴿يَرِثُنِيْ وَ يَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ﴾ کے بارے میں بھی یہی کہا جائے گا کہ وہاں میراث کی جنس مراد ہے، نہ کہ صرف مال کی وراثت۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ داود علیہ السلام کے پاس سلیمان علیہ السلام کے علاوہ کئی اولادیں تھیں، اگر مال کا وارث بنانا مقصود ہوتا تو صرف سلیمان علیہ السلام کو خاص نہ کرتے، پس واضح ہے کہ اس وراثت سے مراد علم و نبوت کی وراثت ہے نہ کہ مال کی، علاوہ ازیں ایک قابل غور پہلو یہ بھی ہے کہ یہ آیت کریمہ سلیمان علیہ السلام کی مدح اور ان پر اللہ کی خاص نعمت کے اظہار کے لیے بیان کی گئی ہے اور وراثت میں صرف مال و جائداد کا ملنا کوئی قابل تعریف چیز نہیں ہے، کیونکہ وراثت میں مال و جائداد تو ہر انسان کو ملتی ہے، تو معلوم ہوا کہ یہاں وارثت کی خاص نوعیت مراد ہے۔

بالکل یہی معاملہ اللہ کے فرمان ﴿يَرِثُنِيْ وَ يَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ﴾ کا بھی ہے یعنی یہاں مال کی وراثت مراد نہیں ہے، کیونکہ اگر مال کی وراثت مان لی جائے تو صرف یحییٰ علیہ السلام آل یعقوب کے مال کے وارث نہیں ہوں گے بلکہ آپ کے علاوہ آل یعقوب کی دوسری اولادیں اور بقیہ ورثہ آل یعقوب کی جائداد کے وارث ہوں گے۔ (لہٰذا دعا کا فائدہ نہیں) [1]

اسی طرح زکریا کا یہ کہنا کہ ﴿وَ اِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَّرَآءِيْ﴾ مجھے اپنے مرنے کے بعد اپنے قرابت داروں کا ڈر ہے، اس میں بھی اس بات کی کوئی دلیل نہیں کہ یہاں مال کی وراثت مراد ہے، اس لیے کہ زکریا علیہ السلام کو اپنی موت کے بعد اپنے اقرباء سے یہ خوف نہیں تھا کہ وہ آپ کا مال لے لیں گے۔ کیونکہ یہ ڈرنے کی کوئی چیز نہیں ہے، ایسا عموماً ہوتا ہے، اور پھر زکریا علیہ السلام بڑے دولت مند بھی نہ تھے، بلکہ بڑھئی کا کام کرتے تھے اور

[1] منهاج السنة (٤/ ٢٢٢-٢٢٤).

اپنے ہاتھوں کی کمائی کھاتے تھے۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں مذکور ہے۔ ❶ اور زکریا علیہ السلام ایسے بھی نہ تھے کہ اپنی ضرورت وخوراک سے زیادہ مال بچا کر ذخیرہ اندوزی کرتے رہے ہوں کہ اس کی حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ سے اولاد کی شکل میں وارث کا مطالبہ کیا ہو، پس تمام قرائن وتوضیحات اس بات کی دلیل ہیں کہ مذکورہ دونوں آیات میں نبوت کی وراثت اور اس کی ذمہ داریاں سنبھالنا مراد ہے۔ ❷

امام قرطبی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ''زکریا علیہ السلام نے ایسی اولاد کے لیے دعا نہیں کی تھا جو آپ کے مال کا وارث بنے اس لیے کہ انبیاء کے مال کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ آیت کریمہ کی یہی درست اور راجح تفسیر ہے، بلکہ زکریا علیہ السلام نے ایسی اولاد مانگی تھی جوان کے ''علم'' اور نبوت کا وارث ہو، نہ کہ مال کا، کیونکہ نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

((إِنَّا مَعْشَرَ الْاَنْبِيَاءِ لَا نُوْرَثُ ، مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ .)) ❸

''ہم انبیاء کی جماعت کا کوئی وارث نہیں ہوتا، ہم جو کچھ چھوڑیں، صدقہ ہے۔''

مختصر یہ کہ یہ حدیث، فرمان الٰہی ﴿وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ﴾ کی ماثور تفسیر اور زکریا علیہ السلام کے قول: ﴿فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ﴾ کی صریح ترجمانی ہے اور اس مسئلہ میں وارد شدہ عمومی احکامات کی تخصیص ہے۔ سلیمان علیہ السلام نے بھی اپنے باپ داؤد علیہ السلام سے وراثت میں مال نہیں حاصل کیا تھا، بلکہ انھیں علم اور حکمت وراثت میں ملی تھی، جیسے کہ یحییٰ علیہ السلام کو آل یعقوب سے یہی چیزیں وراثت میں ملی تھیں روافض کے علاوہ بقیہ علماء مفسرین نے یہی تفسیر کی ہے۔ ❹

اس مقام پر یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ وجوب میراث کے مسئلہ میں روافض تناقض کا شکار ہیں اور خود اپنی دلیل کی مخالفت کرتے ہیں، اس کی تفصیل یہ ہے کہ میراث نبوی ﷺ کا وارث صرف فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ٹھہراتے ہیں اور آپ ﷺ کی ازواج مطہرات اور عصبہ (اقرباء) کی شکل میں دیگر ورثاء کو اس سے محروم کر دیتے ہیں، اس طرح جن آیات کے عمومی خطاب سے اپنے مخالف پر حجت قائم کرتے ہیں وہ خود ہی اس کی مخالفت کرتے ہیں، چنانچہ صدوق نے اپنی سند سے ابوجعفر الباقر سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا ''نہیں'' ہرگز نہیں۔ اللہ کی قسم رسول ﷺ کی وارث صرف فاطمہ تھیں، عباس رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ آپ کے وارث نہیں تھے۔ علی علیہ السلام نے آپ ﷺ کا ہتھیار وغیرہ اس وجہ سے لے لیا تھا کہ آپ کی طرف سے قرض سے ادا کیا تھا۔ ❺

---

❶ صحیح مسلم، حدیث نمبر (٢٣٧٩).

❷ منهاج السنة (٤/ ٢٢٥) البداية والنهاية (٥/ ٢٥٣)، العقيدة فى أهل البيت، ص: ٤٤٨

❸ صحيح مسلم (١٧٥٨).

❹ تفسير قرطبى (١١/ ٣٥-٤٥).

❺ من لا يحضره الفقية(٤، ١٩٠، ١٩١) العقيدة فى أهل البيت ص (٤٥١).

اسی طرح کلینی، صدوق اور طوسی نے اپنی اپنی سند سے باقر سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: ''علی علیہ السلام، رسول ﷺ کے علم کے وارث ہوئے اور فاطمہ علیہا السلام آپ ﷺ کے ترکہ کی وارث ہوئیں۔'' ❶

اتنا ہی نہیں بلکہ دوسرے مقامات پر بعض روافض مصنّفین نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بھی وراثت سے محروم کیا ہے، ان کا عقیدہ ہے کہ عورتیں زمین اور غیر منقولہ جائداد کی وارث نہیں بن سکتیں، اس سلسلے میں ان کے یہاں متعدد روایات منقول ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ ابوجعفر صادق نے فرمایا: عورتیں زمین اور غیر منقولہ جائداد کی وارث نہیں ہوسکتیں۔ ❷

صدوق اپنی سند سے میسر (راوی) سے روایت کرتے ہیں کہ میسر کا بیان ہے کہ میں نے ابوجعفر صادق سے پوچھا: عورتوں کو میراث میں کیا مل سکتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: زمین اور غیر منقولہ جائداد میں عورتوں کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ ❸ اس فتویٰ اور عقیدہ کے اعتبار سے یہ بات صاف ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا مطلوبہ میراث کی مستحق نہ تھیں، چہ جائے کہ اس کے لیے اس حدیث سے استدلال کیا جائے ''نَحْنُ مَعَاشَرُ الْاَنْبِیَاءِ لَا نُوْرَثُ'' ❹

کیونکہ جب عورت زمین اور غیر منقولہ جائداد کی وارث نہیں ہوسکتی تو فاطمہ رضی اللہ عنہا جو کہ ایک خاتون تھیں۔ ان کے لیے رافضی عقیدہ کے مطابق بھلا یہ کیوں کر درست ہوسکتا ہے کہ فدک کی زمین میں وراثت کا مطالبہ کریں جو کہ غیر منقولہ جائداد تھی۔ ❺ پس روافض کی یہ سب کھینچا تانی ان کی جہالت، کذب اور تناقض کی دلیل ہے۔ ❻

رہا روافض کا یہ دعویٰ کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا سے گواہوں کا مطالبہ کیا تھا، تو آپ نے علی اور ام ایمن رضی اللہ عنہما کو گواہی کے لیے پیش کیا، لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کی گواہی تسلیم نہیں کیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سب باتیں مکمل طور پر جھوٹ اور فریب ہیں۔ حماد بن اسحق کا کہنا ہے کہ جو لوگ بیان کرتے ہیں کہ فاطمہ علیہا السلام نے فدک کی زمین کا مطالبہ کرتے ہوئے یہ کہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ اسے ان کو جاگیر میں دیا تھا اور ابوبکر نے علی رضی اللہ عنہ کی گواہی اس لیے نہ مانی کہ وہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر تھے، تو یہ سب باتیں بے بنیاد اور فرضی داستان ہیں، کسی بھی صحیح و مستند روایت سے فاطمہ رضی اللہ عنہا کا یہ دعویٰ ثابت نہیں ہے۔ ❼

سنت اور اجماع سے دلیل کہ نبی کریم ﷺ نے کسی کو اپنا وارث نہیں بنایا:

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''نبی ﷺ کا کسی کو وارث نہ بنانا صحیح و قطعی سنت اور اجماع صحابہ سے ثابت ہے اور یہ دونوں قطعی دلیل ہیں، لہٰذا اپنے ظن پر مبنی عمومی مفہوم سے انھیں ٹکرانا اور دونوں میں تعارض پیدا کرنا جائز نہیں ہے اور اگر عمومی مفہوم کو درست مان لیا جائے تو اس میں تخصیص سے کوئی چیز مانع نہیں ہے، بہر صورت یہ

❶ الکافی / الکلینی (۷/ ۱۳۷) العقیدۃ فی أھل البیت (۴۵۱) .
❷ الکافی / الکلینی (۷/ ۱۳۷) .
❸ الشیعۃ وأھل البیت ص (۸۹) .
❹ صحیح مسلم حدیث نمبر (۱۷۶۸) .
❺ الشیعۃ وأھل البیت ص (۹۸) .
❻ العقیدہ فی أھل البیت ص (۴۵۲) .
❼ منهاج السنة (۴/ ۲۳۶-۲۳۸) .

دلیل ظنی ہوگی جو کہ قطعی کے معارض نہیں ہو سکتی، کیونکہ ظنی قطعی کی معارض نہیں ہوتی۔

اسی طرح ہماری دلیل کے قطعی ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ ''ہم انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا'' والی روایت کو مختلف اوقات میں اور مختلف مجالس میں کئی صحابہ نے روایت کیا ہے اور کسی نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا، بلکہ اسے قبول کیا اور سچ جانا اور یہی وجہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سے کسی نے میراث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطالبے پر اصرار نہیں کیا، نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا (عباس رضی اللہ عنہ) نے اس مطالبہ پر اصرار کیا، بلکہ اگر کسی نے مطالبہ کیا اور اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سنایا گیا تو وہ اپنے مطالبہ سے فوراً باز آ گیا۔ علی رضی اللہ عنہ کی دور خلافت تک تمام خلفائے راشدین کے عہد میں یہی حالت برقرار رہی، کسی نے نہ کوئی تبدیلی کی اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ترکہ تقسیم کیا۔ [1]

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ عنہ فرماتے ہیں: عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ کے بعد علی رضی اللہ عنہ نے منصب خلافت سنبھالا، فدک وغیرہ کی زمینیں آپ کی حکومت کی زیر نگرانی ہوگئیں، لیکن آپ نے اس میں سے کچھ بھی نہ اولاد فاطمہ کو دیا، نہ ازواج مطہرات کو دیا اور نہ ہی عباس کی آل اولاد کو۔ پس اگر گزشتہ تینوں خلفاء کے دور میں یہ چیز ظلم تھی اور اب علی رضی اللہ عنہ اسے مٹانے کی طاقت رکھتے تھے تو آپ کے لیے معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی فوج سے لڑنے کے بالمقابل یہ کام آسان اور مقدم تھا کہ گزشتہ تین ادوار سے چلے آ رہے ظلم کا خاتمہ کریں، کیا آپ سوچ سکتے ہیں کہ وہ معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی فوج سے جنگ تو چھیڑیں کہ شر و فساد کو بھڑکنے کا موقع ملے۔ اور حق دار رسید کے تحت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے محروم ورثاء کو ان کا تھوڑا سا مال نہ دلائیں؟ جب کہ یہ بہت معمولی بات تھی۔ [2]

عباسی خلیفہ ابوالعباس السفاح نے اسی مسئلہ میں اپنے بعض مناظرین کے خلاف خلفائے راشدین کے اجماع سے دلیل قائم کی تھی، علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ عنہ نے اپنی کتاب ''تلبیس ابلیس'' میں اس واقعہ کو نقل کیا ہے کہ ''سفاح کے بارے میں ہمیں معلوم ہوا کہ ایک دن انھوں نے خطبہ دیا، دوران خطبہ ایک آدمی اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا، میں اولاد علی میں سے ہوں، اے امیر المومنین! میرے ظالم کے خلاف میری مدد کیجیے، خلیفہ نے پوچھا تم پر کس نے ظلم کیا ہے؟ اس نے کہا: میں آل علی میں سے ہوں اور ابوبکر نے فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کو فدک کی زمین وراثت میں نہ دے کر مجھ پر ظلم کیا، خلیفہ نے پوچھا، اور یہ ظلم تم پر ایسے ہوتا رہا ہے؟ اس نے کہا، ہاں، خلیفہ نے پوچھا، ان کے بعد کون ہوا؟ اس نے کہا، عمر، خلیفہ نے پوچھا، اور انھوں نے بھی یہ ظلم روا رکھا؟ اس نے کہا: ہاں، خلیفہ نے کہا: ان کے بعد کون ہوا؟ اس نے کہا، عثمان، خلیفہ نے کہا، اور انھوں نے بھی یہ ظلم روا رکھا؟ اس نے کہا، ہاں، خلیفہ نے پوچھا: ان کے بعد کون ہوا؟ اب وہ اِدھر اُدھر دیکھنے لگا اور بھاگنے کی تاک میں لگ گیا۔ [3]

میراث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مسئلہ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اجتہاد کی درستگی اور سچائی کا اعتراف خود فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بطن

---

[1] منهاج السنة / ابن تيميه (٤/ ٢٢٠).

[2] منهاج السنة / ابن تيميه (٦/ ٣٤٧). [3] تلبيس إبليس ص (١٣٥).

سے پیدا ہونے والی اولاد علی کی نسلوں نے بھی کیا۔ امام بیہقی اپنی سند سے فضیل بن مرزوق سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا، زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب نے کہا: سنو! اگر ابوبکر رضی اللہ عنہ کی جگہ پر میں ہوتا تو فدک کی زمین کے متعلق میں بھی وہی فیصلہ دیتا جو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دیا تھا۔ [1]

اسی طرح ابوالعباس قرطبی نے جملہ اہل بیت کا اتفاق نقل کیا ہے کہ وہ لوگ فدک کی زمین کی ملکیت کے کبھی خواہاں نہ ہوئے، بلکہ وہ ہمیشہ اس کی آمدنی کو اللہ کے راستے میں خرچ کرتے رہے، آپ نے اہل بیت کے ذکر میں سب سے پہلے علی رضی اللہ عنہ، پھر آپ کی اولاد اور پھر عباس رضی اللہ عنہ کی اولاد کا ذکر کیا ہے جن کے ہاتھوں میں اللہ کے رسول ﷺ کے صدقہ کی نگرانی تھی، آپ فرماتے ہیں: ''جب علی رضی اللہ عنہ نے منصب خلافت سنبھالا تو ابوبکر، عمر، اور عثمان رضی اللہ عنہم کی عہد خلافت میں جاری کسی نظام میں تبدیلی نہیں کیا، اس کی ملکیت سے چھیڑ چھاڑ نہیں کی، اور نہ ہی اس کی کوئی جائداد تقسیم کی، بلکہ خلافت کے املاک کے جو مصارف پہلے سے چلے آرہے تھے انھیں میں خرچ کیا، اس کے بعد خلافت حسن بن علی کے ہاتھوں میں منتقل ہوئی، پھر سلسلہ وار حسین بن علی، پھر علی بن حسین پھر حسین بن حسین، پھر زید بن حسین پھر عبداللہ بن حسین پھر آل عباس کے ہاتھوں میں منتقل ہوتی رہی، جیسا کہ ابوبکر البرقانی نے اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے۔ بہر حال یہ سب اہل بیت کے بزرگ شرفاء ہیں اور یہ لوگ شیعہ اور ان کے ائمہ حضرات کے نزدیک سب سے زیادہ معتمد اور قابل قدر ہیں، لیکن ان میں سے کسی سے کوئی ایک بھی روایت نہیں ملتی کہ اس نے نبی کریم ﷺ کے ترکہ کو اپنی وراثت اور ملکیت سمجھا ہو، لہٰذا اگر شیعہ حضرات کا دعویٰ سچ ہے تو علی رضی اللہ عنہ یا آپ کے اہل بیت میں سے کسی کو اپنا حق ضرور لے لینا چاہیے تھا، کیونکہ اب حکومت انھیں کے ہاتھوں میں تھی ورنہ یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ یہ دعویٰ صحیح نہیں۔ [2]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''روافض نے اس مقام پر بڑی جہالت ونادانی کا ثبوت دیا ہے اور ایسی کذب بیانی کی ہے جس کی حقیقت سے وہ خود ہی ناواقف ہیں، انھوں نے غیر ضروری باتوں میں خود کو الجھا رکھا ہے، اگر یہ لوگ معاملات کی حقیقت سمجھنے کی کوشش کرتے تو صدیق کی فضیلت کا ضرور اعتراف کرتے اور آپ کی دلیل ومعذرت کو ضرور قبول کرتے، لیکن کیا کیا جائے یہ عجیب قوم ہے، متشابہ اور لوچ لچر دلائل سے استدلال کرتی ہے اور صحابہ وتابعین اور ہر دور اور ہر جگہ کے معتبر علمائے اسلام کے یہاں جو باتیں مسلّم انھیں چھوڑ دیتی ہے۔'' [3]

---

[1] تاريخ المدينة / ابن شبة (١/ ٢٠٠) البداية والنهاية (٥/ ٢٥٣).

[2] المفهم / القرطبي (٣/ ٥٦٤).

[3] البداية والنهاية (٥/ ٢٥١، ٢٥٣).

سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ابوبکر رضی اللہ عنہ سے رضا مندی:

فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں صحیح روایات سے ثابت ہے کہ میراث کے متعلق حدیث نبوی سننے کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ سے راضی ہوگئیں اور رضا مندی ہی کی حالت میں ان کی وفات ہوئی، امام بیہقی نے اپنی سند سے بروایت شعبی نقل کیا ہے کہ انھوں نے کہا جب فاطمہ رضی اللہ عنہا بیمار ہوئیں تو ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کے پاس گئے اور ملنے کی اجازت مانگی، علی رضی اللہ عنہ نے کہا: ابوبکر (رضی اللہ عنہ) آئے ہیں اور تم سے ملنے کی اجازت مانگتے ہیں؟ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ کیا آپ کو پسند ہے کہ میں انھیں اجازت دے دوں؟ علی رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں، کوئی حرج نہیں، پھر آپ نے اجازت دے دی، آپ ان کے پاس گئے اور انھیں یہ کہتے ہوئے منانے وخوش کرنے لگے کہ اللہ کی قسم! میں نے گھر بار، جائداد، خاندان اور اہل وعیال کو صرف اللہ، اس کے رسول، اور تم اہل بیت کی رضا مندی کے لیے چھوڑا ہے، پھر انھیں رضا مند کرنے لگے، یہاں تک کہ آپ ان سے خوش ہوگئیں۔ [1]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث کی اسناد جید اور قوی ہے اور بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ عامر الشعبی نے اس روایت کو براہ راست علی رضی اللہ عنہ سے سنا ہے یا اس سے سنا جس نے علی رضی اللہ عنہ سے سنا ہے۔ [2] اس حدیث سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خلاف فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ناراضی کو لے کر ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ہدف تنقید بنانے والے روافض کے اعتراضات بے بنیاد ہوجاتے ہیں اور اگر معاملہ کے آغاز میں ابوبکر پر وہ ناراض ہی ہوگئی تھیں، تو بھی کوئی معیوب بات نہیں، اس لیے کہ اپنی زندگی کے آخر میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ملاقات کے بعد وہ آپ سے خوش بھی ہوگئیں اور رضا مندی ہی کی حالت میں ان کی وفات ہوئی۔ [3]

واضح رہے کہ یہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث کے معارض نہیں ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آل محمد اس مال میں سے کھائیں گے جو اللہ کا مال ہے پس کھانے کے سوا اور کوئی تصرف اس مال میں نہیں کریں گے اور میں تو اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ کے صدقے میں کوئی تبدیلی وتغیر نہیں کروں گا، آپ کے زمانے میں اس کی جو کیفیت تھی اسی پر باقی رکھوں گا اور جس طرح آپ ﷺ کیا کرتے تھے میں بھی وہی کروں گا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اس میں کچھ دینے سے انکار کردیا، تو فاطمہ رضی اللہ عنہا اس وجہ سے آپ پر ناراض ہوگئیں، اور آپ سے کلام کرنا چھوڑ دیا، یہاں تک کہ وفات پاگئیں۔ [4] مذکورہ دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے، اس لیے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے علم کے مطابق یہ واقعہ بیان کیا ہے جب کہ شعبی کی روایت میں اس سے زیادہ معلومات ہیں، اس میں ابوبکر کی زیارت اور فاطمہ سے گفتگو نیز ان کی رضا مندی کا صراحتاً ثبوت ہے، پس عائشہ رضی اللہ عنہا کی

---

[1] السنن الکبریٰ / البیهقی (٦/ ٣٠١). [2] البدیة والنهایة (٥/ ٢٥٣).

[3] الانتصار للصحب و الآل ص (٤٣٤).

[4] صحیح البخاری، حدیث نمبر (٤٢٤٠)، صحیح مسلم (١٧٥).

حدیث میں نفی اور مزید معلومات سے خاموشی ہے، جب کہ شعبی کی روایت میں اثبات و مزید معلومات ہیں، لہٰذا علمائے اصول کے فن وضابطہ کے لحاظ سے اثبات کو نفی پر تقدم حاصل ہے۔ ایسا اس لیے کہ ممکن ہے ثابت کرنے والے کو ایسی بعض معلومات کا زیادہ علم ہو جو نفی کرنے والے کو نہیں ہے، خاص طور پر اس طرح کے مسئلہ میں، چنانچہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کا فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عیادت کے لیے جانا کوئی ایسا عظیم حادثہ نہ تھا کہ جس کا لوگوں میں چرچا ہونا ضروری ہو اور سب لوگ اس کو جان ہی لیں، بلکہ یہ ایک عام بات تھی جو موقع پر نہ رہنے والوں سے پوشیدہ ہو سکتی ہے، اور جو موقع پر حاضر تھے انھوں نے اس وقت اس پر خاص توجہ اس لیے نہ دی کہ اس کے ذکر کرنے کی کوئی اہم ضرورت نہ تھی، بہرحال علمائے اسلام و محققین کا ماننا ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے قصداً ابوبکر رضی اللہ عنہ سے قطع کلامی کبھی نہ کی، آپ کی ذات اس سے پاک صاف ہے، اس لیے کہ رسول ﷺ نے تین دن سے زیادہ کسی مسلمان سے قطع کلامی کو حرام قرار دیا ہے، سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے گفتگو اس لیے نہیں کی کہ انھیں ایسی کوئی ضرورت پیش نہ آئی۔ [1]

امام قرطبی، عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کی تشریح کے سیاق میں لکھتے ہیں: فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنی خانگی مشغولیت اور خانہ نشینی کی وجہ سے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے زیادہ دنوں تک ملاقات نہیں کر سکیں، اسی چیز کو راویوں نے ''ھجران'' قطع کلامی سے تعبیر کر دیا، ورنہ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

((لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثٍ .)) [2]

''کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ اپنے مسلمان بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑ دے۔''

سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بخوبی جانتی تھیں کہ تعلقات کی دنیا میں کیا حلال اور کیا حرام ہے، بھلا ان سے یہ توقع کیسے کی جاسکتی ہے کہ رسول ﷺ کے حکم کی مخالفت کریں گی، جب کہ وہ جگر گوشہ رسول اور خواتین جنت کی سردار ہیں۔ [3]

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''فاطمہ اور ابوبکر رضی اللہ عنہما کی قطع تعلقی کا جو ذکر ملتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ملاقات سے کھنچی کھنچی رہنے لگیں اور یہ انداز قطع تعلقی کی اس حرمت میں شامل نہیں ہے جس میں سلام و کلام بند ہو جاتا ہے، اور ملاقات کے وقت ایک دوسرے سے اعراض کیا جاتا ہے اور حدیث میں ''فَلَمْ تُكَلِّمْهُ'' کا مطلب یہ ہے کہ پھر وراثت کے سلسلے میں ان سے گفتگو نہ کی، یا دل میں کچھ خلش ہونے کے ناطے ابوبکر سے اپنی کسی ضرورت کا مطالبہ نہ کیا اور نہ ہی ملاقات کرنے کی ضرورت محسوس کی تا کہ گفتگو کا کوئی موقع نکلے۔ کہیں بھی اس طرح کی کوئی روایت نہیں ملتی کہ دونوں کی ملاقات ہوئی ہو اور ایک دوسرے کو سلام نہ کیا ہو، یا بات چیت نہ کی ہو، [4] بلکہ ان تمام باتوں سے ہٹ کر فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے والد محترم (محمد ﷺ) کی جدائی کا غم جھیل

---

[1] الانتصار للصحب و الآل ص (٤٣٤).

[2] صحيح البخاري، حديث نمبر (٦٠٧٧).

[3] المفهم / القرطبي (١٢/ ٧٣).

[4] شرح صحيح مسلم (١٢/ ٧٣).

رہی تھیں کیونکہ وہ مصیبت تمام مصائب پر بھاری تھی، اسی طرح آپ اپنی اس سخت بیماری سے پریشان تھیں جس نے آپ کو صاحب فراش بنا دیا تھا، آپ کسی بھی چھوٹے بڑے معاملہ میں شرکت کرنے سے مجبور تھیں، چہ جائے کہ خلیفۃ المسلمین سے ملاقات کرنے جاتیں جو کہ ہر وقت امت کے معاملات اور خاص طور پر اس وقت جنگ ارتداد کے مسائل میں مشغول اور الجھا ہوا تھا۔ مزید برآں نبی کریم ﷺ کی بشارت کے مطابق آپ اس حسین ترین لمحے کے انتظار میں تھیں جس کے بارے میں آپ ﷺ نے انھیں بتایا تھا کہ میرے اہل میں تم سب سے پہلے مجھ سے ملاقات کرو گی۔ [1] بھلا جو شخص فاطمہ رضی اللہ عنہا جیسا علم ویقین رکھتا ہو وہ امور دنیا کی اتنی پرواہ کیونکر کر سکتا ہے، علامہ عینی نے مہلب کا کتنا عمدہ قول نقل کیا ہے کہ کسی بھی راوی سے ایسی روایت نہیں ملتی کہ دونوں ملے ہوں اور ایک دوسرے سے سلام نہ کیا ہو، انھوں نے دیگر مشاغل سے کٹ کر اپنے گھر رہنے کو ترجیح دی جسے راوی نے "ھجران" قطع تعلقی سے تعبیر کر دیا۔ [2] حقیقت یہ ہے کہ ابوبکر صدیق اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے درمیان مضبوط اور خوشگوار تعلقات تھے، اس کی دلیل یہ ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیوی اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا ہی فاطمہ رضی اللہ عنہا کی جان لیوا بیماری میں ان کی عیادت اور تیمارداری کرتی تھیں اور ان کی زندگی کی آخری سانس تک ان کے ساتھ رہیں، انھیں غسل دلانے اور جنازہ تیار کرنے میں برابر شریک رہیں، علی رضی اللہ عنہ بذات خود فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عیادت تو کرتے ہی تھے لیکن اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا ان کی متعاون ہوتی تھیں، یہی وجہ تھی کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنی تکفین وتدفین اور جنازہ کے اعلان کے متعلق اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کو کچھ وصیتیں بھی کی تھیں اور اسماء نے ان پر عمل بھی کیا۔ [3] چنانچہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے کہا تھا کہ عورتوں کے جنازہ پر ڈالا جانے والا کپڑا جس سے عورت کی جسمانی ساخت نمایاں ہوتی ہے میں اسے ناپسند کرتی ہوں، اسماء نے کہا: اے دختر رسول ﷺ کیا میں آپ کو ایک ایسی چیز نہ دکھاؤں جو حبشہ والوں کے یہاں ہوتی ہے، پھر چند ہری ٹہنیاں منگوائیں اور اسے موڑ کر کمان دار تابوت بنا دیا، پھر اس کے اوپر چادر ڈال دیا، فاطمہ رضی اللہ عنہا اسے دیکھ کر کہنے لگیں، یہ کتنا عمدہ اور خوش نما ہے، اس سے عورتوں اور مردوں کے جنازے میں تمیز ہو جایا کرے گی۔ [4]

ابن عبدالبر رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا مسلمانوں میں پہلی وہ خاتون ہیں جن کی لاش کو لکڑی کے تابوت میں چادر سے ڈھانپا گیا پھر زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے ساتھ ایسا ہی ہوا۔

سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی غافل نہ تھے بلکہ علی رضی اللہ عنہ سے برابر دختر رسول کے حالات معلوم کرتے رہتے تھے، چنانچہ جب فاطمہ رضی اللہ عنہا بیمار ہوئیں تو علی رضی اللہ عنہ مسجد میں پانچوں وقت کی نماز پڑھنے آیا کرتے تھے، ایک دن نماز سے فارغ ہوئے تو ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما نے ان سے پوچھا: دختر رسول ﷺ کی طبیعت کیسی ہے؟ اسی طرح

[1] صحیح مسلم، حدیث نمبر (٢٤٥٠).
[2] أباطیل یجب أن تمحیٰ من التاریخ ص: (١٠٨).
[3] الشیعة وأهل البیت ص (٧٧).
[4] الاستیعاب (٤/ ٣٧٨).

خوشگوار تعلقات میں پائداری کو اس پہلو سے بھی دیکھا جاسکتا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ اسماء بنت عمیس ہی فاطمہ رضی اللہ عنہا کی حقیقت میں دیکھ بھال اور عیادت کرنے والی تھیں اور جس دن فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی اس دن پورا مدینہ مردوں وعورتوں کی آہ و بکا سے ہل گیا اور وفات نبوی کی طرح اس دن بھی سب لوگوں کے ہوش اڑ گئے۔ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما علی رضی اللہ عنہ کے پاس تعزیت میں یہ کہتے ہوئے تشریف لائے اے ابوالحسن: ہم لوگوں کے پہنچنے سے پہلے دختر رسول کی نماز جنازہ نہ پڑھ لینا۔ ❶

سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات ۳/رمضان ۱۱ھ بروز سہ شنبہ ہوئی، زین العابدین علی بن حسین سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: مغرب اور عشاء کے درمیان فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی، ان کے جنازے میں ابوبکر، عمر، عثمان، زبیر اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم تشریف لائے، جب جنازے کی نماز پڑھنے کا وقت ہوا تو علی رضی اللہ عنہ نے کہا: اے ابوبکر! آگے بڑھیں، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے ابوالحسن آپ کے ہوتے ہوئے؟ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں، اللہ کی قسم! آپ کے علاوہ کوئی دوسرا ان کی نماز جنازہ نہیں پڑھائے گا۔ چنانچہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی، اور رات کے وقت تدفین عمل میں آئی اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ پڑھائی، اور چار تکبیریں کہیں۔ ❷ اور صحیح مسلم کی روایت ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ پڑھائی اور یہی راجح روایت ہے۔ ❸

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کے موقع پر:

سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد، خلیفہ کے انتخاب کے لیے جن لوگوں سے صلاح مشورہ کیا تھا ان میں علی رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے اور ان کی رائے تھی کہ ابوبکر کے بعد عمر فاروق کو خلیفہ بنایا جائے۔ ❹ چنانچہ جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت ہوا اور موت سامنے آ کھڑی ہوئی تو آپ کی زبان مبارک سے اس دنیا میں جو آخری کلمات نکلے وہ اس قرآنی آیت کی تلاوت تھی:

﴿تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ ﴿١٠١﴾﴾ (یوسف: ۱۰۱)

''مجھے مسلمان ہونے کی حالت میں فوت کر اور مجھے نیک لوگوں کے ساتھ ملا دے۔''

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر سے پورا مدینہ تھرّا گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آہ و بکا میں ڈوبی ہوئی آج کی غمگین شام سے زیادہ تکلیف دہ لمحات مدینہ نے کبھی نہ دیکھے تھے۔ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ روتے ہوئے جلدی جلدی ((إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ)) پڑھتے ہوئے آگے بڑھے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر کے دروازے

❶ الشيعة وأهل البيت ص (۷۷) كتاب سليم بن قيس ص (۲۵۵).

❷ المختصر من كتاب الموافقة ص: (٦٨) اس حدیث کی سند میں ضعف ہے۔

❸ صحيح مسلم، حديث نمبر (۱۷۵۹).

❹ صفة الصفوة (۲/ ۱۰۹، ۱۱۰) مختصر الاثنا عشرية ص (۳٤).

پر کھڑے ہوکر کہنے لگے: اے ابوبکر! تم پر اللہ کی رحمت نازل ہو، تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب، مونس وغم خوار، معتمد راز دار اور مشیر تھے، تم مسلمانوں میں سب سے پہلے ایمان لائے، تمھارا ایمان سب سے زیادہ خالص اور تمھارا یقین سب سے زیادہ استوار تھا، تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والے اور سب سے بڑھ کر دین کو نفع پہنچانے والے تھے۔

(۲)......عہد فاروقی میں

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ حکومت فاروقی کی مجلس شوریٰ کے ایک نمایاں ممبر تھے، بلکہ اگر کہا جائے کہ آپ ہی مشیر اول تھے، تو کوئی بے جا نہ ہوگا۔ عمر رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت فقاہت، اور حکمت کے معترف تھے اور ان کے بارے میں بہترین رائے رکھتے، ان کے بارے میں عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے کہ ہم میں سب سے بہترین فیصلہ کرنے والے علی (رضی اللہ عنہ) ہیں۔ [1] ابن الجوزی لکھتے ہیں کہ ابوبکر وعمر دونوں ہی علی رضی اللہ عنہ سے مشورہ لیا کرتے تھے اور عمر بسا اوقات کہتے تھے:

''ایسے پیچیدہ معاملات سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں جسے ابوالحسن نہ حل کرسکیں۔'' [2]

مسروق کا بیان ہے: ''لوگ چھ آدمیوں کے پاس اپنے معاملات ومسائل لے جاتے تھے وہ عمر، علی، عبداللہ، ابوموسیٰ، زید بن ثابت اور اُبی بن کعب رضی اللہ عنہم اجمعین تھے'' اور کہا کہ ''میں نے اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو علم میں آزمایا تو معلوم ہوا کہ چھ لوگوں پر ان کے علوم کی انتہا ہے۔ وہ عمر، علی، عبداللہ، ابو درداء، اُبی بن کعب اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں، پھر ان چھ کے درمیان میں نے مقابلہ کیا تو دیکھا کہ صرف دو کے علم پر بقیہ لوگوں کے علم کی انتہا ہے، وہ علی اور عبداللہ رضی اللہ عنہما ہیں۔'' [3]

عدالتی معاملات

ا۔ایک پاگل عورت کا معاملہ:

ابی ظبیان جنبی سے روایت ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس ایک عورت پیش کی گئی جس نے زنا کرلیا تھا، آپ نے اسے رجم کرنے کا حکم دے دیا، لوگ اسے رجم کرنے جارہے تھے کہ راستے میں علی رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوگئی، آپ نے پوچھا: اس کا کیا معاملہ ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ اس نے زنا کیا ہے اور عمر رضی اللہ عنہ نے اسے رجم کرنے کا حکم دیا ہے، علی رضی اللہ عنہ نے عورت کو ان سے چھڑا لیا اور سب کو عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا، وہ سب واپس گئے تو عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا: کیوں لوٹ آئے؟ انھوں نے کہا: علی رضی اللہ عنہ نے ہمیں واپس لوٹا دیا ہے، عمر رضی اللہ عنہ نے سن کر کہا:

---

[1] الاستیعاب فی معرفة الأصحاب ص (۱۱۰۲) المعرفة والتاریخ (۱/ ۴۸۱).

[2] فضائل الصحابة، حدیث نمبر (۱۱۰۰) اس کی سند ضعیف ہے۔

[3] علل الحدیث ومعرفة الرجال / علی بن المدینی ص (۴۲، ۴۳) نیز صحیح البخاری، حدیث نمبر (۴۴۸۱) عبداللہ سے مراد ابن مسعود ہیں۔

ضرور کوئی بات ہے، تبھی علی نے ایسا کیا ہے، ورنہ ایسا نہ کرتے، پھر آپ نے علی رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا، آپ تشریف لائے آپ کے چہرہ پر ناراضی کے آثار تھے، عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا وجہ ہے، آپ نے ان لوگوں کو کیوں واپس کر دیا؟ آپ فرمایا: کیا آپ نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے نہیں سنا ہے:

((رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ: عَنِ النَّائِمِ حَتّٰی یَسْتَیْقَظَ وَعَنِ الصَّغِیْرِ حَتّٰی یَکْبَرَ، وَعَنِ الْمُبْتَلٰی حَتّٰی یَعْقِلَ.))

''تین قسم کے لوگ مرفوع القلم ہیں، سونے والا جب تک کہ بیدار نہ ہو جائے، بچہ، جب تک کہ بالغ نہ ہو جائے، پاگل، جب تک کہ اس کا دماغ صحیح نہ ہو جائے۔''

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کہا: ہاں میں نے سنا ہے، علی رضی اللہ عنہ نے کہا: تو یہ عورت فلاں قبیلہ کی پاگل ہے، ممکن ہے زانی نے ایسے وقت میں اس سے زنا کیا ہو جب اس کے ہوش وحواس صحیح نہ رہے ہوں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ تو معلوم نہیں ہے۔ پھر آپ نے اسے رجم نہ کیا۔ [1] عمر رضی اللہ عنہ نے پہلا فیصلہ اس بنا پر دیا تھا کہ آپ کو عورت کے جنون کا علم نہیں تھا۔

۲۔ غلطی پر ڈٹے نہ رہو سنت کی طرف رجوع کرو!

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک عورت لائی گئی جس کا نکاح دوران عدت کر دیا گیا تھا، آپ نے دونوں میں جدائی کر دی اور عورت کے مہر کو بیت المال میں یہ کہہ کر ڈال دیا کہ میں باطل نکاح پر مہر کو جائز نہیں سمجھتا، جاؤ تم دونوں کبھی آپس میں نکاح نہیں کر سکتے۔ جب علی رضی اللہ عنہ کو یہ فیصلہ معلوم ہوا تو کہنے لگے اگرچہ ان دونوں نے جہالت کی تھی، لیکن سنت یہ ہے کہ عورت کی شرم گاہ حلال کرنے کے بدلے اسے مہر دیا جائے اور دونوں میں عدت ختم ہونے تک جدائی کرا دی جائے، پھر وہی آدمی پیغام نکاح دینے والے دوسرے لوگوں کی طرح خود بھی پیغام نکاح دے سکتا ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر خطبہ دیا، اور کہا: غلطی پر ڈٹے نہ رہو، سنت کی طرف رجوع کرو اور پھر آپ نے خود علی رضی اللہ عنہ کی بات مان لی۔ [2]

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کئی مرتبہ علی رضی اللہ عنہ کو مدینہ پر اپنا نائب مقرر کیا:

الف:...... جنگ قادسیہ سے پہلے چشمہ ''صراء'' جاتے ہوئے

ب:...... جابیہ جاتے ہوئے

ج:...... ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو لے کر حج کو جاتے ہوئے

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ اور آل علی کا عمر رضی اللہ عنہ سے مخلصانہ تعلق

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ آل رسول (ﷺ) کی بہت عزت وتوقیر کرتے تھے اور انھیں اپنے بیٹوں و خاندان پر ترجیح

[1] مسند أحمد / الموسوعة الحدیثیة حدیث نمبر (۱۳۲۸) یہ حدیث صحیح لغیرہ ہے۔

[2] المغنی مع الشرح الکبیر (۱۱/ ۶۶، ۶۷).

دیتے تھے۔اس کی چند مثالیں قابل ذکر ہیں:

۱۔عبداللہ بن عمر کے مقابلے میں تم اجازت پانے کے زیادہ مستحق ہو:

حسین بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ مجھ سے ایک روز عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے میرے بیٹے! اگر تم ہمارے پاس بھی آیا کرتے اور مل لیا کرتے تو کتنا اچھا ہوتا، ایک روز میں آیا تو دیکھا کہ آپ معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تخلیہ میں ہیں اور ابن عمر دروازے پر تھے، ان کو اندر آنے کی اجازت نہیں دی گئی تھی، یہ دیکھ کر میں واپس آ گیا، پھر ایک دن عمر رضی اللہ عنہ کا سامنا ہوا تو انھوں نے فرمایا: بیٹے تم میرے پاس آئے نہیں؟ میں نے کہا: میں آیا تھا لیکن آپ معاویہ کے ساتھ تخلیہ میں تھے، میں نے دیکھا کہ ابن عمر واپس ہوگئے تو میں بھی لوٹ آیا۔عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم عبداللہ بن عمر سے زیادہ اجازت پانے کے مستحق ہو ہمارے دماغ میں ایمان کی جو تخم ریزی ہوئی وہ اللہ کا احسان ہے پھر تمھارے گھرانے کا فیض ہے، یہ کہہ کر آپ نے سر پر اپنا ہاتھ رکھا۔ ❶

۲۔وظیفہ دینے میں بنی ہاشم کو مقدم کرنا:

ابوجعفر سے روایت ہے کہ جب اللہ نے فتوحات کے دروازے کھول دیے تو عمر رضی اللہ عنہ نے ہر ایک کے لیے وظیفہ مقرر کرنے کا ارادہ کیا اور رائے مشورہ کے لیے کبار صحابہ کو جمع کیا، عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا: آپ اپنی ذات سے شروع کیجیے۔آپ نے کہا: ہرگز نہیں، اللہ کی قسم! اس سے شروع کروں گا جو رسول ﷺ سے زیادہ قریب ہوگا، اور بنو ہاشم سے شروع کروں گا، جو رسول ﷺ کا قبیلہ ہے، چنانچہ آپ نے پہلے عباس رضی اللہ عنہ کا پھر علی رضی اللہ عنہ کا حصہ مقرر کیا، یہاں تک کہ پانچ قبائل کو ترتیب سے مقرر کرتے رہے اور اخیر میں بنوعدی بن کعب تک پہنچے، ترتیب یوں رکھی گئی کہ بنو ہاشم میں جو لوگ بدر میں شریک تھے ان کے لیے عطیات مقرر کیے، پھر بنو امیہ بن عبد شمس میں جو لوگ بدر میں شریک تھے ان کے نام لکھے، جو زیادہ قریب تھا وہ پہلے پھر اس سے جو قریب تھا یعنی الاقرب فالاقرب، سب کے حصے مقرر کیے اور حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے لیے رسول ﷺ کے نزدیک مقام و مرتبہ اور قربت کی وجہ سے وظیفہ مقرر فرمایا۔ ❷

۳۔یہ چادر مجھے میرے بھائی اور دوست نے دی ہے:

ایک مرتبہ علی رضی اللہ عنہ عدنی چادر اوڑھ کر باہر نکلے اور کہا: مجھے یہ کپڑا میرے بھائی، میرے جگری دوست، میرے مخلص اور وفادار امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے دیا ہے۔ ❸ اور ابوالسفر سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ علی رضی اللہ عنہ کے پاس ان کی چادر لائی گئی جسے آپ زیادہ استعمال کرتے تھے، لوگوں نے آپ سے پوچھا: کیا بات ہے کہ آپ اس

---

❶ كنز العمّال (٧/ ١٠٥) الإصابة (١/ ١٣٣) المرتضى ص (١٨٧).

❷ الخراج / أبو يوسف (٢٤، ٥٢) المرتضىٰ ص (١٨٨).

❸ المختصر من كتاب الموافقة ص(١٤٠).

چادر کو زیادہ استعمال کرتے ہیں؟ آپ نے کہا: صحیح بات ہے، اسے مجھے میرے دوست اور مخلص بھائی عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے دی ہے، وہ اللہ کے خیر خواہ تھے تو اللہ نے ان کی خیر خواہی کی، پھر آپ رونے لگے۔ [1] (تفصیل ملاحظہ ہو، سیّدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، ص: ۲۵۹)

(۳)......عہد عثمانی میں

سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت پر علی رضی اللہ عنہ کی بیعت:

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی تدفین کے فوراً بعد شوریٰ کی منتخب کمیٹی اور اس کے اعلیٰ ممبران ام المومنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں جمع ہوئے اور بعض روایات کے مطابق ضحاک بن قیس کی بہن فاطمہ بنت قیس کے گھر جمع ہوئے تاکہ عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد مسلمانوں کی زندگی میں جو سب سے اہم معاملہ درپیش ہے، اسے حل کیا جائے تمام ممبران نے اپنی اپنی رائے نہایت وضاحت و تفصیل سے پیش کی، اور اللہ کے فضل سے جس نتیجہ پر پہنچے عوام وخواص سب نے اسے خوشی خوشی تسلیم کیا [2] مجلس شوریٰ کی کارروائی کی نگرانی اور خلیفہ کے انتخاب میں عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سب سے اہم کردار ادا کر رہے تھے۔ خلافت کی ذمہ داریاں کون سنبھالے گا اور مسلمانوں کے معاملات کی تدبیر وسیاست کون کرے گا، اس کے لیے عبدالرحمٰن بن عوف نے منظّم شورائیت کا واضح ترین نمونہ پیش کیا اور اپنی عظیم ذمہ داری کو بحسن وخوبی نبھانے کے لے نہایت صبر وضبط، جہد مسلسل اور حسن تدبیر سے کام لیا اور کامیاب ہوئے۔ [3] یقیناً جتنی جانفشانی اور مہارت سے آپ نے قافلۂ شوریٰ کی قیادت کی اس پر آپ قابل مبارکباد ہیں۔ [4]

شوریٰ سے متعلق رافضی دسیسہ کاریاں

اسلامی تاریخ میں بہت سی رافضی خرافات واباطیل درآئی ہیں، انھیں میں سے ایک مسئلہ انتخابِ عثمان رضی اللہ عنہ اور اس کے لیے شوریٰ کی کارروائی بھی ہے۔ مستشرقین نے حقیقت سے آنکھیں موند کر ان باطل روایات کو کافی اچھالا اور پروپیگنڈا کیا، بدقسمتی سے بہت سارے مورخین اور جدید مفکرین نے اس موضوع سے متعلق روایات کی چھان پھٹک نہیں کی، ان کی اسناد اور متول کی تحقیق نہیں کی۔ نتیجتاً ان روایات سے متاثر ہو گئے اور مسلمانوں میں غلط باتیں پھیل گئیں۔ رافضی مورخین نے شوریٰ اور خلافت کے لیے عثمان رضی اللہ عنہ کی نامزدگی کو خاص طور سے موضوع بحث بنایا اور اپنی من گھڑت وجھوٹی باتوں نیز خرافات وہفوات کو اس میں بھر دیا، بلکہ ان کے متعدد مولفین نے اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھی ہیں۔

---

[1] المصنف / ابن أبی شیبة (۱۲/ ۲۹) حدیث نمبر (۱۲۰۴۷) بحوالہ: الشریعة / الآجری (۵/ ۲۳۲۷) اس کی سند حسن ہے۔

[2] عثمان بن عفان / صادق عرجون ص (۶۲/ ۶۳)

[3] عثمان بن عفان (۷۰/ ۷۱).

[4] مجلة البحوث الإسلامیة / عدد (۱۰) ص (۲۵۵).

جیسے کہ ابومخنف نے ''کتاب الشوریٰ'' کے نام سے ایک کتاب لکھی، اسی طرح ابن عقدہ اور ابن بابویہ ❶ نے بھی کتابیں لکھیں اور ابن سعد نے مجلس شوریٰ، انتخاب عثمان اور منصب خلافت سنبھالنے کی تاریخ سے متعلق واقدی کی سند سے نو (۹) روایات نقل کی ہیں۔ ❷ اور ایک روایت عبیداللہ بن موسیٰ کی سند سے نقل کیا ہے۔ جس میں عمر رضی اللہ عنہ کے واقعہ شہادت، مجلس شوریٰ کے لیے چھ افراد کی نامزدگی، علی اور عثمان رضی اللہ عنہما میں سے جو بھی خلافت سنبھالے اسے خلافت کے متعلق نصیحت اور صہیب رومی رضی اللہ عنہ کے لیے اس سلسلہ میں وصیت کا تذکرہ ہے۔ ❸ بلاذری نے بھی مجلس شوریٰ اور بیعت عثمان کے واقعہ کو ابومخنف کی روایت سے نقل کیا ہے، ❹ اور ہشام کلبی سے ان میں سے بعض باتوں کو ابومخنف کے حوالے سے اور بعض کو خود اپنی سند سے، ❺ اور واقدی سے ❻ اور عبیداللہ بن موسیٰ ❼ سے روایت کیا ہے۔ طبری نے واقعہ شوریٰ کو نقل کرتے ہوئے جن چند روایات پر اعتماد کیا یہ ان میں ابو مخنف کی روایت شامل ہے۔ ❽ ابن ابی الحدید نے واقعہ شوریٰ کے کچھ حصے کو احمد بن عبدالعزیز الجوہری کی سند سے نقل کیا ہے، ❾ اور اشارہ کیا ہے کہ یہ واقدی کی کتاب ''الشوریٰ'' سے منقول ہے۔ ❿

یہ تمام تر روایات ان کے مختلف مکر وفریب اور سازشوں پر مشتمل ہیں جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہاں چند ایک کو بطور مثال ذکر کیا جا رہا ہے:

۱۔ خلیفۃ المسلمین کے انتخاب میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر جانب داری کی تہمت:

شیعی روایت، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر یہ تہمت لگاتی ہیں کہ انھوں نے خلیفہ کے انتخاب میں جانب داری سے کام لیا اور سیّدنا علی رضی اللہ عنہ اس مہم کی ذمہ داری عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو سونپے جانے سے مطمئن نہ تھے، چنانچہ ابومخنف اور ہشام کلبی اپنے باپ اور احمد الجوہری سے روایت کرتے ہیں کہ عمر (رضی اللہ عنہ) نے طرفین کے ووٹ برابر ہونے کی صورت میں جس طرف عبدالرحمٰن بن عوف ہوں اس کو ترجیح دی، اور علی کو بھی احساس ہوگیا کہ اب خلافت ان کے ہاتھوں میں آنے والی نہیں ہے، اس لیے کہ عبدالرحمٰن سسرالی قرابت داری کا لحاظ کریں گے اور عثمان رضی اللہ عنہ ہی کو ترجیح دیں گے۔ ❿

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے عثمان اور عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہما کے درمیان کسی بھی خاندانی قرابت یا رشتہ داری کی تردید کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں: سیّدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ کے نہ حقیقی بھائی تھے، نہ عم زاد بھائی تھے، اور نہ ہی ان کے قبیلہ کے تھے۔ ان کا تعلق بنوزہرہ سے تھا اور عثمان رضی اللہ عنہ کا تعلق بنوامیہ سے اور بنوزہرہ کا بنوامیہ کے مقابلے بنوہاشم کی طرف زیادہ میلان تھا، اس لیے کہ رسول ﷺ کا ننھال تھا، اور اسی قبیلہ سے عبدالرحمٰن بن عوف

---

❶ الذریعه الی تصانیف الشیعه (۱۴/ ۲۴۶) .
❷ الطبقات الکبریٰ / ابن سعد (۳/ ۶۳، ۶۷) .
❸ الطبقات الکبریٰ لابن سعد (۳/ ۶۳، ۶۷) .
❹، ❺، ❻ أنساب الأشراف ، (۵/ ۱۸، ۱۹) .
❻ أنساب الأشراف ، (۵/ ۶) .
❼ أثر التشیع علی الروایات التاریخیة ص (۳۲۱) .
❽ شرح نهج البلاغة (۹/ ۴۹، ۵، ۵۸) .
❾ شرح نهج البلاغة (۹/ ۱۵) .
❿ أثر التشیع علی الروایات التاریخیة ص (۳۲۲) .

اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما تھے، وہ سعد جن کے بارے میں رسول ﷺ نے فرمایا تھا:

((هذاخالي ، فليرني امرء خاله .)) ❶

''یہ میرے ماموں ہیں کوئی مجھے ان جیسا اپنا ماموں دکھائے۔''

دوسری بات یہ ہے کہ ان دونوں کے درمیان رشتہ مواخات کا بھی کوئی تصور درست نہیں، کیونکہ رسول ﷺ نے مہاجرین کا آپس میں، یا انصار کا آپس میں مواخات نہیں کرایا تھا بلکہ یہ مواخات مہاجرین اور انصار کے درمیان قائم ہوئی تھی، انھیں مہاجرین میں سے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ تھے جن کا رشتہ مواخات سعد بن ربیع انصاری رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا۔ ❷ یہ بات صحیح احادیث سے ثابت اور مشہور ہے اور اہل علم سے مخفی نہیں ہے۔ ❸

شیعی روایات نے دونوں حضرات میں سسرالی رشتہ کے حوالے سے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ پر جانب داری کی تہمت تو لگادی لیکن یہ مسلمہ حقیقت بھلا دیا کہ نسب وخاندان کا رشتہ، سسرالی رشتے سے کہیں زیادہ قوی اور بااثر ہوتا ہے، نیز اس پہلو پر غور نہیں کیا کہ دور اول کے مسلمانوں کے تعلقات کا مزاج کیا تھا؟ وہ بھول گئے کہ ان کے تعلقات کی بنیادیں خاندانی یا سسرالی قرابت داریاں نہ تھی، بلکہ اسلامی اخوت تھی اور عبدالرحمٰن بن عوف اور عثمان رضی اللہ عنہما کے درمیان سسرالی رشتے کی نوعیت بس اتنی تھی کہ ولید کی بہن ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط، عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں تھیں۔ ❹

۲۔ اموی پارٹی اور ہاشمی پارٹی:

ابومخنف کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بیعت کے دوران بنو ہاشم اور بنو امیہ کے درمیان بڑی ہنگامہ آرائی ہوئی۔ حالانکہ یہ بات قطعاً درست نہیں ہے اور نہ ہی کسی صحیح حتی کہ ضعیف روایت میں یہ وارد ہے۔ ❺ افسوس کی بات ہے کہ سند ومتن ہر اعتبار سے ان رافضی روایات کے بطلان اور اس کے برخلاف صحیح روایات کے ثبوت کے باوجود بعض مورخین اپنے بعض اعتراض ومقاصد کے پیش نظر ان شیعی روایات کے پیچھے دوڑ پڑے اور اپنے غلط تحلیل وتجزیہ کی بنیاد ان روایات پر رکھی اور یہ تاثر دیا کہ خلیفہ کے انتخاب کے لیے صحابہ کرام کی ترجیحات اور مشورے میں خاندانی وقبائلی رنگ غالب تھا۔ وہ دو پارٹیوں میں تقسیم ہو گئے تھے، ایک اموی پارٹی اور دوسری ہاشمی پارٹی۔ حالانکہ یہ ایک وہمی تصور اور مردود استنتاج ہے، جس کی کوئی دلیل نہیں ہے، اس لیے کہ یہ بات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس ماحول ومزاج سے ہرگز میل نہیں کھاتی جس میں وہ زندگی گزار رہے تھے جس کا طرۂ امتیاز یہ تھا محض اسلام کی خاطر مہاجرین وانصار اپنے باپ، بھائی اور خاندان کے خلاف شانہ بہ شانہ کھڑے ہو جاتے تھے، یہ بات ان کے ذہن و

❶ صحيح سنن الترمذي (٣/ ٢٢٠) حديث نمبر (٤٠١٨).

❷ صحيح البخاري ، حديث نمبر (٣٧٨٠). ❸ منهاج السنة النبوية (٦/ ٢٧١ ، ٢٧٢).

❹ الطبقات الكبرىٰ (٣/ ١٢٧). ❺ مرويات أبي مخنف في تاريخ الطبري ص (١٧٧ ، ١٧٨).

دماغ میں بھی نہ آئی ہوگی، اور کیونکر آتی، جب کہ سارا مال ومتاع اپنے دین کی حفاظت کے لیے قربان کر دیے تھے اور نہ ہی یہ تصور ان چیدہ وچنیدہ جنت کی بشارت یاب شخصیات کی صحیح معرفت سے میل کھاتا ہے، ان کی زندگی کے بہت سارے واقعات اس بات پر گواہ ہیں کہ یہ لوگ اپنے پیچیدہ ومشکل ترین مسائل کو حل کرنے کے لیے اس تنگ نظری سے کہیں زیادہ بڑھ کر سوچتے اور عمل کرتے تھے۔ پس یہ واقعہ کسی خاندانی یا قبائلی انتخاب کی طرح اپنے اپنے قبیلے کی نمائندگی کا ہرگز نہیں تھا، بلکہ اسلام میں بلند رتبہ ہونے کی وجہ سے یہ لوگ شوریٰ کے سب سے زیادہ اہل اور مستحق قرار پائے تھے۔ [1]

۳۔ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کردہ تہمتیں اور جھوٹی باتیں:

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ابن جریر وغیرہ بہت سارے مورخین کا متعدد مجہول روایوں کے حوالے سے یہ لکھنا کہ علی رضی اللہ عنہ عبدالرحمٰن بن عوف (رضی اللہ عنہ) سے کہا کہ تم نے مجھے دھوکا دیا اور عثمان کو اس لیے ترجیح دی کہ وہ تمھارے سسرالی رشتے کے ہیں اور ہر روز اپنے معاملات میں تم سے مشورہ لیں گے اور پھر آپ (علی رضی اللہ عنہ) نے بیعت کرنے میں توقف کیا، یہاں تک کہ عبدالرحمٰن کو اس آیت کریمہ کا سہارا لینا پڑا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ ۚ فَمَن نَّكَثَ فَإِنَّمَا يَنكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهِ ۖ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللَّهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿١٠﴾﴾

(الفتح: ۱۰)

''بے شک وہ لوگ جو تجھ سے بیعت کرتے ہیں وہ درحقیقت اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں، اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے، پھر جس نے عہد توڑا تو درحقیقت وہ اپنی ہی جان پر عہد توڑتا ہے اور جس نے وہ بات پوری کی جس پر اس نے اللہ سے عہد کیا تھا تو وہ اسے جلد ہی بہت بڑا اجر دے گا۔''

یہ اور اس طرح کی دوسری روایات جو صحیح احادیث کے خلاف ہیں، ان کے قائلین اور نقل کرنے والے مردود ہیں، واللہ اعلم۔ صحابہ کرام کے بارے ہمارا علم وعقیدہ ان روافض اور قصہ گو احمقوں کی توہمات سے بالکل پاک ہے جن کے یہاں صحیح اور ضعیف، درست اور غلط کی کوئی تمیز نہیں ہے۔'' [2]

سیّدنا عثمان اور جناب علی رضی اللہ عنہما کے مابین تفاضل:

اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ جس نے استحقاق خلافت میں علی رضی اللہ عنہ کو ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما پر مقدم کیا وہ گمراہ اور بدعتی ہے، اور جس نے علی کو عثمان رضی اللہ عنہ پر مقدم کیا وہ گمراہ اور مبتدع تو نہیں لیکن غلطی پر ضرور ہے۔ [3] اگرچہ بعض علماء

[1] الخلفاء الراشدون امین القضاۃ ص (۷۸، ۷۹).
[2] البدایۃ والنہایۃ (۷/ ۱۵۲).
[3] مجموع الفتاویٰ (۳/ ۱۰۱/ ۱۰۲).

نے علی کو عثمان پر ترجیح دینے والوں کے خلاف سخت نکیر کی ہے، اور یہاں تک لکھا ہے کہ جس نے استحقاق خلافت میں علی رضی اللہ عنہ کو عثمان رضی اللہ عنہ پر ترجیح دی گویا اس کا زعم یہ ہے کہ اصحاب رسول ﷺ نے عثمان رضی اللہ عنہ کو علی رضی اللہ عنہ پر مقدم کر کے امانت الٰہی میں خیانت کی ہے۔ [1]

ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اہل سنت اس بات پر متفق ہیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ، سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر مقدم ہیں۔ عثمان وعلی (رضی اللہ عنہما) کو ایک دوسرے پر ترجیح دینے کا مسئلہ ان اصولی مسائل میں سے نہیں ہے جن کی مخالفت کرنے والوں کو جمہور اہل سنت کے نزدیک گمراہ قرار دیا جاتا ہے، البتہ استحقاق خلافت کے مسئلہ میں علی رضی اللہ عنہ کو عثمان رضی اللہ عنہ پر ترجیح دینے والوں کو ضرور گمراہ کہتے ہیں۔ ان کا ایمان وعقیدہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے بعد بالترتیب ابوبکر، پھر عمر پھر عثمان، پھر علی رضی اللہ عنہم اجمعین خلیفہ ہیں، اگر کوئی شخص ان ائمہ کرام میں سے کسی کی خلافت پر اعتراض کرتا ہے تو اپنے گدھے سے بھی زیادہ احمق ہے۔'' [2]

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ علی رضی اللہ عنہ پر عثمان (رضی اللہ عنہ) کی فضیلت کے مسئلہ میں علما کے اقوال نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''اس مسئلہ میں دو قول ہیں، ایک یہ کہ علی رضی اللہ عنہ کو عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت دینا اور انھیں مقدم جاننا جائز نہیں ہے۔ جو شخص ایسا کرتا ہے وہ سنت سے خارج ہو کر بدعت میں گرفتار ہو جاتا ہے، کیونکہ وہ اجماع صحابہ کا مخالف ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ جس نے علی رضی اللہ عنہ کو عثمان رضی اللہ عنہ پر مقدم کیا اس نے مہاجرین اور انصار دونوں پر تہمت لگائی۔ کئی ایک حضرات کا یہی مسلک ہے۔ انھیں میں سے ایوب سختیانی، احمد بن حنبل اور دارقطنی رحمہم اللہ ہیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ جس نے علی رضی اللہ عنہ کو عثمان رضی اللہ عنہ پر مقدم کیا اسے بدعتی نہیں کہا جائے گا اس لیے کہ دونوں کے احوال ومناقب تقریباً ملتے جلتے ہیں۔ [3]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں علی رضی اللہ عنہ بحیثیت مشیر اور حدود نافذ کرنے والے

ا۔ عہد عثمانی میں حدود کی تنفیذ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے حوالے:

حصین بن منذر کا بیان ہے کہ میں عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس تھا، ولید رضی اللہ عنہ پکڑ کر لائے گئے، دو آدمیوں نے ان کے خلاف گواہی دی کہ انھوں نے شراب پیا ہے، گواہی دینے والوں میں ایک حمران بھی تھے اور دوسرے

[1] حقبة من التاریخ / عثمان الخمیس ص (٦٦). [2] مجموع الفتاویٰ (٣/ ١٠١/ ٢٠١).

[3] مجموع الفتاویٰ (٤/ ٢٦٧) لیکن قول اول ہی راجح ہے کیونکہ اجماع صحابہ حجت شرعی ہے اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ((كُنَّا فِي زَمَنِ الْأَرْضِ لَا تَعْدِلُ بِأَبِي بَكْرٍ أَحَدًا ، ثُمَّ عُمَرُ ثُمَّ عُثْمَانُ ثُمَّ نَتْرُكُ أَصْحَابُ النَّبِيِّ ﷺ لَا نُفَاضِلُ بَيْنَهُمْ .)) (البخاری/ فضائل الصحابة (٣٦٩٧) ''ہم ابوبکر کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے تھے پھر عمر اور پھر عثمان اور پھر ان کے بعد صحابہ کے درمیان ایک کو دوسرے پر فوقیت نہیں دیتے تھے۔'' سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ فضیلت وخلافت دونوں میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر فوقیت رکھتے ہیں۔ (مترجم)

نے گواہی دی کہ میں نے اس کو شراب کی قیکرتے ہوئے دیکھا ہے۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے گواہی لینے کے بعد کہا: اگر شراب نہ پی ہوتی تو شراب کی قے کیوں کرتا، لہٰذا اے علی! اٹھو اور اسے کوڑے لگاؤ اور علی رضی اللہ عنہ نے حسن سے کہا، اے حسن! تم اٹھو اور کوڑے لگاؤ، تو حسن رضی اللہ عنہ کہنے لگے: حکومت کی آسائشوں سے جو شخص لطف اندوز ہو مشکلات بھی اسی کے سپرد کرو، گویا انھوں نے اپنی ناراضی کا اظہار کیا، پھر علی رضی اللہ عنہ کہا: اے عبداللہ بن جعفر! اٹھو اور اسے کوڑے لگاؤ، چنانچہ انھوں نے کوڑے مارے اور علی رضی اللہ عنہ انھیں شمار کرتے رہے، جب وہ چالیس کوڑے لگا چکے تو علی رضی اللہ عنہ نے کہا: رک جاؤ، اور پھر فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر نے چالیس، چالیس کوڑے لگائے ہیں اور عمر رضی اللہ عنہ نے اسّی کوڑے لگوائے اور یہ سب سنت ہے، لیکن میں چالیس ہی کو پسند کرتا ہوں۔ [1]

۲۔ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کا عثمان رضی اللہ عنہ کو یہ مشورہ کہ لوگوں کو ایک قراءت پر جمع کردو:

سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے مہاجرین وانصار کو جمع کیا اور لوگوں کو ایک قراءت کا پابند بنانے کے لیے ان سے مشورہ کیا، ان میں ممتاز صحابہ شریک تھے اور سب سے پیش پیش علی رضی اللہ عنہ تھے۔

واضح رہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے مصحف قرآنی کو جمع کر کے دین میں کوئی بدعت ایجاد نہیں کی۔ ایسا آپ سے پہلے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی کر چکے تھے، نیز آپ نے تنہا اپنی مرضی سے یہ کام نہیں کیا بلکہ اعیان صحابہ سے اس سلسلے میں مشورہ کیا اور سب کو یہ چیز پسند آئی اور اپنی خوشی کا اظہار انھوں نے یہ کہتے ہوئے کیا کہ آپ نے کیسی اچھی بات سوچی اور کتنا عمدہ کام کیا۔ [2]

جس وقت عثمان رضی اللہ عنہ قرآن کے مختلف شخصی تیار کردہ نسخوں کو جلا رہے تھے اس وقت مصعب بن سعد صحابہ کے ساتھ تھے، آپ نے دیکھا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے اس کام سے صحابہ کرام بہت خوش تھے۔ [3] اور اس کام پر علی رضی اللہ عنہ جب کسی کو عثمان رضی اللہ عنہ پر عیب لگاتے ہوئے سنتے تو کہتے: اے لوگو! عثمان کے سلسلہ میں تم انتہا پسندی کے شکار نہ ہو جاؤ، ان کے حق میں بھلی ہی بات کہو، مصاحف قرآن کے ساتھ انھوں نے جو کچھ کیا ہم سب پوری جماعت کے سامنے کیا، میں خلیفہ ہوتا تو میں بھی وہی کرتا جو انھوں نے کیا۔ [4]

شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے فتنہ میں سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کا موقف

سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی سازش میں دشمنان اسلام نے عوام الناس کو بھڑکانے والے اسلوب و وسائل کو استعمال کیا، یعنی افواہوں کا بازار گرم کیا اور پروپیگنڈائی آوازیں معاشرہ میں گونجنے لگیں، عوام الناس کے سامنے

---

[1] شرح النووی علی صحیح مسلم / الحدود (۱۱/ ۲۱٦).
[2] فتنہ مقتل عثمان (۱/ ۷۸).
[3] التاریخ الصغیر / البخاری ۱/ ۹٤) اس کی سند حسن لغیرہ ہے۔
[4] فتح الباری (۹/ ۱۸) اس کی سند صحیح ہے۔

جواب دہی کے لیے خلیفۂ وقت سے مناظرہ اور مجادلہ کیا گیا اور شرپسندوں کو اس پر ابھارا گیا، دیگر حکام اور گورنران ریاست کو طعن و تشنیع کا ہدف بنایا گیا، عائشہ، علی، طلحہ، اور زبیر (رضی اللہ عنہم) کی طرف جھوٹے خطوط اور غلط تحریریں منسوب کی گئیں اور یہ بات عام کی گئی کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ خلافت کے زیادہ مستحق تھے، وہی اللہ کے رسول ﷺ کے وصی ہیں، نیز بصرہ، کوفہ اور مصر میں ہر جگہ سے لوگوں کے چار چار ٹولیاں بنائی گئیں جو اس بات کی دلیل ہے کہ پہلے سے منظّم تیاری کی جا چکی تھی اور شورش پسندوں نے مدینہ والوں کو اس دھوکا میں رکھا کہ ہم لوگ صحابہ کی دعوت پر یہاں آئے ہیں۔ پھر انھوں نے زینہ بہ زینہ ایک ایک منصوبہ انجام دیا یہاں تک کہ نتیجہ عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی شکل میں ظاہر ہوا۔ [1]

ا۔ شورش کے آغاز میں علی رضی اللہ عنہ کا موقف:

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ عثمان رضی اللہ عنہ عہد میں بھی دیگر خلفاء کی طرح اپنے معروف و معہود طرزِ عمل پر قائم رہے۔ یعنی سمع و طاعت کا مظاہرہ کیا، مشورہ اور خیر خواہی کو مقدم رکھا، آپ نے عثمان رضی اللہ عنہ کی اطاعت، اور ان کے حکم کی بصد شوق پابندی کا اظہار نہایت عمدہ الفاظ میں کیا اگرچہ انھیں بجالانا گراں ہی کیوں نہ ہو: ''اگر عثمان رضی اللہ عنہ چشمہ صرار تک جانے کو کہیں تو میں اسے سننے اور ماننے کے لیے تیار ہوں۔'' [2]

اور عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے تقریباً ڈیڑھ مہینا قبل جب شرپسندوں کا گروہ ذوالمروہ پہنچا تو عثمان رضی اللہ عنہ نے علی رضی اللہ عنہ اور ایک دوسرے شخص کو جس کا نام روایات میں مذکور نہیں ہے، ان کے پاس بھیجا، علی رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: اللہ کی کتاب کے حوالے سے فیصلہ ہوگا اور تمھاری ناراضی کے اسباب پر غور کیا جائے گا۔ اس پر انھوں نے اپنی موافقت کا اظہار کیا۔ [3] اور ایک روایت میں ہے کہ دو، تین مرتبہ علی رضی اللہ عنہ اور ان کے درمیان تلخ کلامی بھی ہوئی، پھر سب کہنے لگے، یہ رسول ﷺ کے چچا زاد بھائی ہیں، اور امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کے قاصد بن کر آئے ہیں، اللہ کی کتاب کا حوالہ دیتے ہیں، ان کی باتیں مان لو پھر انھوں نے ان کی باتیں مان لیں۔ [4] چنانچہ وہ لوگ اپنے پانچ مطالبات پر صلح کرنے کے لیے آمادہ ہوئے:

۱: جو ملک بدر کر دیے گئے ہیں انھیں واپس لایا جائے۔

۲: جنھیں سرکاری خزانہ سے کوئی عطیہ نہیں دیا گیا ہے، انھیں عطیہ دیا جائے۔

۳: اور مالِ فے کو ان کے مستحقین تک پورا پورا پہنچایا جائے۔

۴: وظائف کی تقسیم میں عدل و انصاف سے کام لیا جائے۔

---

[1] دارسات فی عهد النبوة والخلافة الراشده ص (٤٠١). [2] مصنف ابن أبی شیبة (١٥/ ٢٢٥) اس کی سند صحیح ہے۔

[3] تاریخ دمشق ترجمه عثمان ص (٣٢٨) تاریخ خلیفه بن خیاط ص (١٦٩).

[4] فتنة مقتل عثمان (١/ ١٢٩).

:۵ اور امانت دار و طاقتور لوگوں کو ریاستوں کا گورنر مقرر کیا جائے۔

ان مطالبات کو کتابی شکل میں تحریر کرنے کے بعد یہ بھی لکھا کہ ابن عامر رضی اللہ عنہ کو دوبارہ بصرہ کا گورنر بنا کر بھیجا جائے اور ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا گورنر رہنے دیا جائے۔[1] بہرحال عثمان رضی اللہ عنہ نے شرپسندوں کی تمام ٹولیوں سے الگ الگ مل کر ان کے مطالبات تسلیم کر لیے، اور سب اپنے گھروں کو واپس لوٹ گئے۔[2] جب ان کے مطالبات تسلیم کر لیے گئے اور سب خوشی خوشی اپنے گھروں کو واپس لوٹ گئے تو شورش پسندوں کو اندازہ ہو گیا کہ اب ہمارا منصوبہ ناکام ہو چکا ہے، اور ہمارے عزائم پورے ہونے والے نہیں ہیں، چنانچہ فتنہ کی آگ بھڑکانے اور مصالحت کے نتائج کو بیخ و بن سے اکھاڑنے کے لیے انھوں نے ایک دوسری سازش رچائی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ مصری جب اپنے ملک واپس جا رہے تھے تو راستے میں انھیں ایک اونٹ سوار ملا، جو کبھی اس قافلہ کے بہت قریب ہوتا اور کبھی ان سے بہت دور چلا جاتا ہے، گویا وہ اشارہ دے رہا تھا کہ مجھے گرفتار کر لو، چنانچہ مصری قافلے نے اسے گرفتار کر لیا، اور پوچھا کہ تم کون ہو؟ اس نے کہا: میں امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کا ایلچی ہوں اور ان کے گورنر کے پاس جا رہا ہوں، انھوں نے قاصد کی تلاشی لی اور اس سے ایک خط دستیاب کیا جس میں عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے گورنر کو یہ ہدایت تھی کہ اس وفد کے شرکاء کو پھانسی دے دو یا قتل کر دو یا ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دو، مصری گروہ نے جب یہ خط دیکھا تو مدینہ واپس لوٹ آئے۔[3] ادھر عثمان رضی اللہ عنہ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے اس سے لاعلمی ظاہر کی، اور ان سے کہا کہ دو ہی شکلوں میں تمھاری باتوں کو صحیح مانا جا سکتا ہے، مسلمانوں کی گواہی پیش کرو، یا اللہ واحد کی قسم کھاؤ کہ جس کے علاوہ کوئی معبود حقیقی نہیں، پھر کہا: میں نے ایسا کوئی خط نہیں لکھا ہے نہ لکھوایا ہے، اور نہ ہی مجھے اس کا علم ہے، لکھنے والے کبھی کبھی دوسرے کی طرف منسوب کر کے خط لکھ دیتے ہیں اور اس پر نقلی مہر لگا دیتے ہیں۔[4] لیکن انھوں نے بد باطنی کی وجہ سے آپ کی بات نہ مانی حالانکہ آپ سچے اور پرہیزگار تھے۔ حقیقی بات یہ ہے کہ جس خط کے بارے میں ان باغیوں اور شرپسندوں نے یہ شور کیا کہ وہ عثمان رضی اللہ عنہ کا خط تھا، اس پر ان کی مہر لگی تھی، اور وہ صدقہ کے اونٹ پر سوار ہو کر جا رہا تھا، اور اس خط میں عثمان رضی اللہ عنہ نے مصر کی باغی جماعت کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا یہ سب جھوٹ اور کھلا ہوا بہتان ہے جسے عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔[5] اور اس کی دلیل یہ ہے کہ مصالحت کے بعد عراقیوں کی ٹولی اپنے ملک کی طرف روانہ ہو چکی تھی اور مصریوں کی جس ٹولی نے وہ خط پکڑا تھا، اس کے اور عراقیوں کی ٹولی میں بہت طویل فاصلہ ہو چکا تھا، دونوں کا الگ الگ راستہ تھا، عراقی مشرق میں جا رہے تھے اور مصری مغرب میں، اس کے باوجود یہ کیسے ممکن ہوا کہ دونوں ٹولیاں ایک ساتھ مدینہ واپس آ گئیں، جیسے کہ

---

[1] فتنة مقتل عثمان (۱/ ۱۲۹). [2] ایضًا
[3] تاریخ طبری (۵/ ۳۷۹). [4] فتنة مقتل عثمان (۱/ ۱۳۲) البدایه و النهایة (۷/ ۱۹۱).
[5] تیسیر الکریم المنان فی سیره عثمان بن عفان / الصلابی، ص (۴۱۰).

دونوں نے ایک مقررہ وقت پر ملنے کا وعدہ کر رکھا ہو؟ یہ بات ہرگز سمجھ میں نہیں آتی؟ لہٰذا یہ ماننا ہوگا کہ جن لوگوں نے جعلی خط تیار کیا تھا اور کرائے پر ایلچی مقرر کیا تھا، کہ وہ خط لے کر جائے اور مقام بویب پر پہنچ کر مصریوں کے سامنے اپنا کردار نبھائے انھی لوگوں نے ایک شہ سوار کو کرائے پر طے کیا تھا کہ وہ عراقیوں کو جا کر بتا دے کے مصریوں نے عثمان کا ایک خط پکڑا ہے جس میں انھوں نے مصری باغیوں کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہی بات قرین قیاس ہے، اور اسی کو علی رضی اللہ عنہ نے دلیل بناتے ہوئے ان سے پوچھا: اے کوفہ والو! اے بصرہ والو! تمھیں مصریوں کا یہ واقعہ کیسے معلوم ہوا؟ حالانکہ تم اپنے سفر کے کئی منازل طے کر چکے تھے اور پھر ہماری طرف لوٹ آئے، علی رضی اللہ عنہ نے صرف قیاس ہی پر اکتفا نہ کیا بلکہ پورے وثوق و یقین سے کہا: اللہ کی قسم! اس معاملے کے تانے بانے مدینہ میں تیار کیے گئے ہیں۔ ❶

درحقیقت یہ زہر آلود جعلی خط ایسا نہیں تھا جسے ان مجرموں نے پہلی مرتبہ لکھا ہے، بلکہ اس سے پہلے امہات المومنین، علی، طلحہ، اور زبیر رضی اللہ عنہم اجمعین وغیرہ کی طرف جھوٹے وجعلی خطوط ان لوگوں نے منسوب کیے تھے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی کہ انھوں نے لوگوں کو خط لکھ عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت پر ابھارا، لیکن عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کی تردید کی اور کہا: قسم ہے اس ذات واحد کی جس پر مومن ایمان لائے، اور کفر کرنے والوں نے کفر کیا میں نے ان کے نام کسی سفید ورق پر روشنائی نہیں چلائی ہے یہاں تک کہ آج یہاں آ بیٹھی۔ ❷ اعمش بھی اس واقعہ کا تعاقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں: لوگ سمجھتے تھے کہ اسے عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف جعلی طور سے منسوب کیا گیا ہے۔ ❸ اسی طرح باغیوں کی ان ٹولیوں نے علی رضی اللہ عنہ پر بھی تہمت لگائی کہ انھوں نے ہمیں خط لکھ کر ہمیں مدینہ بلایا تھا، پھر علی رضی اللہ عنہ نے بھی ان کی تردید کی، قسم کھا کر کہا: اللہ کی قسم کھاتا ہوں میں نے تمھارے نام کوئی خط نہیں لکھا۔ ❹ نیز انھوں نے دیگر کئی صحابہ پر یہ تہمت لگائیں کہ انھوں نے ہمارے نام یہ خط لکھ کر بلایا تھا کہ محمد (ﷺ) کا دین بگڑ چکا ہے، اس پر عمل نہیں ہو رہا ہے اور مدینہ میں جہاد کرنا، دور دراز ملکی سرحدوں کی حفاظت سے بہتر ہے۔ ❺

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ ان روایات کا تجزیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''یہ سب باتیں صحابہ کرام پر تہمتیں ہیں، جھوٹے اور جعلی خطوط ان کی طرف منسوب کر دیے گئے ہیں، قاتلین عثمان یعنی خوارج کے نام علی، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم کے خطوط منسوب کیے جاتے ہیں، جو یکسر جھوٹ ہیں اور ان پاکیزہ نفوس نے ان کی تردید بھی کر دی ہے خود عثمان کی طرف یہ جعلی اور جھوٹا خط منسوب کیا گیا ہے، حالانکہ آپ نے نہ اسے لکھوایا اور نہ ہی آپ کو اس کا علم تھا۔'' ❻

❶ تاریخ طبری (۵/ ۳۵۹)۔
❷ تحقیق مواقف الصحابة (۱/ ۳۳۴)۔
❸ تاریخ خلیفه بن خیاط ص (۱۶۹)۔
❹ البدایه و النهایة (۷/ ۱۹۱) تحقیق مواقف الصحابة (۱/ ۳۳۵)۔
❺ البدایه و النهایة (۷/ ۱۷۵) تحقیق مواقف الصحابة (۱/ ۳۳۵)۔
❻ البدایه و النهایة (۷/ ۱۷۵)۔

واقعہ یہ ہے کہ جن ناپاک اور مجرم ہاتھوں نے ان صحابہ کی طرف جھوٹ، جعلی خطوط کو منسوب کیا تھا، انھیں ہاتھوں نے اول سے آخر تک فتنوں کی آگ لگائی اور فساد وتخریب کا جال بچھا دیا، اور انھیں نجس روحوں نے عثمان رضی اللہ عنہ پر تہمتوں کی بوچھاڑ کی کہ انھوں نے یہ غلط کیا، اور یہ غلط کیا، لوگوں میں یہی پروپیگنڈا کیا اور عوام الناس نے اسے سچ جان لیا اور پھر اس جعلی خط کو عثمان رضی اللہ عنہ سے جوڑ دیا، تاکہ عثمان رضی اللہ عنہ شہادت کی چوکھٹ پر سر کٹا کر اپنے رب سے سرخ رو ہوکر جا ملیں۔ عثمان رضی اللہ عنہ اس سبائی یہودی سازش میں تنہا مظلوم نہیں ہیں بلکہ خود اسلام ان سے پہلے مظلوم ہے، صرف اتنا ہی نہیں، بلکہ ہماری محرف اسلامی تاریخ اور اسے پڑھنے اور ماننے والی امت مسلمہ ان مظلومین میں سے ہے جن پر اس خبیث یہودی اور اس کے ہم فطرت اعوان و انصار نے بڑا ستم ڈھایا ہے۔ پس کیا امت مسلمہ کی نئی نسلوں کے لیے وہ وقت ابھی نہیں آیا جس میں وہ اپنی سچی و حقیقی تاریخ اور اس کی سرکردہ ہستیوں کو اچھی طرح پہچان سکیں؟ بلکہ کیا اس دور کے مسلمان ادباء و مورخین اب بھی اس بات سے خبردار نہ ہوں گے کہ اللہ سے خوف کھائیں اور تحقیق سے قبل امت کے پاک نفوس (صحابہ کرام) پر انگلی نہ اٹھائیں تاکہ غیروں کی طرح یہ بھی ضلالت کے گڈھے میں نہ جا گریں۔ [1]

۲۔ محاصرہ کے دوران سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کا موقف:

سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کا محاصرہ سخت ہوگیا اور اتنا سخت کہ آپ کو مسجد میں نماز کے لیے جانے سے روک دیا گیا، لیکن آپ فرمان رسول ﷺ کی تعمیل کرتے ہوئے اس مصیبت پر صبر کرتے رہے اور قضاء وقدر پر ایمان رکھنے کے ساتھ یہ کوشش کرتے رہے کہ اس مصیبت اور تشویشناک صورتِ حال کا حل نکالا جائے، اسی لیے آپ نے کبھی مسلمانوں کے خون کی حرمت کے موضوع پر خطبہ دیا اور بتایا کہ اسلام کے حق کے علاوہ کسی بھی شکل میں مسلمان کا خون بہانا حرام ہے اور کبھی لوگوں میں اٹھتے بیٹھتے ان سے اپنے فضائل کا تذکرہ کرتے، اپنی اسلامی خدمات کا ذکر چھیڑتے، اور عشرہ مبشرہ میں سے جو باحیات تھے ان کو اس پر گواہ بناتے۔ [2] گویا یہ اشارہ دیتے کہ جس شخص کا ماضی اتنا بہترین ہو اور جس کی اتنی فضیلت ہو کیا اس کے بارے میں یہ تصور کیا جاسکتا ہے کہ وہ دنیا کا شدید لالچی ہوگا اور اسے آخرت پر ترجیح دے گا؟ اور کیا عقل میں یہ بات آتی ہے کہ وہ امانت میں خیانت کرے گا اور امت کے اموال وخون سے اس طرح کھلواڑ کرے گا؟ جب کہ اسے اچھی طرح معلوم ہے کہ اللہ کے یہاں اس کا انجام کتنا برا ہے اور اس نے نبی کریم ﷺ کے سامنے تربیت پائی ہے آپ نے اسے جنت کی بشارت دی ہے اور آپ ﷺ کے ساتھ دوسرے افاضل صحابہ نے بھی اس کا تزکیہ کیا ہے، کیا وہ اس طرح کرسکتا ہے؟ تاہم بغاوت کی گرفت مدینہ پر اتنی سخت ہوگئی کہ باغیوں ہی نے اکثر نمازوں میں امامت کرنا شروع کردی۔ [3] اور جب صحابہ

---

[1] عثمان بن عفان الخلیفة الشاکر الصابر ص (۲۲۸/ ۲۲۹).

[2] خلافة علی بن أبی طالب / عبدالحمید علی، ص (۸۵).

[3] سیر أعلام النبلاء (۳/ ۵۱۵).

کے سامنے حقیقت عیاں ہونے لگی اور سمجھ گئے کہ ہم سے غلط فہمی ہوئی اور یہ خدشہ ہونے لگا کہ کہیں ناخوشگوار حادثہ نہ پیش آ جائے، کیونکہ انھیں دور نزدیک سے یہ اطلاع ہو چکی تھی کہ یہ بغاوت کرنے والے لوگ عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کر دینا چاہتے ہیں، تو انھوں نے امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو ہم ان باغیوں کا مقابلہ کریں اور اس شورش کو مدینہ سے باہر نکال دیں، لیکن آپ نے اس سے انکار کر دیا، تاکہ کہیں خون ریزی کا سبب آپ نہ بن جائیں۔ [1] تاہم بعض ممتاز و بزرگ صحابہ نے اپنے اپنے لڑکوں کو عثمان رضی اللہ عنہ سے پوچھے بغیر ان کی دفاع کے لیے بھیج دیا، انھیں میں سے حسن بن علی اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما بھی تھے، جیسا کہ بعض روایات میں آتا ہے کہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما بلوائیوں کے حملہ کے دن زخم خوردہ حالت میں اٹھا کر لائے گئے۔ [2] اور ان کے علاوہ، عبداللہ بن زبیر، محمد بن حاطب اور مروان بن حکم بھی زخمی ہو گئے، اسی طرح ان لوگوں کے ساتھ حسین بن علی اور ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ [3] ایسے نازک ترین موقع پر علی رضی اللہ عنہ نے سب سے زیادہ دفاع کیا، اس کے گواہ مروان بن حکم ہیں، [4] جو اس دلدوز اور دردناک آزمائش کے موقع پر عثمان رضی اللہ عنہ سے سب سے قریب تھے۔ ابن عساکر نے جابر بن عبداللہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے کہا کہ علی رضی اللہ عنہ عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ میرے پاس پانچ سو زرہ پوش افراد ہیں، مجھے اجازت دیجیے کہ میں بلوائیوں سے آپ کی حفاظت کروں، کیونکہ آپ نے کوئی ایسا کام نہیں کیا ہے جس سے آپ کا خون حلال ہو جائے، عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اللہ تمھیں بہترین بدلہ عطا کرے، میں یہ نہیں پسند کرتا کہ میری وجہ سے خون ریزی ہو۔ [5]

متعدد روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ محاصرہ کے دوران عثمان رضی اللہ عنہ کے پہلو بہ پہلو دفاع کر رہے تھے، انھیں میں سے ایک روایت یہ ہے کہ جب بلوائیوں نے عثمان رضی اللہ عنہ پر سے پانی بند کر دیا اور آپ کے اہل وعیال پیاس کی شدت سے مر جانے کے قریب تھے تو علی رضی اللہ عنہ ان کے پاس تین مشکیزے بھر کر پانی بھیجا، لیکن وہ آپ تک بآسانی نہ پہنچا، بلکہ اس کے لیے بنو ہاشم اور بنو اُمیہ کے کئی غلاموں کو زخمی ہونا پڑا۔ [6]

اس طرح بلوائیوں کی منظّم شازش یکے بعد دیگرے تیزی سے انجام پاتی رہی، اور حادثات ہوتے رہے۔ بلوائیوں نے عثمان رضی اللہ عنہ پر دھاوا بول دیا اور آپ کو شہید کر دیا۔ جب یہ خبر صحابہ کرام تک پہنچی تو ان میں سے اکثر لوگ مسجد میں تھے، ان کی عقلیں اڑ گئیں، علی رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹوں اور اپنے برادران کی اولادوں سے کہا: گھر کے دروازے پر تمھارے ہوتے ہوئے عثمان رضی اللہ عنہ کیسے قتل کر دیے گئے؟ آپ نے حسن کو ایک طمانچہ بھی مارا، حالانکہ وہ

---

[1] فتنة مقتل عثمان (١/ ١٦٧) المسند (١/ ٣٩٦) أحمد شاكر .

[2] الطبقات / اهل سعد (٨/ ١٢٨) سند صحیح ہے۔ [3] تاريخ خليفه بن خياط ص (١٧٤) .

[4] تاريخ الإسلام، الخلفاء الراشدون / الذهبی ص (٤٦٠/ ٤٦١/) اس کی سند قوی ہے۔

[5] تاريخ دمشق ص (٤٠٣) . [6] انساب الا شراف / البلادری ((٥/ ٦٧) .

دفاع میں زخمی تھے۔ ❶ حسین کے سینے پر گھونسہ مارا، ابن زبیر، اور ابن طلحہ کو سخت سست کہا اور سخت غصہ کی حالت میں یہ کہتے ہوئے اپنے گھر گئے: قیامت تک تم پر لعنت ہو، اے اللہ! میں عثمان کے خون سے تیری بارگاہ میں برأت چاہتا ہوں، نہ میں نے انھیں قتل کیا ہے، نہ کسی کو ان کے قتل پر ابھارا ہے۔ ❷

یہ تھا علی رضی اللہ عنہ کا موقف، جو محض خیر خواہی، مشورہ اور سمع و طاعت سے لبریز تھا، دوران فتنہ عثمان رضی اللہ عنہ کے پہلو بہ پہلو سخت دفاعی موقف، انھیں کبھی برے و نامناسب کلمات سے یاد نہ کیا، ہمہ وقت اس اصلاح کی کوشش میں رہے کہ خلیفہ اور باغیوں کے درمیان سمع و طاعت کا جو پردہ چاک ہو گیا ہے اسے جوڑ دیں، لیکن معاملہ آپ کی طاقت اور ارادہ سے باہر تھا، اللہ کا ارادہ اس کی مرضی یہ تھی کہ عثمان رضی اللہ عنہ منصب شہادت ہی سے سرفراز ہوں۔ ❸

❶ ابن أبی عاصم ، الآحادو المثانی (۱/ ۱۲۵) بحوالہ خلافت علی / عبدالحمید علی ص (۸۷).

❷ مصنف ابن أبی شیبة (۱۵/ ۲۰۹) اس کی سند صحیح ہے۔

❸ خلافة علی بن أبی طالب / عبدالحمید علی ص (۸۷).

تیسرا باب:

بیعت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اہم اوصاف حمیدہ اور معاشرتی زندگی

(۱)...... بیعت سیّدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

بیعت کی نوعیت:

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت خلافت انتخاب کے ذریعے سے میں آئی، اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب مختلف قبائل اور شہروں وخطوں سے آئے ہوئے بلوائیوں اور اسلامی اتحاد کو پارہ پارہ کرنے والے باغیوں نے، جن کا ماضی میں کوئی اچھا کردار نہیں تھا اور نہ ہی دین میں کوئی اچھے نقوش تھے، انھوں نے خلیفہ راشد عثمان رضی اللہ عنہ کو بہتان وسرکشی اور ظلم ڈھاتے ہوئے جمعہ کے دن ۱۸/ ذی الحجہ ۳۵ھ کو شہید کر دیا۔ [1] تو مدینہ میں اس وقت جتنے اصحاب رسول ﷺ تھے سب علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں پر بیعت خلافت کے لیے تیار ہو گئے، اس لیے کہ اس وقت علی الاطلاق آپ سے بہتر اور افضل کوئی نہ تھا جو اس منصب کو سنبھالتا، ان صحابہ میں سے کسی نے اپنی امامت وخلافت کی دعوی نہیں پیش کیا، حتی کہ خود علی رضی اللہ عنہ اس کے حریص نہ تھے، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب مدینہ کے باقی ماندہ اصحاب رسول کا ان پر شدید دباؤ ہوا اور آپ کو بھی احساس ہوا کہ اگر میں بھی اس ذمہ داری سے راہ فرار اختیار کرتا ہوں تو مزید فتنے کا خوف ہے۔ تبھی آپ اس منصب کو قبول کرنے کے لیے تیار ہوئے۔ لیکن حیرت ہے کہ پھر بھی آپ معرکۂ جمل وصفین کی شکل میں رونما ہونے والے فتنوں کے بعد بعض جاہلوں کے نقد واعتراض سے نہ بچ سکے، حالانکہ ان فتنوں کی آگ ابن سبا اور اس کے جھانسے میں آنے والے بد بخت دشمنان اسلام نے لگائی تھی۔ اس کے پیروکار فاسق تھے اور حق وہدایت کے راستے سے منحرف تھے۔

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ منصب خلاف کے لیے کس طرح منتخب ہوئے؟ اس کی تفصیل بعض علماء نے اس طرح بیان فرمائی ہے: [2] امام ابوبکر الخلال اپنی سند سے محمد بن الحنفیہ سے روایت کرتے ہیں کہ ان کا بیان ہے کہ جب سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ دشمنوں کے نرغہ میں تھے اس وقت میں علی رضی اللہ عنہ کے پاس تھا، ایک آدمی آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا: یقین کیجیے! امیر المومنین ابھی قتل کر دیے جائیں گے، علی رضی اللہ عنہ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے، لیکن میں نے ان کی کمر سے پکڑ کر انھیں روکنا چاہا کہ کہیں آپ بھی بلوائیوں کی زد میں نہ آ جائیں، مگر آپ ناراض ہو گئے اور کہا: تمھاری ماں نہ رہے مجھے

---

[1] الطبقات الکبریٰ / ابن سعد (۳/ ۳۱).

[2] عقیدہ وأھل السنة فی الصحابة الکرام (۲/ ۶۷۷).

چھوڑو، جانے دو، پھر علی رضی اللہ عنہ عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچے اس وقت تک عثمان رضی اللہ عنہ شہید کیے جا چکے تھے، پھر آپ لوٹ کر اپنے گھر آئے اور دروازہ بند کرلیا، آپ کے پیچھے اور بہت سے لوگ آ گئے، انھوں نے دروازہ کھٹکھٹایا، آپ نے دروازہ کھول دیا، سب لوگ اندر گئے اور کہنے لگے وہ تو شہید ہی کر دیے گئے اب مسلمانوں کے لیے دوسرے خلیفہ کی تعین ضروری ہے اور اے علی! ہمارے علم میں اب آپ کے علاوہ کوئی دوسرا اس کا مستحق اور اس کے لائق نہیں ہے۔ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو جواب دیا: مجھے امارت کے لیے مت منتخب کرو، میں تمھارے لیے وزیر ہوں، یہ امیر ہونے سے میرے لیے بہتر ہے۔ لیکن ان لوگوں نے پھر اصرار کیا، اور کہا: نہیں، ہم آپ سے زیادہ کسی کو اس کا مستحق ہی نہیں جانتے، آپ جب لاچار ہوگئے، تو کہا: ٹھیک ہے اگر آپ لوگ میرے لیے ہی اصرار کر رہے ہو تو میری بیعت خفیہ نہ ہوگی، اس لیے سب لوگ مسجد میں تشریف لے چلو، چنانچہ ایسا ہی ہوا اور وہاں لوگوں نے آپ سے بیعت خلافت کی۔

خلافت علی رضی اللہ عنہ پر امت کا اجماع:

سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مہاجرین و انصار کے ہاں سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے افضل کوئی نہ تھا اس لیے کہ آپ شروع شروع میں اسلام لانے والوں میں سے تھے، علم میں کامل تھے، نبی کریم ﷺ کے قریب ترین نسبی رشتہ دار تھے، بہادر و خوددار تھے، اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرنے والے تھے، خوبیوں میں فائق، سبقت إلی الخیر میں افضل، درجات میں بلند، عالی نسب اور سیرت و کردار میں نبی کریم ﷺ کے آئینہ دار تھے، تو سب کی نظریں خلافت کے لیے انھیں کی طرف گئیں اور سب نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی، پھر ان کے علاوہ جو صحابۂ کرام مدینہ میں بستے تھے، انھوں نے بھی بالاتفاق آپ کے ہاتھوں پر بیعت خلافت کی۔ اسی اجماع صحابہ کے پیش نظر اہل سنت و جماعت کا بھی اجماع ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد آپ ہی خلافت کے مستحق تھے اور شرعی خلیفہ ہونے کی حیثیت سے آپ کی اطاعت تمام مسلمانوں پر واجب ہوگئی اور ان کی بغاوت کرنا یا انھیں مخالفت و تنقید کا نشانہ بنانا حرام قرار پایا۔

خلافتِ علی رضی اللہ عنہ پر اجماع امت کے ناقلین:

ابن قدامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> ''امام احمد ابن حنبل نے اپنی سند سے عبدالرزاق سے، انھوں نے محمد بن راشد سے اور انھوں نے عوف سے روایت کیا ہے کہ ان کا بیان ہے کہ میں حسن کی مجلس میں بیٹھا تھا، میں نے دیکھا کہ ایک آدمی ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ پر معترض تھا کہ انھوں نے علی رضی اللہ عنہ کا اتباع کیوں کیا؟ حسن رضی اللہ عنہ یہ سن کر غصہ ہوگئے، اور کہا: سبحان اللہ! جب امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیے گئے اور وہاں موجود لوگوں نے اپنے سب سے بہتر آدمی پر اتفاق کر کے اس کی خلافت پر بیعت کرلی تو کیا برا کیا؟ کیا علی رضی اللہ عنہ کی اتباع کی وجہ سے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ ملامت کیے جائیں گے؟''[1]

[1] منهاج القاصدين فی فضل الخلفاء الراشدين ص (۷۷، ۷۸) بحواله: عقيدة أهل السنة فی الصحابة (۲/ ۶۸۹).

ا: ابومنصور بغدادی فرماتے ہیں:

''تمام اہل حق واصحاب عدل اس بات پر متفق ہیں کہ عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد علی رضی اللہ عنہ کا امام و خلیفہ بنایا جانا اپنی جگہ بالکل درست ہے۔'' ❶

۲: امام زہری فرماتے ہیں:

''سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کی زندگی کے آخری لمحات تک وفاداری کا ثبوت دیا، ان کی شہادت کے بعد صحابہ میں آپ ہی سب سے افضل اور خلافت کے حق دار تھے، لیکن منصب خلافت پر زبردستی قابض نہیں ہوئے، بلکہ جب بشمول اصحاب شوریٰ تمام لوگوں نے آپ پر بیعت عامہ کرلیا تب آپ نے اسے قبول کیا۔'' ❷

۳: امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''عمر رضی اللہ عنہ کے بعد تمام صحابہ کرام عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت پر متفق ہوگئے، اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ((عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ مِنْ بَعْدِيْ تَمَسَّكُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُوْرِ فَإِنَّ كُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ .)) ❸

''تم اپنے اوپر میری سنت اور میرے بعد ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو لازم کرلو، اسے مضبوطی سے تھام لو اور داڑھوں کے ساتھ اسے جکڑ لو اور دین میں ایجاد کردہ نئی نئی باتوں سے خود کو بچاؤ، اس لیے کہ ہر بدعت گمراہی ہے۔''

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہدایت یافتہ خلفائے راشدین میں سے آخری خلیفہ تھے، اہل سنت کے تمام علماء، اتقیاء، حکام اور فوجی سربراہان حتیٰ کہ ان کے عوام الناس بھی اس بات پر متفق ہیں کہ خلافت کی ترتیب میں پہلے ابوبکر، پھر عمر، پھر عثمان، پھر علی رضی اللہ عنہم ہیں۔'' ❹

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کا خطبۂ خلافت:

منصب خلافت پر سرفراز ہونے کے بعد آپ نے سب سے پہلا خطبہ یہ دیا: اللہ تعالیٰ نے ایک کتاب ہدایت نازل کی، اس میں خیر اور شر کو واضح کیا، خیر کو لے لو اور شر کو چھوڑ دو، اللہ کے فرائض کو ادا کرو، وہ تمھیں جنت میں داخل کرے گا، بے شک اللہ تعالیٰ نے کچھ چیزوں کو حرام کیا ہے جو واضح ہیں، پس پردہ نہیں ہیں، مسلمانوں کی حرمت وتقدس کو ہر حرام پر فوقیت دی ہے، ان کو اخلاص اور اتحاد کی بڑی تاکید کی ہے، مسلمان وہی ہے جس کی زبان

❶ کتاب أصول الدین ص (۲۸۶، ۲۸۷). ❷ الاعتقاد ص (۱۹۳).

❸ سنن ابی داؤد (٤/ ۲۰۱) سنن الترمذی (٥/ ٤٤) حسن صحیح.

❹ الوصیة الکبریٰ ص (۳۲).

اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں، بجز اس صورت کے کہ کسی پر شرعی حق واجب ہو، ناحق کسی مسلمان کو تکلیف دینا جائز نہیں ہے، عوام کے معاملات پر خاص توجہ دینے میں جلدی کرو، موت تمھیں چیلنج دے چکی ہے، لوگ تمھارے سامنے ہیں اور تمھارے پیچھے قیامت ہے جو آگے بڑھا رہی ہے۔ اپنے آپ کو ہلکا پھلکا رکھو تاکہ منزل تک پہنچ سکو، آخرت کی زندگی تو لوگوں کی منتظر ہے۔ اے اللہ کے بندو! اللہ کے بندوں اور اس کی زمین پر بسنے والی تمام مخلوق کے بارے میں اللہ سے ڈرو، تم سے زمین کے تمام حصوں اور مویشیوں کے بارے میں باز پرس ہوگی۔ اللہ کی اطاعت کرو، اس کی نافرمانی نہ کرو، خیر کو دیکھو تو اسے لے لو، اور برائی کو دیکھو تو اسے چھوڑ دو:

﴿وَاذْكُرُوا إِذْ أَنْتُمْ قَلِيلٌ مُسْتَضْعَفُونَ فِي الْأَرْضِ﴾ (الانفال: ٢٦)

''اور یاد کرو جب تم بہت تھوڑے تھے، زمین میں نہایت کمزور تھے۔'' [1]

چونکہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت خلافت ایسے بے رحم فتنے کے بعد منعقد ہوئی تھی جس نے آپ کے پیشرو خلیفہ (عثمان رضی اللہ عنہ) کو نہ بخشا تھا، اس لیے آپ نے سب سے پہلے مسلمانوں کو خیر کی دعوت دی، برائی کو پھینک دینے کا حکم دیا اور بتایا کہ مسلمانوں کے خون کی حرمت تمام محرمات پر بھاری ہے، اسے کسی حال میں تکلیف دینا جائز نہیں، پھر انھیں موت اور آخرت یاد دلائی، تقویٰ اطاعت اور عمل صالح پر ابھارا۔ [2] آپ کا پورا خطبہ عقیدہ، عبادت، اخلاق اور دیگر مقاصد شریعت پر زور اور اہتمام کے اردگرد گھومتا رہا، آپ جس نکتہ کو لوگوں کے سامنے پیش کرنا چاہتے تھے اسے مختصر الفاظ میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ آپ کے کہنے کا مقصد تھا: اے لوگو! تم اسی عہد کی طرف لوٹ چلو جس پر تم رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین کے زمانے میں قائم تھے۔ [3]

آپ نے بڑی حکمت سے اور بلیغ انداز میں لوگوں کے سامنے اس منہج کی طرف اشارہ کر دیا جس کا انھیں جدید دور خلافت میں سامنا کرنا پڑے گا۔ آپ نے فرمایا: جب تم خیر دیکھو تو اسے لے لو، اور شر دیکھو تو اسے چھوڑ دو۔ آپ نے اپنا خطبہ ایسی آیت پر ختم کیا جسے انھیں اسی وقت یاد دلانے کی سخت ضرورت تھی، تاکہ وہ اسلام کے پہلے اور مابعد کی دونوں زندگی کا موازنہ نہ کریں، کہ کس قدر وہ قلت میں تھے، لاچار تھے، کوئی حیثیت نہ تھی، بجھے بجھے سے رہتے تھے، بے بسی کا عالم یہ تھا کہ جیسے کسی ہاتھ میں گوشت کا ٹکڑا ہو اور چڑیا اسے اچک لے جائے لیکن پھر حالات بدلے، مضبوطی ملی، کشادگی ہوئی، امن وسلامتی کا بول بالا ہوا، خوش حالی کا دور آیا، اور اللہ نے نعمتوں کی بارش نازل کر دی، پھر مسلمانوں کی سربلندی کے ڈنکے بجنے لگے، ہر جگہ ان کے پرچم لہرانے لگے، اور پوری دنیا ان کے سامنے سرنگوں ہو گئی۔ [4]

---

[1] تاریخ طبری (٥/ ٤٥٨، ٤٥٩).

[2] الأدب الاسلامی / تالیف معروف ص (٥٧).   [3] الخلفاء الراشدون / النجار ص (٣٧٨).

[4] المرتضٰی / الندوی (١٤٠، ١٤١).

تذکرۂ علی کے وقت ''رضی اللہ عنہ'' یا ''کرم اللہ وجہہ'' یا ''علیہ السلام''

اصل یہ ہے کہ جب صحابۂ کرام میں سے کسی کا بھی ذکر ہو تو ان کے لیے رضی اللہ عنہ کہا جائے، جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ ﴾ (التوبۃ: ۱۰۰)

''اور مہاجرین اور انصار میں سے سبقت کرنے والے سب سے پہلے لوگ اور وہ لوگ جو نیکی کے ساتھ ان کے پیچھے آئے، اللہ ان سے راضی ہوگیا۔''

اور فرمایا:

﴿ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ ﴾ (الفتح: ۱۸)

''بلاشبہ یقیناً اللہ ایمان والوں سے راضی ہوگیا، جب وہ اس درخت کے نیچے تجھ سے بیعت کر رہے تھے۔''

چنانچہ انھیں آیات کے پیش نظر اہل سنت نے یہ اصطلاح ایجاد کی کہ جب کسی صحابی کا ذکر آئے، یا اس سے کوئی حدیث روایت کی جائے تو اس کے لیے رضی اللہ عنہ کہا جائے۔ مثلاً روایت یوں بیان ہو: ''ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔'' میری معلومات کی حد تک کسی صحابہ کے لیے ''السلام'' کا لفظ شریعت میں نہیں مستعمل ہے۔ باوجود یہ کہ سلام مسلمانوں کا باہمی تحیہ ہے، جیسے کہ اللہ کا ارشاد ہے:

﴿ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ﴾

(النور: ۶۱)

''پھر جب تم کسی طرح کے گھروں میں داخل ہو تو اپنے لوگوں پر سلام کہو، زندہ سلامت رہنے کی دعا جو اللہ کی طرف سے مقرر کی ہوئی بابرکت، پاکیزہ ہے۔''

اسی بنا پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ صحابہ کے حق میں ''علیہ السلام'' کے بالمقابل ''رضی اللہ عنہ'' کہنا افضل و برتر ہے۔ اللہ نے فرمایا:

﴿ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ﴾ (التوبۃ: ۷۲)

''اور اللہ کی طرف سے تھوڑی سی خوشنودی سب سے بڑی ہے۔''

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ جنت والوں سے کہے گا:

((أُحِلُّ عَلَيْكُمْ رِضْوَانِي فَلَا أَسْخَطُ عَلَيْكُمْ أَبَدًا .)) [1]

''میں اپنی رضا مندی کو تم پر حلال کر دیتا ہوں، میں تم پر کبھی نہ ناراض ہوں گا۔''

[1] مشکوٰۃ المصابیح / التبریزی (۳/ ۸۸).

اسی طرح علما سلف اس بات پر متفق ہیں کہ ''سلام'' کا کلمہ اگرچہ تحیۃ بین المسلمین کے لیے مستعمل ہوتا ہے، لیکن اس کا خصوصی استعمال انبیاء کرام کے لیے ہوگا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَ سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٨١﴾﴾ (الصافات : ١٨١)...... ''پیغمبروں پر سلام ہے۔''

یحییٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

﴿وَ سَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ﴾ (مریم : ١٥)...... ''اس پر سلام ہے جس دن وہ پیدا ہوا۔''

چونکہ علی رضی اللہ عنہ کے حق میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد وارد ہے کہ:

((أَلَا تَرْضٰى أَنْ تَكُوْنَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰى .)) [1]

''کیا تمھیں یہ پسند نہیں کہ تمھیں مجھ سے وہی منزلت حاصل ہو جو ہارون کو موسیٰ سے تھی۔''

اس لیے متعصب روافض امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے حق میں علیہ السلام یا کرم اللہ وجہہ استعمال کرنے لگے۔ ہم بھی اس بات سے متفق ہیں اور مانتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ اس کے اہل ہیں، لیکن ہمارے اور روافض میں فرق یہ ہے کہ اس منزلت میں ہم سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تمام صحابہ کرام کو مشترک مانتے ہیں۔ [2]

بہت سارے ناقلین کتب کی عبارتوں میں حتی کہ بعض علماء اہل سنت کے نزدیک یہ چیز دیکھی گئی ہے کہ وہ دیگر صحابہ کو چھوڑ کر صرف علی رضی اللہ عنہ ہی کے لیے علیہ السلام یا کرم اللہ وجہہ لکھتے ہیں، یقیناً اس کا معنی بالکل درست ہے لیکن مناسب یہ ہے کہ تمام صحابہ کو اس درجہ میں برابر رکھا جائے۔ [3]

(۲)......فضائل، مآثر و اوصاف اور نظام حکومت کے اصول و قواعد

امام احمد، اسماعیل القاضی، النسائی اور ابو علی نیسابوری رحمہم اللہ کا قول ہے کہ فضائل علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں جید اسانید کے ذریعے سے جس قدر روایات وارد ہیں کسی صحابی کے بارے میں اتنی نہیں ہیں۔ [4]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ سب سے آخر میں آئے، یعنی خلفائے راشدین میں آخری خلیفہ ہوئے، آپ کے زمانے میں اختلاف رونما ہوا اور بغاوت کرنے والوں نے بغاوت کیا، پس یہ تمام باتیں سبب بن گئیں کہ فضائل علی کا علم رکھنے والے صحابہ نے مخالفین کی تردید میں ان فضائل و مناقب کو

---

[1] صحیح البخاری حدیث نمبر (٤٤١٦).

[2] فتاوی فی التوحید / عبداللہ بن جبرین ص (٣٧).

[3] الناهية عن طعن امير المومنين معاويه ص (٢٦) دیکھئے: حاشیہ و تعلیق از أحمد التویجری.
انبیاء، صحابہ اور صالحین امت کے درمیان امتیاز اور فرق مراتب کا تقاضا ہے کہ انبیاء کے لیے علیہ السلام، صحابہ کے لیے رضی اللہ عنہ اور صالحین کے لیے رحمہ اللہ استعمال کیا جائے۔ (مترجم)

[4] فتح الباری (٧/ ٧١).

کثرت سے عام کیا اور بعد میں جب افتراق شروع ہوا تو اہل سنت و جماعت نے ضرورت محسوس کی کہ آپ کے فضائل کو خوب عام کیا جائے۔ اسی وجہ سے ان فضائل کے ناقلین بھی زیادہ ہوئے۔ ورنہ حقیقت واقعہ یہ ہے کہ خلفائے اربعہ میں سے ہر ایک کو جو فضائل ہیں اگر انھیں میزان عدل پر تولا جائے تو اہل سنت و جماعت کے قول سے ہٹ کر کوئی بات سامنے ہرگز نہ آئے گی۔'' [1]

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''آپ کی ایک بڑی فضیلت ہے کہ عشرۂ مبشرہ میں باعتبار حسب ونسب رسول اللہ ﷺ کے سب سے زیادہ قریبی ہیں۔'' [2]

مآثر و اوصاف:

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سراپا ربانی قیادت اور کتاب الٰہی، سنت نبوی نیز اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے جاں نثاری کے پیکر تھے، یہاں آپ کے چند مآثر کو اجمالاً اور چند کو تفصیلاً بیان کیا جا رہا ہے۔ آپ کے اہم اوصاف یہ ہیں کہ آپ عقیدہ، علم شریعت، توکل علی اللہ، قدوہ، صدق وصفا، کمال وصلاحیت، شجاعت، مروت اور زہد و ورع میں کامل تھے، جاں نثاری محبوب تھی، اپنے معاونین کے انتخاب کا حسین ملکہ تھا، تواضع، بردباری اور صبر کی زندہ تصویر تھے، عالی ہمت، پختہ ارادہ کے مالک اور جو ٹھان لیتے کر گزرتے، عادل تھے، تعلیم و تربیت اور قائدانہ صلاحیت پیدا کرنے کے مالک تھے، ان کے علاوہ بھی بے شمار خوبیاں تھیں ان میں سے بعض اوصاف کو ان کی مکی زندگی سے جب کہ وہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے اور بعض مدنی زندگی سے جب کہ غزوات نبوی میں آپ ﷺ کے برابر شریک تھے، نیز بعض اوصاف کو آپ کی معاشرتی زندگی سے اخذ کیا گیا ہے اور آپ کی بعض دیگر خوبیاں اس وقت منظر عام پر آئیں جب آپ نے اسلامی حکومت کی قیادت سنبھالی اور امیر المومنین بنے۔ آپ کے چند اہم اوصاف کا یہاں خاص طور پر ذکر کیا جا رہا ہے۔

دینی علم و بصیرت:

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ بڑے ممتاز علماء صحابہ میں سے ایک تھے، حصول علم کے لیے آپ کی کوشش اور تڑپ منفرد تھی، مذاکرے کے انتہائی شوقین تھے، اس دور میں معلومات محفوظ کرنے کے جو ذرائع تھے خواہ تحریر ہو یا حافظہ پر اعتماد، انھیں استعمال کرتے تھے، نبی کریم ﷺ کے ساتھ ساتھ رہتے، حفظ قرآن کے لیے اپنی محنت ولگن کے بارے میں فرماتے ہیں:

''میں نے قسم کھالی تھی کہ جب تک قرآن حفظ نہ کرلوں گا نماز کے علاوہ اپنے جسم پر چادر نہ ڈالوں گا۔'' [3]

---

[1] یعنی خلافت میں ترتیب کے اعتبار سے ان کے فضائل کے بھی مراتب ہیں۔ فتح الباری (۷/ ۷۱)

[2] البدایۃ والنہایۃ (۱۱/ ۲۹). [3] الطبقات (۲/ ۳۳۸).

اور فرمایا:

''اللہ کے رسول ﷺ کی زندگی میں جب جبریل علیہ السلام کسی حلال یا حرام، کسی کتاب یا سنت اور امر یا نہی کی وحی لے کر آتے تو جب تک میں اسے اسی روز معلوم نہ کر لیتا اور یہ کہ کس کے بارے میں یہ وحی نازل ہوئی ہے، تب تک نہ مجھے اونگھ آتی تھی اور نہ ہی نیند آتی۔''[1]

- سیّدنا علی رضی اللہ عنہ ان چند مسلمانوں میں سے تھے جو شروع اسلام میں لکھنا جانتے تھے، مزید برآں آپ کاتب وحی تھے، پڑھنے اور لکھنے میں آپ کی اسی مہارت نے آپ کو علوم شرعیہ میں غوطہ زنی کرنے کا اہل بنا دیا تھا، آپ کو نگارش کا یہ انداز پسند تھا کہ عبارتیں بالکل واضح ہوں، سطروں میں فاصلہ ہو، حروف میں قربت ہو، چنانچہ ابوعثمان عمرو بن بحر بن جاحظ کا بیان ہے کہ امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''خط (تحریر) علامت ہے، جتنا ہی واضح ہوگا خوب صورت ہوگا۔''[2]

- علوم وادب کے بحر بیکراں سے جواہر پاروں کو چننے کے عادی تھے۔ آپ نے فرمایا:

''علوم، احاطۂ حفظ سے بالاتر ہیں، اس لیے ہر علم کے محاسن کو حفظ کر لیا کرو۔''[3]

آپ علم کے اتنے اونچے مقام پر پہنچ گئے تھے کہ عراق میں خود ہی لوگوں سے کہتے تھے: مجھ سے پوچھو۔ چنانچہ سعید بن المسیب کا بیان ہے کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی نہیں کہتا تھا کہ مجھ سے پوچھو۔[4] صحابہ ہوں یا تابعین سب کو آپ کے علم پر اعتماد تھا۔ چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ اگر ہمیں ثقہ راوی کے ذریعے سے کوئی مسئلہ علی رضی اللہ عنہ سے مل جاتا تو ہم اس کے برابر کسی کو نہ سمجھتے۔[5] (مزید تفصیل ملاحظہ ہو، سیّدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، ص: ۳۳۷، از ڈاکٹر محمد الصلابی)

امیر المومنین سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کا زہد وورع

قرآن کی زیر سایہ، نبی کی زیر تربیت، صحابہ کی مصاحبت اور دنیوی زندگی کے شب و روز پر غور و تدبر کرتے کرتے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لیا کہ دنیا صرف امتحان و آزمائش کا گھر ہے۔ آپ نے قرآنی تربیت پائی تھی، اس کی جو آیات دنیا، اس کی حقارت، بے ثباتی، بے وفائی اور فنا پر دلالت کرتی تھیں اور آخرت کی طرف رغبت دلاتی تھیں، اس کی شرف و عظمت اور دوام و ثبات کو واضح کرتی تھیں، آپ نے ان کا ہمہ جہتی مطالعہ کیا، انھیں میں سے ایک آیت یہ ہے:

﴿ وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ

[1] الجامع لأخلاق الراوی (١/ ٢٦٢).
[2] ایضًا.
[3] تاریخ الیعقوبی (٢/ ٥).
[4] الاستیعاب ص (١١٠٣).
[5] الاستیعاب ص (١١٠٤).

الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ﴿۴۵﴾ اَلْمَالُ وَ الْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَ الْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّ خَيْرٌ اَمَلًا ﴿۴۶﴾ ﴾ (الکہف: ۴۵-۴۶)

''اور ان کے لیے دنیا کی زندگی کی مثال بیان کر، جیسے پانی، جسے ہم نے آسمان سے اتارا تو اس کے ساتھ زمین کی نباتات خوب مل جل گئی، پھر وہ چورا بن گئی، جسے ہوائیں اڑائے پھرتی ہیں اور اللہ ہمیشہ سے ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔ مال اور بیٹے دنیا کی زندگی کی زینت ہیں اور باقی رہنے والی نیکیاں تیرے رب کے ہاں ثواب میں بہتر اور امید کی رو سے زیادہ اچھی ہیں۔''

آپ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کی نگہداشت میں تربیت پائی تھی، جو دنیا اور اس کی حقیقت کے سب سے زیادہ جانکار تھے، کیونکہ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

((لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوضَةٍ مَا سَقَى كَافِرًا مِنْهَا شُرْبَةَ مَاءٍ .))[1]

''اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کی حیثیت مکھی کے پَر کے برابر ہوتی تو کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی نہ دیتا۔''

اور فرمایا:

((اَلدُّنْيَا سِجْنُ لِلْمُؤْمِنِ وَجَنَّةٌ لِلْكَافِرِ .))[2]

''دنیا مومن کا قید خانہ ہے اور کافر کی جنت ہے۔''

اللہ کی قسم! میں تمھارے مال سے کچھ نہیں لیتا:

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے زہد و ورع کی ایک مثال یہ واقعہ ہے جسے ہارون بن عنترہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: میں خورنق[3] میں علی بن ابی طالب کے پاس گیا، وہ ایک پرانی چادر اوڑھے ہوئے سردی سے کانپ رہے تھے، میں نے کہا: امیر المومنین! اللہ نے آپ، اور آپ کے افراد خاندان کے لیے اس مال میں حصہ رکھا ہے اور آپ سردی سے کانپ رہے ہیں؟ فرمایا: میں تمھارے مال سے کچھ نہیں لیتا، میری یہی چادر ہے جس کو میں اپنے گھر سے لے کر نکلا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ یہی چادر ہے جس کو میں مدینے سے لے کر نکلا تھا۔[4]

خشوع قلب اور اقتدائے مومن:

عمرو بن قیس کا بیان ہے کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے کہا گیا، آپ پیوند لگی ہوئی قمیص کیوں پہنتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا: اس سے دل میں خدا ترسی رہتی ہے اور مومن اس کی پیروی کرتا ہے۔[5]

[1] سنن الترمذی حدیث نمبر (۴۱۱۰) صحیح غریب. [2] صحیح مسلم حدیث نمبر (۲۸۵۶).
[3] کوفہ میں ایک جگہ کا نام ہے۔ [4] حلیۃ الأولیا (۱/ ۸۲) صفۃ الصفوۃ (۱/ ۳۱۶).
[5] تاریخ الإسلام / عہد الخلفاء الراشدین / الذهبی ص (۶۴۷).

خلیفہ کے لیے بیت المال سے دو پیالوں سے زیادہ خوراک لینا جائز نہیں:

عبداللہ بن زُریر غافقی کا بیان ہے کہ میں علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پاس گیا، انھوں نے میری طرف خزیرہ [1] بڑھایا، میں نے کہا: اللہ آپ کا بھلا کرے، آپ نے یہ بطخ کھلائی ہوتی، اللہ نے کافی فراغت دی ہے۔ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے ابن زریر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

((لَا يَحِلُّ لِلْخَلِيْفَةِ مِنْ مَّالِ اللّٰهِ إِلَّا قَصْعَتَانِ ، قَصْعَةٌ يَأْكُلُهَا هُوَ وَأَهْلُهُ وَقَصْعَةٌ يَضَعُهَا بَيْنَ يَدَيِ النَّاسِ .)) [2]

"خلیفہ کے لیے اللہ کے مال سے دو پیالے خوراک سے زیادہ لینا جائز نہیں، ایک پیالہ اس کے اور اس کے گھر والوں کے لیے اور دوسرا پیالہ جسے دوسروں کے سامنے پیش کرے۔"

تیری خوشبو اچھی ہے، رنگ حسین ہے، مزا لذیذ ہے:

عدی بن ثابت اور حبہ بن جوین کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں فالودہ پیش کیا گیا، آپ نے اسے نہیں کھایا اور مخاطب کر کے فرمایا: تیری خوشبو اچھی ہے، تیرا رنگ حسین ہے اور تیرا مزا لذیذ ہے، مگر میں نہیں چاہتا کہ نفس کو ایسی چیز کا عادی بناؤں جس کا وہ اب تک عادی نہیں ہے۔ [3] (مزید تفصیل ملاحظہ ہو، سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، ص: ۳۵۰)

امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا تواضع:

تواضع، اخلاق حمیدہ کا ایک ایسا حصہ ہے جو علی رضی اللہ عنہ کی عظیم شخصیت میں بدرجہ اتم موجود تھی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَ لَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَ لَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ۝ ﴾ (الاسراء: ۳۷)

"اور زمین میں اکڑ کر نہ چل، بے شک تو نہ کبھی زمین کو پھاڑے گا اور نہ کبھی لمبائی میں پہاڑوں تک پہنچے گا۔"

اور فرمایا:

﴿ وَ اخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾ (الشعراء: ۲۱۵)

"اور اپنا بازو اس کے لیے جھکا دے جو ایمان والوں میں سے تیرے پیچھے چلے۔"

آیت کریمہ میں ﴿ وَ اخْفِضْ جَنَاحَكَ ﴾ "بازو جھکائے رکھنے" کا مطلب ہے کہ مومن سے تواضع

---

[1] ایک قسم کا کھانا ہے جو قیمہ اور آٹا سے تیار کیا جاتا ہے۔
[2] مسند احمد (۱/ ۷۸) احمد شاکر کی تحقیق ہے کہ اس کی سند صحیح ہے، حالانکہ بعض لوگوں نے اسے ضعیف بھی کہا ہے۔
[3] الحلیة (۱/ ۸۱) صحیح التوثیق ص (۷۴).

سے پیش آیئے اور ان کے ساتھ نرمی کیجیے۔ ❶ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے اس اخلاق فاضلہ کو کما حقہ ادا کیا اور آپ کی گھریلو، معاشرتی اور ذاتی زندگی میں ہر وقت اور ہر جگہ اس کے اثرات دیکھنے میں آئے، آپ کی زندگی کا کوئی لمحہ اللہ کے لیے اور مومنوں کے لیے تواضع سے خالی نہ رہا۔ ❷ بہرحال علی رضی اللہ عنہ اس قرآنی تربیت اور نبوی رہنمائی سے اس درجہ فیض یاب ہوئے کہ آپ کی بے مثال شخصیت کے رگ و ریشے یہی صفت گردش کرنے لگی، اس سلسلے کی چند مواقف کو یہاں ذکر کیا جا رہا ہے۔

میں ہی وہ شخص ہوں جس نے دنیا کو ذلیل کیا:

صالح بن ابوالاسود اس شخص سے روایت کرتے ہیں جس نے ان سے یہ واقعہ بیان کیا کہ اس نے علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا، آپ ایک گدھے پر سوار ہوئے اور دونوں پاؤں ایک طرف لٹکا کر بیٹھ گئے، پھر کہا: میں ہی وہ شخص ہوں جس نے دنیا کو ذلیل کیا۔ ❸

ابوالعیال ❹ خود سامان اٹھانے کا زیادہ حق دار ہے:

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے ایک درہم کی کھجوریں خریدیں اور اسے چادر میں رکھ کر لے چلے، لوگ کہنے لگے: اے امیر المومنین لایئے ہم لے چلیں، آپ نے فرمایا: نہیں۔ ابوالعیال اسے خود لے جانے کا زیادہ مستحق ہے۔ ❺

اپنے چچا عباس رضی اللہ عنہما کے ساتھ متواضعانہ برتاؤ:

عباس رضی اللہ عنہ کے غلام صہیب کا بیان ہے کہ میں نے علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا وہ عباس رضی اللہ عنہ کے ہاتھ اور پاؤں کو بوسہ دے رہے تھے اور کہہ رہے تھے: اے چچا جان! آپ مجھ سے ناراض نہ ہوں۔ ❻

آیئے علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ضرار الصدائی کے توصیفی کلمات پر غور کریں وہ فرماتے ہیں: آپ کو وہ لباس پسند تھا جو چھوٹا ہوتا اور وہ کھانا پسند تھا جو موٹا ہوتا، وہ ہم میں عام فرد کی طرح رہتے تھے، اگر ہم ان سے کچھ پوچھتے تو آپ ہمیں بتاتے، اگر کچھ مانگتے تو دیتے اور اللہ کی قسم! ہمیں اپنے قریب رکھنے اور خود ہمارے قریب ہونے کے

---

❶ روح المعانی / آلوسی (٥/ ٨٠).

❷ أخلاق النبی فی القرآن والسنة (١/ ٤٥٩).　❸ البدایة والنهایة (٨/ ٥).

❹ بچوں کا باپ۔　❺ الزهد / الإمام أحمد ص (١٣٣).

❻ أصحاب الرسول (١/ ٢٢٤) سیر اعلام النبلاء / الذهبی (٢/ ٩٤) اس کی سند صحیح ہے۔ اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد امام ذہبی کہتے ہیں کہ ''اس کی سند حسن ہے صہیب کو میں نہیں جانتا۔'' تو جب قصہ کا اصل راوی ہی غیر معروف ہے تو اس کی سند حسن کیسے ہوگئی لہٰذا امام ذہبی کا اس مجہول شخص کے ہوتے ہوئے اس کی سند کو حسن قرار دینا تعجب خیز ہے اور اسی طرح مولف کا اس کی سند کو صحیح قرار دینا مزید تعجب خیز ہے۔ یہ روایت ناقابل اعتبار ہے، اس لیے اس سے اہل بدعت کا قدم بوسی پر استدلال صحیح نہیں ہے۔ (مترجم)

باوجود ہم آپ سے اس قدر مرعوب تھے کہ آپ سے بات نہیں کر سکتے تھے۔❶ آپ نے تواضع کی حقیقت و افادیت پر ان الفاظ میں روشنی ڈالی ہے:

((تَوَاضُعُ الْمَرْءِ یُکْرِمُهُ .))❷

''یعنی آدمی کی تواضع پسندی اسے عزت عطا کرتی ہے۔''

فیاضی واحسان:

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ فیاضی واحسان جیسی عظیم قرآنی صفت کے سرتاپا مظہر تھے، قرآن نے ایسے اہل جود وکرم کی پرزور انداز میں قابل قدر تعریف کی ہے۔ شروع قرآن میں بسم اللہ کے بعد دوسری سورت کا آغاز ہی اسی سے ہوا:

﴿ الٓمّٓ ① ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ② الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ③ وَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَ مَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ④ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۗ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ⑤ ﴾ (البقرة: ۱-۵)

''الٓمّٓ۔ یہ کتاب، اس میں کوئی شک نہیں، بچنے والوں کے لیے سراسر ہدایت ہے۔ وہ لوگ جو غیب پر ایمان لاتے اور نماز قائم کرتے اور اس میں سے، جو ہم نے انھیں دیا ہے، خرچ کرتے ہیں۔ اور وہ جو اس پر ایمان لاتے ہیں جو تیری طرف اتارا گیا اور جو تجھ سے پہلے اتارا گیا اور آخرت پر وہی یقین رکھتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے رب کی طرف سے بڑی ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ پورے کامیاب ہیں۔''

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے اخلاق حسنہ کا ایک حصہ یہ بھی تھا کہ آپ مہمان نواز تھے، اس کی آمد پر خوش ہوتے تھے، اپنے ایسے بھائیوں کو ڈھونڈ کر لاتے اور ان کی عزت وتوقیر کرتے، چنانچہ آپ خود فرماتے ہیں:

''ایک ہفتہ سے میرے پاس کوئی مہمان نہیں آیا، مجھے خدشہ لگا ہے کہ کہیں اللہ کو میری رسوائی تو نہیں مقصود ہے۔''❸

اور فرمایا:

''میں اپنے کسی مسلمان بھائی کو اللہ کے راستے میں بیس درہم دے دوں یہ میرے نزدیک اس بات سے بہتر ہے کہ کئی مسکینوں پر سو درہم خرچ کروں۔''❹

ایک مرتبہ آپ سے سخاوت کا مطلب پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

---

❶ الاستیعاب (۳/۱۱۰۸).　❷ منهج أمیر المومنین علی فی الدعوة ص (۵۲۳).

❸ فرائد الکلام ص (۴۰۲) موعظة المؤمنین (۲/ ۲۵۲).

❹ موعظة المؤمنین (۱/ ۱۳۹).

''سخاوت تو وہ ہے جو بن مانگے دیا جائے اور مانگنے کے بعد جو نوازش ہوئی وہ تو شرم یا احسان کی وجہ سے ہے۔'' ❶

اللہ سے حیا:

حیا، ایمان کے شعبوں میں سے ایک شعبہ ہے، وہ انسان کو حسن سلوک اور اعمال ثواب پر ابھارتی ہے اور گناہوں سے روکتی ہے۔ ❷ اسی لیے حیا کا شمار ان اعلیٰ اخلاق میں ہوا ہے جن پر قرآن نے خصوصی توجہ دی ہے۔ ❸

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ حیا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن یوں گویا ہوا:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ ۙ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَ لَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ۭ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ۡ وَ اللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ۭ ﴾ (الاحزاب: ۵۳)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! نبی کے گھروں میں مت داخل ہو مگر یہ کہ تمھیں کھانے کی طرف اجازت دی جائے، اس حال میں کہ اس کے پکنے کا انتظار کرنے والے نہ ہو اور لیکن جب تمھیں بلایا جائے تو داخل ہو جاؤ، پھر جب کھا چکو تو منتشر ہو جاؤ اور نہ (بیٹھے رہو) اس حال میں کہ باتیں دل لگانے والے ہو۔ بے شک یہ بات ہمیشہ سے نبی کو تکلیف دیتی ہے، تو وہ تم سے شرم کرتا ہے اور اللہ حق سے شرم نہیں کرتا۔''

آپ دیکھ رہے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش ہے کہ دعوت پر آئے ہوئے مہمان کھانے سے فارغ ہو کر واپس چلے جائیں، لیکن آپ شدت حیا اور کثرت لحاظ و مروت میں ان سے برجستہ اپنی خواہش کا اظہار نہیں کر پاتے۔ ❹ ایسا کیوں نہ ہو جب کہ آپ کی شان حیا یہ تھی کہ اپنی گھونگھٹ میں چھپی ہوئی دوشیزہ سے بھی زیادہ باحیا تھے۔ ❺ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اَلْحَیَاءُ لَا یَأْتِیْ إِلَّا بِخَیْرٍ .)) ❻ ...... ''حیا تو صرف خیر ہی لاتی ہے۔''

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی شخصیت سرتاپا حیا میں ڈوبی ہوئی تھی، آپ اس اخلاق حسنہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ سوچ کر مجھے اللہ سے شرم آتی ہے کہ کہیں گناہ میرے عفو و درگزر پر یا جہالت میری بردباری پر، یا بے پردگی میری پردہ پوشی پر، یا محتاجی میری سخاوت پر بھاری نہ پڑ جائے۔ ❼

---

❶ تاریخ الخلفاء / السیوطی ص (۲۰٤).
❷ شرح صحیح مسلم / النووی (۳/ ۵).
❸ أخلاق القرآن الکریم (۱/ ٤۷۸).
❹ أخلاق النبی فی القرآن و السنة (۱/ ٤۷۸).
❺ صحیح مسلم حدیث نمبر (۲۳۲۰).
❻ صحیح مسلم حدیث نمبر (۳۷).
❼ تاریخ دمشق (٤۲/ ۵۱۷) بحوالہ: التاریخ الإسلامی/ الحمیدی (۲۰/ ۲۷٤).

بندگی، صبر اور خلوص وللہیت:

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنی پوری زندگی عبادت کے ایک جامع مفہوم پر ڈٹے رہے، نماز تہجد کی ادائیگی میں آپ ممتاز رہے اور آپ کا شمار ان تہجد گزاروں میں ہوا جن کے بارے میں اللہ کا ارشاد ہے:

﴿ تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ﴿١٦﴾ ﴾ (السجدة: ١٦)

''ان کے پہلو بستروں سے جدا رہتے ہیں، وہ اپنے رب کو ڈرتے ہوئے اور طمع کرتے ہوئے پکارتے ہیں اور ہم نے انھیں جو کچھ دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔''

ایک مرتبہ اشترنخعی امیر المومنین علی بن ابی طالب کے پاس گیا، رات کا وقت تھا اور آپ نماز میں مشغول تھے، اشتر علی رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا: دن میں روزہ رکھنا، رات میں شب بیداری کرنا اور بقیہ اوقات میں دوڑ بھاگ کی تھکاوٹیں!! جب علی رضی اللہ عنہ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: چونکہ سفر آخرت بہت طویل ہے، اس لیے رات میں بھی اسے طے کرنے کی ضرورت ہے۔ [1]

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ تقویٰ، مراقبت وخشیت الٰہی پر لوگوں کو ابھارتے رہتے تھے، آپ نے فرمایا: اے لوگو! اس ہستی سے ڈرو کہ جس سے اگر کوئی بات زبان سے کہو تو سنے اور اگر دل میں چھپاؤ تو جانے، اس موت سے عمل میں سبقت کرو جس سے اگر تم فرار اختیار کرو تو دوڑا کر دبوچ لے اور اگر اپنی منزل پر رہو تو بھی پکڑ لے۔ [2]

علی رضی اللہ عنہ موقع بہ موقع اپنے ساتھیوں کو صبر کی تلقین کرتے رہتے، چنانچہ ایک مرتبہ اشعث بن قیس سے فرمایا: تمھاری تقدیر میں جو ہے، وہی ہوگا۔ اگر تم صبر کر لیتے ہو تو اجر ملے گا، اور اگر جزع فزع کرتے ہو تو گناہ گار ہو۔ [3]

اور فرمایا: ایمان میں صبر کی وہی حیثیت ہے جو سر کی حیثیت جسم میں ہے، اگر سر کاٹ دیا جائے تو جسم کی کوئی حیثیت نہیں رہتی، پھر آپ نے بلند آواز سے کہا: سن لو! جس کے پاس صبر کا ملکہ نہیں اس کے پاس ایمان نہیں۔ [4]

اور فرمایا: صبر ایک سواری ہے جو کبھی درماندہ نہیں ہوتی، اللہ کے دین میں صبر کا بڑا اونچا مقام ہے۔ متعدد آیات میں اللہ نے اس کی اہمیت جتائی ہے، فرمایا:

﴿ إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُم بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿١٠﴾ ﴾ (الزمر: ١٠)

''صرف صبر کرنے والوں ہی کو ان کا اجر کسی شمار کے بغیر دیا جائے گا۔''

اللہ سے دعا ومناجات:

اللہ سے دعا ومناجات کا دروازہ نہایت کشادہ ہے، جب بندے پر وہ دروازہ کھل جاتا ہے تو اس پر خیر و برکت

---

[1] لطائف المعارف / ابن رجب، اورالتحمس لقیام اللیل / محمد صالح (٩٣).

[2] أدب الدنیا و الدین ص (١٢٣) فرائد الکلام ص (٣٦٩).

[3] ایضًا، ص (٢٧٨) ایضًا، ص (٣٧١). [4] عدة الصابرین و ذخیرة الشاکرین / ابن القیم ص (١٥٣).

کا فیضان ہو جاتا ہے، اسی لیے امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کثرت دعا اور اللہ سے اپنے بہتر تعلق کے لیے ہمہ وقت کوشاں رہے، اللہ کا فرمان ہے:

﴿ وَ قَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ۝۶۰ ﴾ (غافر: ۶۰)

''اور تمھارے رب نے فرمایا مجھے پکارو، میں تمھاری دعا قبول کروں گا۔ بے شک وہ لوگ جو میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں عنقریب ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔''

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ بیشتر اوقات نبی کریم ﷺ کے ساتھ رہے تھے اور آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتے ہوئے اور مدد طلب کرتے ہوئے دیکھا تھا، اس لیے اس عبادت کو مکمل طور سے نبی کریم ﷺ سے سیکھنے کی تڑپ آپ کے اندر ہمیشہ رہتی اور کوشش کرتے کہ انھی الفاظ اور صیغوں میں دعا وتسبیح کریں جو نبی کی تعلیم کے مطابق اور آپ کو پسند ہوں۔

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

((اِذَا عَطَسَ أَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَلْيَرُدَّ عَلَيْهِ مَنْ حَوْلَهُ، يَرْحَمُكَ اللّٰهُ وَلْيَرُدَّ عَلَيْهِ يَهْدِيْكُمُ اللّٰهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ.)) ❶

''جب تم میں سے کوئی چھینکے تو ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ'' کہے اور جو اس کے پاس ہو وہ جواب میں ''يَرْحَمُكَ اللّٰهُ'' کہے اور چھینکنے والا اس کے جواب میں ''يَهْدِيْكُمُ اللّٰهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ'' کہے۔''

ابن اعبد کا بیان ہے کہ مجھ سے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے ابن اعبد! کیا تم کھانے کا حق جانتے ہو؟ میں نے کہا: اے ابن ابی طالب اس کا حق کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: تم یہ کہہ لیا کرو، ((بِسْمِ اللّٰهِ، اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْمَا رَزَقْتَنَا.)) اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں، اے اللہ تو نے ہمیں جو روزی دی ہے اس میں برکت عطا فرما، پھر آپ نے فرمایا: جب کھانے سے فارغ ہو جاؤ تو اس کا شکر کیا ہے، کیا تمھیں معلوم ہے؟ میں نے کہا: اس کا شکر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: تم یہ دعا پڑھو: ((أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ أَطْعَمَنَا وَسَقَانَا.)) ❷ تمام تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے ہمیں کھلایا اور پلایا۔

آپ سجدوں میں یہ دعا پڑھتے تھے:

((رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْلِيْ.)) ❸

---

❶ سنن ابن ماجه (۲/ ۱۲۲٤) صحیح سنن ابن ماجه / البانی (۲/ ۳۰۳).

❷ مسند احمد (۲/ ۳۲۹) اس کی سند حسن ہے۔ (تحقیق احمد شاکر)

❸ فقه علی بن أبی طالب / قلعجی ص (۲۵۱).

''اے میرے رب! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے مجھے بخش دے۔''

امیر المومنین سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی حکومت کے اساسی مآخذ

امیر المومنین سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی حکومت میں قرآن، سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، اور شیخین (ابوبکر، وعمر رضی اللہ عنہما) کی اقتدا کو اساسی مآخذ کی حیثیت حاصل تھی۔

ا۔ پہلا ماخذ:......قرآن مجید:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ؕ وَ لَا تَكُنْ لِّلْخَآىِٕنِیْنَ خَصِیْمًا ۝۱۰۵ ﴾ (النساء: ۱۰۵)

''بے شک ہم نے تیری طرف یہ کتاب حق کے ساتھ نازل کی، تاکہ تو لوگوں کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کرے جو اللہ نے تجھے دکھایا ہے اور تو خیانت کرنے والوں کی خاطر جھگڑنے والا نہ بن۔''

پس اللہ کا یہ فرمان بتاتا ہے کہ قرآن، انسانی نظام حیات سے متعلق مکمل شرعی احکامات پر مشتمل ہے اور مسلمانوں کو سلطنت وحکومت کی جن اساسیات کی ضرورت ہے وہ سب کچھ اس میں موجود ہے۔ اس سلسلے میں علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اپنے دین پر جمے رہو، اپنے نبی کی سنت کی اتباع کرتے رہو اور ان کے بتائے ہوئے طریقہ کو مکمل طور پر اپناؤ اور اپنے مشکل معاملات کا حل قرآن میں ڈھونڈو، پھر قرآن جس چیز کی رہنمائی کرے اس سے چمٹ جاؤ، اور وہ جس کی تردید کرے اسے دور پھینک دو۔ [1]

۲۔ دوسرا ماخذ:......سنت مطہرہ:

سنت مطہرہ دوسرا بنیادی ماخذ ہے جس سے اسلامی دستور کی ساخت عمل میں آتی ہے اور اسی سے قرآنی احکامات وتعلیمات کے تطبیقی وتنفیذی حدود اربعہ کی معرفت ہوتی ہے۔ [2] اس سلسلے میں امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طور طریقوں کی اقتداء کرو، کیونکہ وہی سب سے بہتر طور طریقے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی سنت کو اختیار کرو، کیونکہ وہی سب سے افضل سنت ہے۔ [3]

۳۔ پیش رو خلفائے راشدین کی اقتداء:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((اِقْتَدُوْا بِالَّذِیْنَ مِنْ بَعْدِیْ: أَبِیْ بَكْرٍ وَّ عُمَرَ.)) [4]

''میرے بعد ابوبکر وعمر کی اقتداء کرو۔''

---

[1] البدایة والنهایة (۷/ ۲٤٦).
[2] فقه التمکین فی القرآن الکریم / الصلابی ص (٤۳۲).
[3] البدایة و النهایة (۷/ ۳۱۹).
[4] صحیح سنن الترمذی (۳/ ۲۰۰).

عدل ومساوات:

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ عدل وانصاف کے میدان میں قدوہ تھے، آپ نے انصاف سے دلوں کو فتح اور عقلوں کو حیرت زدہ کردیا تھا، جس عدل کو آپ اپنی حکومت میں نافذ کرنے کے لیے کوشاں تھے وہ پوری مدت خلافت راشدہ میں اسلامی حکومت کے اہم ترین مبادیات کا ایک حصہ تھا۔ بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ وہ اسلام کی ایک عملی دعوت تھی جو انسانوں کے دلوں کو ایمان کے لیے کھولتی تھی، آپ مکمل طور سے نبی اکرم ﷺ کے منہج پر چلتے رہے اور آپ کی سیاست عدل ومساوات کے اصولوں پر کام کرتی رہی۔

شریح کا بیان ہے کہ جب علی رضی اللہ عنہ معاویہ رضی اللہ عنہ سے جنگ کے لیے آگے بڑھے تو اتفاق سے آپ کی زرہ غائب ہوگئی، جب لڑائی ختم ہوگئی تو آپ کوفہ لوٹ گئے، ایک مرتبہ بازار میں ایک یہودی کو وہ زرہ فروخت کرتے ہوئے دیکھا، آپ نے اس سے کہا: اے یہودی یہ زرہ میری ہے، نہ میں نے اسے کسی کو فروخت کیا ہے اور نہ ہی ہبہ کیا ہے۔ یہودی نے کہا: یہ زرہ میری ہے اور میرے قبضہ میں ہے۔ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا: تب چلو ہم دونوں اس سلسلہ میں قاضی سے فیصلہ کراتے ہیں۔ چنانچہ دونوں قاضی کے پاس گئے، علی رضی اللہ عنہ نے قاضی شریح کے پہلو میں بیٹھ گئے اور یہودی ان کے سامنے بیٹھا۔

قاضی شریح نے کہا: اے امیر المومنین! آپ اپنا دعویٰ پیش کیجیے، آپ نے فرمایا: ٹھیک ہے، میرا دعویٰ ہے کہ اس یہودی کے ہاتھ میں جو زرہ ہے وہ میری ہے، نہ میں نے اسے فروخت کیا ہے اور نہ ہبہ کیا ہے۔

قاضی شریح نے کہا: اے امیر المومنین: بینہ (دلیل وشہادت) پیش کیجیے، آپ نے فرمایا: ٹھیک ہے، قنبر [1]، حسن اور حسین گواہ ہیں کہ یہ زرہ میری ہے۔ قاضی نے کہا: بیٹے کی گواہی باپ کے حق میں قابل قبول نہیں، علی رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا جنتی کی شہادت قابل قبول نہیں ہوگی؟ جب کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

((اَلْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ سَيِّدَا شَبَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ .)) [2]

"حسن اور حسین نوجوانان جنت کے دو سردار ہیں۔"

یہودی نے کہا: امیر المومنین نے میرا معاملہ اپنے قاضی کے سامنے پیش کیا اور اس نے ان کے خلاف فیصلہ صادر کیا؟ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ دین حق ہے اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔

سچ ہے یہ زرہ آپ ہی کی ہے، واقعہ یہ ہے کہ آپ ایک خاکستری رنگ کے اونٹ پر سوار تھے اور صفین کی طرف جارہے تھے، رات کا وقت تھا اور یہ زرہ آپ سے گر گئی تھی، میں نے اسے اٹھا لیا تھا۔

---

[1] سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے غلام تھے۔

[2] مصنف ابن ابی شیبة حدیث نمبر (١٢٢٢٥)، مستدرك حاكم (٢/ ١٦٦).

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اب جب کہ تم نے حقیقت کا اعتراف کرلیا ہے تو یہ زرہ میں تمھیں دیتا ہوں، پھر آپ نے اسے ایک گھوڑا بھی سواری کے لیے عنایت فرمایا۔ قاضی شریح کا بیان ہے کہ پھر وہ چلا گیا اور بعد میں میں نے دیکھا کہ وہ نہروان [1] میں علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ خوارج کے خلاف لڑ رہا تھا۔

فیصلوں میں علی رضی اللہ عنہ کی عدل پرورصفت کا واقعہ ناجیہ القرشی سے مروی ہے وہ اپنے باپ کے واسطے سے بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم باب قصر پر کھڑے تھے، اتنے میں ہمیں علی رضی اللہ عنہ دکھائی دیے، ہم آپ کی ہیبت سے مرعوب ہوکر ایک کنارے کھڑے ہوگئے، جب آپ گزر گئے تو ہم بھی آپ کے پیچھے چل دیے، آپ سیدھے جارہے تھے کہ اچانک ایک آدمی نے آواز لگائی: اللہ کے واسطے میری مدد کرو، آپ نے اس کی طرف دیکھا کہ دو آدمی باہم لڑ رہے ہیں۔ آپ نے دونوں کے سینے پر ایک ایک گھونسہ مارا، پھر دونوں سے کہا: یہاں سے ہٹ جاؤ، ان میں سے ایک نے کہا: اے امیر المومنین! اس نے مجھ سے ایک بکری خریدی تھی اور میں نے اس سے کہا تھا کہ قیمت میں مجھے گھٹیا و نقلی سکہ نہ دینا، پھر بھی اس نے مجھے وہی دیا اور جب میں نے اس کی رقم اسے واپس کردی تو اس نے مجھے تھپڑ مارا۔

آپ نے دوسرے سے پوچھا: تم کیا کہتے ہو؟ اس نے کہا: اے امیر المومنین وہ سچ کہہ رہا ہے، آپ نے کہا: تو پھر اس کی شرط پوری کرو اور سنو! تم بیٹھ جاؤ، پھر جس کو طمانچہ مارا تھا اس سے کہا کہ اس سے بدلہ لو، اس نے کہا: اے امیر المومنین! اگر معاف کردوں تو؟ آپ نے کہا: اس کا تمھیں اختیار ہے۔ چنانچہ اس نے معاف کردیا اور جب طمانچہ مارنے والا جانے لگا تو علی رضی اللہ عنہ نے کہا: اے مسلمانو! اسے پکڑو، چنانچہ وہ پکڑ کر لایا گیا۔ پھر آپ نے اسے پندرہ کوڑے لگائے اور کہا: تم نے اس کی جو بے عزتی کی ہے یہ اس کی سزا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ یہ (تعزیری سزا) حاکم کا حق ہے۔ [2]

(۳)......معاشرتی زندگی اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اہتمام

توحید کی دعوت اور شرک سے جنگ:

امیر المومنین علی بن ابی طالب کی پوری زندگی توحید کی دعوت، ایمانیات کی تبلیغ، اللہ پر اعتماد و توکل اس سے خوف کی تفہیم و تشریح، اسمائے حسنیٰ اور بلند و بالا صفات کے حوالے سے ذات الٰہی کی تعریف اور شرک کی تمام شکلوں سے جنگ اور محاذ آرائی سے لبریز ہے، توحید کی دعوت اور شرک سے جنگ کے بارے میں آپ کی بے شمار تعلیمات و رہنمائیاں ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں:

---

[1] نہروان، واسط اور بغداد کے درمیان ایک جگہ ہے۔

[2] تاریخ طبری (٦/ ٧٢، ٧٣).

(۱) آپ نے فرمایا: ''کوئی انسان اگر امید لگائے تو صرف اپنے رب سے اور ڈرے تو صرف اپنے گناہ سے۔''[1]

آپ کا یہ قول کتنا زریں، بلیغ اور کامل ہے، یہ سچ ہے کہ امید صرف خیر کی کی جاتی ہے اور ڈر صرف مصائب و تکالیف سے لاحق ہوتا ہے اور تکالیف و مصائب بندے کے گناہوں کے سبب سے لاحق ہوتے ہیں:

﴿وَ مَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَ يَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ﴾ (الشوریٰ: ۳۰)

''اور جو بھی تمھیں کوئی مصیبت پہنچی تو وہ اس کی وجہ سے ہے جو تمھارے ہاتھوں نے کمایا اور وہ بہت سی چیزوں سے درگزر کر جاتا ہے۔''

امید لگانے والا خیر کی امید لگاتا ہے اور مصائب و مشکلات کا ازالہ چاہتا ہے اور یہ دونوں اللہ ہی کے اختیار میں ہیں نعمتوں کا عطا کرنے والا اللہ ہے اور مصائب کو دور کرنے والا بھی اللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ﴾ (یونس: ۱۰۷)

''اور اگر اللہ تجھے کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا اسے کوئی دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ تیرے ساتھ کسی بھلائی کا ارادہ کرلے تو کوئی اس کے فضل کو ہٹانے والا نہیں۔''

اور فرمایا:

﴿وَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ۝ كَلَّا ؕ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَ يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ۝﴾ (مریم: ۸۱-۸۲)

''اور انھوں نے اللہ کے سوا اور معبود بنا لیے، تاکہ وہ ان کے لیے باعث عزت ہوں۔ ہرگز ایسا نہ ہوگا، عنقریب وہ ان کی عبادت کا انکار کردیں گے اور ان کے خلاف مدمقابل ہوں گے۔''

اور فرمایا:

﴿فَاعْبُدْهُ وَ تَوَكَّلْ عَلَيْهِ ﴾ (ہود: ۱۲۳)...... ''اس (اللہ) کی عبادت کرو اور اسی پر توکل کرو۔''

اور فرمایا:

﴿قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابِ ۝﴾ (الرعد: ۳۰)

''کہہ دے وہی میرا رب ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اسی پر میں نے بھروسا کیا اور اسی کی طرف میرا لوٹنا ہے۔''

پس اللہ کا واضح اعلان ہے کہ استغفار کرنے والے کو وہ عذاب نہیں دے گا، اس لیے کہ استغفار گناہوں کو دھو

[1] الفتاویٰ (۸/ ۱۰۱).

دیتا ہے اور گناہ ہی عذاب کا سبب ہوتے ہیں، لہٰذا جب گناہ معاف ہوتے رہتے ہیں تو عذاب بھی نہیں آتا، چنانچہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

((مَنْ لَزِمَ الْاِسْتِغْفَارَ جَعَلَ اللّٰهُ لَهُ مِنْ كُلِّ هَمٍّ فَرَجًا وَمِنْ كُلِّ ضِيقٍ مَخْرَجًا وَ رَزَقَهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ .)) ❶

''جس نے استغفار کو لازم کر لیا اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہر رنج سے نجات پانے اور ہر تنگی سے نکلنے کا راستہ آسان کر دے گا اور اسے ایسی جگہ سے روزی دے گا کہ جس کا اس نے گمان بھی نہ کیا ہوگا۔''

اور فرمایا:

﴿قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ۭ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى ۚ﴾

(الاسراء: ۱۱۰)

''کہہ دے اللہ کو پکارو، یا رحمان کو پکارو، تم جس کو بھی پکارو گے سو یہ بہترین نام اسی کے ہیں۔''

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اِنَّ لِلّٰهِ تِسْعَةٌ وَّ تِسْعِيْنَ اِسْمًا۔ مِئَةٌ اِلَّا وَاحِدَةٌ۔ مَنْ أَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ .)) ❷

''بے شک اللہ کے ننانوے نام ہیں ۔سو میں ایک کم۔ جس نے ان کا احصاء کر لیا جنت میں داخل ہوگا۔''

اللہ کی صفات کے بارے میں علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

((اِنَّ اللّٰهَ رَفِيْقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ وَيُعْطِيْ عَلَى الرِّفْقِ مَا لَا يُعْطِيْ عَلَى الْعُنْفِ .)) ❸

''اللہ تعالیٰ نرم دل ہے، نرمی کو پسند کرتا ہے، اور نرم دلی برتنے پر وہ کچھ دیتا ہے جو سخت دلی پر نہیں دیتا۔''

امیر المومنین سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو جاہلیت کے نشانات مٹانے کا حرص:

سیّدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ ایک جنازہ میں تھے۔ اس وقت آپ نے فرمایا: تم میں کون ایسا ہے جو مدینہ جائے اور وہاں جتنے بت ہیں انھیں توڑ دے، اونچی قبروں کو برابر کر دے اور تصاویر کو مسخ کر دے؟ علی رضی اللہ عنہ نے کہا: میں جا رہا ہوں، اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے فرمایا کہ جاؤ، چنانچہ آپ گئے پھر لوٹ کر آئے تو اللہ کے رسول ﷺ کو بتایا کہ میں نے کسی بت کو نہیں چھوڑا، سب کو توڑ دیا، ساری اونچی قبروں کو برابر کر دیا اور تصویروں کو مسخ کر دیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ عَادَ لِصَنْعِهٖ شَيْءٌ مِنْ هٰذَا فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ .)) ❹

❶ سنن ابن ماجه / حديث نمبر (۳۸۱۹) سنن ابی داؤد/ حديث نمبر (۱۵۱۸).
❷ صحيح البخاری/ الدعوات / حديث نمبر (٦٤١٠).
❸ مسند أحمد (۲/ ۱۷۳) احمد شاکر فرماتے ہیں کہ اس کی سند حسن ہے۔
❹ مسند احمد (۲/ ۸۷ حديث نمبر) (٦٥٧) الرسالة ، احمد شاکر فرماتے ہیں: اس کی سند حسن ہے۔

''جس نے مذکورہ چیزوں میں سے کسی چیز کو دوبارہ کیا تو اس نے محمد کی لائی ہوئی شریعت کا انکار کیا۔''

چنانچہ اسی تربیت نبوی کی حرارت تھی کہ جب آپ امیر المومنین بنائے گئے تو آپ نے ابوالھیاج اسدی کو اسی مہم پر روانہ کیا اور ان سے کہا: میں تم کو اسی مہم پر بھیج رہا ہوں جس پر مجھے رسول اللہ ﷺ نے بھیجا تھا، جاؤ تم کسی بت کو نہ چھوڑنا، سب کو ڈھا دینا، کسی اونچی قبر کو نہ چھوڑنا، اسے ضرور برابر کر دینا۔ [1]

امیر المومنین سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کواکب پرستی کے عقیدہ کو باطل قرار دیتے ہیں:

جب سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے خوارج سے جنگ کے لیے سفر پر نکلنے کا ارادہ کیا تو ایک نجومی آپ کے پاس آیا اور کہا: اے امیر المومنین! قمر در عقرب ہے، اس لیے آپ سفر نہ کریں، اگر قمر در عقرب کے ہوتے ہوئے آپ سفر کریں گے تو آپ کے ساتھی شکست کھا جائیں گے۔ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اللہ پر توکل و مکمل اعتماد اور تمھارے عقیدہ کو جھٹلاتے ہوئے ضرور جنگ پر جاؤں گا، چنانچہ آپ نے سفر کیا اور اللہ نے اس پر برکت عطا فرمائی اور بیشتر خوارج قتل کیے گئے۔ [2]

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی ذات میں مبالغہ کرنے اور الوہیت کا درجہ دینے والوں کو آپ نے سزا دی:

عبداللہ بن شریک العامری اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: علی رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی گئی کہ یہاں مسجد کے دروازہ پر کچھ لوگوں کی ایک جماعت ہے جو آپ کو اپنا رب مانتی ہے۔ آپ نے ان لوگوں کو بلوایا اور کہا: تمھارا ستیاناس ہو، تم لوگ کیا کہہ رہے ہو؟ انھوں نے جواب دیا: آپ ہمارے رب، خالق اور رازق ہیں۔ آپ نے فرمایا: تمھارا برا ہو؟ سنو! میں بھی تمھاری طرح ایک انسان ہوں، تمھاری طرح کھاتا پیتا ہوں، اگر میں نے اللہ کی اطاعت کی تو وہ مجھے ان شاء اللہ ثواب سے نوازے گا اور اگر میں نے اس کی نافرمانی کی تو مجھے ڈر ہے کہ وہ عذاب دے گا۔ اے لوگو! تم اللہ سے ڈرو اور اپنی بات سے باز آجاؤ، لیکن انھوں نے آپ کی ایک نہ سنی اور دوسرے دن صبح کو آپ کے پاس آئے، قنبر بھی آئے اور کہنے لگے: میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں، یہ لوگ آپ کے پاس سے واپس گئے، اور وہی بات کہہ رہے تھے جو ان کا پہلے عقیدہ تھا، آپ نے فرمایا: انھیں بلاؤ، لیکن انھوں نے پھر وہی جواب دیا، چنانچہ جب تیسرا دن ہوا تو آپ نے فرمایا: اگر تم اب بھی اپنے عقیدہ سے باز نہیں آتے تو تمھیں بہت بری موت ماروں گا۔ لیکن انھوں نے آپ کی بات ماننے سے انکار کر دیا، پھر آپ نے اپنی رہائش گاہ اور مسجد کے درمیان ایک گڑھا کھدوایا، اس میں آگ جلائی اور کہا: اگر تم لوگ اپنے عقیدہ سے باز آجاؤ تو ٹھیک ورنہ تمھیں اس میں ڈال دوں گا۔ پھر بھی انھوں نے آپ کی بات ماننے سے انکار کر دیا، چنانچہ آپ نے انھیں اس آگ میں

[1] صحیح مسلم / الجنائز (۲/ ٦٦٦).

[2] مجموع الفتاوٰی (۳۵/ ۱۷۹) ، البدایة والنهایة (۷/ ۲۸۸).

ڈلوا دیا اور جب سب جل کر خاکستر ہو گئے۔

قضاء وقدر کے بارے میں امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا عقیدہ:

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: روئے زمین پر کوئی چیز اس وقت تک واقع نہیں ہوتی جب تک کہ آسمان میں اس کا فیصلہ نہیں کر دیا جاتا اور ہر آدمی کے ساتھ دو فرشتے مقرر ہیں جو اس کی طرف سے دفاع کرتے ہیں اور حفاظت کرتے ہیں یہاں تک کہ اس کی تقدیر آ پہنچتی ہے اور جب تقدیر اپنا فیصلہ لے آتی ہے تو وہ دونوں اس کے اور تقدیر کے بیچ سے ہٹ جاتے ہیں اور میں اللہ کی طرف سے مضبوط ڈھال کی حفاظت میں ہوں، لیکن جب میری موت کا وقت آ جائے گا تو وہ ڈھال مجھ سے ہٹ جائے گی اور کوئی مسلمان ایمان کا ذائقہ اس وقت تک نہیں پاتا جب تک کہ وہ یہ نہ جان لے کہ اسے جو کچھ آرام و تکلیف پہنچی ہے وہ خطا کرنے والی نہ تھی اور جو اسے نہیں پہنچی ہے وہ پہنچنے والی نہ تھی۔ [1]

اللہ تعالیٰ بے شمار انسانوں کا حساب کیسے کرے گا؟

آپ سے پوچھا گیا کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کی اتنی بڑی تعداد کا حساب و کتاب کیسے کرے گا؟ آپ نے فرمایا: جیسے اتنی بڑی تعداد کو روزی دیتا ہے۔ [2]

مہلک امراض، جن سے امیر المومنین علی بن ابی طالب نے ڈرایا:

(۱) گناہ کا اثر (۲) لمبی امید اور نفس پرستی

(۳) ریاکاری (۴) خود پسندی

امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا بازاروں کی اصلاح کرنا

امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بازار میں لوگوں کے باہمی معاملات کا جائزہ لینے اور اسلامی شریعت کے مطابق انھیں خرید و فروخت کرنے پر ابھارنے کے حریص تھے، یہ امر واقعہ ہے کہ بازار کے معاملات میں محاسبہ کرنے پر آپ بہت زیادہ توجہ دیتے تھے، چنانچہ حر بن جرموز المرازی اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: میں نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو محل سے نکلتے ہوئے دیکھا ان کے جسم پر دو چادریں تھیں، آدھی پنڈلی تک ازار پہنے ہوئے تھے، چادر بھی تقریباً وہیں تک لٹکتی تھی، آپ دُرّہ لیے ہوئے بازار میں گھوم رہے تھے اور انھیں اللہ کے تقویٰ اور حلال تجارت کا حکم دے رہے تھے اور کہتے تھے: ناپ تول برابر برابر کرو اور گوشت کی تنقیح نہ کرو (یعنی

---

[1] حیاۃ الصحابۃ (۳/ ۳۰۵) فرائد الکلام ص (۳٤۸).

[2] أدب الدنیا والدین ص (۲٦) فرائد الکلام ص (۳۳۹).

گوشت کہہ کر ہڈی اور چربی اتار کر گوشت نہ بیچو)۔ ❶

زادان کا بیان ہے کہ علی رضی اللہ عنہ بازار میں تنہا چلتے تھے، بھٹکے ہوؤں کو راستہ دکھاتے، کمزور کی مدد کرتے، خرید و فروخت کرنے والوں اور سبزی فروشوں کے پاس سے گزرتے، انھیں قرآن کی یہ آیت پڑھ کر سناتے:

﴿ تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَ لَا فَسَادًا ﴾

(القصص : ۸۳)

''یہ آخری گھر، ہم اسے ان لوگوں کے لیے بناتے ہیں جو نہ زمین میں کسی طرح اونچا ہونے کا ارادہ کرتے ہیں اور نہ کسی فساد کا۔''

پھر فرماتے: یہ آیت کریمہ عدل پرور اور تواضع پسند حکمرانوں اور تمام اصحاب مقدرت لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ ❷

خلال اپنی سند سے نقل کرتے ہیں کہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: علی رضی اللہ عنہ بازار جاتے اور فرماتے: اے بازار کے لوگو! اللہ سے ڈرو، خاص طور سے قسم کھانے سے بچو کیونکہ قسم سامان کو فروخت ضرور کرا دیتی ہے لیکن برکت کو ختم کر دیتی ہے، تاجر تو فاجر ہوتا ہے، سوائے اس تاجر کے جو لینے اور دینے میں حق کو ترجیح دے، والسلام علیکم، پھر لوٹ جاتے، کچھ دیر بعد پھر واپس آتے اور یہی باتیں دہراتے۔ ❸

❶ فضائل الصحابة (۹۳۸) ۲/ ۶۸۸ اس کی سند صحیح ہے۔ اور بعض روایات میں لا تنقحوا وارد ہے دیکھئے: الطبقات لابن سعد (۳/ ۲۸) اور مصنف ابن أبی شیبة (۷/ ۳۰۸) تنقیح العظام کا مطلب ہے ہڈی سے مغز الگ کر دینا جب اونٹنی کی چربی کم ہو جاتی تو اہل عرب کہتے ہیں ''تَنْقُحُ شَحْمُ النَّاقَةِ'' یہاں گوشت کی تنقیح کا مطلب شاید یہ ہے کہ اس ہڈی کا مغز نکال کر نہ فروخت کرو جس پر گوشت چڑھا ہوا ہو، دیکھئے: لسان العرب (۲/ ۶۲٤) یہاں لا تنقحوا اللحم وارد ہے جس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ گوشت اتار کر صرف ہڈی نہ بیچا کرو یا یہ کہ چربی اتار کر گوشت مت بیچو۔ اور یہی مفہوم زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کیونکہ ''تنقی'' کا اصل معنی صاف کرنا اور چھیلنا ہوتا ہے۔ (مترجم)

❷ الدر المنثور / السیوطی (٦/ ٤٤٤) البداية والنهاية (۸/ ٥).

❸ السنة / الخلال ص (۳٥۲) بتحقيق د/ عطيه الزهرانی.

چوتھا باب:

امیر المومنین سیّدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے عہد میں ادارۂ مالیات، محکمہ قضاء اور آپ کے بعض فقہی اجتہادات

(۱)......ادارۂ مالیات

امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اسلامی سلطنت کی سابقہ مالی سیاست میں کوئی قابل ذکر تبدیلی نہیں واقع ہوئی، البتہ اتنا ضرور ہوا کہ عہد صدیقی میں عطا و وظائف میں مساوات کا جو نظام نافذ تھا آپ نے اس کو ترجیح دی [1] اور کسی کو کسی پر برتری نہ دی، موالی کو بھی انھیں عطایا سے نوازا جن سے سادات کو نوازا۔ [2]

بعض شہروں میں خراج کی ذمہ داری خود وہاں کے حکمرانوں کے سر ہوتی تھی، چنانچہ مصر کے جنرل گورنر قیس بن عبادہ وہاں کے خراج کے ذمہ دار تھے، اسی طرح علی رضی اللہ عنہ نے جب اشتر نخعی کو مصر کا گورنر بنا کر بھیجا تو اس کو جن باتوں کی خصوصی ہدایات تھیں ان میں یہ چیز بھی شامل تھی کہ گورنر کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے ساتھ وہ خراج کے بارے میں بھی اس ڈھنگ سے ذمہ داری نبھائے گا جو خراج دہندگان کے مناسب اور قابل عمل ہو، کیونکہ خراج اور خراج دہندگان کی درستگی و خوشحالی میں دوسروں کی درستگی و خوشحالی مضمر ہے۔ خراج اور خراج دہندگان ہی پر عوامی آمدنی کا تکیہ ہے اور سنو! تمھاری نگاہ خراج کی وصول یابی سے زیادہ انھیں آباد کرنے اور اسے قابل زراعت بنانے پر ہو، اس لیے کہ اسے زرخیز اور قابل زراعت بنانے ہی پر خراج کی آمدنی میں کامیابی حاصل کی جاسکتی ہے۔ جو شخص زمین کو زرخیز اور قابل زراعت بنائے بغیر خراج کا مطالبہ کرتا ہے وہ شہروں کو بہت نقصان پہنچاتا ہے اور بندوں کو ہلاک کر دیتا ہے، اس کا معاملہ بس معمولی وقت کے لیے ٹھیک ٹھاک رہ سکتا ہے۔ اگر خراج دہندگان تم سے کسی بوجھ یا زمین کی خرابی کی شکایت کریں یا پانی کی سیرابی کی کمی بتائیں، یا سیلاب زدگی یا خشک سالی اور قحط کو کم پیداوار کا سبب بتائیں تو تم اپنی صواب دید پر کہ جس سے ان کا معاملہ درست رہ سکے ان سے خراج کم کر دو، زرخیز و قابل کاشت زمین وہ بوجھ اٹھائے گی جو تم اس سے اٹھواؤ گے، مالکان زمین کی بدحالی سے زمین کی صلاحیت بھی خراب ہو جاتی ہے اور زمین اپنے مالکان کو بدحال اس وقت کرتی ہے جب حکمراں اپنے پوری رعایا پر حرص و طمع کی نگاہ ڈالنے لگتے ہیں اور زندگی کے بارے میں بدگمانی کا شکار ہو جاتے ہیں اور عبرتوں سے آنکھیں موند لیتے ہیں۔ [3]

---

[1] الاستیعاب (۳/ ۱۱).

[2] علی بن أبی طالب / د۔علی شرقی ص (٦٦).

[3] الولایة علی البلدان (۲/ ۱۵۳-۱٦۳).

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ خراج کو محض ایک محصول کی حیثیت سے نہیں بلکہ مکمل ایک اقتصادی مسئلہ کی حیثیت سے دیکھتے تھے، کیونکہ اس وقت خراج ادارہ مالیات میں اساسی آمدنی کی حیثیت رکھتا تھا، چنانچہ علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ بات مشہور ہے کہ آپ ہر اعتبار سے اپنے گورنروں کی سخت نگرانی کرتے تھے اور خراج و دیگر مالیاتی شعبے ان حساس شعبوں میں سے ایک تھے جس پر آپ کافی دقیق نظر رکھتے تھے، مخبروں اور خفیہ ایجنسی کے کارندوں کو ریاستوں میں بھیجتے رہتے تھے کہ وہ وہاں کے حکمرانوں کے حالات سے آپ کو خبردار رکھیں۔[1] ریاست کے گورنروں کو اپنی ریاست اور وہاں کے بیت المال کی آمدنی کے اخراجات کے مکمل اختیارات حاصل تھے چنانچہ خلافت راشدہ کے عہد میں جو لوگ براہ راست بیت المال کے ذمہ دار اعلیٰ ہوتے اور اسی طرح جو لوگ خراج کی آمدنی کے ذمہ دار ہوتے عموماً یہ لوگ اپنی صواب دید سے ریاست کے مفاد میں اور اسلامی کاموں میں اسے خرچ کرتے تھے، مثلاً اس آمدنی کو جہاد کے لیے ہتھیار سازی، سواریوں کی خریداری اور فوجیوں کی تنخواہوں وغیرہ میں استعمال کرتے تھے، اسی طرح ریاست کے سرکاری ملازمین اور اعلیٰ عہدہ داروں کی تنخواہیں بھی خود ہی تقسیم کرتے تھے۔[2] صرف اتنا ہی نہیں بلکہ بعض اوقات حسب ضرورت اپنی ریاستی آمدنی ہی سے ریاست کے ضروری مقامات پر پل تعمیر کرواتے، تالاب، چشمے اور نہر کھدواتے۔[3]

(۲)......محکمہ قضاء

امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے منصب خلافت سنبھالی تو اس کے ساتھ ہی وہ فتنے چمٹے رہے جو عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل اور اس کے بعد کے ناگفتہ بہ حالات وحوادث کے نتیجہ میں رونما ہوئے، یہ ایسے سنگین حوادث تھے جنھوں نے مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پیدا کر دیا تھا اور انھیں ٹکڑوں میں بانٹ دیا تھا، لہٰذا اختلافات کی خلیج پاٹنے کے لیے ان حوادث کا مقابلہ کرنا آپ کی سب سے اہم مصروفیت تھی، تاہم آپ کے عہد میں یہ تمام تر حوادث اور خون ریز معرکے آپ کو قضاء وعدل کا خصوصی اہتمام کرنے اور اسے منظّم کرنے سے نہ روک سکے۔ اس کی دلیل آپ کا وہ خط ہے جسے آپ نے اپنے مصری گورنر اشتر نخعی کے نام بھیجا تھا، اس میں آپ نے لکھا تھا: ''لوگوں کے مقدمات کا فیصلہ کرنے کے لیے ایسے شخص کو مقرر کرو جو تمھارے نزدیک سب سے معزز ہو، کہ جس کے فیصلہ کو لوگ بلا چوں چراں مان لیں، اور کسی میں اس پر اعتراض کرنے کی جرأت نہ ہو، لغزش ہو جانے پر وہ سرکشی نہ کرے، حق کی معرفت کے بعد اسے تسلیم کرتے ہوئے شکستہ خاطر نہ ہو، وہ طمع سے پاک ہو، وسیع النظر کو پاتے ہوئے اپنی کم فہمی پر اکتفا نہ کرے، اعتراضات کی جگہوں سے خوب اچھی طرح واقف ہو، دلائل پر نگاہ رکھنے میں کامل ہو، فریقین کے دلائل سے گھبرائے نہیں، حقائق کی جاں کاری اور معاملہ کی تہ تک پہنچنے کے لیے نہایت سنجیدہ ہو، کسی کی سفارش اور کسی کا عہدہ یا شرف اسے

---

[1] الولایة علی البلدان (۲/ ۹۸) النظریات المالیة فی الإسلام ص (۱۵۵).
[2] التراتیب الإداریة / الکتانی (۱/ ۳۹۳).
[3] الولایة علی البلدان (۲/ ۸).

حق فیصلہ کرنے سے مرعوب نہ کرے۔ اگرچہ ایسے لوگ بہت تھوڑے ہیں اور تم بھی اس کے فیصلوں پر گہری نگاہ رکھو، اس کی تنخواہ اس لیے زیادہ مقرر کرو کہ اسے رشوت خوری کی لت نہ پڑے اور اسے کم سے کم لوگوں سے واسطہ پڑے، اس کی قدر و منزلت تمھارے نزدیک اتنی ہونی چاہیے کہ کوئی شخص اس کے خلاف تمھارے کان بھرنے کی جرأت نہ کر سکے۔ [1]

اس خط میں مزید تحریر فرماتے ہیں: ''اللہ کے ساتھ انصاف کرو، اپنے ساتھ اپنے گھر و خاندان کے مخصوص افراد اور رعایا میں جس سے تمھیں خاص لگاؤ ہو اس کے ساتھ بھی انصاف سے کام لو، اگر تم ایسا نہیں کرتے تو ظالم ہو اور جو شخص اللہ کے بندوں کے ساتھ ظلم کرتا ہے تو بندوں کی طرف سے اللہ اس کا مدمقابل ہو جاتا ہے اور اللہ جس کا مدمقابل ہو جاتا ہے اس کے تمام دلائل اور تدبیروں کو باطل کر دیتا ہے۔ ایسا انسان اللہ سے برسرپیکار ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ ظلم سے باز آ جائے یا توبہ کر لے، اللہ کی نعمتوں کو چھیننے اور اس کے فوری عذاب کو دعوت دینے کے لیے ظلم سے بدتر کوئی گناہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ مظلوموں کی دعا سننے والا ہے اور ظالموں پر گھات لگائے بیٹھا ہے۔'' [2]

امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے مشہور قاضی

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دور حکومت سے پہلے کے جن قاضیوں کو منصب قضاء کے مناسب سمجھا انھیں اپنے منصب پر باقی رکھا اور مزید چند دیگر قاضیوں و والیانِ ریاست کا بھی تقرر کیا۔ [3] آپ کے اہم قاضی اور والی یہ ہیں:

۱۔ شریح بن حارث
۲۔ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ
۳۔ عبیداللہ بن مسعود
۴۔ عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ
۵۔ قیس بن سعد رضی اللہ عنہ
۶۔ عمارہ بن شہاب رضی اللہ عنہ
۷۔ قثم بن عباس رضی اللہ عنہما
۸۔ جعدہ بن ہبیرہ مخزومی
۹۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما
۱۰۔ سعید بن نمران ہمدانی
۱۱۔ عبیدۃ السلمانی
۱۲۔ محمد بن یزید بن خلیدہ الشیبانی

(۳)...... امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی فقاہت

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ دینی علم و بصیرت کا سمندر تھے، آپ نے عبادات کے احکام بتانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی، اگر ان احکامات کو یکجا کیا جائے تو کئی ضخیم جلدیں درکار ہوں گی۔ [4] میں اس کتاب میں بطور مثال صرف چند احکام کا مجموعہ ذکر کروں گا:

---

[1] شرح نہج البلاغۃ بحوالہ نظام الحکم فی الإسلام / القاسمی (۲/ ۱۰۳).
[2] شرح نہج البلاغۃ بحوالہ نظام الحکم فی الإسلام / القاسمی (۲/ ۵۵۹).
[3] القضاء فی صدر الإسلام / جبر محمود ص (۲۳۹).
[4] اس ضمن میں دو کتابیں قابل ذکر ہیں (۱) موسوعۃ فقہ علی بن أبی طالب / محمد قلعجی (۲) فقہ الإمام علی / أحمد طہٰ.

طہارت کے احکام

۱۔ شیر خوار بچی کا پیشاب دھویا جائے گا اور بچے کے پیشاب پر چھینٹے مارے جائیں گے:

امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: بچی کا پیشاب دھویا جائے گا اور بچے کے پیشاب پر چھینٹے مارے جائیں گے، جب تک کہ وہ اناج نہ کھائیں۔[1] اس کی دلیل یہ ہے کہ جب حسین بن علی رضی اللہ عنہما نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں پیشاب کر دیا تو لبابہ بنت حارث رضی اللہ عنہا نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ مجھے اپنا کپڑا دے دیں اور دوسرا کپڑا پہن لیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بچے کے پیشاب پر چھینٹے مارے جائیں گے اور بچی کا پیشاب دھویا جائے گا۔[2]

۲۔ بیٹھنے والے کی نیند اور اس کے ناقض وضو ہونے کا حکم:

امام عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں اپنی سند سے لکھا ہے کہ علی اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما اور امام شعبی نے بیٹھ کر سونے والے آدمی کے بارے میں فتویٰ دیا کہ اس پر وضو لازم نہیں ہے۔[3] اس کی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہے:

((اَلْعَيْنُ وِكَاءُ السَّهِ فَمَنْ نَامَ فَلْيَتَوَضَّأْ .))[4]

''آنکھ شرم گاہ کا بندھن ہے، پس جو سو گیا وہ وضو کر لے۔''

۳۔ مذی ناقض وضو ہے:

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے بہت مذی آتی تھی، میں نے (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کا لحاظ کرتے ہوئے) ایک آدمی[5] کو حکم دیا کہ اس سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھیں، انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ نے فرمایا:

((تَوَضَّأْ وَ اغْسِلْ ذَكَرَكَ .))[6] ...... ''وضو کرو اور اپنی شرمگاہ دھو لو۔''

---

[1] صحیح سنن ابی داؤد / البانی (۱/ ۷۵) یہ حدیث موقوفاً صحیح ہے۔

[2] صحیح سنن ابن ماجه (۱/ ۸۵) یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

[3] مصنف عبدالرزاق (۱/ ۱۳۱).

[4] صحیح سنن ابی داؤد / البانی (۱/ ۴۱) اس حدیث میں بیٹھ کر سونے اور لیٹ کر سونے کے درمیان تفریق نہیں کی گئی ہے مطلق نیند کو ناقض کہا گیا ہے لہٰذا اس کو بطور دلیل ذکر کرنا مناسب نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں راجح بات یہ ہے کہ گہری نیند ناقض ہے ہلکی نیند جس سے ہوش وحواس ختم نہ ہوں ناقض نہیں ہے خواہ کسی حالت میں ہو اس طرح تمام روایات میں تطبیق ہو جاتی ہے۔ واللہ اعلم۔ (مترجم)

[5] اس سے مراد مقداد بن اسود ہیں، جیسا کہ صحیح بخاری میں وضاحت ہے۔

[6] صحیح مسلم / الحیض (۱/ ۲۴۷).

۴۔ جنابت کے علاوہ تمام حالات میں مصحف کو ہاتھ میں لیے بغیر قرآن کی تلاوت کرنا:

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جنابت کے علاوہ بقیہ تمام حالات میں ہمیں قرآن پڑھاتے تھے۔ ❶

عامر شعبی کہتے ہیں کہ میں نے ابوالعریف ہمدانی کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پاس تھا، انھوں نے پیشاب کیا اور پھر کہا: قرآن کو پڑھو، جب تک جنابت نہ ہو، اور جب جنابت لاحق ہو تو ہرگز نہ پڑھو، حتی کہ ایک حرف بھی نہ پڑھو۔ ❷

نماز کے احکام

۱۔ رکوع یا سجدہ کی حالت میں تلاوت قرآن کی ممانعت:

سیّدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے مجھے رکوع یا سجدہ کی حالت میں قرآن کی تلاوت کرنے سے منع فرمایا۔ ❸

۲۔ فوت شدہ نمازوں کی قضاء:

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس شخص کی نماز فوت ہوجائے اس پر اس کی قضاء واجب ہے اور فی الفور قضاء کر لینا مستحب ہے اور آپ نے فرمایا: جب آدمی نماز سے سو جائے یا بھول جائے، تو جب بیدار ہو یا بھولی ہوئی نماز یاد آئے فوراً اسے پڑھ لے۔ ❹ اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔ ❺ اس کی دلیل نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان ہے:

((إِذَا رَقَدَ أَحَدُكُمْ عَنِ الصَّلَاةِ أَوْ غَفَلَ عَنْهَا فَلْيُصَلِّهَا إِذَا ذَكَرَهَا فَإِنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ:

﴿وَ أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ۝﴾ (طه: ١٤) ❻

"جب تم میں سے کوئی نماز سے سو جائے یا غافل ہو جائے تو جب وہ یاد آئے پڑھ لے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: تم میرے ذکر کے لیے نماز قائم کرو۔"

میت کو غسل دینے اور اس کی تکفین کے احکام

۱۔ شوہر کا اپنی بیوی کو غسل دلانا:

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک شوہر اپنی فوت شدہ بیوی کو غسل دے سکتا ہے، آپ نے خود اپنی بیوی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو غسل دیا۔ ❼ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے وصیت کی تھی کہ انھیں میرے اور علی کے علاوہ

❶ مسند أحمد (۲/ ۵۱) احمد شاکر فرماتے ہیں: اس کی سند صحیح ہے۔
❷ مصنف عبدالرزاق (۱/ ۳۳۶)۔
❸ صحیح مسلم (۱/ ۳۴۹)۔
❹ مصنف ابن أبی شیبة (۲/ ۶۲)۔
❺ فقه الإمام علی بن أبی طالب (۱/ ۱۸۱)۔
❻ صحیح مسلم / المساجد و مواضع الصلاة (۱/ ۴۷۷) حدیث نمبر (۶۸۴)۔
❼ السیل الجرار (۱/ ۳۴۴) المبسوط (۲/ ۷۱)۔

کوئی دوسرا غسل نہ دے گا، اس لیے ان کی وفات پر میں نے اور علی نے انھیں غسل دیا۔ ❶ اس عمل پر صحابہ کا اجماع ہے کیونکہ اس واقعہ کو تمام صحابہ نے جانا لیکن کسی نے انکار نہیں کیا۔ ❷ اور یہی جمہور علماء کا مسلک ہے۔ اس عمل کی دلیل رسول اللہ ﷺ کا عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے یہ فرمان ہے:

((مَا ضَرَّكِ لَوْ مُتِّ قَبْلِيْ فَغَسَلْتُكِ وَ كَفَنْتُكِ ثُمَّ صَلَّيْتَ عَلَيْكِ وَ دَفَنْتُكِ .)) ❸

''اگر مجھ سے پہلے تمھاری وفات ہو جاتی ہے تو تمھارے لیے کوئی تکلیف کی بات نہیں، میں تمھیں غسل دلاؤں گا، کفن دوں گا، پھر تمھاری نماز جنازہ پڑھاؤں گا اور تمھیں دفن کروں گا۔''

۲۔ میت کے مال سے تکفین:

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک اگر میت اپنا ذاتی مال چھوڑ کر وفات پاتی ہے تو اس کے مال سے اس کے کفن کا انتظام کیا جائے گا۔ ❹ عبداللہ بن ضمیرہ کی روایت کرتے ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کفن کا انتظام میت کے اصل مال سے ہوگا۔ ❺ اس کی دلیل یہ ہے کہ غزوۂ احد کے موقع پر مصعب بن عمیر شہید کر دیے گئے اور انھیں کفن دینے کے لیے ایک چھوٹی چادر تھی اگر اس سے سر ڈھانپتے تو پاؤں کھل جاتے اور پاؤں ڈھانپتے تو سر کھل جاتا، اس کے علاوہ جب ہمیں کوئی چیز نہ ملی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((ضَعُوْهَا مِمَّا يَلِيْ رَأْسَهُ وَ اجْعَلُوْا عَلٰى رِجْلَيْهِ الْاَذْخَرَ .)) ❻

''سر کی طرف ڈھانپ دو اور دونوں پاؤں پر اذخر ڈال دو۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر میت کے کفن کی ذمہ داری مسلمانوں پر عائد ہوتی ہے تو آپ ﷺ بروقت موجود مسلمانوں کا تعاون لے کر ان کے کفن کا انتظام کروا دیتے۔ ❼

۳۔ شہید کو غسل دینا اور اس کی تکفین:

امام کاسانی وغیرہ نے علی رضی اللہ عنہ کا یہ مسلک نقل کیا ہے کہ شہید کو نہ غسل دیا جائے گا اور نہ ہی اس کی تکفین ہوگی۔ ❽ چنانچہ روایات میں ہے کہ جن لوگوں نے آپ کے ساتھ مخالفین سے جنگ لڑی تھی اور قتل کر دیے گئے

---

❶ مصنف عبدالرزاق (۳/ ۴۱۰) المحلی (۵/ ۱۷۵).

❷ المغنی (۲/ ۲۵۲) نیل الأوطار (۴/ ۵۸).

❸ سنن ابن ماجه حدیث نمبر (۱۴۶۴) اس کی سند صحیح ہے۔

❹ فقه الإمام علی بن أبی طالب (۱/ ۳۰۵).

❺ المعجم الأوسط / طبرانی (۴/ ۶۷) اس کی سند ضعیف ہے۔

❻ صحیح مسلم (۲/ ۶۴۹) حدیث نمبر (۹۴۰).

❼ فقه الإمام علی بن أبی طالب (۱/ ۳۰۶).

❽ البدائع (۲/ ۲۸۷) فقه الإمام علی بن أبی طالب (۱/ ۳۰۶) یعنی الگ سے اس کو کفن نہیں دیا جائے گا اسی کے کپڑوں میں اس کو دفن کر دیا جائے گا۔ (مترجم)

تھے، آپ نے نہ ان کو غسل دیا اور نہ ہی ان کی تکفین کا حکم دیا، بلکہ عمار رضی اللہ عنہ کو بغیر غسل دیے دفن کر دیا۔ ❶ حسن بصری اور سعید بن مسیّب رحمہما اللہ کے علاوہ جمہور اہل علم کا یہی مسلک ہے۔ البتہ یہ دونوں غسل دینے کے قائل ہیں اس شبہ کی بنا پر کہ میت جنبی ہوسکتا ہے۔ ❷

زکوٰۃ کے متعلق احکام

۱۔ کسی مال پر سال گزرنے سے پہلے زکوٰۃ نہیں ہے:

امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ صراحت سے فرماتے ہیں کہ کسی مال پر اس وقت تک زکوٰۃ فرض نہیں جب تک کہ اس پر سال نہ گزر جائے۔ ❸ واضح رہے کہ یہ شرط نقود، چوپائے اور اموال تجارت کے ساتھ مشروط ہے، کھیتی کا حکم اس سے مستثنیٰ ہے، یہ ایک اجماعی مسئلہ ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ ❹

۲۔ سونے چاندی کا نصاب اور ان میں مقدار زکوٰۃ:

امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے صراحت کی ہے کہ سونے کا نصاب بیس (۲۰) مثقال (۸۵ گرام) ہے، اس سے کم پر زکوٰۃ نہیں اور اگر اس سے زیادہ ہو جائے تو اسی حساب سے شمار کیا جائے گا۔ آپ فرماتے ہیں: بیس دینار سے کم پر کوئی زکوٰۃ واجب نہیں، جب بیس دینار ہو جائے تو اس میں نصف دینار زکوٰۃ واجب ہے۔ اور جب چالیس دینار ہو جائے تو اس میں ایک دینار واجب ہے۔ اس طرح جتنا بڑھتا جائے اسی حساب سے زکوٰۃ دی جائے گی۔ ❺ اور چاندی کے نصاب کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ: دوسو درہم (۵۹۵ گرام) سے کم میں زکوٰۃ واجب نہیں۔ ❻ جب دوسو درہم پورا ہو جائے تو اس میں پانچ درہم زکوٰۃ ہے۔ اگر دوسو درہم سے کم ہے تو اس میں کوئی زکوٰۃ نہیں اور اگر دوسو سے بڑھ جائے تو مذکورہ حساب سے زکوٰۃ دی جائے۔ ❼

۳۔ غلہ جات کی جن اصناف میں زکوٰۃ واجب ہے:

ابن حزم وغیرہ نے لکھا ہے کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک کھیتی کی پیداوار میں سے پیدا ہونے والے غلہ جات میں گیہوں، جو، کھجور اور کشمش پر زکوٰۃ واجب ہے۔ ❽ آپ فرماتے ہیں: زکوٰۃ چار چیزوں سے ادا کی جائے، گیہوں سے اور اگر گیہوں نہ ہو تو کھجور سے، اگر کھجور نہ ہو تو کشمش سے اور اگر کشمش نہ ہو تو جَو سے۔ ❾

---

❶ المغنی (۲/ ۵۳٤) فقه الإمام (۱/ ۳۰٦).

❷ البدائع (۲/ ۸۰٦) المغنی (۲/ ۵۲۹).

❸ مسند أحمد (۲/ ۳۱۱) احمد شاکر فرماتے ہیں اس کی سند صحیح ہے۔

❹ موسوعة فقه الإمام علی / قلعجی ص (۲۹۵).

❺ مصنف ابن أبی شیبة (۳/ ۱۱۹).

❻ مصنف ابن أبی شیبة (۳/ ۱۱۷).

❼ المحلّی (٦/ ۵۹، ٦۱) المجموع (٦/ ۱٦).

❽ المحلی (۵/ ۲۱۲) فقه الإمام علی (۱/ ۳٤٦).

❾ مصنف ابن أبی شیبة (۳/ ٤۳۸).

روزے کے احکام

ا۔ایک عادل مسلمان کی رویت ہلال سے رمضان کے روزے کا ثبوت:

امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے نزدیک تنہا ایک عادل مسلمان کی خبر سے رویت ہلال ثابت ہوجاتی ہے اور لوگوں پر روزہ رکھنا فرض ہوجاتا ہے۔ فاطمہ بنت حسین کا بیان ہے کہ ایک آدمی نے علی رضی اللہ عنہ کے پاس رمضان کے رویت ہلال کی گواہی دی تو آپ نے روزہ رکھا اور میرا خیال ہے کہ آپ نے دوسروں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا تھا۔[1] آپ کا یہ حکم اس حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر مبنی ہے:

((صُوْمُوْا لِرُؤْيَتِهٖ وَ اَفْطِرُوْا لِرُؤْيَتِهٖ فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَاكْمِلُوْا عِدَّةَ شَعْبَانَ ثَلَاثِيْنَ يَوْمًا .))[2]

"چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر روزہ چھوڑ دو، پس اگر بادل چھا جائیں تو شعبان کے تیس دن پورے کرو۔"

علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہاں چند ایک مسلمانوں کی رویت مراد ہے، ہر فرد کی رویت شرط نہیں ہے بلکہ اگر دو عادل یا صحیح مسلک کے مطابق ایک عادل مسلمان رویت ہلال کی شہادت دے تو تمام مسلمانوں کے لیے روزہ رکھنا واجب ہوجاتا ہے۔ رہا روزہ توڑنے کا مسئلہ، تو اس سلسلہ میں ابوثور کے علاوہ بقیہ تمام علماء اس بات پر متفق ہیں کہ اس کے لیے ایک عادل کی گواہی کافی نہیں ہوگی، بلکہ ہلال شوال کے لیے دو عادل مسلمانوں کی گواہی ضروری ہے، البتہ ابوثور ایک عادل کی گواہی پر بھی اسے جائز مانتے ہیں۔[3]

۲۔جنبی کا روزہ:

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک جنبی آدمی کے لیے روزہ رکھنا جائز ہے، جنبی کے روزہ رکھنے کا مطلب ہے کہ وہ غسل جنابت کو صبح ہونے تک مؤخر کرسکتا ہے۔ علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں حارث کا بیان ہے کہ آپ نے فرمایا: اگر آدمی حالت جنابت میں صبح کرے اور روزہ رکھنا چاہے تو روزہ رکھ سکتا ہے۔[4] اس کی دلیل عائشہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حالت جنابت میں ہوتے اور فجر کا وقت ہوجاتا، پھر آپ غسل کرتے اور روزہ رکھتے۔[5]

۳۔انتہائی ضعیف روزہ توڑ سکتا ہے:

امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اللہ کے فرمان: ﴿وَ عَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ﴾ (البقرۃ: ۱۸۴) کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس آیت میں جس شخص کو ایک روزہ کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلانے کی رخصت دی گئی ہے اس سے بہت بوڑھا شخص مراد ہے جو روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتا۔[6]

---

[1] المجموع (٦/ ٣١٥) المغنی (٣/ ٩٠) موسوعة فقه الإمام علی ص (٤٢٠) .

[2] صحیح مسلم (٢/ ٧٥٩) .

[3] شرح صحیح مسلم (٧/ ١٩٠) .

[4] مصنف ابن أبی شیبة (٣/ ٨١) المغنی (١/ ١٣٧) .

[5] صحیح البخاری (٢/ ٢٣٢) .

[6] تفسیر الطبری (٢/ ٨١) .

حج کے احکام

۱۔ محرم کا اپنی عورت کو بوسہ دینا:

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جو شخص حالت احرام میں اپنی بیوی کو بوسہ دے، اسے چاہیے کہ ایک دم دے (یعنی قربانی کرے)۔ ❶

۲۔ محرم کا حملہ آور جانور کو قتل کرنا:

مجاہد، علی رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: بجّو اگر محرم پر حملہ آور ہو تو وہ اسے قتل کر دے، لیکن اگر اس کے حملہ کرنے سے پہلے قتل کر دیا تو اسے ایک بکری کا دم دینا پڑے گا۔ ❷ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

﴿ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ ﴾ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ (البقرة: ۱۷۳)

''پھر جو مجبور کر دیا جائے، اس حال میں کہ نہ بغاوت کرنے والا ہو اور نہ حد سے گزرنے والا تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔''

وجہ استدلال یہ ہے کہ محرم نے بذات خود بجو کے قتل کا اقدام نہیں کیا، بلکہ اس کے حملہ آور ہونے کی صورت میں قتل کے لیے مجبور ہوا اور ایسی حالت میں بجّو کا حکم ایک خطرناک موذی جانور کا حکم ہو گیا جسے قتل کرنے کی شرعاً اجازت ہے۔ ❸

۳۔ کوے کو قتل کرنا:

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک محرم کے لیے کوّا کو قتل کرنا جائز ہے۔ آپ نے فرمایا: محرم کوّا کو قتل کر سکتا ہے۔ ❹ اور اس کی دلیل نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان ہے:

((خَمْسٌ فَوَاسِقُ يُقْتَلْنَ فِي الْحَرَمِ، اَلْفَارَةُ وَ الْعَقْرَبُ، وَالْحُدَيَا، وَالْكَلْبُ الْعَقُوْرُ.)) ❺

''پانچ جانور فاسق ہیں جو حرم میں بھی قتل کیے جائیں گے چوہیا، بچھو، کوّا، چیل اور کاٹنے والا کتا۔''

۴۔ طواف میں بھول جانا:

اگر کوئی شخص بھول کر طواف میں مسنون سے زائد چکر لگا لے تو علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اسے مزید چکر لگا کر دو طواف پورے کر لینا چاہیے، آپ نے فرمایا کہ مثلاً کسی نے طواف کے آٹھ چکر لگا لیے تو مزید چھ چکر لگائے تا کہ دو طواف مکمل ہو جائیں اور پھر وہ طواف کی چار رکعت نماز ادا کرے۔ ❻

---

❶ فتح العزيز شرح الوجيز / الرفاعي، بر حاشيه المجموع (۷/ ۴۸۰).

❷ مصنف ابن أبي شيبة (۴/ ۶). ❸ فقه الإمام علي بن أبي طالب (۱/ ۴۰۳).

❹ مصنف ابن أبي شيبة (۴/ ۹۴). ❺ سنن ترمذي (۱/ ۱۶۶) حسن صحيح.

❻ مصنف عبدالرزاق (۹۸۱۴) یہ آپ کا اجتہاد ہے بشرطیکہ سند ثابت ہو (مترجم)

مالی معاملات

۱۔ حاکم وقت کے انعامات وعطایات:

امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حاکم وقت تمھیں حرام کے بجائے حلال انعامات سے جس قدر بھی نوازیں انھیں لینے میں کوئی حرج نہیں۔[1] اور فرمایا: حاکم وقت سے تم خود کچھ نہ مانگو، لیکن اگر کچھ دے تو لے لو، کیونکہ بیت المال میں حرام سے کہیں زیادہ حلال مال ہوتا ہے۔[2]

۲۔ مظلوم کو حق دلانے کے لیے اس کا ہدیہ قبول کرنا:

علامہ ابن حزم نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھا ہے کہ آپ نے فرمایا: اگر کوئی شخص کسی کا حق دلاتا ہے یا اس سے ظلم کا دفاع کرتا ہے تو اس کے بدلے مظلوم سے کوئی ہدیہ قبول کرنا اس کے لیے جائز نہیں۔[3]

۳۔ عاریتاً لیے ہوئے سامان کی عدم ضمانت:

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک اگر عاریتاً لینے والے کے پاس سے عاریتاً لیا ہوا سامان ضائع ہو جائے اور عاریتاً لینے والے کی کوتاہی اس میں شامل نہ ہو تو وہ اس سامان کا ضامن نہ ہوگا۔[4] چنانچہ آپ فرماتے ہیں: عاریتاً لیے ہوئے سامان کی کوئی ضمانت نہیں، وہ ایک نیکی اور احسان ہے، البتہ اگر مستعیر اس سامان کی حفاظت نہ کرے تو ضامن ہوگا۔[5]

حدود

۱۔ مرتد کی سزا:

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مرتد سے تین مرتبہ توبہ کرائی جائے گی، اگر توبہ کر لے تو بہتر، ورنہ قتل کر دیا جائے گا۔[6] اس کے قتل کی دلیل ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی یہ حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهٗ فَاقْتُلُوْهُ .))[7] ...... ''جس نے اپنا دین (اسلام) بدل دیا ہو اسے قتل کر دو۔''

اور توبہ کرانے کی دلیل جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مرتد ہو جانے والے ایک آدمی سے چار مرتبہ توبہ کروائی۔[8]

۲۔ حد زنا:

الف: ...... **واقعہ رجم:** ...... شعبی رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ شراحہ کے شوہر ملک شام گئے تھے اور وہیں غائب

---

[1] المغنی (٦/ ٤٤٤) فقہ الإمام علی (٢/ ٧١٦).
[2] المغنی (٦/ ٤٤٤).
[3] المحلی (٩/ ١٢٩).
[4] فقہ الإمام علی بن أبی طالب (٢/ ٧٢١).
[5] مصنف عبدالرزاق(٤٧٨٨).
[6] مصنف ابن أبی شیبة (١٠/ ١٣٨).
[7] صحیح البخاری حدیث نمبر (٣٠١٧).
[8] مجمع الزوائد (٦/ ٢٦٢) روایت میں ضعف ہے۔

ہوگئے، شراحہ اپنے گھر پر حاملہ ہوگئی، اسے اس کا آقا امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، اور کہا کہ اس نے زنا کیا ہے اور اعتراف کر رہی ہے، آپ نے جمعرات کے دن اسے سو کوڑے مارے اور جمعہ کے دن رجم کیا۔ آپ نے اس کے لیے ناف تک گڑھا کھودا، میں وہاں موجود تھا، پھر فرمایا: رجم کرنا سنت ہے، نبی کریم ﷺ نے ایسے کیا ہے اور اگر کوئی اس واقعہ پر گواہی دینے والا ہوتا تو آج اولاً شاہد اپنی شہادت دیتا اور پھر پتھر مارتا، لیکن چونکہ شراحہ خود اعتراف کر چکی ہے اس لیے میں سب سے پہلے اسے پتھر مار رہا ہوں، چنانچہ آپ نے اسے پتھر مارا پھر دوسرے لوگوں نے پتھر مارا، میں بھی ان میں سے ایک تھا۔ اللہ کی قسم میں بھی اسے قتل کرنے والوں میں شامل تھا اور مسند احمد وصحیح بخاری کے الفاظ میں ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے اللہ کی کتاب کی وجہ سے اسے کوڑے لگائے اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کی وجہ سے اسے رجم کیا۔ [1]

ب:...... زنا بالجبر کی شکار عورت: ...... سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک زنا پر مجبور کی گئی عورت پر کوئی حد نافذ نہ ہوگی، البتہ اسے اس فعل کی وجہ سے مہر مثل ملے گا۔ [2] آپ زنا پر مجبور کی گئی کنواری لڑکی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اسے اس کے گھرانے کی کسی عورت کے مثل مہر ملے گی اور اگر زنا بالجبر کی شکار عورت شادی شدہ ہے تو اسے اسی جیسی عورتوں کے مثل مہر دیا جائے گا۔

۳۔ شراب نوشی کی حد:

اء اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے ایک حارثی نجاشی شاعر کو مارا، اس نے رمضان کے مہینا میں شراب پی تھی، اس لیے آپ نے اسے اسّی (۸۰) کوڑے لگائے اور قید کر دیا۔ دوسرے دن اسے باہر نکالا اور بیس کوڑے لگائے، پھر فرمایا: میں نے بیس کوڑے زیادہ اس لیے لگائے ہیں کہ تم نے اللہ کے سامنے جرأت کا مظاہرہ کیا اور رمضان کے مہینا میں روزہ توڑا۔ [3]

۴۔ چوری کی حد:

الف:...... محفوظ مقام پر ہونے کی شرط: ...... سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک چور کا ہاتھ کاٹنے کے لیے ضروری ہے کہ اس نے چوری کسی محفوظ جگہ سے کی ہو، چنانچہ ضمیرہ کا بیان ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا یہاں تک کہ وہ گھر سے نکالے۔ [4]

د:...... جب غلام اپنے آقا کی چوری کرے: ...... سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک اگر غلام اپنے آقا کے مال کی چوری کرے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، چنانچہ حکم سے روایت ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر غلام میرے

---

[1] صحیح البخاری / الحدود (٤/ ٢٥٣).
[2] فقه الإمام علی (٢/ ٧٨٦).
[3] كنز العمال (١٣٦٨٧) فقه الإمام علی (٢/ ٨٠٧).
[4] كنز العمال، حدیث نمبر (١٣٩١١) فقه الإمام علی (٢/ ٨١٠).

مال سے چوری کرلے تو میں اس کا ہاتھ نہیں کاٹوں گا۔ ❶

تعزیرات

۱۔ ہاتھ سے مارنا:

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ خانہ کعبہ کا طواف کررہے تھے اور علی رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ساتھ طواف میں تھے، دورانِ طواف ایک آدمی نے عمر رضی اللہ عنہ سے شکایت کی اور کہا کہ اے امیر المومنین! علی بن ابی طالب سے مجھے بدلہ دلوایئے، عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا معاملہ ہے؟ اس نے کہا: انھوں نے میری آنکھوں پر طمانچہ مارا ہے، عمر رضی اللہ عنہ ٹھہر گئے یہاں تک کہ علی رضی اللہ عنہ آپ تک آپہنچے، آپ نے پوچھا: اے ابوالحسن! کیا تم نے اس کی آنکھ پر طمانچہ مارا ہے؟ علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ہاں، اے امیر المومنین! عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیوں؟ آپ نے جواب دیا اس لیے کہ میں نے دیکھا یہ شخص دوران طواف مومنوں کی عورتوں پر دزدیدہ نگاہوں سے دیکھتا ہے، عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے ابوالحسن! تو نے اچھا کیا۔ ❷

۲۔ حدشرعی کی تنفیذ میں مزید کوڑے:

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ اکثر و بیشتر ایسی ہی تادیبی کارروائی کرتے تھے، چنانچہ آپ نے نجاشی شاعر کو جس نے رمضان میں شراب پی لی تھی کوڑے لگائے اور کہا: میں نے تم کو بیس کوڑے زیادہ اس لیے لگائے ہیں کہ تم نے اللہ کے سامنے جرأت کی اور رمضان میں یہ جرم کیا۔ ❸

۳۔ قید کرنا:

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کبھی کبھار مجرم کو قید کے ذریعے سے بھی تعزیری سزا دیتے تھے، جیسے کہ آپ نے رمضان میں شراب پینے والے نجاشی شاعر کے ساتھ کیا تھا۔ ❹

---

❶ المغنی (۸/ ۲۷۹).

❷ الریاض النضرة فی مناقب العشرة (۲/ ۱٦٥).

❸ موسوعة فقه علی بن أبی طالب / قلعجی ص (۱٥۳).

❹ مصنف ابن أبی شیبة (۱۰/ ۳٦).

پانچواں باب:

معرکہ جمل وصفین اور تحکیم

معرکۂ جمل کا پس منظر:

سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے لوگ بہت محبت کرتے تھے، اس لیے کہ آپ کی سیاست بڑی عمدہ تھی، رسول اللہ ﷺ سے آپ کا گہرا تعلق تھا، آپ ﷺ نے متعدد مواقع پر ان کی مدح ومنقبت میں احادیث سنائی تھیں اور آپ ﷺ کی دو صاحبزادیاں ان کے نکاح میں آئی تھیں جن کی وجہ سے آپ کو ذوالنورین کہا جاتا تھا، آپ جنت کے بشارت یافتہ تھے، آپ نے اپنی زندگی میں شرپسندوں کے مظالم کا سامنا کیا، آپ چاہتے تو ایسے لوگوں کا صفایا کر سکتے تھے، لیکن محض اس خوف سے آپ نے ان کے خلاف کوئی اقدام نہیں کیا کہ کہیں امت محمدیہ میں خون ریزی کا سبب اوّل آپ نہ بن جائیں۔ آپ کی زندگی میں ظاہر ہونے والے فتنوں کے ساتھ آپ کی سیاسی روش، بردباری، صبر اور عدل پر قائم تھی۔ آپ نے صحابہ کرام کو شرپسندوں سے قتال کرنے سے منع کر دیا تھا اور اپنی جان کی قربانی دے کر بے شمار مسلمانوں کی جان بچانا پسند کیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کی شہادت دوسرے بہت سارے فتنوں کے ظہور کا سبب بن گئی اور وہ فتنے اپنے مابعد کے پے در پے رونما ہونے والے فتنوں پر اپنا سایہ دراز کرتے گئے، آپ رضی اللہ عنہ کی شہادت تمام مسلمانوں کے لیے ایک عظیم سانحہ تھی، جس کے چیلنجوں کو قبول کرنے کے لیے پورا اسلامی معاشرہ اٹھ کھڑا ہوا اور لوگ کئی حصوں میں تقسیم ہو گئے۔ آپ کی شہادت کے بعد صحابہ نے آپ کے تئیں جس موقف کا اظہار کیا وہ آپ کی اتہامات سے براءت، اور عظمت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ تمام صحابہ آپ کے بے قصور ہونے اور آپ کے خون کا بدلہ لینے پر متفق تھے، فرق صرف اتنا تھا کہ قصاص لینے کی کیفیت متعین کرنے میں ان کے موقف میں اختلاف تھا۔

بہتر ہوگا کہ اصل واقعہ نقل کرنے سے قبل اس فتنہ کی آگ لگانے میں عبداللہ بن سبا کے کردار پر روشنی ڈالی جائے۔

فتنہ انگیزی میں سبائیت کا اثر

ا۔ کیا عبداللہ بن سبا ایک خیالی شخصیت تھی......؟

تمام متقدمین مورخین متفقہ طور پر اس کے حقیقی وجود کے قائل ہیں۔ معاصرین میں سے کچھ ہی لوگ اس کے منکر ہیں اور ان میں اکثریت کا تعلق روافض سے ہے۔ منکرین کی دلیل یہ ہے کہ عبداللہ بن سباء سیف بن عمر تمیمی کی ذہنی پیداوار ہے، کیونکہ بعض علمائے رجال نے روایت حدیث کے باب میں سیف پر تنقید کرتے ہوئے کہا ہے کہ فن رجال کے بعض علماء نے روایت حدیث کے باب میں اس پر کلام کیا ہے اور تاریخی روایات کے سلسلہ میں علما

نے اس کو حجت مانا ہے۔ معاً یہ بھی معلوم رہے کہ ابن عسا کر نے ایسی بہت ساری روایات کو نقل کی ہیں جن میں عبداللہ بن سبا کا ذکر آیا ہے لیکن ان روایات کے راویوں میں کہیں بھی سیف بن عمر التمیمی کا نام نہیں ملتا اور امام البانی رحمہ اللہ نے ان میں بعض روایتوں کو سنداً صحیح قرار دیا ہے۔ ❶

سنی کتب مصادر میں ابن سبا کا ذکر: ...... ابن حبیب ❷ (م ۲۴۵ء موافق ۸۶۰ء) نے ابن سبا کے سلسلہ میں گفتگو کی ہے اور اس کو حبشی خاتون کا بیٹا قرار دیا ہے۔ ❸

اور امام ذہبی فرماتے ہیں:

''عبداللہ بن سبا متعصب زندیقوں میں سے ہے، گمراہ ہے اور دوسروں کو گمراہ کرنے والا ہے۔'' ❹

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''عبداللہ بن سبا متعصب زندیقوں میں سے ہے۔ اس کے پیروکاروں کو سبائی کہا جاتا ہے۔ یہ لوگ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی الوہیت کا عقیدہ رکھتے ہیں، جب کہ آپ نے اپنے دور خلافت میں انھیں آگ میں جلا دیا تھا۔'' ❺

شیعی کتب مراجع و مصادر میں ابن سبا کا ذکر: ...... شیعہ عالم الکشی نے محمد بن قولویہ سے روایت کیا ہے کہ مجھ سے سعد بن عبداللہ نے بیان کیا اور اس نے کہا کہ مجھ سے یعقوب بن یزید اور محمد بن عیسیٰ نے بیان کیا اور ان دونوں نے علی بن مہزیار سے روایت کیا، اس نے فضالہ بن ایوب ازدی سے روایت کیا اور اس نے ابان بن عثمان سے کہ میں نے ابوعبداللہ کو فرماتے ہوئے سنا:

''عبداللہ بن سبا پر اللہ کی لعنت ہو، اس نے امیر المومنین کے بارے میں ربوبیت کا دعویٰ کیا۔ اللہ کی قسم! امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ اللہ کے اطاعت شعار بندے تھے، بربادی ہو اس کی جس نے ہم پر جھوٹ باندھا، ایک جماعت ایسی ہے جو ہمارے بارے میں ایسی باتیں کہتی ہے جسے ہم سوچتے بھی نہیں، اس سے ہم اللہ کے ہاں اپنی برأت کا اظہار کرتے ہیں۔'' ❻

یہ روایت شیعوں کے نزدیک سنداً بالکل صحیح ہے۔ ❼

دوسرے شیعی مورخ القمی نے ''کتاب الخصال'' میں اسی روایت کو دوسری موصول سند سے نقل کیا ہے۔

---

❶ دعاوی الإنقاذ للتاریخ الإسلامی / العودة، شیخ البانی رحمہ اللہ کی ذکر کردہ تمام سندوں کو اس میں مصنف نے ذکر کیا ہے۔
❷ تاریخ بغداد (۲/ ۲۷۷).
❸ عبداللہ بن سبا / العودة، ص (۵۳) المحبّر / ابن حبیب، ص (۳۰۸).
❹ میزان الاعتدال / الذهبی (۲/ ٤۲٦).
❺ لسان المیزان / ابن حجر (۳/ ۳٦۰).
❻ رجال الکشی (۱/ ۳۲٤).
❼ عبداللہ بن سباء الحقیقة المجهولة للشیعه / محمد علی المعلم، ص (۳۰).

اسی طرح ''روضات الجنات'' کے مولف نے ابن سبا کا ذکر صادق ومصدوق امام ہی کی زبان میں کیا ہے، جس میں انھوں نے ابن سبا کے متہم بالکذب ہونے بلکہ جھوٹ بکنے اور راز کی باتوں اور تاویلات کو عام کرنے کی وجہ سے اس پر لعنت بھیجی ہے۔ [1]

ابن سبا کا وجود ایک تاریخی حقیقت ہے :

اس کا وجود ایک تاریخی حقیقت ہے، اس میں کوئی غموض وابہام نہیں، سنی مصادر ہوں یا شیعی، قدیم ہوں یا جدید سب میں برابر اس کا ذکر موجود ہے۔ اسی طرح بیشتر مستشرقین جیسے جولوپس ویلسن (J. Wellhausen)، [2] فان فولٹن، [3] لیفی ڈیلا فیڈا، [4] گولڈ زیہر، [5] رینالڈ نکلسن (Reynold Necholson) [6] اور ڈیوڈ رینالڈ (Devid Reynold) [7] وغیرہ بھی اس کے وجود کے قائل ہیں۔ چند مستشرقین جیسے کایٹانی (Caetani)، برنارڈ لویس (Bernhardt Louis) [8] اور فریدلیندر وغیرہ کی نگاہ میں ابن سبا ایک مشکوک یا محض ایک خیالی شخصیت ہے اور اس کے بارے میں خود یہ لوگ کبھی ہاں اور کبھی نہیں کے درمیان متردد ہیں۔ [9] بہرحال ان کی جو بھی تحقیق ہو ہمیں اس سے واسطہ نہیں ہے کیونکہ ہمارے اپنے تاریخی واقعات میں ہم ان کو کچھ شمار نہیں کرتے۔

کوئی بھی شخص جو اہل سنت اور شیعہ کے قدیم وجدید مصادر کی چھان بین کرے گا اسے یقین ہو جائے گا کہ ابن سبا کا وجود ایک ناقابل انکار حقیقت ہے۔ تاریخی روایات سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ عقائد کی کتابیں اس کے بارے میں معلومات بہم پہنچاتی ہیں۔ کتب حدیث، کتب رجال اور انساب، ادب اور لغت کی کتابیں اس کے ذکر سے بھری پڑی ہیں اور بیشتر محققین ومحدثین اسی رخ پر چلے ہیں۔

تحقیق وجستجو کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ سب سے پہلے مستشرقین نے ''ابن سبا'' کی شخصیت کو مشکوک بنایا ہے۔ پھر دور حاضر کے اکثر شیعہ نے اس خیال کو ہر ممکن طریقے سے تقویت دی، بلکہ بعض شیعوں نے تو اس کا انکار ہی کر دیا اور ان کے بعد دور حاضر کے بعض عرب محققین کو مستشرقین کی رائے بہت پسند آئی، جب کہ ان میں بعض حضرات شیعہ محدثین کی تحریروں سے متاثر ہو گئے۔ لیکن ان تمام لوگوں کے پاس اپنے شک اور انکار پر سوائے شک، نفس پرستی، وہم اور مفروضوں کے علاوہ کوئی دلیل نہیں ہے۔ [10]

اگر آپ ابن سبا کو ذکر کرنے والے شیعی، سنی اور استشراقی مراجع ومصادر کے بارے میں تفصیلی معلومات

---

[1] عبدالله بن سباء / سليمان العودة، ص (٦٢).
[2] الخوارج و الشيعه، ص (١٧٠).
[3] السيادة العربية والشيعة والإسرائيليات، ص (٨٠).
[4] تحقيق موافق الصحابة (١/ ٣٢١).
[5] العقيدة والشريعة الإسلامية، ص (٢٢٩).
[6] تاريخ العرب الأدبی فی الجاهلية، ص (٢٣٥).
[7] عقائد الشيعة، ص (٥٨).
[8] أصول الإسماعيلية، ص (٨٦).
[9] تحقيق مواقف الصحابة (١/ ٣١٢).
[10] تحقيق مواقف الصحابة (١/ ٣١٢).

چاہتے ہیں، تو ڈاکٹر محمد امحزون کی کتاب "تحقیق مواقف الصحابة فی الفتنة" اور ڈاکٹر سلیمان بن حمد العودة کی کتاب "عبدالله بن سباء و أثره فی أحداث الفتنة فی صدر الإسلام" کا مراجعہ کریں۔ [1]

۲۔ فتنہ کو متحرک کرنے میں عبداللہ بن سبا کا کردار:

جب خلافت عثمان رضی اللہ عنہ کے آخری سالوں میں بعض ان اسباب وعوامل کے نتیجہ میں جس کا ذکر ہم کر چکے ہیں۔ اسلامی معاشرہ کے افق پر اضطراب کی سرخیاں ظاہر ہونے لگیں تو بعض یہودیوں نے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر، اور تقیہ کا اصول استعمال کرتے ہوئے فتنہ کے اسباب وعوامل کا استحصال کرنا چاہا اور اپنے ظہور کے موقع کی تلاش میں لگ گئے، انھیں میں سے ایک یہودی عبداللہ بن سبا بھی تھا جس کا لقب ابن السوداء تھا۔ ابن سبا کی شخصیت سے بہت گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے جیسا کہ بعض مبالغہ پرستوں نے اس فتنہ میں اس کے کردار کو خوب بھاری بھرکم انداز میں پیش کیا ہے۔ [2] اور نہ ہی اس کے وجود میں شک کرنا، یا فتنہ کی آگ لگانے میں اس کے نمایاں اور خطرناک کردار کو معمولی سبب مان کر اسے ہلکا جاننا درست ہے۔ اس لیے کہ وہاں فتنہ سامانی کے کئی ماحول پیدا کیے گئے تھے اور دیگر عوامل اس کا ساتھ دے رہے تھے۔ ابن سبا کا کردار صرف یہ تھا کہ اس کی حسد پسند یہودی طبیعت اپنے مقصد کے حصول کے لیے چند خود ساختہ عقائد و خیالات کا سہارا لینے پر مجبور ہوئی اور اپنے گمشدہ مقصد اور مطلوبہ ہدف تک پہنچنے کے لیے انھیں عام کرنے لگا، اس کا مقصد اسلامی معاشرہ میں گھس کر اس کی وحدت واجتماعیت کو چاک کرنا تھا، وہ یہ چاہتا تھا کہ امت مسلمہ کے درمیان اختلاف کی بیج بو دے اور اس میں فتنہ کی آگ بھڑکا دے۔ چنانچہ اس کی یہ کوشش شہادت عثمان رضی اللہ عنہ اور امت مسلمہ کے اختلاف وافتراق کے من جملہ اسباب میں سے ایک سبب ثابت ہوئی۔ [3]

عبداللہ بن سبا کے خود ساختہ عقائد کا خلاصہ یہ ہے کہ اس نے تمہیدیں تو سچی باندھیں لیکن ان سے غلط اصول اور فاسد نتائج مستنبط کیے اور یہی اصول ونتائج سخت مزاج کے حامل سادہ لوح لوگوں اور نفس پرستوں میں رائج ہو گئے اور ان اصولوں کو عام کرنے کے لیے اس نے کئی رنگ اپنائے، اپنے ارد گرد رہنے والوں سے حقیقت پوشیدہ رکھی، یہاں تک کہ کافی لوگ اس کے ہم خیال ہو گئے۔

چنانچہ اس نے اپنے فاسد ذہن کے نتیجہ میں اپنی تاویلات کے ذریعے سے قرآن کا دروازہ کھٹکھٹایا اور کہا:

"ایسے لوگوں پر تعجب ہے جو عیسیٰ (علیہ السلام) کی دنیا میں رجعت یعنی واپسی کو مانتے ہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رجعت کا انکار کرتے ہیں، جب کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

---

[1] اس موضوع پر اردو زبان میں ڈاکٹر محمد یوسف نگرامی کی کتاب: "حقیقت رافضیت" بہت مفید ہے۔ (مترجم)

[2] جیسا کہ سعید افغانی نے اپنی ایک کتاب "عائشة والسياسة" میں کیا ہے۔

[3] تحقيق مواقف الصحابة (١/ ٣٢٧).

﴿إِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَادُّكَ إِلَىٰ مَعَادٍ﴾ (القصص : ۸۵) ''بے شک جس نے تجھ پر یہ قرآن فرض کیا ہے وہ ضرور تجھے ایک لوٹنے کی جگہ کی طرف واپس لانے والا ہے۔''
لہٰذا محمد (ﷺ) عیسیٰ (علیہ السلام) کے مقابلے میں لوٹنے کے زیادہ حق دار ہیں۔''[1]

اسی طرح اس نے علی رضی اللہ عنہ کے حق میں امامت کی وصیت ثابت کرنے کے لیے قیاسِ فاسد کا راستہ اپنایا اور کہا:

''ہزاروں انبیاء تھے اور ہر نبی کا ایک وصی تھا اور علی محمد (ﷺ) کے وصی ہیں۔''

پھر کہا:

''محمد خاتم الانبیاء ہیں اور علی خاتم الاوصیاء ہیں۔''[2]

جب اس کے پیروکاروں کے دلوں میں یہ عقیدہ راسخ ہوگیا، تب اس نے اپنے منصوبہ بند مقصد کی طرف پیش قدمی کی، یعنی عوام کو خلیفہ راشد عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت پر ابھارا اور یہ چیز بعض نفس پرستوں کے مزاج کے موافق ٹھہری، اس نے اپنے ہم نواؤں سے کہا:

''بھلا بتاؤ! جو شخص وصیت رسول ﷺ کو نہ مانے اور رسول اللہ ﷺ کے وصی کا حق غصب کر کے امت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لے، اس سے بڑا ظالم کون ہوسکتا ہے؟''

اس کے بعد کہا:

''عثمان (رضی اللہ عنہ) نے خلافت پر ناحق قبضہ کرلیا ہے۔ حالانکہ علی رضی اللہ عنہ اللہ کے رسول کے وصی ہیں، اس کے لیے اٹھ کھڑے ہو اور اس تحریک کو آگے بڑھاؤ، اپنے امراء کو طعن و تشنیع کا نشانہ بناؤ اور اس تحریک کو آگے بڑھانے میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اسلوب اختیار کرو، عوام کو اپنی طرف مائل کرلو گے اور سب کو اسی بات کی طرف بلاؤ۔''[3]

پھر اس نے اپنے کارندوں کو ملک کے مختلف شہروں میں پھیلا دیا اور دور دراز کے شہروں میں بدطینت قسم کے لوگوں سے خط و کتابت شروع کردی، جواباً انھوں نے بھی خط و کتابت کیا اور خفیہ طور پر لوگوں کو اپنے خیالات کی طرف دعوت دینے لگے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اسلوب اختیار کیا، دوسرے شہروں میں بسنے والے مفسدین کے نام اپنے گورنروں پر اعتراضات اور ان کے عیوب پر مشتمل خطوط بھیجنے لگے اور ان کے ساتھی بھی اسی طرح کی تحریریں ان کو روانہ کرتے، اور ہر ایک اپنے اپنے شہر میں اسے پڑھ پڑھ کر لوگوں کو سناتا۔ اسی طرح مخالفت

[1] تاریخ الطبری (۵/ ۳۴۷) اس آیت کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ آپ ﷺ کے مولد مکہ جہاں سے آپ نکلنے پر مجبور کردیے گئے ہیں، اللہ تعالیٰ وہاں آپ کو دوبارہ لائے گا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح بخاری میں اس کی یہی تفسیر وارد ہے، چنانچہ ہجرت کے آٹھ سال بعد اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ پورا ہوگیا اور ۸ ھ میں فاتحانہ طور سے آپ ﷺ مکہ میں دوبارہ تشریف لے گئے اور بعض نے معاد سے مراد قیامت لی ہے، وہ مفہوم جو ابن سبا نے اس سے لیا ہے باطل ہے۔ (مترجم)

[2] تاریخ الطبری (۵/ ۳۴۷).

[3] تاریخ الطبری (۵/ ۳۴۸).

کی یہ ہوا مدینہ تک آ پہنچی اور پوری اسلامی سلطنت کو ان لوگوں نے اپنے جھوٹے پروپیگنڈے کی لپیٹ میں لے لیا، حالانکہ ان کے ظاہر و باطن میں اختلاف تھا، منہ سے کچھ کہتے اور عملاً کچھ کرتے اور ان خطوط کو سن کر ہر شہر والے کہتے: ''لوگ جس فتنے میں ہیں ہم اس سے عافیت میں ہیں۔''❶

ایک دوسرا اسلوب یہ اختیار کیا کہ اپنے اس حملہ میں سادہ دل بدوؤں کو استعمال کیا، تاکہ ان کے ذریعے سے اپنا منصوبہ نافذ کر سکے، ان میں جو قراء تھے، انھیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے نام پر بہکایا۔ لالچیوں اور دولت کے پجاریوں کو سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف جھوٹے اور سخت تکلیف دہ پروپیگنڈوں کے ذریعے سے بھڑکایا، مثلاً یہ ہنگامہ کھڑا کیا کہ انھوں نے سرکاری مناصب پر اپنے قرابت داروں کو مقرر کر دیا ہے، مسلمانوں کے بیت المال سے ناجائز طور پر مال اپنے قرابت داروں میں لٹا رہے ہیں اور حکومتی چراگاہ کو اپنے لیے خاص کر لیا ہے، اس کے علاوہ آپ پر اور کئی تہمتیں لگائیں، جن سے ہنگامہ آرائی کرنے والے لوگ عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف مزید غصہ سے بھڑک گئے۔ حالانکہ آپ ان تمام تہمتوں سے بالکل پاک صاف تھے۔

پھر ایک تیسرا اسلوب یہ اختیار کیا کہ اپنے پیروکاروں کو نصیحت کی کہ سب اپنے اپنے شہروں سے دوسرے شہروں میں غلط اور غصہ بھڑکانے والی خبروں پر مشتمل خطوط بھیجیں۔ اس طرح ملک کے تمام شہروں میں لوگ یہ سوچنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ حالات اب بد سے بدتر ہو چکے ہیں اور اس کا فائدہ راست طور سے سبائیوں کو پہنچے گا، کیونکہ عوام الناس کے زبانی حالات کی ابتری کی تصدیق سے اسلامی معاشرہ میں شرانگیزی کرنے کا انھیں موقع مل جائے گا۔❷

دوسری طرف عثمان رضی اللہ عنہ کو یہ احساس ہو رہا تھا کہ شہروں میں کچھ نہ کچھ شرانگیزی ہو رہی ہے اور معاملہ بگاڑ کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اس لیے آپ نے فرمایا:

> ''اللہ کی قسم! بے شک فتنہ کی چکی گھوم چکی ہے۔ اگر عثمان کی موت اس حالت میں ہوئی کہ اس نے اسے حرکت نہ دی تو عثمان کے لیے خوشخبری ہے۔''❸

ابن سبا کی سرگرمیوں کا مرکز مصر تھا۔ اس نے وہیں سے عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف اپنی سازش کو منظم کیا تھا اور یہ پروپیگنڈہ کر کے کہ عثمان نے خلافت پر ناحق قبضہ کیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے وصی یعنی علی رضی اللہ عنہ کے حق کو غصب کر لیا ہے۔ فتنہ کی آگ بھڑکانے کے لیے لوگوں کو مدینہ چلنے پر ابھارنے لگا۔❹

کبار صحابہ کی طرف منسوب جھوٹے خطوط دکھا دکھا کر لوگوں کو دھوکے میں رکھا، یہاں تک کہ جب یہ اعرابی مدینہ منورہ پہنچے اور اصحاب رسول اللہ ﷺ سے ملے تو انھیں ان کی طرف سے کوئی دل جوئی اور ہمت افزائی نہ ملی،

---

❶ تاريخ الطبري (٥/ ٣٤٨).

❷ الدولة الأموية / يوسف العشي، ص (١٦٨). ❸ تاريخ الطبري (٥/ ٢٥٠).

❹ تاريخ الطبري (٥/ ٣٤٨) تحقيق مواقف الصحابة (١/ ٣٣٠).

اور عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف نفرت کی آگ لگانے والے جو خطوط ان کی طرف منسوب تھے سب نے ان سے اپنی برائت ظاہر کی۔ ❶

بدوؤں نے عثمان رضی اللہ عنہ کو حقوق کا محافظ پایا اور فسادیوں نے آپ پر جو کچھ تہمتیں لگائی تھیں آپ نے اس سلسلے میں ان سے مناظرہ کیا، ان کی بہتان طرازیوں کی تردید کی اور اپنے گورنروں کی سچائی وامانت داری کو ان کے سامنے واضح کیا۔ یہ سب کچھ دیکھ سن کر ان اعرابیوں کے ایک قائد مالک بن اشتر نخعی نے اپنے ساتھیوں سے کہا:

"شاید اس کے اور تمھارے ساتھ دھوکا کیا گیا ہے۔" ❷

امام ذہبی رحمہ اللہ عبداللہ بن سبا کو مصر میں فتنہ کا سرغنہ، گورنروں اور پھر امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف حقد وحسد اور انتقامی جذبے کی بیج بونے والا قرار دیتے ہیں۔ ❸ ابن سبا تنہا سب کچھ نہ تھا، بلکہ سازش کاروں کے سازشی جال، دھوکا، حیلہ اور مکر جیسے متعدد اسلوب اور بدوؤں اور قراء کی فوج کشی کے توسط سے اپنی کارروائی انجام دے رہا تھا۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ ابن سبا کا ظہور اور اس کا مصر جانا، اور پھر لوگوں کے درمیان خود ساختہ عقیدہ کو رواج دینا، عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف متعدد پارٹیوں کے اٹھ کھڑے ہونے کا سبب تھا۔ اس کی اس چال سے باشندگان مصر کے بہت سے لوگ فتنے میں پڑ گئے۔ ❹

قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص لینے کے لیے طریقہ کار میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اختلاف:

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ، اور طلحہ، زبیر وعائشہ رضی اللہ عنہم کے درمیان دو فریق کی حیثیت سے جو اختلاف ابھرا اور پھر علی ومعاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان جو محاذ آرائی ہوئی اس کا سبب یہ نہ تھا کہ ان لوگوں کو امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی خلافت و امامت یا استحقاق خلافت اور مسلمانوں کا حاکم ہونے پر اعتراض تھا۔ بلکہ آپ کی خلافت پر وہ سب متفق تھے جیسا کہ حافظ ابن حزم اندلسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"معاویہ رضی اللہ عنہ نے علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت اور استحقاق خلافت کا کبھی انکار نہ کیا، بس آپ سے غلطی صرف اتنی ہوئی کہ آپ کے اجتہاد نے آپ کو اس نتیجہ پر پہنچایا کہ قاتلینِ عثمان سے قصاص بیعتِ خلافت سے پہلے لی جائے اور یہ کہ عثمان کے خون کا بدلہ لینے کے وہ زیادہ حق دار ہیں۔" ❺

اور امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"معاویہ رضی اللہ عنہ نے خلافت کا دعویٰ نہ کیا اور جس وقت وہ علی رضی اللہ عنہ سے برسر پیکار تھے خلافت کے لیے ان کے ہاتھ پر بیعت نہ کی گئی اور نہ خود کو خلیفہ یا خلیفہ کا حق دار سمجھ کر قتال کیا، بلکہ یہ سب لوگ علی رضی اللہ عنہ

---

❶ تاریخ الطبری (٥/ ٣٤٨) تحقیق مواقف الصحابة (١/ ٣٣٠).

❷ تحقیق مواقف الصحابه (١/ ٣٣١). ❸ تحقیق مواقف الصحابة (١/ ٣٣٨).

❹ البداية والنهاية (٧/ ١٦٧-١٦٨). ❺ الفصل فی الملل والأهواء والنحل (٤/ ١٦٠).

کے لیے خلافت کو تسلیم کرتے تھے۔ اگر کوئی اس سلسلہ میں معاویہ رضی اللہ عنہ سے گفتگو کرتا تو معاویہ رضی اللہ عنہ علی رضی اللہ عنہ کے لیے خلافت کا اقرار کرتے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کا یہ کبھی خیال نہ تھا کہ علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں سے جنگ کا آغاز ان کی طرف سے ہو اور نہ ہی ایسا کیا۔'' ❶

مزید فرماتے ہیں:

''فریقین عثمانی وعلوی سب ہی اس بات کے اقراری تھے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ علی رضی اللہ عنہ کے ہم پلہ نہیں ہیں اور علی رضی اللہ عنہ کا استخلاف ممکن ہوتے ہوئے معاویہ خلیفہ نہیں ہو سکتے، اس لیے کہ جس طرح آپ کے پیشرو خلفاء ابوبکر، عمر، اور عثمان رضی اللہ عنہم کی فضیلت ان کے درمیان معلوم ومشہور تھی اسی طرح معاویہ رضی اللہ عنہ کے بالمقابل علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت، علم، دین، شجاعت، دین کی طرف پیش قدمی اور دیگر فضائل ان سب کے نزدیک معروف ومشہور تھے۔'' ❷

بلاشبہ اختلاف کی بنیاد یہ کبھی نہ تھی کہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر کسی کو اعتراض تھا، بلکہ قاتلین عثمان سے قصاص لینے کا معاملہ اصل محل اختلاف تھا اور اس میں بھی قصاص لینے پر کوئی اختلاف نہ تھا بلکہ اس کی نوعیت وکیفیت میں اختلاف تھا کہ کس طرح اس معاملہ کو حل کیا جائے۔ علی رضی اللہ عنہ قاتلین عثمان سے قصاص لینے کے وجوب کے قائل تھے لیکن آپ کی رائے تھی کہ اس مسئلہ کو اس وقت تک کے لیے موخر کر دیا جائے جب تک ملکی حالات اپنے معمول پر نہ آ جائیں، ماحول پر سکون نہ ہو جائے اور مسلمان متحد نہ ہو جائیں۔ ❸

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''صحابہ کے درمیان قائم ہونے والی جنگوں کا سبب یہ تھا کہ معاملات بہت پیچیدہ اور نا قابل فہم تھے اور یہی پیچیدگی ان کے اجتہادی اختلاف کا سبب بن گئی، وہ تین حصوں میں بٹ گئے:

پہلا فریق وہ تھا جس کے خیال میں علی رضی اللہ عنہ اپنے اجتہاد میں حق بجانب اور ان کا مخالف باغی تھا، لہٰذا ان لوگوں نے سوچا کہ علی رضی اللہ عنہ کی تائید وحمایت کرنا اور ان کے باغیوں سے قتال کرنا ضروری ہے، اور ہر فرد جو اس خیال سے متفق ہو اس کے لیے ایسی حالت میں باغیوں کے خلاف امام عادل کی فوری مدد ضروری ہے اور اس سے پیچھے ہٹنا جائز نہیں، چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔

دوسرا فریق وہ تھا جس نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان کے اجتہاد میں حق بجانت سمجھا پھر آپ کی مدد کی، اور مخالفین سے قتال کیا۔

جب کہ **تیسرے فریق** کے سامنے معاملہ غیر واضح تھا، وہ حیران تھے کہ کیا کریں، فریقین میں سے

---

❶ مجموع الفتاوٰی (۳۵/ ۷۲). ❷ ایضًا.

❸ أحداث وأحادیث فتنة الهرج، ص (۱۵۸).

کسی کی حمایت کو ترجیح نہیں دے پا رہے تھے۔ اس لیے دونوں سے الگ رہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ایسی صورت میں ان کے لیے الگ رہنا ہی ضروری تھا، اس لیے کہ جب تک کسی مسلمان کے خلاف قتال کے شرعی اسباب ظاہر نہ ہو جائیں اس کے خلاف اقدام کرنا جائز نہیں ہے۔ اگر ان لوگوں کے سامنے فریقین میں سے کسی ایک کے حق بجانب ہونے کا رجحان واضح ہوتا اور مانتے کہ حق اسی کے ساتھ ہے تو ان کے لیے ایسے فریق کی حمایت و مدد سے پیچھے رہنا، اور اس کے مخالفین سے جنگ نہ کرنا جائز نہ ہوتا۔'' [1]

قصاص طلب کرنے میں طلحہ، زبیر، عائشہ و معاویہ رضی اللہ عنہم کا موقف:

۱. ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا: ...... مکہ سے مدینہ واپسی کے راستہ میں جب ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر سنی تو مکہ واپس لوٹ گئیں اور مسجد حرام میں داخل ہو کر حجر (حطیم) میں پردہ کر کے بیٹھ گئیں، لوگ آپ کے اردگرد جمع ہو گئے، آپ نے انھیں مخاطب کر کے فرمایا:

''حضرات! مختلف شہروں اور دیہاتوں کے فسادی لوگوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا ہے، انھوں نے عثمان کے نوعمروں کو گورنر بنانے پر اعتراض کیا، درآں حالیکہ ان جیسے لوگوں کو اس سے قبل بھی مناصب حکومت پر فائز کیا جاتا رہا ہے۔ چراگاہوں پر اعتراض کیا، حالانکہ اس میں بھی کوئی معقولیت نہ تھی، ان کے لیے جب کوئی بہانہ اور عذر نہ رہا تو انھوں نے اخلاق و شریعت کی تمام قدروں کو توڑ کر ایک حرام خون، نیز بلد حرام، شہر حرام اور مال حرام کو بھی اپنے لیے حلال کر لیا۔ اللہ کی قسم! عثمان کی ایک انگلی روئے زمین کے ان جیسے لوگوں سے بہتر ہے۔ لہٰذا ان لوگوں کے خلاف جمع ہو جاؤ تاکہ انھیں ایسی عبرت ناک سزا دی جائے کہ دوسرے لوگوں کو بھی اس سے عبرت ہو اور آئندہ کسی کو اس طرح دیدہ دلیری کی جسارت نہ ہو۔ اللہ کی قسم! جس بات کو لے کر انھوں نے عثمان پر دست درازی کی ہے اگر وہ گناہ تھا تو وہ اس سے بالکل اسی طرح پاک صاف ہو چکے تھے، جس طرح کندن بنایا ہوا سونا خراب سونے سے، یا میل کچیل سے پاک کپڑا جب اسے پانی میں دھل کر نچوڑ دیا جائے۔'' [2]

ایک روایت میں ہے کہ جب عائشہ رضی اللہ عنہا واپس مکہ پہنچیں تو امیر مکہ عبداللہ بن عامر الحضرمی رضی اللہ عنہ آپ کے پاس آئے اور کہا: ''اے ام المومنین آپ کیوں واپس آ گئیں؟'' تو آپ نے جواب دیا: ''عثمان کی مظلومانہ شہادت نے مجھے واپس لوٹایا ہے، یہ فتنہ ابھی دبتا ہوا نظر نہیں آتا، اس لیے مظلوم خلیفہ کا خون رائیگاں نہ جانے دو اور قاتلوں سے قصاص لے کر اسلام کی عزت بچاؤ۔'' [3] صحیح اور صریح احادیث میں ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبانی عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں تعریف اور آپ کے قاتلین پر لعنت ثابت ہے، نیز عثمان رضی اللہ عنہ کے فضائل کے بارے میں

---

[1] شرح النووی علی صحیح مسلم (۱۵/ ۱۴۹).

[2] تاریخ الطبری (۵/ ۴۷۳-۴۷۴).

[3] تاریخ الطبری (۵// ۴۷۵).

آپ رضی اللہ عنہا سے متعدد احادیث وارد ہیں۔ (مزید تفصیل ملاحظہ ہو، سیرت علی، ص: ۶۱۲)

۲۔ طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما: ...... سیدنا طلحہ، زبیر اور دیگر اکابر صحابہ نے علی رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ ان لوگوں سے قصاص لیجیے جو عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں شریک ہیں۔ علی رضی اللہ عنہ نے ان کو جواب دیا: بھائیو! جو کچھ آپ جانتے ہیں اس سے میں بھی ناواقف نہیں ہوں، مگر میں ان لوگوں کو کیسے پکڑوں جو اس وقت ہم پر قابو یافتہ ہیں نہ کہ ہم ان پر۔ تم دیکھ رہے ہو کہ تمھارے غلام ان کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے ہیں، پاس پڑوس کے دیہاتی ان کے ساتھ جمع ہیں، وہ تمھارے درمیان رہ کر جس طرح چاہتے ہیں تمھیں مجبور کر رہے ہیں۔ ایسی حالت میں کیا آپ حضرات اس کام کی کوئی گنجائش کہیں دیکھ رہے ہیں جسے آپ کرنا چاہتے ہیں؟ سب نے کہا: نہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! جو تمھاری رائے ہے وہی میری بھی رائے ہے ان شاء اللہ۔ لیکن یہ حالات بعینہٖ زمانۂ جاہلیت کے حالات ہیں، اور اس قوم میں ابھی جاہلیت کا مادہ پایا جاتا ہے۔ کیونکہ شیطان کی کوئی ایک معینہ راہ اور طریقہ نہیں کہ جس طریقہ کو اختیار کرنے والا اس کی چال سے محفوظ رہے۔

اس معاملہ کو اگر حرکت دی جاتی ہے تو لوگوں کے اس سلسلے میں مختلف خیالات ہوں گے۔ ایک فریق تو آپ ہی لوگوں جیسی فکر رکھتا ہے اور ایک فریق آپ لوگوں کی فکر کے بالکل خلاف ہے، جب کہ تیسرا فریق دونوں کی حمایت سے کنارہ کش ہے اور اس کو انتظار ہے کہ جب تک حالات معمول پر نہ آ جائیں، امن واستقرار کا ماحول نہ پیدا ہو جائے اور جس کے جو حقوق ہیں اس تک انھیں پہنچا نہ دیا جائے۔ لہٰذا آپ لوگ ہم سے ذرا خاموش رہیں اور دیکھو کہ کیا کچھ ہوتا ہے، اس کے بعد ہمارے پاس آؤ۔ [1]

لیکن اس حکیمانہ سیاست کو چند لوگوں نے نہیں سمجھا اور ایسا ہوتا ہے کہ لوگ غصہ کی حالت میں یا جذبات کی رو میں بہ کر معاملات کی حقیقت تک نہیں پہنچ پاتے کہ جس سے حالات کا صحیح اندازہ لگا سکیں اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے اندازے میں حالات الٹ نظر آتے ہیں، وہ ناممکن کو ممکن گمان کرتے ہیں۔ چنانچہ یہی ان کے لوگوں کے ساتھ ہوا، اور کہنے لگے: ''جو ہم پر واجب ہے اسے ہم کر گزریں اور اس میں تاخیر نہ کریں۔'' [2] مطلب یہ تھا کہ قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ پر حد قصاص کے نفاذ کا مطالبہ کیا جائے۔ [3] جب علی رضی اللہ عنہ کو ان کی باتوں سے آگاہ کیا گیا تو آپ نے اپنے موقف کی تائید میں، ثبوت دینا مناسب سمجھا کہ ان ناگفتہ بہ حالات میں نہ ہم کچھ کر سکتے ہیں اور نہ دمِ عثمان رضی اللہ عنہ کے مطالبین ہی، چنانچہ آپ نے اعلان کر دیا کہ اس غلام سے ہم بری الذمہ ہیں جو اپنے مالک کے پاس واپس نہ چلا جائے۔ یہ سننا تھا کہ سبائیوں اور دیہاتیوں نے ایک دوسرے کو لڑائی پر ابھارنا شروع کر دیا اور کہنے لگے: کل ہم لوگوں کے ساتھ بھی ایسے ہی کیا جائے گا اور پھر ہمارے پاس کوئی حجت نہ ہوگی۔ [4]

---

[1] تاریخ الطبری (٥/ ٤٦٠).
[2] تاریخ الطبری (٥/ ٤٦٠).
[3] الدور السیاسی ص (٣٧٨).
[4] تاریخ الطبری (٥/ ٤٦٠).

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کا اعلان سن کر فتنہ سبائیت کے لیڈروں کے ذہن میں فوراً یہ بات آئی کہ خلیفہ انھیں ان کے جانباز معاونین سے بے دست و پا کرنا چاہتے ہیں، اس لیے انھوں نے آپ کے اعلان کی مخالفت کی اور پاس پڑوس کے بدوؤں کو مدینہ نہ چھوڑنے پر ابھارا۔ چنانچہ تمام فسادیوں نے ان لیڈروں کی بات مان لی اور مدینہ خالی نہ کیا، بیعت خلافت کے تیسرے دن علی رضی اللہ عنہ باہر نکلے اور اہل مدینہ کو مخاطب کر کے کہا: مختلف علاقوں سے آئے ہوئے بدوؤں کو یہاں سے نکال دو اور خود ان بدوؤں سے کہا: اے بدوؤ! اپنے اپنے چشموں اور علاقوں میں واپس چلے جاؤ، لیکن سبائیوں نے آپ کی بات ماننے سے انکار کر دیا اور بدوؤں نے بھی انھیں کی باتیں مانیں۔ اتنا کہہ کر علی رضی اللہ عنہ اپنے گھر کے اندر چلے گئے اور چند صحابہ کے ساتھ طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم بھی آپ کے پاس اندر گئے۔ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جاؤ دیکھو! اب خون کے بدلے کا تمہارا مطالبہ تمھارے حوالے ہے۔ وہ سب کہنے لگے: مفسدین اندھے ہوگئے ہیں، وہ کچھ سننے کو تیار نہیں۔ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! مجھے یقین ہے کہ آج کے بعد وہ اور بھی اندھے اور سرکش ہو جائیں گے:

لَوْ أَنَّ قَوْمِي طَاوَعَتْنِي سَرَاتُهُمْ أَمَرْتُهُمْ أَمْراً يُدِيْخُ الْأَعَادِيَا [1]

''کاش کہ میری قوم کے سرکردہ و بااثر لوگ میری بات مان لیتے، تو میں انھیں ایسا حکم دیتا جو دشمنوں کو اپنے تابع بنا کر رہتا۔''

علی و طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم کی مذکورہ گفت وشنید سے صاف طور پر یہ اشارہ ملتا ہے کہ اس وقت تک علی، طلحہ، زبیر اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین، امت مسلمہ میں انتشار ڈالنے والی قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کی جماعت پر نفاذ قصاص کے لیے بالکل متفق و متحد اور باہم متعاون تھے تاکہ ان کے فساد سے پورا دین متاثر نہ ہو۔ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے یہ موقف بالکل منطقی تھا اور صحابہ کرام بھی آپ کی رائے سے متفق تھے لیکن یہ شورش پسند جنھوں نے کلیدی کردار کو اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا اور مدینہ کے غلاموں اور پاس پڑوس کے بدوؤں کو وہاں کے باشندوں سے لڑائی پر ابھار چکے تھے اور انھیں جس طرح چاہتے برا بھلا کہتے، پھر کسی میں ان سے قتال کی طاقت نہ تھی، ان سے کیسے نمٹا جائے، اسی طریقہ کار میں اختلاف تھا۔ [2]

چنانچہ علی رضی اللہ عنہ کو سبائیت کے نرغے سے نکالنے اور ان سے مقابلہ کرنے کے لیے طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما نے آپ کو ایک مشورہ دیا۔ سیّدنا طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''آپ اجازت دیں تو میں بصرہ جاؤں اور قبل اس کے کہ یہ لوگ آپ کے خلاف کوئی تخریبی کارروائی کریں میں شہ سواروں کی ایک جماعت لے کر حاضر ہوتا ہوں'' اور زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''مجھے کوفہ جانے دیجیے، قبل اس کے کہ یہ لوگ آپ کے خلاف اچانک کوئی غلط اقدام کریں میں شہ سواروں کا ایک

---

[1] تاريخ الطبری (٥/ ٤٦١).

[2] فتح الباری (١٢/ ٣٦٠).

قافلہ لے کر حاضر ہوتا ہوں۔ 1 لیکن سیّدنا علی رضی اللہ عنہ اسے ٹالتے رہے اور ان دونوں سے کہتے: ''ٹھہرو! یہاں تک کہ میں اچھی طرح حالات کا جائزہ لے لوں۔'' 2

شاید علی رضی اللہ عنہ کو اس فتنہ کے بارے میں یہ خدشہ تھا کہ کہیں مدینہ کے اندر خانہ جنگی نہ شروع ہو جائے جس کا انجام بہرحال اچھا نہیں ہے اور اسی لیے آپ نے طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما کا مشورہ نہیں مانا۔ 3 طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما کے مشورہ کی نوعیت اس بات کی دلیل ہے کہ اس وقت وہ دونوں علی رضی اللہ عنہ کی بات سے مطمئن تھے، انھیں اتفاق تھا کہ یقیناً شورش پسند لوگ مسلمانوں کی صف میں پوری قوت کے ساتھ گھس چکے ہیں، وہ مسلمانون پر قابو یافتہ ہیں، نہ کہ مسلمان ان پر۔ پس ان دونوں کا مطالبہ اس بات کی کوشش تھی کہ ایک شرعی حد کے تعطل کی مدت کم سے کم ہو اور علی رضی اللہ عنہ کے دست و بازو کو اس قدر مضبوط کر دیا جائے کہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ پر آپ حد قصاص نافذ کر سکیں اور بقیہ صحابہ منتظر تھے کہ دیکھیں سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کیا اقدام کرتے ہیں، لیکن علی رضی اللہ عنہ کا خیال یہ تھا کہ موجودہ ناگفتہ بہ حالات پر قابو پائے بغیر کوئی اقدام کرنا ممکن نہیں ہے، یہ فتنہ آگ کی چنگاری ہے، جب جب اس کی آگ بھڑکائی جائے گی وہ زیادہ ہی ہوگی۔ 4

جب طلحہ، زبیر رضی اللہ عنہما اور ان دونوں کے موافقین نے دیکھا کہ شہادت عثمان پر چار مہینے گزر گئے، اور قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ پر قصاص نافذ کرنے میں علی رضی اللہ عنہ اب تک کامیاب نہ ہو سکے کیونکہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس کافی قوت و طاقت تھی اور وہ علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں گھس چکے تھے، تو ان دونوں نے علی رضی اللہ عنہ سے کہا: ہمیں مدینہ سے نکل جانے کی اجازت دے دیں یا تو آپ حالات قابو میں لائیں یا ہمیں چھوڑ دیں۔ آپ نے کہا: جب تک کنٹرول کر سکوں گا کروں گا اور جب کوئی چارہ کار نہ رہے گا تو آخری علاج ''کی'' آگ سے داغنا ہی ہے۔ 5 علی رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ ان دونوں کے مدینہ چھوڑنے کا مقصد کسی حل تک پہنچنے کی ایک کوشش ہے۔ اس لیے آپ نے ان دونوں کو منع نہیں کیا۔ غالباً آپ کی بھی تمنا تھی کہ شاید کوئی بہتر حل نکل ہی آئے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ اسی کے لیے کوشاں بھی تھے لیکن اپنے مخصوص طریقے سے اسے حل کرنا چاہتے تھے۔ 6

بعض معاصر محققین نے طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما کی بصرہ و کوفہ جانے کی اجازت طلبی اور وہاں سے شہ سواروں کو لا کر شر پسندوں کی سرکوبی اور علی رضی اللہ عنہ کی عدم موافقت کو غلط معنوں پر محمول کیا ہے۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ ان دونوں سے ڈر گئے اور آپ کو یہ خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں یہ دونوں آپ کے خلاف ایک نئے فتنے کی شکل میں نہ لوٹیں اور وہی کچھ کر گزریں جو مصر والوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا تھا اور وہی دن نہ لوٹ آئے جو عثمان کے ساتھ ان

---

1 تاریخ طبری (٥/ ٣٦١). 2 تاریخ الطبری (٥/ ٣٦١).

3 تحقیق مواقف الصحابة (٢/ ١٠٨).

4 تاریخ الطبری (٥/ ٤٦٧) دور المرأة السیاسی ص (٣٨٠).

5 تاریخ الطبری (٥/ ٣٦٨) دور المرأة السیاسی ص (٣٨٠). 6 دور المرأة السیاسی ص (٣٨٠-٣٨١).

کے گھر میں ہوا تھا۔ ❶

درحقیقت طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما کی اجازت طلبی اور علی رضی اللہ عنہ کی عدم موافقت کی یہ تشریح ایک بے جا اور بے بنیاد تشریح ہے ❷ اور مقدس صحابہ کرام کے حق میں ظلم ہے۔

بہرحال زبیر اور طلحہ رضی اللہ عنہما مکہ گئے اور وہاں قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص کا مطالبہ کرنے والے بے شمار مسلمان ان سے آ ملے، پھر آگے جو کچھ ہوا اس کی تفصیل آئندہ صفحات میں آ رہی ہے۔

۳۔ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما: ...... قدیم وجدید دونوں ادوار میں لوگوں کے درمیان یہ بات مشہور ہے کہ معاویہ اور علی رضی اللہ عنہما کے درمیان اختلاف کا سبب یہ تھا کہ معاویہ خلافت کے خواہاں تھے اور آپ نے علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر بیعت نہ کر کے ان کی مخالفت اس لیے کیا کہ انھوں نے آپ کو شام کی گورنری سے معزول کر دیا تھا۔ چنانچہ ابن قتیبہ الدینوری ❸ کی طرف منسوب کی جانے والی کتاب ''الإمامة والسیاسة'' میں ابن الکواء سے مروی ایک روایت میں یہ بات ملتی ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے خلافت کا دعویٰ کیا تھا، اس میں آیا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے کہا: ''آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ معاویہ طلقاء میں سے ہیں، ان کے باپ نے غزوۂ احزاب میں مدینہ پر حملہ آور ہونے والی تمام جماعتوں کی قیادت کی تھی، بلا کسی شورائیت کے وہ خلافت کے دعوے دار ہو بیٹھے، اگر وہ تم سے سچ کہیں تو انھیں خلافت سے ہٹانا حلال ہے اور اگر وہ تم سے جھوٹ کہیں تو تمھارے لیے ان سے بات چیت کرنا حرام ہے۔ ❹

لیکن حقیقت اس قول کے بالکل مخالف ہے۔ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ سے یہ بات ہرگز ثابت نہیں، یہ رافضیوں کا من گھڑت کلام ہے، ان شاء اللہ ''الإمامة والسیاسة'' نامی کتاب کی حقیقت، اس کی کذب بیانی اور تاریخی حقائق کی تصویر بگاڑنے میں اس کے کردار کو آئندہ صفحات میں مناسب جگہ پر ذکر کروں گا۔ صرف یہی نہیں بلکہ تاریخ وادب کی بہت سے کتابیں ایسی موضوع اور ضعیف روایات سے بھری پڑی ہیں جو بادشاہت، سرداری اور حکومت طلبی کو معاویہ اور علی کے درمیان اختلاف کا سبب بتاتی ہیں۔ ❺

صحیح بات یہ ہے کہ دونوں کے اختلاف کا سبب یہ تھا کہ معاویہ اور ان کے ساتھیوں کا خلافت علی پر بیعت کرنا کب واجب ہوتا ہے، قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص لینے سے قبل یا قصاص لینے کے بعد؟ معاویہ اور ان کے شامی

---

❶ الخلفاء الراشدون ص: (۳۷۲).

❷ خلافة علی بن أبی طالب / عبدالحمید علی رضی اللہ عنہ: (۱۱۸).

❸ ابن قتیبہ کی طرف اس کتاب کی نسبت صحیح نہیں ہے، اسے حسد وعداوت سے پر ایک رافضی نے تالیف کیا ہے۔ اس فصل کے آخر میں اس کتاب پر تفصیلی گفتگو آ رہی ہے۔

❹ الإمامة و السیاسة (۱/ ۱۱۳).

❺ تحقیق مواقف الصحابة فی الفتنة (۲/ ۱٤٥).

ساتھیوں کی رائے تھی کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ پہلے قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص لیں، پھر وہ سب آپ پر بیعت خلافت کر لیتے ہیں، جب کہ علی رضی اللہ عنہ کی رائے تھی کہ معاویہ اور ان کے ساتھی پہلے بیعت کریں پھر قصاص کا مسئلہ بعد میں دیکھا جائے گا۔ تو صاف طور پر ظاہر ہے کہ اختلاف کا تعلق خلافت سے نہیں بلکہ قصاص سے تھا۔ [1]

قاضی ابن العربی فرماتے ہیں:

"اہل شام اور اہل عراق کے درمیان قتال کا سبب دونوں کے موقف کا فرق تھا۔ اہل عراق علی رضی اللہ عنہ کی بیعتِ خلافت کی حمایت میں تھے اور چاہتے تھے کہ آپ کی امامت پر تمام مسلمان پہلے متحد ہو جائیں۔ جب کہ اہل شام کا موقف یہ تھا کہ پہلے قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ پر قابو پایا جائے اور ان سے قصاص لیا جائے۔ یہ لوگ کہتے تھے کہ ہم قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کو پناہ دینے والے کے ہاتھ پر بیعت نہیں کریں گے۔" [2]

اور امام الحرمین الجوینی لکھتے ہیں:

"معاویہ رضی اللہ عنہ نے اگرچہ علی رضی اللہ عنہ سے قتال کیا لیکن ان کی امامت کے کبھی منکر نہ ہوئے اور نہ اپنے لیے اس کا دعویٰ کیا۔ آپ اپنی صواب دید کے بموجب قاتلین عثمان سے قصاص کے طالب تھے، حالانکہ آپ غلطی کر رہے تھے۔" [3]

امام ہیتمی فرماتے ہیں:

"علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان رونما ہونے والی لڑائیوں کے بارے میں اہل سنت و جماعت کا عقیدہ ہے کہ اس لڑائی کی وجہ یہ نہیں تھی کہ معاویہ علی رضی اللہ عنہ سے خلافت چھیننا چاہتے تھے، اس لیے کہ علی رضی اللہ عنہ کے استحقاق خلافت پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہو چکا تھا۔ پس فتنہ خلافت کی وجہ سے نہیں ہوا بلکہ اس کا سبب یہ تھا کہ عثمان معاویہ رضی اللہ عنہ کے چچازاد بھائی تھے، اس لیے دم عثمان کا بدلہ چاہتے تھے اور علی رضی اللہ عنہ اس وقت اسے نہیں مان رہے تھے۔" [4]

متعدد روایات اس بات کی تائید کرتی ہیں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ لینے کے مطالبہ پر مصر رہے اور بصراحت کہہ دیا کہ جب قاتلین عثمان پر حد قصاص نافذ ہو جائے گا میں علی رضی اللہ عنہ کی اطاعت قبول کر لوں گا۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے اقتدار کی خواہش میں مطالبہ قصاص اور عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کی لہر پیدا کرنے کو سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے محاذ آرائی کے لیے ایک بہانہ بنایا تھا، تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر

---

[1] البداية والنهاية (٨/ ١٢٩)، فتح البارى (١٣/ ٩٢).

[2] العواصم من القواصم ص (١٦٢). [3] لمع الأدلة فى عقائد أهل السنة والجماعة ص (١١٥).

[4] الصواعق المحرقة (٢/ ٦٢٢) دراصل یہ معاویہ رضی اللہ عنہ کا اجتہاد تھا، ورنہ صحیح بات یہ تھی کہ پہلے بیعت کرتے پھر قصاص کا مطالبہ کرتے۔

قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ پر قصاص نافذ کرنے میں علی رضی اللہ عنہ کامیاب ہوجاتے تو پھر معاویہ رضی اللہ عنہ کیا کرتے؟ یقینی بات ہے کہ اپنی صراحت کے بموجب علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر بیعت کر لیتے اور آپ کی اطاعت برضا و رغبت قبول فرما لیتے۔ اسی طرح جو لوگ بھی قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص کے مطالبہ کو بنیاد بنا کر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ لڑ رہے تھے وہ سب علی رضی اللہ عنہ پر بیعت کر لیتے۔ کیونکہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے دل میں کوئی اور بھید بھاؤ نہ تھا کہ جسے آپ نے ظاہر نہیں کیا اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو یہ موقف جان کی بازی لگانے کا موقف ہوتا اور پھر طمع و حرص والے لوگوں کے لیے ایسا کرنا ممکن نہیں۔ [1]

وہ معاویہ رضی اللہ عنہ جو کہ کاتبین وحی میں سے ایک تھے اور جن کا شمار افاضل صحابہ میں ہوتا تھا، جو گفتار میں سب سے سچے اور کردار میں سب سے زیادہ بردبار تھے، ان کے بارے میں بھلا کیوں کر یہ عقیدہ رکھنا درست ہوسکتا ہے کہ وہ ایک زوال پذیر حکومت کے حصول کی خاطر شرعی خلیفہ کے خلاف جنگ چھیڑیں گے اور مسلمانوں کا خون بہائیں گے۔ جب کہ آپ خود فرماتے ہیں:

"اللہ کی قسم! اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان جب مجھے اختیار دیا جاتا ہے تو میں اللہ کو دوسروں پر ترجیح دیتا ہوں۔" [2]

اور صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا ہے:

((اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِياً مَهْدِيّاً وَاهْدِبِهِ .)) [3]

"اے اللہ! انھیں راستہ دکھانے والا اور ہدایت یافتہ بنا، اور ان کے ذریعے سے دوسروں کو ہدایت دے۔"

اور ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْكِتَابَ وَقِهِ الْعَذَابَ .)) [4]

"اے اللہ! انھیں قرآن سکھادے اور انھیں عذاب سے بچا۔"

شہادتِ عثمان کے متعلق معاویہ رضی اللہ عنہ کے موقف کی غلطی کی اصل وجہ یہ رہی کہ آپ نے علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر بیعت کرنے سے اس وقت تک کے لیے انکار کر دیا جب تک کہ وہ قاتلین عثمان سے قصاص نہیں لے لیتے۔

مزید برآں ماضی میں شورش پسندوں کے خلاف آپ اپنے سخت موقف اور پھر دشمنوں کی طرف سے آپ کے قتل کی کوشش کی وجہ سے آپ کو اپنی جان کا شدید خطرہ لاحق تھا، حتی کہ آپ کو علی رضی اللہ عنہ سے التماس کرنا پڑا کہ ان

---

[1] تحقیق مواقف الصحابة (۲/ ۱۵۰).
[2] سير أعلام النبلاء (۳/ ۱۵۱).
[3] صحيح سنن الترمذي / الباني، حديث نمبر (۳۰۱۸) (۳/ ۲۳۶).
[4] فضائل الصحابة (۲/ ۹۱۳) اس کی سند حسن ہے۔

مفسدین کو میرے حوالے کر دیں۔

حالانکہ کسی بھی طالب قصاص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ خود معاملہ کا فیصلہ کر لے، بلکہ ایسے شخص کو پہلے امام وقت کی اطاعت قبول کرنی چاہیے، پھر اس کے پاس اپنا دعویٰ پیش کرے اور اس سے اپنے حق کا مطالبہ کرے۔ ❶ تمام مفتیان اسلام اس بات پر متفق ہیں کہ کسی بھی فرد واحد کے لیے یہ جائز نہیں کہ حاکم وقت یا جس کو اس نے ذمہ دار بنایا ہے اسے چھوڑ کر خود ہی فریق مقابل سے قصاص لے۔ اس لیے کہ اس سے بدامنی پھیلے گی اور فتنہ وفساد عام ہوگا۔ ❷

معاویہ رضی اللہ عنہ کے غلط موقف کی یہ توجیہ کی جاسکتی ہے کہ یہ آپ کی اجتہادی غلطی تھی، آپ کو یقین تھا کہ میں ہی حق پر ہوں۔ چنانچہ جب آپ نے باشندگان شام کو اکٹھا کیا اور تقریر کرتے ہوئے انھیں یاد دلایا کہ میں عثمان رضی اللہ عنہ کا چچازاد بھائی ہوں اور ان کے خون کا ولی ہوں، وہ مظلوم شہید کیے گئے ہیں اور اللہ فرماتا ہے:

﴿ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطَانًا فَلَا يُسْرِفْ فِي الْقَتْلِ ۖ إِنَّهُ كَانَ مَنْصُورًا ﴿٣٣﴾ ﴾ (الاسراء: ۳۳)

''اس حال میں کہ مظلوم ہو تو یقیناً ہم نے اس کے ولی کے لیے پورا غلبہ رکھا ہے۔ پس وہ قتل میں حد سے نہ بڑھے، یقیناً وہ مدد دیا ہوا ہوگا۔''

لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ آپ لوگ اس سلسلے میں اپنے موقف سے مجھے آگاہ کرو۔ اہل شام بیک زبان دم عثمان رضی اللہ عنہ کے بدلہ کے مطالبہ پر آپ کا ساتھ دینے کو تیار ہو گئے اور اسی بات پر آپ سے بیعت کی، اور آپ سے پختہ وعدہ کیا کہ ہم اس وقت تک آپ کے ساتھ جان ومال کی قربانی دیتے رہیں گے جب تک کہ اپنی تحریک میں کامیاب نہ ہو جائیں یا اس راستے میں ہم سب مار نہ ڈالے جائیں۔ ❸

خلاصہ بحث یہ ہے کہ جب ہم طلحہ وزبیر اور معاویہ رضی اللہ عنہم کے موقف کا باہم موازنہ کرتے ہیں تو یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ معاویہ کے بالمقابل طلحہ وزبیر چار اعتبار سے حق کے قریب تر تھے اور انھیں کا موقف زیادہ صحیح تھا:

۱۔ سمع وطاعت کا مظاہرہ اور علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا اعتراف کرتے ہوئے ان دونوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی، جب کہ معاویہ علی رضی اللہ عنہ کے فضل ومرتبہ کے معترف ہونے کے باوجود بیعت کرنے سے باز رہے۔ ❹

۲۔ اسلام اور مسلمانوں کی نگاہ میں ان دونوں کا جو مرتبہ ہے اور سبقت الی الاسلام کی انھیں جو فضیلت حاصل رہی، بلاشبہ ان چیزوں کے مقابلہ میں معاویہ رضی اللہ عنہ ان کے ہم پلہ نہیں تھے۔ ❺

---

❶ تحقیق مواقف الصحابۃ (۲/ ۱۵۱)۔ ❷ تفسیر القرطبی (۲/ ۲۵۶)۔

❸ صفین / ابن مزاحم ص (۳۲) تحقیق مواقف الصحابۃ (۲/ ۱۵۲)۔

❹ البدایۃ والنہایۃ (۸/ ۱۲۹) فتح الباری (۱۳/ ۹۲)۔

❺ اسلام میں ان کی عظمت اس بات سے نمایاں ہوتی ہے کہ یہ دونوں جنت کی بشارت یافتہ تھے۔

۳۔ ان دونوں نے صرف عثمان رضی اللہ عنہ کے باغیوں کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا اور علی رضی اللہ عنہ سے چھیڑ چھاڑ نہیں کی اور نہ ہی معرکۂ جمل میں علی اور ان کے ساتھیوں سے قصداً لڑائی لڑی۔ [1] جب کہ معاویہ رضی اللہ عنہ معرکۂ صفین میں علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ محاذ آرائی پر مصر رہے۔ [2]

۴۔ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص لینے کے معاملے میں ان دونوں نے علی رضی اللہ عنہ کو نرمی کرنے یا قاتلین کو مہلت دینے سے کبھی متہم نہیں کیا جب کہ معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے آپ کو اس بات سے متہم کیا۔ [3]

فتنہ سے کنارہ کش رہنے والوں کا موقف:

فتنہ قتل عثمان رضی اللہ عنہ سے کنارہ کش رہنے والے بیشتر صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے نبی ﷺ کی یہ حدیث تھی:

((سَتَكُوْنُ فِتَنٌ ، اَلْقَاعِدُ فِيْهَا خَيْرٌ مِنَ الْقَائِمِ وَالْقَائِمُ فِيْهَا خَيْرٌ مِنَ الْمَاشِيْ وَالْمَاشِيْ فِيْهَا خَيْرٌ مِنَ السَّاعِيْ مَنْ تَشَرَّفَ لَهَا تَسْتَشْرِفُهُ فَمَنْ وَجَدَ مِنْهَا مَلْجَأً أَوْ مُعَاذاً فَلْيَعُذْبِهِ .)) [4]

’’عنقریب ایسے فتنے برپا ہوں گے جن میں بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے سے بہتر ہوگا اور کھڑا ہونے والا ان میں چلنے والے سے بہتر ہوگا اور چلنے والا ان میں دوڑنے والے سے بہتر ہوگا، جو دور سے ان کی طرف جھانک کر بھی دیکھے گا تو وہ ان کو بھی سمیٹ لیں گے، اس وقت جب کسی کو کوئی پناہ کی جگہ مل جائے یا بچاؤ کا مقام مل سکے وہ اس میں چلا جائے۔‘‘

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’اس حدیث میں فتنے سے ڈرایا گیا ہے اور اس میں حصہ لینے سے دور رہنے پر ابھارا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ جس قدر اس میں حصہ لیا جائے گا اسی مقدار میں اس کی برائی اثر انداز ہوگی۔‘‘ [5]

اور ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا:

((يُوْشِكُ أَنْ يَّكُوْنَ خَيْرُ مَالِ الْمُسْلِمِ غَنَمٌ يَتْبَعُ بِهَا شَعْفَ الْجِبَالِ وَمَوَاقِعَ الْقَطْرِ يَفِرُّ بِدِيْنِهِ مِنَ الْفِتَنِ .)) [6]

---

[1] تحقیق مواقف الصحابة (۲/ ۱۱۳) تاریخ الطبری (۳/ ۴۷۵).

[2] تاریخ الطبری (۵/ ۶۱۲ تا ۶۱۵) یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ جنگ کرنے میں معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے پہل نہیں کی گئی تھی پہلی علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے ہوئی تھی، انھوں نے اہل شام کو اطاعت کے دائرے میں لانے کے لیے یہ جنگ شروع کی تھی اور اس جنگ کے برپا کرنے میں بھی قاتلین عثمان کا زبردست ہاتھ تھا۔ (مترجم)

[3] تحقیق مواقف الصحابة (۲/ ۱۳۹) البداية والنهاية (۷/ ۲۵۹) یہ غلط فہمی اور افواہوں کی وجہ سے تھا کیونکہ مدینہ کی صحیح خبریں شام نہیں پہنچ رہی تھیں اور پھر قاتلین عثمان لشکر علی میں شامل ہو چکے تھے جس سے غلط فہمیاں پیدا ہوگئیں تھیں۔ (مترجم)

[4] صحیح البخاری (۷۰۸۱) أبوهريرة رضی الله عنه ، و صحیح مسلم (۲۸۸۶).

[5] فتح الباری (۱۳/ ۳۱).

[6] صحیح البخاری (۷۰۸۸) بروایت أبو سعید خدری.

''وہ وقت قریب ہے کہ مسلمان کا بہترین مال وہ بکریاں ہوں گی جنھیں وہ لے کر پہاڑی کی چوٹیوں اور بارش برسنے کی جگہوں پر چلا جائے گا۔ وہ فتنوں سے اپنے دین کی حفاظت کے لیے وہاں بھاگ کر آ جائے گا۔''

ان کے علاوہ متعدد احادیث ہیں جو صراحتاً قتال میں حصہ لینے سے روکتی ہیں۔ امام جوینی فرماتے ہیں:

''علی رضی اللہ عنہ کے پرفتن دور میں اصحاب رسول اللہ ﷺ کی متعدد جماعتیں لڑائی میں شرکت کرنے سے کنارہ کش رہیں، سکون وسلامتی کو ترجیح دی، اور فتنہ وفساد کے تھپیڑوں سے خود کو دور رکھا، انھی میں سے سعد بن ابی وقاص اور سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ [1] یہ دونوں جنت کے بشارت یافتہ تھے، اس فتنہ سے کنارہ کشی اختیار کرنے میں سب سے پہلے ابوموسیٰ اشعری، عبداللہ بن عمر، اسامہ ابن زید اور ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہم اجمعین نے پیش رفت کیا اور ان کے پیچھے صحابہ کی ایک جماعت رہی، لیکن علی رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کی عدم شرکت پر کبھی کوئی اعتراض نہیں کیا۔'' [2]

جنگ سے کنارہ کش رہنے والے صحابہ کے نام:

* سیّدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ
* محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ
* ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ
* عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ
* سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ
* عمران بن حصین رضی اللہ عنہ
* سعید بن عاص اموی رضی اللہ عنہ
* اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ
* عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ
* صہیب بن سنان رومی رضی اللہ عنہ
* ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ
* ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ
* عبداللہ بن سعد بن ابی السرح رضی اللہ عنہ

قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق آپ کا موقف:

سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت پر علی رضی اللہ عنہ نے سخت غم وغصہ کا اظہار کیا، ان کے خون سے اپنی برائت ظاہر کی، اپنے خطبوں اور دیگر مجلسوں میں قسمیں کھا کھا کر کہا کہ میں نے عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل نہیں کیا، نہ کسی کو اس کا حکم دیا، نہ کسی کوشہ دی اور نہ ہی اس واقعہ سے راضی ہوں، یہ بات اتنی سندوں سے ثابت ہے جو قطعیت کا فائدہ دیتی ہیں۔ [3]

یہ حقیقت ان رافضی مفروضوں کے خلاف ہے جن میں علی رضی اللہ عنہ کو قتل عثمان رضی اللہ عنہ پر مطمئن دکھایا گیا ہے۔ [4]

شہادت عثمان کے متعلق روایات کو نقل کرنے کے بعد امام حاکم رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ بدعتیوں کا یہ دعویٰ کہ علی رضی اللہ عنہ نے

---

[1] تهذيب التهذيب (٤/ ٣٠).
[2] غياث الأمم في تياث الظلم ص (٨٥/ ٨٦).
[3] البداية والنهاية (٧/ ٢٠٢).
[4] العقيدة في أهل البيت بين الأفراط والتفريط ص (٢٢٩).

قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کی مدد کی تھی، یکسر جھوٹ اور بہتان ہے، متواتر روایات اس کے بالکل خلاف ہیں۔ ❶

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''یہ سب علی رضی اللہ عنہ پر جھوٹ اور افترا پردازی ہے، آپ ہرگز ہرگز دمِ عثمان رضی اللہ عنہ میں شریک نہ ہوئے، نہ اس کا حکم دیا اور نہ اس سے خوش ہوئے، آپ جو کہ ایک سچے اور نیک انسان ہیں، خود ہی اس کی صراحت کرتے ہیں۔ ❷ فرماتے ہیں: ((اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَبْرَأُ إِلَيْكَ مِنْ دَمِ عُثْمَانَ)) ❸ اے اللہ! میں تیرے پاس دمِ عثمان سے اپنی برأت کا اظہار کرتا ہوں۔''

امام حاکم نے اپنی سند سے قیس بن عبادہ سے روایت کیا ہے کہ جنگ جمل کے موقع پر میں نے علی رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا: اے اللہ! میں تیرے نزدیک عثمان کے خون سے اپنی برأت ظاہر کرتا ہوں، جس دن میں نے عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر سنی، حواس باختہ ہوگیا اور میرا دل یقین نہیں کر رہا تھا۔ لوگ میرے پاس بیعت کرنے آئے تو میں نے کہا: ''اللہ کی قسم! مجھے اللہ سے شرم آتی ہے کہ ایسے لوگوں سے بیعت کروں جنھوں نے ایک ایسے آدمی کو قتل کیا ہے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا:

((أَ لَا أَسْتَحْيِ مِمَّنْ تَسْتَحْيِ مِنْهُ الْمَلَائِكَةُ.))

''کیا میں ایسے آدمی سے حیا نہ کروں جس سے فرشتے حیا کرتے ہیں۔''

یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ عثمان زمین پر مقتول پڑے ہوں اور ابھی ان کی تدفین بھی نہیں ہوئی اور میں بیعت کرلوں، یہ سن کر لوگ واپس چلے گئے اور جب آپ کی تدفین ہوگئی تو لوٹ کر واپس آئے اور مجھے بیعت لینے کے لیے کہنے لگے، میں نے کہا:

((اَللّٰهُمَّ إِنِّي مُشْفِقٌ مِمَّا أَقْدِمُ عَلَيْهِ.))

''اے اللہ! میں اس پر اقدام کرتے ہوئے ڈر رہا ہوں۔''

لیکن پھر بھی میری ہمت بندھی اور عزیمت نے سہارا دیا، میں نے بیعت لے لی۔ لوگوں نے اس وقت جب مجھے ''امیر المومنین'' کہا تو مجھے ایسا لگا کہ احساس ذمہ داری سے میرا دل پھٹ جائے گا اور میں نے اللہ سے دعا کی:

((اَللّٰهُمَّ خُذْ مِنِّي لِعُثْمَانَ حَتَّى تَرْضَى.)) ❹

''اے اللہ! تو مجھ سے عثمان کے لیے وہ کام لے جس سے تو خوش ہوجائے۔''

امام احمد اپنی سند سے محمد بن الحنفیہ سے روایت کرتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ کو خبر ملی کہ مقام مربد ❺ میں عائشہ رضی اللہ عنہا

---

❶ المستدرك (٣/ ١٠٣). ❷ منهاج السنة (٤/ ٤٠٦).

❸ البداية والنهاية (٧/ ٢٠٢) اس کی سند حسن ہے۔

❹ المستدرك (٣/ ٩) یہ حدیث صحیح ہے، اور شیخین کی شرط پر ہے۔

❺ بصرہ کے قریب ایک جگہ ہے۔ بصرہ اور مربد کے درمیان تین میل کا فاصلہ ہے۔

قاتلین عثمان پر لعنت بھیج رہی ہیں، تو آپ نے بھی دعا کے لیے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا لیے اور کہا: میں بھی قاتلین عثمان پر لعنت بھیجتا ہوں، ان پر اللہ کی لعنت نازل ہو وہ زمین میں ہوں یا پہاڑ پر۔ آپ نے دو یا تین مرتبہ یہی بات دہرائی۔ ❶

ابن سعد نے اپنی سند سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ شاہد ہے کہ میں نے عثمان کو قتل نہیں کیا اور نہ ہی اس کا حکم دیا، بلکہ میں نے اس سے منع کیا۔ اللہ کی قسم ہے! میں نے عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل نہیں کیا اور نہ ہی اس کا حکم دیا بلکہ میں بے بس کر دیا گیا، آپ نے تین مرتبہ یہی بات دہرائی۔ ❷

نیز انھی سے مروی ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''جو شخص عثمان کے دین سے برأت کا اظہار کرے وہ ایمان سے برأت کا اظہار کر رہا ہے، اللہ کی قسم! میں ان کے قتل میں معاون نہیں ہوں اور نہ ہی اس کا حکم دیا اور نہ ہی اس سے راضی ہوں۔'' ❸

آپ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی تعریف کرتے تھے اور ان کے بارے میں کہتے تھے: وہ ہم میں سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والے اور سب سے زیادہ رب سے ڈرنے والے تھے۔ ❹ اور عمیرہ بن سعد کا بیان ہے کہ ہم دریائے فرات کے ساحل پر علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ٹہل رہے تھے، ہمیں دریا میں ایک کشتی گزرتی ہوئی نظر آئی جس کا بادبان بلند تھا، علی رضی اللہ عنہ نے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی:

﴿ وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَآتُ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ ﴾ (الرحمٰن: ٢٤)

''اور اللہ ہی کی (ملکیت میں) ہیں وہ جہاز جو سمندروں میں پہاڑ کی طرح بلند (چل پھر رہے) ہیں۔''

قسم ہے اس ذات کی جس نے اپنے سمندروں میں سے ایک سمندر میں اس کشتی کو رواں کیا! میں نے عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل نہیں کیا اور نہ کسی کو اس پر ابھارا۔ ❺

آپ فرماتے ہیں کہ جس دن عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی میں غم سے نڈھال ہو گیا۔ ❻ حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ نے ان تمام روایات کی سندوں کو جمع کیا ہے جن میں علی رضی اللہ عنہ کا اپنا بیان ہے کہ وہ عثمان رضی اللہ عنہ کے خون سے بَری ہیں اور یہ کہ آپ اپنے خطبوں وغیرہ میں قسم کھایا کرتے تھے کہ انھوں نے عثمان کو قتل نہیں کیا اور نہ اس سے راضی ہوئے۔ یہ بات آپ سے اتنی کثیر سندوں سے ثابت ہے کہ جو بہت سارے ائمہ کے نزدیک قطعیت کا فائدہ دیتی ہیں۔ ❼

---

❶ فضائل الصحابة (١/ ٥٥٥) حدیث نمبر (٧٣٣) اس کی سند صحیح ہے۔
❷ الطبقات (٣/ ٨٢)، البدايه والنهاية (٧/ ٢٠٢).
❸ الرياض النضرة ص (٥٤٣). ❹ صفة الصفوة (١/ ٣٠٦).
❺ فضائل الصحابة (١/ ٥٥٩-٥٦٠) حدیث نمبر (٣٧٩) اس کی سند حسن لغیرہ ہے۔
❻ المنتظم فی تاريخ الملوك والأمم (٥/ ٦١). ❼ البداية والنهاية (٧/ ١٩٣).

اپنے لشکر کے مشکوک افراد سے کوئی خدمت لینے سے گریز کرنا:

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو ان مشکوک لوگوں سے خطرہ لگا رہتا تھا، اس لیے آپ ان سے کوئی معاملہ کرتے تو چوکنے رہتے، یہی وجہ تھی کہ جب آپ نے شام پر چڑھائی کا ارادہ کیا تو ان میں کسی کو امیر نہیں بنایا، بلکہ اپنے فرزند محمد بن الحنفیہ کو بلا کر انھیں علَم سونپا۔ عبداللہ بن عباس کو میسرہ اور ابولیلیٰ بن عمر بن الجراح کو مقدمہ الجیش پر مامور کیا۔[1] اور قثم بن عباس کو مدینہ میں اپنا نائب بنایا۔[2] گویا یہ آپ کی طرف سے ایک پہل تھی جس میں آپ باغیوں سے اپنی برأت کا واضح اشارہ دے رہے تھے اور بغیر ان کی مدد کے مسلمانوں کے معاملات کو سنبھال لینے کی قوت کا ثبوت دینا چاہتے تھے، اس لیے کہ مسلمانوں میں آپ کے عقیدت منداور آپ کی خلافت کے اتنے مویدین موجود تھے کہ جن کے ہوتے ہوئے باغیوں کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ اس وقت آپ باغیوں کے ساتھ اس سے زیادہ کچھ کر بھی نہیں سکتے تھے، کیونکہ وہ سیکڑوں کی تعداد میں تھے۔ مزید برآں ان کے خاندان و رشتہ کے لوگ فوج میں شامل تھے، اگر آپ اس سے زیادہ اور کوئی سختی کرتے تو اس بات کی کوئی ضمانت نہ تھی کہ امت مسلمہ میں فتنہ کی رسی مزید دراز نہ ہوگی۔[3]

اسی طرح جب آپ اور طلحہ، زبیر اور عائشہ رضی اللہ عنہم کے درمیان قعقاع بن عمرو کی ثالثی پر مصالحت ہوگئی تو آپ نے اسی دن شام کو خطبہ دیا۔ پہلے جاہلیت، اس کی بدبختی اور اس کے گھناؤنے کاموں کا ذکر کیا، پھر اسلام اور اس کے متبعین کی باہمی محبت اور اتحاد کی خوش بختی کا ذکر کیا اور فرمایا کہ اللہ نے اپنے فضل خاص سے اپنے نبی ﷺ کے بعد آپ کے خلیفہ ابوبکر، پھر عمر اور پھر عثمان پر امت مسلمہ کو متحد کیا، پھر یہ جانکاہ حادثہ پیش آیا جسے کچھ لوگوں یعنی قاتلین عثمان نے امت پر تھوپ دیا، انھوں نے دنیا طلب کی، اور جسے اللہ نے دنیا کی نعمت سے نوازا تھا اور اس پر اپنے فضل کی بارِش کی تھی اس پر حسد کیا، انھوں نے اسلام اور دیگر چیزوں کو پیچھے دھکیل دینا چاہا، اللہ اپنے معاملہ کے لیے کافی ہے۔[4]

پھر فرمایا: اے لوگو! میں کل یہاں سے کوچ کرنے والا ہوں، سب لوگ کوچ کے لیے تیار ہو جاؤ۔ خبردار! ہمارے ساتھ ایسا کوئی شخص ہرگز نہ چلے جو کسی معاملے میں کسی بھی طرح سے عثمان کے خلاف معاون رہا ہو۔ جاہل اور احمق لوگ بھی خود کو دور ہی رکھیں۔[5]

امام ابوبکر باقلانی رحمہ اللہ نے قاتلین عثمان پر تنفیذ قصاص کے موضوع پر بحث کی ہے اور حالات کی بحالی تک تنفیذ قصاص کی تاخیر کے بارے میں علی رضی اللہ عنہ کا موقف تحریر کرتے ہوئے اپنی رائے کا اظہار اس طرح کیا ہے کہ جب یہ بات ثابت ہے کہ علی رضی اللہ عنہ ایک کے بدلے پوری جماعت کو قصاص میں قتل کر دینے کے قائل تھے تو تمام

---

[1] تاریخ الطبری، بحوالہ تحقیق مواقف الصحابة (۲/ ۱۵۸).

[2] تاریخ الطبری (۵/ ۴۷۰). [3] إفادة الأخبار/ التبانی (۲/ ۵۲) بحوالہ: مواقف الصحابة (۲/ ۱۵۹).

[4] تاریخ الطبری (۵/ ۵۲۵). [5] تاریخ الطبری (۵/ ۵۲۵).

قاتلین عثمان پر قصاص نافذ کرنے کے لیے شرعاً ضروری تھا کہ:

- نامزد قاتلین کے خلاف دلیل ہو۔
- مقتول کے اولیاء مجلس میں حاضر ہوں اور اپنے باپ یا رشتہ دار کے خون کے بدلے کا مطالبہ کریں۔
- پھر امام اجتہاد کرتا کہ کہیں قاتلین عثمان کو قصاص میں اجتماعی طور پر قتل کر دینا مزید شر و فساد اور قتل و خون ریزی کا سبب تو نہیں بن رہا ہے کہ اس کے نتائج شہادت عثمان جیسے بھیانک یا اس سے بھی فزوں تر شکل میں ظاہر ہوں۔

نیز وہ غور کرتے کہ حد قصاص کی تنفیذ کو بحالی امن تک موخر کرنا اور معاملہ کی تہ تک پہنچنے کے لیے حق کی جستجو میں لگے رہنا ہی امت کے حق میں نفع بخش ہے یا نہیں؟ اور کیا یہی طرز عمل انھیں انتشار سے بچانے، فساد کو دور کرنے، اور تہمتوں سے پاک صاف رکھنے کا ذریعے سے ہوسکتا ہے، یا کچھ اور؟ [1]

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی بصرہ روانگی سے متعلق چند قابل توجہ پہلو

کیا سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا روانگی کے لیے مجبور کی گئی تھیں:

یعقوبی، [2] الامامۃ و السیاسۃ کے مولف، [3] ابن ابی الحدید [4] اور دینوری [5] کا گمان ہے کہ زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو روانگی کے لیے مجبور کیا تھا۔ اسی طرح امام ذہبی کی بیان کردہ روایت اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا تسلط تھا۔ [6]

بدقسمتی سے دور حاضر کے محمد سید وکیل [7] جیسے دیگر مولفین و مقالہ نگاروں نے اسی طرح کی روایتوں پر اعتماد کر لیا اور یہ لکھ ڈالا کہ زبیر اور طلحہ وغیرہ نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو روانگی پر ابھارا تھا۔ [8] حالانکہ یہ بات بالکل صحیح نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے جس دن عثمان رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ موت کی خبر سنی تھی اسی دن سے انھوں نے آپ کے قاتلین کے خلاف خون کے بدلے کا مطالبہ شروع کر دیا تھا، اس وقت زبیر اور طلحہ رضی اللہ عنہما جیسے دیگر بزرگ صحابہ مکہ گئے ہی نہیں تھے۔ اس کی دلیل وہ روایت ہے جس میں آیا ہے کہ جب عائشہ رضی اللہ عنہا مکہ واپس لوٹ رہی تھیں تو راستے میں عبداللہ بن عامر الحضرمی رضی اللہ عنہ آپ سے آکر ملے اور پوچھا: اے ام المومنین! کیا بات ہوگئی کہ آپ مکہ واپس جا رہی ہیں؟ آپ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: عثمان رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت نے مجھے واپس کیا ہے، اب

---

1. التمهيد/ الباقلاني ص (۲۳۱) تحقيق مواقف الصحابة (۲/ ۱۵۹).
2. تاريخ اليعقوبي (۲/ ۲۰۹، ۱۸۰).
3. لإمامة والسياسة (۱/ ۵۸، ۵۹).
4. شرح نهج البلاغة (۹/ ۱۸).
5. الاخبار الطوال ص (۱۴۵).
6. سير أعلام النبلاء (۲/ ۱۹۳).
7. جولة تاريخية في عصر الخلفاء الراشدين ص (۵۲۶).
8. عائشة أم المومنين ص (۱۸۴).

یہ فتنہ ختم ہونے والا نہیں، اس شور و شر کو ختم کرنے کے لیے ایک اور کام کی ضرورت ہے۔ تم دم عثمان رضی اللہ عنہ کے بدلے کا مطالبہ کر کے اسلام کو عزت بخشو، چنانچہ عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے آپ کی بات پر لبیک کہا۔ [1] اس وقت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما مدینہ سے نکلے ہی نہ تھے، یہ دونوں تو عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے چار ماہ بعد مدینہ سے مکہ روانہ ہوئے تھے۔ [2]

کیا سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے ساتھیوں پر دباؤ ڈال رکھا تھا؟

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ کئی صحابہ بھی شامل تھے۔ [3] مستشرق بروکلمان (Brockelmann) کا یہ خیال بالکل غلط ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے ساتھیوں پر دباؤ ڈال رکھا تھا، اپنی مرضی کے مطابق جس طرح چاہتی تھی بھڑکاتی تھیں۔ [4]

طبری کی متعدد روایتیں مذکورہ نظریہ کے برعکس واضح طور سے اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ دیگر امہات المومنین اور اہل بصرہ کی ایک قابل ذکر تعداد کی طرف سے عائشہ رضی اللہ عنہا اور ان کے ساتھیوں کی اصلاحی کوششوں کو حمایت و تائید حاصل تھی۔ [5] اہل بصرہ کے مویدین اتنی تعداد میں تھے کہ انھیں نظر انداز کر دینا آسان نہیں ہے، ان کے بارے میں طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما کا کہنا ہے کہ یہ لوگ بصرہ کے شریف ترین اور دین دار لوگ ہیں۔ [6] اور ان لوگوں کے بارے میں عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ''یہ وہاں کے نیک لوگ ہیں۔'' [7] صاف ظاہر ہے کہ نیکوکاروں اور شرفاء کی اتنی بڑی جماعت نیک نیتی اور کارروائی کے فائدہ پر مضبوط عقیدہ رکھ کر ہی باہر نکلی ہوگی۔ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ اسے اچھی طرح سمجھ رہے تھے، اور اپنے عمل سے اس غلط نظریہ کی تردید کرنا چاہتے تھے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکلنے والے لوگ ہنگامہ پسند، اوباش اور نادان ہیں۔ [8] یہی وجہ تھی کہ جنگ جمل کے بعد عائشہ رضی اللہ عنہا کی جماعت کے مقتولین میں آپ کھڑے ہوئے، ان کے فضل و عظمت کو سراہا اور ان کے لیے اللہ سے رحمت کی دعا کی۔ [9] اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

مختصر یہ کہ یہ کارروائی ہنگامی اور بے مقصد نہ تھی کہ جس میں عائشہ رضی اللہ عنہا نے غیر صالح اور بے عمل لوگوں پر دباؤ بڑھایا ہو، بلکہ کمال احتیاط اور نہایت بیدار مغزی کی کارروائی تھی جس میں بعض جلیل القدر صحابہ بھی شریک تھے۔ [10]

---

[1] تاریخ الطبری (٥/ ٤٧٥).

[2] دور المرأة السیاسی ص (٣٨٣) تاریخ الطبری (٥/ ٤٦٩).

[3] دور المرأة السیاسی ص (٣٨٤).

[4] تاریخ الشعوب الإسلامیه ص (١١١، ١١٤، ١١٧).

[5] تاریخ الطبری (٥/ ٤٧٥).

[6] تاریخ الطبری بحواله دور المرأة السیاسی ص (٣٨٥).

[7] تاریخ الطبری بحواله دور المرأة السیاسی ص (٣٨٥)

[8] دیکھیے: الإمامة و السیاسة (١/ ٥٧).

[9] تاریخ الطبری (٥/ ٤٧٤).

[10] دور المرأة السیاسی ص (٣٨٥).

دمِ عثمان رضی اللہ عنہ کے بدلے کی کارروائی سے متعلق دیگر امہات المومنین کا موقف:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دیگر ازواج مطہرات اس موقع پر فتنہ سے بچنے کے لیے مکہ حج کرنے چلی گئیں اور جب مکہ کے لوگوں کو معلوم ہوا کہ عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیے گئے تو یہ مکہ ہی میں ٹھہر گئیں۔ حالانکہ یہ مکہ سے مدینہ کے لیے نکل پڑی تھیں، لیکن پھر واپس آ گئیں اور انتظار کرنے لگیں کہ لوگ اب کیا کرتے ہیں؟ اور اچھی خبریں کب آئیں گی۔

جب علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں پر بیعت ہوگئی تو بہت سارے صحابہ مدینہ چھوڑ کر مکہ چلے آئے، مدینہ میں شرپسندوں اور ہنگامہ کرنے والوں کی کثرت دیکھ کر انھوں نے وہاں رہنا پسند نہیں کیا۔ اس طرح بے شمار صحابہ، مع امہات المومنین رضی اللہ عنھن مکہ میں اکٹھا ہو گئے۔ [1]

جب گفت وشنید کے بعد عائشہ رضی اللہ عنہا نے تمام لوگوں کو مدینہ چلنے کا مشورہ دیا تھا، تو ازواج مطہرات نے بھی آپ کی تائید کی تھی۔ لیکن جب آپ رضی اللہ عنہا، اور آپ کے ساتھ دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم اس بات پر متفق ہوئے کہ مدینہ کے بجائے بصرہ کا رخ کیا جائے تو بقیہ ازوج مطہرات نے اس میں شرکت سے انکار کر دیا اور کہنے لگیں کہ ہم مدینہ کے علاوہ کہیں نہیں جائیں گی۔ [2]

گویا کہ دمِ عثمان رضی اللہ عنہ کے بدلہ کے مطالبہ کے لیے نکلنے میں انھیں کوئی اختلاف نہ تھا، اگر اختلاف ہوا تو مدینہ کے بجائے بصرہ کا رخ کیے جانے کے فیصلہ کو لے کر ہوا۔ تاہم ام المومنین حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ بصرہ جانے کو تیار تھیں، لیکن ان کے بھائی عبداللہ رضی اللہ عنہ نے قسم کھا کر انھیں جانے سے روکا۔ گویا برضا و رغبت نہیں بلکہ اپنے بھائی کے دباؤ میں رک گئی تھیں [3] اور اس کا اظہار عائشہ رضی اللہ عنہا سے ان الفاظ میں کیا:

> ''عبداللہ میرے اور روانگی کے درمیان حائل ہوگئے، اس لیے میں شرکت سے معذرت خواہ ہوں۔'' [4]

کتب تاریخ میں مروجہ روایات یہ بتاتی ہیں کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بصرہ جانے کے سلسلے میں عائشہ رضی اللہ عنہا اور ان کے ساتھیوں کی رائے سے متفق نہ تھیں، بلکہ وہ علی رضی اللہ عنہ کا موقف رکھتی تھیں۔ [5] حالانکہ صحت کے قریب ترین روایات یہ بتاتی ہیں کہ انھوں نے اپنے فرزند عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ کو علی رضی اللہ عنہ کے پاس یہ کہہ کر بھیجا کہ:

> ''اللہ کی قسم! یہ مجھے میری جان سے زیادہ عزیز ہے۔ یہ آپ کے ساتھ جائے گا اور لڑائیوں میں شریک رہے گا، چنانچہ وہ گئے اور مستقل طور پر علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے۔'' [6]

یہ ایسی روایت ہے کہ اگر ہم اس کی گہرائی میں جائیں تو کسی اعتبار سے یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا

[1] البداية والنهاية (۷/ ۲۴۱).
[2] ایضًا
[3] دور المرأة السياسی ص (۳۸۶).
[4] تاریخ طبری (۵/ ۴۸۷).
[5] أنساب الاشرف (۴/ ۲۲۴).
[6] اسد الغابة (۴/ ۱۶۹) الإصابة (۴/ ۴۸۷) دور المرأة السياسی ص (۳۸۷) مرويات أبی مخنف ص (۲۵۷).

کا اپنے بیٹے کو بھیجنے کا مطلب یہ تھا کہ اصلاح بین المسلمین کے بارے میں آپ دیگر امہات المومنین کے خلاف تھیں۔ خود عائشہ رضی اللہ عنہا اور ان کے ساتھی یہ کبھی نہیں سوچتے تھے کہ ہمارا مقصد علی رضی اللہ عنہ کی مخالفت، یا ان کی خلافت سے بغاوت ہے جیسا کہ ہم اس کے واضح دلائل دیکھ اور پڑھ چکے ہیں اور جیسا کہ مابعد کے واقعات اسی بات کی تاکید کرتے ہیں۔ اسی طرح کسی بھی صحیح روایت میں یہ بات نہیں ملتی کہ انھوں نے اصلاح بین المسلمین کی جدو جہد میں امہات المومنین کے اجماع سے کبھی بغاوت کی ہو۔ ❶

امہات المومنین کو معلوم تھا کہ مسلمانوں کے درمیان صلح و مصالحت کے لیے ہمارا نکلنا فرض کفایہ ہے، کیونکہ اس کا مطالبہ تمام مکلفین سے نہیں ہے۔ بلکہ وہ لوگ اس کے پابند ہیں جن میں صلح و مصالحت کرنے کرانے کی صلاحیت ہو اور بلاشبہ عائشہ رضی اللہ عنہا میں مقام و مرتبہ، عمر کی پختگی، اور علم قدرت ہر اعتبار سے مسلمانوں کے درمیان مصالحت کرانے کی پوری صلاحیت موجود تھی اور تمام مسلمان اس بات پر متفق تھے کہ آپ رضی اللہ عنہا ان میں سب سے زیادہ فقہ وبصیرت کی مالک ہیں۔ ❷ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ عام معاملات پر بھی آپ کی نگاہ ہوتی تھی۔ عربی تاریخ اور انساب عرب کے ماہر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر میں نشو ونما پانے اور اسلامی مملکت کی سیاسی بنیادیں رکھنے والے نبی عربی ﷺ کے گھر میں زندگی گزارنے کی وجہ سے آپ کی ذات ایک ہمہ گیر ثقافتی شخصیت کی شکل میں نکھر کر سامنے آئی تھی، مزید برآں آپ خلیفہ اوّل ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں۔ ہر دور میں تمام علمائے شریعت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے اسی مرتبہ کے قائل رہے ہیں۔ عروہ بن زبیر کا بیان ہے کہ مجھے عائشہ کی صحبت ملی ہے، میں نے کسی قرآنی آیت، فریضہ، سنت اور شعر کے بارے میں ان سے زیادہ علم رکھنے والا کسی کو نہیں دیکھا۔ اسی طرح تاریخ عرب، انساب عرب، قضاء اور طب وغیرہ میں بھی ان سے بڑا کسی کو نہیں جانتا۔ ❸

امام شعبی رحمہ اللہ جب ان کا ذکر چھیڑتے تو ان کے علم وفقہ پر حیرت کا اظہار کرتے اور فرماتے:

"نبوی تربیت کو تم لوگ کیا جانو؟"

اور عطاء رحمہ اللہ کہتے تھے:

"سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا لوگوں میں سب سے زیادہ علم وفقہ کی مالک اور عوامی معاملات میں سب سے عمدہ مشورہ دینے والی تھیں۔" ❹

قبیلہ بنو تمیم کے سردار اور عرب کے فصحاء و بلغاء کی ممتاز شخصیت احنف بن قیس کہتے ہیں کہ میں نے ابوبکر، عمر، عثمان، علی رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد خلفاء کے خطبے سنے ہیں، لیکن کسی کی زبان سے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرح بہترین اور باوزن کلمات نہیں سنے اور معاویہ رضی اللہ عنہ بھی اسی طرح کہتے تھے۔ ❺

---

❶ دور المرأة السیاسی ص: (۳۸۷) ❷ سیر أعلام النبلاء: (۲/ ۱۸۳). ❸ ایضًا ❹ ایضًا
❺ ایضًا (۳/ ۱۸۵).

ان تمام فضائل ومناقب کی حامل عائشہ رضی اللہ عنہا جب بصرہ کے لیے روانہ ہوتی ہیں، تو امہات المومنین رضی اللہ عنہن انھیں الوداع کہنے آتی ہیں، گویا عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان کا یہ پیغام ہے کہ ہم آپ کی حوصلہ افزائی کرتی ہیں اور ہم آپ کی حمایت میں ہیں۔ ❶

چشمہ حوأب سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا گزر:

متعدد صحیح سندوں سے یہ ثابت ہے کہ بصرہ جاتے ہوئے عائشہ رضی اللہ عنہا کا گزر چشمۂ "حوأب" سے ہوا تھا۔ چنانچہ یحییٰ بن سعید بن قطان، اسماعیل بن ابی خالد سے روایت کرتے ہیں اور وہ قیس بن حازم سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا جب رات میں بنو عامر کے چشمے سے گزر رہی تھیں تو کتوں کے بھونکنے کی آواز سنی، آپ نے پوچھا: یہ کون سا چشمہ ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ چشمۂ ''حوأب'' ہے۔ آپ کہنے لگیں: اب میں یہیں سے لوٹنے کا سوچ رہی ہوں، کچھ لوگوں نے کہا: آپ ایسا نہ کریں، چلیں تاکہ مسلمان آپ کو دیکھیں اور شاید اللہ تعالیٰ ان کے اختلاف کو ختم کردے، آپ کہنے لگیں: رسول اللہ ﷺ نے ایک دن مجھ سے کہا تھا:

((كَيْفَ بِإِحْدَاكُنَّ تنبح عَلَيْهَا كِلَابُ الْحَوأَبِ.)) ❷

''اس وقت کیا ہوگا جب تم (بیویوں) میں سے کسی ایک پر چشمۂ حواب کے کتے بھونکیں گے۔''

امیر لمومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی کوفہ روانگی

مدینہ میں اقامت گزیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مدینہ سے علی رضی اللہ عنہ کی منتقلی کی تائید میں نہ تھے۔ یہ بات اس وقت زیادہ ابھر کر سامنے آئی جب آپ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی رائے معلوم کرنے اور حالات کا جائزہ لینے کی خاطر شام جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ ❸ آپ سوچتے تھے کہ اس وقت اسلامی ریاست کے دیگر بڑے بڑے شہر جن اسباب ووسائل کے مالک ہیں، مدینہ میں ترقی کے اب وہ بنیادی اجزاء واپس نہیں آسکتے۔ آپ نے کہا: ''مالی استحکام اور افرادی قوت تو عراق میں ہے۔'' ❹

جب ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو آپ کا یہ رجحان معلوم ہوا تو کہا: اے امیر المومنین! کیا ہی اچھا تھا کہ آپ یہیں قیام کرتے، یہ ایک محفوظ پناہ گاہ اور ہجرت گاہ رسول ہے، یہیں آپ ﷺ کا مدفن ومنبر اور اسلام کی جڑ ہے۔ اگر اہل عرب آپ کے تابع ہوجاتے ہیں تو آپ بھی اپنے پیشروؤں کی طرح رہیں گے اور اگر کوئی قوم آپ کے خلاف گروہ بندی کرتی ہے تو اسے اسی کے دشمن سے کچل سکیں گے اور اگر نکلنے ہی پر مجبور ہونا پڑے گا تو آپ نکلیں گے اور معذور سمجھے جائیں گے۔ چنانچہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے ابوایوب رضی اللہ عنہ کا مشورہ مان لیا اور مدینہ میں اقامت

---

❶ دور المرأة السياسى ص (٣٨٩) . ❷ مسند أحمد (٦/ ٥٢) .
❸ الثقات / ابن حبان (٢/ ٢٨٣) الأنصار فى العصر الراشدى ص (١٦١) . ❹ ایضًا

کرنے کو ترجیح دیا اور گورنروں کو دیگر شہروں میں بھیج دیا۔ ❶

لیکن بعد میں حالات نے پلٹا کھائی، بے شمار نئے نئے سیاسی مسائل پیدا ہو گئے اور آپ کو بہر حال مدینہ چھوڑ نے کے لیے مجبور ہونا پڑا۔ آپ نے کوفہ جانے کو ترجیح دی تا کہ شام سے قریب رہیں۔ ❷ جس وقت آپ مدینہ سے کوفہ جانے کی تیاری کر رہے تھے، اسی دوران خبر ملی کہ عائشہ، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم بصرہ پہنچ چکے ہیں۔ ❸ آپ نے اہل مدینہ سے مدد کی درخواست کی اور انھیں جنگ میں چلنے کی دعوت دی۔ لیکن علی رضی اللہ عنہ کی فوج میں مفسدین کی موجودگی اور ان کے ساتھ آپ کے نرم طرز عمل کو دیکھ کر مدینہ کے لوگ آگے پیچھے ہو رہے تھے۔ وہ سوچ رہے تھے کہ فتنہ اب بھی اپنی حالت پر باقی ہے، اس لیے جب تک حالات واضح طور سے معمول پر نہ آ جائیں انتظار کرنا ضروری ہے۔ انھیں کے الفاظ میں: ''اللہ کی قسم! ہماری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ ہم کیا کریں، یہ معاملہ ہمارے لیے سخت پیچیدہ ہے، ہم مدینہ میں اس وقت تک قیام کریں گے جب تک کہ حالات واضح نہ ہو جائیں۔'' امام طبری روایت کرتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ نے شام کے لیے جو تیاری کر رکھی تھی اسی کے ساتھ نکل پڑے اور آپ کے ساتھ بصرہ اور کوفہ کے وہ لوگ بھی نکلے جو بہت متحرک تھے اور اس طرح کل تعداد تقریباً سات سو (۷۰۰) تھی۔ ❹

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی روانگی کے وقت بہت سارے اہل مدینہ کے دائیں بائیں ہونے اور آپ کی دعوت قبول نہ کرنے کے بہت سارے دلائل ہیں، مثلاً امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے اپنے کئی خطبوں میں صحابہ کے تردد اور ان کی عدم مشارکت پر اپنی تکلیف کا اظہار کیا۔ ❺ اور یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد بہت سارے صحابہ نے صاف طور سے اپنی کنارہ کشی کا مظاہرہ کیا۔ اسی طرح شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد بہت سے بدری صحابہ نے اپنے گھروں میں گوشہ نشینی کو ترجیح دی اور تا عمر اسی پر قائم رہے۔ ❻

ابو حمید الساعدی الانصاری رضی اللہ عنہ جو کہ ایک بدری صحابی ہیں، شہادت عثمان رضی اللہ عنہ پر اپنی تکلیف کا اظہار اس طرح کرتے ہیں: اے اللہ! میں قسم کھاتا ہوں کہ جب تک میں تجھ سے نہ آ ملوں، ہنس نہیں سکتا۔ ❼ یہ لوگ سوچ رہے تھے کہ اس نازک ترین حالت میں مدینہ سے نکل جانا ایسے پرفتن گڑھے میں پھسل جانے کے مترادف ہے جس کا انجام ماضی میں نبی اکرم ﷺ کی معیت میں جہاد کی بربادی کی شکل میں ظاہر ہو سکتا ہے۔ ❽

تاہم یہ نہیں کہا جا سکتا کہ تمام صحابہ آپ کا ساتھ دینے سے پیچھے رہے، بلکہ کچھ صحابہ نے آپ کا ساتھ دیا تھا،

---

❶ الثقات / ابن حبان (۲/ ۲۸۳) الأنصار فی العصر الراشدی ص (۱۶۱).

❷ استشهاد عثمان ووقعة الجمل ص (۱۸۳).

❸ تاريخ الطبری (۵/ ۵۰۷). ❹ تاريخ الطبری (۵/ ۴۸۱).

❺ الطبقات (۳/ ۲۳۷) الأنصار فی العصر الراشدی ص (۱۶۳).

❻ البداية والنهاية، بحواله: الأنصار فی العصر الراشدی ص(۱۶٤).

❼ تاريخ الإسلام فی عهد الخلفاء الراشدين. ❽ الأنصار فی العصر الراشدی ص (۱۶٤).

البتہ ان کی تعداد مختصر تھی۔ شعبی فرماتے ہیں:

''معرکۂ جمل میں علی، طلحہ، عمار اور زبیر رضی اللہ عنہم کے علاوہ کوئی صحابی حاضر نہ ہوا، اگر ان کے علاوہ کسی پانچویں کو کوئی پیش کر دے تو میں بہت بڑا جھوٹا ہوں۔'' [1]

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: اگر کوئی تم سے کہے کہ جنگ جمل میں بدری صحابہ میں سے چار کے علاوہ شریک ہوئے تو اسے جھٹلا دو، علی اور عمار رضی اللہ عنہما ایک طرف تھے اور طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما دوسری طرف۔ [2]

ایک اور روایت میں ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بصرہ جانے کے لیے بدری صحابہ میں سے چھ کے علاوہ ساتواں نہیں گیا۔ [3] گویا امام شعبی رحمہ اللہ صرف بدری صحابہ کی شرکت کی بات کر رہے ہیں کہ ان کی تعداد اس سے زیادہ نہ تھی۔ بہرحال اس فتنہ میں انصار مدینہ نے نہایت معمولی تعداد میں علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ دیا۔

ابن سیرین اور شعبی کا بیان ہے کہ جس وقت فتنہ رونما ہوا، اس وقت مدینہ میں دس ہزار سے زیادہ صحابہ کرام سکونت فرما تھے، ان میں سے اس میں نکلنے والوں کی تعداد بیس سے متجاوز نہ تھی۔ ان دونوں نے جنگ جمل و صفین کو فتنہ سے تعبیر کیا ہے۔ [4]

مختصر یہ کہ جو لوگ خلیفۂ راشد علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بصرہ گئے ان کی تعداد کم تھی، اسی طرح جنگ جمل میں ان کی کتنی تعداد نے شرکت کی اس کے بارے میں بھی یقین سے کوئی بات نہیں کہی جا سکتی۔ کیونکہ معرکہ کی ہولناکی اور کثرت احداث کے باوجود تاریخی مصادر اس بات سے خاموش ہیں کہ اس میں کتنے صحابہ نے شرکت کیا، کتنے شہید ہوئے اور کتنے زخمی۔ [5] ہاں ایک روایت اس سلسلے میں وارد ہے جو کسی حد تک اس نازک دور کے حقیقی صورتحال سے قریب تر ہے اور اس عرصہ میں واقع ہونے والے سانحوں اور جنگ میں شرکت کرنے کے متعلق اہل مدینہ کے شش و پنج اور متردد موقف سے بہت زیادہ ملتی جلتی ہے۔ [6] اس روایت میں ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ کوفہ اور بصرہ کے متحرک لوگ نکلے جن کی کل تعداد سات سو (۷۰۰) کی تعداد میں نکلے۔ [7]

ا۔ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کو نصیحت:

صحابی رسول عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کو عراق جانے کے ارادے سے روکنے کی کوشش

---

[1] الأنصار فی العصر الراشدی ص (۱۶٤).

[2] تاریخ خلیفة بن خیاط ص (۱٦) مصنف ابن ابی شیبة (۸/ ۷۱۰).

[3] الخلافة الراشدة من تاریخ ابن کثیر / کنعان ص (۳۵٦).

[4] الخلافة الراشدة من تاریخ ابن کثیر / کنعان ص (۳۵٦).

[5] الأنصار فی العصر الراشدی ص (۱٦۵).

[6] الإنصاف فیما وقع فی تاریخ العصر الراشدی من الخلاف ص (۳۸۸).

[7] تاریخ الطبری (۵/ ٤۸۱).

کی، آپ آئے تو دیکھا کہ امیر المومنین چلنے کو تیار ہیں، پھر بھی انھوں نے آپ سے اپنے اندیشے کا اظہار کیا اور عراق جانے سے یہ کہتے ہوئے روکا کہ مجھے ڈر ہے کہیں آپ پر تلوار کی دھاریں نہ واقع ہو جائیں۔ اگر آپ منبر رسول چھوڑ کر جا رہے ہیں، تو اسے دوبارہ دیکھنا نصیب نہ ہوگا، علی رضی اللہ عنہ، رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہ کر بہت حد تک ان باتوں سے واقف تھے، کہنے لگے: ''اللہ کی قسم! مجھے رسول اللہ ﷺ نے ان چیزوں سے مطلع کر دیا ہے۔'' علی رضی اللہ عنہ نے تو اتنے پر خاموشی اختیار کر لی، لیکن آپ کے ساتھ جو بصری اور کوفی لوگ تھے ان کی جرأت رندانہ دیکھئے، کہنے لگے: ''اے علی! آپ ہمیں چھوڑ یئے ہم اسے ابھی قتل کر دیتے ہیں۔'' اب آپ ان کے اس جملے سے اندازہ کریں کہ جو مسلمان بھی ان کے راستے کا روڑا بنتا، یا اس کی بات یا عمل سے ان کی زندگی کو خطرہ محسوس ہوتا تو اسے قتل کر دینا ان کے نزدیک کتنا معمولی کام تھا اور اس میں وہ کوئی حرج نہ سمجھتے تھے۔ گفتگو کا یہ انداز اور دھمکی بھرا لہجہ اس بات کی دلیل ہیں کہ ان شر پسندوں میں اللہ کا خوف بہت کم تھا اور صحابہ کرام کو اللہ کے رسول نے اپنی وفات کے بعد جس فضل عظیم کا مستحق ٹھہرایا اور انھیں جو مقام و مرتبہ دیا انھیں وہ مرتبہ نہیں دیتے تھے۔ بہر حال علی رضی اللہ عنہ نے انھیں سمجھایا اور ایسی حرکت سے منع کرتے ہوئے فرمایا: عبداللہ بن سلام ایک نیک آدمی ہیں۔ [1]

۲۔ حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی اپنے والد کو نصیحت:

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ مدینہ سے روانہ ہو گئے، اور ''ربذہ'' [2] پہنچ کر اپنے فوجیوں کے ساتھ پڑاؤ ڈالا، وہاں دو سو کی تعداد میں مختلف علاقوں کے مسلمان آپ سے آ کر مل گئے۔ [3] ربذہ پہنچ کر آپ کے فرزند حسن رضی اللہ عنہ جو کہ مسلمانوں کے اختلاف و انتشار سے سخت متاثر تھے، اپنا غم نہ چھپا سکے اور روتے ہوئے اپنے والد علی رضی اللہ عنہ سے کہا: میں نے آپ کو کچھ مشورے دیے لیکن آپ ایک بھی نہ مانا، مستقبل میں آپ بھی بے یار و مددگار قتل کر دیے جائیں گے۔ علی رضی اللہ عنہ نے کہا: تم برابر لونڈی کی طرح بھنبھناتے ہو۔ تم نے کیا مشورہ دیا، اور میں نے نہیں مانا؟ حسن رضی اللہ عنہ نے کہا: جس دن عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ ہوا تھا تب میں نے مشورہ دیا تھا کہ آپ مدینہ سے باہر چلے جائیں اس طرح ان کے قتل کے وقت آپ مدینہ میں نہ رہیں لیکن آپ نے نہیں سنا، پھر جس دن وہ قتل کیے گئے، میں نے آپ سے کہا کہ جب تک تمام شہروں کے وفود اور ہر شہر کے باشندوں کی بیعت کی خبر نہ آ جائے تب تک بیعت خلافت نہ لیجئے، پھر جب ان دونوں یعنی طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما نے جو کچھ کیا تو میں نے کہا آپ گھر میں رہیں یہاں تک کہ لوگ آپس میں صلح کر لیں تا کہ اگر فساد ہو تو آپ بدنام نہ ہوں، لیکن آپ نے میری ایک نہ سنی۔

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا: اے میرے عزیز! تمہارا یہ کہنا کہ ''جس وقت عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ تھا مجھے مدینہ سے باہر نکلنا چاہیے تھا۔'' تو سنو! اللہ شاہد ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کی طرح ہم بھی بلوائیوں کے محاصرہ میں تھے اور تمہارا یہ کہنا

---

[1] مسند ابو یعلیٰ (۱/ ۳۸۱) اس کی سند صحیح ہے۔

[2] مدینہ کے مشرق میں (۲۰۴) کلومیٹر کی دوری پر ایک جگہ کا نام ہے۔

[3] ''ذباب، ذباب'' گوہ کو بلانے کی آواز ہے۔

کہ جب تک دیگر شہروں کے باشندوں کی بیعت کی خبر نہ آجائے تب تک میں بیعت نہ لوں، تو سنو! معاملہ اہل مدینہ کا تھا اور انھیں ترجیح حاصل ہے، ہم اسے (خلافت) ضائع ہوتے نہیں دیکھ سکتے تھے اور طلحہ وزبیر کے نکلتے وقت تم نے جو مشورہ دیا تو اس پر عمل کرنے میں مسلمانوں کی کمزوری کا اظہار تھا۔ اللہ کی قسم! میں اپنی خلافت کے اوّل دن سے پریشان ہوں، میرے کام ادھورے ہیں، کوئی مناسب کام نہیں کرسکا ہوں اور تمھارا یہ مشورہ کہ میں گھر میں بیٹھا رہتا، تو یہ بتاؤ کہ جو ذمہ داریاں مجھ پر ہیں انھیں کون نبھاتا، بتاؤ کہ مجھ سے اور کیا چاہتے ہو؟ کیا میں اس بجّو کی طرح ہو جاؤں جو چاروں طرف سے گھیرے میں ہو اور اس کے بارے میں کہا جائے کہ یہاں نہیں ہے، پھر جب اس کی ٹانگوں کے گھٹنوں کو کاٹ دیا جائے تب وہ باہر نکلے، جب میں اپنی ذمہ داریوں کو نہیں دیکھوں گا تو کون دیکھے گا۔ اے میرے بیٹے! چپ رہو۔ [1]

صلح کی کوششیں

یہ بات گزر چکی ہے کہ بصرہ کی جانب کوچ کرنے سے پہلے علی رضی اللہ عنہ نے کچھ دنوں تک ''ذوقار'' میں قیام کیا اور ہر ممکن جائز تدابیر کے ذریعے سے مسلمانوں کے باہمی اختلاف اور فتنہ کو دبانے کی کوشش کی اور مسلمانوں کو جنگ کی نحوست اور مسلح ٹکراؤ سے روکنے کے لیے اپنی پوری طاقت لگادی۔ دوسری طرف طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما کی بھی یہی کوشش تھی۔ بہرحال جب فریقین میں صلح کی خوش آئند علامتیں نظر آئیں تو فتنہ سے کنارہ کش رہنے والے جن چند بزرگ صحابہ اور تابعین نے مصلحانہ کوششوں میں حصہ لیا، وہ یہ ہیں:

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ:...... آپ نے دونوں فریقوں میں فضاء ہموار کرنے کے لیے کچھ لوگوں کو بھیجا، پھر بنوعدی جن کی ایک بھاری تعداد زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھی، کے پاس اپنا قاصد روانہ کیا، قاصد ان کی مسجد میں پہنچا اور کہا: مجھے رسول اللہ ﷺ کے ساتھی عمران بن حصین نے آپ لوگوں کے پاس بھیجا ہے، وہ تمھیں نصیحت کرتے ہیں اور اللہ واحد کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ بدشکل حبشی غلام بن کر پہاڑ کی چوٹی پر بکریاں چراتے ہوئے مرجانا میرے نزدیک اس بات سے زیادہ پسندیدہ ہے کہ فریقین میں سے کسی ایک کی طرف سے تیر چلاؤں، معلوم نہیں وہ صحیح ہو یا غلط، ان کی نصیحت ہے کہ ہم جی جان سے تمھیں چاہتے ہیں، آپ لوگ لڑائی نہ کرو۔ ان لوگوں نے جواب دیا ہمیں مت سمجھائیے، ہم رسول اللہ ﷺ کے منظور نظر کا ساتھ ہرگز نہیں چھوڑ سکیں گے۔ [2]

کعب بن سور رحمہ اللہ:...... آپ کبار تابعین میں سے ہیں، آپ نے صلح کا ماحول پیدا کرنے کے لیے اپنی پوری طاقت لگادی، خود کو خطرہ میں ڈال کر ایسا کردار ادا کیا جسے خال خال لوگ ہی انجام دیتے ہیں، آپ مستقل طور

---

[1] تاریخ الطبری (٥/ ٤٨٢) .

[2] الطبقات/ ابن سعد (٤/ ٨٧) خلافة علی بن أبی طالب / عبدالحمیدص (١٤٨) .

سے صلح کی کوشش میں رہے، لیکن بالآخر ساری محنت ناکام ثابت ہوئی اور جنگ جمل کے دوران دونوں فریقوں کو جنگ بندی اور کتاب الٰہی کی ثالثی کی طرف دعوت دیتے ہوئے قتل کر دیے گئے۔ [1]

قعقاع بن عمرو التمیمی رضی اللہ عنہ: ...... امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے قعقاع بن عمرالتمیمی کو طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ صلح کی مہم پر بھیجا اور کہا: ان دونوں آدمیوں سے ملو، انھیں اتحاد اور باہمی الفت کی دعوت دو، اختلاف وانتشار کا گناہ اور اس کے نقصانات بتاؤ۔ چنانچہ قعقاع بصرہ کے لیے روانہ ہوئے وہاں پہنچ کر پہلے عائشہ رضی اللہ عنہا سے ملاقات کی اور کہا: اے اماں جان! آپ بصرہ کس لیے آئی ہیں؟ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: اے میرے عزیز! لوگوں میں صلح ومصالحت کی خاطر۔ قعقاع نے کہا: آپ طلحہ اور زبیر کو بھی بلوالیں تاکہ آپ کی موجودگی میں اور آپ کے سامنے ان سے گفتگو کروں۔

قعقاع رضی اللہ عنہ **کی طلحہ اور زبیر** رضی اللہ عنہما **سے گفتگو**: ...... پھر جب وہ دونوں آ گئے، تو قعقاع رضی اللہ عنہ نے ان دونوں سے بصرہ آمد کا مقصد پوچھا، ان لوگوں نے بھی عائشہ رضی اللہ عنہا جیسا جواب دیا، یعنی ہم اصلاح کی خاطر آئے ہیں، قعقاع نے کہا: آپ ہی لوگ بتائیں کہ اصلاح کی کیا شکل ہوسکتی ہے؟ اللہ کی قسم! اگر ہم اسے بہتر سمجھیں گے، تو ضرور قبول فرمائیں گے اور اگر غلط سمجھیں گے تو اس سے احتراز کریں گے، ان دونوں نے کہا کہ: قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کرنا ضروری ہے، اگر وہ بلاقصاص چھوڑ دیے گئے تو گویا قرآن کو چھوڑ دیا گیا اور اس کے احکام کو ناکارہ بنا دیا گیا اور اگر قصاص لیا جاتا ہے تو اس میں قرآنی حکم کا احیاء ہے۔

قعقاع رضی اللہ عنہ نے کہا: بصرہ میں چھ سو قاتلین عثمان تھے جنھیں تم نے قتل کیا، ان میں صرف ایک شخص حرقوص بن زہیر السعدی بچ نکلا اور اپنی قوم بنوسعد میں پناہ لے لیا، جب آپ لوگوں نے اسے ان سے چھیننا اور قتل کرنا چاہا تو اس کی قوم نے آپ لوگوں کو اس سے روک دیا، اور نتیجہ یہ ہوا کہ چھ ہزار لوگ غضب ناک ہوگئے اور انھوں نے تمھارا ساتھ چھوڑ دیا اور تمھارے سامنے سینہ تان کر کھڑے ہوگئے، اب اگر آپ لوگ حرقوص کو چھوڑ دیتے ہو اور اسے قتل نہیں کرتے تو اپنی بات، اپنا دعویٰ اور جس چیز کا علی سے مطالبہ کر رہے ہو سب کی مخالفت کر رہے ہو، اگر آپ لوگ حرقوص کو گرفتار کرنے کے لیے بنوسعد سے لڑ رہے ہو تو وہ تم پر غالب آ جائیں گے، تمھیں شکست دیں گے اور سب کے سب تم پر ٹوٹ پڑیں گے۔

پھر جس چیز سے آپ لوگ ڈر رہے ہو، اسی میں پڑ جاؤ گے، ان کو مضبوط کر دو گے اور جس چیز کو ناپسند کرتے ہو، وہی دیکھو گے۔ مزید برآں حرقوص کی گرفتاری کا مطالبہ کر کے تم نے ربیعہ اور مضر والوں کو بھی ناراض کر دیا ہے، وہ لوگ بنوسعد کی حمایت میں تم سے جنگ کرنے اور تمھیں رسوا کرنے پر آمادہ ہوگئے ہیں۔ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ

---

[1] الطبقات/ ابن سعد (۷/ ۹۲) اس کی دوسندیں ہیں اور دونوں صحیح ہیں۔ خلافة علی بن أبی طالب / عبدالحمید ص (۱٤۹).

بھی یہی پریشانی ہے، قاتلین عثمان ان کی لشکر میں پائے جاتے ہیں۔ (مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: سیّدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، ص: ۱۹۹۶)

جنگ بھڑک گئی

ا۔ جنگ بھڑکانے میں سبائیوں کا کردار:

آپ کو معلوم ہے کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی فوج میں وہ خوارج اور سرکش موجود تھے جنھوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تھا، لیکن ان کے خلاف کارروائی ممکن نہ تھی کیونکہ فوج میں انھیں نامزد کرنا مشکل تھا، یا ان کے قبیلہ کے مددگار موجود تھے، یا ان کے خلاف کوئی واضح دلیل نہ تھی، یا وہ منافق تھے اور نفاق کو پوشیدہ رکھے ہوئے تھے۔[1] یہ لوگ ابن سبا کی پیروکار تھے، ان لوگوں نے جب علی رضی اللہ عنہ کا یہ اعلان سنا تو اشتعال انگیزی اور فتنہ کی آگ بھڑکانے کی کوشش میں لگ گئے، تاکہ قصاص کی تلوار سے محفوظ ہو جائیں۔[2]

چنانچہ جب دونوں فوجوں نے قریب قریب پڑاؤ ڈال دیا اور سب اپنی جگہوں پر مطمئن ہو گئے، تو ایک طرف سے علی اور دوسری طرف سے طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم اجمعین نکل کر باہر آئے، ایک دوسرے سے ملے اور اپنے نزاعی مسئلہ کے بارے میں گفتگو کیا، بالآخر حالات کو سدھرتے دیکھ کر اس نتیجہ پر پہنچے کہ صلح اور جنگ بندی سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے، پھر اسی پر وہ سب الگ الگ ہو گئے، علی رضی اللہ عنہ اپنی فوج میں لوٹ آئے اور طلحہ و زبیر اپنی فوج میں لوٹ گئے، طلحہ اور زبیر نے اپنے سرداروں کو بلا لیا اور علی رضی اللہ عنہ نے قاتلین عثمان کو چھوڑ کر اپنے سرداروں کو بلا لیا، شام ہو گئی اور صلح و عافیت کی نیت سے سب نے رات گزاری، دونوں فوجوں کے افراد ایک دوسرے کے قریب قریب تھے، ایک دوسرے سے ملتے تھے اور صرف صلح کی نیت سے رات گزار رہے تھے۔

لیکن فتنہ کی آگ لگانے والوں نے آج جس طرح رات گزاری تھی شاید ایسی منحوس اور بری رات انھوں نے کبھی نہ گزاری رہی ہو، انھیں اپنی بربادی کا غم ستا رہا تھا، پوری رات مشورہ کرتے رہے، ان میں سے کسی نے کہا: طلحہ اور زبیر کے ارادوں سے تو ہم خوب واقف ہیں، لیکن علی کے ارادوں سے آج تک واقف نہ ہو سکے۔ یہاں تک کہ وہ دن آ گیا جب آپ نے تمام لوگوں کو کل کے دن کوچ کرنے کو کہا اور یہ شرط لگا دی کہ جس نے کسی بھی طرح عثمان کے قتل میں شرکت کی ہے، وہ ہمارے ساتھ نہ چلے، اللہ کی قسم! مجھے لگ رہا ہے کہ ان سب لوگوں کی ہمارے بارے میں ایک ہی رائے ہے، اگر انھوں نے علی سے کسی چیز پر صلح کر لی تو وہ صلح ہمارے خونوں پر ہوگی۔[3]

ان کے مشیر خاص ابن السوداء یعنی عبداللہ بن سبا نے کہا: اے لوگو! تمھاری بہتری اس میں ہے کہ تم ان لوگوں

---

[1] تاریخ الطبری (۵/ ۵۲۶)۔
[2] تاریخ الطبری (۵/ ۵۲۷) تحقیق مواقف الصحابۃ (۲/ ۱۲۰)۔
[3] تاریخ الطبری (۵/ ۵۲۶)۔

کے ساتھ ملے جلے رہو اور ان کے ساتھ مل کر کام کرو اور جب کل دونوں فریق آپس میں ملیں تو جنگ چھیڑ دو، اور انھیں سوچنے تک کا موقع نہ دو اور جب تم علی کے ساتھ ہو گے تو انھیں کوئی شخص ایسا نظر نہ آئے گا جس کے ذریعے سے جنگ کو بند کرا سکیں، اس طرح اللہ تعالیٰ علی، طلحہ، زبیر اور ان لوگوں کو جو صلح کے خواہاں ہیں اور تمھاری منشاء کے خلاف کام کرنا چاہتے ہیں، انھیں ایک مصیبت میں مبتلا کر دے گا، اس رائے پر سب متفق ہو جاؤ اور اسی کی روشنی میں منتشر ہو کر اس طرح کارروائی کرو کہ کسی کو علم نہ۔ ❶

پھر وہ سب اس بات پر متفق ہو گئے کہ انتہائی رازداری سے جنگ کی آگ لگا دی جائے، چنانچہ اندھیرے کے وقت جب کہ تاریکی کچھ زیادہ ہی تھی یہ لوگ اس طرح نکلے کہ ان کے پڑوس والے تک کو خبر نہ ہوئی۔

جس کا تعلق مضر والوں سے تھا وہ مضر والوں میں اور جس کا ربیعہ سے تھا وہ ربیعہ میں اور جس کا یمن سے وہ یمن والوں میں چلا گیا اور سب نے اپنی اپنی جگہوں پر تلواریں چلا دیں، اہل بصرہ غضب ناک ہو گئے، بلکہ تمام لوگ اپنے سامنے کسی کو بھی حملہ آور کو دیکھ کر اس سے بھڑ جاتے، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما سامنے آئے، میمنہ کو تیار کیا، اس میں قبیلہ ربیعہ کے لوگ تھے۔ عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام ان کی قیادت کر رہے تھے اور میسرہ والوں کو تیار کیا، عبدالرحمٰن بن عتاب بن اسید اس کی قیادت کر رہے تھے اور پھر خود وہ دونوں قلب میں جم گئے اور کہنے لگے: یہ کیا ہو گیا؟ لوگوں نے کہا کہ اہل کوفہ نے رات میں ہم پر حملہ کر دیا، وہ دونوں کہنے لگے: ہم نے جان لیا کہ علی رضی اللہ عنہ قتل و خون ریزی، اور محرمات الٰہیہ کا تقدس پامال کرنے سے باز نہیں آئیں گے، وہ ہماری بات ہرگز نہیں سنیں گے، پھر وہ دونوں اہل بصرہ کو لے کر پیچھے ہٹ گئے اور پھر بصرہ والوں کو مقابل فوج نے دھکیل کر ان کے معسکر تک پہنچا دیا۔ ❷

علی رضی اللہ عنہ اور اہل کوفہ نے جب شور و ہنگامہ سنا تو کہا: یہ کیا ہوا؟ معلوم رہے کہ سبائیوں نے پہلے ہی سے اپنا ایک آدمی علی رضی اللہ عنہ کے پاس لگا دیا تھا جو ان کی سازش کے مطابق آپ کو حالت بتاتا، چنانچہ جب آپ نے کہا کہ کیا ہوا؟ تو اس آدمی نے کہا: اچانک ان (زبیر و طلحہ) کے آدمیوں نے رات میں ہم پر حملہ کر دیا، تو ہم نے انھیں پیچھے کیا، تب علی رضی اللہ عنہ نے میمنہ والے قائد سے کہا: میمنہ میں آئے، اور میسرہ والے سے کہا: میسرہ میں جاؤ اور سبائیوں کی حالت یہ تھی کہ وہ جنگ کی آگ بھڑکانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرنا چاہتے تھے۔ ❸

باوجود یہ کہ مذکورہ انداز میں لڑائی کا آغاز ہو چکا تھا، تاہم طرفین حقیقت حال جاننے کے لیے فکر مند تھے، علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کی رائے یہ تھی کہ ان وقت تک جنگ نہ کی جائے جب تک فریق ثانی پر حجت قائم نہ کر دی جائے، یہ لوگ نہ تو بھاگنے والے کو قتل کر رہے تھے اور نہ کسی زخمی پر ہاتھ اٹھا رہے تھے، لیکن سبائیت تو کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دینا چاہتی تھی۔ ❹

---

❶ تاریخ الطبری (٥/ ٥٢٧). ❷ تاریخ الطبری (٥/ ٥٤١).
❸ تاریخ الطبری (٥/ ٥٤١). ❹ تاریخ خلیفة بن خیاط ص (١٨٢).

اسی طرح دوسری جانب طلحہ رضی اللہ عنہ اپنی سواری پر سوار اور لوگوں کی بھیڑ میں یہ اعلان کر رہے تھے، اے لوگو! کیا تم لوگ سمجھائے نہیں جا رہے ہو؟ لیکن حالت یہ تھی کہ سب آپ پر چڑھے جا رہے تھے اور آپ کی بات نہیں سن رہے تھے، اس وقت آپ نے اس سے زیادہ کچھ نہ کہا کہ: ((اُفِّ اُفْ فِرَاشُ نَارٍ وَذِبَانُ طَمَعْهُ)) [1] "ستیاناس ہو، برا ہو آگ پر مرنے والوں اور حرص پر بھنبھنانے والی مکھیوں کا......." آپ کا کیا خیال ہے، آگ پر جان دینے والے یہ پروانے اور حرص میں بھنبھنانے والی یہ مکھیاں سبائیوں کے علاوہ کوئی اور ہو سکتا ہے؟ نہیں حقیقت تو یہ ہے کہ معرکہ کے آخر تک اس بات کی کوشش ہوتی رہی کہ اب بھی صلح کا کوئی راستہ نکل آئے۔

مذکورہ تفصیل سے یہ بات کھل کر ہمارے سامنے آجاتی ہے کہ جنگ کی آگ بھڑکانے میں عبداللہ بن سبا اور اس کے سبائی ہم نواؤں کا کتنا بڑا اثر تھا، ساتھ ہی ساتھ یہ حقیقت بھی روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ہمیشہ صلح اور باہمی اتحاد و محبت کے حریص ہوتے تھے، بے شمار شرعی نصوص اسی کی شہادت دیتے ہیں، اور اسی پر دل بھی مطمئن ہوتا ہے۔ [2]

لڑائی کی تفصیل میں جانے سے پہلے میں اس بات کی طرف اشارہ کرنا مناسب سمجھتا ہوں کہ معرکۂ جمل میں "سبائیت" کے گھناؤنے کردار پر تقریباً تمام علماء متفق ہیں خواہ اسے انھوں نے "مفسدین" کا نام دیا ہو "دونوں فرق کے اوباش"، "قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ" یا "احمقوں" کا بدبختانہ لقب دیا ہو، یا "غوغاء" یعنی شور و غل کرنے والے کہا ہو، یا صراحتاً سبائی لکھا ہو [3] میں بالاختصار یہاں پر بطور چند اقوال نقل کر رہا ہوں۔

عمر بن شبہ "أخبار البصرۃ" میں لکھتے ہیں:

> "جو لوگ قتل عثمان سے متہم تھے، وہ ڈرے کہ کہیں دونوں فریق ہمارے قتل پر مصالحت نہ کر لیں، اس لیے انھوں نے جنگ کو آگ بھڑکا دی، پھر جو ہوا سو ہوا۔" [4]

امام طحاوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

> "علی اور طلحہ رضی اللہ عنہم کی مرضی کے خلاف جنگ جمل پیش آگئی، اسے "مفسدین" نے رہروان اسلام کی مرضی کے خلاف بھڑکایا تھا۔" [5]

امام باقلانی فرماتے ہیں:

> "جب صلح پر باہم رضا مندی ہوگئی اور اسی پر مجلس ختم ہوگئی، تو "قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ" ڈرے کہ اب ہماری خیر نہیں، اب ہم گرفتار کر لیے جائیں گے، اس لیے وہ سب اکٹھا ہوئے، مشورہ کیا پھر اختلاف

---

[1] عبداللہ بن سباء وأثرہ فی احداث فتنة صدر الإسلام ص (١٩٢-١٩٣).
[2] ایضًا
[3] ایضًا، ص (١٩٤).
[4] فتح الباری (١٣/ ٥٦).
[5] شرح العقیدہ الطحاویة ص (٥٤٦).

ہوا اور بالآخر اس بات پر متفق ہوئے کہ وہ دو ٹولیوں میں بٹ جائیں اور دونوں لشکروں میں مل ملا کر صبح ہوتے ہوتے لڑائی شروع کر دیں، جو ٹولی علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں جائے وہ لڑائی کے وقت یہ شور کرے کہ طلحہ اور زبیر نے بدعہدی کی اور جو ٹولی طلحہ اور زبیر کے لشکر میں جائے وہ یہ شور کرے کہ علی رضی اللہ عنہ نے بدعہدی کی، پھر انھوں نے اپنی سازش کے مطابق آگے کی کارروائی انجام دی، اور لڑائی چھڑ گئی، دونوں فریقوں میں سے ہر ایک لڑائی کو ہٹانا چاہتا تھا اور اپنے خون کو بے کار ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا اور لڑائی کے وقت دونوں کا یہ موقف بالکل صحیح اور کار ثواب تھا۔ یہی صحیح بات ہے، اسی کی طرف ہمارا رجحان ہے اور اسی کے ہم قائل ہیں۔'' [1]

قاضی عبدالجبار نے متعدد علماء کے اقوال نقل کیے ہیں کہ علی، طلحہ، زبیر اور عائشہ رضی اللہ عنہم مصالحت، جنگ بندی اور حل کی تلاش پر متفق ہو گئے تھے، لیکن علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں جو ''دشمنان عثمان رضی اللہ عنہ'' تھے، انھیں یہ بات سخت ناگوار گزری اور ڈرے کہ کہیں آخری انجام ہمارے سر ہی نہ آئے، اس لیے انھوں جنگ کی آگ بھڑکانے کی جو سازش کی وہ معروف بات ہے اور بالآخر جنگ ہو ہی گئی۔ [2]

قاضی ابوبکر العربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''علی رضی اللہ عنہ بصرہ پہنچے، دونوں فریق ایک دوسرے کے قریب ہوئے تاکہ ایک دوسرے کو دیکھ سکیں، لیکن نفس پرستوں نے ان پر نگاہیں گاڑے رکھیں، خون ریزی میں جلدی کی، جنگ کی آگ بھڑک اٹھی اور کم عقلوں کو شور و غل لے ڈوبا، یہ سب اس لیے ہوا تاکہ کسی کو ایک دوسرے پر حجت قائم کرنے کا موقع نہ ملے، حقیقت حاصل سامنے نہ آئے اور قاتلین عثمان چھپ جائیں، اگر ایک فرد کسی ایک لشکر کے منصوبے کو بگاڑ سکتا ہے تو جہاں ہزاروں بگاڑنے والے ہوں، اس کا کیا کہنا؟'' [3]

حافظ ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اس کی دلیل یہ ہے کہ لوگ (مسلمان) متفق ہو گئے، قتال نہیں کیا، محاذ آرائی نہیں کی، جب رات ہوئی تو ''قاتلین عثمان'' نے جان لیا کہ زد میں ہم ہی آئیں گے اور اتحاد ہماری مخالفت پر ہوا ہے، تو انھوں نے طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما کے لشکر میں مل جل کر رات گزاری اور ان میں تلواریں چلا دیں، اہل لشکر نے اپنی طرف سے دفاع کیا یہاں تک کہ علی رضی اللہ عنہ کے لشکر سے مڈبھیڑ ہو گئی، انھوں نے بھی اپنی طرف سے دفاع کیا، اس طرح دونوں گروہ اسی گمان بلکہ یقین پر تھے کہ لڑائی دوسرے نے ہی شروع کی ہے، اس طرح معاملہ کافی طول پکڑ گیا اور فریقین میں سے ہر ایک نے اپنی طرف سے مدافعت کے

---

[1] التمهيد ص (۲۳۳).
[2] تثبيت دلائل النبوة/ الهمداني (۲۹۹).
[3] العواصم من القواصم ص (۱۵٦).

علاوہ کچھ نہ کرسکتا تھا۔

جب کہ بدبخت وفاسق ''قاتلین عثمان'' امت پر جنگ مسلط کرنے اور اس میں آگ لگانے کا کوئی موقع گنوانا نہیں چاہتے تھے اور دونوں لشکر ایک ناگہانی آزمائش میں مبتلا ہو چکے تھے۔ ان کا مقصد داؤ پر لگ چکا تھا، وہ مدافعت ہی کرتے رہے، زبیر رضی اللہ عنہ جنگ کو اپنی حالت پر چھوڑ کر پیچھے ہٹ گئے، طلحہ رضی اللہ عنہ کھڑے تھے، انھیں ایک نامعلوم تیر آلگا، آپ اس محاذ آرائی کی حقیقت سے ناواقف تھے، تیر آپ کے پنڈلی کے اس زخم پر آلگا تھا جو غزوۂ احد کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے سامنے زخمی ہوا تھا آپ وہاں سے لوٹے اور اسی وقت وہیں وفات پا گئے، زبیر رضی اللہ عنہ معرکہ سے پیچھے ہٹنے کے بعد دن ختم ہونے سے پہلے ''وادی سباع'' میں شہید کر دیے گئے، اسی طرح یہ واقعہ پیش آیا۔''[1]

امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''معرکۂ جمل دونوں گروہوں کے ''نادانوں'' کی فتنہ انگیزی کا نتیجہ تھا۔''[2]

مزید لکھتے ہیں:

''فریقین نے صلح کر لی تھی، نہ علی رضی اللہ عنہ کا ارادہ جنگ کرنا تھا اور نہ طلحہ رضی اللہ عنہ کا، بلکہ مقصد یہ تھا کہ وہ اتحاد کی کوئی شکل پیدا کریں گے، لیکن دونوں گروہوں کے اوباشوں نے تیراندازی شروع کر دی اور جنگ کی آگ بھڑک اٹھی۔''[3]

اور ''دول الاسلام'' میں لکھتے ہیں:

''''غوغاء'' شور وغل کرنے والوں کی وجہ سے لڑائی نے گھمسان کا رخ اپنا لیا اور علی، طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں سے معاملہ نکل گیا۔''[4]

۲۔ معرکۂ جمل کے دو (۲) رَن:

سبائیوں نے دونوں لشکروں میں جنگ بھڑکانے، ہر فریق کو ایک دوسرے کے خلاف ابھارنے اور لڑانے کی کوشش تیز تر کر دی، پھر یہ معرکہ جسے معرکۂ جمل کہا جاتا ہے نہایت تیزی، گرمی اور سختی سے بھیانک انداز میں بھڑک اٹھا، اسے معرکۂ جمل اس لیے کہا جاتا ہے کہ جنگ کے دوسرے رن میں عائشہ رضی اللہ عنہا بصری فوج کے درمیان اس اونٹ پر سوار تھیں جسے یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ نے مکہ میں آپ کو بطور ہدیہ دیا تھا، انھوں نے اس اونٹ کو یمن سے خریدا تھا، عائشہ رضی اللہ عنہا اسی اونٹ پر سوار ہو کر مکہ سے بصرہ آئی تھیں، پھر دوران جنگ اسی پر سوار ہوئی تھیں، یہ معرکہ بروز جمعہ ۱۶/ جمادی الثانیہ ۳۶ھ میں بصرہ سے قریب ''زابوقہ'' میں پیش آیا تھا، علی رضی اللہ عنہ لڑائی دیکھ کر بہت رنجیدہ ہوئے

---

[1] الفصل فی الملل والنحل (٤/ ١٥٧/ ١٥٨).
[2] العبر (١/ ٣٧).
[3] تاريخ الإسلام (١/ ١٥).
[4] دول الإسلام (١/ ١٥).

اور اپنے منادی سے اعلان کروایا کہ اے لوگو! لڑائی سے رک جاؤ، لیکن کسی نے آپ کی بات نہ سنی، ہر ایک اپنے مقابل سے لڑنے میں مشغول تھا، اس معرکہ میں دو رن پڑے۔

پہلا رن: ...... جنگ کے پہلے رن میں طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما بصری فوج کی قیادت کر رہے تھے، پہلے رن میں یہ لڑائی فجر سے لے کر دو پہر سے کچھ پہلے تک جاری رہی، [1] جس طرح طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما اپنی فوج سے کہہ رہے تھے کہ کسی بھاگنے والے کو قتل نہ کرو اور نہ کسی زخمی پر ہاتھ اٹھاؤ اور نہ معرکہ سے کسی بھاگنے والے کا پیچھا کرو، علی رضی اللہ عنہ بھی اپنی فوج میں یہی اعلان کروا رہے تھے۔ [2]

زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عبداللہ کو ادائیگی قرض کی وصیت کرتے ہوئے کہا: آج یا تو ظالم قتل کیا جائے گا یا مظلوم اور میں اپنے بارے میں سوچ رہا ہوں کہ میں مظلوم ہی قتل کیا جاؤں گا مجھے سب سے زیادہ فکر اپنے قرض کی ہے۔ [3] اسی دوران زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک آدمی آیا اور کہا: آپ اپنی فوج لے کر علی کی فوج میں گھس جائیں اور علی کو قتل کر دیں، زبیر رضی اللہ عنہ نے اسے سختی سے ڈانٹا اور کہا: ہرگز نہیں، کوئی مومن قتل نہیں کیا جا سکتا، یا آپ نے یہ فرمایا کہ ایمان قتل کو قید کر رکھا ہے۔ [4] گویا زبیر رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ کبھی نہ تھا کہ علی رضی اللہ عنہ یا دمِ عثمان سے بری کسی دوسرے شخص کو قتل کریں۔

دوسرا رن: ...... جب لڑائی کی خبر سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو پہنچی تو ازدی قبائل کے گھیرے میں آپ اپنے اونٹ پر سوار ہو کر نکلیں، آپ کے ساتھ کعب بن سور بھی تھے؟ جن کے ہاتھ میں آپ رضی اللہ عنہا نے مصحف دیا تھا کہ وہ اسے اوپر اٹھا لیں اور لوگوں کو اس کے حوالے سے جنگ بندی کی دعوت دیں۔ ام المومنین رضی اللہ عنہا پوری امید کے ساتھ آگے بڑھیں کہ لوگ میرا احترام کرتے ہوئے ضرور میری بات مان لیں گے اور وہ درمیان میں حائل ہو کر جنگ کے بھڑکتے شعلوں کو بجھانے میں کامیاب ہو جائیں گی۔ [5]

کعب بن سور نے مصحف کو اوپر اٹھایا، بصرہ کی فوج کے آگے چل پڑے اور علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کو مخاطب کر کے کہا: اے لوگو! میں بصرہ کا قاضی کعب بن سور ہوں، تمھیں اللہ کی کتاب پر عمل کرنے اور اسی کی بنیاد پر مصالحت کرنے کی دعوت دیتا ہوں، یہ اعلان سن کر وہ سبائی جو علی رضی اللہ عنہ کی فوج میں آگے آگے تھے ڈرے کہ کہیں کعب بن سور کی کوشش کامیاب نہ ہو جائے، اس لیے ان سب نے یکبارگی آپ پر اپنی تیر برسانا شروع کر دیے، وہ اللہ کی رضا سے سرفراز ہوئے اور وفات پا گئے اس حال میں کہ مصحف ان کے ہاتھ میں تھا۔ [6]

---

1. تاریخ الطبری (٥/ ٥٤١ ـ ٥٤٣) الخلفاء الراشدون/ الخالد ص (٢٤٥).
2. تاریخ الطبری (٥/ ٥٤١).
3. مصنف ابن أبي شيبة (١٥/ ٢٧٩) اطبقات (٣/ ١٠٨) اس کی سند صحیح ہے۔
4. مسند احمد (٣/ ١٩) احمد شاکر کے نزدیک اس کی سند صحیح ہے۔
5. مصنف عبدالرزاق (٥/ ٤٥٦) زہری تک سند صحیح ہے۔
6. البداية والنهاية (٧/ ٢٥٣).

سبائیوں کی تیروں نے صرف کعب کا نقصان نہ کیا بلکہ وہ تیر عائشہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ اور ہودج کو بھی آ لگے، آپ رضی اللہ عنہا پکار پکار کر کہنے لگیں، اے میرے بیٹو! اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو، اللہ اور روز حساب کو یاد کرو، جنگ سے باز آ جاؤ'' لیکن سبائی آپ کی بات سننے کو تیار نہ تھے، بصری فوج کو پسپا کرنے کی پوری کوشش میں لگے تھے، علی رضی اللہ عنہ پیچھے سے انھیں جنگ بند کرنے کا حکم دے رہے تھے اور بصریوں پر ہجوم کرنے سے منع کر رہے تھے، لیکن سبائی چونکہ مقدمہ الجیش میں تھے اس لیے وہ آپ کی بات ماننے کو تیار نہ تھے اور مسلسل حملہ اور قتال کرتے ہوئے آگے بڑھتے جا رہے تھے۔

جب عائشہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ وہ لوگ آپ کی بات ماننے کو تیار نہیں ہیں اور کعب بن سور آنکھوں کے سامنے قتل کیے جا چکے، تو کہا: اے لوگو! قاتلین عثمان اور ان کے مددگاروں پر لعنت بھیجو، آپ رضی اللہ عنہا خود ان پر لعنت اور بددعا کرنے لگیں، اہل بصرہ بھی چیخ چیخ کر قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے معاونین پر بددعا اور لعنت کرنے لگے، جب علی رضی اللہ عنہ نے بصرہ کی فوج میں بددعا کی بلند آوازیں سنیں تو آپ نے دریافت کیا کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا قاتلین عثمان پر بددعا کر رہی ہیں اور لوگ بھی ان کے ساتھ بددعا کر رہے ہیں، آپ کہنے لگے میرے ساتھ تم لوگ بھی قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے مددگاروں پر بددعا کرو اور ان پر لعنت بھیجو، اس طرح علی رضی اللہ عنہ کی فوج میں بھی قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ پر لعنت اور بددعا کی وجہ سے ایک شور مچ گیا۔

علی رضی اللہ عنہ نے لعنت بھیجتے ہوئے کہا: اے اللہ! قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ پر وہ زمین میں ہوں یا پہاڑ پر لعنت فرما۔[1] اب جنگ تیز ہو چکی تھی، اس کے شعلے بھڑک رہے تھے اور دونوں فوجیں ایک دوسرے میں گتھم گتھا تھیں، ایک دوسرے پر نیزہ بازی ہو رہی تھی، جب ان کے نیزے کند ہو جاتے تو وہ تلواریں سونت لیتے، اس طرح خوب کشت وخون ہوا اور تلواریں کند ہو گئیں۔[2] اور لوگ ایک دوسرے کے قریب ہو گئے۔[3]

یہ ایسا نازک وقت تھا جب سبائیوں نے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ کا پیر کاٹنے اور خود آپ کو قتل کرنے کی طرف اپنی توجہ مرکوز کر دی تھی۔ بصرہ کی فوج عائشہ رضی اللہ عنہا اور ان کے اونٹ کی حفاظت کے لیے تیزی سے آگے بڑھی اور اونٹ کے سامنے جان سپر ہو گئی، اونٹ کے سامنے معرکہ اتنا سخت، جان گسل اور گرم تھا کہ جو بھی اونٹ کی نکیل پکڑتا وہ شہید کر دیا جاتا، ہودج میں ہر طرف سے اس قدر تیر چھبے ہوئے تھے جیسے سیہی کے بدن پر کانٹے۔[4]

قبیلۂ ازد اور بنوضبہ کے کئی جان نثار مسلمان اور قریش کے نوجوان لاڈلوں نے اپنی بے مثال بہادری کے جوہر دکھا کر خود کو اللہ کے حوالے کر دیا۔[5] عائشہ رضی اللہ عنہا سخت حیرانی اور مصیبت سے دوچار تھیں آپ جنگ نہیں چاہتی

---

[1] مصنف ابن أبی شیبة (۱۵/ ۲٦۸) بسند صحیح، سنن سعیدی بن منصور (۲/ ۲۳٦) بسند صحیح۔

[2] مصنف ابن أبی شیبة (۱۵/ ۲۵۸) اس کی سند صحیح ہے۔

[3] الطبقات ابن سعد (۵/ ۹۲) بسند حسن۔

[4] البدایة والنهایة (۷/ ۲۵۳) تاریخ خلیفة ص (۱۹۰) بسند حسن۔

[5] البدایة والنهایة (۷/ ۲۵٤)

تھیں پھر بھی جنگ جاری ہو چکی تھی اور آپ جنگی شور و ہنگامہ کے درمیان پھنس چکی تھیں۔ برابر جنگ بندی کا اعلان کر رہی تھیں، لیکن کوئی سننے والا نہ تھا، جس نے اونٹ کی نکیل پکڑی شہید کر دیا گیا۔ محمد بن طلحہ (السجاد) آئے، اونٹ کی نکیل پکڑی اور ام المومنین سے عرض کی: اے اماں جان! آپ کیا حکم دیتی ہیں، آپ نے فرمایا: آدم کے دو بیٹوں میں سے اچھے کی طرح ہو جاؤ یعنی اپنا ہاتھ روک لو، انھوں نے اپنی سونتی ہوئی تلوار نیام میں کر لی اور شہید کر دیے گئے، اللہ ان پر رحم فرما۔ [1]

اسی طرح عبدالرحمٰن بن عتاب بن اسید جنھوں نے جان کی بازی لگا کر اشتر کو تہ تیغ کرنے کی کوشش کی تھی وہ بھی شہید کر دیے گئے، آپ اشتر سے بھڑ گئے تھے اور لڑتے لڑتے جو دونوں زمین پر گر گئے تو ابن عتاب نے غضب ناک ہو کر اپنے آس پاس کے لوگوں سے کہا: مجھے اور مالک کو قتل کر دو۔ [2] آپ نے ایسا اس لیے کہا تھا کہ آپ اس سے جلے ہوئے تھے، کیونکہ عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف عوام کو بھڑکانے میں اس نے بہت اہم کردار ادا کیا تھا، لیکن چونکہ ''اشتر'' مالک کے نام سے مشہور نہ تھا اور یہ کہیے کہ ابھی اس کی موت بھی مقدر نہ تھی اس لیے لوگوں کی توجہ ادھر کم گئی، اگر ابن عتاب مالک کے بجائے، ''اشتر'' کہتے، تو شاید اس پر تلواروں کی بوچھاڑ ہو جاتی۔ [3]

۳۔ مقتولین کی تعداد:

اس تباہ کن لڑائی میں مقتولین کی جو تعداد سامنے آئی ہے، اس کا اندازہ لگانے میں روایات مختلف ہیں، اسی لیے مسعودی نے راویوں کے ذاتی رجحان کو اس اختلاف کا ذمہ دار قرار دیا ہے۔ [4]

چنانچہ قتادہ کہتے ہیں کہ جنگ جمل میں مقتولین کی تعداد بیس ہزار تھی [5] لیکن اس میں مبالغہ معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ دونوں فوجوں کی کل تعداد ہی اتنی یا کچھ کم تھی، جب کہ ابومخنف رافضی اور شیعہ راوی نے اس سے میں اور بھی مبالغہ آمیزی کی ہے، اس کا یہ خیال تھا کہ اس کرتوت سے میں نے اچھا کام کیا ہے۔ حالانکہ اس نے برا کیا، اس کا کہنا ہے کہ صرف بصری فوج کی تعداد بیس (۲۰) ہزار تھی۔ [6] اور سیف بن عمر نے لکھا ہے کہ مقتولین کی تعداد دس ہزار تھی، نصف علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کے تھے اور نصف عائشہ رضی اللہ عنہا کے اور ان کی دوسری روایت ہے کہ بیان کیا جاتا ہے کہ مقتولین کی تعداد پندرہ ہزار تھی، پانچ ہزار اہل کوفہ میں سے تھے اور دس ہزار اہل بصرہ میں سے، نصف مقتولین معرکہ کے پہلے رن میں اور نصف دوسرے رن میں [7] یہ دونوں روایات انقطاع اور دیگر اسباب ضعف کی وجہ سے نا قابل اعتبار ہیں اور ان دونوں میں مبالغہ سے کام لیا گیا ہے۔

---

[1] نسب قریش ص (۲۸۱) التاریخ الصغیر / البخاری (۱/ ۱۱۰) بسند صحیح۔

[2] مصنف ابن أبی شیبة (۱۵/ ۲۲۸).

[3] خلافة علی بن أبی طالب ص/ عبدالحمید ص (۱۵۹).

[4] مروج الذهب (۲/ ۳٦۷). [5] مروج الذهب (۲/ ۳٦۷).

[6] تاریخ خلیفة بن خیاط ص (۱۸٦) بسند مرسل۔ [7] تاریخ الطبری (۵/ ۵٤۲ تا ۵۵۵).

عمر بن شبہ اپنی سند سے ذکر کرتے ہیں کہ مقتولین کی تعداد چھ ہزار (۶۰۰۰) سے زائد تھی، لیکن یہ روایت بھی سند کے اعتبار سے سخت ضعیف ہے۔ ❶

۴۔ جنگ کے خاتمہ پر سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کا اعلان:

جب جنگ بندی کے آثار نظر آنے لگے تو علی رضی اللہ عنہ نے اپنے منادی سے اعلان کروایا:

''کسی زخمی پر ہاتھ نہ اٹھاؤ، بھاگنے والے کا پیچھا نہ کرو، کسی کے مکان کے اندر نہ گھسو، جو ہتھیار ڈال دے اسے امان ہے، جو گھر کا دروازہ بند کر لے اسے امان ہے، مال غنیمت صرف اسے سمجھو جو ہتھیار اور دیگر سامانوں کی شکل میں میدان جنگ تک لایا گیا ہو، اس کے علاوہ دوسرا سامان تمھارے لیے حلال نہیں ہے اور پھر بصرہ کے لشکر میں امیر المومنین کے منادی نے یہ اعلان کیا: میرے لشکر میں جس کے پاس کسی کا اپنا کوئی سامان ملے وہ اسے لے سکتا ہے۔'' ❷

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں بعض لوگ سوچ رہے تھے کہ عنقریب آپ ہمارے درمیان قیدیوں کو تقسیم کریں گے، اس سلسلے میں انھوں نے آپس میں باتیں شروع کر دیں اور لوگوں میں یہ بات عام ہونے لگی تھی تب تک علی رضی اللہ عنہ نے یہ بات بھی شامل اعلان کر دیا، لیکن ام ولد میں تمھارا کوئی حق نہیں ہے، میراثیں اللہ کے فرائض پر تقسیم ہوں گی، جو عورت بیوہ ہوگئی ہو وہ چار مہینے دس دن کی عدت پوری کرے، لوگوں نے آپ پر اعتراض کیا اور کہا: اے امیر المومنین! آپ ان کا خون ہمارے لیے حلال مانتے ہیں اور ان کی عورتوں کو ہمارے لیے حلال نہیں مانتے؟ آپ نے جواب دیا: مسلمانوں کے بارے میں یہی سنت ہے، پھر آپ نے ان کو خاموش کرنے کے لیے فرمایا: تم تیروں کو لاؤ اور عائشہ رضی اللہ عنہا پر قرعہ اندازی کرو کیونکہ وہی لشکر کی قائد تھیں (پھر دیکھو کس کے حصہ میں آتی ہیں)، یہ سن کر سب لوگ استغفر اللہ کہتے ہوئے منتشر ہو گئے، اور اچھی طرح سمجھ گئے کہ ہماری بات اور ہمارا گمان غلط تھا، آپ نے انھیں خوش کرنے کے لیے بیت المال سے پانچ پانچ سو درہم عطا کیا۔ ❸

۵۔ معرکۂ جمل کی تاریخ:

معرکۂ جمل کی تاریخ کا تعین کرنے میں مورخین کے اقوال مختلف ہیں:

ا: خلیفہ بن خیاط قتادہ کی سند سے لکھتے ہیں کہ دونوں جماعتیں ۱۵/ جمادی الاخری ۳۶ھ بروز جمعرات آمنے سامنے ہوئیں، اور لڑائی جمعہ کے دن ہوئی۔ ❹

ب: مورخ عمر بن شبہ لکھتے ہیں کہ ۱۵/ جمادی الاخری ۳۶ھ کو لڑائی ہوئی۔ ❺

---

❶ تاریخ خلیفة بن خیاط ص (۱۸۶) اس کی سند منقطع ہے اور قتادہ تک اس کی سند حسن ہے۔

❷ خلافة علی بن أبی طالب ص (۱۶۸) مصنف ابن أبی شیبة (۱۵/ ۲۸۶) بسند صحیح .

❸ مصنف ابن أبی شیبة (۱۵/ ۲۸۶) حافظ ابن حجر نے اس کی سند کی تصحیح کی ہے، دیکھئے: فتح الباری (۱۳/ ۵۷) .

❹ تاریخ خلیفه ص (۱۸۴، ۱۸۵) .

❺ فتح الباری (۱۲/ ۶۱) .

ج: طبری بسند واقدی لکھتے ہیں کہ ۱۰؍جمادی الاخری ۳۶ھ بروز جمعرات لڑائی ہوئی۔ ❶

د: مسعودی لکھتے ہیں کہ بروز جمعرات ۱۰؍جمادی الاولیٰ یہ لڑائی ہوئی۔ ❷

۶۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی گستاخی کرنے والے کے بارے میں سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کا موقف:

ایک آدمی امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی کہ دروازے پر دو آدمی عائشہ رضی اللہ عنہا کی شان میں گستاخی کر رہے ہیں۔ علی رضی اللہ عنہ نے قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ دونوں کو پکڑو اور ان کے کپڑے اتار کر کے سو سو کوڑے لگاؤ۔ ❸ چنانچہ قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ نے ان پر یہ سزا نافذ کی۔

۷۔ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کا دفاع:

محمد بن عریب کا بیان ہے کہ ایک آدمی کھڑا ہوا اور علی رضی اللہ عنہ کے پاس عائشہ رضی اللہ عنہا کے حق میں نازیبا کلمات کہے، اتنے میں وہاں عمار رضی اللہ عنہ پہنچ گئے اور کہا: یہ کون ہے جو ہمارے نبی ﷺ کی زوجۂ محترمہ کے حق میں نازیبا کلمات کہہ رہا ہے؟ چپ ہو جا مرُدود، بدبخت اور نالائق۔ ❹ اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: ہٹ جا یہاں سے مرُدود، و بدتمیز، کیا تو حبیبۂ رسول ﷺ کو تکلیف دے رہا ہے۔ ❺ اور ایک روایت میں ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کے پاس عائشہ رضی اللہ عنہا کا ذکر ہوا، تو آپ نے فرمایا: انھیں کچھ مت کہو، وہ نبی ﷺ کی زوجۂ محترمہ ہیں۔ ❻

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا اور امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کا تقابل

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا صدیقہ بنت صدیق، یعنی ابوبکر عبداللہ بن عثمان رضی اللہ عنہما کی صاحبزادی ہیں۔ آپ کی والدہ ام رومان بنت عویمر کنانیہ رضی اللہ عنہا ہیں، بعثت نبوی ﷺ کے چار یا پانچ سالوں بعد آپ کی ولادت ہوئی، چھ سال کی عمر میں نبی اکرم ﷺ سے عقد نکاح ہوا اور نو سال کی عمر میں رخصتی ہوئی، باختلاف روایات شوال ۱ھ میں یا ۲ھ میں آپ ﷺ نے ان سے خلوت کی، آپ وہ خوش قسمت خاتون ہیں جن کی سات آسمانوں کے اوپر سے براءت کا اعلان آیا۔ ازواج مطہرات میں آپ نبی ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب تھیں، آپ ﷺ نے ان کے علاوہ کسی کنواری عورت سے شادی نہیں کی، مسلم خواتین میں بالاتفاق فقہ و بصیرت میں آپ کا کوئی ثانی نہیں، تمام اکابر صحابہ جب دین کے کسی مشکل مسئلہ میں الجھ جاتے تو آپ رضی اللہ عنہا ہی کی طرف رجوع کرتے، جب نبی ﷺ کی وفات ہوئی اس وقت آپ کی عمر کل (۱۸) اٹھارہ سال تھی۔ ۱۷؍رمضان ۵۸ھ میں آپ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی۔

❶ استشهاد عثمان ص (۲۰۶) بحواله تاريخ الطبری .
❷ مروج الذهب (۲/ ۳۶۰) .
❸ البداية والنهاية (۷/ ۳۵۸) .
❹ فضائل الصحابة (۲/ ۱۱۰) اس کی سند ضعیف ہے۔ دیکھئے: ضعيف السنن الترمذی/ البانی ، حديث نمبر (۸۱۵) .
❺ سير أعلام النبلاء (۲/ ۱۷۹) یہ حدیث حسن ہے۔
❻ سير أعلام النبلاء (۲/ ۱۷۶) یہ حدیث حسن ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور بقیع میں آپ کی تدفین ہوئی۔ [1] آپ کے بے شمار مناقب وفضائل ہیں اور متعدد صحیح احادیث میں آپ کی چند ایسی فضیلت وارد ہیں جن میں آپ رضی اللہ عنہا دیگر امہات المومنین سے ممتاز ہیں، ان میں چند ایک کا یہاں ذکر ہو رہا ہے۔

ا۔حریم نبوی بننے سے پہلے......:

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا:

((أُرِيْتُكِ فِي الْمَنَامِ ثَلَاثَ لَيَالٍ ، جَاءَ نِي بِكِ الْمَلَكُ فِيْ سَرَقَةٍ مِنْ حَرِيْرٍ ، فَيَقُوْلُ: هٰذِهِ امْرَأَتُكِ ، فَأَكْشِفُ عَنْ وَجْهِكَ ، فَإِذَا أَنْتِ هِيَ ، فَأَقُوْلُ: اِنْ يَكُ هَذَا مِنَ اللّٰهِ يُمْضِهِ .)) [2]

''تم مجھے خواب میں تین رات دکھائی گئیں، تمھیں ایک فرشتہ ریشم کے ٹکڑے میں اٹھائے ہوئے میرے پاس لایا اور کہا: یہ تمھاری بیوی ہے، میں نے تمھارا چہرہ کھولا تو وہ تم تھیں، میں نے کہا: اگر یہ اللہ کی طرف سے ہے تو ضرور پورا ہوگا۔''

۲۔ازواج مطہرات میں سب سے محبوب:

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے انھیں ذات سلاسل [3] والے لشکر کا امیر بنا کر بھیجا، واپسی پر میں نے آپ ﷺ سے پوچھا: لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب آپ کے نزدیک کون ہے؟ آپ نے فرمایا: عائشہ، میں نے کہا: مردوں میں سے؟ آپ نے فرمایا: ان کے والد۔ [4]

امام ذہبی رحمہ اللہ اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں:

''روافض ناک رگڑ کے مرتے ہیں، پر یہ حدیث ثابت ہے، اللہ کے رسول ﷺ پاکیزہ ذات ہی کو پسند فرماتے تھے۔ آپ نے فرمایا:

((لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيْلًا مِنْ هَذِهِ الْأُمَّةِ لَاتَّخَذْتُ أَبَابَكْرٍ خَلِيْلًا وَ لٰكِنْ أُخُوَّةَ الْإِسْلَامِ أَفْضَلُ .))

''اگر میں اس امت میں کسی کو اپنا دوست بناتا تو ابوبکر کو بناتا، لیکن اسلامی اخوت ہی افضل ہے۔''

---

[1] سير أعلام النبلاء (۲/ ۱۳۵ ، ۲۰۱) طبقات ابن سعد (۸/ ۵۸) البداية والنهاية (۸/ ۹۵) .

[2] صحيح مسلم ، حديث نمبر (۲۴۳۸) .

[3] ذاتُ السُلاسِل: یہ سرزمین جُذام میں ایک چشمہ کا نام ہے، جنگی مہم میں صحابہ نے اس چشمہ کا رخ کیا تھا اس مناسبت سے غزوہ ذات السلاسل پڑ گیا۔ ویسے سَلْسَل و سَلْسَال لغت میں شیریں ٹھنڈے پانی کو کہتے ہیں۔ (دیکھئے: النهاية لابن اثير (۴۳۹ ، ۴۴۰) تحقيق على حسن الحلبى ، دار ابن الجوزى (مترجم)

[4] صحيح البخارى ، حديث نمبر (۴۳۵۸) .

گویا آپ ﷺ نے اپنی امت کے افضل ترین مرد اور افضل ترین عورت کو پسند کیا، لہٰذا جو شخص رسول اللہ ﷺ کے ان دونوں محبوب نظر سے بغض رکھے وہ اللہ اور اس کے رسول کا دشمن کہے جانے کا مستحق ہے اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ کی محبت کسی سے پوشیدہ نہیں۔'' [1]

۳۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے لحاف میں وحی کا نزول:

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی سند سے ہشام بن عروہ سے انھوں نے اپنے والد (عروہ) سے روایت کیا کہ لوگ رسول اللہ ﷺ کو تحفے بھیجنے میں عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری کا انتظار کیا کرتے تھے، عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میری سوکنیں ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئیں اور ان سے کہا: اللہ کی قسم! لوگ جان بوجھ کر اپنے تحفے اس دن بھیجتے ہیں جس دن عائشہ کی باری ہوتی ہے، ہم بھی عائشہ کی طرح اپنے لیے فائدہ چاہتی ہیں، اس لیے تم رسول اکرم ﷺ سے کہو کہ آپ ﷺ لوگوں سے فرما دیں کہ میں جس بھی بیوی کے پاس ہوں، جس کی بھی باری ہو، اسی گھر میں تحفے بھیج دیا کرو، ام سلمہ نے یہ بات رسول اکرم ﷺ سے بیان کی آپ نے کچھ بھی جواب نہیں دیا، انھوں نے دوبارہ عرض کیا جب بھی جواب نہ دیا، پھر تیسری بار عرض کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((یَا أُمَّ سَلَمَةَ لَا تُؤْذِینِي فِي عَائِشَةَ فَإِنَّهُ وَ اللّٰهِ مَا نَزَلَ عَلَيَّ الْوَحْيُ وَأَنَا فِي لِحَافِ امْرَأَةٍ مِنْكُنَّ غَيْرَهَا .)) [2]

''اے ام سلمہ! عائشہ کے بارے میں مجھ کو نہ ستاؤ، اللہ کی قسم! تم میں سے کسی بیوی کے لحاف میں (جو میں اوڑھتا ہوں سوتے وقت) مجھ پر وحی نازل نہیں ہوتی، ہاں، (عائشہ کا مقام یہ ہے) کہ ان کے لحاف میں وحی نازل ہوتی ہے۔''

علامہ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''نبی اکرم ﷺ کا یہ جواب اس بات کی دلیل ہے کہ حکم الٰہی کے مطابق عائشہ رضی اللہ عنہا سے شدید محبت کی وجہ انھیں دیگر ازواج مطہرات پر فضیلت ملی اور اللہ کی طرف سے یہ اشارہ ان کی محبت میں اضافہ کا سبب بنا۔'' [3]

۴۔ جبریل علیہ السلام عائشہ رضی اللہ عنہا کو سلام بھیجتے ہیں:

عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((یَا عَائِشَةُ هٰذَا جِبْرِیْلُ یَقْرَاءُ عَلَیْكِ السَّلَامَ)) ''اے عائشہ! یہ جبریل تمھیں سلام کہتے ہیں۔'' میں نے جواب دیا: ((وَ عَلَیْهِ السَّلَامُ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ)) لیکن آپ (ﷺ) جو کچھ دیکھتے ہیں میں نہیں دیکھتی۔ [4]

---

[1] سیر اعلام النبلاء (۲/ ۱۴۳). [2] صحیح البخاری، حدیث نمبر (۳۷۷۵).

[3] سیر أعلام النبلاء (۲/ ۱۴۳).

[4] صحیح البخاری، حدیث نمبر (۳۷٦۸).

۵۔ آیت تخییر کا نزول نبی کریم ﷺ کا اور سب سے پہلے آپ رضی اللہ عنہا کو اختیار دینا:

جب آیت تخییر نازل ہوئی تو نبی اکرم ﷺ نے سب سے پہلے عائشہ رضی اللہ عنہا کو آیت سنا کر انھیں اختیار دیا، تاہم ان سے کہا کہ عجلت نہ کرنا، بلکہ اپنی والدین سے اس سلسلہ میں مشورہ کر لینا، اس لیے کہ آپ کو یقین تھا کہ ان کے والدین جدائی کی اجازت نہیں دیں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا اور آپ رضی اللہ عنہا نے اللہ اس کے رسول اور آخرت کو اختیار کیا، آپ ﷺ کی دیگر ازواج مطہرات نے بھی اسی پر عمل کیا، عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب رسول اکرم ﷺ کو حکم دیا گیا کہ اپنی بیویوں کو اختیار دے دیں (وہ دنیا کے عیش و آرام کو ترجیح دیں یا آخرت کو) تو آپ ﷺ نے سب سے پہلے مجھ ہی سے شروع کیا اور کہا:

((إِنِّي ذَاكِرٌ لَكِ أَمْراً فَلا عَلَيْكِ أَنْ لا تَعْجَلِي حَتَّى تَسْتَامِرِي أَبَوَيْكِ .))

''میں تم سے ایک بات کہہ رہا ہوں تم اس میں عجلت نہ کرنا، اپنے والدین سے مشورہ کے بعد کوئی اقدام کرنا۔''

عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ آپ ﷺ جانتے تھے کہ میرے والدین مجھے آپ سے جدائی کی اجازت نہ دیں گے۔ پھر آپ ﷺ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَ اُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿٢٨﴾ وَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٢٩﴾﴾ (الاحزاب: ٢٨-٢٩)

''اے نبی! اپنی بیویوں سے کہہ دے اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کا ارادہ رکھتی ہو تو آؤ میں تمھیں کچھ سامان دے دوں اور تمھیں رخصت کر دوں، اچھے طریقے سے رخصت کرنا۔ اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور آخری گھر کا ارادہ رکھتی ہو تو بے شک اللہ نے تم میں سے نیکی کرنے والیوں کے لیے بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔''

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے کہا: یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میں آپ کے بارے میں مشورہ کروں، بلکہ میں اللہ، اس کے رسول ﷺ اور اخروی زندگی کو پسند کرتی ہوں، پھر آپ کی دیگر بیویوں نے بھی میری ہی طرح کیا۔ [1]

۶۔ آپ رضی اللہ عنہا کے سبب چند قرآنی آیات کا نزول:

آپ رضی اللہ عنہا جن قرآنی آیات کے نزول کا سبب بنیں، ان میں کچھ آیتوں کا تعلق خاص طور سے آپ کی ذات سے ہے اور کچھ کا تعلق پوری امت محمدیہ سے۔ جو آیات آپ کی ذات کے ساتھ خاص ہیں وہ آپ کی عظمت شان اور رفعت مکان کی ترجمان ہیں، کیونکہ ان میں معاملہ افک میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کی براءت کی گواہی دی

[1] صحیح البخاری / التفسیر، حدیث نمبر (٤٧٨٩).

گئی ہے۔ آپ کی صداقت و پاکیزگی کی ترجمان یہ آیتیں سورہ نور میں آیت نمبر ۱۱ (گیارہ) سے آیت نمبر ۲۶ (چھبیس) تک ہیں۔ آغاز یہاں سے ہوتا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِنْكُمْ ۚ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَكُمْ ۖ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَكُمْ ۚ لِكُلِّ امْرِئٍ مِنْهُمْ مَا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ ۚ وَالَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١١﴾﴾ (النور: ۱۱)

''بے شک وہ لوگ جو بہتان لے کر آئے ہیں وہ تمھی سے ایک گروہ ہیں، اسے اپنے لیے برا مت سمجھو، بلکہ یہ تمھارے لیے بہتر ہے۔ ان میں سے ہر آدمی کے لیے گناہ میں سے وہ ہے جو اس نے گناہ کمایا اور ان میں سے جو اس کے بڑے حصے کا ذمہ دار بنا اس کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔''

اور انتہا یہاں ہوتی ہے:

﴿الْخَبِيثَاتُ لِلْخَبِيثِينَ وَالْخَبِيثُونَ لِلْخَبِيثَاتِ ۖ وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَاتِ ۚ أُولَٰئِكَ مُبَرَّءُونَ مِمَّا يَقُولُونَ ۖ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿٢٦﴾﴾

(النور: ۲۶)

''گندی عورتیں گندے مردوں کے لیے ہیں اور گندے مرد گندی عورتوں کے لیے ہیں اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لیے ہیں اور پاک مرد پاک عورتوں کے لیے ہیں۔ یہ لوگ اس سے بری کیے ہوئے ہیں جو وہ کہتے ہیں، ان کے لیے بڑی بخشش اور باعزت روزی ہے۔''

امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ محض آپ رضی اللہ عنہا کی خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل افک کے تہمتوں سے آپ کو بری ثابت کیا اور آپ کی براءت و صفائی میں ایسی وحی نازل فرمائی جسے قیامت تک مسلمانوں کی نمازوں میں اور ان کے منبر و محراب پر پڑھی جاتی رہے گی، ان کے حق میں گواہی دی کہ آپ ''طیبات'' پاک عورتوں میں سے ہیں اور ان سے مغفرت اور رزق کریم کا وعدہ کیا۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مطلع کیا کہ آپ رضی اللہ عنہا کے بارے میں جو کچھ بہتان تراشیاں کی گئیں ان کے حق میں بہتر ثابت ہوئیں، ان سے آپ کا دامن داغ دار نہیں ہوا، اور نہ آپ کی شان کم ہوئی، بلکہ اس واقعہ کے سبب اللہ نے آپ کی عظمت کو چار چاند لگا دیے، اور آپ کے فضل و منقبت کو نکھار دیا، دونوں جہان والوں کے درمیان آپ کی شخصیت پاکیزگی کی یادگار بن گئی۔ اس عظیم ترین منقبت کی خوبیوں کا کیا کہنا۔ شرافت و اکرام کے اس الٰہی تمغہ پر ذرا غور تو کرو، جو آپ رضی اللہ عنہا کی شدت تواضع اور کسر نفسی کی وجہ سے آپ کو پہنایا گیا تھا، آپ فرماتی ہیں: مجھے اس کا کوئی وہم و گمان بھی نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعے سے قرآن مجید میں میرے معاملے کی صفائی نازل کرے گا، کیونکہ میں اپنے کو اس سے بہت کم تر سمجھتی تھی کہ اللہ تعالیٰ خود میرے معاملے میں کوئی کلام فرمائے،

مجھے تو صرف اتنی امید تھی کہ رسول اللہ ﷺ کوئی خواب دیکھیں گے جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ میری براءت کردے گا۔ ❶

یہ ہیں امت مسلمہ کی صدیقہ خاتون، تمام مومنوں کی ماں، رسول اللہ ﷺ کی محبوب نظر، انھیں خوب معلوم تھا کہ میں مظلوم ہوں، اس گندی تہمت سے پاک ہوں، تہمت باز ظالم ہیں، افتراء پردازی کررہے ہیں، انھوں نے اپنی گفتگو کے تیرونشتر سے آپ رضی اللہ عنہا کے والدین اور رسول اکرم ﷺ کو زخمی کیا تھا۔ ❷

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب اہل افک نے جھوٹ اور بہتان سے عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاک دامن کو داغ دار کرنا چاہا تو اللہ کو غیرت آئی اور ان کی براءت وصفائی میں قرآن کی دس آیات نازل کیں جو تا قیامت پڑھی جائیں گی ...... تمام علمائے امت اس بات پر متفق ہیں کہ اب اس براءت کے بعد بھی جو شخص آپ پر تہمت لگاتا ہے وہ کافر ہے۔ ❸

وہ آیات جن میں آپ کے ذریعے سے پوری امت کو فائدہ پہنچا، ان میں سب سے اہم آیت تیمّم ہے۔ یہ آیت پوری امت کے لیے رحمت اور آسانی کا سبب بن گئی، چنانچہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے اسماء رضی اللہ عنہا سے ہار عاریت میں لیا، اتفاق کی بات کہ وہ گم ہوگیا، اللہ کے رسول ﷺ نے اس کی تلاش میں اپنے چند صحابہ کو بھیجا، اسی دوران نماز کا وقت ہوگیا اور انھوں نے بغیر وضو کے نماز پڑھی، جب وہ لوگ نبی ﷺ کے پاس لوٹ کر آئے تو اس واقعہ کی آپ سے شکایت کی، تب آیت تیمّم نازل ہوئی۔ اسید بن حضیر کہنے لگے: ((جَزَاكِ اللّٰهِ خَيْرًا .)) اللہ آپ کو جزائے خیر دے، اللہ کی قسم! آپ کے ساتھ جو بھی ناپسندیدہ معاملہ پیش آیا اللہ نے اس میں آپ کے لیے اور امت کے لیے خیر پیدا کردی۔ ❹

۷۔ نبی کریم ﷺ کی یہ خواہش کہ میری زندگی کے آخری ایام عائشہ کے گھر میں ہوں:

اللہ کے رسول ﷺ کی وفات عائشہ رضی اللہ عنہ کی باری کے دن اور ان کی ٹھوڑی اور سینہ کے درمیان ٹیک لگائے ہوئے ہوئی۔ اللہ نے آپ کی دنیاوی زندگی کی آخری اور اخروی زندگی کی پہلی گھڑی میں آپ ﷺ اور عائشہ کے لعاب دہن کو اکٹھا کردیا اور عائشہ ہی کے گھر میں تدفین ہوئی۔ ❺

عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو اپنی بیویوں کے یہاں باری کے مطابق بیماری کے ایام گزارتے اور کہتے: ((اَيْنَ اَنَا غَدًا .)) میں کل کہاں رہوں گا، یعنی آپ کو عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری کا انتظار ہوتا، عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب میری باری آگئی تو آپ کو سکون ہوگیا۔ ❻ اور صحیح مسلم میں

❶ صحيح البخاري، حديث نمبر (٤١٤١) . ❷ جلاء الأفهام ص (١٢٤، ١٢٥) .
❸ البداية والنهاية (٢/ ٩٥٨) تفسير القرآن العظيم (٣/ ٢٦٨) .
❹ صحيح البخاري، حديث نمبر (٣٣٦) . ❺ سير أعلام النبلاء (٢/ ١٨٩) البداية والنهاية (٨/ ٩٥) .
❻ صحيح البخاري/ فضائل الصحابة/ حديث نمبر (٣٧٧٤) .

عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان اس طرح ہے کہ آپ پوچھتے رہتے: ((اَیْنَ اَنَا الْیَوْمَ؟ اَیْنَ اَنَا غَدًا .)) آج میں کہاں ہوں، کل میں کہاں رہوں گا، جب میری باری آئی تو اللہ نے اس دن میرے سینے اور ٹھوڑی کے درمیان آپ کو وفات دیا۔ ❶

صحیح بخاری میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ واقعہ اس طرح بھی مروی ہے کہ آپ اپنی مرض الموت میں پوچھتے رہتے: ((أَیْنَ أَنَا غَدًا؟ أَیْنَ أَنَا غَدًا؟)) کل میں کہاں رہوں گا، کل میں کہاں رہوں گا؟ یعنی آپ کو عائشہ رضی اللہ عنہا کے دن کا انتظار تھا، آپ فرماتی ہیں کہ پھر آپ کی دوسری بیویوں نے آپ کو اجازت دے دی کہ جہاں چاہیں رہیں، چنانچہ آپ نے عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر کو منتخب کیا اور وفات پانے تک وہیں رہے، آپ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ آپ کی وفات اسی دن ہوئی جس دن قاعدہ کے مطابق یہاں آپ کے قیام کی باری تھی، رحلت کے وقت سرِ مبارک میرے سینے پر تھا اور میرا لعاب آپ کے لعاب کے ساتھ ملا تھا، انھوں نے بیان کیا کہ عبدالرحمٰن بن ابوبکر داخل ہوئے، اور ان کے ہاتھ میں استعمال کے قابل مسواک تھی، آپ ﷺ نے اس کی طرف دیکھا تو میں نے کہا کہ عبدالرحمٰن! یہ مسواک مجھے دے دو، انھوں نے مسواک مجھے دے دی، میں نے اسے اچھی طرح چبایا اور نرم کر کے رسول ﷺ کو دی، پھر آپ نے وہ مسواک کی، اس وقت آپ میرے سینے سے ٹیک لگائے ہوئے تھے، اس کے بعد والی روایت میں اتنے الفاظ زائد ہیں کہ اس طرح اللہ تعالیٰ نے میرے اور آپ ﷺ کے لعاب کو اس دن جمع کر دیا، جو آپ کی دنیا کی زندگی کا سب سے آخری اور آخرت کی زندگی کا سب سے پہلا دن تھا۔ ❷

۸۔ جنت کی بشارت:

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ کی بیویوں میں سے کون جنت میں جائے گی؟ آپ نے فرمایا: ((أَمَا إِنَّكِ مِنْهُنَّ)) ''تم تو انھیں میں سے ہو۔'' فرماتی ہیں کہ میرے دل میں یہ بات آئی کہ یہ ہوسکتا ہے اس لیے کہ آپ نے میرے علاوہ کسی اور کنواری عورت سے شادی نہیں کی۔ ❸

صحیح بخاری میں قاسم بن محمد سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیمار پڑیں، تو ابن عباس رضی اللہ عنہ ان کی عیادت کے لیے آئے اور عرض کیا: ''ام المومنین! آپ تو سچائی کے پیکر میر کارواں کے پاس جارہی ہیں، رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس۔'' ❹

اس حدیث میں عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے ایک عظیم فضیلت کی شہادت ہے کیونکہ آپ کو قطعی طور پر جنتی کہا گیا اور بغیر ربانی اشارہ کے یہ بات آپ نہیں کہہ سکتے تھے، اس لیے کہ یہ توقیفی چیز ہے۔ ❺

---

❶ صحیح مسلم، حدیث نمبر (۲٤٤۳). ❷ صحیح البخاری، حدیث نمبر (٤٤٥۰، ٤٤٥۱).

❸ المستدرك (٤/ ۱۳) اس کی سند صحیح ہے، امام ذہبی نے امام حاکم کی موافقت کی ہے۔

❹ صحیح البخاری، حدیث نمبر (۳۷۷۱).

❺ فتح الباری (۷/ ۱۰۸) العقیدة فی أهل البیت ص (۹۵).

۹۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی تمام عورتوں پر فضیلت ایسے ہے جیسے ثرید کی فضیلت تمام کھانوں پر:

صحیحین میں عبداللہ بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ انھوں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہوئے سنا وہ کہہ رہے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

((فَضْلُ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيْدِ عَلَى سَائِرِ الطَّعَامِ .)) ❶

''عائشہ کی تمام عورتوں پر فضیلت ایسے ہے جیسے ثرید کی فضیلت تمام کھانوں پر ہے۔''

نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: علماء اس حدیث کا مطلب یہ بتاتے ہیں کہ ہر کھانے کی ثرید اس کے شوربے سے اچھی ہوتی ہے، پس گوشت کی ثرید اس کے شوربے سے عمدہ ہوتی ہے اور بغیر گوشت کی ثرید بغیر گوشت کے شوربے سے افضل ہوتی ہے اور ثرید کی افضلیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ نفع بخش اور سیر آور غذا ہے، اسے چبانا آسان ہے، اسے کھانے میں لذت ملتی ہے، مختصر سے وقت میں اسے بنا لینا اور کھا کر فارغ ہو جانا آسان ہوتا ہے، اس اعتبار سے وہ ہر قسم کے شوربے اور غذا سے افضل ہے، بالکل اسی طرح دیگر خواتین پر عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک اضافی فضیلت ہے، اس حدیث میں یہ صراحت نہیں ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا مریم اور آسیہ علیہما السلام سے بھی افضل ہیں کیونکہ یہ احتمال ہے کہ آپ امت محمدیہ کی خواتین میں سب سے افضل ہوں۔ ❷

یہ چند احادیث ہیں جو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت، دینی عظمت اور مقام و مرتبہ کی بلندی، و امتیاز کو نمایاں کرتی ہیں، اس کے باوجود شیعہ و روافض اور ان کی روایات و اخبارات سے متاثرین مولفین و مصنّفین کی ستم ظریفی دیکھئے کہ انھوں نے آپ رضی اللہ عنہا کو طعن و تشنیع اور کذب و بہتان کا نشانہ بنایا اور صحیح و مستند احادیث کی بے جا تاویل کی، اور انھیں غلط معانی پر محمول کیا جیسے کہ کتاب ''ثم اہتدیت'' (پھر مجھے ہدایت مل گئی) کے مولف نے کیا ہے۔ حالانکہ وہ اپنی کھینچ تان کے باوجود کوئی نئی چیز نہیں لا سکا بلکہ اپنے پیشرو شیعہ و روافض کے منہج پر چلتے ہوئے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا پر عمار رضی اللہ عنہ کے قول کے حوالے سے اعتراض کیا، جس پر عمار رضی اللہ عنہ نے کہا تھا:

''اللہ کی قسم! وہ دنیا اور آخرت میں تمھارے نبی کی زوجہ محترمہ ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے سے تمھیں آزمائش میں ڈالا ہے، تاکہ دیکھے کہ تم اس کی اطاعت کرتے ہو یا عائشہ کی۔'' ❸

حقیقت یہ ہے کہ عمار رضی اللہ عنہ کی اس بات میں عائشہ رضی اللہ عنہا پر طعن و تشنیع کا کوئی پہلو نہیں نکلتا، بلکہ اس سے آپ کی فضیلت و منقبت ظاہر ہوتی ہے، ذرا غور کرو کہ اس سے بڑھ کر عظمت و شرافت کی اور کیا بات ہو سکتی ہے کہ آپ

---

❶ صحيح البخاري، حديث نمبر (۳۷۷۰) ثرید ایک عمدہ اور لذیذ کھانا ہے جو باریک روٹی کو شوربہ میں توڑ کر تیار کیا جاتا ہے۔ یہ عربوں کی بڑی محبوب اور پسندیدہ غذا ہے۔ (مترجم)

❷ شرح النووي على صحيح مسلم (۱۵/ ۲۰۸، ۲۰۹).

❸ صحيح البخاري/ فضائل الصحابة، حديث نمبر (۳۷۷۲).

دنیا وآخرت میں نبی ﷺ کی زوجہ محترمہ ہیں۔ ہر مومن کی آخری طلب تو بس یہی ہوتی ہے کہ وہ اللہ کی رضا اور جنت پا جائے، پس عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر خوش قسمت کون ہوسکتا ہے کہ عمار رضی اللہ عنہ جو کہ اس فتنہ میں آپ کی رائے کے مخالف تھے، وہ انھیں جنتی ہونے کی گواہی دے رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نبی ﷺ کی صحبت میں جنت کے بلند ترین درجہ میں ہوں گی۔ [1]

عمار رضی اللہ عنہ کا یہ قول ایک سچائی کا ترجمان ہے، خود عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے اس کی توثیق وتائید ہوتی ہے۔ آپ فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((أَمَا تَرْضِيْنَ أَنْ تَكُوْنِي زَوْجَتِي فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ.))

''کیا تمھیں یہ پسند نہیں کہ دنیا اور آخرت میں تم میری بیوی رہو۔''

آپ فرماتی ہیں کہ میں نے کہا: کیوں نہیں! ضرور اے اللہ کے رسول۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((فَأَنْتِ زَوْجَتِي فِي الدُّنْيَا وَ الْآخِرَةِ.))

''تو جان لو! کہ تم دنیا اور آخرت دونوں جگہ میری بیوی ہو۔'' [2]

گویا یہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کی عظیم ترین فضیلت پر ایک قوی دلیل ہے، اسی لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے عمار رضی اللہ عنہ سے مروی اثر کو عائشہ رضی اللہ عنہا کے مناقب وفضائل میں ذکر کیا ہے۔ [3]

البتہ عمار رضی اللہ عنہ کے قول کا آخری جملہ کہ ''لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے سے تمھیں آزمائش میں ڈالا ہے......'' تو اس سے عائشہ رضی اللہ عنہا کی توہین یا ان پر طعن وتشنیع کا کوئی پہلو نہیں نکلتا کیونکہ:

- یہ عمار رضی اللہ عنہ کی اپنی رائے کا اظہار ہے کہ ہم حق پر ہیں اور وہ غلطی پر، جب کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی رائے ان کے خلاف ہے کہ ہم حق پر ہیں اور وہ غلطی پر اور دونوں جلیل القدر صحابی ہیں۔ علم اور دین میں چوٹی تک پہنچے ہوئے ہیں، لہٰذا یہ کیوں کر درست ہے کہ کسی ایک کے قول کو دوسرے پر ترجیح دی جائے۔
- عمار رضی اللہ عنہ کے قول کا مطلب زیادہ سے زیادہ یہ لیا جاسکتا ہے کہ اس فتنہ میں عائشہ رضی اللہ عنہا نے اللہ کے حکم کی مخالفت کی، لیکن یہ مخالفت اس وقت تک قابل مذمت نہیں ہے جب تک کہ مخالفت پر حجت نہ قائم کردی جائے اور یہ معلوم ہو جائے کہ مخالف حجت قائم ہونے کے بعد بھی مخالفت کر رہا ہے اگر ایسی بات نہیں ہے تو مخالف کو معذور سمجھا جائے گا، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ مسئلہ کو بھول گیا ہو، یا اس کی نگاہ میں کوئی اور مفہوم ہو، لہٰذا اس کی گرفت نہیں کی جائے گی۔

---

[1] الانتصار للصحب و الآل ص (٤٤٨).

[2] المستدرك (٤/ ١٠) الصحيح المسند/ مصطفى العدوى ص (٣٥٦).

[3] صحيح البخارى، حديث نمبر (٣٧٧٢).

- عمار رضی اللہ عنہ یہ بات کہہ کر عائشہ رضی اللہ عنہا کی توہین یا ان کی مذمت نہیں کرنا چاہتے تھے، بلکہ امت کی خیر خواہی کے پیش نظر ان کی اجتہادی غلطی واضح کر دینا چاہتے تھے کیونکہ یہ سب کچھ ہونے کے باوجود انھیں عائشہ رضی اللہ عنہا کی قدر و منزلت اور فضیلت کا اعتراف تھا۔ [1]

عمار رضی اللہ عنہ سے وارد شدہ اثر کی بعض روایات میں یہ اضافہ بھی ہے کہ عمار رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی سے سنا کہ وہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو گالیاں دے رہا ہے، تو آپ نے اس سے کہا: چپ ہو جا، مردود و نالائق، اللہ کی قسم! وہ دنیا اور آخرت میں تیرے نبی کی زوجہ ہیں، لیکن اللہ نے ان کے ذریعے سے تمھیں آزمائش میں ڈالا ہے کہ دیکھے تم اس کی اطاعت کرتے ہو یا عائشہ کی۔ [2]

رہا شیعہ اور روافض کا یہ قول کہ ایک مرتبہ نبی ﷺ خطبہ دینے کھڑے ہوئے اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی رہائش گاہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

((هٰهُنَا الْفِتْنَةُ مِنْ حَيْثُ يَطْلَعُ قَرْنُ الشَّيْطَانِ .))

''یہاں فتنے برپا ہوں گے یہاں سے شیطان کا سر نمودار ہوگا۔''

پھر اس روایت کے سہارے عائشہ رضی اللہ عنہا کی رہائش گاہ کو منبع فتنہ قرار دے کر ان کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنانا، تو یہ سب باتیں گمراہ کن تاویلات، حقائق کے توڑ مروڑ اور تدلیس پر مبنی ہیں اور ان کے ذریعے سے سادہ لوح عوام کو گمراہ کیا جا رہا ہے، چنانچہ یہ لوگ حدیث کے راوی کے قول ((فَأَشَارَ نَحْوَ مَسْكَنِ عَائِشَةَ)) کی تشریح یوں کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کا اشارہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر (حجرہ) کی طرف تھا، اور اسے ہی آپ منبع فتنہ بتانا چاہتے تھے، جیسے عربی زبان کی نزاکت و اسلوب سے واقفیت ہے وہ جان سکتا ہے کہ یہ حدیث کسی بھی اعتبار سے اس مفہوم پر دلالت نہیں کرتی، کیونکہ راوی حدیث نے ((أَشَارَ نَحْوَ مَسْكَنِ عَائِشَةَ .)) کہا نہ کہ ((أَشَارَ إِلَى جِهَةِ مَسْكَنِ عَائِشَةَ .)) اور دونوں تعبیروں میں جو معنوی فرق ہے وہ بالکل واضح ہے، اور اسے اچھی طرح محسوس کیا جا سکتا ہے، نیز پوری روایت کے الفاظ دیکھنے کے لیے صحیح البخاری، کتاب فرض الخمس، باب ما جاء في بيوت ازواج النبي ﷺ حدیث نمبر (٣١٠٤) کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے۔

علاوہ ازیں یہ روایت صحیحین کے علاوہ دیگر کتب حدیث میں متعدد سندوں اور مختلف الفاظ میں وارد ہے اور وہاں اس بات کی صراحت ہے کہ آپ ﷺ نے کن مقامات اور شہروں کی طرف اشارہ کیا تھا، بس وہی روایات حقیقت بیانی کے ساتھ ساتھ شیعہ و روافض کی تردید کے لیے کافی ہیں۔ ان کی تردید کے لیے مزید تکلف کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے، بہتر ہوگا کہ سردست متعدد سندوں سے وارد ابن عمر رضی اللہ عنہما اور دیگر راویوں کی چند روایات نقل کر دی جائیں۔

---

[1] الانتصار للصحب والآل (٤٤٨).
[2] البداية والنهاية (٧/ ٢٤٨).

❍ چنانچہ لیث روایت کرتے ہیں کہ نافع سے اور وہ روایت کرتے ہیں ابن عمر سے کہ انھوں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ مشرق کی طرف رخ کیے تھے اور فرما رہے تھے:

((أَلَا إِنَّ الْفِتْنَةَ هٰهُنَا ، مِنْ حَيْثُ يَطْلُعُ قَرْنُ الشَّيْطَانِ .))[1]

''اے لوگو! فتنے یہاں سے برپا ہوں گے، جہاں سے شیطان کا سر نمودار ہوتا ہے۔''

❍ عبید بن عمر سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ مجھ سے نافع نے بیان کیا اور انھوں نے ابن عمر سے روایت کیا کہ اللہ کے رسول ﷺ حفصہ رضی اللہ عنہا کے دروازے پر کھڑے ہوئے، اور اپنے ہاتھ سے مشرق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

((اَلْفِتْنَةُ مِنْ حَيْثُ يَطْلَعُ قَرْنُ الشَّيْطَانِ .))[2]

''فتنے وہاں سے بپا ہوں گے جہاں سے شیطان کا سر نمودار ہوتا ہے۔''

آپ نے دو یا تین بار یہی بات دہرائی۔

❍ سالم بن عبداللہ سے روایت ہے، انھوں نے اپنے باپ عبداللہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا درآں حالاں کہ آپ کا رخ مشرق کی طرف تھا:

((هَا ، إِنَّ الْفِتْنَةَ هٰهنَا ، هَا اِنَّ الْفِتْنَةَ هٰهُنَا ، هَا إِنَّ الْفِتْنَةَ هٰهُنَا ، مِنْ حَيْثُ يَطْلُعُ قَرْنُ الشَّيْطَانِ .))[3]

''خبردار رہو، فتنے یہاں سے بپا ہوں گے، خبردار رہو فتنے یہاں سے بپا ہوں گے، خبردار رہو فتنے یہاں بپا ہوں گے، جہاں سے شیطان کا سر نمودار ہوتا ہے۔''

یہ چند روایات ہیں جن میں اس سمت کی صراحت ہے، جدھر آپ نے اشارہ کیا تھا، وہ مشرق کی سمت ہے اور ان روایات سے شیعہ و روافض کی پیش کردہ روایت کی تفسیر ہو جاتی ہے اور اشارہ کا مقصود سامنے آ جاتا ہے۔[4]

❍ اسی طرح اس حدیث کی بعض دوسری روایات میں ان مقامات اور شہروں کی بھی تعیین و تصریح ہے، جن کی طرف آپ نے اشارہ کیا تھا، چنانچہ نافع ابن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: نبی اکرم ﷺ نے فتنوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

((اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ شَامِنَا ، اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ يَمْنِنَا .))

''اے اللہ ہمارے شام میں ہمارے لیے برکت نازل فرما، اے اللہ ہمارے یمن میں ہمارے لیے

---

[1] صحیح البخاری، حدیث نمبر (۷۰۹۳) صحیح مسلم، حدیث نمبر (۲۹۰۵).

[2] صحیح مسلم/ الفتن (۴/ ۲۲۲۹). [3] ایضًا

[4] الانتصار للصحب والآل ص (۴۵۳).

برکت نازل فرما۔‘‘

صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! اور ہمارے نجد میں بھی۔ [1] راوی کا بیان ہے کہ میرے خیال میں آپ نے تیسری مرتبہ کہا:

((هُنَاكَ الزَّلَازِلُ وَ الْفِتَنُ وَ بِهَا يَطْلُعُ قَرْنُ الشَّيْطَانِ .)) [2]

’’وہاں زلزلے اور فتنے برپا ہوں گے اور وہیں سے شیطان کا سر نمودار ہوگا۔‘‘

- سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا: اے اہل عراق! تعجب ہے کہ تم زیادہ صغائر کے بارے میں سوال کرتے ہو اور کبائر کا ارتکاب کرتے ہو۔ میں نے اپنے والد عبداللہ بن عمر کو فرماتے ہوئے سنا، وہ کہہ رہے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: ((اِنَّ الْفِتْنَةَ تَجِيْءُ مِنْ هٰهُنَا .)) فتنے یہاں سے آئیں گے، پھر آپ نے مشرق کی سمت اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا اور فرمایا: ((مِنْ حَيْثُ يَطْلُعُ قَرْنَا الشَّيْطَانِ)) [3] جہاں سے شیطان کے سینگ سر نمودار ہوتے ہیں۔
- اسی طرح بعض روایات میں ان مقامات کے باشندوں اور قبیلوں کی طبائع اور خصلتوں کا ذکر ہے، چنانچہ ابومسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی طرف اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا اور فرمایا:

((اَلْاِيْمَانُ يَمَانٍ ، هَاهُنَا ، وَ إِنَّ الْقَسْوَةَ وَ غِلَظَ الْقُلُوْبِ فِي الْفَدَادِيْنَ عِنْدَ أُصُولِ أَذْنَابِ الْإِبِلِ حَيْثُ يَطْلُعُ قَرْنَا الشَّيْطَانِ فِيْ رَبِيْعَةَ وَ مُضَرَ .)) [4]

’’ایمان تو ادھر ہے یمن میں، ہاں اور قساوت اور سخت دلی ان لوگوں میں ہے جو اونٹوں کی دمیں پکڑ کر چلاتے رہتے ہیں، جہاں سے شیطان کے سینگ نمودار ہوتے ہیں، یعنی ربیعہ اور مضر کی قوموں میں۔‘‘

مختصر یہ کہ مذکورہ تمام روایتیں اس بات کی قطعی دلیل ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قول ((اَلْفِتْنَةُ هٰهُنَا .)) سے بلاد مشرق مراد لے رہے تھے حتیٰ کہ آپ نے بعض مقامات اور وہاں کے قبائل کی نشان دہی بھی کر دی، پس شیعہ و روافض کا یہ دعویٰ یکسر غلط ثابت ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ اور مراد حجرۂ عائشہ تھا۔ یہ بالکل ناقابل توجہ اور غیر معتبر رائے ہے۔ شیعہ اور روافض کے علاوہ کسی نے اس حدیث کا یہ مفہوم کبھی نہیں لیا۔ [5]

۱۰۔ عائشہ، خدیجہ اور فاطمہ رضی اللہ عنہن کے مابین تقابل:

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’مجموعی طور سے اس امت کی خواتین میں سب سے افضل خدیجہ، عائشہ اور فاطمہ رضی اللہ عنہن ہیں،

---

[1] نجد کا علاقہ مشرق کی سمت میں پڑتا ہے اور مدینہ سے مشرق میں نجد عراق پڑتا ہے۔
[2] صحيح البخاري، حديث نمبر (٧٠٩٤).
[3] صحيح مسلم/ الفتن من المشرق (٤/ ٢٢٢٩).
[4] صحيح البخاري، حديث نمبر (٣٣٠٢).
[5] الانتصار للصحب و الآل ص (٤٥٥).

البتہ ان میں کون کس سے افضل ہے یہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے۔'' [1]

اسی طرح آپ رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ خدیجہ اور عائشہ میں کون کس سے افضل ہے؟ تو آپ نے جواب دیا: شروع اسلام میں خدیجہ رضی اللہ عنہا کی اسلام کی طرف پیش قدمی، اس سے لگاؤ اور اس کی نصرت و تائید آپ کی ایسی خصوصیت ہے جس میں عائشہ رضی اللہ عنہا اور دیگر امہات المومنین شریک نہیں ہیں، اسی طرح عہد نبوت کے بعد کے اسلامی دور میں عائشہ رضی اللہ عنہا کی دینی لگاؤ، اس کے لیے تڑپ، اسے امت محمدیہ تک پہنچانا اور اس میں گہرائی و گیرائی کا جو ملکہ آپ کو ملا اس میں خدیجہ رضی اللہ عنہا اور دیگر امہات المومنین شریک نہیں، یہ سب آپ کی امتیازی خصوصیات میں سے تھیں۔ [2]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''فاطمہ کی افضلیت متفق علیہ ہے، البتہ عائشہ اور خدیجہ رضی اللہ عنہما میں کون کس سے افضل ہے اس سلسلے میں اختلاف ہے۔'' [3]

آپ رحمہ اللہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جس میں ہے کہ جبریل علیہ السلام نبی ﷺ کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ خدیجہ کو ان کے رب کا اور میرا سلام کہہ دیجیے۔ [4] کی شرح میں لکھتے ہیں کہ سہیلی نے فرمایا: اس واقعہ سے ابوبکر بن داؤد نے عائشہ رضی اللہ عنہا پر خدیجہ کی فضیلت کے لیے استدلال کیا ہے، بایں طور کہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر جبریل علیہ السلام نے اپنا سلام عرض کیا تھا، جب کہ خدیجہ کو ان کے رب نے سلام کہا۔ اور ابن العربی کا خیال ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر خدیجہ رضی اللہ عنہا کی افضلیت میں کوئی اختلاف نہیں ہے، حالانکہ آپ کا یہ خیال غلط ہے، اس لیے کہ یہ ایک قدیم اختلاف ہے، اگرچہ اس روایت سے اور دیگر روایات سے بھی خدیجہ رضی اللہ عنہا کی افضلیت ثابت ہو رہی ہے۔ [5]

مذکورہ خواتین کے مابین افضلیت کے باب میں وارد شدہ نصوص پر دقیق نظر اور تحقیقی مطالعہ کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ ان میں سب سے افضل خدیجہ ہیں، پھر فاطمہ، پھر عائشہ رضی اللہ عنہا، اس لیے کہ تین روایات سے خدیجہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت علی الاطلاق ثابت ہو رہی ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

((لَقَدْ فُضِّلَتْ خَدِيْجَةُ عَلَى نِسَاءِ أُمَّتِي .)) [6]

''خدیجہ کو میری امت کی خواتین پر فضیلت دی گئی ہے۔''

---

[1] مجموع الفتاوٰی (٤/ ٣٩٤) اور پھر اگر حجرہ عائشہ رضی اللہ عنہا مرکز فتنہ تھا تو پھر وہ رسول اللہ ﷺ کا محبوب مسکن اور مدفن کیسے قرار پایا؟ (مترجم)

[2] مجموع الفتاوٰی (٤/ ٣٩٣) .

[3] فتح الباری (٧/ ١٠٩) .

[4] صحیح البخاری، حدیث نمبر (٣٨٢٠)

[5] فتح الباری (٧/ ١٣٩) .

[6] فتح الباری (٧/ ١٣٥) مجمع الزوائد (٩/ ٢٢٣) .

ایک دوسری روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((أَفْضَلُ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ خَدِيْجَةُ وَ فَاطِمَةُ وَ مَرْيَمُ وَاسِيَةُ .)) ❶

''خواتین جنت میں سب سے افضل خدیجہ، فاطمہ، مریم اور آسیہ ہیں۔''

ایک تیسری روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((حَسْبُكَ مِنْ نِسَاءِ الْعَالَمِيْنَ: مَرْيَمُ ابْنَةُ عِمْرَانَ، وَ خَدِيْجَةُ بِنْتُ خُوَيْلِدٍ، وَ فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ، وَ آسِيَةُ امْرَأَةُ فِرْعَوْنَ .)) ❷

''خواتین دنیا میں سے مریم بنت عمران، خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمد اور فرعون کی بیوی آسیہ تمھارے لیے نمونہ کے لیے کافی ہیں۔''

پس پہلی روایت میں ''امت'' کی اضافت یائے متکلم کی طرف ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ امت مسلمہ کی جملہ خواتین میں سب سے افضل خدیجہ ہیں اور دوسری روایت کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یہ واضح وصریح نص ہے اس میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں ہے۔'' ❹ جب کہ تیسری روایت کے الفاظ بھی امت کی خواتین میں خدیجہ کی علی الاطلاق افضلیت پر دلالت کرتے ہیں۔

اسی طرح خاص فاطمہ رضی اللہ عنہا کی افضلیت پر دلالت کرنے والی یہ حدیث ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((يَا فَاطِمَةُ أَلَا تَرْضِيْنَ أَنْ تَكُوْنِي سَيِّدَةَ نِسَاءِ الْمُؤْمِنِيْنَ، أَوْ سَيِّدَةَ نِسَاءِ هٰذِهِ الْأُمَّةِ .))❸

''اے فاطمہ! کیا تمھیں یہ پسند نہیں کہ تم مومن خواتین کی سردار، یا اس امت کی خواتین کی سردار بنو۔''

اور ایک روایت کے الفاظ ہیں کہ:

((سَيِّدَةَ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ .)) ❹ ''یعنی جنتی خواتین کی سردار۔''

پس یہ روایت واضح اور صریح ہے اور اس میں کسی تاویل کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔ اس حدیث کے الفاظ بصراحت یہ بتاتے ہیں کہ آپ امت مسلمہ کی خواتین اور اسی طرح جنتی خواتین کی سردار ہیں اور یہ ایسی فضیلت ہے جس میں فاطمہ اور ان کی والدہ رضی اللہ عنہما دونوں شریک ہیں، یعنی یہ دونوں امت مسلمہ کی خواتین میں سب سے افضل

---

❶ الاحسان / ابن حبان (۹/ ۷۳) صحیح الجامع / ألبانی (۱/ ۳۷۱).

❷ فضائل الصحابة (۲/ ۷۵۵) حدیث نمبر (۱۳۲۵) شیخ البانیؒ نے اس کی تصحیح کی ہے، دیکھیے: تخریج المشکوٰة (۳/ ۱۷٤٥).

❸ فتح الباری (۷/ ۱۳۵).

❹ صحیح البخاری، حدیث نمبر (٦٢٨٥).

❺ فتح الباری (۷/ ۱۰۵).

ہیں اور خواتین جنت میں بھی سب سے افضل ہیں، جیسا کہ نصوص حدیث میں وارد ہے۔ ❶

اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی افضلیت پر دلالت کرنے والی یہ حدیث ((فَضْلُ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيْدِ عَلَى سَائِرِ الطَّعَامِ))...... ''عائشہ کی تمام عورتوں پر فضیلت ایسے ہے جیسے ثرید کی فضیلت تمام کھانوں پر ہے۔'' تو اس حدیث کے الفاظ عائشہ رضی اللہ عنہا کی افضلیت مطلقہ پر دلالت نہیں کرتے، جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

> ''اس حدیث میں عائشہ رضی اللہ عنہا کی دیگر خواتین پر افضلیت کی صراحت نہیں ہے، اس لیے کہ دیگر کھانوں میں ثرید کی فضیلت صرف اس اعتبار سے ہے کہ اسے بنانا اور کھانا آسان اور لذیز ہوتا ہے اور یہی اس وقت کی سب سے عمدہ غذا تھی اور یہ خصوصیتیں اس بات کو مستلزم نہیں ہیں کہ ہر اعتبار سے یہ کھانا دیگر کھانوں سے افضل ہی ہو، بلکہ ممکن ہے کہ بعض دیگر اعتبارات سے دوسرے کھانے اس سے افضل ہوں۔'' ❷

تو معلوم ہوا کہ یہ حدیث امت مسلمہ کی تمام خواتین میں عائشہ رضی اللہ عنہا کی افضلیت کی دلیل ہے، لیکن خدیجہ اور فاطمہ رضی اللہ عنہما کے بعد، کیونکہ ان دونوں کے متعلق واضح اور صریح دلیل موجود ہے اور اسی دلیل نے عائشہ رضی اللہ عنہا کی افضلیت کو مقید کر دیا ہے۔ ❸

- عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث جس میں ہے کہ انھوں نے جب نبی ﷺ سے پوچھا: ''لوگوں میں آپ کو سب سے زیادہ محبوب کون ہیں؟'' تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''عائشہ''۔ ❹

حافظ ابن حبان نے اس حدیث کے بارے میں اشارہ کیا ہے کہ آپ ﷺ کا یہ جواب آپ کی ازواج مطہرات کے ساتھ مقید ہے، یعنی آپ ﷺ کی بیویوں میں آپ کو سب سے زیادہ محبوب عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں، چنانچہ آپ اپنی صحیح میں باب باندھتے ہیں: ((ذِكْرُ خَبَرٍ وَهِمَ فِي تَاوِيْلِهِ مَنْ لَمْ يُحْكِمْ صَنَاعَةَ الْحَدِيْثِ .)) (اس حدیث کا ذکر جس کی تاویل میں ان لوگوں کو وہم ہوا ہے جو فن حدیث کا ماہر نہیں ہیں) اور اس میں عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی حدیث اس طرح نقل کرتے ہیں: ''میں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! لوگوں میں آپ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟'' آپ نے جواب دیا: ''عائشہ'' میں نے کہا: ''میں عورتوں کے بارے میں نہیں پوچھ رہا ہوں بلکہ مردوں کے بارے میں میرا سوال ہے؟'' آپ نے فرمایا: ''ابوبکر'' یا فرمایا: ''ان کے باپ۔'' حافظ ابن حبان اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد یہ عنوان قائم کرتے ہیں: ((ذِكْرُ الْخَبَرِ الدَّالِ عَلَى أَنَّ يَخْرُجَ هٰذَا السُّوَالِ وَالْجَوابِ مَعًا كَانَ عَنْ أَهْلِهِ دُوْنَ سَائِرِ النِّسَاءِ مِنْ فَاطِمَةَ وَ

❶ العقيدة فی أهل البيت ص (۹۷).
❷ فتح الباری (۷/ ۱۰۷) نیز (٦/ ٤٤٧).
❸ العقيدة فی أهل البيت ص (۹۷).
❹ صحيح البخاری، حدیث نمبر (٤٣٥٨).

غَيْرِ هَا .)) (اس حدیث کا ذکر جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ سوال و جواب آپ کی بیوی سے متعلق تھا نہ کہ دیگر تمام عورتوں فاطمہ رضی اللہ عنہا وغیرہ سے متعلق) چنانچہ اس کے بعد آپ رحمہ اللہ اپنی ہی سند سے انس رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: ''لوگوں میں آپ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟'' آپ نے فرمایا: ''عائشہ'' آپ سے عرض کیا گیا کہ آپ کے اہل خانہ کے بارے میں ہم نہیں پوچھ رہے ہیں، تب آپ نے فرمایا: "فأبوها" ......''ان کے باپ'' ❶

بہر حال ان روایات کے اجمالی جائزہ سے یہ بات واضح ہوگئی کہ فضل ومنقبت رکھنے میں عائشہ رضی اللہ عنہا کا مقام خدیجہ اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بعد ہے، اس لیے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمومی افضلیت پر دلالت کرنے والی جو دلیل بھی وارد ہے وہ خدیجہ اور فاطمہ کی افضلیت میں وارد شدہ روایات سے مقید ہے۔ ہر چند کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی افضلیت خدیجہ اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بعد ہے، لیکن علم وبصیرت کے میدان میں آپ رضی اللہ عنہا کا جو مقام ہے وہ فاطمہ اور خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بالمقابل آپ ہی کا حصہ ہے، لیکن فضائل میں کسی خصوصیت کے ثبوت سے مطلق افضلیت لازم نہیں آتی۔ ❷
بہر حال ان خواتین میں کسی کے کسی پر افضلیت پانے سے مفضولہ خاتون پر طعن و تشنیع کا جواز نہیں ملتا، بلکہ یہ ان تینوں خواتین یعنی خدیجہ، فاطمہ اور عائشہ رضی اللہ عنہا کے بلند مرتبہ ہونے کی دلیل ہے، اس لیے کہ یہ اختلاف انھیں امت کی افضل ترین خواتین کی فہرست سے خارج نہیں کرتا بلکہ مجموعی اعتبار سے امت مسلمہ کی تمام خواتین پر ان تینوں کی افضلیت ثابت کرتا ہے، اگر فضل ورتبہ میں عائشہ رضی اللہ عنہا کو امت کی خواتین میں تیسرا ہی درجہ مل رہا ہے تو اس میں آپ کی کون سی ہتک ہو رہی ہے، یہ تو ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کا احترام و تقدس داعی ہے نہ کہ انھیں طعن و تشنیع کے ذریعے سے اپنی بد طینتی کا ہدف بنانے کا جیسا کہ شیعہ وروافض کر رہے ہیں۔ ❸

کیا ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے جنگ جمل میں مسلمانوں کی خون ریزی کو حلال کیا تھا؟

یہ بات گزر چکی ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا اس مقصد سے ہرگز نہیں نکلی تھیں اور نہ آپ نے قتال کا ارادہ کیا تھا، امام زہری رحمہ اللہ آپ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ انھوں نے جنگ جمل کے بعد فرمایا:

''میں چاہتی تھی کہ میرا وجود لوگوں کے درمیان ایک رکاوٹ بن کر حائل ہو جائے، میں نہیں گمان کرتی تھی کہ لوگوں میں قتال ہوگا، اگر مجھے اس کا علم ہوتا تو میں کبھی یہ قدم نہ اٹھاتی۔'' ❹

پس اس قدر صریح اور صحیح روایات کے ہوتے ہوئے یہ کہنا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے مسلمانوں کا قتال حلال کر دیا تھا، یکسر غلط ہے۔ ایسی باتوں کی اساس شیعہ و روافض کی وضع کردہ وہ روایات ہیں جنھوں نے اسلام کی ابتدائی تاریخ کو مسخ کرنے کی کوشش کی ہے اور یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ اور طلحہ، زبیر، عائشہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے درمیان جو

---

❶ الإحسان بترتيب صحيح ابن حبان (٩/ ١١). ❷ فتح الباري (٧/ ١٠٨) العقيدة في أهل البيت ص (٩٨).
❸ الانتصار للصحب والآل ص (٤٦١). ❹ المغازي / الزهري ص (١٥٤).

محاذ آرائی ہوئی وہ خانہ جنگی تھی۔ بعض مصنّفین ایسی باتوں سے زیادہ ہی متاثر ہوئے اور انھوں نے یہاں تک لکھ ڈالا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے مقصد (یعنی لڑائی کے ارادہ) کو چھپائے رکھا۔ یہ مصنّفین اس مسئلہ کو ایک ''منظّم خانہ جنگی'' تصور کرتے ہیں، لیکن ہمیں ان پر برافروختہ ہونے کی چنداں ضرورت نہیں ہے، کیونکہ اس سلسلہ میں جو بھی مصنف یا قلم کار اس موضوع کی مجروح وموضوع روایات سے معلومات حاصل کرے گا اور "الامامة و السیاسة"، "کتاب الاغانی"، "مروج الذهب"، "تاریخ الیعقوبی" اور جارج زیدان کی "تاریخ التمدن الاسلامی" جیسی غیر معتمد کتابوں پر اعتماد کرے گا اس کے نوک قلم سے ایسی باتوں کا صادر ہونا ایک طبعی چیز ہے۔[1]

ایک حدیث کی تحقیق:

سیّدہ عائشہ اور علی رضی اللہ عنہما کے درمیان لڑائی کے متعلق بعض لوگوں کے یہاں ایک روایت مشہور ہے:

((تُقَاتِلِيْنَ عَلِيًّا وَ أَنْتِ لَهُ ظَالِمَةٌ .))

''تم علی سے قتال کروگی، اس حال میں کہ تم ہی ظالم ہوگی۔''

یہ ایسی روایت ہے جس کا حدیث کی کسی معتمد کتاب میں کہیں وجود نہیں اور نہ ہی اس کی کوئی سند ہے، چہ جائے کہ ہم اسے جھوٹی اور من گھڑت روایات کے قریب ترین کہیں، قطعیت سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ روایت سراسر جھوٹ ہے، اس لیے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے نہ قتال کیا اور نہ اس کے لیے نکلی تھیں، آپ کے نکلنے کا مقصد صرف ایک تھا، یعنی لوگوں کے درمیان مصالحت، نہ خود لڑائی میں شریک ہوئیں، نہ کسی کو لڑنے کا حکم دیا، اخبار و روایات کے معرفت رکھنے والے کئی ایک علما نے یہی بات کہی ہے۔[2]

سیّدنا علی، عائشہ رضی اللہ عنہا کو بحفاظت احترام و اعزاز سے ان کے گھر (مدینہ) پہنچاتے ہیں:

جنگ ختم ہوجانے کے بعد علی رضی اللہ عنہ نے عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے سواری، دیگر ضروریات اور زاد سفر مہیا کیا، ان کے ساتھ جو لوگ بصرہ آئے تھے اور بچ گئے تھے اور جانے کو تیار تھے، ان کو بھی تیار کیا، البتہ ان میں سے جن لوگوں نے بصرہ میں قیام کو پسند کیا وہ رک گئے، آپ نے بصرہ کی معروف و مشہور چالیس عورتوں کو بھی عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ روانہ کیا اور محمد بن ابوبکر سے کہا: اپنی بہن کے ساتھ سفر کی تیاری کرو، جب کوچ کا دن آیا تو علی رضی اللہ عنہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھیں رخصت کرنے کے لیے کھڑے ہوئے، لوگ بھی حاضر ہوئے، عائشہ رضی اللہ عنہا باہر تشریف لائیں اور لوگوں کو رخصت کیا، اس وقت آپ رضی اللہ عنہا نے لوگوں سے فرمایا: اے میرے بیٹو! ہم جلد بازی میں

[1] تفصیل کے لیے دیکھیں: دراسة و تحليل للعهد النبوى الأصيل / تاليف: محمد جميل زينو اور الجزبية السياسة، تأليف: رياض عيسىٰ، نیز "الحريم السياسى، النبى والنساء، اور الدولة العربية، تاليف: فلهوزن، بحواله دور المرأة السياسى ص (٤٤٢).

[2] منهاج السنة (٢/ ١٨٥).

ایک دوسرے کے خلاف کھڑے ہوگئے، آئندہ ہمارے ان اختلافات کے باعث کوئی شخص ایک دوسرے پر زیادتی نہ کرے، اللہ کی قسم! میرے اور علی کے درمیان شروع سے کوئی اختلاف کبھی نہ تھا، البتہ عورت اور اس کے سسرالی رشتہ داروں کے درمیان جو بات عام طور سے ہوا کرتی ہے وہی تھی۔ فی الحقیقت وہ میرے نزدیک نیک اور اچھے آدمی ہیں، اس کے بعد علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے مخاطب ہوکر فرمایا: ''اے لوگو! اللہ کی قسم ام المومنین نے سچ فرمایا اور اچھی بات کہی، میرا اور ان کا اختلاف واقعتاً اسی قسم کا تھا، اور عائشہ رضی اللہ عنہا دنیا و آخرت میں تمھارے نبی ﷺ کی زوجہ ہیں۔''

بہرحال آپ رضی اللہ عنہا نے شروع رجب ۳۶ھ بروز ہفتہ بصرہ سے کوچ کیا، کئی میل تک علی رضی اللہ عنہ انھیں چھوڑنے آئے اور اپنے بیٹوں کو حکم دیا کہ ایک دن تک ام المومنین کا ساتھ دینے کے بعد واپس آئیں۔ [1] عائشہ رضی اللہ عنہا کے تئیں علی رضی اللہ عنہ کے اس کریمانہ برتاؤ سے ہم بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کے اس فرمان کو کتنے عمدہ انداز میں نبھایا کہ ((اِنَّهُ سَيَكُوْنُ بَيْنَكَ وَ بَيْنَ عَائِشَةَ أَمْرٌ)) تمھارے اور عائشہ کے درمیان تلخی ہوسکتی ہے۔ علی رضی اللہ عنہ نے حیرت سے پوچھا: اے اللہ کے رسول مجھ سے اور ان سے؟ آپ نے فرمایا: نعم، ہاں۔ علی رضی اللہ عنہ نے پھر پوچھا: میرے اور ان کے درمیان؟ آپ نے فرمایا: نعم، ہاں۔ تب علی رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول تب تو میں سب سے بدبخت نکلا، آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَا ، وَ لٰكِنْ إِذَا كَانَ ذَلِكَ فَارْدُدْهَا إِلَى مَأْمَنِهَا .)) [2]

''نہیں، جب وہ صورت پیش آجائے گی تو عائشہ کو ان کے گھر تک پہنچا دینا۔''

واضح رہے کہ اس مقام پر کچھ لوگ یہ کہہ کر غلطی کر بیٹھتے ہیں کہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا واقعۂ افک میں علی رضی اللہ عنہ کے موقف سے کبیدہ خاطر تھیں اور اس کا انتقام لینا چاہتی تھیں، کیونکہ جب منافقین نے آپ رضی اللہ عنہا کی دامن عزت کو نشانہ بنایا تھا تو نبی اکرم ﷺ نے آپ کو جدا کرنے کے بارے میں علی رضی اللہ عنہ سے مشورہ لیا تھا، تو آپ نے مشورہ دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ اے اللہ کے رسول! اللہ نے آپ کے لیے راستہ کھول رکھا ہے، ان کے علاوہ بہت سی عورتیں ہیں، اور اگر آپ باندی سے دریافت کریں تو وہ آپ کو سچ سچ بتائے گی۔ [3]

حالانکہ آپ کا یہ مشورہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی رنجش کی بنا پر نہ تھا، بلکہ آپ نے قصداً نبی اکرم ﷺ کے پہلو کو ترجیح دی تھی کیونکہ آپ ﷺ انتہائی غیرت مند انسان تھے، چنانچہ علی رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ایک بے ہودہ تہمت کی وجہ سے آپ ﷺ شدید رنج و غم جھیل رہے ہیں، تو آپ نے سوچا کہ فوری طور پر عائشہ رضی اللہ عنہا کی جدائی آپ کے رنج والم کو ہلکا کرسکتی ہے، اس لیے مناسب ہے کہ جب تک عائشہ کی براءت ثابت نہ ہوجائے انھیں اپنی زوجیت

---

[1] تاریخ الطبری (٥/ ٥٨١).

[2] مسند أحمد (٦/ ٣٩٣) اس کی سند حسن ہے۔

[3] صحیح البخاری، حدیث نمبر (٤٧٨٦).

سے جدا کر رکھیں۔ علی رضی اللہ عنہ کے اس مشورہ سے ایک اصولی بات سمجھ میں آتی ہے کہ وہ یہ کہ دو برائیوں میں سے بڑی برائی کو دور کرنے کے لیے چھوٹی برائی کا ارتکاب کیا جا سکتا ہے۔ (1)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے سوچا کہ نبی ﷺ کے لیے مصلحت کا تقاضا یہی ہے کہ آپ عائشہ رضی اللہ عنہا کو جدا کر دیں، آپ اس نتیجہ پر اس وقت پہنچے جب دیکھا کہ رسول اکرم ﷺ سخت الجھن سے دوچار ہیں، بنابریں آپ نے نبی اکرم ﷺ کی تسکین خاطر کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ کے لیے مکمل خیر خواہی کا ثبوت دیا۔ (2) دوسری طرف علی رضی اللہ عنہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں کوئی ایک حرف بھی ایسا نہیں استعمال کیا جس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہو کہ آپ نے عائشہ رضی اللہ عنہا کے اخلاق و کردار کو ہدف ملامت بنایا ہو، یا آپ کی شان میں گستاخی کی ہو، آپ نے ایک طرف نبی اکرم ﷺ کو یہ مشورہ دیا کہ اللہ نے آپ کے لیے راستہ کھول رکھا ہے، تو دوسری طرف اس کے فوراً بعد خیر خواہی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا: اور آپ باندی سے پوچھ لیں وہ آپ کو حقیقت حال بتائے گی۔ (3) گویا آپ نے جدا کرنے سے پہلے حقیقت حال معلوم کر لینے کا مشورہ دیا، چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے اس لونڈی سے پوچھا جو کہ بیشتر اوقات میں عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ رہتی تھی، اور اس نے بتایا اور یقین دلایا کہ میں عائشہ کے بارے میں صرف خیر ہی جانتی ہوں۔ پھر اللہ کے رسول ﷺ نے اسی دن باہر نکلے، اور عبداللہ بن ابی سے بدلہ لینے پر مسلمانوں کو ابھارتے ہوئے کہا:

((یَـا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِیْنَ مَنْ یَعْذُرُنِيْ مِنْ رَجُلٍ بَلَغَنِي أَذَاهُ فِي أَهْلِ بَيْتِيْ ، فَوَاللّٰهِ مَا عَلِمْتُ عَلَى أَهْلِيْ إِلَّا خَيْرًا .)) (4)

"اے مسلمانو! کون ہے جو اس شخص سے میرا بدلہ لے جس نے میرے گھر والوں (بیوی) کے بارے میں مجھے تکلیف پہنچائی ہے، اللہ کی قسم! میں اپنی بیوی میں بھلائی کے سوا اور کچھ نہیں دیکھتا۔"

اگر غور کیا جائے تو علی رضی اللہ عنہ کا مشورہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے مفاد میں نظر آتا ہے، اس لیے کہ ان کے مشورہ کے بعد جب نبی ﷺ نے لونڈی سے دریافت کیا تو اپنی بیوی کے بارے میں آپ کو پہلے سے جس خیر کی توقع تھی اس میں مزید اطمینان و یقین حاصل ہو گیا۔ (5) ایسی بات ہرگز نہیں ہے کہ واقعۂ افک میں علی رضی اللہ عنہ کے موقف نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو کبیدہ خاطر کیا ہو اور آپ اس کی وجہ سے علی پر ناراض رہی ہوں، یا ان کے خلاف کینہ و نفرت کی بنیاد پر انھیں قصداً قتل عثمان میں ملوث کر دیا ہو۔ اور پھر مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ آپ کے خلاف علم بغاوت لے کر اٹھ کھڑی ہوئی ہوں، جیسا کہ روافض کی جھوٹی روایات سے متاثر بہت سے مولفین کا خیال ہے۔

---

(1) دور المرأة السياسی ص (٤٦٢) .
(2) شرح النووی علی صحیح مسلم (٥/ ٦٣٤) .
(3) صحیح البخاری ، حدیث نمبر (٤٧٨٦) .
(4) صحیح البخاری ، حدیث نمبر (٤٧٨٦) .
(5) دور المرأة السياسی ص (٤٦٢) .

جنگ جمل پر احساس ندامت:

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اسی طرح بیشتر گزرے ہوئے مسلمانوں نے اپنی باہمی قتال و جدال پر احساس ندامت ہوتی، چنانچہ طلحہ رضی اللہ عنہ نادم ہوئے اور زبیر و علی رضی اللہ عنہما وغیرہ بھی نادم ہوئے۔ جنگ جمل کے دن ان لوگوں نے لڑائی کا ارادہ نہیں کیا تھا، پس اچانک اور غیر ارادی طور پر یہ حادثہ رونما ہوا تھا۔'' [1] اس کے دلائل یہ ہیں کہ:

- جب امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ تلواریں لوگوں کو کاٹ رہی ہیں تو فرمایا: کاش کہ میں آج سے بیس سال پہلے مر گیا ہوتا۔ [2]
- نعیم بن حماد اپنی سند سے حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے سلیمان بن صرد سے کہا: جب جمل کی لڑائی شدت اختیار کر گئی تو میں نے دیکھا کہ علی رضی اللہ عنہ میرے پاس آئے اور کہنے لگے: اے حسن! میں چاہتا ہوں کہ کاش آج سے بیس سال قبل مر گیا ہوتا۔ [3]
- حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے کچھ اور کرنا چاہا تھا، لیکن یکے بعد دیگرے حادثات پیش ہوتے گئے اور آپ کو ان سے نکلنے کا موقع نہ مل سکا۔ [4]
- سلیمان بن صرد، حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ جب علی رضی اللہ عنہ کی نگاہ تلواروں پر پڑی کہ وہ لوگوں میں اتر چکی ہیں تو آپ کو کہتے ہوئے سنا: اے حسن! کیا یہ سب ہم میں ہو رہا ہے؟ اے کاش کہ اس سے بیس سال قبل اور بعض روایات میں ہے کہ چالیس سال قبل مر گیا ہوتا۔ [5]

جنگ صفین ۳۷ھ

معرکے کا پس منظر

ا۔ ام المومنین ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے، عثمان رضی اللہ عنہ کی قمیص دے کر نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما کو معاویہ رضی اللہ عنہ اور شام والوں کے پاس بھیجا:

جب سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیے گئے تو ام المومنین ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر والوں کو پیغام بھیجا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کا وہ کپڑا جس میں آپ کی شہادت ہوئی ہے، میرے پاس بھیج دو، ان لوگوں نے خون میں لت پت آپ کی وہ قمیص اور داڑھی کے اکھاڑے ہوئے بال ام المومنین اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا

---

1. المنتقیٰ من منهاج الاعتدال فی نقض کلام أهل الرفض و الاعتزال / محی الدین الخطیب ص (۲۲۲).
2. الفتن/ نعم بن حماد (۱/ ۸۰).
3. ایضًا.
4. ایضًا (۱/ ۸۱).
5. احداث و احادیث فتنة الهرج ص (۲۱۷).

دیے، پھر آپ نے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما کو بلایا اور انھیں وہ کپڑا دے کر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا، چنانچہ وہ قمیص اور آپ کا خط لے کر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس روانہ ہو گئے۔ ❶

۲۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کی عدم بیعت کے اسباب و محرکات:

معاویہ رضی اللہ عنہ عہد فاروقی اور عہد عثمانی میں شام کے گورنر تھے، جب علی رضی اللہ عنہ نے خلافت سنبھالی تو انھیں معزول کر کے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو وہاں کا گورنر بنانا چاہا، لیکن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے معذرت کر دی، علی رضی اللہ عنہ نے ان کی معذرت پر ان کے بدلے سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کو بھیجا، لیکن ابھی آپ شام کی سرحد وادی القریٰ میں پہنچے ہی تھے کہ وہیں سے آپ کو واپس لوٹنا پڑا، کیونکہ معاویہ رضی اللہ عنہ کا ایک شہ سوار دستہ جس کی قیادت حبیب بن مسلمہ الفہری کر رہے تھے، اس نے آپ کو پکڑ لیا اور کہا: اگر تمھیں عثمان نے بھیجا ہے تو خوش آمدید اور اگر کسی دوسرے نے بھیجا ہے تو یہیں سے واپس چلے جاؤ۔ ❷

معاویہ رضی اللہ عنہ اور باشندگان شام نے علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر بیعت کرنے سے انکار کر دیا، کیونکہ ان کا خیال تھا کہ علی رضی اللہ عنہ پہلے قاتلین عثمان سے قصاص لیں پھر یہ لوگ بیعت میں شامل ہوں گے۔ ❸ اور کہا: جو شخص قاتلوں کو پناہ دے رہا ہو ہم اس پر بیعت نہیں کرتے۔ ❹

۳۔ اہل شام سے جنگ کے لیے علی رضی اللہ عنہ کی فوجی تیاری اور اس پر حسن رضی اللہ عنہ کا اعتراض:

معاویہ رضی اللہ عنہ کے جوابی تحریریں پڑھنے کے بعد علی رضی اللہ عنہ نے اہل شام سے جنگ کرنے کی ٹھان لی، مصر کے امیر قیس بن سعد کو لکھا کہ لوگوں کو جنگ کے لیے تیار کریں، کوفہ میں ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کا نام بھی اسی طرح کا خط لکھا اور عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کو بھی یہی کہلوا بھیجا، خود لوگوں کو خطاب کیا، انھیں جنگ پر ابھارا، فوجی تیاری کا پختہ عزم کر لیا، پھر مدینہ میں قثم بن عباس رضی اللہ عنہما کو اپنا نائب بنا کر وہاں سے نکل پڑے، آپ اس بات کے لیے عازم تھے کہ جس نے بھی معاویہ کی بات مانی اور میری اطاعت نہ کی اور لوگوں کے ساتھ میری بیعت میں شرکت نہ کی میں اس سے ضرور قتال کروں گا، ٹھیک اسی موقع پر آپ کے صاحبزادے حسن بن علی رضی اللہ عنہما آپ کے پاس آئے اور کہا: اے ابا محترم! یہ سب چھوڑیے، اس میں مسلمانوں کی خون ریزی ہوگی اور ان میں اختلاف بڑھیں گے، لیکن علی رضی اللہ عنہ نے ان کی ایک نہ سنی اور جنگ کے ارادے پر قائم ہی رہے، آپ نے فوج کو مرتب کیا، جنگ کا علم محمد بن الحنفیہ کے ہاتھ میں دیا، ابن عباس رضی اللہ عنہما کو میمنہ اور عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہما کو میسرہ پر مقرر کیا، یہ بھی کہا گیا ہے کہ عمرو بن سفیان بن عبدالاسد کو میسرہ پر مقرر کیا۔ مقدمہ پر ابولیلیٰ عمر بن جراح یعنی ابوعبیدہ کے بھتیجے کو رکھا، اور قثم بن عباس رضی اللہ عنہما کو مدینہ

---

❶ تاريخ الإسلام/ عهد الخلفاء الراشدين ص (٥٣٩).

❷ تاريخ الطبرى (٥/ ٤٦٦). ❸ البداية والنهاية (١٧/ ١٢٩).

❹ العواصم من القواصم ص (١٦٢).

میں اپنا نائب مقرر کیا، اب صرف مدینہ سے شام کی طرف کوچ کرنا باقی تھا کہ اسی درمیان دوسرے واقعات رونما ہوگئے اور آپ اس میں مشغول ہوگئے۔ [1] ان واقعات کی تفصیل پچھلے صفحات میں گزر چکی ہے، یعنی کہ اسی دوران عائشہ، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم کی بصرہ روانگی کی آپ کو خبر ملی اور اس کے نتیجہ میں جنگ جمل پیش آئی۔

۴۔ جنگ جمل کے بعد امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ جریر بن عبداللہ کو معاویہ رضی اللہ عنہما کے پاس بھیجتے ہیں:

بیان کیا گیا ہے کہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آغاز سے لے کر سبائیوں کے دوسرے فتنہ معرکۂ جمل کے درمیان پانچ مہینے اکیس دن کے فاصلے رہے اور معرکہ جمل کے بعد کوفہ منتقل ہونے کے درمیان ایک مہینا کی مدت کا فاصلہ رہا، جب کہ کوفہ پہنچنے کے بعد معرکۂ صفین کے ظہور تک چھ مہینوں [2] اور بعض روایات کے مطابق دو یا تین مہینوں [3] کا فاصلہ رہا۔

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ ۱۲ / رجب ۳۶ھ میں بروز پیر کوفہ پہنچے، آپ کی آمد پر آپ سے کہا گیا: قصر ابیض میں تشریف رکھیں، آپ نے فرمایا، نہیں، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے وہاں اترنا ناپسند کرتے تھے، میں بھی اسے پسند نہیں کرتا ہوں، چنانچہ آپ رحبہ میں اترے، وہاں کی جامع اعظم میں دو رکعت نماز پڑھی، پھر لوگوں سے خطاب کیا، انھیں خیر کی دعوت دی، برائیوں سے روکا اور اس ابتدائی خطاب میں اہل کوفہ کو سراہا۔

پھر جریر بن عبداللہ البجلی کو جو کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد سے ہمدان کے گورنر تھے اور اشعث بن قیس کو جو کہ عہد عثمان رضی اللہ عنہ سے آذربائیجان کے امیر تھے، انھیں پیام بھیجا کہ وہاں کے لوگوں سے ہماری خلافت پر بیعت لیں اور یہاں آجائیں۔ چنانچہ ان دونوں نے ایسا ہی کیا، پھر جب علی رضی اللہ عنہ نے معاویہ کے پاس کسی کو بھیج کر اپنی خلافت پر بیعت لینے کا ارادہ کیا تو جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ نے کہا: اے امیر المومنین! میں ان کے پاس جاتا ہوں، کیونکہ میرے اور ان کے درمیان گہرے تعلقات اور دوستی ہے، میں ان سے آپ کے لیے بیعت لوں گا، تب تک اشتر بول اٹھا کہ اے امیر المومنین! انھیں نہ بھیجیے، مجھے خدشہ ہے کہ کہیں یہ بھی اسی کے موافق نہ ہو جائیں، لیکن علی رضی اللہ عنہ نے کہا: جانے دو، چنانچہ آپ نے انھیں ایک خط دے کر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا اور اس میں اطلاع دی کہ تمام مہاجرین وانصار میری بیعت پر متفق ہیں اور جنگ جمل میں جو کچھ ہوا وہ تمھارے سامنے ہے، اس طرح آپ رضی اللہ عنہ نے انھیں بیعت کرنے کی دعوت دی، جب جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ خط لے کر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور انھیں خط دیا تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور دیگر اکابرین شام کو بلایا، پھر ان سے مشورہ کیا، لیکن سب نے قاتلین عثمان کے قتل کر دیے جانے یا انھیں سونپ دیے جانے تک بیعت نہ کرنے کا مشورہ دیا اور کہا کہ اگر علی رضی اللہ عنہ ایسا نہیں کرتے تو ان سے قتال کی جائے اور ان سے مرتے دم تک بیعت نہ کی جائے۔ جریر رضی اللہ عنہ علی رضی اللہ عنہ کے پاس اس

---

[1] البداية والنهاية (۷/ ۲٤۰، ۲٤۱).

[2] مروج الذهب (۲/ ۳٦۰). [3] التاريخ الصغير/ البخاري (۱/ ۱۰۲).

واقعہ کی تفصیل لے کر واپس آئے تو اشتر نے کہا: اے امیر المومنین کیا میں نے آپ کو منع نہیں کیا تھا کہ جریر کو نہ بھیجیں؟ اگر آپ مجھے بھیجتے تو معاویہ جو بھی عذر کا دروازہ کھولتے میں اسے بند ہی کر دیتا۔ جریر رضی اللہ عنہ نے اشتر سے کہا: اگر وہاں میری جگہ تم ہوتے تو عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کے بدلے وہ سب تمھیں قتل کر دیتے، اس نے کہا: اگر آپ نے مجھے بھیجا ہوتا تو معاویہ کا جواب مجھے خاموش نہ کر پاتا اور میں انھیں سوچنے کا موقع نہ دیتا اور سنو! اگر تمھارے بارے میں امیر المومنین نے میری بات مان لی ہوتی تو تم کو اور تم جیسے دوسرے لوگوں کو اس وقت تک قید میں رکھتے جب تک کہ اس امت کا معاملہ درست نہ ہو جاتا۔ جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ غصہ سے اٹھ کھڑے ہوئے اور قرسیسیاء میں جا کر اقامت گزیں ہو گئے اور وہاں سے معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنی اور اشتر کی گفت وشنید سے باخبر کیا، پھر معاویہ رضی اللہ عنہ نے خط کے ذریعے سے انھیں اپنے پاس بلا لیا۔ [1]

اس طرح اشتر جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی جو کہ قرقیسیاء اور دیگر علاقوں کے امیر رہ چکے تھے اور اپنے قبیلہ بُجیلہ کے سردار تھے، انھیں بھگانے اور علی رضی اللہ عنہ سے جدائی پر مجبور کرنے کا سبب بنا، حالانکہ آپ وہی جریر بن عبداللہ البجلی صحابی ہیں جن کا بیان ہے کہ جب اللہ کے رسول ﷺ کی نگاہ مجھ پر پڑی آپ مسکرائے اور فرمایا:

((سَيَدْخُلُ عَلَيْكُمْ مِنْ هٰذَا الْبَابِ مِنْ خَيْرِ ذِي يَمَنٍ عَلَى وَجْهِهِ مَسْحَةُ مَلَكٍ .)) [2]

''اس دروازے سے تمھارے پاس یمن کا ایک بہترین آدمی آنے والا ہے، اس کے چہرے پر فرشتوں جیسی سادگی ہے۔''

۵۔ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی شام روانگی:

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے جنگ شام کے لیے مکمل تیاری کر لی، لوگوں کو اس میں شرکت کے لیے کہلا بھیجا۔ [3] اور بہت بڑی فوج مسلح کی، اس کی تعداد کتنی تھی اس سلسلے میں روایات مختلف ہیں۔ ساری روایات ضعیف ہیں۔ [4] صرف ایک روایت کی سند حسن درجہ ہے کہ جس میں ہے کہ آپ کے ساتھ پچاس ہزار کی مسلح فوج تھی۔ [5] مقام نخیلہ جو کہ اس وقت کوفہ سے دو میل کے فاصلہ پر تھا، وہاں پر آپ کی فوج اکٹھا ہوئی، پھر عراق کے مختلف صوبوں اور علاقوں سے دیگر قبائل کی فوجیں آ آ کر وہاں جمع ہوئیں۔ [6]

---

[1] البداية والنهاية (٧/ ٢٦٥) .
[2] مسند أحمد (٤/ ٨٤) باب فضل جرير بن عبدالله البجلي .
[3] الإصابة (١/ ١٢٣، ١٢٤) بحواله: الحاكم بسند حسن .
[4] بعض روایات میں ڈیڑھ لاکھ (البداية والنهاية ٧/ ٢٦) بعض میں ایک لاکھ بیس ہزار (المعرفة و التاريخ ٣/ ١٣) بسند منقطع، اور بعض میں ۹۰ ہزار کا ذکر ہے۔ تاریخ خليفة بن خياط ص (١٩٣)
[5] تاريخ خليفة بن خياط ص (١٩٣) اس کی سند حسن ہے۔
[6] خلافة على بن أبي طالب / عبدالحميد ص (١٨٨) .

۶۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا صفین کے لیے نکلنا:

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ قاتلین عثمان کو مات دینے میں بہت مستعد تھے، آپ ان مصری بلوائیوں کو مدینہ سے لوٹتے ہوئے گھیرنے میں کامیاب ہو گئے تھے جنھوں نے مدینہ پر ہلہ بولا تھا اور عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کر کے واپس لوٹ رہے تھے، انھیں میں سے ایک ابوعمرو بن بدیل الخزاعی بھی تھا۔ ❷ مزید برآں مصر میں آپ کے مویدین و مددگار بھی تھے جو عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کے بدلے کے طلب گار تھے۔ مصریوں میں سے ''خربتا'' والے جو کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہم خیال تھے انھوں نے اپنے مقابل میں محمد بن ابوحذیفہ کو ۳۶ھ کی مختلف جھڑپوں میں شکست بھی دی تھی، اسی طرح آپ رضی اللہ عنہ مدینہ پر ہلہ بولنے والے شاطر ذہن اور نمایاں کردار ادا کرنے والے سازشی مصریوں کو بھی ادھر دبوچ چکا تھا، مثلاً: عبدالرحمٰن بن عدیسی، کنانہ بن بشر اور محمد بن ابوحذیفہ وغیرہ اس میں پیش پیش تھے، آپ نے انھیں فلسطین میں قید کر دیا تھا اور پھر ذی الحجہ ۳۶ھ میں انھیں تہ تیغ کیا تھا، یہ اسی وقت کی بات ہے جب کہ آپ ابھی صفین کے لیے نہیں نکلے تھے۔ ❷

بہر حال جب معاویہ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ عراقی فوج مجھ سے جنگ کے لیے حرکت میں آ چکی ہے تو آپ نے شام کی سرکردہ شخصیتوں میں سے اپنے مشیروں کو بلایا اور ان کے درمیان تقریر کرتے ہوئے کہا: علی (رضی اللہ عنہ) اہل عراق کو لے کر تمھارے خلاف جنگ کے لیے متحد ہو چکے ہیں...... ذوالکلاع الحمیری رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر کہا: آپ ہمیں حکم دیں، ہم اسے انجام دیں گے۔ ❸ اہل شام معاویہ رضی اللہ عنہ پر اس بات پر بیعت کر چکے تھے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا بہر حال مطالبہ جاری رکھا جائے اگرچہ خون ریزی ہی کیوں نہ ہو۔ ❹ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ لشکر کے انتظام و انصرام اور پرچموں کے باندھنے میں لگ گئے، پھر لشکر میں خطبہ دینے کھڑے ہوئے اور انھیں خوب جوش دلایا۔ تقریر کرتے ہوئے کہا: اہل عراق نے اپنے اتحاد کو پارہ پارہ، اپنی قوت کو کمزور اور اپنی تلواروں کی دھاروں کو توڑ دیا ہے۔ اہل بصرہ بھی علی کے خلاف ہیں، کیونکہ انھوں نے ان کے اعزاء وغیرہ کو مار ڈالا ہے، جنگ جمل کے موقع پر دونوں یعنی اہل بصرہ اور اہل کوفہ کے صنادید ایک دوسرے کو فنا کے گھاٹ اتار چکے ہیں اور اب وہ علی نہایت تھوڑی سی جماعت لے کر لڑنے کے لیے چل نکلے ہیں۔ اس میں وہ لوگ بھی ہیں جنھوں نے تمھارے خلیفہ عثمان کو قتل کیا ہے۔ اے لوگو! اپنے حق کے مطالبہ میں اللہ سے ڈرو، کہیں اسے ضائع نہ کر دو اور اپنے خون کے بارے میں خبردار رہو کہیں یہ بے کار رائیگاں نہ جائے۔ ❺

---

❶ تاریخ الطبری (٥/ ٦٠٤).

❷ خلافة علی / عبدالحمید ص (١٩١).

❸ الإصابة (١/ ٤٨٠) خلافة علی ص (١٩١).

❹ أنساب الأشراف (٢/ ٥٢) اس کی سند منقطع ہے، خلافة علی ص (١٩٢)

❺ تاریخ الطبری (٥/ ٦٠١) اس کی سند منقطع ہے۔

اس طرح معاویہ رضی اللہ عنہ ایک بھاری بھرکم فوج لے کر چل پڑے، فوجیوں کی تعداد کے سلسلے میں روایات مختلف ہیں اور ساری روایات سنداً منقطع ہیں۔

۷۔ پانی پر جنگ:

دوسری طرف سے جب علی رضی اللہ عنہ کا لشکر صفین میں اترا، جہاں معاویہ رضی اللہ عنہ پہلے ہی پڑاؤ ڈال چکے تھے، تو وہاں آپ کو کوئی کشادہ اور ہموار زمین اتنی نہ مل سکی کہ آپ کی فوج کے لیے کافی ہو، اس لیے آپ نے کسی قدر سخت اور پتھریلی زمین پر اپنی فوج کا پڑاؤ ڈالا، کیونکہ وہاں کل بیشتر زمین سنگلاخ تھیں۔ ❶

عراقی فوج نے جب دیکھا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کے لیے پانی بند کر دیا ہے تو وہ گھبرا گئی اور بعض لوگ علی رضی اللہ عنہ کے پاس اس کی شکایت لے کر گئے۔ علی رضی اللہ عنہ نے اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ کو دو ہزار آدمیوں کے ساتھ لیے بھیجا، فریقین کے درمیان یہ پہلی جھڑپ تھی جس میں اشعث رضی اللہ عنہ بھاری پڑے اور پانی پر قبضہ کر لیا۔ ❷

۸۔ صلح کی کوششیں اور جنگ بندی کے آثار:

ماہ محرم جونہی شروع ہوا فریقین نے صلح کی امیدیں لے کر ایک دوسرے سے گفتگو کا دور شروع کر دیا، تا کہ مسلمانوں کا خون محفوظ رہے، یہ پورا مہینا گفتگو کے ادوار اور مراسلات میں گزر گیا، واضح رہے کہ اس پورے مہینا مراسلات کے بارے میں معلومات فراہم کرنے والی روایت ضعیف سندوں سے وارد ہے۔ ❸ جسے شہرت مل گئی ہے تاہم اس کی ضعف کی وجہ سے امکان کی نفی نہیں کی جا سکتی۔

مراسلت کا آغاز امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی طرف سے ہوا تھا، آپ نے بشیر بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ، سعید بن قیس ہمدانی اور شبث بن ربعی تمیمی کو معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا اور جس طرح اس سے قبل آپ نے انھیں مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہو جانے اور اپنے ہاتھوں پر بیعت کر لینے کی دعوت دی تھی، اس مرتبہ بھی وہی دعوت دی، لیکن معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس مرتبہ بھی سابقہ جوابوں کی طرح جواب دیا یعنی سب سے پہلے قاتلین عثمان ہمارے حوالے کیے جائیں یا ان سے قصاص لیا جائے، پھر ہم بیعت میں داخل ہوں گے۔ اس جواب کے متعلق علی رضی اللہ عنہ کا کیا موقف تھا اس کی وضاحت ہمارے سامنے آ چکی ہے۔ ❹

اسی طرح طرفین کے مقتدر علماء نے جو کہ بڑی تعداد میں تھے، صفین کے ایک کنارے پڑاؤ ڈال رکھا تھا، انھوں نے دونوں کے درمیان صلح کی مختلف کوششیں کیں، لیکن سب ناکام رہیں، کیونکہ فریقین کا کوئی بھی سربراہ اپنے موقف سے ہٹنے کو تیار نہ تھا۔ ❺

---

❶ خلافة علی بن أبی طالب / عبدالحمید ص (۱۹۴). ❷ مصنف ابن أبی شیبة (۱۵/ ۲۹۴) بسند حسن.
❸ تاریخ الطبری (۵/ ۶۱۲، ۶۱۳) خلافة علی ص (۱۹۹).
❹ تاریخ الطبری (۵/ ۶۱۳) خلافة علی بن أبی طالب (۱۹۹).
❺ تاریخ الطبری (۵/ ۶۱٤).

ابودرداء اور ابوامامہ رضی اللہ عنہما دوصحابہ نے فریقین میں مصالحت کرانے کی خاص طور پر کوششیں کیں، لیکن وہ دونوں بھی مذکورہ اسباب کی وجہ سے اپنی مہم میں ناکام رہے اور دونوں کا ساتھ چھوڑ کر الگ ہوگئے۔ ❶ اسی طرح کبار تابعین میں سے مسروق بن اجدع رحمہ اللہ نے ان دونوں کو سمجھایا اور ڈرایا، اور جب وہ نہ مانے تو آپ بھی لڑائی سے کنارے ہوگئے۔ ❶

جنگ کا آغاز

محرم کا مہینا گزر جانے کے بعد حالات پھر ویسے ہی ہوگئے جیسے ذی الحجہ کے مہینا میں تھے، یعنی چھوٹے چھوٹے فوجی دستوں کی کارروائی اور انفرادی مبارزت کا دور شروع ہوگیا، طرفین نے یہ انداز جنگ محض اس خطرہ کے پیش نظر اختیار کیا تھا کہ کہیں مکمل جنگ نہ شروع ہوجائے، اس طرح صفر کا پہلا ہفتہ گزر گیا، اس تاریخ تک طرفین کی طرف سے مذکورہ جنگی چالوں اور جھڑپوں کی تعداد ستر سے زیادہ ہوچکی تھی اور یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ تقریباً اس طرح کے نوے (۹۰) واقعات پیش آچکے تھے۔ ❸ لیکن تنگ آمد بجنگ آمد کے مصداق وہ وقت آگیا کہ علی رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر میں اعلان کردیا کہ کل بروز بدھ مکمل جنگ لڑی جائے گی اور معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی اس کی اطلاع دے دی۔ ❹ اس دن پوری رات لوگوں نے اپنے ہتھیاروں کو تیز اور درست کیا، عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اسلحہ خانہ سے اسلحہ نکال کر ان لوگوں کو دینے لگے جن کے اسلحوں کی دھاریں کند ہوگئی تھیں، آپ لوگوں کو جنگ میں مردانہ وار لڑنے کی تلقین کررہے تھے۔ ❺ اس طرح فریقین کے پورے لشکر نے پوری رات باہمی صلاح ومشوروں، قائدین کی تنظیم اور علم برداروں کی تعیین میں گزار دی۔

پہلا دن:

بدھ کے دن جب دونوں فوجوں نے صبح کی تو ان کی صف بندیاں منظم ہوچکی تھیں۔ بڑی بڑی جنگوں کی ترتیب پر اس جنگ کی بھی ترتیب ہوئی، قلب، میمنہ اور میسرہ سب کا تعین ہوا۔ علی رضی اللہ عنہ کی فوج کی شکل اس طرح تھی۔ ❻ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ قلب میں، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما میسرہ پر اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما پیادہ فوج پر تھے، محمد بن الحنفیہ رحمہ اللہ علم بردار تھے، ہشام بن عتبہ (المرقال) لواء کو اٹھائے ہوئے تھے اور اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ میمنہ پر تھے۔

جب کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی فوج کی تقسیم اس طرح تھی کہ آپ بحیثیت امیر لشکر ایک بلند ٹیلے پر شہباء نامی دستے

---

❶ البداية والنهاية (٧/ ٢٧٠). ❷ سير أعلام النبلاء (٤/ ٦٧) اس کی سند مذکور نہیں ہے۔
❸ الأبناء بتواريخ الخلفاء ص (٥٩) صفين ص (٢٠٢) شذرات الذهب (١/ ٤٥).
❹ البداية والنهاية (٧/ ٢٧٣). ❺ سنن سعيد بن منصور (٢/ ٢٤٠) اس کی سند ضعیف ہے۔
❻ تاریخ خلیفہ بن خیاط ص (۱۳۹) اس کی سند حسن ہے۔

میں موجود تھے۔ ذرہوں اور تلواروں سے مسلح فوجیوں پر مشتمل تھے، عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ شام کے تمام شہ سواروں کے قائد تھے، ذوالکلاع الحمیری رضی اللہ عنہ میمنہ پر اہل یمن کے اور حبیب بن مسلمہ الفہری رضی اللہ عنہ میسرہ پر اہل مصر کے امیر تھے، مخارق بن الصباح الکلاعی پرچم بردار تھے۔ [1] اسلامی فوجیں اب ایک دوسرے کے آمنے سامنے تھیں، ان کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ افق نظر نہ آتا تھا۔

عرب کے ایک شاعر کعب بن جعیل تغلبی [2] نے جب بدھ کی شام ہی کو کل کی لڑائی کے لیے لوگوں کو اپنے تیر درست کرتے اور تلواریں تیز کرتے دیکھا تو آپ نے یہ اشعار کہے:

أَصْبَحَتِ الْأُمَّةُ فِيْ أَمْرٍ عَجَبْ وَالْمُلْكُ مَجْمُوْعٌ غَدًا لِمَنْ غَلَبْ

''امت عجیب صورت حال سے دوچار ہے اور حکومت کل اس کی ہوگی جو غالب آئے۔''

فَقُلْتُ قَوْلًا صَادِقًا غَيْرَ كَذِبْ اِنَّ غَدًا تَهْلَكُ اَعْلَامُ الْعَرَبْ [3]

''میں نے سچی بات کہی جس میں جھوٹ کا شائبہ نہیں کہ کل عرب کے نامور (بہادر) ہلاک ہوں گے۔''

بعض ضعیف روایات میں ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر میں خطبہ دیا، انھیں جو پیش قدمی اور بکثرت ذکر الٰہی کی تلقین کیا۔ [4] یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کے پاس گئے اور انھیں صف بندی کا حکم دیا۔ [5]

بہر حال ان روایات کو تسلیم کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں ہے، کیونکہ ایسے وقت میں ہر قائد اپنے لشکر کو ابھارتا ہے، اسے جوش دلاتا ہے اور ہر وہ چیز جو کامیابی کا سبب بن سکے اسے اپناتا ہے۔

اب دونوں لشکر خطرناک لڑائی کی شکل میں ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو چکے تھے اور لڑائی پوری تیزی کے ساتھ سورج غروب ہونے تک جاری رہی، اگر درمیان میں رکی تو صرف نماز کے لیے جس میں ہر فریق اپنے لشکر گاہ میں جا کر نماز پڑھتا، میدان میں طرفین کے مقتولین کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں، علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کے ایک آدمی نے علی رضی اللہ عنہ سے جب وہ نماز سے واپس ہو رہے تھے پوچھا: اے امیر المومنین! آپ ہمارے اور ان کے مقتولین کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہم میں اور ان میں جو بھی قتل کر دیا گیا اور اس کی نیت اللہ کی رضا جوئی

---

[1] تاریخ خلیفہ بن خیاط ص (۱۳۹) اس کی سند حسن ہے۔

[2] اپنے زمانے میں تغلب کے مشہور شاعر رہے، آپ مخضرمی ہیں، معاویہ کے ساتھ صفین میں شرکت کی، آپ معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور اہل شام کے شاعر تھے۔ دیکھئے: الأعلام / الزرکلی (٦/ ١٨٠)

[3] البداية والنهاية (٧/ ٢٧٣) تاريخ طبری (٥/ ٦٢٦).

[4] تاريخ طبری (٥/ ٦٢٢) بسند أبی مخنف.

[5] طبقات ابن سعد (٤/ ٢٥٥) بسند واقدی.

اورآخرت کی کامیابی تھی وہ جنت میں جائے گا۔[1] آج کے دن ہر ایک نے دوسرے پر حملہ کیا، لیکن کوئی کسی پر غالب نہ ہوا اور شام ہوجانے تک کسی کو میدان چھوڑ کر بھاگتے نہیں دیکھا گیا، شام کے وقت علی رضی اللہ عنہ میدان جنگ کی طرف نکلے، شام کے مقتولین پر نگاہ ڈالی اور اپنے رب سے دعا کرتے ہوئے فرمایا: اے اللہ مجھے اور ان لوگوں کو بخش دے۔[2]

دوسرا دن:

روایات میں ہے کہ جمعرات کے دن سیّدنا علی رضی اللہ عنہ غلس میں فجر کی نماز پڑھی اور حملہ کرنے کے لیے مکمل تیار ہوگئے، فوجی قیادت میں معمولی تبدیلی بھی کی، عبداللہ بن بدیل الخزاعی رضی اللہ عنہ کو میسرہ سے میمنہ پر اور اشعث بن قیس الکندی رضی اللہ عنہ کو میمنہ سے میسرہ پر مقرر کیا۔[3]

دونوں طرف کی فوجیں ایک دوسرے کی طرف آگے بڑھیں اور پچھلے روز کے بالمقابل آج زیادہ سخت انداز میں ایک دوسرے میں گتھم گتھا ہوگئیں، اہل عراق آگے بڑھنے لگے اور اہل شام پر اپنی برتری کا مظاہرہ کیا، عبداللہ بن بدیل رضی اللہ عنہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے میسرہ کو جس پر حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ مقرر تھے توڑنے میں کامیاب ہوگئے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے شہباء نامی دستہ کی طرف آگے بڑھے، بے مثال بہادری اور جوش کا مظاہرہ کیا، عراق کی پوری فوج اس جزئی پیش رفت کے ساتھ لگ گئی اور معرکہ اس قدر دل دہلا دینے والا تھا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ میدان قتال چھوڑنے کو سوچنے لگے، لیکن آپ نے صبر کیا۔

پھر آپ نے اپنے ''شہباء'' دستے کو جوش دلایا اور وہ عبداللہ بن بدیل رضی اللہ عنہ کو شہید کردینے میں کامیاب ہوگیا، اب ان کی جگہ میمنہ کی قیادت اشتر کرنے لگا، ادھر اہل شام نے خود کو اور مضبوط کرلیا، یہاں تک کہ ان میں سے بعض نے موت پر بیعت کرلی اور نہایت سختی وعزیمت کے ساتھ دوبارہ زبردست حملہ کیا، اس حملے میں ان کے بعض نمایاں افراد قتل ہوگئے مثلاً ذوالکلاع الحمیری، حوشب اور عبیداللہ بن خطاب رضی اللہ عنہ کو قتل کردیا اور جنگ کا پانسا پلٹ گیا، کامیابی شامی فوجی کے جھولی میں جا گری، شامی فوج نے پیش رفتی کا مظاہرہ کیا اور عراقی فوج پیچھے ہٹنے لگی، اہل عراق کی لاشیں گرنے لگیں، لوگ زخمی ہونے لگے، علی رضی اللہ عنہ نے جب اپنی فوج کو پیچھے ہٹتا دیکھا تو انھیں آواز دینے لگے، جوش دلایا اور سخت لڑائی لڑی، شامی قلب تک جس پر ربیعہ مامور تھے، گھس گئے، شامی فوج کی غیرت جاگ اٹھی اور انھوں نے اپنے امیر خالد بن معتمر سے مرمٹنے کے لیے بیعت کرلی، یہ سب منجھے ہوئے جنگ جو تھے۔[4]

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی جماعت میں شامل عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی عمر چورانوے (۹۴) سال سے متجاوز ہوچکی تھی،

---

[1] سنن سعید بن منصور (۲/ ۳٤٤، ۳٤٥) اس کی سند ضعیف ہے۔

[2] مصنف ابن أبی شیبة (۱٥/ ۲۹۷) اس کی سند ضعیف ہے۔ [3] تاریخ الطبری (٥/ ٦۳۰).

[4] الإصابة (۱/ ٤٥٤) انساب الاشراف (۲/ ٥٦) اس کی سند قتادہ تک حسن ہے لیکن یہ روایت مرسل ہے۔

لیکن آپ پورے جوش وخروش سے لڑ رہے تھے، لوگوں کو بھی جوش دلاتے، ان کی ہمتیں بڑھاتے، لیکن اس سب کے باوجود فریق مخالف کی مذمت میں مبالغہ کرنے سے کوسوں دور تھے، اپنے پہلو میں ایک آدمی کو کہتے ہوئے سنا کہ اہل شام نے کفر کیا ہے، عمار رضی اللہ عنہ نے اسے اس بات سے منع کیا اور کہا: نہیں، انھوں نے ہماری بغاوت کی ہے، ان کی بغاوت کی وجہ سے ہم ان سے لڑ رہے ہیں، ہمارا اور ان کا معبود ایک ہے، نبی ایک ہے اور ہمارا قبلہ ایک ہے۔ ❶

جب عمار رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ہماری جماعت کے لوگ پیچھے ہو رہے ہیں اور مدمقابل آگے بڑھ رہا ہے تو آپ اپنی جماعت والوں کو جوش دلانے لگے اور کہنے لگے کہ: تم حق پر ہو، شامیوں کی شدید ضربیں تمھیں دھوکا میں نہ ڈال دیں، جو حور عین کے جلو میں بیٹھنے کا خواہاں ہو وہ ثواب الٰہی کی نیت سے دونوں صفوں کے درمیان آگے بڑھے، میں ایسی صف دیکھ رہا ہوں، جو تمھیں ایسی کاری ضرب لگا رہی ہے کہ جس سے کمزور ایمان والے شک میں پڑ جائیں۔ اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر ہمارا دشمن ہمیں مارتے کاٹتے ہجر تک پہنچ جائے تو بھی ہمیں یقین ہوگا کہ ہم حق پر اور وہ باطل پر ہیں ہمارے مصلحین حق پر ہیں اور وہ باطل پر۔ ❷

پھر آپ آگے بڑھے، آپ کے کانپتے ہوئے ہاتھوں میں ایک ہتھیار تھا، علم بردار جنگ ہاشم بن عقبہ بن ابی وقاص پر دباؤ ڈالا، انھیں آگے بڑھنے پر ابھارا، ان کو اور ان کے ساتھیوں کو اللہ کی جنت کی نعمتوں کا لالچ دلایا، کہا: جنت بالکل قریب ہے، حور عین بن سنور کر تیار ہیں، جو ان کے جلو میں بیٹھنا چاہے وہ ثواب الٰہی کی نیت سے دونوں صفوں کے درمیان گھس جائے۔ یقیناً یہ بڑا حیرت انگیز منظر رہا ہوگا، عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر مہاجر اور بدری صحابی، چورانوے (۹۴) سال کی عمر سے آگے بڑھ رہے ہیں، لیکن جوش وخروش، عزم و ہمت، اعلیٰ روحانیت اور پختہ یقین کا یہ بے نظیر منظر، آپ کی یہ تقریر عراقی فوج کے جذبات اور ان کی روحانی قوت کو بھڑکانے میں بڑی موثر ثابت ہوئی، ان کی سختی، خون خواری اور جنگ کی قربانی دو چند ہوگئی، اور جنگ کی متوقع کامیابی کو اپنے مفاد میں لانے میں کامیاب ہوگئے، ہاشم بن عقبہ بن ابی وقاص ان اشعار کے ترانے گاتے ہوئے آگے بڑھے:

اَعْوَرُ یَبْغِیْ اَهْلَهٗ مَحَلَّا ‏ ‏ ‏ قَدْ عَالَجَ الْحَیَاةَ حَتّٰی مَلَّا

لَا بُدَّ أَنْ یُّفِلَّ أَوْ یُفَلَّا ❸

''یک چشم اپنی جگہ چاہتا ہے، زندگی سلجھاتے سلجھاتے وہ تھک چکا، اب اس کا گرنا یا گرایا جانا ضروری ہے۔''

عمار رضی اللہ عنہ آواز دیتے رہے: اے ہاشم آگے بڑھو، جنت تلواروں کے سایوں میں ہے اور موت تیروں کی انیوں میں، آسمان کے دروازے کھول دیے گئے ہیں اور حور عین سنوار دی گئی ہیں:

---

❶ مصنف ابن أبی شیبة (۱۵/ ۲۹۰) اس کی سند حسن لغیرہ ہے۔

❷ مجمع الزوائد (۷/ ۲٤۳) خلافة علی / عبدالحمید ص (۲۱۹) اس کی سند حسن ہے۔

❸ تاریخ الطبری (۵/ ٦٥۲).

اَلْیَــوْمَ اَلْــقَــــی الْاَحِبَّةَ مُـــحَــــمَّـــدًا وَ حِـــزْبَهٗ ❶

"آج اپنے محبوبوں محمد ﷺ اور ان کی جماعت سے ملوں گا۔"

آج جمعرات کے دن، شام کو سورج غروب ہوتے وقت عمار رضی اللہ عنہ نے ایک گھونٹ دودھ مانگا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا تھا:

((اِنَّ آخِرَ شَرْبَةٍ تَشْرَبُهَا مِنَ الدُّنْيَا شَرْبَةُ لَبَنٍ .)) ❷

"دنیا کا جو آخری گھونٹ تم پیو گے وہ دودھ کا گھونٹ ہوگا۔"

پھر آگے بڑھتے گئے اور اپنے ساتھ علم بردار جنگ ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص الزہری کو بھی جوش دلاتے گئے اور وہ وقت آ گیا کہ دونوں شہید کر دیے گئے، واپس لوٹ کر نہ آئے، اللہ ان دونوں پر اپنے رحمت نازل فرما اور ان سے خوش ہو جا۔ ❸

لیلۃ الہریر، جمعہ کا دن:

اسی رات جنگ نے سختی اور قتل وخون ریزی نے ایسا رخ اختیار کر لیا کہ تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہیں تھی، اہل عراق کا حملہ پوری طاقت اور جوش وخروش سے تھا، وہ اہل شام کو پیچھے کرنے میں کامیاب ہو گئے، سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے خوب سخت لڑائی لڑی اور مر مٹنے کی قسم کھالی۔ ❹

بیان کیا جاتا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے اس دن اپنی فوج کو شام میں صلاۃ خوف پڑھائی۔ ❺ اور امام شافعی کا قول ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں آیا ہے کہ انھوں نے لیلۃ الہریر میں صلاۃ خوف پڑھی۔ ❻

آنکھوں دیکھا حال بیان کرنے والا راوی کہتا ہے کہ ہم نے مسلسل تین دن اور تین راتیں قتال کیا، یہاں تک کہ نیزے ٹوٹ گئے، تیر ختم ہو گئے، پھر ہم نے شمشیر زنی کے لیے چلے اور آدھی رات تک پٹکا کھیلتے رہے، پھر ایک دوسرے کی گردنیں پکڑ کر پٹخا پٹخی ہوئی، جب تلواروں کی دھاریں درانتی کی طرح ہو گئیں تو ان کے دستوں سے مار پیٹ ہوئی، صرف کھچ کھچاہٹ اور شور و ہنگامے کی آوازیں آ رہی تھیں، پھر ہم نے ڈھیلوں اور پتھروں سے ایک دوسرے کو مارنا شروع کیا، دانت کاٹے، مونہوں کو نوچا، یہاں تک کہ جمعہ کی صبح طلوع ہو گئی، سورج نکل چکا تھا، لیکن معرکہ کے گرد وغبار کی وجہ سے وہ نظر نہ آ رہا تھا، پرچم اور علَم گر چکے تھے، فوج تھکاوٹ سے چور تھی، ہاتھوں میں

❶ تاريخ الطبري (٥/ ٦٥٢). ❷ مصنف ابن أبي شيبة (١٥/ ٣٠٢، ٣٠٣) اس کی سند منقطع ہے۔

❸ تاريخ الطبري (٥/ ٦٥٣).

❹ المستدرك (٣/ ٤٠٢) امام ذہبی نے کہا: یہ روایت ضعیف ہے۔

❺ السنن الكبرىٰ/ البيهقي (٣/ ٢٥٢) شیخ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام بیہقی نے اسے صیغہ تمریض سے بیان کیا ہے۔ دیکھیے: الإرواء (٣/ ٤٢)

❻ تلخيص الحبير (٢/ ٧٨).

اٹھنے کی سکت نہ تھی اور حلق سوکھے جا رہے تھے۔ ❶

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لیلۃ الہریر اور یوم الجمعہ کی حالات کی منظر کشی کرتے ہوئے لکھتے ہیں: انھوں نے ایک دوسرے کو دانتوں سے کاٹا، دو آدمی لڑتے لڑتے تھک جاتے اور زمین پر گر جاتے، پھر تھوڑی دیر آرام کر کے اٹھتے اور ایک دوسرے کو زیر کرتے، پھر اٹھتے اور لڑتے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ وہ اسی طرح لڑتے مرتے رہے یہاں تک کہ جمعہ کی صبح نمودار ہوگئی اور لوگوں نے صبح کی نماز اشاروں سے پڑھی، لڑائی چلتی ہی رہی یہاں تک کہ چاشت کا وقت ہوگیا اور فتح ونصرت اہل شام کے خلاف، اہل عراق کی طرف متوجہ ہوگئی۔ ❷

تحکیم کی دعوت:

لیلۃ الہریر کے بعد دونوں فوجیں اتنی بے حال ہوچکی تھی کہ اب مزید لڑائی کی طاقت نہ تھی، کندہ کے سردار اشعث بن قیس نے لیلۃ الہریر میں اپنی جماعت کے لوگوں میں تقریر کرتے ہوئے کہا: اے مسلمانو! تم نے دیکھا، آج کے دن تم پر کیا گزری اور عربوں کی کس قدر تعداد میدان جنگ میں ماری گئی، میں بوڑھا ہوگیا ہوں، مگر اللہ کی قسم! جس قدر ہولناک نظارہ آج کے دن دیکھا ہے پہلے کبھی نہیں دیکھا، دیکھو جو شخص میری بات سن رہا ہے وہ دوسرے شخص کو پہنچا دے کہ ہمیں یہ تہیہ کر لینا چاہیے کہ ہم کل نہیں لڑیں گے، کیونکہ عرب کثرت سے مارے جا رہے ہیں اور ناحق مسلمانوں کا خون ہو رہا ہے، اللہ کی قسم! میں یہ باتیں جنگ سے ڈر کر یا بزدلی کی وجہ سے نہیں کہہ رہا ہوں، بلکہ میں بوڑھا ہو چکا ہوں اور مجھے مسلمانوں کی عورتوں اور بچوں پر ترس آ رہا ہے، اگر کل ہم مارے گئے تو ان غریبوں کا کیا حال ہوگا۔ اے اللہ تو جانتا ہے کہ میں نے اپنی قوم کو اور اپنے دینی بھائیوں کو دور اندیشی اور بھلائی کا مشورہ دیا ہے، اب میں بری ہوں۔ ❸ دوسری جانب اس تقریر کی خبر جب معاویہ رضی اللہ عنہ کو ملی تو آپ نے کہا: رب کعبہ کی قسم! ان کی رائے درست ہے، اگر ہم جنگ کی آگ میں کل پھر کودے اور مارے گئے تو رومی ہماری عورتوں اور بچوں پر اور اہل فارس اہل عراق اور ان کی آل اولاد پر چڑھ آئیں گے، یقیناً یہ دور اندیشوں اور بابصیرت لوگوں کی نگاہ ہے، پھر آپ نے اپنے ساتھیوں سے کہا: مصاحف کو اپنے نیزوں کی انیوں سے باندھ دو۔ ❹

سیّدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی شہادت اور مسلمانوں پر اس کا اثر:

عمار رضی اللہ عنہ کی شان میں فرمان رسول ((تَقْتُلُكَ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ))❺ یعنی باغی گروہ قتل کرے گا، صحیح وثابت احادیث میں شمار ہوتا ہے۔ معرکۂ صفین میں ان کی شہادت کی وجہ سے مسلمانوں پر گہرا اثر پڑا، کیونکہ آپ اصحاب رسول ﷺ کے سب سے بزرگ قائد تھے، جہاں آپ جاتے وہاں سب جاتے، خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ بھی صفین

❶ شذرات الذهب (١/ ٤٥) وقعة صفين ص (٣٦٩).

❷ البداية والنهاية (٧/ ٢٨٣).   ❸ وقعة صفين / المتغرى ص (٤٧٩).

❹ وقعة الصفين / المتغرى ص (٤٨١، ٤٨٢).

❺ صحيح مسلم، حديث نمبر (٢٩١٦).

میں حاضر ہوئے تھے، لیکن اپنے ہتھیار کو روکے ہوئے تھے، لیکن جب عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت دیکھی تو تلوار کو بے نیام کیا اور اہل شام سے برسر پیکار ہوگئے۔ اس لیے کہ آپ نے بزبان عمار، رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث سنی تھی ((تَقْتُلُكَ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ)) پھر آپ برابر لڑتے رہے یہاں تک کہ شہید ہوگئے۔ ❶

دوسری طرف معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر پر بھی عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت کا گہرا اثر پڑا، ابوعبدالرحمٰن السلمی اہل شام کے لشکر میں گئے، دیکھا تو معاویہ، عمرو بن عاص، ان کے بیٹے عبداللہ بن عمرو، اور ابوالاعور السلمی رضی اللہ عنہم فرات کے پانی پر جمع ہیں اور پانی پی رہے ہیں، پہلے بھی یہ بات گزر چکی ہے کہ اسی ایک گھاٹ پر دونوں لشکر کے فوجی پانی پیتے تھے کیونکہ وہاں اور کوئی دوسرا گھاٹ نہ تھا، بہرحال وہ لوگ پانی پی رہے تھے اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی شہادت پر گفتگو کر رہے تھے۔ دوران گفتگو عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے اپنے والد سے کہا: ہم نے انھیں قتل کر دیا، وہ ایسے آدمی تھے جس کے بارے میں رسول کا فرمان ہے کہ ((تَقْتُلُكَ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ)) عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا: ہم نے عمار کو قتل کر دیا، حالانکہ ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ فرمایا ہے اسے آپ سن رہے ہیں، اس پر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: خاموش رہو، تم اپنے پیشاب میں لوٹ رہے ہو، ❷ کیا ہم نے انھیں قتل کیا ہے، ان کے قاتل تو وہ ہیں جو انھیں لے کر آئے تھے۔ ❸

معاویہ رضی اللہ عنہ کی یہ تاویل اہل شام کے درمیان سوکھی لکڑی میں آگ کی طرح تیزی سے پھیل گئی۔

صحیح روایت سے ثابت ہے کہ عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ، عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور کہا: عمار قتل کر دیے گئے، اور ان کے بارے میں رسول کا ارشاد ہے کہ ((تَقْتُلُكَ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ)) عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ گھبرائے ہوئے اٹھے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے، معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا بات ہے؟ اس قدر کیوں حیرانی ہے؟ آپ نے کہا: عمار رضی اللہ عنہ قتل کر دیے گئے، معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: تو اب کیا ہونا چاہیے؟ عمرو بن عاص نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو ان کے بارے میں فرماتے ہوئے سنا ہے: ((تَقْتُلُكَ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ)) معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: تم اپنے پیشاب میں لوٹ رہے ہو، کیا ہم نے انھیں قتل کیا ہے؟ انھیں علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے قتل کیا، ان کو لے کر آئے اور ہمارے نیزوں وتلواروں کے درمیان ڈال دیا۔ ❹

سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کی شہادت نے بشمول دیگر صحابہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ پر بھی زبردست اثر ڈالا، بلکہ صحیح معنوں میں عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت، عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے لیے جنگ بندی کی کوشش کا سبب بنی۔ ❺ آپ اس حادثہ

---

❶ مجمع الزوائد / الهيثمي (۷/ ۲۴۲) آپ فرماتے ہیں: اسے طبرانی نے روایت کیا ہے، اور ان کی سند میں ابومعشر راوی ہے جو کمزور ہے۔

❷ یعنی تم ذہن کے کچے ہو اور تمھارے اندر ثابت قدمی نہیں ہے۔

❸ مسند أحمد (۲/ ۲۰۶) اس کی سند حسن ہے۔

❹ مصنف عبدالرزاق (۱۱/ ۲۴۰) اس کی سند صحیح ہے۔

❺ معاويه بن أبي سفيان / الغضبان ص (۲۱۵).

سے اس قدر غمزدہ ہوئے کہ فرمایا، کاش کہ میں آج سے بیس سال قبل ہی مر جاتا۔ ❶

عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کا قاتل کون ہے؟

ابوالغادیہ جہنی عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کی تفصیل جو بیان کرتا ہے کہ جنگ صفین کے دن عمار فوجی دستے کے اگلے حصہ میں ایک آدمی کو ٹھہرنے اور صبر کرنے کی تلقین کر رہے تھے، جب وہ دونوں صفوں کے درمیان ہوئے، ایک شخص نے میدان صاف دیکھ کر ان کے گھٹنے پر نیزے سے وار کر دیا وہ گر گئے اور ان کی خود سر سے ہٹ گئی، پھر میں نے اس پر تلوار چلا دی اور اچانک میں دیکھتا ہوں کہ وہ عمار کا سر ہے اس طرح عمار قتل کر دیے گئے۔

راوی کہتا ہے کہ ابوغادیہ نے پینے کے لیے پانی مانگا تو اسے شیشے کے گلاس میں پانی دیا گیا لیکن اس نے نہیں پیا، پھر مٹی کے ایک پیالے میں پانی دیا گیا تو پی لیا، یہ انداز دیکھ کر ایک آدمی نے کہا شیشے کے گلاس میں پانی پینے سے زہد دکھاتا ہے، اور عمار کو قتل کرنے میں زہد نہیں دکھایا۔ ❷

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو جب یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

((قَاتِلُ عَمَّارٍ وَسَالِبُهُ فِي النَّارِ)) ❸ ''عمار کا قاتل اور ان کا ہتھیار چھیننے والا جہنم میں جائے گا۔''

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ یہ بات معلوم ہے کہ جنگ صفین میں عمار رضی اللہ عنہ علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں تھے اور انھیں معاویہ رضی اللہ عنہ کی شامی جماعت نے قتل کیا تھا، اس میں ابوالغادیہ نام کا ایک آدمی تھا جو بھاری بھرکم تھا اسی نے آپ کو قتل کیا تھا اور کہا گیا ہے کہ وہ صحابی تھے۔ ❹

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ان جنگوں میں صحابہ کرام کے بارے میں یہی گمان کرنا مناسب ہے کہ وہ اجتہاد کا سہارا لے رہے تھے اور غلطی کر جانے والے مجتہد کو ایک اجر ملتا ہے، جب یہ بات انفرادی طور پر فرد واحد کے حق میں ثابت ہے تو صحابہ کرام کے بارے میں یہ بات بدرجۂ اولیٰ ثابت ہوگی۔ ❺

امام ذہبی لکھتے ہیں: روافض کے نزدیک ابن ملجم آخرت میں سب سے بدبخت انسان ہوگا، حالانکہ وہ ہمارے یعنی اہل سنت کے نزدیک ان لوگوں میں سے ہے جس کے لیے ہم جہنم کی امید رکھتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اس کو معاف بھی کر سکتا ہے اور یہی حکم ان لوگوں کا بھی جو عثمان، زبیر، طلحہ، سعید بن جبیر، عمار، خارجہ اور حسین رضی اللہ عنہم کے قاتل تھے، ان تمام بدبختوں سے ہم اپنی برأت کا اظہار کرتے ہیں، ان سے ہمیں سخت نفرت و بغض ہے اور ان کے معاملے کو اللہ کے حوالے کرتے ہیں۔ ❻

---

❶ أنساب الأشراف (١/ ١٧٠) عمرو بن عاص / الغضبان ص (٦٠٣).
❷ الطبقات الكبرىٰ (٣/ ٢٦٠، ٢٦١) اس کی سند صحیح ہے۔
❸ السلسلة الصحيحة / شيخ ألباني (٥/ ١٨، ١٩).
❹ البداية والنهاية (٦/ ٢٢٠).
❺ الإصابة (٧/ ٢٦٠).
❻ تاريخ الإسلام / عهد الخلفاء الراشدين ص (٦٥٤).

علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے قول پر تعلیق لکھی ہے اور بحمد للہ اللہ کی توفیق آپ کے شامل حال رہی، لکھتے ہیں، یہ صحیح ہے (کہ غلطی کر جانے والا مجتہد ایک اجر پائے گا، اور صحابہ اس کا بدرجہ اولیٰ مستحق ہیں) لیکن اس قاعدہ کو ہر فرد پر تطبیق دینا ایک مشکل مسئلہ ہے، اس لیے کہ مذکورہ قاعدہ باب کی حدیث "قَاتِلُ عَمَّارٍ وَسَالِبُهُ فِي النَّارِ" سے متصادم ہے اور اسی وجہ سے یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ عمار رضی اللہ عنہ کا قاتل ابوالغادیہ کو بھی ایک اجر ملے گا، اس لیے کہ اس نے اجتہادی غلطی کی بنا پر انھیں قتل کیا تھا، لہٰذا صحیح بات یہ ہے کہ کہا جائے قاعدہ اپنی جگہ صحیح ہے، البتہ اس سے وہ افراد الگ ہوں گے جن کی کوئی قطعی دلیل موجود ہو، جیسے کہ یہاں ہے، یہ راستہ نکالنا اس بات سے بہتر ہے کہ مذکورہ قاعدہ کے مقابل صحیح حدیث کو چھوڑ دیا جائے۔[1]

علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے ابوالغادیہ کی سوانح کا خاکہ اس طرح پیش کیا ہے: ان کے نام میں اختلاف ہے، پس کہا گیا ہے ہے ان کا نام یسار بن سبع تھا اور بعض لوگوں نے یسار بن ازہر اور بعض نے مسلم بتایا ہے، شام میں سکونت پذیر تھے، واسط بھی گئے تھے، ان کا شمار شامیوں میں ہوتا ہے، ایام شباب میں انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی ہے، انھی کا بیان ہے کہ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا تو نوجوان تھا، اپنے خاندان کی بکریوں کو چراتا تھا، انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سنی ہے:

((لَا تَرْجِعُوْا بَعْدِيْ كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ .))[2]

"میرے بعد کافر نہ ہو جانا، کہ تم میں سے بعض بعض کی گردن مارے۔"

سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے شدید محبت کرتے تھے، انھوں نے ہی عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو قتل کیا تھا اور جب ان سے عمار کے قتل کا تذکرہ کیا جاتا تو کہتے کوئی پرواہ نہیں۔ علماء کے نزدیک ان کی زندگی ایک معمہ ہے۔[3]

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے بارے میں جنگ صفین کا ایک جھوٹا واقعہ:

نصر بن مزاحم الکوفی کا بیان ہے کہ اہل عراق نے حملہ کیا اور اہل شام نے ان کا جواب دیا، پھر سب آپس میں ٹکرا گئے، عمرو بن عاص نے بھی حملہ کیا...... اور علی رضی اللہ عنہ یہ شعر پڑھتے ہوئے ان کے مدمقابل ہوئے:

قَدْ عَلِمَتْ ذَاتُ الْقُرُوْنِ الْمَيْل   وَ الْكَفُّ وَ الْأَنَامِلَ الطُّفُوْل

"لٹکی ہوئی چوٹیاں اور نرم و نازک ہتھیلیوں اور انگلیوں والی نے جان لیا۔"

پھر آپ نے عمرو کو نیزہ مارا، پٹخ دیا، عمرو بن عاص نے اپنے پیروں سے دفاع کیا، تو اس کی شرم گاہ کھل گئی، علی نے اپنا چہرہ ہٹا لیا اور شدید زخمی کر دیے گئے، لوگوں نے کہا: اے امیر المومنین! آپ نے آدمی کو نکل جانے کا موقع دے دیا، آپ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو وہ کون تھا؟ لوگوں نے کہا: نہیں، آپ نے کہا: وہ عمرو بن عاص تھا، اس

---

[1] سلسلة الأحاديث الصحيحة (٥/ ١٨، ١٩). [2] مسند أحمد (٤/ ٧٦) اس کی سند حسن ہے۔

[3] الاستيعاب فی معرکة الأصحاب، أثر نمبر (٣٠٨٩).

نے مجھے اپنی شرم گاہ دکھائی تو میں نے اپنا چہرہ پھیر لیا۔[1]

اس واقعہ کو ابن کلبی نے اسی طرح ''الروض الأنف'' میں سہیلی نے بھی ذکر کیا ہے، انھوں نے علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: ''اس نے اپنی شرم گاہ کے ذریعے سے مجھ سے بچاؤ کا راستہ نکالا اور مجھے رشتہ کا حوالہ دیا۔'' لکھنے کے بعد لکھا ہے کہ جنگ صفین میں علی کے ساتھ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کا ایک واقعہ اسی طرح ملتا ہے، اس کے بارے میں حارث بن نضر سہمی نے یہ اشعار کہے ہیں جنھیں ابن الکلبی وغیرہ نے روایت کیا ہے:

أَفِی کُلِّ یَوْمٍ فَارِسٌ غَیْرُ مُنْتَهٍ وَعَوْرَتُهُ وَسْطَ الْعَجَاجَةِ بَادِیَةٌ

''کیا ہر روز وہ جنگ جاری رکھے گا اور اس کی شرمگاہ لوگوں کے درمیان کھلی رہے گی۔''

یَکُفُّ لَهَا عَنْهُ عَلِیٌّ سِنَانَهُ وَیَضْحَكُ مِنْهُ فِی الْخَلَاءِ مُعَاوِیَةُ[2]

''علی اس کی وجہ سے اپنی تلوار اس سے روکتے رہیں گے اور معاویہ میدان میں ہنستا رہے گا۔''

مذکورہ افتراء اور واضح جھوٹ کا جواب یہ کہ پہلی روایت کا راوی نصر بن مزاحم کوفی جو کہ جنگ صفین کی روداد بیان کر رہا ہے متعصب رافضی ہے، صحابہ کرام پر افتراء پردازی کرنا اس سے کوئی بعید نہیں ہے۔

علامہ ذہبی رحمہ اللہ اس کے بارے میں لکھتے ہیں: نصر بن مزاحم کوفی سخت متعصب رافضی ہے، محدثین نے اس سے روایت کو ترک کر دیا ہے۔ امام عُقیلی اس کے بارے میں فرماتے ہیں: یہ رافضی ہے، اس کی حدیث میں اضطراب اور بہت ساری غلطیاں ہیں اور ابوخیثمہ کہتے ہیں: بہت بڑا جھوٹا تھا۔[3]

اس کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عجلی نے کہا کہ یہ متعصب رافضی تھا، ثقہ نہیں ہے اور جھوٹ سے مامون نہیں ہے۔[4]

رہا دوسری روایت کا راوی ابن کلبی تو اس کا نام ہشام بن محمد بن السائب کلبی ہے، شیعیت کے لیے اس کے تعصب اور غلو پر سب کا اتفاق ہے، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کون اس سے حدیث بیان کرے گا، میرا خیال ہے کہ اس سے کوئی نہیں حدیث بیان کر سکتا۔

دار قطنی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وہ متروک ہے۔[5]

مذکورہ دونوں رافضی راویوں کی طرف سے یہ قصہ چہار دانگ عالم میں پھیل گیا اور بعد کے شیعہ نیز بعض سنی مورخین جو روافض کے جھوٹ اور ان کی غلط بیانیوں کو پہچاننے سے عاجز رہے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔[6]

یہ قصہ اصحاب رسول کے خلاف روافض کی غلط بیانی اور افتراء پردازی کا ایک نمونہ ہے، دشمنان صحابہ یعنی

---

[1] وقعة صفين ص (٤٠٦-٤٠٨) قصص لا تثبت / سليمان الخراشی (٦/ ١٩).
[2] الروض الأنف (٥/ ٤٦٢) قصص لا تثبت (٦/ ١٩).
[3] ميزان الاعتدال (٤/ ٢٥٣-٢٥٤). [4] لسان الميزان (٦/ ١٥٧).
[5] المجروحين / ابن حبان (٣/ ٩١) تذكرة الحفاظ (١/ ٣٤٣) معجم الأدباء (١٩/ ٢٨٧) قصص لا تثبت (١/ ١٨).
[6] قصص لا تثبت (١/ ٢٠).

رافضی مورخین نے اصحاب رسول ﷺ کے حق میں نقائص و گستاخیوں کا طور مار باندھ کر انھی قصوں اور اشعار کی شکل میں خوب رواج دیا ہے تاکہ یہ باتیں بآسانی مسلمانوں کے درمیان پھیل سکیں۔ انھوں نے اہل سنت کی لاعلمی میں پاک باز صحابہ کی شان میں تحقیر و تذلیل کا نشانہ سادھا، حالانکہ اہل سنت نے دیر ہی سہی، لیکن اسلام کی تاریخی روایات کی تحقیق کے میدان میں قدم رکھا، لیکن افسوس جب تک تحقیق کا دروازہ کھلا تب تک بہت سارے قصہ گو حضرات کے نزدیک یہ اشعار اور حکایات زبان زد ہو چکے تھے اور بہت سی خرافات مسلمات و یقین کا درجہ پا چکی تھیں، حتیٰ کہ بعض اہل سنت مورخین کے نزدیک بھی ان کو یہی درجہ مل چکا تھا۔ [1]

صفین سے واپسی کے بعد سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کا قبروں کی زیارت کرنا:

جنگ صفین سے لوٹنے کے بعد امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ چند قبروں سے گزرے تو یہ دعا کیا: اے وحشت ناک مکانوں کے اور ویران پڑاؤ گاہوں کے مومن، ومومنہ، اور مسلم ومسلمہ مکینو! تم ہم سے پہلے پہنچے والے ہو اور ہم تمھارے پیچھے ہیں، عنقریب ہم تم سے ملنے والے ہیں۔ اے اللہ تو ہمیں اور ان کو بخش دے، ہم سے اور ان سے گناہوں کو درگزر کر دے، ہر قسم کی تعریف اللہ واحد کے لیے ہے جس نے زمین کو زندوں اور مردوں کے لیے سنگم بنایا، اللہ ہی کے لیے تعریف ہے، جس نے تم کو پیدا کیا، اسی پر تم کو اکٹھا کرے گا اور اسی سے تم کو اٹھائے گا، بشارت ہے اس شخص کے لیے جس نے آخرت کو یاد کیا، حساب کی تیاری کی اور قناعت کی زندگی گزاری۔ [2]

قاتلین عثمان کا جنگ پر اصرار:

قاتلین عثمان پوری کوشش میں تھے کہ طرفین سے لڑائی برابر چلتی رہے، تاکہ سب آپس میں مرمٹیں اور دونوں کی قوت کمزور ہو جائے اور یہ لوگ قصاص اور سزا سے بچ جائیں، اسی لیے جب انھوں نے اہل شام کو جنگ بندی کے لیے مصاحف اٹھائے ہوئے دیکھا اور علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ اہل شام کا مطالبہ قبول کرتے ہوئے جنگ بندی کا حکم دے رہے ہیں تو یہ لوگ گھبرائے اور امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کو ان کے عزم سے روکنے کی پوری کوشش کرنے لگے، لیکن اب جنگ بند ہو چکی تھی اور یہ لوگ حیران تھے، اس لیے اب ان کے سامنے اس بات کے علاوہ کوئی چارکار نہ تھا کہ علی رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کا اعلان کر دیں، چنانچہ انھوں نے ''الحکم للّٰہ'' کا مقولہ گھڑا اور دونوں گروہوں سے کٹ کر الگ جا کر پناہ لی، جنگ جمل کی طرح اس معرکہ میں ان کا اصل ہاتھ رہا یہاں بھی یہ لوگ علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں موجود تھے، لیکن افسوس مورخین نے اس پر توجہ کو مرکوز نہ کی، اور نہ ہی اس راز سے پردہ ہٹایا کہ کئی مہینوں تک چلنے والی خط و کتابت اور سفارتی کوششیں کیوں ناکام ہوئیں؟ اور نہ ہی قاتلین عثمان کے اس ممکنہ کردار پر گفتگو کی جسے یہ لوگ معرکۂ صفین میں طرفین کی ہر کوشش کو ناکام بنانے کے لیے بروئے کار لا سکتے تھے،

---

[1] قصص لا تثبت (۱/ ۱۰).

[2] البیان و التبیان / جاحظ (۲/ ۱۴۸) فرائد الکلام للخلفاء الکرام ص (۳۲۷).

اس لیے کہ علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کی مصالحت ان لوگوں پر نفاذ قصاص کی مصالحت کے لیے پیش خیمہ ثابت ہو رہی تھی، لہٰذا یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ جنگ جمل میں فتنہ کی آگ بھڑکانے کے لیے یہ لوگ بھرپور کوشش کریں اور صفین میں خاموش رہیں؟ ❶

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہل شام کو لعن طعن کرنے سے روکتے ہیں:

جب سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو خبر ملی کہ آپ کے لشکر کے دو آدمی معاویہ کو گالی دینے اور اہل شام کو لعن طعن کرنے کے لیے ایک دوسرے پر غالب آنا چاہتے ہیں تو آپ نے ان دونوں کو پیغام دیا کہ آپ لوگوں کے متعلق جو مجھے خبر ملی ہے اس سے باز آ جاؤ، پھر وہ دونوں آپ کے پاس آ گئے اور کہا: اے امیر المومنین! کیا ہم حق پر اور وہ باطل پر نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا: کیوں نہیں، رب کعبہ کی قسم! دونوں کہنے لگے: پھر آپ ان کو گالیاں دینے اور ان پر لعن طعن کرنے سے ہمیں کیوں روکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: مجھے یہ ناپسند ہے کہ آپ لوگ لعانین (لعنت گروہ) میں سے ہو جاؤ، ہاں تم یہ کہو کہ اے اللہ ہمارے اور ان کے خونوں کی حفاظت فرما، ہماری اور ان کی اصلاح کر دے، انھیں گمراہی سے دور رکھ تاکہ جو حق سے ناواقف ہے وہ اسے جان لے اور جو ضلالت میں ڈوب گیا ہے وہ اس سے کنارے ہو جائے۔ ❷

البتہ علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو بات مشہور ہے کہ آپ دعائے قنوت میں معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب پر بددعا کرتے تھے اور جب معاویہ رضی اللہ عنہ دعائے قنوت پڑھتے تو علی، ابن عباس، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم پر لعنت کرتے تھے، یہ بات بالکل غلط ہے، اس لیے کہ یہ لوگ جلیل القدر صحابی تھے، اور دوسروں کے بالمقابل صحابہ شرعی احکامات کے زیادہ پابند تھے، جس میں کسی مسلمان کو گالی دینے اور لعن طعن کرنے کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ ❸ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا: ((مَنْ لَعَنَ مُؤْمِنًا فَهُوَ كَقَتْلِهِ .)) ❹ ''جس نے کسی مومن کو لعنت کی تو اس کو قتل کر دینے کے مترادف ہے۔''

اور فرمایا: ((لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ وَبِاللَّعَّانِ)) ❺ ''مومن طعنہ زنی اور لعنت گر نہیں ہوتا۔''

نیز فرمایا:

((لَا يَكُوْنُ اللَّعَّانُوْنَ شُفَعَاءَ وَ لَا شُهَدَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ .)) ❻

''لعنت کرنے والے بروز قیامت شفاعت اور شہادت کے حق دار نہ ہوں گے۔''

---

❶ أحداث و أحاديث فتنة الهرج ص (١٤٧).

❷ الأخبار الطوال ص (١٦٥) بحواله تحقيق مواقف الصحابة فى الفتنة (٢/ ٢٣٢).

❸ تحقيق مواقف الصحابة (٢/ ٢٣٢).

❹ صحيح البخارى/ الأدب (٧/ ٨٤).

❺ السلسلة الصحيحة / ألبانى حديث نمبر (٣٢٠) صحيح سنن ترمذى / ألبانى حديث نمبر (١١١٠).

❻ صحيح مسلم (٤/ ٢٠٠٦) حديث نمبر (٢٥٩٨).

علاوہ ازیں علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے ایک دوسرے پر لعنت کرنے والی روایت سند کے اعتبار سے بھی ثابت نہیں ہے، کیونکہ اس میں ابومخنف لوط بن یحییٰ متعصب رافضی راوی ہے، جس کی روایتیں قابل اعتماد نہیں ہوتیں اور پھر شیعہ مذہب کی صحیح ترین کتابیں شیعہ حضرات کو صحابہ کو گالی دینے سے منع کرتی ہیں، چنانچہ آپ نے معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو گالی دینے والوں کو روکا اور کہا: مجھے سخت ناپسند ہے کہ تم لوگ گالیاں دینے والے بن جاؤ، اگر تم ان کے اعمال واحوال کا ذکر خیر کرتے تو یہ زیادہ درست بات تھی اور قابل معذرت تھی، کاش کہ تم لوگ انھیں گالیاں دینے کے بجائے یہ دعا کرتے کہ اے اللہ ہمارے اور ان کے خون کی حفاظت فرما، ہمارے اور ان کے درمیان مصالحت پیدا کردے۔ [1] پس مختصر یہ کہ شیعوں کی نگاہ میں ان کی سب سے معتبر کتاب کا یہ اعتراف ہے کہ گالیاں دینا اور تکفیر کا حکم لگانا علی رضی اللہ عنہ کا طریقہ نہیں تھا۔ [2]

(۳)......تحکیم

صفین کی لڑائی ختم ہوئی اور فریقین کے درمیان تحکیم قبول کرنے پر اتفاق ہوگیا، تحکیم کا مطلب یہ ہے کہ دونوں گروہ اپنی اپنی طرف سے ایک آدمی کو حَکَمْ (فیصل) منتخب کریں، پھر وہ دونوں حکم جس چیز میں مسلمانوں کی بھلائی دیکھیں متفق ہوجاتیں اور سب اس کو تسلیم کریں۔ چنانچہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو اور علی رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو اپنا اپنا حکم منتخب کیا اور حسب اتفاق رمضان ۳۸ھ میں دومۃ الجندل میں حکمین کی طرف سے ''عہد نامہ تحکیم'' تحریر میں لایا گیا۔

علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کی ایک جماعت نے آپ کے اس عمل کو کفر لازم کرنے والا گناہ قرار دیا اور کہا کہ انھیں اللہ کی بارگاہ میں اس عمل سے توبہ کرنا لازم ہے، پھر یہ لوگ آپ کے خلاف نکل پڑے، اسی لیے انھیں خوارج (نکل جانے والے) کہا جانے لگا، سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف ابن عباس رضی اللہ عنہما کو بھیجا، جنھوں نے ان سے اس مسئلہ پر مناظرہ اور گرما گرم مباحثہ کیا، پھر علی رضی اللہ عنہ نے خود ان سے مناظرہ کیا، پھر ان میں سے کچھ لوگوں نے آپ کی بات تسلیم کرلی اور کچھ لوگوں نے انکار کردیا، جس کی وجہ سے ان کے اور علی رضی اللہ عنہ کے درمیان لڑائیاں ہوئیں اور نتیجتاً آپ کی فوج کمزور ہوگئی اور آپ کے ساتھی درماندہ ہوگئے، اس طرح وہ لوگ برابر اپنی سازش اور ریشہ دوانیوں میں لگے رہے، یہاں تک کہ آپ کو اچانک قتل کردیا، جس کی تفصیل آئندہ صفحات میں مناسب مقام پر ان شاء اللہ بیان کی جائے گی۔

''تحکیم'' کا معاملہ پوری خلافت راشدہ کی تاریخ میں سب سے خطرناک اور نازک ترین ہے، بہت سے قلم کار اور مولفین اس مقام پر بہک گئے ہیں اور اپنی انھیں معیوب تحریروں کو اپنی تالیف میں قلم بند کردیا ہے اس کی وجہ

---

[1] نهج البلاغة ص (۳۲۳).
[2] أصول مذهب الشيعة (۲/ ۹۳٤).

یہ ہے کہ ان کے سامنے وہی ضعیف اور موضوع روایات رہیں جنھوں نے حیات صحابہ رضی اللہ عنہم کی کردار کشی کرنے میں کوئی موقع نہیں جانے دیا ہے۔ خاص طور پر ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو اپنی ہدف کا نشانہ بنایا ہے کہ وہ بیوقوف تھے، رائے کے کمزور تھے، ان کی بات میں خوداعتمادی نہ تھی، بڑے ہی بے پرواہ تھے، اسی لیے ''تحکیم'' کے معاملہ میں عمرو ابن عاص رضی اللہ عنہ نے انھیں دھوکا دے دیا۔

دوسری طرف عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ تصویر پیش کیا گیا کہ وہ ایک دھوکے باز اور چال باز آدمی تھے۔ یہ اور اس طرح کے دیگر مذموم اوصاف و عادات کو دشمنان اسلام نے ایسی دو عظیم ہستیوں کے سر تھوپنے کی کوشش کی ہے، جنھیں مسلمانوں نے ایک بڑے اختلاف کا فیصلہ کرنے کے لیے اپنا قائد تسلیم کیا تھا اور یہ اختلاف ایسا پُرخطر تھا جس کے نتیجے میں بہت سے مسلمانوں کے خون بہ چکے تھے۔

بیشتر مورخین، ادباء اور محققین نے دشمنان صحابہ کی ان من گھڑت روایات کو تاریخی حقائق کی حیثیت سے قبول کیا ہے، ان کے صحیح اور غلط ہونے کی کوئی تحقیق نہیں کی، گویا کہ وہ ایسا سچ ہے جس میں شک کی ادنیٰ بھی گنجائش نہیں ہے، بہرحال یہ ممکن ہے کہ ان واقعات کے جذباتی اسلوب بیان اور مکر وفریب کی دلچسپ منظر کشی سے متاثر ہو کر لوگوں نے ان روایات کا اہتمام کیا ہو اور مورخین نے انھیں تحریر کیا ہو۔ واضح رہے کہ ہماری اس گفتگو کا دار و مدار ''تحکیم'' کے ماقبل و مابعد کی تفصیلات ہیں نہ کہ اصل تحکیم، اس لیے کہ وہ ایک مسلمہ حقیقت ہے، جس میں قطعاً کوئی شک نہیں۔ [1] چنانچہ میں نے اصل موضوع میں داخل ہونے کے لیے دو جلیل القدر صحابہ یعنی ابوموسیٰ اشعری اور عمرو ابن عاص رضی اللہ عنہما کی سیرت سے اس بحث کا آغاز کیا ہے۔

سیّدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی سیرت

آپ رضی اللہ عنہ کا نام عبداللہ بن قیس بن حضار بن حرب ہے، آپ دین کے امام، فقیہ اور حافظ قرآن تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پسند صحابی، آپ کی کنیت ابوموسیٰ الاشعری تمیمی ہے۔ [2] آپ مکہ میں اسلام لانے والے پرانے لوگوں میں سے ہیں، ابن سعد رحمہ اللہ آپ کے اسلام کے بارے میں لکھتے ہیں: آپ مکہ آئے اور سعید بن عاص کے حلیف رہے، پرانے مسلمانوں میں سے ہیں، حبشہ کی طرف آپ نے ہجرت کی۔ [3]

بعض روایات میں آتا ہے کہ آپ اسلام لانے کے بعد اپنی قوم میں دعوت وتبلیغ کے لیے واپس چلے گئے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے آپ کے اسلام کے بارے میں وارد ہونے والی تمام روایات کو جمع کیا ہے اور لکھا ہے کہ ان میں ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ ایک پیچیدہ مسئلہ ہے۔ اس لیے کہ صحیح بخاری کی روایت میں موجود ہے کہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ

---

[1] مرویات أبی مخنف فی تاریخ الطبری ص (۳۷۸) تنزیه خال أمیر المومنین معاویه ص (۳۸).

[2] سیر أعلام النبلاء (۲/ ۳۸۱). [3] الطبقات (٤/ ۱۰۷).

اپنے ساتھ ایک جماعت لے کر مدینہ میں نبی اکرم ﷺ سے ملنے کی خاطر اپنے ملک سے نکلے، لیکن کشتی نے انھیں حبشہ کی سرزمین پہنچا دیا، پھر آپ وہاں سے جعفر رضی اللہ عنہ کے ساتھ خیبر میں نبی اکرم ﷺ سے ملے۔ ❶

بہرحال ان تمام روایات میں جمع کی صورت بایں طور ممکن ہے کہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے پہلی ہجرت مکہ کے لیے کی اور اسلام لائے، وہاں سے اللہ کے رسول ﷺ نے حبشہ کے مہاجرین کے ساتھ انھیں بھی روانہ کر دیا، پھر آپ وہاں سے اپنی قوم میں دعوت و تبلیغ کے لیے چلے گئے، اس لیے کہ آپ کا وطن مشرقی سمت میں حبشہ کے بالکل بالمقابل تھا اور وہاں رہتے ہوئے جب آپ کو یہ خبر مل گئی کہ اللہ کے رسول ﷺ اور آپ کے صحابہ مدینہ میں بحفظ و اماں سکونت پذیر ہو چکے ہیں تو آپ نے اپنے ساتھ اسلام لانے والوں کو لے کر مدینہ کا رخ کیا، لیکن سخت ہوا کی وجہ سے کشتی نے ان سب لوگوں کو حبشہ کی سرزمین میں اتار دیا، یہی احتمال قابل توجہ ہے اور اسی طرح تمام روایات میں تطبیق کی صورت پیدا ہو جاتی ہے، پس اسی پر اعتماد کیا جانا چاہیے۔ ❷

ا۔ رسول اکرم ﷺ ابوموسیٰ اشعری کو تمغۂ شرف سے نوازتے ہیں:

ا۔ تمھیں دو مرتبہ ہجرت کا شرف ملا: ...... ابوموسیٰ اشعری کا بیان ہے کہ ہم اپنی قوم کے پچاس سے کچھ زائد آدمیوں کے ساتھ یمن سے نکلے، ہم تین لوگ یعنی میں، ابورُہم اور عامر آپس میں بھائی تھے، ہمیں ہماری کشتی نے شاہ حبشہ نجاشی کے یہاں جعفر اور ان کے ساتھیوں کے پاس پہنچا دیا، پھر فتح خیبر کے موقع پر ہم ہجرت کر کے رسول اللہ ﷺ کے پاس آ گئے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَكُمُ الْهِجْرَةُ مَرَّتَيْنِ: هَاجَرْتُمْ إِلَى النَّجَاشِيِّ وَ هَاجَرْتُمْ إِلَيَّ .)) ❸

''تمھیں دو مرتبہ ہجرت کا شرف ہے، ایک مرتبہ تم نے نجاشی کے یہاں ہجرت کی اور ایک مرتبہ میرے پاس۔''

اور انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((يَقْدِمُ عَلَيْكُمْ غَدًا قَوْمٌ هُمْ أَرَقُّ قُلُوْبًا لِلإِسْلَامِ مِنْكُمْ .))

''کل تمھارے پاس ایک قوم آنے والی ہے، وہ اسلام کے لیے تم سے زیادہ نرم دل ہیں۔''

ج۔ اے اللہ عبداللہ بن قیس کو بخش دے اور انہیں باعزت مقام عطا فرما: ......

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ غزوۂ حنین سے فارغ ہوئے تو ابوعامر اشعری رضی اللہ عنہ کو لشکر اوطاس کا امیر بنا کر بھیجا، وہاں دُرید بن الصمہ سے لڑائی ہوئی، وہ قتل کیا گیا اور اللہ نے اس کے ساتھیوں کو

❶ صحيح البخاری حديث نمبر (٣١٣٦)، (٣٨٧٦) و مسلم (٢٥٠٢)، (٢٥٣٠).
❷ فتح الباری (٧/ ١٨٩).
❸ صحيح البخاری حديث نمبر (٣٨٧٦) و صحيح مسلم حديث نمبر (٢٥٠٢).

شکست دیا، اس معرکہ میں ایک آدمی نے ابوعامر کے گھٹنے میں زبردست تیر مارا، وہ آپ کے پیر میں پیوست ہوگیا۔ ❶ میں نے کہا: اے چچا! آپ کو کس نے تیر مارا؟ انھوں نے دُرید کی طرف اشارہ کیا، میں نے اسے پکڑنے کا عزم کیا اور جا ملا، جب اس نے مجھے دیکھا تو پیٹھ پھیر کر بھاگنے لگا۔ میں اس سے کہنے لگا: کیا تجھے شرم نہیں آتی؟ کیا تو عربی نہیں؟ کیا تو مقابلہ میں نہیں آئے گا؟ چنانچہ وہ رک گیا پھر ہم دونوں آپس میں بھڑ گئے، ایک دوسرے پر وار کیا اور میں نے اسے قتل کردیا، پھر میں لوٹ کر ابوعامر کے پاس گیا اور کہا: اللہ نے تمھارے اوپر حملہ کرنے والے کو قتل کردیا ہے، انھوں نے کہا: اب اس تیر کو نکالو، چنانچہ میں نے تیر نکالا اور زخم سے تیزی خون بہنے لگا۔

انھوں نے کہا: اے میرے بھتیجے! اللہ کے رسول ﷺ کے پاس جاؤ اور آپ سے میرا سلام کہو اور کہو کہ میرے لیے مغفرت کی دعا کردیں اور ابوعامر مجھے اپنی جگہ امیر مقرر کردیا، پھر کچھ دیر زندہ رہے اور وفات ہوگئی، جب ہم لوٹ کر اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آئے اور آپ کو ان کی بات سنائی تو آپ ﷺ نے وضو کیا، پھر آپ دونوں ہاتھوں کو اٹھایا اور یہ دعا کی: ((اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِعُبَیْدٍ أَبِي عَامِرٍ)) ''اے اللہ! عبید ابوعامر کو بخش دے۔'' آپ کے ہاتھ اس قدر بلند تھے کہ میں نے آپ کے بغل کی سفیدی دیکھ لی، پھر آپ نے فرمایا: ((اَللّٰھُمَّ اجْعَلْهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ فَوْقَ کَثِیْرٍ مِنْ خَلْقِكَ.)) ''اے اللہ! قیامت کے دن انھیں اپنی بہت ساری مخلوق کے اوپر رکھ۔'' میں کہنے لگا: اے اللہ کے رسول اور میرے لیے بھی دعا فرما دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ قَیْسٍ ذَنْبَهُ وَادْخِلْهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ مُدْخَلًا کَرِیْمًا.)) ❷

''اے اللہ عبداللہ بن قیس کے گناہ کو بخش دے اور قیامت کے دن انھیں معزز جگہ میں داخل فرما۔''

د۔ اس نے بشارت قبول نہ کی تم دونوں اسے قبول کرو:...... سیّدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں جعرانہ ❸ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس تھا، ایک اعرابی (بدو) آپ کے پاس آیا اور کہا: کیا آپ مجھ سے اپنا وعدہ پورا نہیں کریں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''أَبْشِرْ'' خوش ہوجا، اس نے کہا: آپ کی بشارت بہت ہوچکی، تب اللہ کے رسول ﷺ میری اور بلال کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

((إِنَّ ھٰذَا قَدْ رَدَّ الْبُشْرٰی فَاقْبَلَا أَنْتُمَا.))

''اس نے بشارت قبول کرنے سے انکار کردیا، تم دونوں اس کو قبول کرو۔''

دونوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم نے قبول کیا، پھر آپ نے ایک پیالہ منگوایا، اس میں اپنے ہاتھوں اور چہرے کو دھویا، پھر کلی کی اور فرمایا:

❶ سیر أعلام النبلاء (۲/ ۳۸۵).

❷ صحیح مسلم، حدیث نمبر (۲۴۹۸) یہ روایت صحیح بخاری میں بھی ہے۔ دیکھیے: حدیث نمبر (۲۸۸۴)، (۴۳۲۳)، (۶۳۸۳) (مترجم)

❸ مکہ اور طائف کے درمیان مکہ کے قریب ایک جگہ ہے۔

((اِشْرَبَا مِنْهُ، وَ اَفْرِغَا عَلَى رُءُوْسِكُمَا وَ نُحُورِ كُمَا .))

''اس سے تم لوگ پی لو اور اپنے سر اور سینہ پر ڈال لو۔''

چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا، تب تک پردے کے پیچھے سے ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے آواز لگائی:

((أَ فْضِلَا لِأُمِّكُمَا مِمَّا فِيْ إِنَائِكُمَا .)) [1]

''دیکھو تمھارے برتن میں جو ہے اس میں سے اپنی ماں کے لیے بھی بچانا۔''

چنانچہ انھوں نے ان کے لیے بھی بچا دیا۔

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی سیرت

آپ کا نام عمرو بن عاص بن وائل السہمی اور کنیت ابومحمد اور ابوعبداللہ ہے۔ ابن اسحاق [2] اور زبیر بن بکار [3] اس بات پر متفق نظر آتے ہیں کہ حبشہ میں نجاشی کے پاس اسلام لائے اور صفر ۸ھ میں مدینہ ہجرت کیا، جب کہ ابن حجر رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ ۸ھ میں فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے اور یہ بھی کہا گیا ہے یہ حدیبیہ اور خیبر کے درمیان اسلام لائے۔ [4]

سریۂ ذات السلاسل ۷ھ کی قیادت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں میں:

غزوہ موتہ میں رومیوں کا ساتھ دے کر بنوقضاعہ کو جو معمولی کامیابی ملی تھی، اس دھوکے میں آکر یہ لوگ مسلمانوں کے صفایا کے لیے مدینہ کے قریب اکٹھا ہونے کی تیاریاں کر رہے تھے، اللہ کے رسول ﷺ نے اطلاع پا کر ان کی سرکوبی کے لیے عمرو بن عاص کی قیادت میں ایک مسلح فوج ذات السلاسل کی طرف روانہ کی، عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اپنے ساتھ مہاجرین وانصار پر مشتمل تین سو مجاہدین کو لے کر آگے بڑھے اور جب آپ دشمن کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ اس کی تعداد بہت زیادہ ہے، اس لیے رسول اللہ ﷺ سے کمک طلب کی، چنانچہ نبی اکرم ﷺ کی طرف سے ابوعبیدہ بن جراح کی قیادت میں فوجی کمک آپہنچی، [5] پھر مسلمانوں نے کافروں سے جم کر لڑائی لڑی، عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بنوقضاعہ کے اندر تک گھس گئے، وہ سب بھاگ کھڑے ہوئے اور ان کی جماعت شکست خوردہ ہو کر منتشر ہوگئی، اس طرح عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ شام کے اطراف میں دوبارہ اسلام کی ہیبت واپس لانے اور مسلمانوں کے حلیفوں کو پہلی صداقت کی بنیادوں پر لوٹانے میں کامیاب ہوگئے، اسی طرح دوسرے قبائل بھی مسلمانوں کے حلیف بن گئے، بنوعبس، بنومرہ اور بنوذبیان کے بہت سے لوگ مسلمان ہوگئے، فزارہ اور اس

---

[1] صحیح مسلم، حدیث نمبر (۲٤۹۷) یہ روایت صحیح بخاری میں بھی ہے دیکھئے: حدیث نمبر (۱۹٦)، (٤۳۲۸)

[2] المعجم الکبیر/ طبرانی (۹/ ۳۵) ابن اسحاق نے اسے مرسلاً نقل کیا ہے۔

[3] الإصابة (۲/ ۳) خلافة علی / عبدالحمید ص (۲٦۳).

[4] تهذیب التهذیب (۸/ ۵٦).

[5] السیرة النبویة الصحیحة (۲/ ٤۷۱) السیرة النبویة / ابن هشام (۳/ ۲۸۰).

کے سردار عیینہ بن حصن مسلمانوں کے حلیف بن گئے اور انھیں کی متابعت میں بنو سلیم نے جس میں عباس بن مرداس سرفہرست ہیں اور بنو اشجع نے بھی مصالحت کر لی اور مسلمانوں کی جماعت اگرچہ عرب کے پورے شمالی علاقوں میں نہیں لیکن بیشتر شہروں میں ایک بڑی قوت بن کر ابھری۔ [1]

فضائل ومناقب:

آپ کے فضائل میں زبان رسالت سے ایمان کی گواھی:...... نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((أَسْلَمَ النَّاسُ وَآمَنَ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ .)) [2]

''لوگ اسلام لائے اور عمرو بن عاص ایمان لائے۔''

اور دوسری حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِبنَا الْعَاصِ مُؤْمِنَان عَمْرُو وَ هِشَامٌ .)) [3]

''عاص کے دونوں بیٹے یعنی عمرو اور ہشام مومن ہیں۔''

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مدینہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسری لوگ یکا یک گھبرا گئے، پھر لوگ منتشر ہو گئے، میں نے سالم کو دیکھا کہ انھوں نے تلوار سونتی اور مسجد میں بیٹھ گئے، ان کی دیکھا دیکھی میں نے بھی کیا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مجھے اور سالم کو دیکھا تو لوگوں کے پاس گئے اور کہا:

((أَيُّهَا النَّاسُ أَلَا مَفْزَعُكُمْ إِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ ، أَلَا فَعَلْتُمْ كَمَا فَعَلَ هٰذَانِ الرَّجُلَانِ الْمُؤْمِنَانِ .)) [4]

''اے لوگو! کیا میں تمھیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف نہ ابھاروں؟ تم لوگوں نے ان دونوں مومن آدمیوں کی طرح کیوں نہ کیا؟''

آپ کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا:...... زہیر بن قیس بلوی اپنے چچا علقمہ بن رمثہ بلوی سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن عاص کو بحرین بھیجا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اونگھ آ گئی، پھر آپ بیدار ہوئے تو فرمایا: ((رَحِمَ اللّٰهُ عَمْرًوا)) اللہ تعالیٰ عمرو پر رحم کرے، پھر ہم آپس میں بات کرنے لگے کہ کون سے عمرو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پھر اونگھ آ گئی اور پھر بیدار ہوئے تو فرمایا: ((رَحِمَ اللّٰهُ عَمْرًوا)) اللہ تعالیٰ رحم فرمائے عمرو پر۔ ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول کون عمرو؟ آپ نے فرمایا: عمرو بن عاص، ہم نے کہا: ان کی کیا خصوصیت ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] السيرة النبوية / أبی شهبة (٢/ ٤٣٣) السيرة النبوية/ ابن هشام (٤/ ٢٨٠) .
[2] سلسلة الأحاديث الصحيحة (١/ ٢٣٨) حديث نمبر (١٥٥) .
[3] ايضًا (١/ ٢٤٠) حديث نمبر (١٥٦) الطبقات (٤/ ١٩١) .
[4] مسند أحمد (٢/ ٢٠٣) اس کی سند حسن ہے۔

((ذَكَرْتُهُ إِنِّي كُنْتُ إِذَا نَدَبْتُ النَّاسَ لِلصَّدَقَةِ جَاءَ مِنَ الصَّدَقَةِ فَأَجْزَلَ ، فَأَقُوْلُ: مِنْ أَيْنَ لَكَ هَذَا يَا عَمرو؟ فَيَقُوْلُ: مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ .))

''مجھے یاد آیا کہ میں نے جب لوگوں کو صدقہ کے لیے آواز دی تو یہ خوب خوب صدقہ لے کر حاضر ہوئے، میں پوچھتا کہ اے عمرو! یہ تم کو کہاں سے ملا، تو کہتے: اللہ کی طرف سے۔''

یقیناً عمرو نے سچ کہا، اللہ کے پاس عمرو کے لیے بہت ساری بھلائی تھی۔ زہیر کا بیان ہے کہ جب فتنہ عروج پر تھا تو میں نے کہا: میں انھیں کے پیچھے رہوں گا ان کے بارے میں میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو بہت کچھ کہتے سنا ہے، پھر میں نے ان کا ساتھ نہ چھوڑا۔ ❶

ابوبکر، عمر، اور عثمان رضی اللہ عنہم کے زمانے میں آپ رضی اللہ عنہ کی خدمات:...... اللہ کے رسول ﷺ نے عمرو بن عاص کو جلندی کے دونوں بیٹوں یعنی جیفر اور عباد کو اسلام کی طرف بلانے کے لیے بھیجا تھا، چنانچہ آپ نے انھیں اسلام کی دعوت دی اوران دونوں نے نبی اکرم ﷺ کی تصدیق کی اور امور زکوۃ اور لوگوں کے مابین تصفیہ اور فیصلہ کو آپ کے حوالہ کر دیا، اور آپ کے مخالفین کے خلاف دونوں ہمہ وقت آپ کے معاون رہے۔ ❷

رسول اکرم ﷺ کی وفات کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو ایک فوج دے کر فلسطین روانہ کیا، البتہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کو اختیار دے دیا تھا کہ آپ چاہیں تو رسول اللہ ﷺ نے جس کام پر آپ کو مامور کیا ہے اسی پر باقی رہیں اور اگر آپ چاہیں تو اپنے لیے وہ پسند کرلیں جو دنیا و آخرت دونوں میں بھلا ہو، الا یہ کہ آپ جس کام پر لگے ہیں وہی آپ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہو۔ اس کے جواب میں عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اسلام کے تیروں میں سے ایک تیر ہوں اور آپ اللہ کے بعد اس کے تیر انداز ہیں اور اسے اکٹھا کرنے والے ہیں، پس آپ جس تیر میں سختی، خدا ترسی اور افضلیت دیکھیں اسی کو چلائیں۔ ❸ پھر جب آپ مدینہ آئے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ کو مدینہ سے نکل کر لشکر تیار کرنے کا حکم دیا تاکہ لوگ آپ کے ساتھ جائیں، پھر آپ ان کو لشکر کے ساتھ شام روانہ کیا۔ ❹

معرکہ یرموک میں عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ میمنہ پر تھے، اس جنگ میں آپ کو شرکت کامیابی کے لیے بہت موثر ثابت ہوئی تھی، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ شام کے محاذ جنگ پر ڈٹے رہے اور شام کی اسلامی فتوحات کو آگے بڑھانے میں آپ کی زبردست مشارکت رہی، چنانچہ بیسان، طبریہ، اور اجنادین کی فتوحات میں آپ نے شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کا ساتھ دیا، ❺ اور غزہ، لُدّ، یُبْنیٰ، عمواس، بیت جبرین، یافا، رفح اور

---

❶ المعجم الکبرٰی (٥/ ١٨) المستدرك (٣/ ٤٥٥) امام حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے، اور امام ذہبی فرماتے ہیں کہ اس کی سند حسن ہے۔
❷ الطبقات (١/ ٢٦٢) جوامع السيرة / ابن حزم ص (٢٤، ٢٩).
❸ إتمام الوفاء بسيرة الخلفاء ص (٥٥). ❹ فتوح الشام / البلاذری ص (٤٨، ٥١).
❺ تاريخ الطبرى (٣/ ٦٠٥) الكامل / ابن اثير (٢/ ٤٩٨).

بیت المقدس پر آپ نے فتح کا پرچم لہرایا اور صرف شام ہی کی فتوحات پر بس نہیں کی بلکہ مصر کے بعض مشہور شہروں کو بھی زیرنگیں کیا۔ کیونکہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فتوحات شام کے بعد عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنی فوج لے کر مصر کی طرف روانہ ہو جائیں، چنانچہ آپ وہاں سے مصر کی طرف چل پڑے، اور ''عریش'' پہنچ کر اسے فتح کیا، اسی طرح آپ کی فتوحات کا دائرہ فرما، فسطاط، قلعہ بابلیون، عین شمس، فیوم، اشمونین، اخمیم، بشرود، تنیس، دمیاط، تونہ، دقہلہ، دمیاط، اسکندریہ اور افریقہ کے دیگر شہر مثلاً برقہ، زویلہ اور طرابلس تک وسیع رہا۔ [1]

چنانچہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آپ کو سرداری اور قیادت کے اوصاف سے متصف کرتے ہوئے فرمایا: روئے زمین پر ابوعبداللہ کے لیے امیر بن کر چلنا ہی موزوں ہے۔ [2]

سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں آپ خلیفہ کے مقرب اور مشیر کاروں میں سے تھے، جب بلوائیوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کر لیا اور کوئی شکل بچاؤ کی باقی نہ رہی تو عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ مدینہ سے شام کی طرف چلے اور کہا: اے مدینہ کے لوگو! اللہ کی قسم جو شخص عثمان کے قتل میں حصہ لے گا اللہ اس کو ذلیل کرے گا اور جو شخص ان کی مدد کرنے سے قاصر ہو اس کو مدینہ چھوڑ دینا چاہیے، پھر آپ خود اور آپ کے دونوں بیٹے عبداللہ اور محمد اور ان کے بعد حسان بن ثابت رضی اللہ عنہم پھر یکے بعد دیگرے کئی لوگ وہاں سے نکل گئے۔ [3]

جب آپ کو راستے ہی میں خبر ملی کہ عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیے گئے اور لوگوں نے علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں پر بیعت خلافت کر لی ہے تو آپ نے اپنی ذات کو مخاطب کر کے کہا: میں ابوعبداللہ تیری ذات ایسی جنگ میں ہے کہ جس میں کسی نے کسی پھوڑے پھنسی کو ذرا کھجلایا، اس نے وقت سے پہلے اس کا چھلکا اتار دیا (یعنی ناگفتہ بہ اور حد درجہ تشویش ناک صورت حال ہے) اللہ تعالیٰ عثمان پر رحم کرے، ان سے راضی ہو اور ان کی مغفرت فرمائے۔ سلامہ بن زنباع الجذامی نے یہ سن کر کہا: اے عربوں کی جماعت! تمھارے اور اہل عرب کے درمیان ایک دروازہ تھا وہ اگر ٹوٹ گیا ہے تو دوسرا دروازہ بنا لو، عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے کہا: ہماری یہی خواہش ہے، لیکن دروازے کو بڑھئی کی ستالیاں ہی درست کر پائیں گی، جو حق کو مشکلات کی پرپیچ وادیوں سے نکالیں گی اور لوگ پورا پورا عدل پائیں گے، پھر آپ نے ان اشعار سے مثال دیا:

فَيَـا لَهْفَ نَـفْسِـيْ عَلٰـى مَـالِكٍ   وَ هَـلْ يَصْرِفُ مَالِكٌ حِفْظَ الْقَدْرِ

''مالک کی جدائی پر ہائے میری بے تابی، کیا مالک تقدیر کو پھیر سکتا ہے۔''

أَنْـزِعْ مِـنَ الْـحَـرِّ أَوْدَى بِهِـمْ   فَـأُعْـذُرْهُـمْ أَمْ بِـقَوْمِي سُـكُـرْ

''میں اس تاریکی کو دور کروں جو ان کو گھیرے ہوئے ہے، تو ان کو معذور سمجھوں، یا میری قوم پر نشہ طاری ہے۔''

---

[1] سير أعلام النبلاء (٣/ ٧٠) القيادة العسكرية فى عهد الرسول ص (٦٣٤، ٩٤٥).

[2] سير أعلام النبلاء ص (٣/ ٧٠).

[3] عمرو بن عاص / الغضبان ص (٤٦٤).

پھر آپ روتے ہوئے پیدل آگے چل پڑے اور کہہ رہے تھے: ہائے عثمان! تیری حیا اور تیرے دین پر مجھے ماتم ہے، اس طرح آپ دمشق پہنچے۔ ❶

یہ ہے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی زندگی کی سچی تصویر جو آپ کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو سمیٹے ہوئے ہے اور آپ کی زندگی کے خدوخال اور عثمان رضی اللہ عنہ سے آپ کی قربت کو نمایاں کرتی ہے، رہی آپ کی زندگی کی وہ تصویر جس میں آپ کی کردار کشی کرتے ہوئے آپ کو ایک مفاد پرست، لالچی اور دنیا دار انسان دکھایا گیا ہے تو اس تصویر کا دارومدار واہی تباہی اور ضعیف روایات پر ہے جو واقدی نے موسیٰ بن یعقوب سے نقل کی ہے۔ ❷

بے حد افسوس ہے کہ بہت سارے مورخین ومولفین ان ضعیف اور بے بنیاد روایتوں سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو تحت الثریٰ پہنچا دیا، جیسے کہ محمود شیث خطاب نے ''سفراء النبی'' ❸ میں اور عبدالخالق سید ابورابیہ نے ''عمرو بن العاص'' ❹ میں لکھا ہے۔ اور خاص طور سے مصری مولف عباس محمود عقاد جو اسناد کی کوئی اہمیت نہیں دیتا اور اس پر بحث کرنے والوں کا استہزاء کرتا ہے اس نے معاویہ اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کے کردار کو مجروح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ دونوں اس لیے مخالفت میں اٹھ کھڑے ہوئے کہ وہ مفاد پرست تھے اور اتنا ہی نہیں بلکہ ایسا لگتا ہے کہ اگر تاریخی روایات کے تمام ناقدین متحد ہو کر اس سلسلے میں ان دونوں کی طرف منسوب غلط روایات کی تردید وتکذیب کریں تو بھی عقاد پر کچھ اثر پڑنے والا نہیں، چنانچہ اس موضوع پر ضعیف اور من گھڑت روایات کو نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے: تاریخی روایات کے ناقدین اس گفتگو کی صداقت اور عبارتوں کی صحت کے متعلق جو بھی کہنا چاہیں کہیں کہ فلاں روایت کا راوی غیر معتبر ہے، اس روایت کی سند ثابت نہیں، یا متن صحیح نہیں، حتیٰ کہ اگر ساری تواریخ قطعیت کے ساتھ اس کی تردید کریں، لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان دونوں آدمیوں (معاویہ اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما) کے درمیان ملک گیری کے سودے پر اتفاق ہوا تھا اور مسند اقتدار کے لیے ایک دوسرے کے معاون تھے، انھوں نے باہم طے کر لیا تھا کہ جس کے قبضہ میں جو حصہ آئے گا وہ اس کا حاکم ہوگا، اگر یہ بات نہ ہوتی تو دونوں کے درمیان اتفاق نہ ہوتا۔ ❺

صحیح اور سچی بات یہ ہے کہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی شخصیت ایک اصولی شخصیت تھی، یہی وجہ رہی کہ جب عثمان رضی اللہ عنہ کی مدد کرنے سے عاجز رہے تو مدینہ چھوڑ دیا اور آپ کی شہادت کی خبر سنی تو بہت روئے، بغیر کسی منصب کے حوالے سے آپ عثمان رضی اللہ عنہ کی مجلس شوریٰ میں برابر شریک ہوتے تھے، مدینہ چھوڑ کر آپ معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس

---

❶ عمرو بن العاص / الغضبان ص (٤٦٤).
❷ عمرو بن العاص / الغضبان ص (٤٨١).
❸ سفراء النبی / محمود شیث خطاب ص (٥٠٨).
❹ عمرو بن العاص / عبدالخالق سید أبورابیة ص (٣١٦).
❺ عمرو بن العاص / العقاد ص (٢٣١، ٢٣٢).

گئے، اور وہاں دونوں ہی مظلوم خلیفہ راشد عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلین کے خلاف محاذ جنگ کھولنے کے لیے ایک دوسرے کے معاون رہے۔❶ تنہا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت ان سفاکوں اور مجرموں کے خلاف آپ کے پورے غصہ کو بھڑکانے کے لیے کافی تھی، اور ایسے وقت میں ضروری تھا کہ جن مجرموں نے حرم مقدس کی پاکیزگی کو داغ دار کیا ہے اور برسر عام خلیفۃ المسلمین کو قتل کیا ہے ان کے خلاف محاذ جنگ چھیڑنے کے لیے مدینہ کے علاوہ کسی اور جگہ کو منتخب کیا جائے، چنانچہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے یہی کیا، تو اگر عمرو بن عاص، عثمان رضی اللہ عنہما کی حمایت میں اس قدر غصب ناک ہوئے تو اس میں کون سی تعجب کی بات ہے؟ اس سلسلہ میں جن لوگوں کو آپ کے کردار پر شک ہے وہ محض اس بنا پر کہ ان کا حاصل مطالعہ وہ ضعیف اور من گھڑت روایات ہیں جن میں عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو مسند اقتدار کا لالچی اور حکومت کا خواہاں دکھایا گیا ہے۔❷

معاہدۂ تحکیم کی قراردادیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

۱۔ یہ وہ عہد نامہ ہے جس پر علی بن ابی طالب اور ان کے حامیوں نے اور معاویہ بن ابی سفیان اور ان کے حامیوں نے اتفاق کیا ہے، طے یہ پایا ہے ہم دونوں صرف کلام الٰہی اور سنت نبوی کے فیصلہ کو منظور کریں گے۔

۲۔ علی کے حق میں جو فیصلہ ہوگا وہ اہل عراق کے حاضر و غائب پر اور معاویہ کے حق میں جو فیصلہ ہوگا وہ شام والوں کے حاضر و غائب سب پر نافذ ہوگا۔

۳۔ کتاب اللہ ہمارے درمیان شروع سے آخر تک فیصلہ کن ہوگی، وہ جس بات کا ہمیں حکم دے گی ہم اس کی تعمیل کریں گے اور جس سے منع کرے گی اس سے رک جائیں گے۔ یہی ہمارا فیصلہ ہے اور اسی پر ہم راضی ہیں۔

۴۔ علی اور ان کے حامی عبداللہ بن قیس (ابوموسیٰ اشعری) کو اور معاویہ عمرو بن عاص کو اپنا حکم بنانے پر متفق و راضی ہیں۔

۵۔ علی اور معاویہ نے عبداللہ بن قیس (ابوموسیٰ اشعری) اور عمرو بن عاص سے اللہ کے عہد و میثاق اور اس کے رسول کے حکم کی پاس داری کے حوالے سے یہ معاہدہ لیا ہے کہ وہ دونوں قرآن کو اپنا امام بنائیں گے اور جو حکم اس میں تحریر پائیں گے اس سے تجاوز نہ کریں گے اور اگر کوئی بات کتاب اللہ میں نہ پائیں گے تو سنت عادلہ جامعہ کی طرف لوٹائیں گے اس میں جان بوجھ کر اختلاف نہ پیدا کریں گے اور نہ شبہ کی تلاش میں ہوں گے۔

۶۔ اسی طرح عبداللہ بن قیس اور عمرو بن عاص نے علی اور معاویہ سے اللہ کا یہ عہد و میثاق لیا ہے کہ کتاب اللہ اور

---

❶ عمرو بن العاص / الغضبان ص (٤٨٩، ٤٩٠).

❷ عمرو بن العاص / الغضبان ص (٤٩٢).

سنت نبی کے مطابق وہ دونوں جو بھی فیصلہ کریں گے انھیں خوشی خوشی منظور ہوگا، اسے توڑنے یا کسی دوسرے طرف فیصلہ لے جانے کا انھیں حق نہیں ہوگا۔

۷۔ حکمین کو ان کی جان و مال اور اہل و عیال کی حفاظت کا پورا اطمینان دلایا جاتا ہے، وہ حق سے نہ ہٹیں، کوئی خوش ہو یا ناراض، کتاب اللہ کے مطابق ان کے برحق فیصلہ نافذ کرنے میں امت ان کی مدد کرے گی۔

۸۔ اگر فیصلہ سے قبل حکمین میں سے کسی کی وفات ہو جائے تو اس کی بجائے اس کا فریق اسی جیسے عادل و صالح کو گزشتہ عہد و میثاق کے ساتھ روانہ کرے گا۔

۹۔ اگر اس معاملہ میں فیصلہ کی مقررہ مدت سے قبل دونوں امیروں میں سے کسی کی وفات ہوگئی تو اس کے ساتھی اس کی جگہ کسی دوسرے شخص کو جس کے عدل پر انھیں اطمینان ہو امیر بنا لیں گے۔

۱۰۔ یہ معاملہ فریقین کے درمیان گفت وشنید اور جنگ بندی کے سائے میں طے ہوگا۔

۱۱۔ ہم نے اس عہد نامہ میں دونوں امیر، دونوں حکم، اور دونوں فریق کے متعلق جن شرائط پر اتفاق کیا ہے اس کا احترام سب پر لازم ہے، اللہ تعالیٰ اس پر سب سے قریبی گواہ ہے اور وہی گواہی کے لیے کافی ہے، اگر ان دونوں میں سے کسی نے بھی ان کی مخالفت کی اور حد سے تجاوز کیا تو پوری امت ان دونوں کے فیصلے سے دست بردار ہے، اور کوئی معاہدہ اور کسی کا ذمہ نہیں۔

۱۲۔ معاہدہ کا وقت جب تک باقی ہے تمام لوگوں کو ان کی جان و مال اور اہل و عیال کی حفاظت کا پورا اطمینان دلایا جاتا ہے، ہتھیار رکھے ہوئے ہوں گے، راستے پر امن ہوں گے، فریقین کا جو فرد بھی غائب ہے اس معاملہ میں اس کے لیے بھی موجودہ لوگوں کی طرح حکم ہے۔

۱۳۔ حکمین کا فیصلہ ایسی جگہ ہو جو شام اور عراق کے وسط میں ہو۔

۱۴۔ ان دونوں کے پاس کوئی تیسرا فرد نہیں جائے گا البتہ وہ دونوں جسے پسند کریں وہ ان کی باہمی رضا مندی کے بعد جا سکتا ہے۔

۱۵۔ فیصلہ کرنے کی مدت ماہ رمضان ختم ہونے تک ہے، اگر حکمین مقررہ وقت سے پہلے فیصلہ سنانا چاہیں تو کر سکتے ہیں، اور اگر مقررہ مدت کے آخری وقت تک موخر کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔

۱۶۔ اگر وہ دونوں مقررہ مدت ختم ہونے تک کتاب اللہ اور سنت رسول کے مطابق فیصلہ نہیں کر پاتے تو فریقین اپنے پہلے کی جنگی پوزیشن پر لوٹ جائیں گے۔

۱۷۔ اس معاملہ میں پوری امت پر اللہ کا عہد و میثاق ہے، اگر کوئی شخص اس معاملہ میں الحاد، ظلم یا اختلاف پیدا کرے گا تمام لوگ اس کے خلاف متحد ہوں گے۔

پھر اس معاہدہ پر علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے آپ کے دونوں صاحبزادے، حسن اور حسین اور عبداللہ بن عباس،

عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب، اشعث بن قیس الکندی، اشتر بن الحارث، سعید بن قیس الہمدانی، حارث بن عبدالمطلب کے دو صاحبزادے حصین اور طفیل، ابوسعید بن ربیعہ الانصاری، عبداللہ بن خباب بن ارت، سہل بن حنیف، ابوبشر بن عمر الانصاری، عوف بن حارث بن عبدالمطلب، یزید بن عبداللہ الاسلمی، عقبہ بن عامر جہنی، رافع بن خدیج الانصاری، عمرو بن الحمق الخزاعی، نعمان بن عجلان الانصاری، حجر بن عدی الکندی، یزید بن حجیۃ الکندی، مالک بن کعب الہمدانی، ربیعہ بن شرحبیل، حارث بن مالک، حجر بن یزید، اور علبہ بن حجیہ گواہ بنے۔

اہل شام کی طرف سے حبیب بن مسلمہ الفہری، ابوالاعور السلمی، بسر بن ارطاۃ القرشی، معاویہ بن خدیج الکندی، مخارق بن حارث الزبیدی، مسلم بن عمرو السلسکی، عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید، حمزہ بن مالک، سبیع بن یزید بن ابجر العبسی، مسروق بن جبلہ العکی، بسر بن یزید الحمیری، عبداللہ بن عامر القرشی، عتبہ بن ابی سفیان، محمد بن ابی سفیان، محمد بن عمرو بن عاص، عمار بن الاحوص الکلبی، مسعدہ بن عمرو العتبی، صباح بن جلہمہ الحمیری، عبدالرحمٰن بن ذوالکلاع، تمامہ بن حوشب اور علقمہ بن حکم گواہ بنے۔

یہ معاہدہ بروز بدھ ۱۷ر صفر ۳۷ھ لکھا گیا۔[1]

[1] الوثائق السياسة (٥٣٧، ٥٣٨) الأخبار الطول / الدينورى ص (١٩٦، ١٩٩) أنساب الاشراف (١/ ٣٨٢) تاريخ الطبرى (٥/ ٦٦٥، ٦٦٦) البداية والنهاية (٧/ ٢٧٦، ٢٧٧).

چھٹا باب:

خوارج کے بارے میں علی رضی اللہ عنہ کا موقف

(۱)......خوارج کا تعارف

خوارج کی نشو ونما اور ان کا تعارف:

اہل علم نے خوارج کی متعدد تعریفیں کی ہیں، ان میں چند یہ ہیں:

- ابوالحسن الاشعری فرماتے ہیں کہ خوارج اس گروہ کو کہتے ہیں جس نے چوتھے خلیفۂ راشد علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج (بغاوت) کیا اور آپ کے خلاف اس کا خروج ہی ''خوارج'' نام رکھنے کا سبب بنا، آپ لکھتے ہیں کہ ''خوارج'' کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جب علی رضی اللہ عنہ نے معاہدہ ''تحکیم'' قبول کرلیا تو انھوں نے آپ کے خلاف خروج (بغاوت) کر دیا۔ [1]
- اور ابن حزم رحمہ اللہ کا خیال ہے کہ وہ شخص جو کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج (بغاوت) کرنے والوں کا ہم عقیدہ اور ہم مشرب ہو وہ خارجی ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

  ''جو شخص بھی انکار ''تحکیم''، مرتکبین کبائر کی تکفیر، ظالم ائمۃ المسلمین کے خلاف خروج، مرتکبین کبائر کے دائمی جہنمی اور غیر قریش میں امامت کے جواز کا عقیدہ رکھنے والوں میں خوارج کی موافقت کرے وہ خارجی ہے اور اگر مذکورہ چیزوں میں ان کے مخالف ہے اور مسلمانوں کے درمیان دیگر مختلف فیہ مسائل میں بھی ان کے خلاف ہے تو وہ خارجی نہیں ہے۔'' [2]

- اور علامہ شہرستانی رحمہ اللہ نے خوارج کی تعریف کا دائرہ عام کر دیا ہے اور ایسے تمام لوگوں کو خارجی شمار کرتے ہیں جو کسی بھی زمانے میں شرعاً مسلمانوں کے متفق علیہ امام کے خلاف خروج (بغاوت) کریں، چنانچہ خوارج کی تعریف اس طرح کرتے ہیں:

  ''برحق طریقہ پر متفق علیہ کسی بھی امام کے خلاف خروج کرنے والے کو خارجی کہا جائے گا، خواہ ایام صحابہ میں خلفائے راشدین کے خلاف خروج ہو یا ان کے بعد تابعین اور مابعد کے زمانے میں دیگر ائمہ کے خلاف۔'' [3]

خلاصہ یہ کہ خوارج وہ گروہ ہے جس نے معرکۂ صفین میں علی رضی اللہ عنہ کے معاہدہ ''تحکیم'' کو قبول کر لینے کی وجہ

---

[1] مقالات الإسلامیین ۱/ ۲۰۷ .
[2] الفصل فی الملل و النحل ۲/ ۱۱۳ .
[3] الملل و النحل ۲/ ۱۱۳ .

سے ان کے خلاف خروج (بغاوت) کیا تھا، یہ لوگ خوارج کے علاوہ دیگر القاب و اسماء سے بھی جانے پہچانے جاتے ہیں مثلاً ''حروریہ''، ❶ ''شراۃ''، ❷ ''المارقہ'' یا ''مُحکّمہ'' ❸ وغیرہ۔ واضح رہے کہ یہ لوگ ''مارقہ'' کے علاوہ بقیہ مذکورہ القاب کو اپنے حق میں تسلیم بھی کرتے ہیں۔ البتہ مارقہ کو اس لیے نہیں مانتے کہ انھیں حدیث میں ((مَارِقَةٌ مِّنَ الدِّيْنِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ)) ❹ یعنی جس طرح تیر جانور سے نکل جاتا ہے ایسے ہی انھیں دین سے نکل جانے والا کہا گیا ہے۔

خوارج کی مذمت میں واردشدہ احادیث:

خوارج کی مذمت میں نبی اکرم ﷺ کی بہت سی احادیث ثابت ہیں۔ ان میں خوارج کے ایسے گھناؤنے اور قابل نفریں اوصاف کا تذکرہ ہے کہ جن کی وجہ سے وہ بے حد گھٹیا اور خبیث ترین مقام کے مستحق ٹھہرتے ہیں، چنانچہ یہاں چند احادیث تحریر کی جاتی ہیں جن میں ان کی مذمت کی طرف واضح اشارہ ملتا ہے۔

- ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس تھے اور آپ کچھ تقسیم کررہے تھے، اتنے میں بنوتمیم کا ایک آدمی ذوالخویصرہ آ پہنچا اور کہا کہ اللہ کے رسول! عدل کرو، آپ ﷺ نے فرمایا: ((وَيْلَكَ وَ مَنْ يَّعْدِلُ إِذَا لَمْ اَعْدِلْ ، قَدْ خِبْتُ وَ خَسِرْتُ إِنَّ لَّمْ اَعْدِلْ .)) ''بربادی ہو تیری، جب میں عدل نہ کروں گا تو کون کرے گا میں تو ہلاک ہوگیا اور بدنصیب ٹھہرا اگر میں نے عدل نہ کیا۔'' عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول مجھے اجازت دیجیے کہ اس کی گردن ماردوں، آپ ﷺ نے فرمایا: ((دَعْهُ فَإِنَّ لَهُ أَصْحَابًا يَحْقِرُ أَحَدُكُمْ صَلٰوتَهُ مَعَ صَلٰوتِهِمْ وَ صِيَامَهُ مَعَ صِيَامِهِمْ يَقْرَؤُوْنَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ يَمْرُقُوْنَ مِنَ الْإِسْلَامِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمْيَةِ .)) ''جانے دو، کیونکہ اس کے ساتھی ہوں گے کہ تم اپنی نمازوں کو ان کی نمازوں کے آگے اور اپنے روزے کو ان کے روزے کے آگے حقیر سمجھو گے، وہ قرآن پڑھیں گے، لیکن ان کے حلق سے نیچے نہ اترے گا، وہ اسلام سے ایسے نکل جائیں گے کہ جیسے تیر کمان سے۔'' تیرانداز اس کے پیکان کو دیکھتا ہے تو اس میں کچھ بھرا ہوا نہیں پاتا، پیکان کی جڑ کو دیکھتا ہے تو اس میں بھی کچھ نہیں پھر اس کی لکڑی کو دیکھتا ہے تو اس میں کچھ نہیں، پھر اس کے پر کو دیکھتا ہے تو اس میں بھی کچھ نہیں، اور تیر اس شکار کی بیٹ اور خون سے نکل چکا ہوتا ہے۔ اس گروہ کی نشانی یہ ہے کہ اس میں ایک کالا آدمی ہوگا، اس کا ایک بازو عورت کی پستان

❶ اس کی وجہ تسمیہ ہے کہ الگ ہونے کے بعد یہ لوگ سب سے پہلے مقام ''حروراء'' میں اکٹھا ہوئے تھے۔
❷ ''شراۃ'' کے معنی سودا کرلینے والے، چنانچہ یہ لوگ اپنے بارے میں کہتے ہیں کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے اپنی جانوں کا سودا کرلیا ہے۔
❸ اس کی وجہ تسمیہ ہے کہ یہ تحکیم کے منکر اور ''لَا حُكْمَ إِلَّا لِلّٰهِ'' کے نعرے باز تھے۔
❹ مقالات الإسلاميين ۱/ ۲۰۷ .

کا سا ہوگا، یا آپ نے فرمایا: جیسے گوشت کا لوتھڑا تھلتھلاتا ہوا، وہ گروہ اس وقت نکلے گا جب لوگوں میں پھوٹ ہوگی۔

ابوسعید رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے اور گواہی دیتا ہوں کہ علی رضی اللہ عنہ ان سے لڑے اور میں آپ کے ساتھ تھا۔ آپ نے اسے (صفت مذکور والے شخص کو) ڈھونڈنے کا حکم دیا اور وہ ملا اور آپ کے پاس لایا گیا، میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں جس طرح فرمایا تھا وہ ویسا ہی تھا۔ ❶

- ابوسلمہ اور عطاء کا بیان ہے کہ وہ دونوں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا: کیا آپ نے ''حروریہ'' کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سنا ہے؟ انھوں نے کہا: میں نہیں جانتا کہ حروریہ کون ہیں، مگر میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ ((يَـخْـرُجُ فِيْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ)) ''اس امت میں ایک قوم نکلے گی۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''مِنْهَا'' یعنی اس امت سے ہوگی، نہیں فرمایا۔ آگے فرمایا:

((تَـحْـقِرُوْنَ صَلَوَاتِكُمْ مَعَ صَلَوَاتِهِمْ، فَيَقْرَؤُوْنَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ حُلُوْقَهُمْ - أَوْ- حَـنَاجِرَهُمْ، يَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّيْنِ مُرُوْقَ السَّهْمِ مِنَ الرَّمِيَّةِ، فَيَنْظُرُ الرَّامِيْ إِلٰى سَهْمِهٖ إِلٰى نَصْلِهٖ إِلٰى رِصَافِهٖ فَيَتَمَارٰى فِي الْفُوْقَةِ هَلْ عَلِقَ بِهَا مِنَ الدَّمِ شَيْءٌ.)) ❷

''تم اپنی نماز کے آگے ان کی نماز کو حقیر جانو گے، وہ قرآن پڑھیں گے، ان کے حلقوں سے یا گلوں سے نیچے نہ اترے گا، دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے، کہ شکاری دیکھتا ہے اپنی تیر کی لکڑی کو، اور اس کی پھال کو اور اس کی پر کو، اور غور کرتا ہے اس کے کنارۂ اخیر کو جو اس کی چٹکیوں میں تھا کہ کہیں اس کی کسی چیز میں کچھ خون بھرا ہے (تو دیکھتا ہے کہیں کچھ بھی نہیں بھرا)''

- صحیح بخاری میں یسیر بن عمرو کا بیان ہے کہ میں نے سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا آپ نے خوارج کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ کہتے ہوئے سنا ہے؟ تو انھوں نے کہا کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے درآں حالیکہ آپ نے عراق کی طرف اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا:

((يَـخْـرُجُ مِـنْـهُ قَـوْمٌ يَقْرَؤُوْنَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ يَمْرُقُوْنَ مِنَ الْإِسْلَامِ مُرُوْقَ السَّهْمِ مِنَ الرَّمِيَّةِ.)) ❸

---

❶ صحيح مسلم / الزكاة/ باب ذكر الخوارج و صفاتهم (١٠٦٤).

❷ صحيح مسلم / الزكاة/ باب ذكر الخوارج و صفاتهم (١٠٦٤).

❸ صحيح البخاري، كتاب استتابة المرتدين، باب من ترك قتال الخوارج للتألف حديث نمبر (٦٩٣٤).

''اس سے ایک قوم نکلے گی، وہ قرآن پڑھیں گے لیکن ان کے حلق سے نیچے نہ اترے گا، وہ اسلام سے ایسے ہی نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے۔''

خوارج کا حروراء کی طرف سمٹ جانا اور ان سے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مناظرہ

جس وقت سیّدنا علی رضی اللہ عنہ اپنی فوج کے ساتھ صفین سے کوفہ لوٹ رہے تھے ٹھیک اسی وقت خوارج، علی رضی اللہ عنہ کی فوج سے بہت سے لوگوں کو لے کر آپ سے الگ ہوگئے، ان کی تعداد بعض روایات کے مطابق دس ہزار سے کچھ زیادہ اور بعض میں تحدید کے ساتھ بارہ ہزار [1] اور ایک روایت کے مطابق آٹھ ہزار [2] اور بعض کے مطابق چودہ ہزار تھی۔ [3] اسی طرح بعض روایات میں ان کی تعداد بیس ہزار بتائی گئی ہے، لیکن یہ روایت بلا سند ہے۔ [4]

بہر حال یہ لوگ کوفہ پہنچنے سے قبل علی رضی اللہ عنہ کی فوج سے کئی مرحلوں میں الگ ہوئے، فوج کا اس قدر ٹوٹنا سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کے لیے بے چینی اور خوف کا سبب بن رہا تھا، تاہم علی رضی اللہ عنہ اپنے فرماں بردار بقیہ فوج کو لے کر چلتے رہے اور کوفہ پہنچ گئے۔ وہاں پہنچنے کے بعد جب آپ کو خبر ملی کہ خوارج نے اپنی منظّم جماعت بنالی ہے، نماز کا ایک امیر، اور قتال کا دوسرا امیر منتخب کرلیا ہے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا دعویٰ کر رہے ہیں اور اللہ کے لیے بیعت کررہے ہیں، تو آپ یہی گتھی سلجھانے میں پھنس گئے، کیونکہ یہ سب حرکتیں عملاً مسلمانوں کی جماعت سے الگ ہوجانے کی علامتیں تھیں۔ ہر چند کہ انھوں نے یہ سب کیا تھا، لیکن علی رضی اللہ عنہ انھیں مسلمانوں کی جماعت میں لانے کے لیے بہت حریص تھے، چنانچہ آپ نے خوارج سے مناظرہ کرنے کے لیے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو ان کے پاس بھیجا۔

آیئے خود ابن عباس رضی اللہ عنہما کی زبانی ان تفصیلات کو سنیں، وہ فرماتے ہیں کہ میں ان کی طرف چلا اور یمن کا ایک خوب صورت ترین حلہ (جوڑا) زیب تن کیا، کنگھی کی، اور ٹھیک دوپہر کے وقت ان کے پاس پہنچا جب وہ ایک گھر پر علیحدہ جمع تھے۔ واضح رہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما ایک خوب رو اور بلند آواز والے مرد تھے، انھوں نے مجھ کو دیکھ کر مرحبا مرحبا کہا اور کہنے لگے کہ اے ابن عباس یہ حلہ کیسا ہے؟ میں نے کہا: مجھ پر اس حلہ سے عیب نہ لگاؤ، میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بہتر سے بہتر حلوں میں ملبوس دیکھا ہے اور قرآن میں یہ آیت نازل کی گئی ہے:

﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ﴾

(الاعراف: ۳۲)

''تو کہہ کس نے حرام کی اللہ کی زینت جو اس نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی اور کھانے پینے کی

---

[1] تاریخ بغداد (۱/ ۱٦۰).

[2] البداية والنهاية (۷/ ۲۸۰، ۲۸۱) اس کی سند صحیح ہے۔ مجمع الزوائد (٦/ ۲۳۵).

[3] مصنف عبدالرزاق (۱۰/ ۱۵۷، ۱٦۰) بسند حسن.

[4] تاريخ خليفة ص (۱۹۲).

پاکیزہ چیزیں؟''

پھر انھوں نے کہا: آپ کا آنا کیسے ہوا؟ میں نے کہا: میں مہاجرین وانصار صحابہ کے پاس سے آرہا ہوں، نبی کریم ﷺ کے داماد، اور آپ کے عم زاد بھائی کے پاس سے آرہا ہوں، انھیں پر قرآن نازل ہوا، وہ قرآن کی تفسیر اور اس کا معنی ومفہوم تم سے زیادہ جانتے ہیں، اور ان کا کوئی فرد تم میں نہیں ہے، میں تمھیں ان کے خیال سے اور ان کو تمھارے خیال سے متعارف کراؤں گا، چنانچہ کچھ لوگ الگ ہو کر میرے پاس آئے۔ میں نے کہا: اصحاب رسول اور علی رضی اللہ عنہ کے خلاف تمھیں کیا شکایات ہیں؟ انھوں نے کہا: تین شکایتیں ہیں۔ میں نے کہا: وہ کیا ہیں؟ انھوں نے کہا: پہلی شکایت تو یہ ہے کہ انھوں نے اللہ کے معاملہ میں انسانوں کو حکم تسلیم کر لیا، حالانکہ اللہ فرماتا ہے: ﴿إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ﴾ ''حکم صرف اللہ کے لیے ہے۔'' پس اس آیت کی روشنی میں انسانوں کا ''حکم'' سے کیا تعلق؟ میں نے کہا: ایک ہوئی۔ دوسری شکایت کیا ہے؟ انھوں نے کہا: انھوں نے (معاویہ اور ان کے ساتھیوں سے) قتال کیا، لیکن نہ انھیں برا بھلا کہا اور نہ ان کا مال لوٹا، اگر وہ کافر تھے تو انھیں قیدی بنانا جائز تھا اور اگر مومن تھے تو نہ انھیں قید کیا جاسکتا تھا اور نہ ان سے قتال جائز تھا، میں نے کہا: یہ دوسری ہوئی۔ تیسری شکایت کیا ہے؟ انھوں نے کہا کہ انھوں نے عہد نامہ تحکیم سے خود ''امیر المومنین'' کا لقب مٹا دیا، اگر وہ امیر المومنین نہیں تو کیا امیر الکافرین ہیں؟ پھر میں نے کہا: کیا ان کے علاوہ بھی اور کچھ ہے؟ انھوں نے کہا کہ نہیں، بس اتنا ہی۔

میں نے ان سے کہا: کیا میں کتاب اللہ اور سنت رسول کی روشنی میں تمھاری باتوں کو غلط ٹھہراؤں تو لوٹ آؤ گے؟ انھوں نے کہا: ہاں، پھر میں نے کہا کہ تمھاری یہ شکایت کہ انھوں نے اللہ کے معاملہ میں انسانوں کو حکم بنایا، تو اس کے جواب میں مَیں تمھیں قرآن کی ایک آیت سناتا ہوں، جس میں اللہ نے ربع درہم جیسی معمولی چیز کے بارے میں انسانوں کو حکم ٹھہرایا ہے اور انھیں حکم دیا ہے کہ اس میں فیصلہ کریں، اللہ کے اس کلام کے بارے میں کیا خیال ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ ۚ وَمَنْ قَتَلَهُ مِنْكُمْ مُتَعَمِّدًا فَجَزَاءٌ مِثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ﴾ (المائدۃ: ۹۵)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! شکار کو مت قتل کرو، اس حال میں کہ تم احرام والے ہو اور تم میں سے جو اسے جان بوجھ کر قتل کرے تو چوپاؤں میں سے اس کی مثل بدلہ ہے جو اس نے قتل کیا، جس کا فیصلہ تم میں سے دو انصاف والے کریں۔''

میں تمھیں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ بتاؤ! لوگوں کے اختلافات کو مٹا کر صلح پیدا کرنے اور انھیں خون ریزی سے بچانے کے لیے ''حکم'' مقرر کرنا بہتر ہے، یا ایک خرگوش کے بارے میں (جس کی قیمت ربع درہم ہے) انھوں نے کہا: ہاں، یہی افضل و بہتر ہے۔

اور سنو! بیوی اور اس کے خاوند کے بارے میں اللہ نے فرمایا:

﴿ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ﴾

(النساء: ٣٥)

''اور اگر ان دونوں کے درمیان مخالفت سے ڈرو تو ایک منصف مرد کے گھر والوں سے اور ایک منصف عورت کے گھر والوں سے مقرر کرو۔''

پس میں تمھیں پھر اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ مسلمانوں کے درمیان مصالحت کروانے اور ان کی باہمی خون ریزی کو روکنے میں حکم مقرر کرنا بہتر ہے یا عورت کے سامان لذت (شرم گاہ) میں۔ کیا میں (پہلے اعتراض سے) نکل گیا۔ انھوں نے کہا: ہاں۔ پھر میں نے کہا: تمھاری یہ شکایت کہ انھوں نے قتال کیا، لیکن مقابل کو برا بھلا نہیں کہا، ان کا مال نہیں لوٹا، تو اس سلسلے میں مَیں پوچھتا ہوں کہ کیا تم اپنی ماں عائشہ رضی اللہ عنہا کو گالیاں دینا پسند کرتے ہو، اور ان کے بارے میں بھی ان باتوں کو حلال جانو گے جو ان کے سوا کے لیے حلال جانتے ہو؟ اگر ایسا ہے تو تم نے کفر کیا اور اگر یہ کہو کہ وہ ہماری ماں نہیں ہیں تو بھی تم کافر ہو گئے کیونکہ اللہ کا ارشاد ہے:

﴿ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ﴾ (الاحزاب: ٦)

''یہ نبی مومنوں پر ان کی جانوں سے زیادہ حق رکھنے والا ہے اور اس کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔''

تو تم دو گمراہیوں کے درمیان پھنسے ہوئے ہو، اس سے نکلنے کا راستہ تمھیں بتاؤ۔ کیا میں اس شکایت سے نکل گیا، انھوں نے کہا: ہاں۔ پھر میں نے کہا: تمھاری یہ شکایت کہ انھوں نے اپنے نام سے امیر المومنین کا لقب کیوں مٹا دیا، تو میں اس کی دلیل تمھیں دیتا ہوں، نبی اکرم ﷺ نے صلح حدیبیہ کے موقع پر مشرکین سے جب مصالحت کی تھی تو علی رضی اللہ عنہ سے کہا:

((اُكْتُبْ يَا عَلِيُّ هٰذَا مَا صَالَحَ عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ .))

''اے علی! لکھو کہ یہ معاہدہ ہے جس پر محمد رسول اللہ نے اتفاق کیا ہے۔''

یہ سن کر مشرکین کہنے لگے: اگر ہم آپ کو رسول اللہ مانتے تو پھر آپ سے جنگ کیوں لڑتے، تب رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

((اُمْحُ يَا عَلِيُّ! اَللّٰهُمَّ اَنَّكَ تَعْلَمُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ، أَمَحَ يَا عَلِيُّ! وَ اكْتُبْ هٰذَا مَا صَالَحَ عَلَيْهِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ، وَ اللّٰهِ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنْ عَلِيٍّ .))

''اے علی اسے مٹا دو، اے اللہ تو خوب جانتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں، اے علی! مٹا دو اور لکھو کہ یہ معاہدہ ہے جس پر محمد بن عبداللہ نے اتفاق کیا ہے، اللہ کی قسم اللہ کا رسول علی سے بہتر ہے۔''

پھر آپ ﷺ نے خود ہی مٹا دیا، پس اس کا یہ مطلب نہ تھا کہ آپ ﷺ نے خود کو نبوت سے مٹا دیا ہے۔

بتاؤ کیا میں اس آخری شکایت سے بھی نکل گیا، انھوں نے کہا: ہاں۔ پھر ان میں سے دو ہزار لوگ دوبارہ علی رضی اللہ عنہ کی جماعت میں واپس لوٹ آئے اور بقیہ نے انکار کر دیا اور اپنی گمراہی پر انھوں نے قتال کیا اور مہاجرین و انصار نے انھیں قتل کیا۔ ❶

بقیہ خوارج سے مناظرہ کے لیے امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کا نکلنا اور کوفہ پہنچنے کے بعد ان کے ساتھ برتاؤ کی نوعیت، پھر خوارج کا دوبارہ خروج

خوارج سے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مناظرہ اور اس کے نتیجہ میں دو ہزار خوارج کی واپسی کے بعد امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ خود خوارج کے پاس گئے اور ان سے گفتگو کی، جس کے نتیجے میں یہ لوگ کوفہ واپس آ گئے۔ لیکن یہ اتفاق زیادہ دیر تک باقی نہ رہا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ دوران گفتگو انھوں نے علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ سمجھ لیا کہ آپ تحکیم سے رجوع کر چکے ہیں اور اپنی غلطی سے توبہ کر لی ہے، حالانکہ یہ سب ان کی خام خیالی تھی اور اسی خام خیالی کو وہ لوگوں میں پھیلا رہے تھے، چنانچہ اشعث بن قیس الکندی، امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ لوگ آپس میں باتیں کر رہے ہیں کہ آپ نے ان کی وجہ سے کفر سے رجوع کر لیا ہے تو علی رضی اللہ عنہ نے بروز جمعہ خطبہ دیا، اور حمد و صلاۃ کے بعد خوارج کی ریشہ دوانیوں، لوگوں سے ان کے اختلاف اور اساسِ اختلاف کا ذکر کیا۔ ❶

ایک روایت میں ہے کہ اسی دوران ایک آدمی آیا اور کہا: ”لَا حُكْمَ إِلَّا لِلّٰهِ“ پھر دوسرا اٹھا اور کہنے لگا: ”لَا حُكْمَ إِلَّا لِلّٰهِ“ پھر مسجد کے مختلف حصوں میں یہ لوگ ”لَا حُكْمَ إِلَّا لِلّٰهِ“ کا نعرہ لے کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ نے اپنے ہاتھ سے انھیں بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا: ہاں ٹھیک ہے: ”لَا حُكْمَ إِلَّا لِلّٰهِ“ یہ کلمہ برحق ہے، اس سے باطل کا ارادہ ہے۔ میں تمھارے بارے میں اللہ کے حکم کا منتظر ہوں۔ ❷ اس طرح آپ منبر ہی سے اشارہ کے ذریعے سے انھیں بیٹھ جانے کو کہتے رہے، تب تک ایک آدمی اپنے دونوں کانوں میں انگلیاں ڈالے ہوئے اٹھا اور قرآن کی یہ آیت پڑھی:

﴿ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴾ (الزمر: ٦٥)

”بلاشبہ اگر تو نے شریک ٹھہرایا تو یقیناً تیرا عمل ضرور ضائع ہو جائے گا اور تو ضرور بالضرور خسارہ اٹھانے والوں سے ہو جائے گا۔“

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے اس کا جواب اس آیت کریمہ سے دیا:

﴿ فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِينَ لَا يُوقِنُونَ ﴾ (الروم: ٦٠)

”پس صبر کر، یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے اور وہ لوگ تجھے ہرگز ہلکا نہ کر دیں جو یقین نہیں رکھتے۔“

---

❶ مصنف ابن أبی شیبة (١٥/ ٣١٢-٣١٣) شیخ البانیؒ نے اس کی تصحیح کی ہے۔ إرواء الغلیل ٨/ ١١٨.

❷ مرویات أبی مخنف فی تاریخ الطبری ص ٤٥٢.

اس کے بعد امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے اس شدت پسند جماعت کے متعلق اپنی عادلانہ اور حکیمانہ سیاست کا اعلان کرتے ہوئے کہا: جب تک تم ہمارے ساتھ ہو ہم پر تمھارے تین حق ہیں:

- ہم تمھیں اپنی مساجد میں نماز پڑھنے سے نہیں روکیں گے تاوقتیکہ تم ان میں اللہ کا ذکر کرتے رہو۔
- ہم تمھیں مال غنیمت حاصل کرنے سے منع نہیں کریں گے تاوقتیکہ ہمارے ساتھ مل کر لڑتے رہو۔
- ہم تم سے اس وقت تک نہیں لڑیں گے جب تک تم ہم سے لڑائی شروع نہ کر دو۔[1]

اس طرح امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے انھیں مذکورہ تین حقوق عطا کیے تاوقتیکہ وہ خلیفہ سے قتال نہ کریں، یا عام مسلمانوں کے خلاف خروج نہ کریں، اس کے ساتھ ساتھ اسلامی عقیدہ کے دائرہ میں انھیں ان کے مخصوص افکار و نظریات پر باقی رہنے دیا، انھیں اسلام سے خارج نہ گردانا بلکہ اختلاف کرنے کا حق دیا، لیکن ایسا نہیں کہ یہ اختلاف گروہ بندی اور ہتھیار اٹھانے کا سبب ہو۔ نہ ہی آپ نے انھیں پس زنداں دھکیلا، نہ ان پر جاسوس مسلط کیے اور نہ ہی ان کی آزادیوں کو پابند سلاسل کیا، بلکہ ان کے اوران کے دھوکے میں آئے ہوئے لوگوں کے سامنے اتمام حجت اور اظہار حق کے لیے حرص کا مظاہرہ کیا، آپ نے اپنے موذن کو حکم دیا کہ قراء (حفاظ) کو اکٹھا کرو، صرف حافظ قرآن ہی میرے پاس آئیں، چنانچہ اس قدر حفاظ قرآن جمع ہوگئے کہ منزل ان سے کھچا کچ بھر گئی، آپ نے قرآن منگوایا اور اسی کی ورق گردانی کرتے ہوئے کہتے جاتے: اے قرآن! لوگوں کو بتا دے، آپ کو ایسا کرتے دیکھ کر لوگ کہنے لگے: اے امیر المومنین! آپ اس سے کیا کہہ رہے ہیں، یہ تو ورق میں لکھی ہوئی چند تحریریں ہیں، ہم اس کا جتنا حصہ رکھتے ہیں اسے پڑھ سکتے ہیں، آپ کا مقصد کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: تمھارے یہ ساتھی جو الگ ہوگئے ہیں کہتے ہیں کہ ہمارے اور تمھارے درمیان اللہ کی کتاب ''حکم'' ہے۔ (اس لیے میں قرآن سے جواب دینے کو کہہ رہا ہوں) جب اللہ تعالیٰ بیوی اور خاوند کے بارے میں اپنی کتاب میں کہتا ہے:

﴿ وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا إِن يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا ﴾ (النساء : ۳۵)

''اور اگر ان دونوں کے درمیان مخالفت سے ڈرو تو ایک منصف مرد کے گھر والوں سے اور ایک منصف عورت کے گھر والوں سے مقرر کرو، اگر وہ دونوں اصلاح چاہیں گے تو اللہ دونوں کے درمیان موافقت پیدا کر دے گا۔''

تو امت محمدیہ کا خون اور تقدس ایک مرد اور عورت کے بالمقابل کہیں زیادہ ہے۔ اسی طرح ان لوگوں کو مجھ پر اعتراض ہے کہ میں نے معاویہ سے معاہدہ کر لیا اور ''امیر المومنین'' نہ لکھ کر فقط علی بن ابی طالب لکھنے پر راضی ہوگیا۔

---

[1] مصنف ابن أبی شیبة (۱۵/ ۳۲۷-۳۲۸) الأم/ الشافعی (۴/ ۱۳۶)، تاریخ الطبری (۵/ ۶۸۸) بسند ضعیف از وجہ انقطاع۔ شیخ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سند کے دیگر شواہد اور متابعات موجود ہیں۔ (إرواء الغلیل ۸/ ۱۱۷)

حالانکہ میرے پاس اس کی شہادت موجود ہے، جس وقت اللہ کے رسول ﷺ حدیبیہ میں قریش کے ساتھ صلح کا معاہدہ کر رہے تھے، ہم آپ کے ساتھ تھے، بالکل معاہدہ تحریر کیے جانے کے وقت سہیل بن عمرو (قریش کا ایلچی) آ پہنچا، اللہ کے رسول ﷺ نے لکھا: ((بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ)) اس پر سہیل نے اعتراض کیا، اور کہا کہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم نہ لکھو، آپ نے پوچھا: پھر کیا لکھوانا چاہتے ہو، اس نے کہا: بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ لکھو، اللہ کے رسول ﷺ نے مجھ سے کہا: یہی لکھ دو، چنانچہ میں نے لکھ دیا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ((اُكْتُبْ هٰذَا مَا صَالَحَ عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ)) لکھو کہ ''یہ وہ معاہدہ ہے جس پر محمد رسول اللہ ﷺ نے مصالحت کی ہے۔'' سہیل نے کہا: اگر ہم آپ کو رسول اللہ مانتے تو آپ سے جنگ کیوں کرتے، چنانچہ یہی لکھا گیا کہ یہ معاہدہ ہے جس پر محمد بن عبداللہ نے اہل قریش سے مصالحت کی ہے اور اے لوگو! اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں کہتا ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ﴾
(الأحزاب: ۲۱) [1]

''بلاشبہ یقیناً تمھارے لیے اللہ کے رسول میں ہمیشہ سے اچھا نمونہ ہے، اس کے لیے جو اللہ اور یوم آخرت کی امید رکھتا ہو اور اللہ کو بہت زیادہ یاد کرتا ہو۔''

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کا یہ خطاب سن کر خوارج کو اب یقین ہو چکا تھا کہ علی رضی اللہ عنہ ابوموسیٰ اشعری کو بحیثیت ''حکم'' یعنی فیصل (اپنا نائب) ماننے کا عزم کر چکے ہیں، چنانچہ انھوں نے اپنا مطالبہ یعنی ''انکار تحکیم'' کو پھر دہرایا، لیکن علی رضی اللہ عنہ نے اس سے انکار کر دیا اور واضح طریقہ پر بتا دیا کہ اب ہمارا یہ اقدام غداری، وعدہ خلافی اور عہد و پیمان کو توڑنے کے مترادف ہے، ہمارے اور ان کے معاہدے تحریر میں درج ہیں اور اللہ فرماتا ہے:

﴿وَ اَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَ لَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَ قَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا﴾ (النحل: ۹۱)

''اور اللہ کا عہد پورا کرو جب آپس میں عہد کرو اور قسموں کو ان کے پختہ کرنے کے بعد مت توڑو، حالانکہ یقیناً تم نے اللہ کو اپنے آپ پر ضامن بنایا ہے۔''

صورت حال کو بھانپ کر خوارج نے علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ چھوڑنے اور اپنا ایک الگ امیر منتخب کرنے کا تہیہ کر لیا، چنانچہ وہ سب عبداللہ بن وہب الراسبی کے گھر میں جمع ہوئے، اس نے ان کے درمیان ایک بلیغ خطبہ دیا، انھیں دنیا بے زاری، آخرت طلبی اور حصول جنت کی ترغیب دلائی، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر ابھارا اور کہا: ہمیں اپنے بھائیوں کو لے کر اس ظالم بستی سے کسی دوسری زرخیز زمین، یا پہاڑی علاقوں، یا ایسے شہروں کی طرف نکل جانا

[1] مسند أحمد (۲/ ٦٥٦) احمد شاکر نے کہا: اس کی سند صحیح ہے۔

چاہیے، جہاں کے حکام اس ظلم کی تردید کرتے ہوں۔

اس کے بعد حرقوص بن زہیر کھڑا ہوا، اس نے اللہ کی حمد وثنا بیان کی اور کہا: اس دنیا کا آرام بہت کم ہے اور اس سے جدائی عنقریب ہے۔ لہٰذا دنیا کی رنگینیاں تمھیں یہاں روکنے میں دھوکا نہ دیں اور تمھیں طلب حق وانکار ظلم سے باز نہ رکھیں:

﴿إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوا وَّالَّذِينَ هُم مُّحْسِنُونَ ﴿١٢٨﴾﴾ (النحل: ۱۲۸)

''بے شک اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو ڈر گئے اور ان لوگوں کے جو نیکی کرنے والے ہیں۔''

اس کے بعد حمزہ بن سنان اسدی نے کہا: اے لوگو! آپ لوگوں کی رائے ٹھیک ہے اور آپ سب حق پر ہیں، لہٰذا اپنوں میں سے کسی کو اپنا امیر منتخب کر لیں، کیونکہ تمھیں بہرحال کسی پشت پناہ، طاقت اور عَلَم کی ضرورت ہے جس کے تلے تم سب جمع ہوسکو اور اپنے مسائل میں اس کی طرف رجوع کرسکو۔

چنانچہ انھوں نے زید بن حصن الطائی کو بلا بھیجا، وہ ان کا پہلے سے سردار تھا، اس پر امارت پیش کیا، لیکن اس نے انکار کر دیا، پھر انھوں نے حرقوص بن زہیر پر امارت پیش کی، لیکن اس نے بھی انکار کر دیا، پھر حمزہ بن سنان پر پیش کیا، لیکن اس نے بھی انکار کر دیا، پھر شریح بن ابواوفی العبسی پر پیش کیا اس نے بھی انکار کر دیا پھر عبداللہ بن وہب الراسبی پر پیش کیا تو اس نے قبول کر لیا، اور کہا: یقین جانو! دنیا کی خواہش میں میں نے اسے نہیں قبول کیا ہے اور نہ موت سے فرار اختیار کرتے ہوئے اسے چھوڑوں گا۔ [1]

اسی طرح ان کا دوسرا اجتماع زید بن حصن الطائی السنبسی کے گھر میں ہوا، اس نے وہاں حاضرین کے درمیان خطبہ دیا، انھیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر ابھارا اور قرآن کریم کی یہ چند آیات پیش کیں:

﴿يَا دَاوُودُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَضِلُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ بِمَا نَسُوا يَوْمَ الْحِسَابِ ﴿٢٦﴾﴾ (صٓ: ۲۶)

''اے داود! بے شک ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ بنایا ہے، سو تو لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر اور خواہش کی پیروی نہ کر، ورنہ وہ تجھے اللہ کی راہ سے بھٹکا دے گی۔ یقیناً وہ لوگ جو اللہ کی راہ سے بھٹک جاتے ہیں، ان کے لیے سخت عذاب ہے، اس لیے کہ وہ حساب کے دن کو بھول گئے۔''

اور اللہ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ ﴿٤٤﴾﴾ (المائدۃ: ٤٤)

''اور جو اس کے مطابق فیصلہ نہ کرے جو اللہ نے نازل کیا ہے تو وہی لوگ کافر ہیں۔''

---

[1] البدایة و النهایة (۷/ ۳۱۲)، تاریخ الطبری (۵/ ٦٨٩).

اور فرمایا:

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۴۵﴾ (المائدة: ٤٥)

''اور جو اس کے مطابق فیصلہ نہ کرے جو اللہ نے نازل کیا ہے تو وہی لوگ ظالم ہیں۔''

اور فرمایا:

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۴۷﴾ (المائدة: ٤٧)

''اور جو اس کے مطابق فیصلہ نہ کرے جو اللہ نے نازل کیا ہے تو وہی لوگ نافرمان ہیں۔''

پھر کہا: میں اپنے ہم قبلہ بھائیوں کے بارے میں یقین سے کہتا ہوں کہ وہ نفس پرستی میں مبتلا ہیں، انھوں نے کتاب کے فیصلہ کو پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ قول و عمل میں ظلم سے کام لیا ہے، لہٰذا ان سے جہاد کرنا مومنوں پر واجب ہے۔ یہ سن کر ان میں کا ایک آدمی جس کا نام عبداللہ بن شجرہ السلمی تھا، رونے لگا، پھر اس نے حاضرین کو علی اور ان کے ساتھیوں کے خلاف سیف و سنان کے ساتھ نکل پڑنے کے لیے ابھارا اور کہا: ان کے چہروں اور پیشانیوں پر تلواریں برساؤ تاوقتیکہ رحمٰن رحیم کی اطاعت غالب آ جائے، اگر تم کامیاب ہوگئے اور وہ تمھاری طلب کے مطابق اللہ کی اطاعت کے لیے جھک گئے تو اللہ تمھیں اپنے اطاعت گزار اور فرماں بردار بندوں کا اجر دے گا اور اگر تم ناکام ہوگئے تو اللہ کی رضا اور اس کی جنت سے افضل کیا چیز ہے۔[1]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے، خوارج کے دل و دماغ پر شیطان کے مذکورہ واہموں کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ بھی انسانوں کی ایک قسم ہے، بنو آدم کی ایک عجیب و غریب قسم، اللہ پاک و برتر ہے کہ اس نے اپنے ارادہ، حکمت اور تقدیر کے مطابق اپنی مخلوقات کو متنوع بنایا، خوارج کے بارے میں بعض اسلاف نے کتنی عمدہ بات کہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان:

﴿قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ۝۱۰۳ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ هُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ۝۱۰۴ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَ لِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ۝۱۰۵﴾ (الكهف: ١٠٣ تا ١٠٥)

میں خوارج مراد ہیں۔ جس کا ترجمہ یہ ہے:

''کہہ دے کیا ہم تمھیں وہ لوگ بتائیں جو اعمال میں سب سے زیادہ خسارے والے ہیں۔ وہ لوگ جن کی کوشش دنیا کی زندگی میں ضائع ہوگئی اور وہ سمجھتے ہیں کہ بے شک وہ ایک اچھا کام کر رہے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جنھوں نے اپنے رب کی آیات اور اس کی ملاقات کا انکار کیا، تو ان کے اعمال ضائع ہوگئے، سو ہم قیامت کے دن ان کے لیے کوئی وزن قائم نہیں کریں گے۔''

کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اب یہ جہلاء، گمراہ، اور اقوال و افعال کے بدبخت لوگ اس بات پر متفق ہوگئے کہ

[1] البداية و النهاية (٧/ ٣١٢).

مسلمانوں کے درمیان بغاوت کی ہوا پھیلائی جائے اور راہ ہموار کرنے کے لیے پہلے مدائن چلیں کہ جہاں سے لوگوں کی پشت پناہی مل سکے، اور وہاں کے لوگوں کو اپنی حمایت میں لایا جائے، پھر بصرہ میں جو لوگ ان کے ہم خیال اور بااثر ہیں انھیں یہ لوگ بلائیں اور سب کا اجتماع ہو۔ زید بن حصن الطائی نے کہا: آپ لوگ مدائن پر قابو نہیں پاسکو گے، وہاں ایک لشکر موجود ہے جو تمھیں اندر نہیں جانے دے گا، لہٰذا ''جوخی نہر'' کے پل کے پاس اپنے بھائیوں کو جمع ہونے کے لیے کہو اور کوفہ سے جماعتوں کی شکل میں نہ نکلو، بلکہ ایک ایک کرکے جاؤ، تاکہ تمھارے ارادہ کو کوئی سمجھ نہ سکے، چنانچہ انھوں نے اہل بصرہ وغیرہ کے اپنے ہم فکر لوگوں کے نام یہ عام خط جاری کیا کہ ہم سب لوگ متحد ہونا چاہتے ہیں، اس لیے نہر کے پاس سب لوگ اکٹھا ہوں، پھر یہ بدباطن لوگ بھی خفیہ انداز میں ایک ایک کرکے نکلنے لگے، مبادا کہیں کوئی انھیں روک نہ دے، انھوں نے اپنے باپوں، بزرگوں، ماموؤں، پھوپھیوں و ممانیوں اور تمام قرابت داروں کو پیچھے چھوڑا اور خود آگے بڑھے، اپنی جہالت، کم علمی اور ناسمجھی کی بنا پر ان کا یہ عقیدہ تھا کہ ہمارا یہ اقدام رَبُّ السَّمٰوٰاتِ وَالْاَرْضِ کی رضا کا باعث ہے، حالانکہ یہ نہیں جانا کہ یہ رضا نہیں بلکہ کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑا گناہ اور سب سے مہلک اور عظیم غلطی ہے اور یہ نہ سوچا کہ یہ اس ابلیس لعین کا دھوکا ہوسکتا ہے جو آسمان سے دھتکارا ہوا ہے، اور ہمارے باپ آدم پھر ان کی ذریت جب تک زندہ ہے سب کے درمیان عداوت کی بیج ڈالنے والا ہے۔ بہرحال خروج کے وقت راستے میں ایک جماعت اپنی اولادوں، بھائیوں اور قرابت داروں سے ملی اور انھیں ڈانٹا، پھٹکارا اور واپس ہوجانے کو کہا، چنانچہ ان میں سے کچھ تو رک گئے اور استقامت اختیار کی اور کچھ بھاگ کر خوارج سے آملے اور قیامت تک کے لیے نقصان اٹھایا، اس طرح بقیہ خوارج بھی مقررہ جگہ پر پہنچے اور اہل بصرہ وغیرہ میں سے جس کے پاس بھی خطوط گئے تھے سب کے سب ''نہروان'' میں اکٹھا ہوئے اور ان کی ایک بڑی قوت اور شوکت ابھر کر سامنے آئی۔ [1]

اِدھر حکمین جب کسی فیصلہ کن نتیجہ پر نہ پہنچ سکے تو علی رضی اللہ عنہ نے خوارج کے نام جو کہ نہروان میں جمع ہوچکے تھے ایک خط بھیجا کہ حکمین کسی فیصلہ کن نتیجہ پر نہ پہنچ سکے اور معاملہ ختم ہوگیا ہے، لہٰذا تم اپنی پہلی حالت پر لوٹ آؤ اور ہمارے ساتھ چل کر اہل شام سے لڑائی کرو، لیکن انھوں نے یہ کہہ کر انکار کردیا کہ جب تک آپ اپنے کفر کا اقرار نہ کرلیں اور اس سے توبہ نہ کرلیں ہم نہیں آئیں گے۔ آپ نے اس سے انکار کیا۔ [2]

ایک اور روایت میں ہے کہ انھوں نے جواباً یہ خط بھیجا:

> ''امابعد! تم اپنے رب کے لیے ناراض نہیں ہوئے ہو، بلکہ اپنی ذات کے لیے ناراض ہوئے، لہٰذا اگر تم اقرار کرتے ہو کہ جو کچھ ہوا کفر تھا اور توبہ کرلیتے ہو تو ہم اپنے اور تمھارے بارے میں دوبارہ غور

---

[1] البدایة و النهایة (۷/ ۳۱۲، ۳۱۳).

[2] أنساب الأشراف (۲/ ۶۳) اس کی سند میں ضعف ہے تاہم اس کے دیگر شواہد ہیں۔

کریں گے ورنہ ہمارا تم سے کوئی تعلق نہیں، اللہ تعالیٰ خائنوں کو پسند نہیں کرتا، علی رضی اللہ عنہ ان کا خط پڑھ کر بہت مایوس ہوئے، آپ نے انھیں چھوڑ کر بقیہ لوگوں کو اپنے ساتھ لیا اور اہل شام سے جنگ کے لیے نکل جانے ہی کو مناسب سمجھا، واضح رہے کہ خوارج کی جانب سے علی (رضی اللہ عنہ) کی تکفیر، اور ان سے توبہ کے مطالبہ کا اعلان ان روایات سے ثابت نہیں ہوتا، ہاں اتنا ضرور ہے کہ یہ روایات علی وعثمان (رضی اللہ عنہما) کی تکفیر اور اس مسئلہ کو لے کر دیگر مومنوں کو آزمائش میں ڈالنے کی ان کی روش کے موافق ہے۔'' [1]

معرکۂ نہروان ۳۸ھ

ا۔ سبب معرکہ:

یہ بات گزر چکی ہے کہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے خوارج کو ان کے اپنے نظریات پر اس شرط کے ساتھ باقی رہنے دیا تھا کہ وہ ناحق کسی کا خون نہ بہائیں گے، کسی عام آدمی کو خوف زدہ نہ کریں گے، اور نہ کسی مسافر کا راستہ روکیں گے، اگر ان شرائط کی مخالفت ہوئی تو پھر جنگ ہی ہوگی۔ لیکن خوارج نے اپنے مخالفین کی تکفیر کے عقیدہ کے پیش نظر اپنے مخالف کے خون اور مال کو حلال سمجھا اور مسلمانوں کا ناحق خون بہانے کا سلسلہ شروع کر دیا، یوں تو ان کے ارتکاب جرائم اور معاہدہ کی خلاف ورزیوں سے متعلق متعدد روایات وارد ہیں، لیکن سب سے صحیح روایت وہ ہے جسے چشم دید گواہ پیش کر رہا ہے، جو پہلے خارجی تھا لیکن پھر اس سے توبہ کر لی، اس کا بیان ہے کہ میں نہر والوں کے ساتھ تھا، لیکن ان کی حرکتیں مجھے ناپسند تھیں، تاہم میں نے اپنے ناپسندیدگی کو اس ڈر سے چھپایا کہ کہیں یہ لوگ مجھے قتل نہ کر دیں، چنانچہ جب میں ان کی ایک جماعت کے ساتھ تھا، ہم ایک گاؤں کے پاس گئے، ہمارے اور اس گاؤں کے درمیان ایک نہر حائل تھی، اچانک ایک آدمی اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے اور انتہائی گھبرایا ہوا گاؤں سے باہر نکلا۔ ہماری جماعت کے لوگوں نے کہا: شاید تم ہم سے گھبرا گئے؟ اس نے کہا: ہاں، انھوں نے کہا: گھبراؤ نہیں۔ دل میں مَیں نے کہا: یقیناً یہ لوگ اسے پہچانتے ہوں گے اور میں اسے نہیں پہچانتا، پھر انھوں نے کہا: کیا تم صحابی رسول خباب کے بیٹے ہو؟ اس نے کہا: ہاں، پھر انھوں نے کہا: کیا تمھارے پاس کوئی ایسی حدیث ہے جو تمھارے باپ کی سند سے رسول اللہ ﷺ تک پہنچتی ہو، انھوں نے کہا: ہاں، میں نے اپنے باپ سے سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ نے فتنہ کا ذکر کیا اور فرمایا:

((اَلْقَاعِدُ فِيهَا خَيْرٌ مِّنَ الْقَائِمِ ، وَ الْقَائِمِ فِيهَا خَيْرٌ مِنَ الْمَاشِيْ ، وَ الْمَاشِيْ فِيهَا خَيْرٌ مِّـنَ السَّاعِيْ فَإِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَكُوْنَ عَبْدَاللّٰهِ الْمَقْتُوْلَ فَلَا تَكُنْ عَبْدُاللّٰهِ

---

[1] خلافة علی بن أبی طالب / عبدالحمید علی ص ۳۱۹.

الْقَاتِلَ .)) [1]

''یعنی اس میں بیٹھا رہنے والا کھڑے رہنے والے سے بہتر ہے اور کھڑا رہنے والا چلنے والے سے بہتر ہے اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہے، اگر تم اس میں پڑ جاؤ تو اے عبداللہ تم مقتول ہونے کو ترجیح دو گے، قاتل بننے کو نہیں۔''

پھر انھوں نے ان کو اور ان کی ایک لونڈی کو پکڑ لیا اور آگے بڑھتے ہوئے ایک نخلستان میں کھجور کے درخت سے گرا ہوا ایک پھل اٹھا کر ان میں سے ایک نے کھا لیا، اس پر دوسرے ساتھیوں نے اعتراض کیا اور کہا کہ یہ معاہد کا پھل ہے بغیر مالک کی اجازت کے تم نے کیوں کھا لیا؟ چنانچہ اس نے اپنے منہ سے کھجور اگل دیا، پھر وہ لوگ ایک خنزیر کے پاس سے گزرے، ان میں سے ایک نے اسے اپنی تلوار سے مار دیا، دوسروں نے کہا: یہ کسی معاہد کی خنزیر ہو سکتی ہے، تم نے اسے کیوں مار ڈالا؟ پھر عبداللہ بن خباب نے کہا: کیا میں تمھیں وہ بات نہ بتاؤں جسے تمھاری نگاہوں میں ان چیزوں سے زیادہ مقدس اور قابل احترام ہونا چاہیے؟ انھوں نے کہا: ضرور بتاؤ، آپ نے کہا: میں، میں مسلمان ہوں، میں نے اسلام میں کوئی بدعت نہیں ایجاد کی ہے اور آپ لوگوں نے مجھے امان دی ہے اور کہا ہے کہ گھبراؤ نہیں۔ لیکن پھر بھی ان لوگوں نے اس شخص کو نہر پر لے جا کر اس کی گردن اڑا دی۔ راوی کا بیان ہے کہ میں نے اس کے خون کو پانی میں جم کر ایسے ہی تیرتے ہوئے دیکھا کہ جیسے پانی میں سڑ جانے والے جوتے کا تسمہ بہتا ہوا نگاہوں سے غائب ہو جائے، پھر انھوں نے عورت کو بلایا، وہ حاملہ تھی، انھوں نے اس کا پیٹ چاک کر دیا۔ راوی کا بیان ہے: میں نے ان سے مبغوض ترین لوگوں کا کبھی ساتھ نہ دیا تھا، اس لیے مجھے جونہی موقع ملا ان سے نکل بھاگا۔ [2]

خوارج کی اس دیدہ دلیری نے لوگوں میں دہشت کا ماحول پیدا کر دیا، حاملہ عورت کا پیٹ چاک کر دینا اور بکری کی طرح عبداللہ کو ذبح کر دینا کوئی معمولی بات نہ تھی، انھوں نے اسی پر بس نہ کی بلکہ لوگوں کو قتل کی دھمکیاں بھی دینے لگے، ان کی اس شناعت کو دیکھ کر خود انھیں میں سے کچھ نے اسے برا سمجھا اور کہا کہ تمھارا برا ہو، اس لیے ہم نے علی کو چھوڑ کر تمھارا ساتھ نہ دیا تھا۔ [3]

---

[1] مصنف ابن أبی شیبة ۱۵/ ۳۱۰، ۳۱۱ بسند صحیح .

[2] مصنف نے تین مختلف روایتوں کو بالمعنی یکجا روایت کر دیا ہے، جن میں دو روایات سنداً صحیح اور بالاختصار وارد ہیں، ایک تاریخ بغداد (۱/۲۰۵،۲۰۶) کی روایت ہے اور دوسری مصنف ابن أبی شیبة (۱۵/ ۳۱۰، ۳۱۱) کی اور ان دونوں روایتوں میں، کھجور کا پھل اٹھا کر کھانے، اور خنزیر کو قتل کرنے کا واقعہ نہیں ہے۔ یہ واقعہ طبری کا ہے اور ابو مخنف کی سند سے مروی ہے، تفصیل کے لیے دیکھئے: تاریخ الطبری (۵/ ۸۲) اور حدیث تاریخ طبری ہی میں (۵/۸۱) پر بسند یعقوب عن إسماعیل عن أیوب عن حمید بن هلال عن رجل من عبدالقیس سے مروی ہے۔ (مترجم)

[3] مجمع الزوائد و منبع الفوائد (۶/ ۲۳۷، ۲۳۸) اس کی سند صحیح ہے۔

ہر چند کہ خوارج کی کارستانیاں اور گھناؤنی حرکتیں طول پکڑ رہی تھیں، لیکن علی رضی اللہ عنہ نے ان سے قتال کا آغاز نہ کیا، بلکہ ان کے پاس اپنا قاصد بھیجا کہ وہ مقتول کے قاتلوں کو ہمارے حوالے کر دیں تا کہ ان سے قصاص لیا جا سکے، اس کے جواب میں انھوں نے غرور اور سرکشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا: ہم سب قاتل ہیں۔ [1] تب علی رضی اللہ عنہ نے جس فوج کو محرم ۳۸ھ میں اہل شام سے لڑنے کے لیے تیار کیا تھا، اسے لے کر خوارج کی طرف چل پڑے۔ [2] اور نہر ''نہروان'' کے مغربی ساحل پر فوج اتار دی، جب کہ شہر نہروان کے بالمقابل مشرقی جانب میں خوارج کا پڑاؤ تھا۔ [3]

۲۔ جنگ کا آغاز:

جب خوارج نے علی رضی اللہ عنہ کی طرف پیش قدمی کی، تو علی رضی اللہ عنہ نے تیر انداز شہ سواروں کو آگے بڑھایا، ان کے پیچھے پا پیادہ دستوں کی صف بندی کی اور اپنی فوج سے کہتے رہے کہ ''تم اس وقت تک اپنا ہاتھ روکے رکھنا جب تک کہ وہ آغاز نہ کر دیں، پھر خوارج لَا حُكْمَ إِلَّا لِلّٰهِ، جنت کی طرف بڑھو، جنت کی طرف چلو'' کا نعرہ لگاتے ہوئے تیر انداز شہ سواروں پر حملہ آور ہوئے، شہ سوار دو حصوں میں تقسیم ہو گئے ایک میمنہ کی طرف سمٹ گیا اور ایک میسرہ کی طرف اور جب یہ لوگ علی رضی اللہ عنہ کی فوج کے گھیرے میں آ گئے تو تیر اندازوں نے ان پر تیروں کی بارش شروع کر دی، ان کے چہروں کو چھلنی کر دیا، میمنہ اور میسرہ سے شہ سوار پل پڑے، پھر بقیہ فوج نے نیزوں اور تلواروں سے انھیں موت کے گھاٹ سلا دیا اور گھوڑوں کے کھروں کے نیچے وہ خوب روندے گئے، ان کے تمام قائدین یعنی عبداللہ بن وہب، حرقوص بن زہیر، شریح بن اوفی اور عبداللہ بن سخبرہ السلمی قتل کیے گئے۔ [4]

۳۔ پستان والا، یا ناقص الید شخص کون تھا؟ اور اس کے قتل سے علی رضی اللہ عنہ کی فوج پر کیا اثر پڑا؟

پستان والا آدمی کون تھا؟ اس کی شخصیت کا تعین مختلف روایات مختلف انداز میں کرتی ہیں، ان میں کچھ روایات سنداً ضعیف ہیں اور کچھ قوی ہیں، چنانچہ احادیث نبویہ میں اس پستان والے شخص کے بارے میں متعدد اوصاف کا ذکر ہے، مثلاً وہ سیاہ فام [5] تھا، اور دوسری روایت کے مطابق وہ حبشی تھا، اس کا ہاتھ ناقص تھا، بایں طور کہ وہ بے حد چھوٹا تھا، بس اتنا ہی کہ جتنا کندھے اور بازو کے درمیانی لمبائی ہوتی ہے، گویا کہنی سے نیچے کا ہاتھ نہیں تھا اور بازو کا سر یعنی آخری حصہ سر پستان جیسا تھا، اس پر سفید بال اُگے ہوئے تھے، بازو بھی ایسا ڈھیلا ڈھالا اور گوشت سے پُر کہ جیسے اس میں کوئی ہڈی نہ ہو، اس میں ٹھہراؤ نہیں تھا، ادھر سے اُدھر ہوتا رہتا تھا اور ہاتھ کے متعلق جو تین مختلف الفاظ: مخدج الید، مودون الید یا مثدون الید، وارد ہیں تو یہ سب ایک ہی معنی میں ہیں یعنی وہ ہاتھ کا ناقص تھا۔ [6]

---

[1] مصنف ابن أبی شیبة (۱۵/ ۳۰۸، ۳۰۹) اس کی سند صحیح ہے۔
[2] أنساب الأشراف (۲/ ۶۳) اس کی سند میں مجہول راوی ہیں، دیکھئے: خلافة علی / عبدالحمید ص (۳۲۲).
[3] تاریخ بغداد (۱/ ۲۰۵، ۲۰۶).
[4] تاریخ الخلافة الراشدة / محمد کنعان ص (۴۲۵). [5] مصنف عبدالرزاق (۱۰/ ۱۴۶).
[6] النهایة فی غریب الحدیث (۱/ ۱۲، ۱۳) فتح الباری (۱۲/ ۲۹۴، ۲۹۵).

مذکورہ اوصاف والے آدمی کا نام کیا تھا؟ اس سلسلے میں جن لوگوں نے اس کا تعارف حرقوص بن زہیر السعدی کی شکل میں کرایا ہے انھوں نے غلطی کی ہے۔ 1 اس لیے کہ حرقوص ایک مشہور و معروف آدمی تھا اور اسلامی فتوحات میں اس کا کردار رہا ہے، اس نے عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف شورش میں حصہ لیا تھا اور معرکۂ جمل الصغریٰ کے بعد جس میں زبیر اور طلحہ نے بصرہ میں قاتلین عثمان کو قتل کیا تھا وہ میدان چھوڑ کر بھاگ نکلا تھا، پھر بعد میں یہی حرقوص خوارج کے چند نامور سرداروں میں سے ہوگیا۔ 2 ہاں اتنا ضرور ہے کہ ایک روایت میں اس کا نام ''حرقوس'' یعنی (س) کے ساتھ وارد ہے، اس کی ولدیت بھی نامعلوم ہے اور ایک روایت میں اس کا نام ''مالک'' آیا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کے حکم کے بموجب جنگ ختم ہونے کے بعد اسے تلاش کیا گیا اور آپ کے پاس لایا گیا، تو آپ نے فرمایا: اللہ اکبر! کیا تمھیں کوئی اس کے باپ کا نام بتانے والا نہیں ہے، تب لوگ کہنے لگے کہ یہ ''مالک'' ہے یہ ''مالک'' ہے، علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کس کا لڑکا، تو اس کے باپ کو کوئی نہ بتا سکا۔ 3

مورخ طبری نے ایک روایت تصحیح کے ساتھ نقل کی ہے کہ پستان والے آدمی کا نام نافع تھا اور اسی طرح کی روایت مصنف ابن ابی شیبہ اور سنن ابوداؤد میں بھی وراد ہے لیکن دونوں کی سندیں ایک ہیں، اس طرح تینوں مصادر میں ایک ہی روایت ایک ہی سند سے مل رہی ہے۔ 4

علی رضی اللہ عنہ خوارج کی مبتدعانہ فکر کے آغاز ہی سے ان کے بارے میں گفتگو کیا کرتے تھے اور بیشتر گفتگو میں پستان والے آدمی کا ذکر ضرور کرتے اور یہ کہتے کہ جن لوگوں میں یہ پایا جائے وہ ہی خوارج ہیں، پھر آپ اس کے دیگر اوصاف کا ذکر کرتے۔ اس طرح فیصلہ کن جنگ کے اختتام پر علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ ناقص الید آدمی کی لاش تلاش کرو، اس لیے کہ مخالفین میں اس کا وجود ہی ہماری حقانیت اور درستگی کی دلیل ہے۔ کافی تلاش وجستجو کے بعد وہ لاش آپ کو ملی بایں طور کہ آپ نہر ''نہروان'' کے کنارے کئی لاشوں کے پاس سے گزرے، جو ایک دوسرے کے اوپر پڑی ہوئی تھیں، آپ نے فرمایا: انھیں الگ الگ کرو، دیکھا گیا تو سب سے نیچے زمین پر اسی ناقص الید کی لاش تھی، آپ نے برجستہ اللہ اکبر کہا اور فرمایا: اللہ نے سچ کہا اور اس کے رسول نے تبلیغ کا حق ادا کردیا، پھر آپ نے سجدۂ شکر ادا کیا اور آپ کو دیکھ کر دوسرے لوگوں نے بھی سجدہ شکر ادا کیا اور ان کے چہرے خوشیوں سے بھر گئے۔ 5

۴۔ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کا خوارج سے برتاؤ:

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے جنگ سے پہلے اور بعد میں خوارج کے ساتھ مسلمانوں جیسا برتاؤ کیا، جونہی جنگ ختم

---

1 الملل و النحل (۱/ ۱۱۵) ۔ 2 فتح الباری (۱۲/ ۲۹۲) الإصابة (۱۵/ ۱۳۹) ۔

3 الفتح الربانی علی مسند الإمام احمد (۲۳/ ۱۵۵) اس کی سند حسن ہے۔ نیز البدایة والنهایة (۷/ ۲۹۴، ۲۹۵) ۔

4 خلافة علی بن أبی طالب / عبدالحمید ص ۳۳۴ ۔

5 مصنف ابن أبی شیبة (۱۵/ ۳۱۷، ۳۱۹) اس کی سند صحیح ہے۔

ہوئی آپ نے فوج میں اعلان کر دیا کہ کسی بھاگنے والے کا پیچھا نہ کیا جائے، کسی زخمی کو قتل نہ کیا جائے، نہ کسی کا مثلہ کیا جائے، شقیق بن سلمہ جو ابو وائل کی کنیت سے معروف ہیں اور فقہائے تابعین میں سے ہیں اور علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کی تمام جنگوں میں شریک رہے، وہ کہتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ نے جنگ جمل اور جنگ نہروان [1] کے موقع پر کسی کو گالی نہیں دی، آپ نے نہروان والوں کا چھوڑا ہوا اثاثہ کوفہ اٹھوا لیا اور عام اعلان کر دیا کہ جو اپنا سامان پہچانتا ہو وہ لے جائے، لوگ آتے گئے اور پہچان کر اپنا سامان لیتے گئے، آخر میں صرف ایک ہانڈی بچی جسے ایک آدمی آیا اور لے کر گیا۔ یہ روایت متعدد سندوں سے مروی ہے۔ [2] آپ نے خوارج کے سامان جنگ کے علاوہ کوئی مال بطور غنیمت اپنی فوج میں تقسیم نہیں کیا جسے وہ لے کر آئے تھے، آپ نے خوارج کی تکفیر نہیں کیا، کیونکہ جنگ شروع ہونے سے پہلے پوری کوشش کی کہ انھیں مسلمانوں کی جماعت میں واپس لوٹا لیں، آپ نے انھیں سمجھایا، اور جنگ کے نقصانات سے ڈرایا، پھر بہت سارے لوگ لوٹ بھی آئے، علامہ ابن قدامہ فرماتے ہیں:

"آپ نے یہ پہلو اس لیے اختیار کیا تھا کہ انھیں روکنا، اور ان کی برائیوں کو ہٹانا مقصود تھا، نہ کہ انھیں قتل کرنا، اگر صرف گفت و شنید سے مسئلہ حل ہو جاتا تو وہی جنگ سے بہتر تھا، اس لیے کہ جنگ میں دونوں کا نقصان تھا، پس آپ کا یہ موقف اس بات کی دلیل ہے کہ خوارج مسلمانوں کا ایک فرقہ ہے، جیسا کہ بہت سارے علماء اس بات کے قائل ہیں۔" [3]

البتہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ انھیں فاسق کا نام دیتے تھے، چنانچہ مصعب بن سعد بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا:

﴿قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ﴿١٠٣﴾ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ﴿١٠٤﴾﴾ (الكهف: ١٠٣، ١٠٤)

"کہہ دے کیا ہم تمھیں وہ لوگ بتائیں جو اعمال میں سب سے زیادہ خسارے والے ہیں۔ وہ لوگ جن کی کوشش دنیا کی زندگی میں ضائع ہوگئی اور وہ سمجھتے ہیں کہ بے شک وہ ایک اچھا کام کر رہے ہیں۔"

کیا اس آیت سے "حروری" لوگ مراد ہیں؟ آپ نے فرمایا: نہیں، بلکہ اس سے اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ مراد ہیں۔ یہودیوں نے محمد ﷺ کی تکذیب کی اور نصاریٰ نے جنت کا انکار کیا اور کہا: اس میں کوئی طعام و شراب نہیں۔ ہاں "حروری" لوگ اس آیت میں مذکور ہیں:

---

[1] السنن الكبرى/ البيهقي (٨/ ١٨٢).

[2] التلخيص الحبير (٤/ ٤٧).

[3] فتح الباري (١٢/ ٣٠٠، ٣٠١) نيل الأوطار (٨/ ١٨٢).

﴿ وَ مَا يُضِلُّ بِهٖۤ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۪ وَ يَقْطَعُوْنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ يُّوْصَلَ وَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ ﴾
(البقرة: ۲۶،۲۷)

''اور وہ اس کے ساتھ فاسقوں کے سوا کسی کو گمراہ نہیں کرتا۔ وہ لوگ جو اللہ کے عہد کو، اسے پختہ کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں اور اس چیز کو قطع کرتے ہیں جس کے متعلق اللہ نے حکم دیا کہ اسے ملایا جائے اور زمین میں فساد کرتے ہیں، یہی لوگ خسارہ اٹھانے والے ہیں۔''

بہر حال سعد رضی اللہ عنہ انھیں فاسق کا نام دیتے تھے۔ [1]

سعد رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایک روایت ہے کہ جب آپ سے ان کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: وہ ایسی قوم ہے جو ٹیڑھی ہوگئی تو اللہ نے ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا۔ [2]

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا وہ لوگ کافر ہیں؟ آپ نے فرمایا: انھوں نے کفر کی وجہ سے ساتھ چھوڑا، پھر پوچھا گیا، کیا وہ منافق ہیں؟ آپ نے فرمایا: منافق تو اللہ کا ذکر بہت کم کرتے ہیں، پھر آپ سے پوچھا گیا، تب وہ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: وہ ایک قوم تھی جس نے ہم سے بغاوت کی اور ہم نے ان سے قتال کیا اور دوسری روایت میں یہ جواب اس طرح ہے کہ ایک قوم ہے جس نے ہم سے بغاوت کی، پھر ہماری ان کے خلاف مدد کی گئی۔ اور تیسری روایت میں ہے کہ وہ ایک قوم ہے جو فتنہ میں مبتلا ہوئی اور وہ اسی میں گونگے بہرے ہوگئے۔ [3]

اسی طرح آپ نے اپنی فوج اور پوری امت مسلمہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

''اگر بغاوت کرنے والے امام عادل کی مخالفت کریں تو ان سے قتال کرو اور اگر امام ظالم کی مخالفت کریں تو ان سے قتال نہ کرو کیونکہ انھیں کہنے کا حق ہے۔'' [4]

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک خوارج سے اور جنگ جمل و جنگ صفین میں مسلمانوں سے لڑائی کے درمیان کافی فرق محسوس کیا جا سکتا ہے، جنگ جمل و جنگ صفین کی لڑائی پر آپ رنجیدہ ہوئے اور ندامت کے آنسو گرائے، لیکن خوارج کے خلاف لڑنے میں آپ کو بہت فرحت و سرور حاصل ہوا۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نص اور اجماع نے دونوں میں فرق کر دیا تھا، آپ نے رسول اللہ ﷺ کے صریح فرمان کے مطابق خوارج سے قتال کیا تھا اور اس پر شاداں و نازاں تھے، اور صحابہ میں سے کسی نے اس میں آپ کی مخالفت نہ کی، جب کہ جنگ صفین میں اس جنگ کے تئیں آپ نے خود اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور اس پر رنجیدہ رہے۔ [5]

---

[1] صحيح البخاري مع الفتح (۵/ ۸۴۲).

[2] مصنف ابن أبي شيبة (۱۵/ ۳۲۴، ۳۲۵) الاعتصام / الشاطبي (۱/ ۶۲).

[3] مصنف عبدالرزاق (۱۰/ ۱۵۰)، مصنف ابن أبي شيبة (۱۵/ ۳۳۲) بسند صحيح.

[4] مصنف ابن أبي شيبة (۱۵/ ۳۲۰) فتح الباري (۱۲/ ۳۰۱) طبری میں اس کی صحیح سند مروی ہے۔

[5] مجموع الفتاوٰی (۲۸/ ۵۱۶).

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی جنگوں سے مستنبط ہونے والے فقہی مسائل

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کو اپنی علمی گہرائی اور فقہی ظرف نگاہی کی بنا پر یہ ملکہ حاصل تھا کہ واقعات وحوادث کی روشنی میں شرعی قواعد واحکامات کا استنباط کرسکیں، چنانچہ آپ نے ائمۃ المسلمین سے بغاوت کرنے والوں سے قتال کے شرعی اصول وضوابط وضع کیے اور پھر ائمہ سنت وفقہائے شریعت نے بغاوت کرنے والوں کے بارے میں آپ کے موقف سے استفادہ کیا اور اس سلسلے میں تفصیل سے فقہی قواعد واحکام کو مرتب ومدون کیا، یہاں تک کہ بیشتر اہل علم یہ کہنے پر مجبور ہوگئے کہ اگر علی رضی اللہ عنہ کی اپنے مخالفین سے جنگ نہ ہوئی ہوتی تو اہل قبلہ (مسلمانوں) سے قتال کے بارے میں شرعی حکم معدوم ہوتا۔[1] یہ بات خود علی رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ آپ لوگوں کا کیا خیال ہے اگر میں لوگوں کی نظروں سے غائب ہوجاتا تو آج ان کے ساتھ یہ کردار کون ادا کرتا۔[2] اور احنف نے جب علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اے علی، بصرہ میں ہماری قوم کے لوگ سوچتے ہیں کہ اگر آپ کل ان پر غلبہ پا جائیں گے تو ان کے مردوں کو قتل کردیں گے اور عورتوں کو قیدی بنالیں گے، تو آپ نے جواب دیا: مجھ جیسے لوگوں سے یہ خوف کبھی نہ طاری ہو، کیا کفار اور مرتدین کے علاوہ کسی اور کے لیے بھی یہ جائز ہے؟

بہرحال آپ کے مذکورہ اقوال وموقف کی بنا پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ کفار ومرتدین کے بالمقابل اہل قبلہ سے قتال کرنے میں کئی اعتبار سے فرق ہے، جن کی تفصیل اس طرح ہے:

۱۔ باغی مسلمانوں سے قتال کا مقصد صرف ان کی گوشمالی ہو نہ کہ انھیں جان سے مارنا، اس لیے کہ اصلاً انھیں قتل کرنا نہیں، بلکہ صرف یہ مقصد ہوتا ہے کہ وہ اطاعت کی طرف لوٹ آئیں اور شرانگیزی نہ کریں، جب کہ مشرکین اور مرتدین کو قصداً جان سے مارنا مقصود ومطلوب ہوتا ہے۔[3]

۲۔ اگر بغاوت کرنے والوں کے شانہ بشانہ ان کے غلام، بچے اور عورتیں بھی لڑنے میں شریک ہوں تو سب کے سب بالغ آزاد مرد کے حکم میں ہیں، آگے بڑھنے کی صورت میں ان سے قتال کیا جائے اور پیچھے ہٹنے کی صورت میں انھیں چھوڑ دیا جائے۔ اس لیے کہ ان سے قتال کا مقصد صرف یہ ہے کہ ان کی ایذا رسانیوں کا ازالہ ہوجائے، جب کہ مرتدین وکفار اگر برسر پیکار ہیں تو آگے بڑھنے اور پیچھے ہٹنے، دونوں حالتوں میں انھیں قتل کیا جائے گا۔[4]

۳۔ اگر بغاوت کرنے والے کسی بھی سبب سے قتال سے رک جائیں، خواہ اطاعت قبول کرکے یا ہتھیار ڈال کرکے، یا ہزیمت اٹھا کر، یا زخموں کی تاب نہ لاکر، یا کسی بیماری کی وجہ سے یا قید کے خوف سے، بہرصورت

---

[1] التمہید/ الباقلانی ص (۲۹۹) تحقیق مواقف الصحابۃ (۲/ ۲۹۵).

[2] مصنف عبدالرزاق (۱۰/ ۱۲۴). [3] المغنی (۸/ ۱۰۸، ۱۲۶).

[4] المغنی (۸/ ۱۱۰) الأحکام السلطانیۃ ص (۶۰).

ان کے زخم خوردہ افراد پر وار کرنا، اور ان کے قیدی کو قتل کرنا جائز نہیں ہے جب کہ مشرکین اور مرتدین کے زخمیوں پر وار کرنا اور ان کے قیدیوں کو قتل کرنا جائز ہے، چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ میں علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے جنگ جمل والے دن فرمایا: کسی بھاگنے والے کا تعاقب نہ کرو، کسی زخمی پر حملہ نہ کرو اور جو ہتھیار ڈال دے اسے امان ہے۔[1]

''عبدالرزاق'' کی روایت میں ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے اپنے منادی کو نداء لگانے کا حکم دیا، چنانچہ اس نے بصرہ والے دن اعلان کیا کہ کسی بھاگنے والے کا پیچھا نہ کیا جائے، نہ کسی زخمی پر قاتلانہ حملہ کیا جائے، نہ کسی قیدی کو قتل کیا جائے، جو شخص اپنے گھر کا دروازہ بند کر لیتا ہے یا ہتھیار ڈال دیتا ہے اسے امان ہے، آپ نے ان کے چھوڑے ہوئے مالوں میں سے کچھ نہ لیا۔[2] اور جنگ جمل میں اعلان کروایا کہ کسی بھاگنے والے کا پیچھا نہ کرو، کسی زخمی پر قاتلانہ حملہ نہ کرو، کسی قیدی کو قتل نہ کرو اور عورتوں کو نظر انداز کرو اگرچہ وہ تمھیں برا بھلا کہیں اور تمھارے امراء کو گالیاں دیں، ہمیں اپنے دور جاہلیت کی تہذیب یاد ہے کہ جب آدمی عورت کو لاٹھی اور ڈنڈے سے مارتا تھا تو اس کو اور اس کی آنے والی اولاد کو عار دلایا جاتا تھا۔[3]

ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ میں صفین میں موجود تھا، وہ لوگ (اصحاب علی) کسی زخمی پر حملہ نہ کرتے تھے اور نہ کسی بھاگنے والے کو قتل کرتے تھے اور نہ ہی کسی مقتول کو پھانسی دیتے تھے۔[4]

۴۔ باغیوں کا قیدی حالتِ قید میں باغی شمار کیا جائے گا، اگر اس کے بارے میں یہ اطمینان ہو کہ وہ قتال میں شریک نہ ہوگا تو اسے چھوڑ دیا جائے اور جس کے بارے میں مکمل اطمینان نہ ہو اسے جنگ کے آخری وقت تک قید میں رکھا جائے، پھر آزاد کر دیا جائے، اس کے بعد اسے قید میں ڈالنا ضروری نہیں ہے، جب کہ کافر قیدی کو قید میں رکھا جا سکتا ہے۔[5]

۵۔ باغیوں سے قتال کرنے کے لیے کسی بھی مشرک سے خواہ وہ ذمی ہو یا معاہد مدد نہیں لی جائے گی، جب کہ مرتدین، کفار اور محاربین سے لڑنے کے لیے مدد لینی جائز ہے۔[6]

۶۔ ان سے نہ کوئی عارضی مصالحت ہو اور نہ مال کے بدلے مستقل جنگ بندی کا اعلان، اگر امام وقت عارضی مصالحت کر لیتا ہے تو اس کا اعتبار نہ ہوگا، اگر بروقت مقابلہ کرنے سے کمزور ہے تو اپنی قوت اکٹھا کرے گا اور پھر مقابلہ میں اترے گا اور اگر مال کے بدلے مستقل جنگ بندی پر صلح کیا ہے تو یہ صلح غیر معتبر ہوگی اور مال

---

[1] مصنف ابن أبي شيبة (۱۰/ ۲۳٦) فتح الباري (۱۳/ ۵۷) اس کی سند صحیح ہے۔
[2] مصنف عبدالرزاق (۱۰/ ۱۲۳، ۱۲٤) تحقيق مواقف الصحابة (۲/ ۲۹٦).
[3] نصب الراية (۳/ ٤٦۳).
[4] المستدرك (۲/ ۱۵۵) اس کی سند حسن ہے اور ذہبی نے موافقت کی ہے۔
[5] الأحكام السلطانية ص (٦۰).
[6] الأحكام السلطانية ص (٦۰).

کے بارے میں دیکھا جائے گا کہ اگر وہ ان کے صدقات اور اموال فے کا حصہ ہے تو انھیں واپس نہیں کرے گا، بلکہ صدقات کو صدقات کے مستحقین میں اور مال فے کو اس کے مستحقین میں تقسیم کر دے گا اور اگر وہ مال خالص ان کی کمائی کا ہے تو امام اس پر قابض نہ ہوگا، بلکہ اسے انھیں واپس کر دے گا۔ ❶ اس لیے کہ علی رضی اللہ عنہ نے اہل جمل کا مال اپنے لیے حلال نہ کیا تھا۔

۷۔ اگر بغاوت کرنے والے کسی معقول تاویل کے ذریعے سے امام سے بغاوت کرتے ہیں تو وہ ان کے ساتھ مراسلات کرے گا، اگر وہ اپنے اوپر کسی ظلم کی نشان دہی کرتے ہیں تو امام اسے ان سے دور کرے اور اگر کسی شبہہ کا ذکر کرتے ہیں تو اسے واضح کرے، جیسا کہ علی رضی اللہ عنہ نے خوارج کے شبہات کا ازالہ کیا تھا جس کی وجہ سے بہت سے خوارج مسلمانوں کی جماعت میں واپس لوٹ آئے تھے۔ ❷ پس اگر شبہات کی وضاحت کے بعد وہ لوٹ آتے ہیں تو بہتر ہے ورنہ ان کے خلاف قتال کرنا امام اور مسلمانوں پر واجب ہے۔ ❸

۸۔ اگر باغی لوگ بظاہر امام کی اطاعت کر رہے ہوں اور الگ کسی مقام پر گروہ بندی کی شکل میں نہ ہوں اور انھیں حراست میں لانا اور گرفتار کرنا آسان ہو، تو ان سے قتال نہیں کیا جائے گا، بلکہ گرفتاری کے ذریعے سے انھیں محکمہ عدل کے حوالے کیا جائے گا اور وہ مناسب فیصلہ صادر کرے گا، لیکن ان کو تمام شرعی و انسانی حقوق وحدود حاصل ہوں گے۔ ❹

۹۔ باغیوں سے اس نوعیت کا قتال جائز نہیں ہے جس میں عام جان و مال کا اتلاف ہو مثلاً ان کی آبادی میں آگ لگا دینا، یا ان پر منجنیق سے گولے برسانا، ان کے درختوں اور رہائش گاہوں کو جلانا یا برباد کر دینا جب کہ کفار و مشرکین کی جنگ میں یہ جائز ہے کیونکہ دار الاسلام میں یہ ممنوع اگرچہ ان کے چند افراد رہ ہی جائیں، البتہ اگر ضرورت ایسی آ پڑے کہ اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ ہو مثلاً باغی لوگ قلعہ بند ہو جائیں اور ہتھیار نہ ڈالیں تو امام کے لیے جائز ہے کہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہم اللہ کے قول کے مطابق ان پر منجنیق و آگ کی بارش کر دیے۔ ❺

۱۰۔ باغیوں کے مال کو مال غنیمت بنانا اور ان کی ذریت کو قید کرنا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((لَا يَحِلُّ مَالُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ اِلَّا بِطِيْبِ نَفْسٍ مِنْهُ.)) ❻

''کسی مسلمان آدمی کا مال بغیر اس کی خوش دلی کے لینا جائز نہیں ہے۔''

---

❶ الأحكام السلطانية ص (٦٠) تحقيق مواقف الصحابة (٢/ ٢٩٨).
❷ السنن الكبرىٰ / البيهقى (٨/ ١٨٠). ❸ مجموع الفتاوىٰ (٤/ ٤٥٠).
❹ الاحكام السلطانية ص (٥٨). ❺ المغنى / ابن قدامه (٨/ ١١٠).
❻ سنن الدار قطنى (٣/ ٢٦) شیخ البانی نے ارواء الغليل حديث نمبر (١٤٥٩) میں اس کی تصحیح کی ہے۔

چنانچہ علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے آپ نے جنگ جمل کے موقع پر کہا تھا:

"جو شخص اپنا کوئی سامان کسی ہمارے آدمی کے پاس دیکھے وہ اسے لے لے۔" ❶

بعد میں آپ کا یہی موقف خوارج کے لیے باعث اعتراض بن گیا تھا، وہ کہتے تھے: علی نے معاویہ اوران کے ساتھیوں سے قتال کیا، لیکن انھیں گالیاں نہ دیں اور نہ ان کا مال بطور غنیمت لوٹا، پس اگر ان کا خون حلال تھا تو مال کیوں نہیں حلال ہوا؟ اور اگر مال حرام تھا تو خون بھی حرام تھا، ان سے قتال کیوں کیا؟ تب ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان سے مناظرہ کے دوران کے اس اعتراض کا جواب اس طرح دیا تھا کہ کیا تم اپنی ماں یعنی عائشہ رضی اللہ عنہا کو گالی دینا پسند کروگے؟ اور جو کچھ ان کے علاوہ کے لیے جائز سمجھتے ہو ان کے لیے بھی جائز کروگے؟ اگر تم یہ کہتے ہو کہ وہ تمھاری ماں نہیں ہیں تو تم کفر کا ارتکاب کروگے اور اگر مانتے ہو کہ تمھاری ماں ہیں پھر بھی انھیں باندی بنانا چاہتے ہو تو یہ بھی کفر ہے۔ ❷

علامہ بن قدامہ رحمہ اللہ اس واقعہ کی روشنی میں لکھتے ہیں کہ چونکہ باغیوں سے قتال کا مقصد محض انھیں پست ہمت کرنا اور حق کی طرف لوٹانا ہے اور ان سے لڑائی کفر کی بنا پر نہیں ہے، اس لیے ان کے جان و مال اور عزت و آبرو پر اتنا ہی ہاتھ اٹھایا جائے گا جتنے سے انھیں پیچھے دھکیلا جاسکے، جیسے کہ حملہ آوروں اور ڈاکوؤں کے ساتھ روا رکھا جاتا ہے اور ان کے اموال و ذریت اپنی اصلی حالت یعنی حرمت کے حکم پر باقی ہوں گے۔ ❸ البتہ علی رضی اللہ عنہ کے موقف کو سامنے رکھتے ہوئے اتنا کہا جاسکتا ہے کہ ان کے ہتھیاروں سے استفادہ کیا جاسکتا ہے جیسا کہ ابن ابی شیبہ نے ابوالبختری سے روایت کیا ہے کہ جب اہل جمل شکست خوردہ ہوگئے تو علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو لشکر سے باہر ہو اسے تلاش نہ کرو اور ان کے جو ہتھیار اور سواریاں تمھیں ملیں وہ تمھاری ہیں۔ ❹ اور دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا ان کے لشکر میں پڑے ہوئے مال کے علاوہ کسی دوسرے مال پر قطعاً ہاتھ نہ ڈالنا۔ ❺

۱۱۔ باغیوں کے مقتولین کو غسل دلایا جائے گا، تکفین ہوگی اور ان پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی، اس لیے کہ امام شافعی اور اصحاب الرائے کے مسلک کے مطابق وہ مسلمان ہیں۔ ❻

۱۲۔ اگر بغاوت کرنے والے اہل بدعت میں سے نہ ہوں تو وہ فاسق نہیں کہے جائیں گے۔ امام المسلمین اور اہل عدل کے خلاف ان کی بغاوت ان کی اجتہادی غلطی پر محمول ہوگی اور وہ فقہائے مجتہدین کے حکم میں ہوں گے، اگر ان کا عادل فرد گواہی دے رہا ہے تو امام شافعی کے قول کے بموجب اس کی گواہی قبول کی جائے گی،

❶ المغنی ۸/ ۱۱۵.

❷ السنن الکبریٰ / البیهقی (۸/ ۱۷۹) خصائص أمیر المومنین / نسائی ص (۱۹۷) اس کی سند حسن ہے۔

❸ تحقیق مواقف الصحابة (۲/ ۳۰۰). ❹ مصنف ابن أبی شیبة (۱۵/ ۲۶۳).

❺ تحقیق مواقف الصحابة (۲/ ۳۰۰). ❻ تحقیق مواقف الصحابة (۲/ ۳۰۱).

لیکن اگر خوارج اور اہل بدعت امام کے خلاف بغاوت کریں تو ان کی گواہی قبول نہ کی جائے گی، اس لیے کہ یہ لوگ فاسق ہیں۔ ❶

۱۳۔ امام عادل کے لیے اپنے خونی رشتہ کے قرابت دار باغی کو قتل کر دینا جائز ہے، کیونکہ وہ اسے ناحق نہیں قتل کر رہا ہے، گویا یہ قتل اس پر حد نافذ کرنے کی مشابہ ہے، تاہم اسے اس سے گریز کرنا چاہیے۔ ❷

۱۴۔ اگر کسی شہر پر بغاوت کرنے والوں کا غلبہ ہو جائے اور وہ اپنے نظام کے تحت خراج، زکوٰۃ اور جزیہ وغیرہ کی وصولی کے ساتھ حدود بھی قائم کرتے ہوں، پھر حالات بدلیں اور اہل عدل اس شہر پر قابض ہو جائیں، تو گزشتہ اموال کی وصولی میں سے کچھ نہ لیا جائے گا، کیونکہ جنگ جمل کے بعد جب اہل بصرہ پر علی رضی اللہ عنہ کو غلبہ ملا تھا تو آپ نے ان سے ماضی کے محصولات میں سے کسی مال کا مطالبہ نہیں کیا تھا۔ ❸

۱۵۔ باغی و عادل کی وراثت کا حکم: کوئی باغی قاتل کسی عادل کا وارث نہیں بن سکتا، نہ ہی کوئی عادل قاتل کسی باغی کا وراث بن سکتا ہے۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اَلْقَاتِلُ لَا یَرِثُ)) ❺ ''قاتل وارث نہیں ہوگا۔''

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''میں عادل کو باغی کا وارث بناتا ہوں، لیکن باغی کو عادل کا وارث نہیں بناتا۔''

ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''میں دونوں کو ایک دوسرے کا وارث بناتا ہوں، کیونکہ دونوں کا قتل ان کی اجتہادی غلطی پر مبنی ہے۔'' ❹

امام نووی رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ ❺

۱۶۔ اگر اہل بغاوت کو قتل کے بغیر مات دینا ممکن نہ ہو تو انھیں قتل کیا جا سکتا ہے اور قاتل پر کوئی گناہ، ضمانت، یا کفارہ واجب نہ ہوگا، کیونکہ اس نے شرعی حکم کے مطابق اقدام کیا اور اللہ کی خاطر اسے قتل کیا، اللہ فرماتا ہے:

﴿فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ﴾ (الحجرات: ۹)

''تو اس (گروہ) سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف پلٹ آئے۔''

چنانچہ اگر کسی مسلمان پر جان لیوا حملہ ہو تو وہ اپنی دفاع میں اسے قتل کر سکتا ہے بشرطیکہ قتل کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ ہو۔

---

❶ المغنی (۸/ ۱۱۸) تحقیق مواقف الصحابة (۲/ ۳۰۱).

❷ المغنی (۸/ ۱۱۸) تحقیق مواقف الصحابة (۲/ ۳۰۱).

❸ المغنی (۸/ ۱۱۹) تحقیق مواقف الصحابة (۲/ ۳۰۲).

❹ سنن ابن ماجه / الدیات (۲/ ۸۸۳) صحیح سنن ابن ماجه حدیث نمبر (۲۱٤۰).

❺ الأحکام السلطانیة ص (٦۱). ❻ شرح النووی علی صحیح مسلم (۷/ ۱۱۰)

اسی طرح دوران قتال اہل عدل نے اہل بغاوت کے جن اموال کو برباد کیا وہ اس کا تاوان نہ دیں گے۔ [1]
اسی طرح بقول امام نووی علماء کے صحیح ترین اقوال کی روشنی میں اگر اہل بغاوت نے دوران قتال اہل عدل کا جانی و مالی نقصان کیا ہے تو وہ اس کا تاوان نہیں دیں گے۔ [2] اس کی دلیل وہ اجماع صحابہ ہے جو زہری کی سند سے منقول ہے، آپ فرماتے ہیں: پہلا فتنہ پھوٹ پڑا اور اصحاب رسول موجود تھے، ان میں بدری صحابہ بھی تھے وہ سب اس بات پر متفق تھے کہ قرآن میں تاویل کی بنا پر باہمی قتل وخون ریزی کی وجہ سے کسی سے قصاص نہ لیا جائے اور نہ کسی کا مال چھینا جائے۔ [3]

''عبدالرزاق'' کی روایت میں ہے کہ پہلا فتنہ پھوٹ پڑا اور بدر میں شریک ہونے والے اصحاب رسول بہت تعداد میں موجود تھے، سب اس بات پر متفق تھے کہ تاویل قرآن کی بنا پر کسی خاتون کو قیدی بنانے اور اس کی شرم گاہ حلال کر لینے والوں پر وہ کوئی حد نافذ نہ کریں اور اسی بنا پر کسی کا خون حلال کرنے والوں سے قصاص نہ لیں اور اسی بنیاد پر دوسروں کا مال حلال کر لینے والوں سے مال واپس نہ لیں، ہاں اگر کوئی چیز ایسی ہو جس کا مالک معلوم ہو تو اسے اس تک واپس کر دیا جائے۔ [4]

خوارج کے چند اہم اوصاف

فرقۂ خوارج کی تاریخ کا مطالعہ کرنے والا اس فرقہ کے لوگوں کو چند اہم اوصاف و عادات سے متصف پائے گا وہ اوصاف یہ ہیں:

- دین میں غلو
- دین سے ناواقفیت
- امام المسلمین کی اطاعت سے بغاوت۔
- مرتکبین گناہ کی تکفیر اور مسلمانوں کی جان و مال کو حلال ٹھہرانا۔
- نبی اکرم ﷺ کی شان میں ناقابل عفو گستاخی یعنی آپ کو ظالم ٹھہرانا۔
- طعن و تشنیع
- بدگمانی
- مسلمانوں کے خلاف شدت پسندی۔

---

[1] المغنی (۸/ ۱۱۲).
[2] شرح النووی علی صحیح مسلم (۷/ ۱۷۰).
[3] السنن الکبریٰ / البیهقی (۸/ ۱۷٤) بسند صحیح۔ تحقیق مواقف الصحابة (۲/ ۳۰۳)ط.
[4] مصنف عبدالرزاق (۱۰/ ۱۲۱).

خوارج کے چند عقائد ونظریات

ہر چند کہ تاریخ کا ایک لمبا عرصہ گزر گیا لیکن خوارج کے کتاب وسنت سے متصادم عقائد ونظریات اپنی حالت پر باقی رہے، ان میں سے چند اہم عقائد کا ذکر یہاں کیا جا رہا ہے:

❀ مرتکب گناہ کبیرہ کی تکفیر۔

❀ امامت کا وجوب۔

دور حاضر میں خوارج کی روش اور ان کی بعض علامات

دور حاضر میں بھی مسلمانوں کے متعدد گروہوں میں مختلف انداز و اشکال میں خوارج کے رجحانات ابھرنا شروع ہوگئے ہیں، وہ کبھی جماعتوں کی شکل میں نمودار ہوتے ہیں اور کبھی افراد، تحریکات، نظریات اور مخصوص جُھنڈوں کی شکل میں۔ کبھی مناہج و اسلوب کو نمایاں کرتے ہیں کبھی مواقف وتصرفات کو۔ ان کی یہ کاوشیں کبھی انفرادی ہوتی ہیں اور کبھی اجتماعی، بہرحال ان کے رجحانات کسی بھی شکل میں ابھریں وہ خطرے کی گھنٹی ہوتے ہیں اور اسلام کی زرخیز وادی میں ان کے عقائد و افکار اور اخلاقیات وسلوکیات کی بیج پڑ جانا حاملین شریعت کو خبردار رہنے کی تلقین کرتے ہیں۔ ❶

دین وعبادت کے نام پر نفس کشی، دوسروں کو تنگی میں ڈالنا، علم برداری اور غرور، یادگاری واقعات کی تخلیق، بے صبری اور حکمت وبصیرت کی کمزوری ان کی عام نشانیاں ہیں۔ خود رائی کو ترجیح دینا، دوسروں کو جاہل گردانا، علماء پر طعن وتشنیع کرنا، ان کے بارے میں بدگمانی اور انھیں نفرت وحقارت سے دیکھنا، دوسروں کے ساتھ معاملہ کرنے میں اپنا موقف سخت رکھنا، افہام وتفہیم کے لیے بمشکل تیار ہونا، انتشار و افتراق کو جلدی سے گلے لگانا، دوسروں کو آسانی کے ساتھ متہم کر دینا، مسلمانوں کی تکفیر کرنا اور اتحاد و اتفاق کے پلیٹ فارم پر بمشکل اکٹھا ہونا وغیرہ ان کے اہم مظاہر ہیں، جن کے پیچھے چند اہم عوامل واسباب کارفرما ہیں، وہ اسباب یہ ہیں:

ا۔ شرعی علوم سے ناواقفیت:

اگر آپ خوارج کے افکار ونظریات سے متاثر کسی بھی شخص کے حالات کا بغور تجزیہ کریں تو اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ وہ جہالت ولاعلمی اور دینی فقہ وبصیرت سے ناواقفیت کا شکار ہے اور برائے نام چند معمولی احکام شریعت کا عالم ہے، اس لیے جب اس طرح کے لوگ بڑے بڑے ملکی مسائل اور بین الاقوامی سطح کے معاملات پر فتویٰ صادر کرتے ہیں تو اکثر و بیشتر خلط مبحث، تخبّط، عجلت پر مبنی ناعاقبت اندیشانہ احکام اور لگے لپٹے غیر واضح مواقف کے شکار ہو جاتے ہیں۔ ❷ اس غلطی کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ انھیں مصالح ومفاسد کے نتائج وخلفیات اور اس کے درجات

❶ الخوارج / ناصر العقل ص (۱۲۰)۔ ❷ الخوارج / ناصر العقل (۱۲۷)۔

کی حد بندی پر مجموعی اعتبار سے کامل عبور حاصل نہیں ہوتا، مزید برآں پیش آمدہ مخصوص مسائل پر فیصلہ کن حیثیت کی حامل مخصوص شرعی نصوص سے وہ بالکل ناواقف ہوتے ہیں، جبکہ سیاست شرعیہ سے متعلق عام منکرات اور غلطیاں جو کہ اکثر فتنوں کا سبب بنتی ہیں، ان غلطیوں کے درجہ میں نہیں ہیں جو طہارت، نماز، حج اور عائلی نظام میں واقع ہوتی ہیں اور جن میں حق کا انحصار عموماً تفصیلی دلائل پر ہوتا ہے، بلکہ سیاست شرعیہ کے علم کا انحصار چند بنیادی معلومات پر ہے:

- عام ادلۂ شرعیہ اور قواعد کا علم کہ جن میں بہت سارے مسائل و جزئیات داخل ہوتے ہیں۔
- مقاصد شریعت سے واقفیت۔
- مصالح اور مفاسد کے درمیان موازنہ کرنے کی صلاحیت۔
- تفصیلی دلائل کا استیعاب۔

لہٰذا کلیات عامہ سے متعلق مسائل کا سمجھنا عوام تو درکنار کم پڑھے لکھے علماء کے بھی بس کی بات نہیں ہے، اگرچہ جزئی نصوص کو وہ کسی حد تک سمجھ لیتے ہوں، اسی طرح مقاصد شریعت سے اس وقت تک مکمل واقفیت ممکن نہیں، جب تک کہ مجمل طور پر تمام نصوص شرعیہ اور شارع کی تصرفات پر نگاہ نہ ہو۔ مقاصد شریعت کی فقہ و بصیرت پر عبور کافی مشکل کام ہے اور یہ ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔ وہاں تک رسائی انھیں لوگوں کو ہو پاتی ہے جنھوں نے علم کے مدارج طے کیے ہوں، حالات کا گہرائی سے مطالعہ کیا ہو اور متوقع احتمالات پر بار بار نگاہ دوڑائی ہو، پھر اسی فقہ و بصیرت کے بعد مصالح و مفاسد کے درمیان موازنہ کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے اور یہ سب کچھ بابصیرت و ماہر علمائے دین ہی کا اختصاص ہے عوام کا نہیں۔ [1]

پس سیاست شرعیہ کے باب میں عوام الناس کا ناپختہ علم والے یعنی کتاب و سنت سے ناواقف علماء کے ساتھ پیش پیش رہنا مسلمانوں میں افتراق و انتشار کا سبب بنتا ہے، اس لیے کہ اگر عوام الناس کی رائے کی اگر کوئی قیادت کرنے والا نہ ہو تو وہ کسی ایک بات پر متفق ہی نہ ہوں گے، لہٰذا ضروری ہے کہ اس طرح کے معاملات اہل حل وعقد کے حوالے کر دیے جائیں۔

۲۔ علم بلا معلم:

انتہا پسند فکر کو تشکیل دینے میں علم بلا معلم کا بڑا دخل ہے۔ اس فکر کے حاملین علمی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں، لیکن کسی معلم سے مدد نہیں لیتے اور نہ ہی کسی تجربہ کار عالم سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں، ان کا حال یہ ہے کہ ابھی علوم کتاب و سنت میں ان کی معلومات راسخ نہیں ہوئیں اور پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل کے لیے احکام کا استنباط کرنے لگے، بالآخر بہک گئے، اور صحیح نتیجہ تک رسائی نہ ہو سکی، عموماً ایسی لغزش دو طرح کے نوجوانوں میں نمایاں طور پر

---

[1] قواعد فی التعامل مع العلماء ص (۱۲۱).

سامنے آتی ہے:

- وہ نوجوان جنھوں نے اپنی دینی وقومی غیرت کی وجہ سے قید وسلاسل کی مشقتیں جھیلیں اور اس میں مختلف الانواع سزاؤں کا سامنا کیا۔
- وہ نوجوان جنھوں نے قید خانے میں قدم تو نہیں رکھا اور نہ ہی اس کی مشقتوں کا سامنا کیا، لیکن فکری بے اعتدالی اور انتہاء پسندی کے مرض نے انھیں نہایت کڑوا جام پلایا اور انھوں نے مسلمانوں کی شیرازہ بندی کو جھٹکا لگایا، پھر اسے پھاڑتے ہی چلے گئے، ان غیر منداور متحمس نوجوانوں کی لغزش وگمراہی کے پیچھے بنیادی طور پر تین اسباب کارفرما ہیں:

۱۔ علماء سے پہلو تہی ۲۔ تقلید کی مذمت میں غلو

۳۔ صحیح کلمات کا غلط استعمال

علماء سے پہلو تہی:...... بعض انتہا پسندوں نے یہ غلط منہج اس لیے اختیار کیا کہ بعض نفس پرست علمائے دین چند انحرافات میں واقع ہوگئے، تب ان انتہا پسندوں کو ان نفس پرست علماء کی ثقاہت اور اقوال پر بٹہ لگانے کا موقع مل گیا، اگرچہ وہ بقیہ چیزوں میں برحق ہی کیوں نہ ہوں، پھر دوسرے مرحلہ میں ان کے بارے میں بدگمانی پیدا ہوئی اور پہلو تہی کا دائرہ وسیع کرتے ہوئے نیک و باعمل علماء کو بھی اس میں سمیٹ لیا، انھیں بھی غیر ثقہ قرار دینے لگے، پھر جب بھی کسی عالم مجاہد نے ان کی کسی رائے سے اختلاف کیا اسے مجروح قرار دیا اور اس سے پہلو تہی کرنے لگے، پس یہی وہ مقام ہے جہاں سے خطرات کی آہٹ آتی ہے اور انتشار کا دروازہ وا ہوتا ہے۔ بعض علماء نے جب اسی خیال کے ایک نوجوان سے گفتگو کی تو کہا: علمائے دین پر تمھارا عدم اعتماد دیکھ کر مجھے اندیشہ ہے کہ تم لوگ دو میں سے ایک یا دونوں غلطیاں ضرور کرو گے، ایک تو یہ کہ اجتہاد کی کامل صلاحیت و تیاری کے بغیر اجتہاد کرو گے، یا دوسرا یہ کہ صرف کتابوں کے مطالعہ ومراجعہ کو کافی سمجھو گے، کسی اور سے کوئی مدد نہ لو گے اور ان دونوں میں جو خطرناکیاں ہیں وہ پوشیدہ نہیں ہیں، چنانچہ بعض جوش سے لبریز نوجوانوں نے بعد میں اعتراف بھی کیا ہے کہ بلاشبہ ہم دونوں غلطیوں میں واقع ہوگئے۔ [1]

تقلید کی مذمت میں غلو:...... بلاشبہ قرآن مجید نے تقلید اور مقلدین کی مذمت کی ہے اور سلف نے اس راستے پر چلنے سے منع کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا ۗ أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ﴿١٧٠﴾ ﴾ (البقرة: ۱۷۰)

''اور جب ان سے کہا جاتا ہے اس کی پیروی کرو جو اللہ نے نازل کیا ہے تو کہتے ہیں بلکہ ہم تو اس کی

[1] التكفير جذوره و أسبابه ص (١٤، ١٥).

پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے، کیا اگرچہ ان کے باپ دادا نہ کچھ سمجھتے ہوں اور نہ ہدایت پاتے ہوں۔''

ائمہ میں سے امام شافعی فرماتے ہیں:

''جو شخص علم کو بغیر دلیل کے طلب کرتا ہے اس کی مثال رات کو لکڑیاں چننے والے جیسی ہے جس کی کلائی کو سانپ ڈس لے اور اسے معلوم ہی نہ ہو۔''[1]

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''لوگو خبردار! نہ میری تقلید کرنا، نہ امام مالک کی، نہ ثوری کی نہ اوزاعی کی، بلکہ احکام وہاں سے لو جہاں سے ان بزرگوں نے لیے ہیں۔''[2]

امام ابو یوسف نے فرمایا:

''لوگوں پر ہمارے اقوال کا لینا حرام ہے، جب تک وہ یہ نہ معلوم کرلیں کہ ہم نے کہاں سے لیا ہے۔''[3]

ان نوجوانوں نے یہ سب پڑھا اور یہ بھی پڑھا کہ عالم کے مقابل میں ایک مقلد کی حیثیت اتنی ہی ہے جتنی کہ ایک بچے کی حیثیت اس کی ماں کے گود میں، مقلد اور نادان جانور میں کوئی فرق نہیں۔[4] پس ان تمام ارشادات سے وہ اس قدر متاثر ہوئے کہ دیگر علماء سے استفادہ تک کی نفی کردی، تقلید اور اس کی مذمت میں مبالغہ سے کام لیا اور یہ گمان کر بیٹھے کہ صحابہ، تابعین اور علماء صادقین سے رہنمائی حاصل کرنا، ان کے منہج سے استفادہ کرنا، قوی دلائل پر مبنی ان کے فتاویٰ پر عمل کرنا یہ سب مذموم تقلید میں داخل ہیں اور پھر خود فتویٰ دینے کا جواز پیدا کرلیا، حالانکہ وہ ابھی اس کے اہل نہ ہوئے تھے، کتابوں پر ٹوٹ پڑے، ان سے احکامات کا استخراج کرنے لگے اور انفرادیت پر مبنی عجیب وغریب خیالات کا استنباط شروع کردیا، وہ اس میدان میں ضرورت سے زیادہ کود پڑے حالانکہ وہ اس کے شہ سوار نہ تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ حدود سے تجاوز کر گئے اور غلط راستے پر چل نکلے۔

ہمارے یہ پرجوش نوجوان دوست حقائق اور تفصیلات کی تمیز نہ کرسکے، اسی طرح جو شخص دینی علوم سے بالکل نابلد ہو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ نو آمدہ مسائل میں اپنے علما کی تقلید کرے اور علما کے درمیان اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ عوام کو فتویٰ دینے کا حق نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔ کیونکہ جن کلمات و معانی کی روشنی میں تحلیل و تحریم کا حکم

---

[1] أعلام الموقعین (۲/ ۲۰۰) مطلب یہ ہے کہ اس کے علم میں رطب ویابس ملا ہوتا ہے۔
[2] أعلام الموقعین (۲/ ۲۰۰) اردو ترجمہ (۱/ ٤٣٦).
[3] أعلام الموقعین (۲/ ۲۰۱).
[4] أعلام الموقعین (۲/ ۲۰۱) جامع بیان العلم و فضله (۲/ ۱۱٤).

لگایا جاتا ہے اسے اس کا علم نہیں ہوتا۔ ❶

بہر حال دیکھا یہ گیا ہے کہ ہمارے یہ پر جوش نو جوان شرعی علوم اور اس کے لوازمات و تقاضوں کی علم و معرفت میں عوام ہی کے درجہ میں ہوتے ہیں اور اسی لاعلمی کی وجہ سے وہ علمائے دین سے سوال کرنے اور استفسار کرنے سے گریز کرتے ہیں اور نتیجہ میں فکری انتشار کی کڑوی فصل کاٹتے ہیں۔

صحیح کلمات کا غلط استعمال:...... یہ ایک خطرناک آفت ہے جو اس سے محفوظ رہا وہ نجات پا گیا، ماضی میں یا آج جو لوگ بھی خوارج کے انتہا پسند نظریئے کا شکار ہوئے ان کی غلطی ان کے دلائل اور استدلال میں نہیں ہے بلکہ اصل غلطی اس کے بے جا تطبیق، اور مراد کی تعیین میں ہے۔ یہی وجہ تھی کہ جب خوارج نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کیا اور ''لَا حُکْمَ إِلَّا لِلّٰهِ'' کہہ کر آپ پر کفر کی تہمت لگائی تو سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ((کَلِمَةُ حَقٍّ أُرِیْدَ بِهَا الْبَاطِلُ)) یعنی کلمہ تو حق ہے لیکن اس کے ذریعے سے ارادہ باطل کا ہے۔ ❷

---

❶ جامع بیان العلم و فضله (۲/ ۱۱۴، ۱۱۵) تقلید غیر نبی کی بات کو بلا دلیل تسلیم کر لینے کو کہتے ہیں جیسا کہ مسلم الثبوت وغیرہ اصول فقہ کی کتابوں میں بیان کیا گیا ہے۔ کتاب و سنت میں کہیں بھی تقلید کا ذکر نہیں آیا ہے بلکہ اطاعت و اتباع کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ (النساء: ۵۹)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو اور ان کا بھی جو تم میں سے حکم دینے والے ہیں، پھر اگر تم کسی چیز میں جھگڑ پڑو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ، اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو، یہ بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے زیادہ اچھا ہے۔''

نیز فرمایا:

﴿اِتَّبِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ لَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِیَآءَ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝۳﴾ (الاعراف: ۳)

''اس کے پیچھے چلو جو تمھاری طرف تمھارے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے اور اس کے سوا اور دوستوں کے پیچھے مت چلو۔ بہت کم تم نصیحت قبول کرتے ہو۔''

لہٰذا ہر ایک مسلمان کی ذمہ داری اتباع ہے خواہ وہ عالم ہو یا عامی، اگر براہ راست کتاب و سنت سے استفادہ کرنے کی صلاحیت نہیں ہے تو پھر علمائے حق کی طرف رجوع کر کے عمل کرے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۷﴾ (الانبیاء: ۷)

''اگر تمھیں علم نہیں ہے تو علم رکھنے والوں سے دریافت کر لو۔''

سیدھی سادھی بات ہے، عدم علم کی صورت میں موجود علمائے حق کی طرف رجوع کر کے عمل کیا جائے، خود سے اجتہاد و استنباط نہ کیا جائے اور فتویٰ جاری کرنا نہ شروع کر دے بلکہ جو فتویٰ کی صلاحیت رکھتے ہیں ان کی طرف رجوع ہو اور پھر اگر اس فتویٰ اور جواب کے خلاف کوئی آیت یا حدیث صحیح آ جائے تو اس آیت و حدیث پر عمل پیرا ہو جائے۔ یہی سلف صالحین کا طرز عمل تھا۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((مَنِ اسْتَبَانَتْ لَهُ سُنَّةُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ لَا یَحِلُّ لَهُ أَنْ یَتْرُکَهَا بِقَوْلِ أَحَدٍ کَائِنًا مَنْ کَانَ.))

جس کے سامنے رسول اللہ ﷺ کی سنت واضح ہو جائے تو اس کے لیے یہ حلال نہیں کہ وہ اسے کسی کے قول کی وجہ سے چھوڑ دے کسے باشد۔ یہ ہے سلف کا منہج جس پر اہل الحدیث ہمیشہ قائم رہے ہیں، یہی اعتدال کی راہ ہے فکری آوارگی اور تقلیدی جمود دونوں ہی افراط و تفریط کے راستے ہیں۔ اعتدال کی راہ ترک کرنے سے جہاں ایک طرف خروج و تکفیر کے فتنے جنم لیا وہاں تقلیدی جمود سے امت افتراق کا شکار ہوئی اور امت واحدہ کا تصور ہی جاتا رہا اور غیر نبی کو نبی کا مقام دے دیا گیا۔ (مترجم)

❷ تاریخ الطبری (۵/ ۶۸۸).

دور حاضر کے بعض مسلمان بھی اسی غلطی میں واقع ہیں اور صدق و عدل پر مبنی کلمات کی غلط تطبیق کرتے ہیں، پھر یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ وہ احکامات بیان کرنے میں نامناسب جرأت کرتے ہیں اور معتدل رائے سے نکل جاتے ہیں۔ انھیں کلمات میں سے ایک کلمہ ''تقلید مذموم'' بھی ہے۔ یہ الفاظ اپنی جگہ بالکل برحق ہیں، قرآن وسنت سے اس کی تائید ہوتی ہے اور ائمہ دین نے اس تقلید سے منع فرمایا ہے، لیکن ان الفاظ کے استعمال میں بعض لوگوں کے یہاں کچھ لغزشیں ضرور ہیں، اس لیے اس سے متعلق چند باتوں کی نشان دہی ضروری ہے تاکہ یہ الفاظ اپنے صحیح مقام پر مستعمل ہوں:

- وہ تقلید باطل اور مذموم ہے جس میں دوسرے کی بات بلا حجت و دلیل قبول کر لی جائے۔ ❶
- اس آدمی کا مقلد ہونا مذموم ہے جسے اجتہاد پر قدرت حاصل ہے، لیکن جو اجتہادی صلاحیت سے محروم ہو اس کے لیے تقلید جائز ہے۔ ❷
- متقدمین علماء کی کتابیں پڑھنا اور غیر جانب دار ہو کر ان کے آراء و اقوال سے استفادہ کرنا تقلید مذموم نہیں ہے، بلکہ طالب علم کے لیے یہی مناسب ہے کہ کسی مسئلہ میں حکم لگانے سے پہلے اپنے متقدمین علما کے آراء و خیالات پڑھ لے تاکہ انھیں کی روشنی میں کوئی فیصلہ دے۔ ❸

عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جس شخص کو کسی مسئلہ میں علما کے اختلاف کا علم نہ ہو اسے فتویٰ نہیں دینا چاہیے، ورنہ اپنے علم کے بالمقابل ثقہ اور معتمد علم کو ضائع کر دے گا۔'' ❹

قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جس نے مسائل میں اختلافات کو نہیں جانا اس نے فقہ کی بو تک نہیں پائی۔'' ❺

یحییٰ بن سلام نے فرمایا:

''جو اختلافات کو نہ جانتا ہو اس کے لیے فتویٰ دینا مناسب نہیں ہے، اور جو علماء کے اقوال کو نہ جانتا ہو وہ یہ نہ کہے کہ یہ میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے۔'' ❻

لیکن حیرت ہے کہ دور حاضر کے ہمارے بعض علماء نے تقلید کے عدم جواز کے قاعدہ کو صحیح مقام پر تطبیق دینے میں غلطی کی اور اس میں عوام کے ساتھ علماء کو بھی لپیٹ لیا، اجتہاد کی صلاحیت رکھنے والوں اور نہ رکھنے والوں میں تفریق نہیں کی، نہ ہی اصول و فروع میں فرق کیا۔ پھر کیا ہوا؟ علماء کے اقوال سے اعراض کرنا شروع کر دیا اور بعض

---

❶ الفتاوٰی (۱۵/ ۲۰۱).
❷ الفتاوٰی (۲۰/ ۲۰۳، ۲۰٤).
❸ ظاهرة الغلو فی الدین ص (۳۱۸).
❹ جامع بیان العلم و فضله (۲/ ٤٦، ٤٧).
❺ جامع بیان العلم و فضله (۲/ ٤٧).
❻ ظاهرة الغلو فی الدین ص (۳۱۹).

نے تو یہاں تک مبالغہ کیا کہ علمائے سلف کے اقوال کو ''احمقانہ'' قرار دے ڈالا، ان کے مناہج کو پھینک دیا، یہ کہتے ہوئے کہ یہ تو تقلید مذموم ہے، پھر اسی پر بس نہیں بلکہ فتاوی میں جرأت کا مظاہرہ کیا، قرآن وسنت کے معاون علوم پر دسترس حاصل کیے بغیر براہ راست ان دونوں سے مسائل کا استنباط شروع کر دیا۔ [1]

۱۔ وہ بھی مرد تھے اور ہم بھی مرد ہیں: ...... یہ ایک دل پذیر جملہ ہے جس نے دور حاضر کے بہت سے پر جوش نوجوانوں کے دلوں کو چھو لیا ہے، اس لیے کہ اس میں انسان کی ''انا'' کو مقام دیا گیا ہے اور غیر کی تابعداری کو ہلکا کر کے پیش کیا گیا اور یہ ایسی چیز ہے جس کی طرف انسانی طبیعت تیزی سے لپکتی ہے، دراصل یہ قول امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ہے، لیکن لوگوں نے اس کے قائل، اس جملہ کی معنویت اور اس کی مناسبت کو بھلا دیا اور قرآن کی ظاہری آیت یا حدیث کے ظاہری الفاظ کو لے اڑے اور ان آیات واحادیث کے معانی ومفاہیم کی تشریح میں علماء کے خیالات وتحقیقات پر بہت کم توقف کیا اور بعض اوقات انھیں نظر انداز کر دیا، پھر جب ان سے کہا گیا کہ آپ لوگ یہ کیا کر رہے ہیں؟ صبر کرو، انتظار کرو، احکامات بیان کرنے میں عجلت نہ کرو اور علمائے سلف کے فہم و اقوال کو بھی دیکھ لو، تو برجستہ ان لوگوں کا جواب ہوتا ہے: ''وہ بھی مرد تھے اور ہم بھی مرد ہیں۔'' ہاں ٹھیک ہے میرے پر جوش نوجوان دوستو! یقیناً جسمانی ساخت اور بشری طبیعت میں تم ضرور انھیں کی طرح ہو، لیکن کیا تمھیں معلوم ہے کہ یہ جملہ کس نے کہا؟ اور کس مناسبت سے کہا؟ اس کے قائل وہ امام علم وفقہ ہیں جن پر اللہ نے گہری بصیرت کا انعام کیا، علم کی گیرائی و گہرائی کے ساتھ ان کے دل کو متقی بنایا۔ آپ نے یہ جملہ اپنے اجتہادی اصول کی وضاحت کے ضمن میں فرمایا تھا۔ آپ نے کہا تھا کہ اگر دلیل قرآن اور سنت ہوں تو انھیں سب پر مقدم جانتا ہوں اور اگر صحابی کا قول ہو تو اس سے باہر نہیں نکلتا اور اگر تابعی کا قول ہو تو وہ بھی مرد تھے اور ہم بھی مرد ہیں۔ لہٰذا آپ کے اس قول کا موقع ومحل بھی دیکھا جائے تاکہ تطبیق میں الجھاؤ نہ ہو، چلو ٹھیک ہے کہ وہ بھی مرد تھے، عالم تھے، اور مجتہد تھے، لیکن کیا تم بھی ان چیزوں میں انھیں کی طرح ہو؟

۲۔ صحابہ کا منہج قرآن و سنت سے براہ راست استفادہ: ...... آج کے اس دور میں جب کہ صحابۂ کرام کا منہج انسان کے درمیان سے عنقا ہو چکا ہے، ہمارے بعض حضرات نے ان کے منہج عمل کی تحدید شروع کر دی ہے، مسائل واحکام کے استنباط کے لیے راست طور پر قرآن اور سنت کو استعمال کرتے ہیں اور علمائے اسلام کی شرعی تصریحات وخیالات سے قطعاً استفادہ نہیں کرتے، وہ کہتے ہیں کہ بس ہمارے لیے قرآن وسنت کے ظواہر کافی ہیں، وفات شدگان علمائے دین کی فہم وتشریحات کی ہمیں ضرورت نہیں ہے، وہ دونوں صاف چشمۂ آب حیات ہیں، انھیں ہم کسی اور چیز سے گدلا نہیں کریں گے، حالانکہ یہاں ان کا نشانہ خطا کر گیا ہے، کیونکہ قرآن و سنت سے راست طور پر استفادہ کے لیے بھی کچھ حدود وقیود ہیں، اس لیے ہر مسلمان کے لیے قرآن وسنت سے

[1] ظاهرة الغلو فی الدين ص (۳۱۹).

راست طور پر استفادہ کی نوعیت یہ ہونی چاہیے کہ وہ ان سے عقائد واخلاق اور عبرت ومواعظ کے اصول سیکھیں، یہ ایسی چیزیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح واضح انداز میں پیش کیا ہے جنھیں سمجھنے کے لیے قرآنی زبان ولغت کا جاننے والا کچھ بھی دِقت نہیں محسوس کرے گا اور جہاں تک عقائد واحکام کی باریکیوں کی معرفت کی بات ہے تو اس کا دائرہ اوّل الذکر مباحث سے بہر حال تنگ ہے اور یہ صرف باصلاحیت اور ماہرین فن کے لیے خاص ہے، یعنی ایسے باصلاحیت اور ماہرین جن کا دامن علوم لغت، علوم اصول اور علوم حدیث سے اس طرح بھرا ہو کہ وسعت استنباط، حسن فہم اور صحیح نتیجہ اخذ کرنے پر انھیں عبور حاصل ہو۔ متشابہات اور پیچیدہ مسائل میں وہ الجھن اور لغزشوں میں نہ واقع ہوں، علم وحکمت پر مبنی اسی تفریق کے واضح خطوط پر صحابہ کرام نے عمل کیا، ان کے پاس مسائل آتے تھے اور حوادث و واقعات پیش ہوتے تھے پھر یہ لوگ انتہائی باریک بینی سے ان کا جائزہ لیتے تھے، اگر ان مسائل کا تعلق پہلی قسم سے ہوتا تو نہایت آسانی سے اسے سمجھتے اور سمجھاتے اور اگر ان کا تعلق دوسری قسم سے ہوتا تو جرأت کا مظاہرہ نہ کرتے، بلکہ توقف کرتے، اپنے علماء وفقہاء سے پوچھتے اور سمجھتے، لہٰذا یہی منہج قابل اتباع ہے اور یہی عقل و حکمت کا منہج ہے، جو جمود وتعطل سے بچاتا ہے اور فکری انتشار و بے اطمینانی سے محفوظ رکھتا ہے۔

بغیر معلم کے ایسے بعض ناقص فقیہوں کی فقاہت کے بڑے برے اور خطرناک اثرات سامنے آتے ہیں، سب سے خطرناک بات تو یہ سامنے آتی ہے کہ مختلف علوم وفنون میں اسلاف کے علمی ذخائر سے ان لوگوں کا اعتماد اٹھ جاتا ہے، علمائے دین پر زبان درازی معمولی چیز ہو جاتی ہے، نصوص شرعیہ کا مفہوم متعین کرنے میں حرفیت پسندی غالب آ جاتی ہے، بے محابا فتاوے صادر کرنے کی جرأت بڑھ جاتی ہے اور انتہا پسند افکار کو ترجیح دی جانے لگتی ہے۔

لیکن کیا علم انھیں چیزوں کا نام ہے؟ نہیں، بلکہ اسلام نے ہمیں علم کے کچھ آداب وابواب بتائے ہیں، پس نیک بخت وہی ہے جو ان آداب سے آراستہ ہو اور انھیں راستوں سے علم کے دروازے کھٹکھٹائے، تاریخ کے تمام ادوار میں ہمیں کوئی ایک فرد بھی نظر نہیں آتا جس نے علم وتعلم کے پہلے ہی مرحلہ میں راست طور پر قرآن وسنت کی طرف رجوع کرکے احکامات کو مستنبط کرنا شروع کر دیا ہو اور اپنے متقدمین علماء کے اقوال وتصریحات کو یکسر نظر انداز کر دیا ہو، یا اس پر بعد میں نگاہ ڈالی ہو، ہمیں کوئی نہیں ملتا، ہاں اگر ملتے ہیں تو صرف وہ گنوار جاہل، فقہ وبصیرت سے اندھے اور فقہاء سے کنارہ کش رہنے والے خوارج، یا ان کے افکار ونظریات سے متاثر دیگر لوگ۔ [1]

اپنے سے پیشتر اہل علم کے آراء واقوال اور ان کے فہم وبصیرت کو نظر انداز کرکے راست طور پر فقط کتابوں پر اعتماد کرتے ہوئے ان سے علم سیکھنے والوں کے بارے میں علمائے متقدمین نے کافی زجر وتوبیخ کا موقف اختیار کیا ہے، اس لیے کہ اس سے تحریف وتصحیف، احکام میں ردو بدل، اللہ پر بے جا بہتان اور حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرنے کا دروازہ کھلتا ہے۔

---

[1] ظاهرة الغلو فی الدین ص (۳۲۳ تا ۳۲٤).

علامہ ابن جماعۃ رحمہ اللہ علم و اخلاق کے معلم کے انتخاب کے لیے طالب علم کو چند آداب سکھاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ طالب علم کی پوری کوشش ہو کہ اس کا استاد علوم شرعیہ کا بہم معلومات رکھتا ہو اور اپنے دور کے علماء و مشائخ کی صحبت اور بحث و تحقیق کا عادی ہو، اس کا استاد ایسا نہ ہو کہ اس نے فقط کتابوں کی ورق گردانی پر اکتفا کیا ہو، اور ماہرین علمائے دین کی صحبت سے ناواقف ہو۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ جس نے فقط کتابوں کی ورق گردانی سے فقہ و معرفت حاصل کی اس نے احکام کو ضائع کر دیا اور بعض علماء کہتے تھے کہ سب سے بڑی مصیبت صرف کتابوں پر اعتماد کرنا ہے، یعنی جو لوگ فقط کتابوں سے علم حاصل کرنے پر بس کرتے ہیں کسی ماہر استاد کی طرف رجوع نہیں کرتے۔[1] کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

مَنْ يَأْخُذِ الْعِلْمَ عَنْ شَيْخٍ مُشَافَهَةً يَكُنْ مِنَ الزَّيْغِ وَ التَّصْحِيْفِ فِيْ حُرُمٍ

''جو شخص بزرگ علمائے دین سے رو برو ہو کر علم حاصل کرتا ہے وہ بھٹکنے اور غلط تعلیم و تعلم سے محفوظ رہتا ہے۔''

وَمَنْ يَكُنْ آخِذًا لِلْعِلْمِ مِنْ صُحُفٍ فَعِلْمُهُ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ كَالْعَدَمِ

''اور جو شخص فقط کتابوں کی ورق گردانی سے علم سیکھتا ہے تو اہل علم کے نزدیک اس کا علم نہ کے برابر ہے۔''

بعض علمائے سلف کا قول ہے:

''جس نے بغیر استاد کے قرآن سیکھا ہو اس کو قرآن نہ سناؤ اور نہ کتابی علماء سے علم حاصل کرو۔''[2]

امام ابوزرعہ فرماتے ہیں:

''کتابی عالم لوگوں کو فتویٰ نہ دے اور نہ انھیں قرآن پڑھائے۔''[3]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ (الانبیاء: ۷)

''پس ذکر والوں سے پوچھ لو، اگر تم نہیں جانتے ہو۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو غلط ٹھہرایا ہے جو معاملات کی تحقیق اور حق تک رسائی پانے سے پہلے انھیں عام کرنے لگتے ہیں اور لوگوں کو بتاتے پھرتے ہیں، کیونکہ بعض اوقات وہ بات درست نہیں ہوتی۔[4]

---

[1] الفقیہ و المتفقہ / خطیب بغدادی (۲/ ۹۷).

[2] ایضًا [3] الفقیہ والمتفقہ/ خطیب بغدادی (۲/ ۹۷).

[4] تفسیر ابن کثیر (۱/ ۵۹۳).

بہر حال ہماری اس طویل گفتگو کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ہم لوگوں کو کتابوں کی ورق گردانی اور علم حاصل کرنے سے منع کر رہے ہیں، علم کا طلب کرنا ایک دینی فریضہ ہے جو مہد سے لحد تک ہم پر واجب ہے، بلکہ ہمارا مقصود یہ ہے کہ مذکورہ فکر کے حاملین کتنا بھی پڑھ لیں اور کتابوں کا مطالعہ کر ڈالیں تاہم انھیں شرعی علوم کے متخصص علمائے دین کی ضرورت پڑے گی، اس لیے کہ علم شرعی کے حصول کے لیے کچھ لوازم و متعلقات ہیں جو انھیں ابھی مکمل طور سے حاصل نہیں، کچھ اصول ہیں جن کی معرفت اور استیعاب پر انھیں عبور نہیں، کچھ فروع اور تکملے ہیں جن کے لیے ان کے پاس اوقات اور فرصت نہیں۔ [1] لہٰذا ہم ایسی جرأت اور عجلت کے قائل نہیں جو منتشر اور نظم وضبط سے عاری ہو، فکر ونظر کی ایسی سستی، درماندگی اور جمود کے ہم مداح نہیں جو بحث و تحقیق کے لیے چیلنج اور عقل کی راہ میں پتھر بن کر حائل ہو، ہم محنت، لگن اور کوشش کا وہ ترنگ دیکھنا چاہتے ہیں جس میں سنجیدگی ہو، صبر و ثبات ہو، تحقیق و انتظار ہو اور مشکل مسائل کے لیے استفسار ہو، کیونکہ اعتدال و توسط ہی بہتر ہوا کرتا ہے۔ [2]

۳۔ علماء کی کوتاہیاں اور اپنی ذمہ داریوں سے اعراض:

علمائے دین، انبیاء کے وارث ہیں، اس لیے انھیں معاشرہ کی رہنمائی اور اصلاح کی قیادت اپنے ہاتھوں میں لینی چاہیے، علماء پر یہ فرض ہے کہ اپنے اخلاق و کردار، محنت و کاوش اور علم و معرفت کے ذریعے سے لوگوں میں اپنا ادبی، علمی اور منصبی مقام ثابت کریں، ان پر یہ ذمہ داری ہے کہ معاشرہ کو صحیح رخ پر لے جانے کے لیے اس دین اور دینی علوم کے ذریعے سے حرکت میں آئیں، حاکم اور رعایا کو ان کے صحیح صحیح مقام پر پہنچائیں، حاکم کو صحیح مقام پر پہنچانے کا مطلب یہ ہے کہ اسے اللہ کی شریعت کا پابند بنائیں، تاکہ معاشرہ میں جو سیاسی، اجتماعی اور اقتصادی ظلم موجود ہے اس کا خاتمہ ہو اور رعایا کو صحیح مقام پر لے جانے کا مطلب یہ ہے کہ انھیں بھی اللہ کے احکامات اور منہیات کا پابند کریں، تاکہ معاشرہ میں جو اخلاقی اور روحانی بگاڑ موجود ہے اور جو انارکی پھیلی ہوئی ہے اس کا خاتمہ ہو، یا کم از کم ان برائیوں کے خاتمہ کے لیے کوشش کا آغاز ہو، تاکہ لوگوں کے اخلاص و نیک نیتی اور جد و جہد کے مطابق اصلاحی کوششیں بار آور ثابت ہوں، معاشرہ کی اصلاح و تعمیر میں علمائے دین کا ہر دور میں قائدانہ کردار رہا ہے اور حکام ہوں یا رعایا سب کو ان کی کاوشوں کا اعتراف واحترام کرنا پڑا ہے۔

لادینی سیاست اسی وقت آگے بڑھی جب علمائے دین نے امت کی قیادت و رہنمائی کرنے سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا، تاریخ شاہد ہے کہ عوام نے کبھی کسی کو اپنے علماء کا متبادل نہیں سمجھا، اور نہ اسے پسند کیا، حکومتیں بدلتی رہیں لیکن امت مسلمہ مسلسل اپنے علماء کی عقیدت مند رہی، ان سے محبت کی، ان سے لگی لپٹی رہی اور جب بھی کوئی نازک

[1] الصحوة الإسلامية ص (٣٠٦).

[2] ظاهرة الغلو ص (٣٢٦).

وقت آیا تو اللہ واحد کی ذات کے بعد وہ انھیں کی طرف پلٹی، اس لیے کہ اسے علماء کا مقام معلوم ہے، اس کا ہر فرد جانتا ہے کہ ان میں حرکت وانقلاب کی صلاحیت موجود ہے اور وہ ہر مشکل اور ہر چیلنج کو قبول کر سکتے ہیں۔

اسی طرح حکام کو محبت کی بنا پر یا ڈر کی وجہ سے بہرحال علماء کی قدر ومنزلت کا اعتراف رہا ہے۔ علمائے دین کبھی کسی میدان میں پیچھے نہیں رہے، بلکہ مجاہدین اور مسلم جنگجوؤں میں پیش پیش رہے اور بھلائی کا حکم دینے والوں اور برائی سے روکنے والوں میں بھی سرفہرست رہے، معاً اپنی قوم کی خوشیوں اور غم میں بھی شریک رہے، اس راستہ میں انھیں مشکلات کا سامنا ضرور کرنا پڑا، لیکن سب کچھ برداشت کیا اور اپنی ذمہ داری کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کی، اس لیے کہ وہ وارثین انبیاء ہونے کا معنی اچھی طرح جانتے تھے۔ [1]

علماء ہی اسلام کے فقہا ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جن کی باتوں پر پوری مخلوق میں فتووں کا دارو مدار ہے، انھیں کو احکام مستنبط کرنے میں اختصاص اور حلال وحرام کے قواعد متعین کرنے میں عبور حاصل ہوتا ہے۔ [2] یہ علماء ہی ائمہ دین ہیں انھوں نے بڑی مشقت اور صبر ویقین کے ذریعے سے اس بلند مقام کو حاصل کیا ہے:

﴿ وَ جَعَلْنَا مِنْهُمْ اَىِٕمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ؕ۫ وَ كَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یُوْقِنُوْنَ ۲۴ ﴾

(السجدۃ: ۲۴)

’’اور ہم نے ان میں سے کئی پیشوا بنائے، جو ہمارے حکم سے ہدایت دیتے تھے، جب انھوں نے صبر کیا اور وہ ہماری آیات پر یقین کیا کرتے تھے۔‘‘

علماء ہی ورثاء انبیاء ہیں، انھوں نے ان سے علم وراثت میں پائی ہے اور اسے اپنے سینوں میں محفوظ کر لیا ہے، اسے اپنے اعمال میں کر دکھاتے ہیں اور لوگوں کو اس کی طرف بلاتے ہیں۔ علماء ہی اس امت کے وہ منتخب گروہ ہیں جنھوں نے اللہ کے دین کو سیکھنے کے لیے اپنا گھر بار چھوڑا ہے۔ پھر دعوت کے کام میں لگ گئے ہیں اور انداز وتبلیغ کے مہم پر گامزن ہیں، لہٰذا ان لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ لوگوں کے بیچ میں رہیں اور انبیاء کے وارث کی طرح اپنی ذمہ داری نبھائیں، گوشہ گیری سے دست بردار ہوں، لوگوں کے مشکلات اور رنج وغم میں شریک ہوں، فقط انذار وتبلیغ پر اکتفا نہ کریں بلکہ لوگوں کی تربیت، تہذیب اور رہنمائی کے لیے کمربستہ ہوں، ان کے ساتھ اکھڑپن کی زندگی پر صبر کریں اور ان کی فکری، نفسیانی، اجتماعی اور سیاسی مشکلات کو اللہ کی شریعت کے مطابق حل کریں۔

پس علماء ہی ہر دور میں لوگوں کے رہبر رہے ہیں اور اس وقت تک رہیں گے جب تک کہ اللہ کا امر (قیامت) نہ آجائے۔ قیامت تک مدد یافتہ جماعت میں یہ لوگ سرفہرست ہیں، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي قَائِمَةٌ بِأَمْرِ اللّٰهِ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ أَوْ خَالَفَهُمْ

---

[1] ظاهرة التكفير / الأمين الحاج محمد أحمد ص (۱۸۱).

[2] أعلام الموقعين (۱/ ۷).

حَتّٰی یَأْتِیَ أَمْرُ اللّٰهِ وَ هُمْ ظَاهِرُوْنَ عَلَی النَّاسِ .))[1]

''میری امت کی ایک جماعت ہمیشہ اللہ کے حکم کے ساتھ قائم رہے گی انھیں کسی کا رسوا کرنا، یا مخالفت کرنا کچھ نقصان نہ پہنچائے گا یہاں تک کہ اللہ کا امر (قیامت) آ جائے گا اور وہ لوگوں پر ظاہر ہوں گے۔''

لہٰذا جب علماء کا اس قدر بلند مقام اور ان کا اتنا اہم کردار ہے تو یہ ہرگز مناسب نہیں ہے کہ ان کی اکثریت دعوت الی اللہ کے تئیں کوتاہ ثابت ہو اور وہ لوگوں کو ایسی قیادت سے محروم کر دیں جو انھیں خیر و فلاح کی دعوت دیتی ہے۔

۴۔ ظلم کا چلن اور وضعی قوانین کی تابعداری:

معاشرہ میں انتہا پسند ذہنیت کے فروغ پانے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ اس میں بسنے والے افراد و قبائل سیاسی استحصال کا بری طرح شکار ہیں اور ظلم کا عام چلن ہے حالانکہ یہ چیز مقاصد شریعت کے بالکل خلاف ہے اور شارع نے جس عدل کو پھیلانے اور ظلم کو ختم کرنے کا حکم دیا ہے اس سے متصادم ہے۔[2]

۵۔ علمائے دین کے آراء کا غلط مفہوم متعین کرنا:

یہ محسوس کیا جا رہا ہے کہ جس طرح خوارج نے کفار کے بارے میں نازل ہونے والی آیات کو اپنے ظلم و بہتان کے سہارے صحابہ کرام کی مقدس جماعت پر چسپاں کر دیا اسی طرح آج بھی بعض پر جوش نوجوان لیکن علم شرعی اور فقہ فی الدین میں ناپختہ، معاصر علمائے اسلام کے خیالات کو کھینچ تان کر بے جا اور غلط معانی و مفاہیم پر محمول کرتے ہیں اور پھر مشکل مقامات پر جا گرتے ہیں۔[3]

۶۔ بگاڑ اور فساد کا عام چلن:

آج امت مسلمہ سب سے زیادہ اعتقادی بگاڑ، منہج اہل سنت و جماعت سے انحراف اور بدعتوں کے فروغ سے لہولہان ہے، اس کی اکثریت جس کلمہ کو صبح و شام دہراتی ہے یعنی ''لا إلہ إلا اللہ محمد رسول اللہ'' اس کی حقیقت سے نا آشنا ہے، وہ نہیں جانتی کہ اس کلمہ کا مقصود کیا ہے اس کے تقاضے اور شرائط کیا ہیں، پھر ایک کریلا دوسرا نیم چڑھا کی مثال یہ کہ دشمنان اسلام ہمیشہ کوشش کرتے رہے کہ کلمۂ توحید سے اس کی معنویت کو نکال دیں، اسلام کو صرف زبان کے اقرار تک محدود کر دیں، یا زبان کے اقرار کے ساتھ چند ظاہری شعائر کی پابندی میں محصور رکھیں اور پورے دین کو زندگی کے کسی ایک گوشے میں سمیٹ دیں تا کہ مادیت کے تھپیڑوں اور دنیا کی رنگینیوں کے

---

[1] صحیح البخاری / الاعتصام حدیث نمبر (۷۳۱۱).

[2] الخوارج / ناصر العقل ص (۱۲٦) وضعی قوانین سے مقصود شرعی قوانین کے مقابلہ میں انسانوں کے اپنے وضع کردہ قوانین ہیں۔ (مترجم)

[3] الخوارج / ناصر العقل ص (۱۵۵).

سامنے مسلمان سجدہ ریز ہو کر ذلت، رسوائی اور احساس کمتری کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو جائے، جیسے کہ آج دیکھا جا رہا ہے۔❶ دشمنان اسلام کی سرپرستی میں اخلاقی انارکی عام ہو چکی ہے اور اس نے پورے سماج کو اس طرح لپیٹ لیا ہے کہ جذبۂ اصلاح سے معمور افراد بھی کامیابی کی کوئی کرن دیکھنے سے مایوس نظر آتے ہیں اور پھر یہی ناامیدی رفتہ رفتہ پر جوش نوجوانوں کے دلوں میں گھر کر جاتی ہے، وہ غمزدہ ہو کر انتہا پسند ردعمل اختیار کر لیتا ہے پھر یہ ردعمل مختلف شکلوں میں سامنے آتا ہے یعنی وہ ان الحادی تھپیڑوں میں بہ جاتا ہے، یا اپنے لیے منفی اور دشمنانہ موقف کو ترجیح دیتا ہے اور یہ سوچ کر مطمئن رہتا ہے کہ جس معاشرہ میں اس قدر اعتقادی اور اخلاقی بگاڑ ہو اس میں ہرگز بھلائی نہیں ہے اور بسا اوقات فکر کی اس انتہا کو پہنچ جاتا ہے کہ یہ معاشرہ مسلم معاشرہ نہیں بلکہ کافر معاشرہ ہے۔❷

۷۔ تزکیۂ نفس کا عدم اہتمام:

تکفیری خیال کے پیدا ہونے کا ایک بنیادی سبب یہ بھی ہے کہ تربیتی پہلو کی کمزوری کی وجہ سے تزکیہ نفس کا اہتمام نہیں ہوتا، پھر انسان اپنی ذات سے غافل ہو کر غرور، ظلم اور دوسروں کی عیب جوئی میں لگ جاتا ہے، تزکیۂ نفس کا اہتمام نہ کرنے سے کئی خطرناک امراض پیدا ہوتے ہیں، مثلاً ایسا انسان جلد باز اور اطاعت پر غرور کرنے والا ہو جاتا ہے۔ وہ نفس پرست بن جاتا ہے، دوسروں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور ان کا احترام نہیں کرتا اور کبھی کبھی اپنے علاوہ سب کو اسلام سے باہر سمجھتا ہے۔❸

یہ تھے دور حاضر میں انتہا پسند ذہنیت کے پیچھے کارفرما عوامل جن کے نتیجے میں آج مسلم معاشرے میں غلو پرستی کے متعدد مظاہر دیکھنے میں آ رہے ہیں۔

دور حاضر میں غلو پرستی کے چند مظاہر

دین وعبادت کے نام پر نفس کشی اور دوسروں کو تنگی میں ڈالنا:

دور حاضر میں غلو پرستی کا ایک نمونہ یہ ہے کہ دین نے جس اعتدال پسندی کو سراہا تھا اور جس پر نبی اکرم ﷺ قائم تھے اس سے دوری بڑھتی جا رہی ہے، جب کہ نبی اکرم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ هٰذَا الدِّيْنَ يُسْرٌ وَ لَنْ يُّشَادَّ الدِّيْنَ اَحَدٌ إِلَّا غَلَبَهٗ .))❹

''دین آسان ہے، جو شخص اس کے ساتھ زور آزمائی کرے گا اس پر یہ غالب آ جائے گا۔''

دین میں تشدد دراصل دین سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے، اور یہ دونوں باتیں خوارج کے اوصاف میں داخل ہیں،

---

❶ ظاهرة التكفير ص (١٥٢).
❷ ظاهرة التكفير ص (١٨٥).
❸ ظاهرة التكفير ص (١٨٥).
❹ صحيح البخاری مع الفتح / الإيمان (١/ ٩٣).

آج بھی خوارج کے افکار سے متاثر زیادہ تر لوگوں میں ان اوصاف کو واضح طور پر محسوس کیا جا سکتا ہے۔[1]

آسانیوں کو نظر انداز کرنا اور دوسروں کو تنگی میں ڈالنا بھی غلو پرستی کا ایک حصہ ہے، پس غلو پرست لوگ اپنے مخاطب کی صلاحیتوں اور لیاقتوں کی رعایت نہیں کرتے، ان کی طاقتوں کا فرق نہیں جانتے، ذہنوں کا تباین نہیں پہچانتے اور طاقت سے زیادہ فرائض کی انجام دہی پر انھیں مجبور کرتے ہیں، آسان ترین شریعت کو ان کے لیے ناقابلِ عمل بنا دیتے ہیں اور ان الفاظ میں خطاب کرتے ہیں جنھیں مخاطب سمجھتے نہیں۔

ورع فاسد، احکام شریعت کے مراتب سے جہالت اور لوگوں کے مقام و مرتبہ سے ناواقفیت، دوسروں کو تنگی میں ڈالنے کے اسباب ہیں، جو مختلف میدانوں میں رنگ و لباس بدل بدل کر آتے ہیں، دوسروں پر اپنا نظریہ تھوپنا، سب سے اپنی بات منوانا، لوگوں کو نامانوس چیزیں بتانا، رخصتوں کو نظر انداز کر کے غیر مشروع سختیوں کو لازم کر دینا اس کی خاص شکلیں ہیں۔

''انا'' کی نمائش، غرور اور ناپختہ ذہن نوجوانوں کی قیادت:

عصر حاضر کی مبالغہ پرست اور انتہا پسند ذہنیت کی علامت اور اس کی خاص صفت یہ ہے کہ اس پر غرور، ہمہ دانی اور علم برداری کا خمار چڑھا ہوتا ہے، جب کہ انھیں علم شرعی کی اساسی تعلیمات، احکام اور قواعد تک سے ناواقفیت ہوتی ہے، اور اگر تھوڑا بہت علم ہے بھی تو وہ اصول وضوابط، صحیح فقہ اور درست رائے کی قید و بند سے آزاد ہے۔ وہ اپنے معمولی علم اور بیمار فہم پر اس قدر نازاں ہوتے ہیں کہ جیسے انھیں اولین و آخرین کے علوم تک رسائی ہو، پھر وہ اپنے اس غرور کے جھانسے میں علمائے راسخین کے علم کو کمتر سمجھنے لگتے ہیں، حصول علم کا سلسلہ بند کر دیتے ہیں، خود تو ہلاک ہوئے ہی اور دوسروں کو بھی ہلاک کرتے ہیں۔ خوارج کا بس یہی حال تھا، انھیں علم و اجتہاد کا دعویٰ تھا، وہ علماء پر زبان دراز تھے، جب کہ حقیقت میں وہ نرے جاہل تھے، ان کے غرور اور علم برداری کی اس ہوس نے ناپختہ ذہن نوجوانوں اور ناعاقبت اندیشوں کو بلا علم و فقہ کے دعوت کے میدان میں قیادت کے لیے آگے بڑھایا، پھر کچھ لوگوں نے ان جاہلوں کو اپنا پیشوا اور علم بردار تسلیم کر لیا، پھر کیا تھا؟ انھوں نے بلا علم و بصیرت فتویٰ دیا، فیصلے سنائے اور ناتجربہ کاری اور کم عقلی کی بنا پر بڑے بڑے حوادث و نقصانات کا سامنا کیا، ان میں بیشتر ایسے لوگ دیکھنے میں آتے ہیں، جو علمائے دین اور بزرگان اسلام کی تنقیص کرتے ہیں، ان کا مقام و مرتبہ نہیں پہچانتے، اگر ان علماء میں سے کسی نے ان کی رائے اور نظریہ کے خلاف فتویٰ دے دیا، ان کے برعکس موقف اختیار کر لیا تو انھوں نے اس پر دانستہ غلطی یا نااہلی، اور بزدلی یا مداہنت یا سادگی اور معلومات کی کمی کی تہمت لگا دی، یا اس کے علاوہ اور کوئی نازیبا اسلوب اختیار کیا کہ جس سے فرقہ بندی، فساد عظیم، علماء کی ناقدری اور ان پر عدم اعتماد کو بڑھاوا دینے کے علاوہ کچھ حاصل نہیں جس کا نقصان راست طور پر تمام مسلمانوں کو دین و دنیا دونوں جگہ اٹھانا پڑتا ہے۔[2]

---

[1] الخوارج / ناصر العقل ص (۱۳۰).
[2] الخوارج / ناصر العقل ص (۱۲۹).

خود رائی کو ترجیح دینا اور دوسروں کو جاہل گردانا:

غلو پرستی کا ایک واضح ترین پہلو یہ ہے کہ آدمی اپنی رائے کے لیے متعصب ہو اور دوسروں کی رائے کی ناقدری کرے، اگرچہ دوسرے ہی کی رائے میں حق وصواب موجود ہو، کم علمی، خودرائی، نفس پرستی اور خالی الذہن سے اپنی رائے منوانے کی ہوس ہی وہ سبب ہے جس کی وجہ سے کوئی شخص اپنی رائے کے لیے متعصب ہوتا ہے۔

ہم سے پہلے کے ادوار میں خودرائی اور نظری تعصب ہی کی آفت نے اپنے مریضوں کو موت کے گڑھوں میں دھکیلا، بھلا وہ کون سی چیز تھی جو ذوالخویصرہ جیسے نرے جاہل کو لے ڈوبی؟ ابن الجوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اس کی آفت بس یہ تھی کہ اس نے خودرائی کو ترجیح دی تھی، اگر معمولی توقف سے کام لیتا تو ضرور جان لیتا کہ رسول اللہ ﷺ کی رائے سے بڑھ کر کسی کی رائے نہیں۔ ذوالخویصرہ کے ہم خیالوں کو بھی خودرائی اور دوسروں کی بدگمانی نے بہکایا ہے۔ خوارج بھی عبادت گزار تھے، لیکن ان کا یہ عقیدہ تھا کہ وہ علی سے زیادہ جاننے والے ہیں، یہی وہ مہلک بیماری تھی جس نے انھیں موت کے گھاٹ اتارا۔" [1]

یہ بے چارے محدود چند الفاظ میں قید ہو کر رہ گئے جن کے معانی بھی اچھی طرح نہ سمجھ سکے اور نہ کسی سے پوچھا جو انھیں ان کا مطلب بتا دیتا، انھوں نے یہ روش محض اس لیے اپنائی تھی کہ بس اپنی ہی سمجھ کو وہ صحیح جانتے تھے، اور ان کے علاوہ سب غلط سمجھتے تھے۔

محمد ابوزہرہ لکھتے ہیں:

"لفظ "ایمان" "لَا حُكْمَ إِلَّا لِلّٰهِ" اور "ظالمین سے تبرّا" کا خمار ان پر اس قدر چڑھا کہ انھوں نے ان ظاہری الفاظ کا سہارا لے کر مسلمانوں کا خون حلال کر لیا اور ہر جگہ قتل و غارت گری کو عام کیا۔" [2]

اسی اندھے تعصب نے انھیں حق قبول کرنے سے روک رکھا، حالانکہ حق ان کے سامنے واضح ہو چکا تھا، امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے ان سے مناظرہ کیا، ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مناظرہ کیا، ان کے اعتراضات اور شبہات کا ازالہ کیا، ٹھوس دلیلوں سے انھیں مطمئن اور خاموش کیا، لیکن کچھ کے علاوہ بقیہ لوگ مطمئن نہ ہوئے اور بات نہ مانی اور مسلمانوں کی جان و مال حلال سمجھا۔ حقیقت یہ ہے کہ خودرائی کو ترجیح دینا اور دوسروں کو جاہل گردانا اسلام کے اہم اصول مثلاً شورائیت اور خیرخواہی کے خلاف ہے۔ [3]

علماء و عاملین پر طعن و تشنیع:

موجودہ وقت ایک عجیب و غریب ماحول سے گزر رہا ہے، یعنی علمائے عاملین کے دبدبہ کو زیر کرنے کا رجحان بڑھ رہا ہے، ان میں انحراف و گمراہی کے خنجر گھونپنے کی کوشش تیز ہے، یہ حملے بڑے زوردار ہیں، ڈائجسٹوں، مجلات،

[1] تلبیس إبلیس ص (۹۰، ۹۱).
[2] تاریخ المذاهب الإسلامیة / محمد أبوزهرة ص (٦١).
[3] ظاهرة الغلو فی الدین ص (۲۱۵-۲۲۳).

مقالات، کتابوں، لکچر ہالوں، درس گاہوں اور تعلیمی حلقوں میں ان حملوں کے نمونے دیکھے جاسکتے ہیں۔ یہ حملے اور رجحانات امت مسلمہ کو زبردست نقصان پہنچا رہے ہیں، جو قوم پہلے سے منتشر ہے اس میں مزید انتشار اور جو امت پہلے سے گروہوں میں بٹی ہے اس میں مزید گروہ بندی کو پروان چڑھا رہے ہیں، علمائے دین پر طعن و تشنیع کا یہ رجحان یونہی نہیں پیدا ہوا، بلکہ اس کے پیچھے بہت موثر عوامل کارفرما ہیں، مثلاً بغیر استاد کے علم سیکھنا، علماء کی عبارتوں اور بیانات کا غلط مفہوم سمجھنا، نفس پرستی، اور حسد وغیرہ۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ ہمارے کچھ پُر جوش نوجوان اس بات میں کافی نیچی سطح تک اتر جاتے ہیں، علماء کی عیب جوئی اور ان کی لغزشوں کی ٹوہ میں لگے رہتے ہیں، ان کے بیانات اور ذاتی خیالات کو لے اڑتے ہیں اور اس میں ردوبدل کر کے کچھ کا کچھ کہتے پھرتے ہیں۔

یہ حرکتیں عوام کو دھوکا دینے اور اپنے مخالفین کی دشنام طرازی کے لیے وجہ جواز تلاش کرنے کا ایک ذریعے سے ہوتی ہیں۔ ان ناعاقبت اندیش دوستوں کی یہ حرکتیں اسلام کے لیے وبال جان اور دشمنان اسلام کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں، یہ گندی حرکت جو کہ جہالت، حسد اور روحانی بیماری کی دلیل ہے، اس سے علمائے عاملین نے ہمیشہ ڈرایا ہے، کیونکہ اس کے برے اثرات راست طور سے مسلمانوں پر مرتب ہوتے ہیں اور بلا کسی کدوکاوش کے اس کا فائدہ اسلام کے خلاف سازشیں رچانے والے اٹھاتے ہیں۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ علما اور ائمہ کے ضعیف اقوال اور تفردات کو عام رواج دینے سے منع کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''...... اس طرح کا ضعیف مسئلہ ائمۃ المسلمین میں سے کسی امام سے نقل کرنا کسی کے لیے جائز نہیں ہے، خواہ اس پر رد و قدح مقصود ہو، یا اس پر عمل کرنا، کیونکہ اس میں ضعیف قول کی ترویج کے ساتھ امام پر طعن و تشنیع بھی ہوتی ہے، اسی طرح کے مسائل کی آڑ میں تاتاریوں کے ایلچی اور دم چھلے، اہل سنت کے درمیان فتنہ کی بیج بوتے رہے اور انھیں خود ان کے عقائد سے اس طرح متنفر کر دیا کہ وہ اپنوں کے خلاف بغاوت پر اتر گئے، اور انھیں روافض وملحدین کے مذہب میں دھکیل دیا۔'' [1]

جو لوگ بھی امت مسلمہ کے علمائے عاملین پر زبانیں کستے اور ان پر طعن و تشنیع کرتے ہیں وہ بہر صورت شعوری یا غیر شعوری طور پر یہودی، نصرانی اور طاغوتی سازشوں اور جاسوسی مشینریوں کی خدمت کر رہے ہیں، اور ایسے لوگ سمجھیں یا نہ سمجھیں اہل سنت و جماعت کے اس معتدل منہج سے ہٹے ہوئے ہیں جو اس بات کا قائل ہے کہ:

> ''علمائے سلف متقدمین میں سے ہوں یا متاخرین میں سے، وہ بہرحال آثار نبوت کے تابعدار، خیر کے پرستار اور اہل فقہ ونظر ہیں۔ ان کا ذکر جب بھی ہوگا خیر کے ساتھ ہوگا، جو ان کی شان میں گستاخی کرے گا وہ سیدھے راستے پر نہیں ہے۔'' [2]

---

[1] الفتاوٰی (۳۲/ ۱۳۷)۔ [2] شرح العقیدۃ الطحاویۃ (۲/ ۷٤۰)۔

علمائے عاملین پر طعن کرنے والے نادانوں کو یہ بھی جاننا چاہیے کہ ان علما کے گوشت زہر آلود ہیں اوران کی شان میں گستاخیاں کرنے والوں کے بارے میں اللہ کی سنت معلوم ہے۔ غالبًا یہ نادان نہیں جانتے کہ کثرت فضائل اور ورع وتقویٰ ہی انسانوں کی اچھائی یا برائی پر حکم لگانے کا معیار ہے۔ امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جو شخص شریعت اور واقعات و مشاہدات سے واقف ہے اسے بخوبی علم ہے کہ کوئی بھی مرد جلیل جس نے اسلامی خدمات میں عمدہ نقوش چھوڑے ہوں، نیک نامی حاصل کی ہو اور اسلام و مسلمانوں میں اس کا بلند مقام ہو، اس سے بھی لغزش ہوسکتی ہے، لیکن وہ اس میں معذور سمجھا جائے گا، اس کے لیے ثواب کی امید لگائی جائے، کیونکہ یہ اس کی اجتہادی غلطی تھی، اس غلطی میں اس کی پیروی نہ کی جائے اور نہ ہی لوگوں کے دلوں سے اس کی قدر ومنزلت اور احترام وتقدس گرایا جائے۔''[1]

اگر امت کے علمائے عاملین یکے بعد دیگرے مجروح کردیے جائیں گے تو اس کی قیادت کون کرے گا؟ ایسے ہی نادان نوجوان بچیں گے جو قرآن کی اچھی طرح تلاوت تک نہیں کرسکتے، نہ ان کی زبانیں درست ہیں اور نہ ہی شرعی علوم وفنون میں انھیں کم یا زیادہ مہارت ہی حاصل ہے۔

یہ اسلوب تو دشمنان اسلام کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اور کیوں نہ ہو کہ اس سے ایک ایسی نسل تیار ہوگی جس کا کوئی قائد نہ ہوگا، اس کا ہر فرد اپنا قائد ہوگا، کیا دنیا کی کوئی ایسی نسل کبھی کامیاب ہوئی ہے جس کے قائد نہ رہے ہوں؟ گزشتہ امتوں کی بدترین شخصیتیں ان کے علماء وزہاد ہوا کرتے تھے، ان میں گمراہوں اور گمراہ کرنے والوں کی کثرت ہوتی تھی، قرآن شہادت دیتا ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ ٱلْأَحْبَارِ وَٱلرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَٰلَ ٱلنَّاسِ بِٱلْبَٰطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ﴾ (التوبة: ٣٤)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! بے شک بہت سے عالم اور درویش یقیناً لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھاتے ہیں اور اللہ کے راستے سے روکتے ہیں۔''

جب کہ امت مسلمہ کی سب سے پاکیزہ شخصیت ربانی علماء ہیں۔ امام شعبی فرماتے ہیں: ''مسلمانوں کو چھوڑ کر ہر امت کے علماء اس کے سب سے برے افراد ثابت ہوئے ہیں، لیکن مسلمانوں کے علماء ان کے چنندہ اور پاکیزہ افراد ہیں، اس کی مزید وضاحت یہ ہے کہ مسلمانوں کے علاوہ ہر قوم وامت گمراہ ہے اور ان کی گمراہی کا سبب ان کے علما ہیں اس لیے ان کے علماء سب سے برے ہیں، جب کہ پوری مسلم قوم ہدایت پر ہے، انھیں ہدایت کی یہ راہ ان کے علماء نے دکھائی ہے، اس لیے ان کے علماء ان میں سب سے بہتر ہیں۔''[2]

[1] أعلام الموقعين (٣/ ٢٨٣).
[2] الفتاوٰی (٧/ ٢٨٤).

بدگمانی:

بدگمانی اس دور کی عام بیماری ہے اور اس کا نقصان سماج کے رگ وریشہ میں سرایت کر چکا ہے، یہ ایسی بلاخیز آفت ہے جو انسانی معاشرہ کو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیتی ہے، تعمیری عناصر کو برباد کر دیتی ہے، یہ انہدام وتخریب کا ایک کارگر ہتھیار ہے، معاشرہ پر اس کے بے حد خطرناک اثرات مرتب ہوتے ہیں، اس مصیبت کے پیچھے بھی کچھ چیزیں موثر کردار ادا کرتی ہیں، ان میں سب سے اہم سبب جہالت کا فروغ ہے، پس درپیش معاملات میں حقیقت حال سے جہالت، یا سنی اور دیکھی ہوئی چیزوں کی اصلیت سے ناواقفیت، پھر ان چیزوں میں دقیق شرعی علم تک نارسائی اور خاص طور سے جب معاملات ومسائل کسی قدر انوکھے ہوں اور دقت نظری وگہری سمجھ بوجھ کے متقاضی ہوں تو یہ چیزیں انسان کو بہت جلد بدگمانی میں مبتلا کر دیتی ہیں اور وہ دوسروں کو عیوب سے متہم کرنے لگتا ہے اور بالمقابل کی ناقدری کرنے پر تل جاتا ہے۔

بدگمانیوں کا ایک سبب نفس پرستی بھی ہے، یہ تمام آفتوں کی ماں ہے، اس کے لیے بس یہی کافی ہے کہ کسی شخص میں ایسی بات دیکھے جو اسے ناپسند ہو، یا کتاب میں ایسی عبارت پڑھے جس سے وہ موافق ومطمئن نہ ہو، یا کسی سے ایسی بات سنے جو اس کی مرضی اور نظریہ کے خلاف ہو، بس اتنا ہی اس کے نزدیک کافی ہے کہ بدگمانی کی رسیوں کو ڈھیلی کر دے اور زبان کو بے لگام چھوڑ دے کہ وہ جہاں چاہے چرے اور کھائے۔ ایسا شخص نفس پرستی کی دعوت دینے والے ان اسباب کو شریعت کے دقیق میزان پر نہیں تولتا، نہ ان کے لیے کوئی مناسب ومعقول عذر تلاش کرتا ہے، اور سمجھ بوجھ تو درکنار اپنی ذاتی خامیوں پر نگاہ نہیں ڈالتا، کیونکہ نفس پرستی نے اسے ان چیزوں سے روک رکھا ہے۔

بدگمانی کا ایک سبب خود پسندی اور غرور بھی ہے، پس کسی انسان کا خود پسند ہونا اور اگر ہوشیار ہے تو اپنی ہوشیاری اور عقل مندی پر نازاں ہونا اور اپنی رائے کو برحق سمجھنا، اس کے تزکیہ نفس کے لیے مانع ہیں، اس مرض میں مبتلا انسان اپنا تزکیہ کرتا ہے اور دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے، اس کا خیال ہوتا ہے کہ ہم ہی صحیح ہیں اور باقی غلط ہیں، ہم ہی حق پر ہیں اور لوگ باطل ہیں، ہمیں ہدایت یافتہ ہیں بقیہ گمراہ ہیں۔ ہم نے بعض لوگوں کی بدگمانی کا عجیب وغریب حال دیکھا ہے وہ اپنے علاوہ سب کو خواہ زندہ ہوں یا مردہ، گمراہ اور بدعقیدہ کہتے ہیں، سب کے عقائد ونظریات میں انھیں کمی اور غلطی نظر آتی ہے، اگر کوئی مخلص ہے تو بس یہی ہیں، سب ہلاکت کی گردش میں ہیں، صرف یہی نجات کی راہ پر ہیں۔ پس بلاشبہ بدگمانی ایک آفت ہے اور ہر آفت کی کچھ مہلکات ہیں اور مہلک چیز مہلک ہی چیز کو جنم دیتی ہے۔

بدگمانی انسان کو عیب جوئی، لغزشوں کی تلاش اور غلطیوں کی جستجو پر انسان کو اکساتی ہے اور اس کا یہ زہر صرف دوسروں کو نہیں کھاتا بلکہ خود بدگمان بھی اللہ کے غیض وغضب کا مستحق ہوتا ہے کیونکہ یہ ان بیمار دلوں کی صفت ہے جنھیں رسول اکرم ﷺ نے سخت رسوائی کا سامنا کرنے کی دھمکی دی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((یَا مَعْشَرَ مَنْ آمَنَ بِلِسَانِهِ وَ لَمْ یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ قَلْبَهٗ لَا تَغْتَابُوا الْمُسْلِمِیْنَ ، وَ

لَا تَتَّبِعُوْا عَوْرَاتِهِمْ فَإِنَّهُ مَنْ يَتَّبِعْ عَوْرَاتِهِمْ يَتَّبِعِ اللّٰهُ عَوْرَتَهُ، وَمَنْ يَتَّبِعِ اللّٰهُ عَوْرَتَهُ يَفْضَحْهُ فِي بَيْتِهِ .)) [1]

''اے وہ لوگو! جو اپنی زبانوں سے مومن ہو، اور ایمان دل میں داخل نہیں ہوا، مسلمانوں کی غیبت نہ کرو، اور نہ ان کے پوشیدہ عیوب کو تلاش کرو، کیونکہ جو شخص ان کے پوشیدہ عیوب کو تلاش کرے گا اللہ اس کے عیوب کا محاسبہ کرے گا اور اللہ جس کے عیوب کا محاسبہ کرلے گا اسے اس کے گھر میں رسوا کردے گا۔''

بدگمانی انسان کو غیبت کی دعوت دیتی ہے، اور دوسروں کی عزت پر بٹہ لگانے کے لیے ورغلاتی ہے اور سب سے آخر میں بدگمانی، مسلمانوں میں اختلاف کو ہوا دیتی ہے۔ اخوت کی رسیوں کو توڑتی ہے، محبت و الفت کی چادر چاک کرکے دشمنی، بغض اور کینہ و کپٹ کی بیج بوتی ہے۔ تو جیسا کہ آپ نے دیکھا کہ یہ آفت بڑی مہلکات اور شدید خطرناکیوں کو سمیٹے ہوئے ہے، اسی لیے اسلام نے اس کی روک تھام کے لیے نہایت سخت موقف اختیار کیا اور بدگمانیوں سے بچنے پر ابھارا۔ کیونکہ واقعات شاہد ہیں کہ اس کی پیروی کرنے اور اس کے جال میں پھنس جانے کا بہت برا انجام اور بے شمار نقصانات ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ﴾

(الحجرات: ۱۲)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! بہت سے گمان سے بچو، یقیناً بعض گمان گناہ ہیں۔''

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ اس آیت میں اپنے بندوں کو بہت زیادہ بدگمانیوں سے منع کرتا ہے، یعنی اپنے اہل واقارب اور عام لوگوں پر تہمت لگانے اور انھیں بے جا خیانت سے متہم کرنے سے روکتا ہے۔ اس لیے کہ بعض اوقات یہ باتیں خالص گناہ کا سبب ہوتی ہیں اور حقیقت کچھ نہیں ہوتی، لہٰذا احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ اس سے جتنا ممکن ہوسکے بچا جائے۔''

اس سے بچنے کا ذریعہ یہ ہے کہ اپنے جس مسلم بھائی کے بارے میں بدگمانی ہورہی ہے اس کے لیے عذر تلاش کیا جائے، یعنی اس کی گفتگو یا حرکت کو کسی مناسب معنی پر محمول کیا جائے۔ سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تم اپنے مومن بھائی کی زبان سے کوئی نامناسب کلمہ سنو تو جب تک اسے کسی بھلائی پر محمول کرسکتے ہو تب تک اس کے بارے میں بہتر ہی سوچو۔ [2]

شدت پسندی اور دوسروں پر سختی:

اس دور کی غلو پرستی کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ دوسروں کے ساتھ سختی کا بے جا استعمال کیا جاتا ہے اور یہ بات

[1] مسند أحمد (٤/ ٤٢١، ٤٢٤).
[2] تفسير ابن كثير (٤/ ٢١٢).

اس قدر عام ہے کہ جیسے دوسروں سے معاملہ کرنے میں سختی اور شدت ہی اصل مطلوب ہے نہ کہ محبت اور نرمی، بعض نوجوانوں کے اندر تشدد کا یہی رجحان ایک طبعی عادت کی شکل اختیار کر چکا ہے اور اس کا دائرہ باتوں سے نکل کر عملی انجام تک وسیع ہوتا جا رہا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ بے گناہوں کا خون ہو رہا ہے اور آبادیاں تباہ ہو رہی ہیں اور اس کے برے اثرات صرف تشدد پسندوں کو نہیں بلکہ پوری امت کو لپیٹے ہوئے ہیں۔ لہٰذا یہ پہلو قابل غور ہے کہ نوجوانوں میں سختی اور تشدد کا یہ رجحان کیوں اور کہاں سے پیدا ہوا؟ چنانچہ حالات و مشاہدات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے پیچھے چند اہم اور بنیادی اسباب کارفرما ہیں جنھیں مختصراً اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے۔

آزمائشیں اور مشکلات:

دعوت دین کے لیے پُر جوش نوجوانوں میں تشدد کا رجحان اس لیے بڑھا کہ انھیں اس راستے میں مختلف قسم کی آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا اور انھوں نے بہت تکلیفیں جھیلیں، تو ردعمل کے طور پر انھوں نے تشدد کا جواب تشدد سے دیا اور پھر یہی چیز ان کی طبیعت ثانیہ بن گئی۔

دعوت و تبلیغ کے اصولوں سے ناواقفیت:

دعوت و تبلیغ سے میری مراد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے، یہ ایک اہم ذمہ داری ہے جو پوری امت مسلمہ پر عائد ہوتی ہے، لہٰذا جو شخص اس منصب پر فائز ہو اسے صاحب فقہ و بصیرت ہونا چاہیے، تاکہ وہ آسانی کے ساتھ امت کی مصلحتوں کو بروئے کار لائے اور مفاسد کو روک سکے، نیز اسے چند باتوں کا جاننا اور سمجھنا ضروری ہے، انھیں میں سے ایک بات یہ ہے کہ یہ ذمہ داری کبھی دل، کبھی زبان اور کبھی ہاتھ اور زبان سے ادا کرنا واجب ہے۔ اسی مقام پر بعض لوگ غلطی کر جاتے ہیں اور بے صبری، نادانی و لاعلمی کی وجہ سے صرف ہاتھ یا صرف زبان کے ذریعے سے اس ذمہ داری کو نبھانا چاہتے ہیں۔ وہ نہیں دیکھتے کہ کیا کرنا مناسب ہے اور کیا نامناسب، کسے انجام دیا جا سکتا ہے اور کسے نہیں۔ بس وہ اس راستے میں اپنی زبانیں چلاتے ہیں اور ہاتھ چلاتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کر رہے ہیں، حالانکہ وہ اطاعت نہیں کر رہے ہیں بلکہ شرعی حدود کو توڑ رہے ہوتے ہیں۔ [1]

اسی طرح مخاطب کی حالت اور قوت قبولیت کی رعایت ضروری ہے، اس میدان کے کارکنان کو میرا مشورہ یہ ہے کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے صراط مستقیم کی راہ اپنائیں، منزل تک پہنچنے کا یہ سب سے قریبی راستہ ہے، اسی طرح اس راستے میں نرم پہلو اختیار کرنا، بردبار ہونا اور مشکلات پر صبر کرنا بھی ضروری ہے، اگر اس منصب کا ذمہ دار بردبار اور صبر کرنے والا نہ ہوا تو بناؤ سے زیادہ بگاڑ پیدا ہو سکتا ہے، گویا اس راستہ میں تین چیزیں بالکل ضروری ہیں، علم، نرمی اور صبر یعنی ذمہ داری اٹھانے سے پہلے بردباری اور اسے نبھاتے ہوئے نرمی اور میدان میں اترنے کے بعد اس پر صبر۔

---

[1] الفتاوی (۸/ ۱۲۷، ۱۲۸).

قاضی ابویعلیٰ فرماتے ہیں:

''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یعنی دعوت الی اللہ کا کام وہی شخص کرے جو سمجھتا ہو کہ میں کیا کہہ رہا ہوں اور جانتا ہو کہ میں کس بات سے منع کر رہا ہوں۔'' [1]

یہ چند باتیں تھیں جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے متعلق تھیں۔ ان باتوں سے ناواقفیت اور ان چیزوں کی عدم رعایت دعوت الی اللہ کے راستہ میں تشدد وسختی کے رجحان کا سبب بنتی ہیں۔

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی زندگی کے آخری ایام اور شہادت

جنگ نہروان کے نتیجہ میں:

خوارج کے باب میں جنگ نہروان کے حوالے سے یہ بات گزر چکی ہے کہ اس میں امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے خوارج سے جنگ کی تھی اور ان سے آپ کا جنگ کرنا اس بات کی قوی دلیل اور واضح حجت رہی کہ اہل شام کے خلاف آپ کی محاذ آرائی یقیناً درست تھی اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں آپ حق سے زیادہ قریب تھے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

((تَمْرُقُ مَارِقَةٌ عِنْدَ فُرْقَةٍ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ يَقْتُلُهَا أَوْلَى الطَّائِفَتَيْنِ بِالْحَقِّ .)) [2]

''ایک فرقہ جدا ہو جائے گا جب مسلمانوں میں پھوٹ ہوگی اس کو قتل کرے گا وہ گروہ جو قریب ہوگا دونوں گروہوں میں حق سے۔''

آپ توقع کرتے ہوں گے کہ علی رضی اللہ عنہ کی فوج اہل شام کے خلاف جنگ کرنے میں بہت پُرعزیمت رہی ہوگی، کیونکہ اس حدیث رسول اور عمار بن یاسر کی شہادت وغیرہ کے واضح دلائل سے انھیں اپنی حقانیت پر یقین رہا ہوگا، درحقیقت توقع تو اسی بات کی تھی، لیکن نتیجہ اس کے برخلاف سامنے آیا، چنانچہ علی رضی اللہ عنہ کا یہ منصوبہ تھا کہ خوارج کی جنگ سے فراغت کے بعد شام پر چڑھائی کرنا ہے، کیونکہ شام کو اپنی خلافت میں شامل کرنا اور امت کے اتحاد کو واپس لانا خلافت کا بنیادی ہدف ہے اور یہ ایسا مقصد ہے جسے حاصل کرنے کے لیے کوشش ضروری ہے۔

خوارج سے آپ کی جنگ کا مقصد بھی یہی تھا کہ ملک کے داخلی محاذ کو محفوظ کیا جائے۔ مبادا یہ شرپسند ہماری عدم موجودگی میں دارالخلافہ میں موجود مسلمانوں کے بچوں اور ان کی عورتوں پر حملہ کر دیں، لیکن کیا کیجئے گا کہ ہوائیں تو ہمیشہ کشتیوں کے سمت مخالف میں چلتی ہیں، آپ حسب منشا شام کی جنگ نہ لڑ سکے اور شہید کر دیے گئے۔

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی فوجی قوت کو کمزور کرنے میں اگر ایک طرف خوارج کی بغاوت کافی اثر انداز ہوئی تھی تو دوسری طرف جمل، صفین اور نہروان کے معرکوں سے اہل عراق ایسے اوب چکے تھے کہ اب مزید کسی جنگ کے

---

[1] الفتاوٰی (۲۸/ ۱۳۶، ۱۳۷)۔ [2] صحیح مسلم۔

لیے تیار نہ تھے اورلڑائیوں سے نفرت کرنے لگے تھے، خاص طور سے معرکۂ صفین میں اہل شام کی جنگ ان کے لیے نہایت سخت جاں ثابت ہوئی تھی۔ وہ دوسروں کی جنگ سے بالکل جداگانہ تھی، اس نے انھیں ایک لمحہ سوچنے کا موقع نہ دیا تھا اور اہل عراق کے لاتعداد بچوں کو یتیم، اور عورتوں کو بیوہ کر دیا تھا۔ ایک بے فائدہ جنگ کے علاوہ کوئی چیز ان کے ہاتھ نہ آئی تھی۔ اس موقع پر امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے دیگر اصحاب نے جس صلح یا تحکیم کا استقبال کیا تھا، اگر وہ نہ کرتے تو عالم اسلام پر ایسی مصیبت ٹوٹتی کہ جس کے برے اثرات شاید تصور میں بھی نہ لائے جاسکتے، پس یہی وجہ تھی کہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ دوبارہ شام کی طرف فوج کشی کے لیے وہ آمادہ نہ تھے، اگرچہ انھیں یقین تھا کہ علی رضی اللہ عنہ ہی حق پر ہیں۔ [1]

نیز علی رضی اللہ عنہ کے راستے کی ایک رکاوٹ یہ بھی ثابت ہوئی کہ انھیں ایام میں ایک ایسا فرقہ پیدا ہوا جو علی رضی اللہ عنہ کی عظمت و مرتبہ کو مقام الوہیت تک پہنچاتا تھا جسے بعض لوگ خوارج کے تبرّائے علی، وتکفیر صحابہ کا ردعمل مانتے ہیں۔ [2] حالانکہ یہ بات نہ تھی، بلکہ اس فرقہ کا ہدف یہ تھا کہ اس فاسد عقیدہ کا ذریعے سے صرف علی رضی اللہ عنہ کی فوج ہی نہیں بلکہ تمام مسلمانوں کی قوت کو کمزور کیا جائے اور اسلام کی جڑ کو کاٹ دیا جائے۔ [3] لیکن جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے پوری قوت اور عزم و ہمت کے ساتھ اس چیلنج کا مقابلہ کیا تھا اور یہ لوگ نامراد رہے۔

بہرحال اس بات میں کوئی شک نہیں کہ علی رضی اللہ عنہ کی فوج سے خوارج کی علیحدگی اور پھر ان کے خلاف قاتلانہ کارروائی نے آپ کے فوجی پہلو کو بہت کمزور کر دیا تھا اور پھر یکے بعد دیگرے دور نزدیک سے بہت سارے لوگ آپ کی خلافت سے الگ بھی ہوتے گئے۔ چنانچہ خریت بن راشد اور بقول بعض اس کا نام حارث بن راشد تھا، وہ علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے اہواز کا گورنر تھا، اس نے اپنے قبیلہ بنوناجیہ کے لوگوں کو علی رضی اللہ عنہ کی خلافت سے الگ ہونے پر اکسایا، بہت سارے لوگوں نے اس کی بات مان لی، وہ اپنے زیر اقتدار ریاست کے بہت سارے شہروں پر قابض ہوگیا اور ملکی دولت لوٹ لی۔ علی رضی اللہ عنہ نے معقل بن قیس الریاحی کی قیادت میں اس کے مقابلہ کے لیے ایک فوج روانہ کی اور اس نے مقابلہ میں خریت بن راشد کو شکست دی، پھر اسے قتل کر دیا۔ [4]

ملک کی بگڑتی صورت حال دیکھ کر خراج دہندگان نے بھی علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو کمزور کرنا چاہا تاکہ خراج دینے سے چھٹکارا مل جائے، باشندگان اہواز نے بدعہدی کی ہی تھی، لہٰذا اب یہ ناممکن تھا کہ علی رضی اللہ عنہ بعض مالی وفوجی بحران سے دوچار نہ ہوں، چنانچہ اس سلسلہ میں امام شعبی سے مروی ہے کہ جب علی رضی اللہ عنہ نے نہروان والوں کو قتل کیا، تو بہت سارے قبائل آپ کے مخالف ہوگئے، آپ کے قرب و جوار کے باشندوں نے بدعہدی کی، بنوناجیہ نے کھلی

---

[1] خلافة علی بن ابی طالب / عبدالحمید علی ص (۳۴۵).

[2] نظام الخلافة فی الفكر الإسلامی / مصطفی حلمی ص (۱۵، ۱۶).

[3] خلافة علی بن أبی طالب / عبدالحمید علی ص (۳۵۰).

[4] تاریخ الطبری (۶/ ۲۷، ۴۷).

بغاوت کی، ابن الحضرمی بصرہ پہنچا اور اہل اہواز نے بھی خلافت علی سے رشتہ توڑ لیا، خراج دہندگان زوال خلافت کی جمع کرنے لگے اور فارس میں علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے گورنر سہل بن حنیف کو وہاں سے نکال دیا گیا۔ [1]

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کا اپنے لشکر کو لڑائی پر ابھارنا اور پھر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ بندی پر مصالحت کرنا:

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ ان مصائب، فوجی سرد مہری اور عوام کی جنگی بے رغبتی کے سامنے جھکے نہیں بلکہ پوری دانائی، دلائل اور فصاحت و بیان کے بلیغانہ اسلوب کے ذریعے سے اپنی فوج کی ہمت افزائی کی۔ اس سلسلے میں جنگی جوش اور قوت غیرت کو بھڑکانے والے جو خطبے مشہور ہیں اور جنھیں ادبی وراثت میں اہم مقام حاصل ہیں، انھیں آپ نے خالی الذہن ہو کر تصورات کی دنیا میں جا کر نہیں کہا بلکہ وہ ایسے تلخ حقائق ہیں جن کا جام آپ نے خود نوش کیا تھا، وہ خطبے ان دردناک حالات کے ترجمان ہیں جن کی فضاؤں میں آپ نے سانسیں لی تھیں۔ چنانچہ جب آپ کے اطراف اور سرحدی ریاستوں پر شامی فوجوں کے حملے ہوئے تو آپ نے یہ خطبہ دیا۔ فرمایا: ''حمد و صلاۃ کے بعد! جہاد جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے۔ جس شخص نے جان بوجھ کر اس سے روگردانی کی اللہ تعالیٰ اسے ذلت کا لباس پہنائے گا، مصائب کا پہاڑ اس کے سر پر ٹوٹ پڑے گا، ذلت و خواری مقدر ہو جائے گی، اس کے دل پر پردہ پڑ جائے گا اور اسے اپنے حق سے محروم کر دیا جائے گا اور وہ عدل و انصاف سے محروم کر دیا جائے گا۔

میں تمھیں شامیوں سے لڑنے کے لیے شب و روز بلاتا رہا، میں تم سے بار بار کہتا رہا کہ قبل اس کے کہ یہ لوگ تم پر حملہ کریں تم ان پر چڑھائی کر دو، کیونکہ جس قوم پر حملہ کیا جاتا ہے اور جس کے علاقہ میں اس کے دشمنوں کے پاؤں پہنچ جاتے ہیں، وہ ذلیل اور رسوا ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ لیکن تم نے میری بات پر مطلق کان نہ دھرا اور ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہے، میری نصیحت تمھیں گراں گزرتی تھی اور میری باتوں کو تم ہنسی میں اڑا دیتے تھے، اس لاپروائی کا جو کچھ نتیجہ ہوا وہ اب تمھارے سامنے ہے۔ تمھارے علاقہ پر دشمن نے چڑھائی کر دی، دیکھو غامد کے بھائی (سفیان بن عوف غامدی) کے گھوڑے انباء تک پہنچ چکے، مجھے خبر ملی ہے کہ ان لوگوں نے مسلمان اور ذمی عورتوں کے کنگن، پازیب اور بالیاں تک اتار لیں، انھوں نے قتل و غارت گری کا بازار خوب گرم کیا اور اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر واپس گئے، لیکن ان کے کسی آدمی کو خراش تک نہ آئی، اس کے بعد اگر کوئی مسلمان افسوس اور رنج کے مارے مرجاتا ہے تو میرے نزدیک وہ ملامت کے قابل نہیں ہے، بلکہ ایسی موت فاسد ہے، کیا ہی تعجب ہے کہ ایک قوم باطل پر ہونے کے باوجود اپنے مقصد کو پورا کرنے کے لیے پوری جد و جہد کرتی ہے اور تم حق پر ہونے کے باوجود بزدلی دکھاتے ہو، افسوس کہ تم دشمنوں کا نشانہ بن گئے، جس پر وہ جی بھر کر تیر چلاتا ہے، تم مال غنیمت بن گئے، جس کو وہ جی

[1] تاریخ الطبری (٦/ ٥٣).

بھر کر لوٹتا ہے، لیکن تمھاری غیرت کی حس بالکل مردہ ہو چکی ہے۔ تمھارے علاقہ میں قتل و غارت گری کا بازار گرم کیا جاتا ہے لیکن تم خاموش بیٹھے رہتے ہو، تم پر چڑھائی کی جاتی ہے، لیکن تم خاموش بیٹھے رہتے ہو، تم پر چڑھائی کی جاتی ہے، لیکن تم میں دشمن کا مقابلہ کرنے کا ولولہ بالکل پیدا نہیں ہوتا، علی الاعلان اللہ کی نافرمانی کی جاتی ہے، لیکن تمھارے دلوں میں قطعاً درد پیدا نہیں ہوتا، جب میں تمھیں گرمی میں شام کی طرف کوچ کرنے کو کہتا ہوں تو تم یہ عذر کر دیتے ہو کہ اب سخت گرمی ہے، ہمیں کچھ مہلت دیجیے جب گرمی گزر جائے گی تب ہم چلیں گے، لیکن جب سردی آتی ہے تو سخت سردی کا عذر کر کے کہہ دیتے ہو کہ ہمیں مہلت دیجیے جب سردی گزر جائے گی تب ہم چلیں گے۔ نہ تم گرمی کی تاب لا سکتے ہو نہ سردی کی۔ جب تمھاری یہ حالت ہے کہ گرمی اور سردی تک سے تم بھاگتے ہو تو یقیناً تلوار سے ضرور ہی بھاگو گے۔ اے وہ لوگو جو مردوں کے مشابہ ہو لیکن مرد نہیں ہو، میری خواہش ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے تمھارے درمیان سے اٹھا لے، میں چاہتا ہوں کہ تمہاری صورتیں بھی مجھے دکھائی نہ دیں اور مجھے تو تم سے کسی قسم کا تعلق نہ ہو۔ اللہ کی قسم! میں ندامت سے حیران ہوں، تم نے میرے دل کو غیظ و غضب سے بھر دیا ہے، تم نے مجھے موت کے گھونٹ پلانے چاہے ہیں، تم نے مجھ سے سرکشی اور میرے احکام کی سرتابی کر کے اور مجھے چھوڑ کر میری تمام تدابیر کو خاک میں ملا دیا ہے، اس وجہ سے قریش یہ کہنے لگے کہ ابن ابی طالب شجاع تو ہے لیکن اسے جنگ کرنے کا طریقہ نہیں آتا۔ اللہ ان کا بھلا کرے، ان میں سے کوئی شخص بھی مجھ سے زیادہ جنگ کا ماہر اور تجربہ کار نہیں، جتنا لمبا تجربہ جنگ کا مجھے حاصل ہے اور کسی شخص کو حاصل نہیں، میں ابھی بیس برس کی عمر کو بھی نہیں پہنچا تھا کہ مجھے جنگ کی پوری مہارت حاصل ہو گئی تھی، اب میں ساٹھ (۶۰) سال کی عمر کو پہنچ چکا ہوں، لیکن جب تک کسی رائے اور تجربہ پر عمل نہ کیا جائے محض رائے اور تجربہ کا کوئی فائدہ نہیں۔'' [1]

درحقیقت علی رضی اللہ عنہ کا یہ خطبہ ایک آتشیں بم تھا، جسے آپ اس قوم کے سروں پر برسا رہے تھے جس نے آپ کو آپ کی جہادی کاوشوں کا پھل کھانے سے محروم کر دیا تھا اور جس مقصد کے لیے آپ سرگرداں تھے اس راہ میں رکاوٹ بنے تھے۔ چنانچہ آپ نے اپنی توقعات اور پھر اس کے برعکس نتائج پر اپنے رنج و الم کو ایسے عمدہ ادیبانہ اسلوب میں بیان کیا جس کی عبارتیں جذبات کو جھنجھوڑ دیں، اور اس کے الفاظ نہاں خانۂ دل میں اتر جائیں، آپ کا خطبہ غموض و ابہام سے بالکل دور ہے اور سجع اور الفاظ کی فنکاری سے بالکل پاک۔ [2]

یہاں یہ بات واضح رہے کہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے متعلق آپ کے جو خطبے منقول ہیں اور خلافت کے ظاہری وصف کے خلاف اس کا تاریخی منظر نامہ پیش کرتے ہیں، درحقیقت وہی خطبے معرکہ نہروان کے بعد کے حالات کے تئیں آپ کے شدید احساساتِ غم کا ترجمان ہیں کہ جس میں آپ اپنی قوم کا پس و پیش دیکھ کر انتہائی رنجیدہ اور کبیدہ خاطر تھے۔ لیکن افسوس کہ آپ کی طرف منسوب شدہ بیشتر خطبے صحیح نہیں ہیں، متعدد

---

[1] البیان و التبیان / الجاحظ ص (۲۳۸، ۲۳۹). [2] الأدب الإسلامی / نائف معروف ص (۵۹).

علمائے اسلام نہج البلاغۃ میں مذکور خطباتِ علی کے بارے میں یہی کہتے ہیں کہ یہ سب شریف الرضی کے خود ساختہ خطبے ہیں۔ ❶ لہٰذا تاریخی مصدر کے اعتبار سے ان سے استشہاد کرتے ہوئے ہمیں کافی باریک بینی اور تنقیدی منہج سے کام لینا ضروری ہے۔

مزید برآں ایک دوسرے اعتبار سے بھی علی رضی اللہ عنہ نے اپنے لوگوں کو جنگی پیش قدمی کی طرف مائل کرنے کی کوشش کی، وہ یہ کہ آپ اپنے ساتھیوں کو اپنے فضائل ومناقب اور اسلام میں اپنے اونچے مقام کو یاد دلانے لگے، بہت سارے لوگ جنھوں نے اس منظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، بتاتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ نے کھلے میدان میں لوگوں کو نبی اکرم ﷺ کے اس فرمان کا حوالہ دیتے ہوئے مدد کے لیے پکارا کہ کون ہے جس نے غدیر خم کے دن رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ((الستم تعلمون انی اولیٰ بالمومنین من انفسھم؟)) کیا تمھیں معلوم نہیں کہ میں مومنوں پر ان کی جان سے بھی زیادہ عزیز ہوں۔ تو لوگوں نے کہا: ہاں کیوں نہیں، تب آپ ﷺ نے فرمایا: ((فمن کنت مولاہ فعلی مولاہ اللھم والِ من والاہ و عاد من عاداہ)) پس میں جس کا دوست ہوں تو علی اس کے دوست ہیں، اے اللہ جو ان کو دوست بنائے تو اسے عزیز رکھ اور جو ان سے دشمنی کرے تو اس کو دشمن بنا لے۔'' یہ حدیث سن کر بارہ آدمی اور ایک روایت کے مطابق سولہ آدمی اٹھ کھڑے ہوئے اور اس پر شہادت دی۔ ❷

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کا یہ موقف ہمیں عثمان رضی اللہ عنہ کی زندگی کے ان آخری حالات کی یاد تازہ کرتا ہے جب بلوائیوں نے آپ کا محاصرہ کر لیا تھا اور آپ اپنے فضائل ومناقب کی گواہی اپنے درمیان موجود صحابہ سے لے رہے تھے۔ گویا آپ یہ کہہ رہے تھے کہ جس آدمی کے ایسے عظیم الشان کارنامے ہوں اور اسلام کے لیے جس کی اس قدر قربانیاں ہوں کیا اس کا یہی بدلہ ہوتا ہے؟

بہر حال ان تمام کاوشوں اور انتھک کوششوں کے باوجود علی رضی اللہ عنہ اپنا ہدف نہیں حاصل کر سکے، یعنی ملک کے داخلی انتشار اور فوج کی عدم رضا مندی اور اس کی باہمی چپقلش و رسہ کشی اور نفس پرستی کی وجہ سے شامیوں سے جنگ نہ لڑ سکے اور مجبوراً ۴۰ھ میں معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے ساتھ اس بات پر مصالحت کرنے کو راضی ہو گئے کہ عراق میرے زیر اقتدار رہے گا اور شام ان (معاویہ) کے اور دونوں میں سے کوئی بھی کسی دوسرے کے کام میں فوجی کارروائی، اچانک حملہ یا جنگ کے ذریعے سے دخل اندازی نہیں کرے گا۔ طبری رحمہ اللہ اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں:

''۴۰ھ میں علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان جنگ بندی سے متعلق کافی خط و کتابت کے بعد اس بات پر

---

❶ میزان الاعتدال (۳/ ۱۲۴) اس موضوع سے متعلق آپ نے کافی اچھی تنقیدی گفتگو کی ہے۔ نیز خلافۃ علی بن أبی طالب ص (۳۵۵)۔

❷ فضائل الصحابۃ (۲/ ۷۰۵) اس کی سند صحیح ہے۔

اتفاق ہوا کہ علی رضی اللہ عنہ عراق پر حاکم رہیں اور معاویہ رضی اللہ عنہ شام پر، ان میں سے کوئی کسی کے کام میں فوج، اچانک حملہ یا جنگ کے ذریعے سے ہرگز دخل اندازی نہ کرے گا۔'' ❶

طلب شہادت کی دعا:

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے مصالحت تو کر لی تھی لیکن ایسا لگتا ہے کہ یہ مصالحت زیادہ دنوں تک باقی نہ رہی کیونکہ جس سال علی رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی اسی سال معاویہ رضی اللہ عنہ نے حجاز اور یمن وغیرہ میں بسر بن ارطاۃ کو فوجی کارروائی کے لیے بھیجا۔ ❷ بہرحال جب علی رضی اللہ عنہ اپنی فوج کو اپنے مقصد تک لے جانے میں کامیاب نہ ہو سکے اور اس کی پستی وخواری کو دیکھا تو اپنی زندگی پر موت کو ترجیح دی، اللہ کی طرف متوجہ ہوئے اور جلد از جلد اس دنیا سے اٹھائے جانے کی دعا کرنے لگے۔ چنانچہ آپ نے ایک دن خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: اے اللہ میں نے انھیں مایوس کیا اور انھوں نے مجھے مایوس کیا، میں نے انھیں اکتایا اور انھوں نے مجھے اکتایا، پس تو ان سے مجھے نجات دے اور مجھ سے ان کو نجات دے، پھر اپنی داڑھی پر اپنا ہاتھ رکھا اور کہنے لگے تمھارے سب سے بدبخت آدمی (یعنی قاتل) کے لیے کوئی چیز اس بات سے مانع نہیں ہے کہ وہ اسے (داڑھی کو) خون میں رنگ دے۔ ❸

آپ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں کافی الحاح وزاری سے دعائیں کیں، چنانچہ جندب کا بیان ہے کہ لوگوں نے علی رضی اللہ عنہ کے پاس اس قدر اژدحام کر دیا کہ آپ کے قدموں کو روند ڈالا، تو آپ نے کہا: اے اللہ! میں نے انھیں اکتا دیا ہے اور انھوں نے مجھے اکتا دیا، میں نے ان سے نفرت کی اور انھوں نے مجھ سے نفرت کی لہٰذا تو مجھ کو ان سے اور ان کو مجھ سے نجات دے دے۔ ❹

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کو اپنی شہادت کا علم تھا:

بعض احادیث نبویہ کہ جن کا شمار دلائل نبوت میں ہوتا ہے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کی پیشین گوئی فرمائی تھی۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ حراء پہاڑ پر کھڑے تھے، آپ کے ساتھ ابوبکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ اور زبیر (رضی اللہ عنہم) بھی تھے، چٹان ہلنے لگی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِهْدَأْ فَمَا عَلَيْكَ إِلَّا نَبِيٌّ أَوْ صِدِّيْقٌ أَوْ شَهِيْدٌ.)) ❺

''تھم جا اے حراء، تیرے اوپر کوئی نہیں ہے مگر نبی یا صدیق یا شہید۔''

❶ تاريخ الطبرى (٦/ ٥٦).
❷ التاريخ الصغير / البخارى (١/ ٤١) خلافة على بن أبى طالب ص (٤٣١).
❸ مصنف عبدالرزاق (١٠/ ١٥٤) اس کی سند صحیح ہے۔ الطبقات (٣/ ٤) اس کی سند صحیح ہے۔
❹ الآحاد والمثانى / ابن أبى عاصم (١/ ٣٧) اس کی سند حسن ہے۔ خلافة على (٤٣٢).
❺ صحيح مسلم حديث نمبر (٦٢٤٧).

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے علی رضی اللہ عنہ کو ان حالات وحوادث سے آگاہ کر دیا تھا جو انھیں پیش آنے والے تھے اور علی رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان پیشین گوئیوں پر آمنا و صدقنا بھی کہا تھا، گاہے بگاہے لوگوں سے اس کا ذکر بھی کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ عراق میں اس سلسلے میں گفتگو کرتے ہوئے کہا: جیسے ابوالاسود الدؤلی یوں بیان کرتے ہیں: میں نے علی رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا کہ میں سفر کے لیے سواری کے رکاب میں اپنے قدم ڈال چکا تھا کہ اتنے میں عبداللہ بن سلام میرے پاس آئے اور مجھ سے کہنے لگے کہاں کا ارادہ ہے؟ میں نے کہا: عراق کا، وہ کہنے لگے: کیا آپ وہاں اس لیے جا رہے ہیں تاکہ تلوار کی دوطرفہ دھار آپ کو کاٹ ڈالے۔ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! تم سے پہلے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے۔ ابوالاسود کا بیان ہے کہ میں یہ سن کر آپ پر حیرت کرنے لگا اور دل ہی دل میں کہا: یہ تو انتہائی جنگجو آدمی ہیں اپنے بارے میں ایسی باتیں بتا رہے ہیں۔ [1]

حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کو امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی وصیت:

اس کے بعد آپ نے اپنے دونوں بیٹوں حسن اور حسین کو بلایا اور انھیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: میں تمھیں چند باتوں کی وصیت کرتا ہوں، اللہ کا تقویٰ اختیار کرنا، دنیا سے کبھی دل نہ لگانا اگرچہ وہ تمھارے پیچھے لگے، کسی ایسی چیز کے لیے غم نہ کرنا جو تمھیں نہ ملنے والی ہو، حق بات کہنا، یتیم پر رحم کرنا، بیکس کی مدد کرنا، اپنی آخرت کو سنوارنے کی کوشش کرنا، ظالم کو اس کے ظلم سے روکنا اور مظلوم کی مدد کرنا۔ اللہ کی کتاب پر عمل کرنا، اس کے احکام کی تعمیل کے سلسلہ میں کسی ملامت گر کی ملامت کی پرواہ نہ کرنا، اس کے بعد اپنے تیسرے بیٹے محمد بن الحنفیہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: میں نے تمھارے دونوں بھائیوں کو جو نصیحتیں کی ہیں کیا تم نے بھی ان کو اچھی طرح گوش گزار کر لیا؟ [2] انھوں نے کہا: جی ہاں۔ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم اپنے بڑے بھائیوں کی توقیر و تعظیم کرنا، کیونکہ ان کا تم پر بہت بڑا حق ہے، جو کچھ وہ کہیں اس پر عمل کرنا اور ان کے کسی حکم کی بجا آوری میں دیر نہ کرنا۔ اس کے بعد پھر حسن و حسین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: میں اس (محمد بن الحنفیہ) کے بارے میں تم دونوں کو خیر خواہی کرنے کی نصیحت کرتا ہوں، کیونکہ وہ بھی تمھارے باپ کی اولاد ہے اور تم لوگوں کو معلوم ہے کہ اس کا باپ اس سے کتنی محبت کرتا تھا، پھر حسن رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اے میرے بیٹے میں تمھیں اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کی وصیت کرتا ہوں، اور یہ کہ نماز کے وقت پر نماز پڑھنا، زکوٰۃ کے وقت پر زکوٰۃ دینا اور اچھی طرح وضو کرنا، کیونکہ بغیر پاکی (وضو) کے نماز صحیح نہیں اور زکوٰۃ نہ دینے والے کی نماز قبول نہیں ہوتی، نیز وصیت کرتا ہوں کہ دوسروں کی لغزشوں سے درگزر کرنا، غصہ کو پی جانا، صلہ رحمی کرنا، بردباری سے کام لینا، دین میں بصیرت حاصل کرنا، کسی معاملہ کی اچھی طرح تحقیق کر لینا، قرآن کو لازم پکڑنا، پڑوسی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا، بھلائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا، فواحش اور بدکاریوں سے بچتے رہنا۔ [3]

---

[1] تاریخ الإسلام / الذهبی ص (٦٤٨). [2] تاریخ الطبری (٦/ ٦٣). [3] تاریخ الطبری (٦/ ٦٣).

جب موت سے بالکل قریب ہوئے تو یہ وصیت فرمائی:

"بسم اللہ الرحمن الرحیم"

یہ علی بن ابی طالب کی وصیت ہے، مجھے اس بات کا اقرار ہے کہ معبود برحق صرف اللہ ہے، وہ یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، محمد اس کے بندے اور رسول ہیں، اس نے انھیں ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اسے تمام ادیان پر غالب کریں، اگرچہ مشرکین کو یہ چیز ناگوار ہو۔"

پھر کہا کہ میری نماز، میری قربانی، میرا جینا اور میرا مرنا سب اس اللہ رب العالمین کے لیے ہے جس کا کوئی شریک نہیں، میں اسی بات کا حکم دیا گیا ہوں اور میں مسلمانوں میں سے ہوں، پھر اے حسن! تم کو اور میری تمام اولاد اور گھر والوں کو، سب کو میری وصیت ہے کہ تم سب لوگ اپنے رب، یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا اور مسلمانوں کی موت مرنا، اللہ کی رسی کو تم سب مضبوطی سے پکڑ لینا اور آپس میں اختلاف نہ کرنا، کیونکہ میں نے ابوالقاسم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

((إِنَّ صَلَاحَ ذَاتَ الْبَيْنِ أَفْضَلُ مِنْ عَامَةِ الصَّلَاةِ وَ الصِّيَامِ .))

"یعنی آپسی میل محبت نفل نمازوں اور روزوں سے افضل ہے۔"

دیکھو اپنے قرابت داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنا، اللہ تعالیٰ بروز قیامت تمھارا حساب تم پر آسان کر دے گا، خبردار! یتیموں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا، انھیں کھانے پینے کی تکلیف نہ دینا، تمھاری موجودگی میں وہ ضائع نہ ہوں اور سنو، اپنے پڑوسیوں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا، کیونکہ وہ تمھارے نبی ﷺ کی وصیت میں ہیں، جن کے بارے میں آپ برابر اتنی وصیت فرماتے رہے کہ ہمیں گمان ہونے لگا کہیں آپ پڑوسی کو پڑوسی کا وارث نہ بنا دیں۔ اور سنو، قرآن کے بارے میں اللہ کو یاد رکھنا، تمھارے علاوہ کوئی دوسرا اس پر عمل کرنے میں تم پر سبقت نہ لے جائے اور یاد رکھو نماز کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا کیونکہ وہ تمھارے دین کا ستون ہے۔ اور اللہ سے خبردار رہو اس کے گھر کے بارے میں کہ جب تک تم زندہ رہو وہ خالی نہ ہونے پائے، اگر اسے خالی چھوڑ دیا گیا تو پھر تمھیں مہلت نہ دی جائے گی اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ذریعے سے اللہ کے راستے میں جہاد کرتے رہنا، زکوٰۃ کے بارے میں اللہ سے غافل نہ ہونا کیونکہ وہ اللہ کے غصہ کو بجھا دیتی ہے، اپنے نبی کے ذمیوں کے بارے میں اللہ کا خوف رکھنا، وہ تمھارے درمیان رہتے ہوئے ظلم کا نشانہ نہ بنیں اور اپنے نبی کے صحابہ کے بارے میں اللہ کو نہ بھولنا کہ ان کے اکرام و اعزاز کا حکم تمھارے نبی نے دیا ہے۔ فقراء و مساکین کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا اور انھیں اپنی کمائی میں شریک بنا لینا، لونڈی و غلام کے بارے میں اللہ کو نہ بھولنا، نماز، سے ہرگز ہرگز غافل نہ ہونا، اللہ کی خاطر کسی ملامت گر کی ملامت کی پرواہ نہ کرنا، کیونکہ وہ تمھارا برا چاہنے والے اور تمھارے خلاف بغاوت کرنے والے کے لیے کافی ہوگا۔ لوگوں سے اسی طرح اچھی بات کہو جس طرح اس نے

تمھیں حکم دیا ہے، بھلائیوں کا حکم دینے اور برائیوں سے روکنے سے باز نہ آؤ، ورنہ کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ تم میں برے لوگ تمھارے حاکم بن جائیں اور پھر تم ان سے خلاصی کی دعائیں مانگو اور وہ قبول نہ کی جائیں۔ ایک دوسرے سے میل محبت اور انفاق و مدد کو لازم کرلو، قطع تعلقی، اختلاف وتفرقہ بازی سے اپنے آپ کو بچاؤ، نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو، گناہ اور سرکشی پر کسی کے معاون نہ بنو، اللہ سے ڈرو، اللہ سخت سزا دینے والا ہے، اللہ تم اہل بیت کو محفوظ رکھے اور تم میں تمھارے نبی (کی سنت) کو محفوظ رکھے اب میں تمھیں اللہ کے حوالے کرتا ہوں، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ پھر آپ کی زبان سے آخر میں لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰـهُ کے الفاظ نکلے اور رمضان ۴۰ھ میں آپ اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ [1]

ایک روایت میں آیا ہے کہ آپ ۲۱/ رمضان کی صبح قتل کیے گئے۔ [2] پس یہ روایت اس دن پر محمول ہے جس میں آپ نے اس دنیا سے کوچ کیا، اس لیے کہ اس بدبخت کی مار کے بعد آپ صرف تین دن باحیات رہے۔ [3]

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ اپنے قاتل کا مثلہ کرنے سے منع فرماتے ہیں:

چنانچہ آپ نے اپنے قاتل کے بارے میں فرمایا:

"اس کو قید میں رکھو، اگر میں مر جاؤں تو اسے قتل کر دینا اور اگر زندہ بچوں گا تو زخموں کے بدلے قصاص ہے۔" [4]

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

"اسے کھانا پانی دیتے رہو اور قید کرنے میں نرمی برتو، اگر میں شفایاب ہو گیا تو اپنے خون کا خود ذمہ دار ہوں، اگر چاہوں گا تو معاف کر دوں گا اور چاہوں گا تو بدلہ لوں گا۔" [5]

ایک دوسری روایت میں اتنی زیادتی ہے کہ اگر میں مر گیا تو میرے قتل کی طرح اسے قتل کر دینا اور حد سے تجاوز نہ کرنا، اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ [6]

آپ نے حسن رضی اللہ عنہ کو اپنے قاتل کا مثلہ کرنے سے منع کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ اے بنو عبدالمطلب! میں تمھیں مسلمانوں کے خون میں ڈوبا ہوا نہ پاؤں، کہ تم انھیں یہ کہہ کر قتل کرتے رہو، امیر المومنین قتل کر دیے گئے، امیر المومنین قتل کر دیے گئے، خبردار ہرگز ہرگز کوئی دوسرا قتل نہ کیا جائے اور اے حسن تم سنو! اگر میں اس کی مار سے مر گیا تو ایک وار کے بدلے اس پر ایک وار کرنا اور قاتل کا مثلہ نہ کرنا، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

((إِيَّاكُمْ وَ الْمُثْلَةَ وَ لَوْ أَنَّهَا بِالْكَلْبِ الْعَقُوْرِ .)) [7]

---

[1] تاريخ الطبرى (٦/ ٦٤). [2] التاريخ الكبير / البخارى (١/ ٩٩) بسند صحيح.
[3] خلافة على بن أبى طالب / عبدالحميد ص (٤٣٠). [4] فضائل الصحابة (٢/ ٥٦٠) بسند حسن.
[5] المحن / أبوالعرب ص (٩٤) خلافة على بن أبى طالب ص (٤٣٩).
[6] الطبقات / ابن سعد (٣/ ٣٥). [7] تاريخ الطبرى (٦/ ٦٤).

''کسی کا مثلہ ہرگز نہ کرو، اگرچہ کوئی پاگل کتا ہی کیوں نہ ہو۔''

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی مدت خلافت، شہادت کے وقت آپ کی عمر اور قبر کی جگہ:

مدت خلافت: ...... خلیفہ بن خیاط کے بقول: آپ کی مدت خلافت چار سال نو مہینے چھ دن اور بقول بعض تین دن یا چودہ دن ہے۔ [1] چار سال نو مہینے اور تین دن والی روایت زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے، اس لیے کہ ۱۸/ ذی الحجہ ۳۵ھ کو آپ نے بیعت خلافت لی اور ۲۱/ رمضان ۴۰ھ کو آپ نے شہادت پائی۔ [2]

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کو حسن، حسین اور عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم نے غسل دلایا اور تین کپڑوں میں آپ کی تکفین ہوئی، اس میں قمیص نہ تھی۔ [3] حسن رضی اللہ عنہ نے چار تکبیرات کے ساتھ نماز جنازہ پڑھائی۔ [4] اور ایک بلا سند روایت کے مطابق نو تکبیریں کہی گئیں۔ [5]

قبر کی جگہ: ...... آپ کی قبر کہاں ہے، اس سلسلے میں مختلف اقوال ہیں، علامہ ابن الجوزی نے اس سلسلہ میں متعدد روایات کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ اللہ ہی زیادہ بہتر جانتا ہے کہ ان میں کون سا قول زیادہ صحیح ہے۔ [6]

البتہ اس سلسلے میں جو روایتیں ملتی ہیں وہ اس طرح ہیں:

- اس سے پہلے کہ لوگ فجر کی نماز سے لوٹتے، حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے آپ کو ابواب کندہ سے متصل میدان میں جامع مسجد کے پاس دفن کر دیا۔ [7]
- ایک دوسری روایت بھی اسی طرح ہے کہ کوفہ میں محل امارت سے متصل جامع مسجد کے پاس رات کے وقت آپ کی تدفین ہوئی اور آپ کی قبر کو چھپا دیا گیا۔ [8]
- ایک روایت بتاتی ہے کہ آپ کے صاحبزادے حسن نے آپ کو مدینہ منتقل کر کے وہاں دفن کیا۔ [9]
- ایک روایت کے مطابق کوفہ کے نجف میں جو قبر آپ کی طرف منسوب ہے وہ آپ ہی کی قبر ہے، لیکن بعض علمائے سلف مثلاً قاضی کوفہ شریک بن عبداللہ نخعی متوفی ۱۷۸ھ اور محمد بن سلیمان حضرمی متوفی ۲۹۷ھ نے اس کا انکار کیا ہے۔ [10]

---

[1] التاریخ ص (۱۹۹).

[2] التاریخ الکبیر / البخاری (۱/ ۹۹) اس کی سند صحیح ہے۔

[3] المنتظم (۵/ ۱۷۵) الطبقات (۳/ ۳۷). [4] الطبقات (۳/ ۳۳۷).

[5] المنتظم (۵/ ۱۷۵). [6] المنتظم (۵/ ۱۷۸).

[7] الطبقات (۳/ ۳۸) خلافة علی بن أبی طالب / عبدالحمید ص (٤٤١).

[8] المنتظم (۵/ ۱۷۷) تاریخ الإسلام / عهد الخلفاء الراشدین / الذهبی ص (٦٥١).

[9] تاریخ بغداد (۱/ ۱۳۸).

[10] خلافة علی بن أبی طالب ص (٤٤١).

شہادت کے وقت آپ کی عمر: ...... آپ کی شہادت کے وقت آپ کی عمر کتنی تھی؟ اس کے بارے میں بھی مختلف اقوال ہیں۔ چنانچہ بعض کے نزدیک آپ ترپن (۵۳) سال کے تھے اور بعض کے نزدیک پینسٹھ (۶۵) سال اور بعض کے نزدیک تریسٹھ (۶۳) سال کے تھے۔ آخر الذکر قول سب سے زیادہ صحیح ہے۔ [1]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے توصیفی کلمات

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے توصیفی کلمات:

ربیعہ الجرشی سے روایت ہے کہ ایک آدمی کے پاس علی رضی اللہ عنہ کا تذکرہ ہوا، وہاں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے، آپ فرمانے لگے: کیا تم علی رضی اللہ عنہ کی باتیں کرتے ہو، ان کے چار ایسے فضائل ہیں کہ اگر ان میں کوئی ایک بھی مجھے مل جائے تو وہ مجھے سرخ اونٹوں سے بھی زیادہ محبوب ہے، ان میں ایک نبی اکرم ﷺ کا فرمانا: ((لَأُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ غَدًا...... الخ)) کل ایک ایسے آدمی کو جھنڈا دوں گا......، دوسرا آپ کا فرمان کہ ((اَنْتَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰى)) یعنی تم میری جگہ ایسے ہو جیسے ہارون موسیٰ کے قائم مقام تھے، تیسرا آپ ﷺ کا یہ فرمان کہ ((مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ)) میں جس کا دوست ہوں تو علی اس کے دوست ہیں۔ اور اس خبر کے راوی سفیان چوتھی فضیلت کو بھول گئے۔ [2]

امیر المومنین کے بارے میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے توصیفی کلمات:

سعد بن عبیدہ کا بیان ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس ایک آدمی آیا اور ان سے عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں پوچھنے لگا، آپ نے ان کے فضائل وعمدہ کارناموں کا ذکر کیا اور فرمایا: شاید تمھیں یہ بات اچھی نہیں لگی؟ اس نے کہا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: اللہ تیری ناک خاک آلود کرے، پھر اس نے آپ سے علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں پوچھا۔ آپ نے ان کے بھی فضائل اور عمدہ کارناموں کا ذکر کیا۔ اور کہا یہ وہی علی ہیں جن کا گھر نبی اکرم ﷺ کے گھروں میں سب سے بہتر گھر تھا، پھر فرمایا: شاید تجھے یہ بات اچھی نہیں لگی؟ اس نے کہا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: اللہ تجھے رسوا کرے، جا نکل جا اور جتنا تیرا بس چلے کر گزر۔ [3]

شہادت علی رضی اللہ عنہ کی خبر جب معاویہ رضی اللہ عنہ کو پہنچی:

شہادت علی رضی اللہ عنہ کی خبر جب معاویہ رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو آپ رونے لگے۔ آپ کی بیوی نے آپ کو روتے دیکھ کر کہا: آپ نے ان سے جنگ کی اور ان کی موت پر روتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: تیرا ستیاناس ہو، تجھے نہیں معلوم کہ

---

[1] تاريخ الطبری (٦/ ٦٧).

[2] فضائل الصحابة (٢/ ٧٩٨) اس کی سند حسن ہے۔

[3] الصحيح المسند من فضائل الصحابة (العدوی ص (١٤٠).

ان کے فوت ہونے سے لوگوں نے کتنی فضیلت، علم اور فقہ کو گنوا دیا۔ ❶

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں حسن بصری رحمہ اللہ کے توصیفی کلمات:

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: واللہ! علی رضی اللہ عنہ اللہ کے دشمن پر اس کی تیروں میں سے نہایت درست نشانہ باز تیر تھے اور اس امت کے ربانی عالم، صاحب فضیلت، اسلام میں سبقت لے جانے والے اور رسول اللہ ﷺ کے قریبی رشتہ دار تھے، اللہ کے حکم سے غفلت کرنے والے نہ تھے، نہ ہی اللہ کے دین کے بارے میں کسی ملامت کی پرواہ کرتے اور نہ ہی اللہ کے مال میں خائن تھے، قرآن کو اپنی عزیمتوں سے مزین کیا اور اس کے حسین مناظر کے ذریعے سے کامیابی حاصل کی، یہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تھے۔ ❷

خلافت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے توصیفی کلمات:

عبداللہ بن احمد بن حنبل رحمہما اللہ کا بیان ہے کہ ایک دن میں اپنے ابا کے سامنے بیٹھا تھا کہ کرخیوں کی ایک جماعت آپ کے پاس آئی۔ انھوں نے ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کی خلافت پر گفتگو شروع کر دیا اور کافی کچھ کہا، پھر علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا تذکرہ چھیڑا اور اس کے بارے میں خوب طویل طویل باتیں کیں، میرے ابا نے اپنا سر ان کی طرف اٹھایا اور کہا: اے لوگو! تم لوگ علی اور ان کی خلافت کے بارے میں بہت کچھ باتیں کر چکے۔ ❸ تم لوگوں کا کیا گمان ہے؟ کیا خلافت نے علی کی شخصیت کو چمکایا ہے؟ نہیں، بلکہ علی رضی اللہ عنہ نے خلافت کو چمکایا ہے۔ ❹

❶ البدایة والنهایة (۸/ ۱۳۳).
❷ الاستیعاب (۳/ ۱۱۱۰).
❸ تاریخ مدینة السلام (۱/ ٤٦٢).
❹ تاریخ مدینة السلام (۱/ ٤٦٢).

فضائل علی رضی اللہ عنہ کے متعلق چند ضعیف وموضوع روایات

- ''اللہ تعالیٰ نے شب معراج میں علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں میرے پاس تین چیزوں کی وحی نازل فرمائی: اوّل یہ کہ آپ مومنوں کے سردار ہیں۔ دوم یہ کہ آپ متقیوں کے امام ہیں۔ سوم یہ کہ چمکدار پیشانی والوں (نمازوں) کے قائد ہیں۔

یہ روایت موضوع ہے۔(دیکھئے: سلسلة الأحاديث الضعيفة / ألباني، حديث نمبر: ٣٥٣)

- سبقت لے جانے والے تو تین ہی ہیں: موسیٰ کی طرف سبقت لے جانے والے یوشع بن نون ہیں، اور عیسی کی طرف سبقت کرنے والے صاحب یاسین ہیں اور محمد کی طرف سبقت کرنے والے علی بن ابی طالب ہیں۔

یہ روایت بے حد ضعیف ہے۔(دیکھئے: سلسلة الأحاديث الضعيفة حديث نمبر: (٣٥٨) نیز ضعيف الجامع الصغير، حديث نمبر: ٣٣٣٤)

- علی نیکوکاروں کے امام اور فاجروں کو موت کے گھاٹ اتارنے والے ہیں جس نے علی کی مدد کی وہ کامیاب و فتح یاب ہوا اور جس نے علی کی مدد سے گریز کیا وہ بے یار و مددگار رہا۔

یہ روایت موضوع ہے۔(دیکھئے: السلسلة الضعيفة / ألباني، حديث نمبر: (٢٥٧) ضعيف الجامع الصغير حديث نمبر: ٣٧٩٩)

- علی بن ابی طالب کا خندق کے موقع پر عمرو بن عبدود سے مبارزت کرنا، قیامت تک میرے امتیوں کے تمام اعمال سے افضل ہے۔

یہ روایت جھوٹی ہے۔(دیکھئے: السلسلة الضعيفة، حديث نمبر: ٤٠٠)

- اے اللہ! تیرے بندے علی نے خود کو تیرے نبی کے لیے وقف کر رکھا ہے، تو اس پر اس کے مشرق (سورج) کو لوٹا دے۔ دوسری روایت میں یوں ہے: اے اللہ! وہ تیری اور تیرے رسول کی اطاعت میں تھا، اس پر سورج کو واپس کردے۔ اسماء کہتی ہیں پھر میں نے دیکھا کہ وہ سورج جو غروب ہو چکا تھا دوبارہ طلوع ہو گیا۔

یہ روایت موضوع ہے۔(دیکھئے: السلسلة الضعيفة/ ألباني، حديث نمبر: ٩٧١)

- اللہ تعالیٰ نے مجھے چار اشخاص سے محبت کرنے کا حکم دیا اور بتایا کہ وہ بھی انھیں پسند کرتا ہے۔ پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول! وہ کون لوگ ہیں؟ اور دوسری روایت میں ہے کہ اے اللہ کے رسول! ان کا نام ہمیں بھی بتا دیجیے، آپ نے تین بار فرمایا: علی، پھر ابوذر، سلمان اور مقداد۔ ان لوگوں سے مجھے محبت کرنے کا حکم دیا ہے

اور بتایا ہے کہ وہ خود انھیں پسند کرتا ہے۔

یہ روایت ضعیف ہے۔(دیکھئے: السلسلة الضعيفة/ ألباني، حديث نمبر: (١٥٤٩-٣١٢٨) نیز ضعيف الجامع الصغير حديث نمبر: (١٥٦٦) ضعيف سنن ترمذي (٧٧١) ضعيف سنن ابن ماجه (٢٨) مشكاة المصابيح ٦٢٤٩)

- میں شہر کا علم ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں، پس جو شخص علم کا خواہاں ہو وہ دروازے پر آئے۔

یہ روایت موضوع ہے۔(دیکھئے: السلسلة الضعيفة/ ألباني، حديث نمبر: ٢٩٥٥)

- میں اللہ کا بندہ اور اس کے رسول کا بھائی اور صدیق اکبر ہوں، میرے بعد ان باتوں کا دعویٰ کوئی جھوٹا ہی کرسکتا ہے۔ میں نے لوگوں سے سات سال پہلے نماز پڑھی۔

یہ روایت باطل ہے۔(دیکھئے: ضعيف سنن ابن ماجه، حديث نمبر: ٢٣)

- اے اللہ! علی پر رحم فرما، وہ جہاں رہیں وہاں حق کو رکھ۔

یہ روایت انتہائی ضعیف ہے۔(دیکھئے: السلسلة الضعيفة/ ألباني، حديث نمبر: (٢٠٩٤) نیز ضعيف الجامع، حديث نمبر: (٣٠٩٥) ضعيف سنن ترمذي، حديث نمبر: (٧٦٧) مشكاة المصابيح: ٦١٢٥)

- علی اور قرآن لازم ملزوم ہیں وہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ حوض پر وارد ہو جائیں۔

یہ روایت ضعیف ہے۔(دیکھئے: ضعيف الجامع، حديث نمبر: ٣٨٠٢)

- علی مومنوں کے سردار ہیں اور مال منافقین کا سردار ہے۔

یہ روایت ضعیف ہے۔(دیکھئے: ضعيف الجامع، حديث نمبر: ٣٨٠٥)

- جس رات میرا معراج ہوا اس رات جب میں اپنے رب کے پاس پہنچا تو اس نے علی کے بارے میں میرے پاس تین باتوں کی وحی کی، آپ سید المسلمین ہیں، متقیوں کے ولی ہیں اور چمک دار پیشانی والوں (نمازیوں) کے قائد ہیں۔

یہ روایت موضوع ہے۔(دیکھئے: السلسلة الضعيفة/ ألباني، حديث نمبر: ٤٨٨٩)

- اے انس! جاؤ اور سید العرب کو میرے پاس بلاؤ، تو عائشہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں: کیا آپ سید العرب نہیں ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میں اولاد آدم کا سردار ہوں اور علی پورے عرب کے سردار ہیں۔ اے جماعت انصار! کیا میں تمھیں ایسی چیز نہ بتا دوں کہ اگر اسے لازم پکڑو تو کبھی گمراہ نہ ہوگے؟ انھوں نے کہا: ہاں، ضرور اے اللہ کے رسول۔ پھر آپ نے فرمایا: میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کرو اور میری عزت کی وجہ سے ان کی

عزت کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے میں نے تم کو جو بات بتائی ہے اسی کا جبریل نے مجھے حکم دیا ہے۔

یہ روایت ضعیف ہے۔(دیکھئے:السلسلة الضعيفة / ألباني، حديث نمبر: ٤٨٩٠)

- میرے بعد میری امت جن چیزوں میں اختلاف کرے گی تم اس کو واضح کرو گے۔

یہ روایت موضوع ہے۔(دیکھئے:السلسلة الضعيفة / ألباني، حديث نمبر: ٤٨٩١)

- میں منذر ہوں اور علی ہادی ہیں، اے علی! میرے بعد ہدایت کے متلاشی تمھیں سے ہدایت پائیں گے۔

یہ روایت موضوع ہے۔(دیکھئے:السلسلة الضعيفة / ألباني، حديث نمبر: ٤٨٩٩)

- جب میں معراج میں گیا تو میں نے عرش الٰہی کے پائے پر یہ لکھا ہوا دیکھا: "لا إله إلا الله محمد رسول الله" محمد میری مخلوق میں میرے سب سے بہترین بندے ہیں، میں نے علی کے ذریعے سے ان کی نصرت وتائید کی ہے۔

یہ روایت موضوع ہے۔(دیکھئے:السلسلة الضعيفة / ألباني، حديث نمبر: ٤٩٠٢)

- جو آدم کا علم، نوح کی سمجھ، ابراہیم کی بردباری، یحییٰ کا زہد اور موسیٰ کی گرفت دیکھنا چاہتا ہو تو وہ علی کو دیکھ لے۔

یہ روایت موضوع ہے۔(دیکھئے:السلسلة الضعيفة / ألباني، حديث نمبر: ٤٩٠٣)

- اے علی! تم عہد توڑنے والوں، انحراف کرنے والوں اور دین سے نکل جانے والوں سے راستوں، دریاؤں، اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر یعنی ہر جگہ قتال کرو گے۔

یہ روایت موضوع ہے۔(دیکھئے:السلسلة الضعيفة / ألباني، حديث نمبر: ٩٠٧)

- آیت کریمہ ﴿يَاأَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ﴾ غدیر خم کے موقع پر علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔

یہ روایت موضوع ہے۔(دیکھئے:السلسلة الضعيفة / ألباني، حديث نمبر: ٤٩٢٢)

- غدیر خم کے موقع پر جب رسول اللہ ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ کو کھڑا کیا اور ان کی ولایت کا اعلان کیا تو جبریل علیہ السلام یہ آیت لے کر اترے: ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي﴾

یہ روایت موضوع ہے۔(دیکھئے:السلسلة الضعيفة / ألباني، حديث نمبر: ٤٩٢٣)

- یہ (علی) تمھارے درمیان میرے بھائی، میرے وصی اور میرے خلیفہ ہیں، ان کی باتیں سنو اور اطاعت کرو۔

یہ روایت موضوع ہے۔(دیکھئے:السلسلة الضعيفة / ألباني، حديث نمبر: ٤٩٣٢)

- میں تم سے اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم میں کوئی ایسا ہے کہ جب مسلمانوں کے درمیان مواخات قائم ہوئی تو اللہ کے رسول نے اپنے اور میرے درمیان میرے علاوہ کسی اور کے ساتھ مواخاۃ قائم کیا ہو؟ لوگوں نے کہا: نہیں۔

یہ روایت موضوع ہے۔(دیکھئے:السلسلة الضعيفة/ ألبانی، حديث نمبر: ٤٩٤٩)

- ذوالفقار کے علاوہ کوئی تلوار نہیں اور علی کے علاوہ کوئی جوان نہیں۔

یہ روایت من گھڑت ہے۔(دیکھئے:منهاج السنة ٥/ ٧٠)

- علی کی محبت ایسی نیکی ہے کہ جس کے ساتھ کوئی برائی نقصان دہ نہیں اور ان سے بغض ونفرت ایسی برائی ہے کہ جس کے ساتھ کوئی نیکی نفع بخش نہیں۔

یہ روایت من گھڑت ہے۔(دیکھئے:منهاج السنة : ٥/ ٧٣)

- ثقلین کو لازم پکڑو، ایک تو اللہ کی کتاب، کہ جس کا ایک سرا اللہ کے ہاتھ میں ہے اور دوسرا تمھارے ہاتھ میں ہے اور دوسری چیز میرے اہل خاندان۔ میرے لطیف وخبیر رب نے مجھے خبر دی ہے کہ یہ دونوں اس وقت تک جدا نہ ہوں گے جب تک کہ حوض کوثر پر نہ پہنچ جائیں، میں ان دونوں کے لیے اس کا مطالبہ اپنے رب سے کیا ہے، لہٰذا تم ان کی گستاخی نہ کرنا کہ ہلاک ہو جاؤ اور نہ ان کے حقوق کی ادائیگی میں کمی کرنا کہ برباد ہو جاؤ اور انھیں مزید کچھ سکھانے کی ضرورت نہیں وہ تم سے زیادہ جاننے والے ہیں۔

یہ حدیث ضعیف ہے۔(دیکھئے:السلسلة الضعيفة/ ألبانی، حديث نمبر: ٤٩١٤)

- آل محمد کی معرفت جہنم سے نجات اور آل محمد سے محبت پل صراط پار کرنے اور آل محمد کی ولایت کا اعتراف عذاب سے امان پانے کا ذریعہ ہے۔

یہ حدیث موضوع ہے۔(دیکھئے:السلسلة الضعيفة/ ألبانی، حديث نمبر: ٤٩١٧)

- بے شک یہ (علی) میرے بھائی، میرے وصی اور میرے بعد میرے خلیفہ ہیں اور ان کی باتیں سننا اور اطاعت کرنا۔

یہ حدیث سند ومتن ہر اعتبار سے باطل ہے، سند کے اعتبار سے یوں کہ اس میں ایک راوی عبدالغفار بن قاسم ہے، جس کے بارے میں امام ذہبی فرماتے ہیں کہ ابو مریم رافضی ہے، ثقہ نہیں ہے۔ اور علی بن المدینی نے کہا کہ یہ حدیثیں گھڑتا تھا۔(دیکھئے:میزان الاعتدال : ٢/ ٦٤٠)

- میرے وصی، میرے راز داں، اور اپنے بعد جسے سب سے بہتر چھوڑ رہا ہوں جو میرا وعدہ پورا کریں گے اور میرے قرض کو ادا کریں گے وہ علی بن ابی طالب ہیں۔

اس روایت کو ہیثمی نے مجمع الزوائد (۱۴۱/۹) میں روایت کیا ہے اور اسے طبرانی کی طرف منسوب کرتے ہوئے کہا کہ اس میں ناصح بن عبداللہ نامی ایک راوی ہے جو متروک ہے۔

- میں حکمت کا گھر ہوں اور علی اس کا دروازہ۔

اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور ابونعیم نے ترمذی کے اس قول پر سکوت اختیار کیا ہے کہ یہ حدیث غریب،

منکر ہے اور ہمیں کسی ثقہ کے بارے میں نہیں معلوم کہ اس نے اسے شریک سے روایت کیا ہو۔ (دیکھئے: حدیث نمبر (۳۷۲۳) اور ابن الجوزی نے کہا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ مشکاۃ المصابیح (۱۷۷۷/۳) اور ابن الجوزی نے حکم لگایا ہے کہ یہ مکذوب روایت ہے۔ دیکھئے: الموضوعات (۳٤۹/۱)

- اے علی! تم اور تمھارے شیعہ پوری روئے زمین پر سب سے بہتر ہو۔

اس روایت میں ابوالجارود زیاد بن منذر کوفی ایک راوی ہے جس کے بارے میں حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ رافضی ہے، یحییٰ بن معین نے اسے جھوٹا مانا ہے۔ (دیکھئے: التقریب ۲۱۰۱)

- اللہ تعالیٰ نے علی کے بارے میں میرے پاس تین باتوں کی وحی کی ہے۔ وہ مومنوں کے سردار ہیں، متقیوں کے امام ہیں اور چمکتی پیشانیوں (نمازیوں) کے قائد ہیں۔

حافظ فرماتے ہیں: حاکم نے المناقب میں اسے صحیح الاسناد کہا ہے، لیکن میں کہتا ہوں کہ یہ انتہائی ضعیف ہے اور منقطع بھی ہے۔ (دیکھئے: اتحاف المهرة ۱/ ۳٤٤) امام ذہبی نے اس حدیث کی تردید کی ہے جیسا کہ اس حدیث پر المستدرک (۱۳۹/۳) پر انھوں نے یہ کہتے ہوئے تعلیق لکھی ہے کہ عمر بن حصین العقیلی اور اس کا شیخ یحییٰ بن العلاء الرازی دونوں متروک ہیں بلکہ صراحت سے لکھا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے۔

- شاباش علی شاباش، تم میرے اور تمام مومنوں کے مولیٰ ہوگئے۔

اس حدیث میں علی بن جدعان راوی ہے، جوزجانی نے کہا کہ یہ ضعیف اور واہی الحدیث ہے۔ (دیکھئے: الشجرة فی احوال الرجال ص (۱۹٤) ابن الجوزی "العلل المتناهية فی الأحاديث الواهية" (۲۲٦/۱) میں فرماتے ہیں: اس حدیث کو حجت بنانا جائز نہیں ہے۔ اور علی بن جدعان کے اوپر ابو ہریرہ تک تمام راوی ضعیف ہیں اور بزار نے کہا کہ اس حدیث میں اہل علم کی ایک جماعت نے کلام کیا ہے۔ (دیکھئے: کشف الاستار: ٤۹۰) اور دارقطنی نے کہا: یہ قوی نہیں۔ (دیکھئے: سنن الدارقطنی: ۱۰۳/۱)

- اے اللہ علی پر رحم فرما اور حق کو ان کے ساتھ رکھ وہ جہاں کہیں رہیں۔

اسے حاکم نے روایت کیا ہے اور کہا کہ یہ صحیح ہے اور شیخین کی شرط پر ہے۔ (المستدرك ۳/ ۱۲۵) اس میں مختار بن نافع تمیمی ایک راوی ہے جس کے بارے میں امام ذہبی حاکم پر تعقیب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مختار ساقط ہے اور حافظ نے کہا کہ مختار ضعیف ہے۔ (دیکھئے: التقریب: ٦٥۲۲)

- علی دنیا اور آخرت میں میرے بھائی ہیں۔

یہ روایت ضعیف ہے۔ (دیکھئے: ضعيف الجامع/ ألبانی، حديث نمبر: ۳۸۰۱)

- علی حطہ کے دروازہ ہیں، جو اس میں داخل ہوا وہ مامون رہے گا۔

یہ روایت موضوع ہے، اس میں حسین اشقر متکلم فیہ راوی ہے۔ امام بخاری نے اس کے بارے میں فرمایا: فیه نظر (دیکھئے: التاریخ الکبیر : ۲/ ۲۸۶۲) اور التاریخ الصغیر (۲/ ۳۹۱) میں لکھا کہ "عنده مناکیر" (دیکھئے: السلسلة الضعیفة/ ألبانی حدیث نمبر : ۳۹۱۳)

- علی خیر البشر ہیں، جو اس کا انکار کرے اس نے کفر کیا۔

یہ روایت موضوع ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: ابن عدی نے اسے کئی سندوں سے نقل کیا ہے، لیکن سب کی سب ضعیف ہیں۔ (دیکھئے: تسدید القوس : ۳/ ۸۹) ذہبی نے کہا یہ حدیث منکر ہے اور کہا کہ یہ واضح طور پر باطل ہے۔ (دیکھئے: میزان الاعتدال (۱/ ۵۲۱) اور الموضوعات / ابن الجوزی : ۱/ ۳۴۸)

- میں جانتی ہوں کہ علی آپ کے نزدیک میرے والد سے دو یا تین گنا زیادہ محبوب ہیں۔

شیخ البانی نے اسے ضعیف ٹھہرایا ہے۔ (دیکھئے: ضعیف أبی داؤد ص : ۴۹۱)

- میرے اہل بیت کی مثال کشتی نوح کی سی ہے کہ جو اس میں سوار ہوا وہ نجات پا گیا اور جو پیچھے رہا وہ ڈوب گیا۔

(دیکھئے: المعجم الکبیر/ طبرانی (۳/ ۳۷) اور مجمع الزوائد / الهیثمی ۹/ ۱۶۸) ہیثمی نے فرمایا: اس کی سند میں عبداللہ بن داہر اور حسن بن ابو جعفر ہیں جو کہ متروک ہیں۔

- جسے میری طرح جینا اور میری طرح مرنا اور اس جنت الخلد میں رہنا پسند ہو جس کا مجھ سے میرے رب نے وعدہ کیا ہے اور جس کے پودوں کو اس نے اپنے ہاتھوں سے لگایا ہے، اسے چاہیے کہ علی بن ابی طالب سے محبت کرے۔

حاکم نے (۳/ ۱۲۸) میں اس کی تصحیح کی ہے اور امام ذہبی نے ان کا تعاقب کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس میں قاسم راوی متروک ہے اور اس کا شیخ یحییٰ بن العلی الاسلمی ضعیف ہے۔ حافظ ابن حجر تقریب ترجمہ نمبر: (۷۶۷۷) میں فرماتے ہیں: وہ شیعہ ہے ضعیف ہے، لیکن ان سے غلطی یہ ہوئی کہ انھوں نے اسلمی کی جگہ اس کی نسبت محاربی لکھا، جس کا عبدالحسین نے مراجعات میں نہایت غلط استغلال کیا۔

- جو کچھ اللہ نے میرے سینہ میں ڈالا میں نے اسے علی کے سینہ میں انڈیل دیا۔

یہ حدیث موضوع ہے۔ (دیکھئے: الموضوعات (۱/ ۱۳۱) اسمی المطالب اثر نمبر: ۱۲۶۲)

- جو تم سے محبت کرنے والا ہے وہ مجھ سے محبت کرنے والا ہے اور میرا محبّ اللہ کا محبّ ہے اور جو تم سے بغض رکھنے والا ہے وہ مجھ سے بغض رکھنے والا ہے اور مجھ سے بغض رکھنے والا اللہ سے بغض رکھتا ہے۔

حافظ فرماتے ہیں: اسے ابن عدی نے روایت کیا ہے اور یہ باطل ہے۔ (دیکھئے: لسان المیزان ۲/ ۱۰۹)

مراجع ومصادر

(الف)

۱۔ الإبانة فی اصول الدیانة / أبی الحسن الأشعری ، ط:الجامعة الاسلامیة ۱۹۷۵ء .

۲۔ الاباضیة فی موکب التاریخ / علی یحیی معمر ، ط:مکتبة وھبة .

۳۔ أباطیل یجب أن تمحی من التاریخ / د۔ابراھیم علی شعوط ، ط:المکتب الإسلامی السادسة ۱٤۰۸ ھـ -۱۹۸۸ء .

٤۔ أبــو موسیٰ الأشعری الصحابی العالم المجاهد / محمد طھماز ، ط: دار القلم ، دمشق ، اوّل ۱٤۱۱ھـ ۱۹۹۱ء .

٥۔ اتمام الوفاء بسیرة الخلفاء / محمدالخضرمی ، ط: دار المعرفة ، بیروت ، اوّل ۱٤۱۷ھـ ۱۹۹٦ء .

٦۔ آثار الحرب فی الفقه الإسلامی / د۔ وھبه الزحیلی ، ط: دار الفکر سوم ۱٤۰۱ھـ ۱۹۸۱ء

۷۔ أثــر الامامة فی الفقه الجعفری و أصوله/ علی أحمد السالوس ، ط:دار وھدان للطباعة ، القاھرة ، اوّل ۱٤۰۲ھـ .

۸۔ أثــر التشیــع عــلــی الروایات التاریخیة فی القرن الاول الھجری / د ۔عبدالعزیز محمد نور ولی ، ط:دار الخضیری ، المدینة النبویة ، اوّل ۱٤۱۷ھـ ۱۹۹٦ء .

۹۔ الإجتھــاد فی الفقه الإسلامی ضوابطه و مستقبله/ عبدالسلام السلیمانی ، ط: وزارة الأوقاف و الشئون الإسلامیة ، المملکة المغربیة .

۱۰۔ أحداث و أحادیث فتنة الھرج / عبدالعزیز دخان ، رسالة دکتوراة بفاس ، المغرب (غیر مطبوع) .

۱۱۔ الإحسـان فـی تـرتیـب صـحیح ابن حبان/ علاء الدین علی بن بلبان الفارسی ، ط: موسسة الرسالة ، بیروت ، اوّل ۱٤۱۲ھـ ۱۹۹۱ء .

۱۲۔ الأحکام السلطانیة / أبویعلٰی محمد بن الحسین ، تعلیق محمد حامد الفقھی ، ط: دار الکتب العلمیة ، بیروت ، ۱٤۰۳ھـ .

۱۳۔ أحکام القرآن / أبو بکر بن العربی ، ط: دار الکتب العلمیة ، بیروت ، اوّل ۱٤۰۸ھـ ۱۹۸۸ء .

۱٤۔ الأحکام السلطانیة / أبو الحسن علی بن محمد بن حبیب ، ، ط: دار الفکر بیروت .

۱٥۔ أحیاء علوم الدین / الغزالی .

۱٦۔ أخبار القضاة/ وکیع محمد بن خلف بن حیان ، ط:الاستقامة ، القاھرة ، اوّل ۱۳٦٦ھـ ۱۹٤۷ء .

۱۷۔ الأخبار الطوال / أبوحنیفه احمد بن داؤد ، تحقیق ، عبدالمنعم عامر ، ط: مکتبة المتنبی ، بغداد .

۱۸۔ الأخلاق و السیر/ ابن حزم .

۱۹۔ اخلاق النبی فی القرآن و السنة / د۔ أحمد الحداد ، ط: دار الغرب الإسلامی ، دوم ۱٤۱۹ھـ ۱۹۹۹ء .

۲۰۔ الادارة العسكرية فى الدولة الإسلامية، نشأتها و تطورها حتى منتصف القرن الثالث الهجرى/ د۔ سليمان بن صالح بن سليمان آل كمال، ط: منشورات جامعة ام القرىٰ، مكة المكرمة.
۲۱۔ الإدارة و النظام الإدارى عند الإمام على/ د۔ محسن باقر الموسوى، الغدير، ط: بيروت لبنان، اوّل ۱٤۱۹ھ۔۱۹۹۸ء.
۲۲۔ أدب الدين و الدنيا/ الماوردى.
۲۳۔ الأدب الإسلامى فى عهد النبوة/ تاليف: معروف، ط: دار النفائس، بيروت، لبنان.
۲٤۔ الأدب العربى من ظهور الإسلام إلى نهاية العصر الراشدى/ د۔ حبيب بن يوسف مغنية، ط: دارمكتبة الهلال، بيروت لبنان، اوّل ۱۹۹۵ء.
۲۵۔ إرواء الغليل فى تخريج أحاديث منارالسبيل/ محمد ناصر الدين ألبانى، ط: المكتب الإسلامى اوّل ۱۳۹۹ھ۔
۲٦۔ الإساس فى السنة و فقهها/ سعيد حوى، ط: دار السلام، اوّل ۱٤۰۹ھ، ۱۹۸۹ء.
۲۷۔ الاستبصار فى نسب الصحابة من الأنصار/ تحقيق: د۔على نويهض، ط: دار الفكر، بيروت، *تاریخ طبع درج نہیں ہے۔*
۲۸۔ الاستيعاب فى معرفة الأصحاب/ ابو عمر يوسف بن محمد بن عبدالبر، تحقيق: على محمد البجاوى، ط: دار الجيل، بيروت، اوّل ۱٤۱۲ھ۔۱۹۹۲ء.
۲۹۔ أسد الغابة فى معرفة الصحابة/ تحقيق محمد إبراهيم البنا، ط: مطبعة الشعب.
۳۰۔ استشهاد عثمان و وقعة الجمل فى مرويات سيف بن عمر فى تاريخ طبرى دراسة نقدية/ د۔خالد بن محمد الغيث، ط: دار الأندلس الخضراء، جده، اوّل ۱۲۱۸ھ۔
۳۱۔ الاستذكار لمذاهب فقهاء الامصار و علماء الاقطار/ ابن عبدالبر، ط: لجنة احياء التراث الإسلامى.
۳۲۔ الاشراف على مذاهب أهل العلم/ محمد بن إبراهيم بن المنذر نيساپورى، تحقيق: محمد نجيب سراج الدين، ط: دار أحياء التراث، قطر، اوّل ۱٤۰٦ھ۔۱۹۸٦ء.
۳۳۔ الإصابة فى تمييز الصحابة/ أحمد بن على بن حجر، ط: دار الكتب العلمية، بيروت، اوّل ۱٤۱۵ھ۔۱۹۹۵ء.
۳٤۔ أصول الدين/ عبدالقاهر البغدادى، ط: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان، اوّل ۱۳٤٦ھ۔
۳۵۔ أصول الإسماعيلية/ لويس بارنارد، ترجمه عربى: خليل أحمد جلو، جاسم محمد الرجب، ط: مكتبة المثنى، بغداد ۱۹٤۷ء.
۳٦۔ أصحاب الرسول/ محمد المصرى، ط: مكتبة أبى حذيفه السلفى، اوّل ۱٤۲۰ھ۔۱۹۹۹ء.
۳۷۔ الاعتصام/ الشاطبى، تحقيق: محمد رشدى رضا، ط: دار المعرفة، بيروت، ۱٤۰۲ھ۔
۳۸۔ الاعتقاد على مذهب السلف أهل السنة والجماعة/ أبو بكر احمد بن الحسين البيهقى، ط: نشاط آباد، فيصل آباد، پاكستان.
۳۹۔ اعتقادات فرق المسلمين و المشركين/ فخرالدين الرازى، ط: دار الكتب العلمية بيروت، لبنان ۱٤۰۲ھ۔

٤٠۔ أعلام النصر المبين/ أبوالخطاب عمر بن حسن بن دحية الكلبى، تحقيق: د۔ محمد أمحزون، ط: دار الغرب ١٩٩٨ء.
٤١۔ الأعلام/ الزركلى، دار العلم للملايين، بيروت، لبنان، ششم ١٩٨٤ء.
٤٢۔ أعلام الموقعين عن رب العالمين/ محمد بن أبى بكر ابن القيم، تحقيق محمد محى الدين عبدالحميد، ط: المكتبة العصرية، صيدا، بيروت ١٤٠٨هـ.
٤٣۔ إعلاء السنن / ظفر أحمد عثمانى، تحقيق و تعليق: عبدالفتاح أبوغده، ط: منشورات إدارة القرآن و العلوم الإسلامية، باكستان.
٤٤۔ افادة الأخبار ببراءة الأبرار/ محمد العربى، التبانى، ط: دار الكتب العلمية، بيروت لبنان، دوم ١٩٨٤ء.
٤٥۔ الاقتصاد فى الاعتقاد/ ابى حامد الغزالى، ط: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان، اوّل ١٤٠٣هـ.
٤٦۔ الأم، محمدبن إدريس الشافعى، دار المعرفة، بيروت.
٤٧۔ الإمام على بن أبى طالب/ محمد رشيد رضا، ط: دار الكتب العلمية بيروت ١٤٠٣هـ۔١٩٨٣ء.
٤٨۔ الإمام الصادق / محمد أبوزهرة، ط: دار الفكر العربى.
٤٩۔ الإمامة العظمى عند أهل السنة والجماعة / عبدالله بن عمر بن سليمان الدميجى، ط: دارطيبة السعودية، دوم ١٤٠٩هـ.
٥٠۔ الإمامة و السياسة/ المنسوب لابن قتيبه، ط: موسسة الحلبى، القاهرة.
٥١۔ الإمامة و الرد على الرافضة/ الحافظ أبى نعيم الأصبهانى، تحقيق و تعليق: د۔ على بن محمد بن ناصر الفقيهى، ط: مكتبة العلوم و الحكم، اوّل ١٤٠٧هـ.
٥٢۔ الإمام على بن أبى طالب رابع الخلفا الراشدين/ دار الكتب العلمية بيروت، لبنان.
٥٣۔ انتصار الحق (مناظرة علمية مع بعض الشيعة الإمامية)، مجدى محمد على، ط: دار طيبة اوّل ١٤١٨هـ۔١٩٩٧ء.
٥٤۔ الإنتصار للصحب و الآل من افتراء ات السماوى الضال/ د۔ إبراهيم بن عامر الرحيلى، ط: مكتبة الغرباء الأثرية، اوّل ١٤١٨هـ۔١٩٩٧ء.
٥٥۔ أنس بن مالك الخادم الأمين/ عبدالحميد طهماز، ط: دار القلم، دمشق.
٥٦۔ أنساب الإشراف/ أبوالحسن أحمد بن يحيىٰ بن جابر البلاذرى.
٥٧۔ الانساب / أبوسعد عبدالكريم بن محمد بن منصور التميمى، تحقيق و تعليق: محمد عوامة، ط: محمد أمين دمج، بيروت، لبنان، اول: ١٣٩٦هـ۔١٩٧٦ء.
٥٨۔ الإنصاف فيما يجب اعتقادهٗ و لا يجوز الجهل به / القاضى أبوبكر بن الطيب الباقلانى، تحقيق محمد زاهد الكوثرى، ط: موسسة الخانجى، دوم ١٣٨٢هـ.
٥٩۔ الإنصاف فيماوقع فى تاريخ العصر الراشدى من خلاف/ د۔حامد محمد الخليفة، ط: مطابع الدوحة، المدينة الرياضية، عمان، الأردن، اوّل ١٤٢٣هـ۔٢٠٠٢ء.
٦٠۔ الإنصار فى العصر الراشدى سياسيا و عسكريا و فكرياً/ د۔حامد محمد الخليفة، رسالة دكتوراة من

كلية الآداب فى جامعة بغداد (غير مطبوع).

٦١۔ أهل الشورىٰ الذين اختارهم عمر رضی اللہ عنہ / رياض العبد الله، ط: دار الرشيد، بيروت، موسسة الإيمان، دمشق اوّل ١٤١٢هـ ١٩٩٢ء.

٦٢۔ آية التطهير و علاقاتها بعصمة الائمة / عبدالهادى الحسينى.

(ب)

٦٣۔ الباعث الحثيث شرح اختصار علوم الحديث/ إسماعيل بن عمر بن كثير، تحقيق: احمد شاكر، ط: مكتبةو مطبعة محمد على صبيح و أولاده، دوم ١٣٧٠هـ.

٦٤۔ بدائع الصنائع فى ترتيب الشرائع / علاء الدين أبو بكر بن سعود الكاسانى الحنفى، ناشر: زكريا على يوسف.

٦٥۔ بداية المجتهد و نهاية المقتصد / محمد بن أحمد بن رشد القرطبى، ط: مطبعة الكليات الأزهرية، ١٣٨٦هـ ١٩٦٦ء.

٦٦۔ البداية و النهاية/ أبو الفداء حافظ ابن كثير الدمشقى، ط: دار الريان، ١٤٠٨هـ ١٩٨٨ء.

٦٧۔ بذل المجهود فى اثبات مشابهة الرافضة لليهود/ عبدالله الجميلى.

٦٨۔ البيان و التبيين / أبوعثمان عمروبن بحر الجاحظ، ط: دار الخانجى، مصر ١٣٨٨هـ ١٩٦٨ء.

٦٩۔ بيعة على بن أبى طالب/ أم مالك الخالدى، حسن فران المالكى، ط: مركز الدراسات التاريخية، عمان، سوم.

(ت)

٧٠۔ تاج العروس من جواهر القاموس/ محمد مرتضىٰ الزبيدى، ط: دار مكتبة الحياة، بيروت، لبنان.

٧١۔ التاريخ/ أبومحمد عبدالله بن عبدالرحمن الدارمى، تحقيق: أحمد محمد نور سيف، ط: دار المامون للتراث.

٧٢۔ تاريخ الأدب العربى فى الجاهلية و صدر الإسلام/ نكلسن، رينولڈ، مترجم صفاء خلوصى، بغداد، ط: مطبعة المعارف ١٣٨٨هـ ١٩٦٩ء.

٧٣۔ تاريخ الإسلام فى عهد الخلفا الراشدين / محمد أحمد الذهبى، ط: دار الكتاب العربى اوّل ١٤٠٧هـ ١٩٨٧ء.

٧٤۔ تاريخ الخلفاء / السيوطى، ط: دار صادر، بيروت، اوّل ١٤١٧هـ ١٩٩٧ء.

٧٥۔ تاريخ خليفة بن خياط/ أبوعمر خليفة بن خياط بن أبى هبيرة الليثى، تحقيق: أكرم ضياء العمرى، ط: موسسة الرسالة و دار القلم، بيروت، دوم ١٣٩٧هـ.

٧٦۔ تاريخ الدعوة الإسلامية / محمد جميل عبدالله المصرى، ط: اوّل ١٤٠٧هـ ١٩٨٧ء.

٧٧۔ تاريخ دمشق، ط: دار أحياء التراث، اول.

٧٨۔ التاريخ السياسى/ د۔ على معطى، ط: موسسة المعارف، بيروت، اوّل ١٤١٩هـ ١٩٩٨ء.

٧٩۔ التاريخ الصغير/ محمد بن إسماعيل البخارى، تحقيق: محمود إبراهيم زايد، ط: دار المعرفة بيروت، اوّل ١٤٠٦هـ.

۸۰۔ تاریخ الطبری/ أبوجعفر الطبری، دار الفکر، بیروت، ۱٤۰۷ھـ ۱۹۸۷ء.

۸۱۔ تاریخ العرب، مطول/ د۔فلیپ ھٹی، ترجمہ اڈورڈجرجی اور ڈاکٹرجبرائیل جیور، ط: دار الکشاف، بیروت ۱۹٤۹ء.

۸۲۔ تاریخ عمرو بن عاص/ حسن إبراهیم حسن، ط: مطبعة السعادة، اوّل ۱۳٤۰ھـ ۱۹۲۲ء.

۸۳۔ تاریخ القضاء، کتاب عیون المعارف و فنون أخبار الخلائف/ القاضی محمد بن سلامة بن جعفر الشافعی ط: مطبوعات جامعة أم القری.

۸٤۔ تاریخ القضاء فی الإسلام/ د۔ محمد الزحیلی، ط: دار الفکر، دمشق ۱٤۱۵ھـ ۱۹۹۵ء.

۸۵۔ التاریخ الکبیر / الإمام البخاری، ط: مؤسسة الثقافة، بیروت.

۸٦۔ تاریخ مدینة السلام وأخبار محدثیها و ذکرقطانها العلماء من غیر أهلهاو وأردیها/ أبو بکر أحمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی، ط: دار الغرب الإسلامی، اوّل ۲۰۰۱ھـ.

۸۷۔ تاریخ المذاهب الإسلامیة / أبو زهرة، ط: دار الفکر العربی، اول.

۸۸۔ تاریخ الیعقوبی / أحمد بن أبو یعقوب بن جعفر، ط: دار بیروت، لبنان.

۸۹۔ تاویل مختلف الحدیث/ عبدالله بن مسلم بن قتیبة، تحقیق: محمد محی الدین الاصفر، ط: المکتب الإسلامی ۱٤۰۹ھـ.

۹۰۔ تبصیر المؤمنین بفقه النصر والتمکین فی القرآن الکریم / علی محمد الصلابی، ط: دار الصحابة اوّل ۲۰۰۱ء.

۹۱۔ تحفة الأحوذی بشرح جامع الترمذی/ محمد بن عبدالرحمن المبارکفوری، ط: مطبعة الاعتماد، نشر: محمد عبدالمحسن الکتبی، بتصحیح: عبدالرحمن محمد عثمان.

۹۲۔ تحقیق مواقف الصحابة فی الفتنه من روایات الطبری و المحدثین/ د۔ محمد أمحزون ط: دار طیبة، مکتبة الکوثر، الریاض، اوّل ۱٤۱۵ھـ ۱۹۹٤ء.

۹۳۔ تدریب الراوی فی شرح تقریب النووی / جلال الدین عبدالرحمن بن أبی بکر السیوطی، ط: المکتبة العلمیة، المدینة المنورة، دوم ۱۳۹۲ھـ ۱۹۷۲ء.

۹٤۔ تذکرة الحفاظ/ شمس الدین محمد بن أحمد بن عثمان الذهبی، ط: دار أحیاء التراث، بیروت، لبنان.

۹۵۔ تذکرة السامع و المتکلم فی آداب العالم و المتعلم/ سعد الله بن جماعة، ط: دار الکتب العلمیة، بیروت، لبنان.

۹٦۔ التذکرة فی أحوال الموتٰی وا لآخرة/ أبوعبدالله محمد بن أحمد الأنصاری القرطبی، تحقیق: فواد أحمد زمری، ط: دار الکتاب العربی.

۹۷۔ تراث الخلفاء الراشدین فی الفقه و القضاء/ د۔ صبحی محمصانی، ط: دار العلم للملایین، اوّل ۱۹۸٤ء.

۹۸۔ تفسیر البغوی المسمی بمعالم التنزیل / أبو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی، تحقیق: خالد عبدالله العك، اور مروان سوار، ط: دار المعرفة بیروت، لبنان.

۹۹۔ تفسیر التابعین/ عرض و دراسة مقارنة، د۔ محمد عبدالله علی الخضیری، ط: دار الوطن اوّل ۱۴۲۰ھ۔۱۹۹۹ء۔

۱۰۰۔ التفسیر المنیر فی العقیدة و الشریعة و المنهج / د۔وهبة زحیلی، ط: دار الفکر، بیروت، لبنان، اوّل ۱۴۱۱ھ۔۱۹۹۱ء۔

۱۰۱۔ تفسیر الفخر الرازی / أبو عبدالله محمد بن عمر، ط: دار إحیاء التراث العربی بیروت، دوم

۱۰۲۔ تفسیر القرطبی (الجامع لأحکام القرآن) أبوعبدالله محمد بن أحمد الأنصاری القرطبی، ط: مکتبة الرشد، اوّل ۱۴۱۸ھ۔۱۹۹۷ء۔

۱۰۳۔ تفسیر القرآن العظیم / أبو الفداء إسماعیل بن کثیر القرشی الدمشقی، ط: دار الفکر بیروت، دوم ۱۳۸۹ھ۔۱۹۷۰ء۔

۱۰۴۔ تلبیس إبلیس/ ابن الجوزی، تحقیق: محمود مهدی استانبولی، ۱۳۹۶ھ۔۱۹۷۶ء۔

۱۰۵۔ تقریب التهذیب / ابن حجر العسقلانی۔

۱۰۶۔ تلخیص الحبیر فی أحادیث الرافعی الکبیر/ أبوالفضل أحمد بن علی بن حجر العسقلانی، مراجعه: سید عبدالله هاشم الیمانی المدنی، المدینة المنورة ط:۱۳۸۴ھ۔۱۹۴۴ء۔

۱۰۷۔ تمهید الأوائل و تلخیص الدلائل/ قاضی أبوعلی محمد بن الطیب الباقلانی، ط: موسسة الکتب الثقافیة، اول: ۱۴۰۷ھ۔۱۹۸۷ء۔

۱۰۸۔ التمهید و البیان فی مقتل الشهید عثمان / محمد بن یحییٰ بن أبو بکر المالقی الاندلسی، تحقیق: محمد یوسف زاید، ط: دار الثقافة، الدوحة، اوّل ۱۹۰۵ھ۔۱۹۸۵ء۔

۱۰۹۔ التنبیه و الرد علی أهل الأهواء و البدع/ أبو الحسین محمد بن أحمد الملطی، ط: مکتبة المثنی، بغداد ۱۳۸۸ھ، ۱۹۶۸ء۔

۱۱۰۔ تنزیه خال المؤمنین معاویة بن أبو سفیان من الظلم و الفسق فی مطالبته بدم أمیر المومنین عثمان/ أبو یعلی محمد الفراء، تحقیق و ط: دار النبلاء، عمان ۱۴۲۲ھ۲۰۰۱ء۔

۱۱۱۔ التوضیح و البیان لشجرة الایمان / عبدالرحمن السعدی۔

۱۱۲۔ التوقیف علی مهمات التعاریف/ محمد عبدالرئووف المناوی، تحقیق محمد رضوان الدایة، دار الفکر ۱۴۱۰ھ۔

۱۱۳۔ تهذیب التهذیب / ابن حجر العسقلانی، ط: حیدر آباد، الهند۔

۱۱۴۔ تهذیب الأسماء واللغات/ محی الدین أبوزکریا یحییٰ بن شرف النووی، ط: دار الکتب العلمیه، بیروت، لبنان۔

۱۱۵۔ تهذیب تاریخ دمشق، ط: دار إحیاء التراث العربی، بیروت، سوم ۱۴۰۷ھ۔۱۹۸۷ء۔

۱۱۶۔ تهذیب الکمال فی أسماء الرجال / یوسف عبدالرحمن المزّی، بشار عواد معروف، ط: مؤسسة الرسالة بیروت، اوّل ۱۴۰۵ھ۔

۱۱۷۔ تیسیر الکریم المنان فی سیرة عثمان بن عفان / علی محمد الصلابی، ط: دار النشر و التوزیع، القاهرة، اوّل ۱۴۲۳ھ۔۲۰۰۲ء۔

۱۱۸۔ تیسیر العزیز الحمید لشرح کتاب التوحید/ سلیمان بن عبدالله بن محمد بن عبدالوهاب، ط: مکتبة الریاض الحدیثیة.
۱۱۹۔ تیسیر الکریم الرحمن، فی تفسیر الکریم المنان/ عبدالرحمن بن ناصر السعدی، تحقیق: محمد زهری النجار، ط: المؤسسة السعدیة.

(ث)

۱۲۰۔ ثم أبصرت الحقیقة / محمد سالم الخضر، ط: دار الإیمان، اوّل ۱۴۲۴هـ.
۱۲۱۔ الثقات/ محمد بن حبان بن احمد، ط: مدینة العلم، مکة مکرمة اوّل ۱۳۹۳هـ.

(ج)

۱۲۲۔ جامع بیان العلم و فضله/ أبوعمر یوسف بن عبدالبر النمری القرطبی، ط: دار الفکر، دار الکتب الإسلامیة ۱۴۰۲ه، و طبع چهارم ۱۴۱۹هـ۱۹۹۸ء.
۱۲۳۔ الجامع لأخلاق الراوی و آداب السامع/ حافظ خطیب البغدادی، تحقیق: د۔ محمود الطحان، ط: مکتبة المعارف، الریاض ۱۴۰۳هـ.
۱۲۴۔ الجرح والتعدیل / ابن أبی حاتم، عبدالرحمن بن محمد بن ادریس، ط: دار الکتب العلمیة بیروت، اوّل ۱۲۷۱هـ.
۱۲۵۔ جلاء الإفهام فی الصلاة و السلام علی خیر الأنام/ محمد بن أبی بکر بن أیوب، المشهور بابن القیم الجوزیة، ط: دار القلم، بیروت لبنان.
۱۲۶۔ جمع الجوامع بحاشیة العطار مع شرح جلال الدین المحلٰی/ ابن السبکی، ط: دار الکتب العلمیة بیروت، لبنان.
۱۲۷۔ جولة تاریخیة فی عصر الخلفاء الراشدین / محمد السید الوکیل، ط: دار المجتمع، المدینة المنورة، پنجم ۱۴۱۶هـ۱۹۹۵ء.
۱۲۸۔ الجهاد و القتال فی السیاسة الشرعیة/ محمد خیر هیکل، ط: اوّل ۱۴۱۴هـ۱۹۹۳ء.

(ح)

۱۲۹۔ الحجج الدامغة لنقض کتاب المراجعات/ أبومریم بن محمد الأعظمی.
۱۳۰۔ الحجة فی بیان المحجة و شرح عقیدة أهل السنة/ الحافظ أبوالقاسم إسماعیل الاصبهانی، تحقیق و تعلیق۔ د: محمد ربیع المدخلی، ومحمد بن محمود ابورحیم، ط: دار الرایة، اوّل ۱۴۱۱هـ.
۱۳۱۔ حقبة من التاریخ/ عثمان الخمیس، ط: دار الإیمان، الاسکندریة.
۱۳۲۔ حقیقة البدعة و أحکامها/ سعید ناصر الغامدی، ط: مکتبة الرشد، ریاض اوّل ۱۴۱۲هـ۱۹۹۲ء.
۱۳۳۔ الحکم والتحاکم فی خطاب الوحی/ عبدالعزیز مصطفی کامل، ط: دار طیبة اوّل ۱۴۱۵هـ۱۹۹۵ء.
۱۳۴۔ حلیة الأولیاء و طبقات الأصفیاء / أبونعیم أحمد عبدالله الأصفهانی، ط: دار الکتب العلمیة، بیروت، لبنان.
۱۳۵۔ الحیاة الاجتماعیة و الاقتصادیة فی الکوفة فی القرآن الاول الهجری/ محمد حسین الزبیدی، ط: القاهرة ۱۹۷۰ء.

۱۳۶۔ الحیاۃ الاقتصادیۃ فی العصور الإسلامیۃ الاولیٰ/ د۔محمد ضیف اللہ بطانیۃ، ط: دار طارق، دار الکندی، الاردن۔

(خ)

۱۳۷۔ الخراج/ أبویوسف یعقوب بن إبراھیم، ط: المکتبۃ السلفیۃ، القاھرۃ، سوم ۱۳۸۲ھ۔
۱۳۸۔ خصائص امیر المومنین علی بن أبی طالب / ابوعبدالرحمن أحمد بن شعیب النسائی، تحقیق: أحمد میرین البلوچی، ط: مکتبۃ المعلا، الکویت، اوّل ۱٤۰٦ھ۔۱۹۸٦ء۔
۱۳۹۔ الخطوط العریضۃ للاسس التی قام علیھا دین الشیعۃ الإمامیۃ الاثنا عشریۃ/ محب الدین الخطیب، ط: المطبعۃ السلفیۃ القاھرۃ ۱۹۹۳ء۔
۱٤۰۔ خلاصۃ التشریع الإسلامی / عبدالوھاب خلاف، ط: دار القلم، دوم ۱٤۰۲ھ۔۱۹۸۲ء۔
۱٤۲۔ خلاصۃ الخلافۃ الراشدۃ من تاریخ ابن کثیر/ محمد کنعان، ط: مؤسسۃ المعارف بیروت لبنان، اوّل ۱٤۱۷ھ۔۱۹۹۸ء۔
۱٤۳۔ الخلافۃ الراشدۃ و الدولۃ الأمویۃ من فتح الباری/ یحییٰ بن إبراھیم الیحی، ط: دار الھجرۃ، اوّل ۱٤۱۷ھ۔۱۹۹٦ء۔
۱٤٤۔ الخلافۃ بین التنظیر والتطبیق/ محمود المرداوی، اوّل ۱٤۰۳ھ۔۱۹۸۳ء۔
۱٤۵۔ خلافۃ علی بن أبی طالب/ عبدالحمید علی ناصر الفقیھی Thesis برائے M.A جامعۃ اسلامیۃ مدینۃ منورۃ، اشراف: ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری......غیر مطبوع۔
۱٤٦۔ خلافۃ علی بن أبی طالب مستخرج من البدایۃ والنھایۃ۔ تھذیب وترتیب: ڈاکٹر محمد صامل السلمی، ط: دار الوطن، اوّل ۱٤۲۲ھ۔۲۰۰۲ء۔
۱٤۷۔ خلفاء الرسول / خالد محمد خالد، ط: دار ثابت القاھرۃ، دار الفکر، دمشق، اوّل ۱٤۱۵ھ۔ ۱۹۹٤ء۔
۱٤۸۔ الخوارج/ ناصر العقل، ط: دار الوطن، الریاض، المملکۃ العربیۃ السعودیۃ، اوّل ۱٤۱٦ھ۔
۱٤۹۔ الخوارج دراسۃ و نقد لمذھبھم/ ناصر بن عبداللہ السَّعْوِی، ط: دار المعارج الدولیۃ الریاض، اوّل ۱٤۱۷ھ۔۱۹۹٦ء۔
۱۵۰۔ الخوارج و الشیعۃ / بولیوس فلھاوزن۔
۱۵۱۔ الخلیفتان: عثمان و علی بین السنۃ والشیعۃ/ أنور عیسیٰ، غیر مطبوع۔

(د)

۱۵۲۔ دراسات تربویۃ فی الاحادیث النبویۃ/ محمد لقمان الأعظمی الندوی، ط: دار العبیکان، اوّل ۱٤۱۷ھ۔۱۹۹۷ء۔
۱۵۳۔ الدراھم المضروبۃ علی الطراز الساسانی للخلفاء الراشدین فی المتحف العراقی / و داد علی قزار، مجلۃ المسکوکات، مدیریۃ الآثار العامۃ بغداد، الجزء (۱) المجلد (۱) ۱۹٦۹ء۔
۱۵٤۔ دراسات عن الفرق وتاریخ المسلمین/ د۔أحمد محمد جلبی، ط: شرکۃ الطباعۃ العربیۃ السعودیۃ، اوّل ۱٤۰٦ھ۔

۱۵۵۔ دراسات فی الأهواء والفرق و البدع و موقف السلف منها/ د۔ناصر بن عبدالكريم العقل، ط: دار اشبيليا، رياض، اوّل ۱۴۱۸ھ۔۱۹۹۷ء.
۱۵۶۔ دراسة فی تاريخ الخلفاء الأمويين / د۔محمد حنيف الله بطانية، ط: دار الفرقان للنشر و التوزيع، عمان، اوّل ۱۴۲۰ھ۔۱۹۹۹ء.
۱۵۷۔ دراسات فی عهد النبوة والخلافة الراشدة/ دعبدالرحمن الشجاع، ط: دار الفكر المعاصر، صنعاء، اوّل ۱۴۱۹ھ۔۱۹۹۹ء.
۱۵۸۔ الدر المنثور فی التفسير بالماثور / عبدالرحمن جلال الدين السيوطی، ط: دار الفكر بيروت، اوّل ۱۴۰۳ھ۔۱۹۸۳ء.
۱۵۹۔ الدور السياسی للصفوة فی صدر الإسلام / السيد عمر، ط: معهد الفكر العالی.
۱۶۰۔ دورالمرأة السياسی فی عهد النبی والخلفاء الراشدين/ إسماء محمد أحمد زيادة، ط: دارالسلام، اوّل ۱۴۲۱ھ۔۲۰۰۱ء.
۱۶۱۔ الدولة الأموية / يوسف العشی، ط: دار الفكر، دوم ۱۴۰۶ھ۔۱۹۸۵ء.
۱۶۲۔ الدولة والسيادة فی الفقه الإسلامی/ فتحی عبدالكريم، ط: مكتبة وهبة دوم ۱۴۰۴ھ۔۱۹۸۴ء.
۱۶۳۔ دعاوی الانقاذ للتاريخ الإسلامی/ د۔سلمان بن فهد العودة، انٹرنیٹ پر پیش کردہ ایک مقالہ.

(ر)

۱۶۴۔ رجال الفكر و الدعوة/ أبوالحسن علی الندوی، ط: دار ابن كثير.
۱۶۵۔ الرسالة التدمرية / ابن تيميه، تحقيق: زهير الشاويش، ط: المكتب الإسلامی، دوم ۱۳۹۱ھ۔
۱۶۶۔ رجال الكشی/ أبوعمرو محمد بن عمر بن عبدالعزيز الكشی۔ تقديم و تعليق: أحمد السيد الحسينی.
۱۶۷۔ الرواة الذين تاثروا بابن سبا / د۔ سعد الهاشمی، ط: اوّل ۱۴۱۳ھ۔۱۹۹۲ء.
۱۶۸۔ روايات تاريخ الصحابة فی ميزان الجرح والتعديل/ د۔عبدالعزيز صغير دخان، اوّل ۱۹۹۸ء الشوكانی باليمن.
۱۶۹۔ روح المعانی/ الآلوسی.
۱۷۰۔ روضة الناظر و جنة المناظر/ ابن قدامه، موفق الدين عبدالله بن أحمد المقدسی، ط: المطبعة السلفية، القاهرة، چهارم ۱۳۹۱ھ۔
۱۷۱۔ رياض النفوس / أبوبكر عبدالله بن محمد المالكی، ط: دار الغرب الإسلامی بيروت، لبنان ۱۴۰۳ھ۔۱۹۸۳ء.
۱۷۲۔ الرياض النظرة فی مناقب العشرة/ أبوجعفر أحمد، المعروف بالمحب الطبری، ط: المكتبة القيمة القاهرة.

(ز)

۱۷۳۔ زاد المعاد/ ابن القيم الجوزية، تحقيق: شعيب الانؤوط و عبدالقادر الارنؤط، ط: دار الرسالة، اوّل ۱۳۹۹ھ۔
۱۷۴۔ الزبير بن العوام الثروة و الثورة / عبدالعظيم الديب، ط: مكتبة ابن تيمية، بحرين.

۱۷۵۔ زواج عمر بن الخطاب عن أم كلثوم بنت على بن أبى طالب حقيقة و ليس افتراء، تاليف: أبومعاذ الإسماعيلى.
۱۷۶۔ الزهد/ ابن المبارك.
۱۷۷۔ الزهد/ الإمام أحمد بن حنبل.

(س)

۱۷۸۔ سبل السلام/ الأمير الصنعانى.
۱۷۹۔ سفراء النبى/ محمود شيث خطاب، ط: موسسة الريان، دار الأندلس الخضراء، اوّل ۱٤۱۷ھ۔ ۱۹۹٦ء.
۱۸۰۔ سلسلة الأحاديث الصحيحة/ ناصر الدين البانى، ط: المكتب الإسلامى، الرياض.
۱۸۱۔ سلسلة الأحاديث الضعيفة/ ناصر الدين ألبانى، ط: مكتبة المعارف الرياض، اوّل ۱٤۲۲ھ۔۲۰۰۳ء.
۱۸۲۔ سنن ابن ماجه/ حافظ أبوعبدالله محمد بن زيد القزوينى، ط: دار الفكر، بيروت.
۱۸۳۔ سنن أبى داوٗد/ امام ابوداوٗد سليمان السجستانى، تحقيق و تعليق: عزت دعاس، ط: سوريا ۱۳۹۱ھ۔
۱۸٤۔ سنن النسائى/ أحمد بن شعيب بن على بن بحر بن سنان بن دينار النسائى مع شرح جلال الدين السيوطى، و حاشية السندى، ط: دار الفكر بيروت، ۱۳٤۸ھ۔ ۱۹۳۰ء.
۱۸۵۔ سنن سعيد بن منصور/ ط: دار الصميعى، الرياض، دوم۱٤۲۰ھ۔ ۲۰۰۰ء.
۱۸٦۔ السنة/ ابوبكر، أحمد بن محمد الخلال، تحقيق: عطيه الزهرانى، ط: دار الراية، اوّل ۱٤۱۰ھ۔
۱۸۷۔ السنة/ عبدالله بن أحمد بن حنبل، تحقيق: أبوهاجر محمد السعيد ابن السيوتى زغلول، ط: دار الكتب العلمية، بيروت لبنان.
۱۸۸۔ السنة ومكانتها فى التشريع الإسلامى/ د۔مصطفى السباعى، ط: المكتب الإسلامى، چهارم ۱٤۰۵ھ۔ ۱۹۸۵ء.
۱۸۹۔ سورة الحجرات/ د۔ناصر العمر، ط: دار الصديق، صنعاء، سوم ۱٤۲۲ھ۔ ۲۰۰۲ء.
۱۹۰۔ السيادة العربية و الشيعة و الاسرائيليات / فان فولٹن، ترجمه: حسن إبراهيم حسن، اور محمد زكى إبراهيم، ط: مكتبة النهضة المصرية القاهرة دوم ۱۳۸۵ھ۱۹٦۵ء.
۱۹۱۔ السياسة المالية لعثمان بن عفان / الهيئة المصرية العامة للكتاب ۱۹۸٦ء.
۱۹۲۔ السياسة الشرعية فى اصلاح الراعى و الرعية/ ابن تيمية، ط: المطبعة السلفية و مكتبتها، القاهرة ۱۳۸۷ھ۔
۱۹۳۔ سير أعلام النبلاء / محمد بن أحمد بن عثمان الذهبى، ط: الرسالة، هشتم۱٤۱۰ھ۔ ۱۹۹۰ء.
۱۹٤۔ سير السلف/ أبوالقاسم الاصفهانى، ط: دار الراية، الرياض، اوّل ۱٤۲۰ھ۔۱۹۹۹ء.
۱۹۵۔ سير الشهداء دروس و عبر/ عبدالحميد بن عبدالرحمن السحيبانى، ط: دار الوطن، اوّل ۱٤۱۹ھ۔ ۱۹۹۹ء.
۱۹٦۔ السيرة النبوية الصحيحة / د۔اكرم ضياء العمرى، ط: مكتبة المعارف، و مكتبة العلوم و الحكم، المدينة النبوية، اوّل ۱٤۱۲ھ۔ ۱۹۹۲ء.

۱۹۷ـ السيرة النبوية فى ضوء القرآن و السنة/ محمد أبوشهبة، ط: دار القلم، دمشق، سوم ١٤١٧هـ ١٩٩٦ء.
۱۹۸ـ السيرة النبوية / ابن هشام، ط: دار الفكر بدون تاريخ .
۱۹۹ـ السيرة النبوية فى ضوء المصادر الأصلية / د۔مهدى رزق الله أحمد، ط: مركز الملك فيصل للبحوث و الدراسات الإسلامية، اوّل ١٤١٢هـ ١٩٩٢ء.
۲۰۰ـ السيل الجرار المتدفق على حدائق الأزهار/ محمد بن على الشوكانى، تحقيق: محمود إبراهيم، ط: دار الكتب العلمية، اوّل ١٤٥٥هـ ١٩٨٥ء.
۲۰۱ـ السيف اليمانى فى نحر الأصفهانى / وليد الأعظمى، ط: دار الوفاء مصر، دوم ١٤١٠هـ ١٩٨٩ء.

(ش)

۲۰۲ـ شذرات الذهب فى أخبار من ذهب/ أبوالفلاح عبدالحئى بن أحمد بن محمد الحنبلى/ ط: المكتب التجارى، للطباعة و النشر، بيروت .
۲۰۳ـ شرح اعتقاد أهل السنة و الجماعة/ ابوالقاسم هبة الله بن الحسن بن منصور الطبرى اللالكائى، تحقيق: أحمد سعد حمدان الغامدى، ط: دار طيبة، الرياض .
۲۰۴ـ شرح الصدور ببيان بدع الجنائز والقبور / أبو عمر عبدالله بن محمد الحمادى، ط: مكتبة الصحابة، الشارقة، اوّل ١٤٢٠هـ ١٩٩٩ء.
۲۰۵ـ شرح صحيح مسلم / النووى، ط: دار الفكر، بيروت ١٤٠١هـ ١٩٨١ء.
۲۰۶ـ شرح العقيدة الطحاوية/ محمد بن على بن محمد الاذرعى، تخريج: محمد ناصر الدين ألبانى، ط: المكتب الإسلامى، بيروت ١٣٩١هـ.
۲۰۷ـ شرح نهج البلاغة/ ابن أبى الحديد، تحقيق: حسن تميم، ط: مكتبة الحياة، بيروت .
۲۰۸ـ شرف أصحاب الحديث/ الخطيب البغدادى، تحقيق: محمد سعيد الأوغلى، ط: دار أحياء السنة النبوية .
۲۰۹ـ الشرك فى القديم والحديث/ أبوبكر محمد زكريا، ط: مكتبة الرشد، الرياض، اوّل ١٤٢١هـ ٢٠٠٠ء.
۲۱۰ـ الشريعة/ أبوبكر محمد بن الحسين الآجرى، تحقيق: د۔عبدالله بن سليمان الدميجى، ط: دا رالوطن، الرياض، اوّل ١٤١٨هـ ١٩٩٧ء.
۲۱۱ـ الشفاء بتعريف حقوق المصطفى/ أبوالفضل عياض بن موسىٰ اليحصبى الأندلسى، ط: مطبعة البأبى الحلبى، آخرى طبع ١٣٦٩هـ ١٩٥٠ء.
۲۱۲ـ الشيخان أبوبكر الصديق و عمر من رواية البلاذرى فى أنساب الأشراف/ تحقيق: د۔ أحمد احسان الصديق العمد، ط: الموتمن للنشر، السعودية، سوم ١٤١٨هـ ١٩٩٧ء.
۲۱۳ـ الشيعة والسنة/ إحسان الٰهى ظهير، ط: إدارة ترجمان السنة، لاهور، پاكستان .
۲۱۴ـ الشيعة والقرآن/ إحسان الٰهى ظهير، ط: إدارة ترجمان السنة، لاهور، پاكستان .

(ص)

۲۱۵۔ الصارم المسلول على شاتم الرسول/ شيخ الإسلام ابن تيميه، تحقيق: محى الدين عبدالحميد، ط: عالم الكتب ١٤٠٢هـ ١٩٨٢ء.

۲۱٦۔ الصحاح تاج اللغة و صحاح العربية / إسماعيل بن حماد الجوهرى، تحقيق: أحمد عبدالغفور، القاهرة، دوم ١٤٠٢هـ.

۲۱۷۔ صحيح البخارى/ أبوعبدالله محمد بن إسماعيل البخارى، ط: دار الفكر، ١٤١١هـ ١٩٩١ء.

۲۱۸۔ صحيح التوثيق فى سيرة على بن أبى طالب/ مجدى فتحى السيد، ط: دار الصحابة طنطا، اوّل ١٤١٧هـ ١٩٩٦ء.

۲۱۹۔ صحيح سنن أبى داوٗد / محمد ناصر الدين ألبانى، ط: متكبة التربية العربى لدول الخليج، الرياض.

۲۲۰۔ صحيح سنن ابن ماجه / محمد ناصر الدين ألبانى، ط: متكبة التربية العربى لدول الخليج، الرياض ١٤٠٨هـ.

۲۲۱۔ صحيح سنن الترمذى / محمد ناصر الدين ألبانى، ط: متكبة التربية العربى لدول الخليج، الرياض ١٤٠٨هـ.

۲۲۲۔ صحيح سنن النسائى / محمد ناصر الدين ألبانى، ط: متكبة التربية العربى لدول الخليج، الرياض ١٤٠٨هـ.

۲۲۳۔ صحيح السيرة النبوية / إبراهيم العلى، ط: دار النفائس، سوم ١٤٠٨هـ ١٩٩٨ء.

۲۲٤۔ صحيح مسلم/ بتحقيق: محمد فواد عبدالباقى، ط: دار أحيائالتراث العربى، بيروت، لبنان، دوم ١٩٧٢ء.

۲۲٤۔ صحيح مسلم مع النووى / مسلم بن الحجاج القشيرى، ط: المطبعة المصرية، الأزهر، اوّل ١٣٤٧هـ ١٩٢٩ء.

۲۲۵۔ الصحيح المسند فى فضائل الصحابة / أبوعبدالله مصطفى العدوى، ط: دار ابن عفان، الخبر، السعودية اوّل ١٤١٦هـ ١٩٩٥ء.

۲۲٦۔ صحيح موارد الظمآن إلى زوائد ابن حبان / ألبانى، دار الصميعى السعودية، اوّل ١٤٢٢هـ ٢٠٠٢ء.

۲۲۷۔ الصحوة الإسلامية بين الجحود و التطرف/ د۔ يوسف القرضاوى، ضمن كتاب الأمة، ط: چهارم، ١٤٠٥هـ ١٩٨٥ء.

۲۲۸۔ صفة الصفوة / أبوالفرج ابن الجوزى، ط: دار المعرفة، بيروت، لبنان.

۲۲۹۔ الصواعق المحرقة على أهل الرفض و الضلال و الزندقة/ ابوالعباس أحمد بن محمد بن على بن حجر الهيثمى، ط: مؤسسة الرسالة، بيروت، اوّل ١٤١٧هـ ١٩٩٧ء.

۲۳۰۔ صيد الخاطر/ ابن الجوزى.

(ض)

۲۳۱۔ ضحى الإسلام / أحمد أمين.

(ط)

۲۳۲۔ الطبقات / ابن سعد، ط: دار صادر، بيروت، لبنان.

۲۳۳۔ الطرق الحكمية فى السياسة الشرعية/ ابن القيم الجوزية.

(ظ)

۲۳۴۔ ظاهرة التكفير / الأمين الحاج محمد أحمد، ط: مكتبة دار المطبوعات الحديثة، جده، السعودية، اوّل ۱۴۲۱ھ۔۱۹۹۲ء۔

۲۳۵۔ ظاهرة الغلو فی الدين فی العصر الحديث / محمد عبدالحكيم، اوّل ۱۴۱۱ھ۔۱۹۹۱ء۔

(ع)

۲۳۶۔ عائشة والسياسة/ سعيد الأفغانی، ط: دار الفكر، بيروت، دوم ۱۳۹۱ھ۔۱۹۷۱ء۔

۲۳۷۔ عبدالله بن سباء و أثره فی أحداث الفتنة فی صدر الإسلام / سليمان بن حمد العودة، ط: دار طيبة، الرياض، سوم ۱۴۱۲ھ۔

۲۳۸۔ عبدالله بن سبا الحقيقة المجهولة / محمد علی المعلم۔

۲۳۹۔ عبقرية علی/ عباس محمود العقاد، ط: المكتبة العصرية، بيروت۔

۲۴۰۔ عثمان بن عفان / صادق عرجون، ط: الدار السعودية سوم ۱۴۱۰ھ۔۱۹۹۰ء۔

۲۴۱۔ عثمان بن عفان الخليفة الصابر الشاكر/ دار القلم، دمشق اوّل ۱۴۱۲ھ۔۱۹۹۱ء۔

۲۴۲۔ العثمانية / الجاحظ، تحقيق عبدالسلام هارون، ط: دار الجيل، بيروت، اول۔

۲۴۳۔ عدة الصابرين وذخيرة الشاكرين/ ابن القيم، ط: دار الكتب العلمية، بيروت۔

۲۴۴۔ العرافة و النقابة مؤسستان اجتماعيتان مهمتان فی العهد النبوی / محمد يوسف الفاروقی، ط: مجمع البحوث الإسلامية، الجامعة الإسلامية، اسلام آباد، پاکستان۔

۲۴۵۔ العزلة و الخلطة أحكام و أحوال / د۔سلمان بن فهد العودة، اوّل ۱۴۱۳ھ۔۱۹۹۳ء۔

۲۴۶۔ عصر الخلافة الراشدة / د۔ اكرم ضياء العمری، ط: مكتبة العلوم و الحكم، المدينة المنورة، اوّل ۱۴۱۴ھ۔۱۹۹۴ء۔

۲۴۷۔ عقائد الثلاث و السبعين فرقة / أبومحمد اليمنی، تحقيق و دراسة: محمد عبدالله زربان الغامدی، ط: مكتبة دار العلوم، اوّل ۱۴۱۴ھ۔

۲۴۸۔ عقائد الشيعة / رونالڈسن ڈیوائڈ، تعريب (ع۔م۔) ط: مكتبة الخانجی القاهرة ۱۳۶۵ھ۔۱۹۴۶ء۔

۲۴۹۔ العقيدة و الشريعة الإسلامية، گولڈزيهراجناس/ مترجم: ڈاکٹر محمد يوسف و ديگر، ط: دار الكتب الحديثة القاهرة۔

۲۵۰۔ عقيدة الإمام ابن قتيبة / د۔علی بن نفيع العليانی، ط: مكتبة الصديق السعودية اوّل ۱۴۱۲ھ۔۱۹۹۱ء۔

۲۵۱۔ عقيدة أهل السنة والجماعة فی الصحابه الكرام / ناصر علی عائض حسن الشيخ، ط: مكتبة الرشد، الرياض، اوّل ۱۴۱۳ھ۔۱۹۹۳ء۔

۲۵۲۔ العقيدة فی أهل البيت بين الإفراط و التفريط / د۔سليمان بن سالم بن رجاء السحيمی، ط: مكتبة البخاری، اوّل ۱۴۲۰ھ۔۲۰۰۰ء۔

۲۵۳۔ علی بن أبی طالب / خالد البيطار۔

۲۵۴۔ علی بن أبی طالب / عبدالستار الشيخ، اوّل ۱۴۱۲ھ۔۱۹۹۱ء۔

۲۵۵۔ علی بن أبی طالب مستشار اٗمين للخلفاء الراشدين / د۔محمد عمر الحاجی، ط: دارالحافظ،

دمشق، اوّل ۱۹۹۸ء.
۲۵۶۔ علی بن أبی طالب/ د۔علی شرفی، ط: دار الکندی أربد، الأردن اوّل ۲۰۰۱ء.
۲۵۷۔ عمدة القاری شرح صحیح البخاری / بدر الدین العینی.
۲۵۸۔ عمار بن یاسر / أسامه بن أحمد سلطان، ط: المکتبة المکیة، السعودیة، اوّل ۱۴۲۰ھ۔۱۹۹۹ء.
۲۵۹۔ عمرو بن العاص الأمیر المجاهد/ د۔منیر محمد الغضبان، ط: جامعة ام القریٰ، اوّل ۱۴۲۰ھ۔
۲۶۰۔ عمروبن العاص/ محمود العقاد، ط: دار الکتاب العربی بیروت، لبنان، دوم ۱۹۶۹ء.
۲۶۱۔ العواصم من القواصم/ قاضی أبوبکر بن العربی، بتحقیق: محب الدین الخطیب، اعداد: محمد سعید مبیض، ط: دار الثقافة، قطر، الدوحة، دوم ۱۴۸۹ھ۔
۲۶۲۔ عیون الأخبار/ أبومحمد عبدالله بن مسلم بن قتیبه، ط: دار الکتب العلمیة، اوّل ۱۴۰۶ھ۔۱۹۸۶ء.

(غ)

۲۶۳۔ غزوه الحدیبیة/ أبوفارس، ط: دار الفرقان، الأردن.
۲۶۴۔ الغلو فی الدین/ د۔الصادق عبدالرحمن الغریان، ط: دار السلام، اوّل ۱۴۲۲ھ۔۲۰۰۰ء.
۲۶۵۔ غیاث الأمم فی تیاث الظلم / إمام الحرمین الجوینی، تحقیق: عبدالعظیم الدیب، ط: مطابع الدوحة الحدیثیة، قطر، اوّل ۱۴۰۰ھ۔

(ف)

۲۶۶۔ فتاوٰی فی التوحید/ عبدالله بن جبرین، السعودیة.
۲۶۷۔ فتح الباری/ ابن حجر عسقلانی، ط: المطبعة السلفیة، دوم ۱۴۱۰ھ۔
۲۶۸۔ فتح العزیز شرح الوجیز/ إمام أبوالقاسم عبدالکریم محمد الرفاعی، ط: درحاشیۂ مجموع.
۲۶۹۔ فتح القدیر الجامع بین فنی الروایة والدرایة من علم التفسیر/ محمد علی الشوکانی، ط: مطبعة مصطفی البأبی الحلبی، مصر، دوم ۱۳۸۳ھ۔
۲۷۰۔ فتح المغیث شرح الفیة الحدیث/ محمد بن عبدالرحمن السخاوی، ط: دار الکتب العلمیة بیروت، لبنان.
۲۷۱۔ فتنة مقتل عثمان بن عفان/ محمد بن عبدالله الغبان، ط: مکتبة العبیکان، ریاض، اوّل ۱۴۱۹ھ ۱۹۹۹ء.
۲۷۲۔ الفتنة الکبریٰ علی وبنوه/ طٰه حسین، ط: دار المعارف، مصر ۱۹۶۶ء.
۲۷۳۔ فتوح الشام/ محمد عبدالله الأزدی، تحقیق، عبدالمنعم عبدالله عامر، ط: موسسة القاهرة ۱۹۷۰ء.
۲۷۴۔ فرائد الکلام للخلفاء الکرام / قاسم عاشور، ط: دار طویق، الریاض ۱۴۱۹ھ۔۱۹۹۸ء.
۲۷۵۔ فرسان فی عصر النبوة/ أحمد خلیل جمعه، ط: الیمامة، دمشق ۱۴۲۰ھ۔۱۹۹۹ء.
۲۷۶۔ الفرق بین الفرق / عبدالقاهر بن طاهر البغدادی، تعلیق: محمد محی الدین عبدالحمید، ط: مکتبة عبدالحمید صبیح، مصر.
۲۷۷۔ فصل الخطاب فی سیرة عمر بن الخطاب/ علی محمد الصلابی، ط: دار الصحابة، الأمارات، ۲۰۰۲ء.

۲۷۸۔ الفصل فی الملل و الأهواء والنحل / أبومحمد بن حزم الظاهری، ط: مکتبة الخانجی، القاهرة، مصر.
۲۷۹۔ فضائل الصحابة/ أبوعبدالله أحمدبن حنبل، ط: دار ابن الجوزی، السعودیة، دوم ۱۴۲۰ھ۔ ۱۹۹۹ء.
۲۸۰۔ فقه الإمام علی بن أبی طالب / أحمد محمد طه، Thesis برائے M.A. جامعة بغداد، قسم الدراسات الإسلامیة الدینیة، غیر مطبوع.
۲۸۱۔ فقه التمکین فی القرآن الکریم / علی محمد الصلابی، ط: دار الوفاء المنصورة، اوّل ۱۴۲۱ھ۔ ۲۰۰۱ء.
۲۸۲۔ فقه السیرة النبویة / محمد سعید رمضان، ط: دار الفکر، سوریا، دمشق، یازدهم ۱۹۹۱ء.
۲۸۳۔ الفکر الشیعی و النزعات الصوفیة/ کامل الشیبی، ط: مکتبة النهضة، مطابع دار التضامن بغداد ۱۳۸۶ھ۔
۲۸۴۔ فن الحکم الإسلامی/ مصطفی أبوزید فهمی، ط: المکتبة المصری الحدیث.
۲۸۵۔ فی ظلال القرآن / سید قطب، ط: دار الشروق، پچیسویں طباعت، الطباعة الشرعیة ۱۴۱۷ھ۔ ۱۹۹۶ء.
۲۸۶۔ فی ظلال الإیمان / صلاح عبدالفتاح الخالدی، ط: مکتبة المنار، الأردن، الزرقاء، اوّل ۱۴۰۷ھ۔ ۱۹۸۷ء.
۲۸۷۔ فیض القدیر شرح الجامع الصغیر/ عبدالروف المناوی، ط: دار الفکر للطباعة و النشر دوم ۱۳۹۱ھ۔ ۱۹۷۳ء.

(ق)

۲۸۸۔ القاموس المحیط/ مجد الدین محمد بن یعقوب الفیروز آبادی، ط: المؤسسة العربیة للطباعة والنشر، بیروت لبنان.
۲۸۹۔ قراءة سیاسیة للسیرة النبویة / محمد قلعجی، ط: دار النفائس، بیروت، لبنان، اوّل ۱۴۱۶ھ۔ ۱۹۹۶ء.
۲۹۰۔ قصص لا تثبت/ سلیمان بن صالح الخراشی، ط: دار الصمیعی، الریاض ۱۴۲۰ھ۔۱۹۹۹ء.
۲۹۱۔ قواعد فی التعامل مع العلماء / د۔عبدالرحمن بن المعلا اللویحق، ط: دار الورّاق السعودیة، اوّل ۱۴۱۰ھ۔۱۹۹۲ء.
۲۹۲۔ القول المفید علی کتاب التوحید/ محمد صالح العثمین، ط: دار العاصمة، اوّل ۱۴۱۵ھ۔
۲۹۳۔ القیادة العسکریة فی عهد الرسول / ط: دار القلم اوّل ۱۴۱۰ھ۔ ۱۹۹۰ء.

(ک)

۲۹۴۔ الکامل فی ضعفاء الرجال/ ابن عدی، حافظ أحمد بن عبدالله الجرجانی، ط: دار الفکر، بیروت دوم ۱۴۰۵ھ۔
۲۹۵۔ کتاب أهل البغی من الحاوی الکبیر / أبوالحسن الماوردی.
۲۹۶۔ الکشاف / جار الله محمود الزمخشری، ط: دار المعرفة بیروت.

۲۹۷۔ الکفایة/ أحمد بن علی الخطیب، تحقیق: د۔أحمد عمر هاشم، ط: دار الکتاب العربی، اوّل ۱٤۰۵ھ۔

۲۹۸۔ کنز العمال فی سنن الأقوال و الأفعال / تصنیف: ندیم مرعشلی اور اسامه مرعشلی، ط: موسسة الرسالة ۱٤۱۳ھ۔۱۹۹۳ء.

(ل)

۲۹۹۔ لسان المیزان / ابن حجر العسقلانی، ط: مؤسسة الاعلمی للمطبوعات، بیروت، دوم ۱۳۹۰ھ.

۳۰۰۔ لطائف المعارف / ابن رجب الحنبلی، ط: دار ابن کثیر.

۳۰۱۔ لمحات اجتماعیة من تاریخ العراق/ د۔ علی الوردی، ط: مطبعة الإرشاد، بغداد ۱۹٦۹ء.

۳۰۲۔ لمع الأدلة فی عقائد أهل السنة/ الجوینی، عبدالملک بن عبدالله بن یوسف، تحقیق: فوقیة حسین محمود، ط: الدار المصریة.

۳۰۳۔ لیس من الإسلام/ محمد الغزالی، ط: دار القلم، اوّل ۱٤۲۰ھ۔۱۹۹۹ء.

(م)

۳۰٤۔ المبسوط/ محمد بن أحمد بن أبی سهل السرخسی، ط: دار المعرفة، بیروت.

۳۰۵۔ المتجر الرابح فی ثواب العلم الصالح/ الدمیاطی، یہ کتاب اردو میں مترجم ہے اور الدار السّلفیہ بمبئی سے مطبوع ہے۔

۳۰٦۔ المجروحین من المحدثین و الضعفاء والمتروکین/ ابن حبان البستی، محمود إبراهیم زید، ط: دار المعرفة بیروت، لبنان.

۳۰۷۔ مجلة البحوث الإسلامیة / العدد العاشر، السعودیة.

۳۰۸۔ مجمع الزوائد و منبع الفوائد/ نور الدین علی بن أبی بکر الهیثمی، ط: دار الریان، القاهرة، دار الکتاب العربی، بیروت.

۳۰۹۔ مجموعة الوثائق السیاسة فی العهد النبوی و الخلافة الراشدة/ محمد حمید الله، ط: دار النفائس، پنجم ۱٤۰۵ھ۔۱۹۸۵ء.

۳۱۰۔ المجموع شرح المهذب/ أبوزکریا، یحییٰ بن شرف النووی، ط: مطبعة الإمام، مصر.

۳۱۱۔ مجموعة الفتاوٰی/ تقی الدین أحمد بن تیمیه الحرانی، ط: مکتبة العبیکان، الریاض، اوّل ۱٤۱۸ھ۔۱۹۹۷ء.

۳۱۲۔ المحاسن النفسانیة فی أجوبة المسائل الخراسانیة/ حسین آل عصفور البحرانی، ط: دار المشرق العربی، بیروت اور البحرین.

۳۱۳۔ المحلی بالآثار/ أبو محمدعلی بن أحمد بن سعید بن حزم الأندلسی، ط: دار الکتب العلمیة، بیروت، لبنان.

۳۱٤۔ المحصول فی علم الأصول / فخر الدین محمد عمر بن حسین الرازی، ط: مؤسسة الرسالة، سوم ۱٤۱۸ھ۔۱۹۹۷ء.

۳۱۵۔ مختصر التحفة الاثنا عشریة / سید محمود شکری الآلوسی، ط: مکتبة إیشیق، استنبول ترکیا ۱۳۹۹ھ۔۱۹۷۹ء.

٣١٦۔ المختصر من كتاب الموافقة بين أهل البيت والصحابة / زمخشری، تحقيق: سيد إبراهيم صادق، ط: دار لحديث ١٤٢٢ھ۔ ٢٠٠١ء.
٣١٧۔ مختصر منهاج القاصدين/ أحمد بن عبدالرحمن المقدسی، ط: مكتبة البيان، دمشق ١٣٩٨ھ۔
٣١٨۔ مختصر تفسير القرآن العظيم المسمى: عمدة التفسير عن الحافظ ابن كثير/ اختصار و تحقيق: أحمد شاكر، ط: دار طيبة، دار الوفاء، اوّل ١٤٢٤ھ۔٢٠٠٣ء
٣١٩۔ مدارج السالكين/ ابن القيم، تحقيق: محمد حامد الفقی، ط: دار الكتاب العربی، بيروت ١٣٩٢ھ۔
٣٢٠۔ المدونة الكبرٰی/ إمام مالك بن أنس، ط: اوفسٹ پريس، دار صادر، بيروت ١٣٢٣ھ۔
٣٢١۔ المدينة النبوية فجر الإسلام و العصر الراشدی/ محمد محمد حسن الشراب، ط: دار القلم، الدراسات الشامية، بيروت، اوّل ١٤١٥ھ۔ ١٩٩٤ء.
٣٢٢۔ المراسيل / ابن أبی حاتم، ط: مؤسسة الرسالة، بيروت، اوّل ١٣٩٧ھ۔
٣٢٣۔ المرتضٰی فی سيرة أمير المومنين أبوالحسن علی بن أبی طالب/ أبی الحسن علی الندوی، ط: دار القلم، دمشق، دوم ١٤١٩ھ۔١٩٩٨ء.
٣٢٤۔ مروج الذهب و معادن الجوهر/ أبو الحسن علی بن حسين بن علی المسعودی، ط: دار المعرفة بيروت، لبنان ١٤٠٣ھ۔ ١٩٨٢ء.
٣٢٥۔ مرويات غزوة الحديبية / حافظ الحكمی، ط: دار ابن القيم، اوّل ١٤١١ھ۔ ١٩٩١ء.
٣٢٦۔ المروی عن أمير المومنين علی بن أبی طالب فی التفسير عن سورة المائدة إلى سورة الناس/ رسالة Thesis برائے M.A. جامعة الإمام محمد بن سعود الإسلامية، فهد عبدالعزيز إبراهيم الفاضل، غير مطبوع.
٣٢٧۔ مرويات أبی مخنف فی تاريخ الطبری/ يحيیٰ إبراهيم اليحيی، ط: دار العاصمة الرياض، اوّل ١٤٠١ھ۔
٣٢٨۔ مسائل الإمام أحمد بن حنبل/ أبی داوٗد سليمان بن الاشعث، ط: مطبعة المنار، مصر، ١٣٥٣ھ۔
٣٢٩۔ مسألة التقريب بين أهل السنة والشيعة / د۔ناصر بن عبدالله القفازی، ط: دار طيبة السعودية دوم ١٤١٣ھ۔
٣٣٠۔ المستدرك على الصحيحين / إمام أبوعبدالله نيسابوری، مع ذيل تلخيص الذهبی، ط: دار الفكر، ١٣٩٠ھ۔ ١٩٧٠ء.
٣٣١۔ مسند أبی يعلیٰ / أحمد بن علی المثنی التميمی/ تحقيق و تخريج: حسين سليم احمد، ط: دارالمامون للتراث، دمشق، اول.
٣٣٢۔ مسند أحمد مع الفتح الربانی / أحمد عبدالرحمن الساعاتی، ط: مطبعة الفتح الربانی، القاهرة، اول.
٣٣٣۔ مسند أحمد / أحمد ابن حنبل، تحقيق: أحمد شاكر، ط: دار المعارف، مصر سوم ١٣٦٨ھ
٣٣٤۔ مسند الإمام زيد بن علی/ عبدالعزيز بن اسحاق البغدادی، ط: دار الكتب العلمية بيروت ١٤٠٣ھ۔
٣٣٥۔ مسند الدارمی / أبو محمد عبدالله الدارمی، ط: دار المغنی، الرياض ١٤٢١ھ۔ ٢٠٠٠ء.
٣٣٦۔ مشكاة المصابيح/ تعليق و تخريج: محمد ناصر الدين ألبانی، المكتب الإسلامی.

۳۳۷۔ مشكاة المصابيح/ خطيب التبريزى.
۳۳۸۔ مصباح الظلام فى الرد على من كذب على الشيخ الإمام/ عبداللطيف بن عبدالرحمن بن حسن آل الشيخ، ط: دار الهداية، الرياض.
۳۳۹۔ المصباح المنير فى غريب الشرح الكبير للرافعى، احمد بن محمد المقرى الفيومى، ط: المكتبة العلمية، بيروت، لبنان.
۳۴۰۔ المصنف/ عبدالرزاق بن همام الصنعانى/ تحقيق: حبيب الرحمن اعظمى، ط: المكتب الإسلامى، بيروت، دوم ۱۴۰۳ھ۔
۳۴۱۔ المصنف فى الاحاديث و الآثار/ حافظ أبو بكر بن أبى شيبة، ط: الدار السلفية بمبئى، هندوستان، اوّل ۱۴۰۳ھ۔
۳۴۲۔ معاوية بن أبى سفيان صحابى كبير وملك مجاهد/ منير الغضبان، ط: دار القلم، دمشق، سوم۱۴۱۷ھ۔۱۹۹۶ء.
۳۴۳۔ المعارف/ ابن قتيبة، تحقيق: ثروت عكاشة، ط: دار المعارف، مصر، سوم.
۳۴۴۔ معالم السلوك و تزكية النفوس/ عبدالعزيز محمد العبد اللطيف، ط: دار الوطن السعودية اوّل ۱۴۱۴ھ۔
۳۴۵۔ مع الشيعة الاثنا عشرية فى الأصول و الفروع/ د۔على السالوس، ط: دار التقوىٰ اوّل ۱۴۱۷ھ۔ ۱۹۹۷ء.
۳۴۶۔ معجم الأدباء / ياقوت الحموى، ط: دار صادر، بيروت لبنان.
۳۴۷۔ معجم الطبرانى / سليمان بن أحمد الطبرانى، ط: الدار العربية، اوسط، بغداد ۱۳۹۸ھ۔
۳۴۸۔ معرفة الصحابة / أبو نعيم، تحقيق، محمد راضى ابن حاج عثمان، ط: مكتبة الدار، المدينة النبوية، اور مكتبة الحرمين، الرياض، اوّل ۱۴۰۸ھ۔
۳۴۹۔ المعرفة والتاريخ / أبويوسف الفسوى، تحقيق أكرم ضياء العمرى، ط: مطبعة الإرشاد، بغداد ۱۳۹۴ھ۔
۳۵۰۔ المغنى / ابن قدامة المقدسى، ط: دار الحديث، القاهرة، اوّل ۱۴۱۶ھ۔۱۹۹۶ء.
۳۵۱۔ المغنى فى الضعفاء / شمس الدين الذهبى، تحقيق نور الدين عتر.
۳۵۲۔ مفتاح دار السعادة / ابن القيم، تحقيق محمد حامد الفقى، ط: دار الكتاب العربى، بيروت، ۱۳۹۲ھ۔
۳۵۳۔ المفهم لما اشكل من تلخيص مسلم / أبوالعباس أحمد بن عمر القرطبى، تحقيق محى الدين، ديب ستو، يوسف بدوى، ط: دار ابن كثير، بيروت ۱۴۱۷ھ۔
۳۵۴۔ مقاصد الشريعةالإسلامية / د۔محمد سعيد اليوبى، ط: دار الهجرة الرياض، اوّل ۱۴۱۸ھ۔۱۹۹۸ء.
۳۵۵۔ مقاييس اللغة / أبوالحسين أحمد فارس، تحقيق عبدالسلام هارون، ط: دار الجيل، بيروت، اوّل ۱۴۱۱ھ۔
۳۵۶۔ مقدمة ابن الصلاح فى علوم الحديث/ أبوعمر عثمان بن عبدالرحمن ابن الصلاح، ط: دار الكتب

العلمية، بيروت، لبنان.

۳۵۷۔ الملل و النحل/ أبوالفتح محمد عبدالكريم الشهرستانى، تحقيق أحمد فهمى محمد، ط: دار الكتب العلمية، دوم ۱٤۱۳ھـ.

۳۵۸۔ من أصول الفكر السياسى/ محمد فتحى عثمان، ط: موسسة الرسالة، بيروت، دوم ۱٤۰٤ھـ ۱۹۸٤ء.

۳۵۹۔ مناقب الشافعى/ محمد عبدالرحمن بن أبى حاتم الرازى، تحقيق عبدالغنى عبدالخالق، ط: دار الكتب العلمية، بيروت.

۳٦۰۔ مناقب عمر/ ابن الجوزى.

۳٦۱۔ مناقب الإمام أحمد / ابوالفرج ابن الجوزى، تحقيق لجنة أحياء التراث، ط: دار الآفاق الجديدة، سوم ۱٤۰۲ھـ.

۳٦۲۔ المنتقى شرح مؤطا الإمام مالك بن أنس / القاضى أبوالوليد سليمان خلف الباجى الأندلسى، ط: مطبعة السعادة، اوّل ۱۳۱۳ھـ.

۳٦۳۔ المنتظم فى تاريخ الملوك و الأمم/ أبوالفرج عبدالرحمن بن على بن محمد ابن الجوزى، ط: دار الكتب العلمية، بيروت.

۳٦٤۔ المنتقى من منهاج الاعتدال فى تقض كلام أهل الرفض والاعتزال/ الحافظ أبو عبدالله محمد عثمان الذهبى، ط: مكتبة دار البيان، تحقيق و تعليق: محب الدين الخطيب.

۳٦۵۔ المنحة الالهية فى تهذيب الطحاوية / عبدالآخر حماد الغنيمى، ط: دار الصحابة بيروت، سوم ۱٤۱۸ھـ۔۱۹۹۷ء.

۳٦٦۔ من معين السيرة / صالح أحمد الشامى، ط: المكتب الإسلامى، دوم ۱٤۱۳ھـ۔۱۹۹۲ء.

۳٦۷۔ منهاج السنة النبوية / ابن تيميه، تحقيق: محمد رشاد، ط: موسسة قرطبة.

۳٦۸۔ منهج على بن أبى طالب فى الدعوة إلى الله/ د۔سليمان بن قاسم العيد، ط: دار الوطن الرياض، اوّل ۱٤۲۲ھـ۔۲۰۰۲ء.

۳٦۹۔ منهج القرآن الكريم فى إصلاح النفوس / عبده الحاج محمد الحريرى Thesis برائے M.A. بغداد يونيورسٹی.

۳۷۰۔ منهج كتابة التاريخ الإسلامى/ محمد صامل العليانى السلمى، ط: دار طيبة، الرياض، اوّل ۱٤۰٦ھـ ۱۹۸٦ء.

۳۷۱۔ منهج المسعودى فى كتابة التاريخ / سليمان بن عبدالله المديد السويكت، اوّل ۱٤۰۷ھـ۔۱۹۸٦ء.

۳۷۲۔ المواعظ و الاعتبار / أحمد بن على بن عبدالقادر المقريزى، ط: مكتبة الثقافية الدينية، القاهرة، دوم ۱۹۸۷ء.

۳۷۳۔ الموافقات فى أصول الشريعة / أبوإسحاق الشاطبى، تحقيق: عبدالله دراز، ط: دار الباز، مكة المكرمة.

۳۷٤۔ الموسوعة الحديثية (السنن والمجاميع)/ ط: مؤسسة الرسالة، اوّل ۲۰۰۱ء.

۳۷۵۔ موسوعة فقه على بن أبى طالب / د۔قلعجى، ط: دار النفائس، بيروت، اوّل ۱٤۱۷ھ۔۱۹۹٦ء۔
۳۷٦۔ المهدى و فقه أشراط الساعة/ د۔محمد أحمد إسماعيل المقدم، ط: الدار العالمية اسكندرية، اوّل ۱٤۳۳ھ۔
۳۷۷۔ ميزان الاعتدال/ الذهبى، تحقيق على محمد البجاوى، ط: دار المعرفة، بيروت۔

(ن)

۳۷۸۔ الناهية عن طعن أمير المومنين معاوية/ عبدالعزيز بن أحمد بن حامد، ط: غراس للتوزيع، الكويت، اوّل ۱٤۲۲ھ۔
۳۷۹۔ نسب قريش / أبوعبدالله مصعب بن عبدالله الزبيرى، ط: دار المعارف، القاهرة۔
۳۸۰۔ النجوم الزاهرة فى ملوك مصر والقاهرة/ جمال الدين أبوالمحاسن، يوسف بن تغرى بردى، ط: وزارة الثقافة والارشاد القومى، القاهرة۔
۳۸۱۔ نساء أهل البيت/ منصور عبدالحكيم، ط: المكتبة التوفيقية۔
۳۸۲۔ نصب الراية لأحاديث الهداية، جمال الدين أبومحمد عبدالله بن يوسف الزيلعى، ط: دار المامون القاهرة، ۱۳۵۷ھ۔۱۹۳۸ء۔
۳۸۳۔ نظام الحكم فى الشريعة و التاريخ الإسلامى/ ظافر القاسمى، ط: دار النفائس، بيروت، سوم ۱٤۰۷ھ۔۱۹۸۷ء۔
۳۸٤۔ نظام الحكم فى عهد الخلفا الراشدين / أحمد محمد عبدالصمد، ط: الموسسة الجماعية للدراسات والنشر والتوزيع، بيروت اوّل ۱٤۱٤ھ۔۱۹۹٤ء۔
۳۸۵۔ نظام الحكم فى الإسلام / عارف أبوعبيد ط: دار النفائس، الأردن، اوّل ۱٤۱٦ھ۔۱۹۹٦ء۔
۳۸٦۔ نظام الحكومة الإسلامية المسمى بالتراتيب الإدارية/ محمد عبدالحئ الكتانى الإدريسى الحسنى، ط: الأرقم بن أبى الأرقم، بيروت۔
۳۸۷۔ نظام الخلافة فى الفكر الإسلامى/ د۔مصطفى حلمى، ط: دار الدعوة، اسكندرية۔
۳۸۸۔ النظام السياسى فى الإسلام / د۔ محمد أبوفارس، ط: دار الفرقان، عمان، الأردن، دوم ۱٤۰۷ھ۔۱۹۸٦ء۔
۳۸۹۔ النظم الإسلامية/ صبحى الصالح، ط: دار العلم للملائيين، بيروت، پنجم ۱۹۸۰ء
۳۹۰۔ النظم المالية فى الإسلام / عيسى عبده، ط: معهد الدراسات الإسلامية، القاهرة ۱۳۹٦ھ و ۱۳۹۷ھ۔
۳۹۱۔ النهاية فى الفتن و الملاحم/ ابن كثير، ط: دار المعرفة، بيروت، لبنان، چهارم ۱٤۲۳ھ۔۲۰۰۲ء۔
۳۹۲۔ نهاية الأرب فى فنون الأدب/ شهاب الدين أحمد بن عبدالوهاب النويرى، ط: مطبعة كوتساتوماسى، القاهرة۔
۳۹۳۔ نهج البلاغة/ شرح الشيخ محمد عبده، ط: دار البلاغة، هشتم ۱٤۲۱ھ۔۲۰۰۰ء۔
۳۹٤۔ النهج المبين للأصول العشرين/ عبدالله القاسم الوشلى، ط: دار المجتمع جده، السعودية، اوّل ۱٤۱۱ھ۔۱۹۹۰ء

۳۹۵۔ النهی عن سب الأصحاب/ محمد عبدالواحد المقدسی، تحقیق: عبدالرحمن الترکی، ط: مؤسسة الرسالة، اول.

۳۹۶۔ نیل الأوطار/ محمد بن علی الشوکانی، ط: مصطفی البأبی الحلبی و شرکاء ه، القاهرة.

(و)

۳۹۷۔ وسطیة أهل السنة بین الفرق/ د۔ محمد باکریم، ط: دار الرایة، الریاض، اوّل ۱٤۱۵ھ۔ ۱۹۹٤ء.

۳۹۸۔ الوسطیة فی القرآن الکریم / علی محمد محمدالصلابی، ط: دار النفائس، دار البیارق، عمان، اوّل ۱۹۹۹ء.

۳۹۹۔ الوصیة الکبرٰی/ ابن تیمیة، ط: المطبعة السلفیة و مکتبتها، سوم ۱٤۰۱ھ۔

٤۰۰۔ الوظیفة العقیدیة للدولة الإسلامیة/ حامد عبدالماجد قویسی، اوّل ۱٤۱۳ھ۔۱۹۹۳ء.

٤۰۱۔ وفیات الأعیان و ابناء الزمان/ أبوالعباس شمس الدین أحمد، خلکان، تحقیق: إحسان عباس، دار صادر بیروت.

٤۰۲۔ وقائع ندوةالنظم الإسلامیة/ أبوظبی ۱٤۰۵ھ۔ ۱۹۸٤ء.

٤۰۳۔ وقعه صفین/ نصر بن مزاحم المنقری، تحقیق عبدالسلام هارون، القاهرة، دوم ۱۳۸۲ھ۔

٤۰٤۔ ولاة مصر/ ابویوسف محمد بن یوسف الکندی، تحقیق ڈاکٹر حسین نصار، ط: دار صادر بیروت.

٤۰۵۔ ولایة الشرطة فی الإسلام / د۔نمر الحمیدانی، ط: دار عالم الکتب الریاض دوم ۱٤۱٤ھ۔ ۱۹۹٤ء.

٤۰٦۔ الولایة علی البلدان فی عصر الخلفاء الراشدین / د۔عبدالعزیز إبراهیم العمری اوّل ۱٤۰۹.

(هـ)

٤۰۷۔ الهبة فی العصر النبوی و عصر الخلفا الراشدین / د۔فضل الٰهی، ط: مؤسسة الجریسی، الریاض، سوم ۱٤۲۰ھ۔۱۹۹۹ء.

٤۰۸۔ هجرة الرسول و صحابته فی القرآن و السنة / أحمد عبدالغنی الجمل، ط: دار الوفاء اوّل ۱٤۰۹ھ۔ ۱۹۸۹ء.

٤۰۹۔ هدی الساری مقدمة فتح الباری / ابن حجر العسقلانی، ط: بالمطبعة السلفیة و مکتبتها.